



حیاتِ ابوالمحاسن رحمۃ اللہ علیہ

محاسن التذکرہ

مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کے حالات و کمالات، امتیازات و خصوصیات علمی، دینی، ملی، قومی، سیاسی خدمات، افکار و نظریات اور بہت سے علمی، فکری اور تاریخی مباحث پر مشتمل ایک تحقیقی و دستاویزی مرقع، محی اذاروں اور تحریکات کی مستند تاریخ اور مکمل سوانح حیات۔

اخترامام عادل قاسمی

اذْكُرُوا مُحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ الْحَدِيثَ
(رواہ ائمہ بڑی و ابوداؤد)

حیاتِ ابوالحسنؒ

(محاسن التذکرہ)

مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد کے حالات و کمالات، امتیازات و خصوصیات، علمی، دینی، ملی، قومی و سیاسی خدمات، افکار و نظریات اور بہت سے علمی، فکری اور تاریخی مباحث پر مشتمل ایک تحقیقی دستاویزی مرقع، کئی اداروں اور تحریکات کی مستند تاریخ اور مکمل سوانح حیات

اختر امام عادل قاسمی
مہتمم جامعہ ربانی منور و اشرف

ناشر
جامعہ ربانی منور و اشرف

جمہ حقوق بحق مصنف محفوظ

تفصیلات

نام کتاب :	حیات ابوالحسن (سوانح حیات مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد شاہ)
مصنف :	اختر امام عادل قاسمی
صفحات :	
سال اشاعت :	۲۰۱۹ء
قیمت :	950
ناشر :	جامعہ ربانی منوروا شریف ضلع سمٹی پور (بہار)
باہتمام :	محمد ناصر خان

ملنے کے پتے

- فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی
- الجمعية بئنگ، گل قاسم جان، لال کنواں دہلی
- مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)
- مکتبہ جامعہ ربانی منوروا شریف سمٹی پور (بہار)

مندرجات کتاب حیات ابوالحسن

۳۷	• عکس نائش: کتاب حیات سجاد مرتبہ مولانا عظمت اللہ علیہ آبادی
۳۸	• عکس نائش: کتاب محاسن سجاد مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی
۳۹	• عکس نائش: کتاب حقیقت سجاد مرتبہ سید احمد عروج قدوری
۴۰	• عکس نائش: کتاب حیات سجاد مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی
۴۱	• عکس نائش: کتاب حیات سجاد مرتبہ مولانا انیس الرحمن قاسمی
۴۲	• عکس نائش: کتاب حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد - حیات و خدمات مرتبہ مولانا انیس الرحمن قاسمی
۴۳	• عکس نائش: کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد مرتبہ مولانا طیف نعت ندوی
۴۴	• عکس نائش کتاب تذکرہ ابوالحسن مرتبہ اختر امام عادل قاسمی
۴۵	• تلاش و تحقیق کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی ہے / امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمانی
۴۹	• ایک ضرورت کی تکمیل / حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
۵۶	• حروف اولین - سوانحی سرگذشت، تالیف کتاب کا پس منظر

پہلا باب

عہد، علاقہ اور خاندان

۷۶	• فصل اول: تصویر عہد
۷۸	• فصل دوم: تصویر وطن
۷۸	• راج گیر کا علاقہ
۷۸	• مددہ سلطنت کا پایہ تخت
۷۹	• راج گیر کی پہاڑیاں
۷۹	• بدیعہ خاندان کی حکومت اور بدھ مذہب کا آغاز
۸۰	• جین مذہب کا آغاز
۸۱	• راج گیر میں اسلامی آثار

۸۲	● نالندہ، علم و معرفت کی سرزمین
۸۲	● نالندہ کی وجہ تسمیہ
۸۲	● دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی - نالندہ یونیورسٹی
۸۵	● پال خاندان کی حکومت
۸۵	● نالندہ اسلامی دور میں - علم و حکمت کا مرکز
۸۶	● نالندہ کی مردم خیز بستیاں
۸۹	● 'بہار شریف' روحانیت کا مسکن
۹۰	● بہار شریف اسلامی دور میں
۹۶	● بہار شریف کی سیاسی اہمیت
۹۷	● حضرت مولانا سجاد کا گاؤں 'پنہسہ'
۹۹	● تصویر: پنہسہ کی قدیم ترین مسجد
۱۰۰	● فصل سوم: خاندان

دوسرا باب

ولادت سے تعلیم و تربیت تک

۱۰۸	● فصل اول: ولادت باسعادت
۱۰۹	● والد ماجد
۱۱۰	● فصل دوم: تعلیم و تربیت
۱۱۰	● مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ
۱۱۱	● حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ کے زیرِ سایہ
۱۱۱	● مولانا عبدالوہاب فاضل بہاریؒ سے تلمذ
۱۱۳	● حضرت مولانا محمد مبارک کریمؒ سے تلمذ
۱۱۴	● حصول تعلیم کے لئے کانپور کا سفر
۱۱۴	● دارالعلوم کانپور میں داخلہ
۱۱۵	● دارالعلوم کانپور

۱۱۶	● بھائی کی علالت کے سبب سے وطن واپسی اور فرار
۱۱۷	● حضرت مولانا سید عبدالشکورؒ مظفر پوریؒ سے تلمذ
۱۲۰	● حضرت مولانا خیر الدین گیارویؒ سے استفادہ
۱۲۰	● مولانا عبدالشکورؒ کے زیر سرپرستی سفر دیوبند
۱۲۱	● مولانا محمد سجادؒ کو حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ حاصل نہیں
۱۲۲	● دیوبند سے کانپور اور کانپور سے وطن واپسی
۱۲۳	● تکمیل تعلیم کے لئے الہ آباد کا سفر
۱۲۴	● مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کا انتخاب
۱۲۵	● مدرسہ سبحانیہ الہ آباد
۱۲۶	● مولانا محمد سجادؒ کے عہد طالب علمی کے امتیازات
۱۲۷	● فراغت اور دستار بندی

تیسرا باب

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے اساتذہ کرام

۱۳۰	● شاگرد استاذ کے کمالات کا آئینہ ہوتا ہے
۱۳۰	● حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ
۱۳۰	● 'استھانویں' ایک علمی اور تاریخی بستی
۱۳۳	● شمس العلماء حضرت مولانا عبدالوہاب فاضل بہاریؒ
۱۳۳	● ممتاز تلامذہ
۱۳۴	● تصنیفات و تالیفات
۱۳۵	● حضرت مولانا مبارک کریم صاحبؒ
۱۳۷	● استاذ الکمل حضرت مولانا احمد حسن فاضل کانپوریؒ
۱۳۹	● حضرت مولانا سید عبدالشکورؒ مظفر پوریؒ
۱۴۰	● حضرت مولانا خیر الدین گیارویؒ (کامل پوریؒ)
۱۴۱	● حضرت علامہ عبدالکافی نارویؒ الہ آبادیؒ

چوتھا باب

نکاح، ازواج و اولاد

•	نکاح	۱۴۶
•	محل اولیٰ	۱۴۶
•	محل ثانیہ	۱۴۸
•	محل ثالثہ	۱۴۹
•	مولانا محمد حسن حجازی	۱۵۰
•	مولانا ابو جمال علی حسن روثی استھانوی	۱۵۱

پانچواں باب

تعلیم روحانی و تزکیہ باطن

•	تعلیم روحانی و تزکیہ باطن	۱۵۶
•	مولانا کا ذوق تصوف خاندانی ہے	۱۵۶
•	حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پوری نقشبندیؒ سے بیعت	۱۵۷
•	اجازت و خلافت	۱۵۷
•	صدق و اخلاص اور عشق رسول	۱۶۰
•	رقت قلب اور غلبہ خشیت	۱۶۱
•	بے نظیر عزیمت و ایثار	۱۶۲
•	مؤمن کامل کی پہچان	۱۶۲
•	قناعت و ایثار	۱۶۳
•	زادۂ زندگی	۱۶۳
•	فقر و استغنا	۱۶۶
•	فقر اختیار	۱۶۷
•	ریاضت و مجاہدہ	۱۶۸

۱۶۸	● صحابہ کا رنگ
۱۶۹	● سراپا اتباع سنت
۱۶۹	● حضرت مولانا سجاد کا مشرب
۱۷۰	● کرامات و انعامات
۱۷۱	● زمین پر سکون ہو گئی سنت فاروقی پر عمل کی برکت
۱۷۱	● ڈاکٹری رپورٹ کے برعکس پیٹ سے زندہ بچے برآمد
۱۷۲	● سرکش جن نے حکم کی تعمیل کی

چھٹا باب

علمی مقام و مرتبہ

۱۷۴	● فصل اول: بلند علمی مقام
۱۷۴	●۳ فکر صاحب
۱۷۶	● قوت حافظہ
۱۷۶	● ذوق مطالعہ
۱۷۶	● علوم عقلیہ پر ناقدا نہ نظر
۱۷۹	● جامع العلوم شخصیت
۱۸۰	● فصل دوم: علوم قرآنی
۱۸۰	● تدریس قرآنی
۱۸۰	● قرآن کریم سے مسائل کا استنباط
۱۸۱	● اوقاف پر زرعی ٹیکس کا مسئلہ
۱۸۲	● قرآنی دقائق و نکات پر نگاہ
۱۸۳	● علم حدیث
۱۸۳	● ہر حدیث قرآن سے مربوط ہے
۱۸۴	● احادیث کا اختلاف اختلاف احوال اور مراتب احکام پر مبنی ہے
۱۸۴	● نکتہ دہی

۱۸۵	• علم بدیع
۱۸۶	• علمی جامعیت
۱۹۱	• فصل سوم: حضرت مولانا ابوالحسن محمد تہاؤ بکچیت مجتہد فقیہ
۱۹۳	• فقیہ النفس عالم دین
۱۹۵	• علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی شہادت
۱۹۶	• شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی شہادت
۱۹۷	• مولانا کا مسک فتنی اور دیگر مکاتیب فقیہ کے بارے میں نقطہ اعتدال
۱۹۷	• راہ اور منزل کا فرق فراموش نہیں کیا
۱۹۸	• اختلافی مسائل میں منہج اعتدال
۱۹۹	• احوال زمانہ اور مدارج احکام پر نظر
۱۹۹	• تبدل احوال سے تبدل احکام کی حقیقت
۲۰۲	• مصالح شریعت پر نظر
۲۰۳	• مصالح کی رعایت کے حدود
۲۰۳	• نظریہ امارت مولانا کے فتنی شعور اور زمانہ شناسی کا آئینہ دار
۲۰۶	• مسئلہ کی روح تک رسائی
۲۰۷	• مجالس میں کثرت رائے پر فیصلہ کی بنیاد
۲۰۸	• وقف علی الاولاد کا مسئلہ
۲۰۹	• غیر مسلم ملکوں میں نظام قضایا شرعی بنچایت؟
۲۱۲	• ترک موالات کے مسئلہ پر جامع فتویٰ - خصوصیات
۲۱۲	• تعلیق طلاق کے مسئلہ پر مولانا محمد تہاؤ کا محاکمہ
۲۱۵	• عکس نائکل متفقہ فتویٰ علماء ہند
۲۱۶	• مسجد کی منتقلی کا مسئلہ
۲۱۷	• دیہات میں جمعہ کا مسئلہ
۲۲۱	• مسئلہ رویت ہلال

۲۲۳	● قطرہ از دریہ
۲۲۴	● فصل چہارم: حضرت ابوالحسنؑ کی قانونی بصیرت
۲۲۴	● ممالک عالم کے قوانین و وساتیر پر ان کی نگاہ تھی
۲۲۵	● بڑے بڑے ماہرین قانون انگشت بدنداں رہ جاتے تھے
۲۲۶	● حکومت وقت نے بارہا آپ کے طریقہ تحقیقات کی تقلید کی
۲۲۷	● ماہرین قانون نے بھی لوہا مانا
۲۲۸	● آئین پڑھنے والوں سے زیادہ وہ آئین جانتے تھے
۲۲۸	● قانونی سیاسی مشکلات حل کرنا ان کی چٹکیوں کا کھیل تھا
۲۲۹	● قمر و عمل اور تدبیر و سیاست کی جامع شخصیت
۲۲۹	● ہندوستان کے طبقہ علماء میں واحد شخص
۲۳۰	● قانونی ژرف نگاہی کی چند عملی مثالیں
۲۳۰	● مجوزہ مسنم وقف بل کی ترتیب
۲۳۰	● مسودہ قانون جہیز بل سے مسلمانوں کا استثنا
۲۳۰	● جداگانہ معاشرتوں کے لئے جداگانہ قوانین
۲۳۱	● نمائندہ اسمبلی والی تجویز میں ترمیمات
۲۳۱	● زرعتی انکم ٹیکس قانون سے اوقاف کا استثنا
۲۳۲	● مذہبی تعلیم کا حق
۲۳۲	● قانونی خدمات کی داد کوئی ماہر قانون ہی دے سکتا ہے
۲۳۳	● انتخابی سیاست میں شرکت اور پارٹی کا قیام
۲۳۳	● متبادل آئین ہند کی ترتیب
۲۳۳	● مسودہ قانون انفساخ نکاح
۲۳۶	● وار وھال تعلیمی اسکیم کی مخالفت
۲۳۶	● نظریہ اہنسا (عدم تشدد) کی مخالفت
۲۳۷	● تحفظ مویشیان بل

۲۳۷	• حقوق مسلم (مسلم پرسنل الاء) کی تعریف اور مطالبات
۲۳۸	• تحریک تبرا کے موقعہ پر یوپی حکومت کی قانونی گرفت

ساتواں باب

علمی خدمات

۲۴۰	• فصل اول: تدریسی خدمات
۲۴۰	• ایک بڑی غلطی
۲۴۱	• تدریسی ادوار
۲۴۱	• دور اول تدریس بہ عہد طالب علمی
۲۴۱	• زمانہ طالب علمی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد
۲۴۲	• ممتاز تلامذہ
۲۴۳	• دور ثانی: تدریس بہ عہد ملازمت تدریس
۲۴۳	• مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تقرر
۲۴۴	• مدرسہ اسلامیہ کے ایک نئے دور کا آغاز
۲۴۵	• مدرسہ اسلامیہ کا عہد عروج
۲۴۶	• امتحانی مظاہرے
۲۴۷	• ایک جلسہ دستار بندی
۲۴۷	• ممتاز تلامذہ
۲۴۹	• مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں بحیثیت نائب صدر مدرس تقرر
۲۵۰	• الہ آباد سے بہار شریف واپسی
۲۵۱	• دوبارہ بہار شریف سے الہ آباد - تعلیمی سلسلہ کا عہد زریں
۲۵۱	• الہ آباد میں بحیثیت مفتی شہر
۲۵۲	• الہ آباد میں آپ کے طریقہ تعلیم کی شہرت
۲۵۳	• ممتاز تلامذہ
۲۵۶	• دور ثالث: تدریس بہ عہد اہتمام زمانہ قیام گیا

۲۵۶	●	اللہ آباد سے گیا تشریف آوری
۲۵۷	●	اللہ آباد چھوڑنے کے اسباب
۲۵۸	●	ایک جامع مرکز علم و عمل کا منصوبہ
۲۵۹	●	گیا کا تاریخی پس منظر
۲۶۰	●	گیا کا انتخاب
۲۶۱	●	گیا کے بعض اسلامی مدرسے
۲۶۱	●	مدرسہ (قاسمیہ) اسلامیہ
۲۶۱	●	مدرسہ انوار العلوم (بناء اول)
۲۶۲	●	مدرسہ انوار العلوم گیا کا احیاء
۲۶۳	●	بے مثال صبر و ایثار
۲۶۵	●	فتوحات کا آغاز
۲۶۶	●	منتہی درجات تک تعلیم
۲۶۷	●	ملی، تعلیمی و قومی تحریکات کا مرکز
۲۶۷	●	خوبصورت تسلسل
۲۶۷	●	زوال کی طرف
۲۶۹	●	تصاویر مدرسہ انوار العلوم گیا
۲۷۱	●	سند فضیلت مدرسہ انوار العلوم گیا
۲۷۲	●	تدریسی امتیازات و خصوصیات
۲۷۳	●	طلبہ کی ضروریات کا خیال
۲۷۴	●	تدریسی فنائیت
۲۷۴	●	چھٹیوں میں تعلیم
۲۷۵	●	طلبہ میں اعتماد کی روح پھونکنا
۲۷۶	●	طلبہ کی نفسیات تک رسائی
۲۷۶	●	طریقہ تنہیم کی انفرادیت

۲۷۸	● فصل دوم: قلمی خدمات
۲۷۹	● حضرت ابوالحسن کا علم سید سے سفید میں منتقل نہ ہو سکا
۲۷۹	● حضرت ابوالحسن کے طرز تحریر کی خصوصیات
۲۸۰	● حضرت مولانا کے تحریر کی سرمایہ کے تحفظ کی کوششیں
۲۸۲	● فتاویٰ امارت شرعیہ جدید اول محاسن الفتاویٰ
۲۸۳	● قضایا سجاد
۲۸۴	● قانونی مسودے
۲۸۶	● حکومت الہی
۲۸۷	● خطبہ صدارت
۲۸۸	● مقالات سجاد
۲۹۱	● امارت شرعیہ شہادت و جوابات
۲۹۳	● مکاتیب سجاد
۲۹۴	● دستور امارت شرعیہ
۲۹۴	● متفقہ فتویٰ علماء ہند

آٹھواں باب

تحریک خلافت اور حضرت مولانا ابوالحسن سجاد

۲۹۶	● فصل اول: ذہنی انقلاب
۲۹۶	● ذہنی انقلاب - تدریس سے ملی قیادت کی طرف
۲۹۷	● ایک جامع مرکز کی تاسیس
۲۹۷	● تحریک خلافت نے حضرت ابوالحسن کو مرکزی قائد بنادیا
۲۹۹	● فصل دوم: خلافت اسلامیہ - شرعی تصور اور تاریخ
۳۰۰	● خلافت اسلامیہ کا تاریخی تسلسل
۳۰۱	● وقفہ تعصل
۳۰۲	● ہندوستان نے ہر دور میں مرکز خلافت کی قیادت تسلیم کی

۳۰۲	• ہندوستان عہد خلافت راشدہ سے عہد خلافت عثمانیہ تک
۳۰۳	• عہد غزنوی
۳۰۴	• غوریوں کا عہد
۳۰۴	• عہد تغلق
۳۰۵	• عہد خلجی
۳۰۵	• ہندوستان کے عہد اسلامی کے سکے اور کتبات
۳۰۶	• خلافت عثمانیہ کا آغاز
۳۰۶	• ہندوستان عہد خلافت عثمانی میں
۳۰۷	• بابر سے عالمگیر تک
۳۰۸	• فصل سوم: ہندوستان میں تحریک خلافت کا پس منظر اور آغاز
۳۰۸	• خلافت عثمانیہ دنیا کی عظیم ترین سلطنت
۳۰۹	• دشمن کی آنکھ کا کاٹنا
۳۱۰	• ترکی کے خلاف سازشوں کا آغاز
۳۱۱	• عالم اسلام پتے کی طرح بکھر گیا
۳۱۱	• جنگ عظیم کے نتائج
۳۱۳	• چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
۳۱۳	• حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی عالمی تحریک
۳۱۴	• مجلس خلافت کا قیام
۳۱۷	• مجلس خلافت کی تاسیس میں حضرت مولانا سجاد کا کردار
۳۱۸	• انجمن مؤید الاسلام کے اجلاس میں تجویز خلافت
۳۲۰	• تحریک خلافت کا مرکز اولین - فرنگی محل
۳۲۱	• بمبئی میں دفتر آل انڈیا خلافت کا قیام
۳۲۱	• خلافت کمیٹی کی پہلی شاخ گیا میں
۳۲۱	• آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ

۳۲۲	● کانفرنس میں منظور شدہ تجاویز
۳۲۳	● حضرت مولانا سجاد کانفرنس کے اہم قائد
۳۲۳	● خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس دہلی میں
۳۲۴	● تجویز مقاطعہ
۳۲۴	● خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس امرتسر میں
۳۲۴	● دہلی میں خلافت کانفرنس اور وفد خلافت کی تجویز
۳۲۵	● کلکتہ میں خلافت کانفرنس
۳۲۵	● کراچی میں عظیم الشان خلافت کانفرنس
۳۲۶	● خلافت کمیٹی کا ایک یادگار اشتہار
۳۲۷	● گنیا میں عظیم الشان خلافت کانفرنس
۳۲۸	● گنیا کانفرنس کا منظر جمیل
۳۳۰	● احیاء خلافت کی آخری کوششیں
۳۳۱	● الغائے خلافت کے جھوٹے اعذار

نواں باب

جمعیتہ علماء ہند کا قیام

۳۳۳	● فصل اول: تصور، تحریک اور پس منظر
۳۳۳	● انجمن علماء بہار کی تاسیس
۳۳۶	● ندوۃ العلماء کانپور
۳۳۶	● جمعیتہ الانصار دیوبند
۳۳۷	● انجمن علماء بنگال - تعارف اور پس منظر
۳۳۹	● فصل دوم: جمعیتہ علماء بہار - خدمات اور سرگرمیاں
۳۳۹	● جمعیتہ علماء بہار - جمعیتہ علماء ہند کی خشت اولین
۳۴۱	● پر آشوب دور
۳۴۱	● انجمن علماء بہار کا پہلا اجلاس روئیداد اور کاروائیاں

۳۴۴	• حضرت شیخ البند کے مطالبہ رہائی کی تجویز
۳۴۶	• منظور شدہ تجاویز
۳۴۷	• انجمن علماء بہار کا دوسرا اجلاس
۳۴۷	• تجویز دارالقضاء
۳۴۹	• فصل سوم: بہار جمعیت سے کل ہند جمعیت کی طرف - اقدامات اور مساعی
۳۴۹	• حضرت مولانا عبدالباقی کو پیش قدمی کی دعوت
۳۵۰	• مولانا سجاد کا خط مولانا عبدالباقی کے نام
۳۵۱	• مقام اجلاس کے بارے میں مولانا سجاد کی رائے
۳۵۲	• علماء دیوبند کی حمایت کا حصوں - حضرت ابوالحسن کی بڑی حکمت عملی
۳۵۳	• لکھنؤ میں تحریک جمعیت کا پہلا مشاورتی اجلاس
۳۵۴	• مولانا عبدالباقی فرنگی محلی مرکز اتفاق قرار پائے
۳۵۴	• دہلی کی عظیم الشان خلافت کانفرنس اور جمعیت علماء ہند کی تاسیس
۳۵۵	• درگاہ حضرت حسن رسول نما پر چند علماء امت کا خفیہ اجتماع
۳۵۶	• تصویر درگاہ حضرت سید حسن رسول نما
۳۵۷	• درگاہ حضرت حسن رسول نما کے انتخاب کی وجہ
۳۵۹	• تاسیس جمعیت علماء ہند
۳۶۰	• مجلس تاسیس میں حضرت مولانا محمد سجاد کی شرکت کا معاملہ
۳۶۱	• حضرت سہبان البند مولانا احمد سعید دہوی کی شہادت
۳۶۳	• رپورٹ مختصر حالات انعقاد جمعیت علماء ہند پر ایک نظر
۳۶۵	• جمعیت علماء ہند کی تشکیل اور عہدیداران کا انتخاب
۳۶۵	• حسن انتخاب
۳۶۷	• فصل چہارم: جمعیت علماء ہند - تقلیر سے تاسیس تک
۳۶۷	• حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد اس کاروان قدس کے پہلے مسافر
۳۶۸	• جمعیت علماء ہند کا اصل بانی کون؟ - تحقیق و تنقیح

۳۷۹	● مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب؟
۳۷۹	● حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی؟
۳۸۰	● مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری؟
۳۸۱	● مفکر اسلام ابوالحسن حضرت مولانا محمد سجاد - بانی اول
۳۸۲	● مکتوب سجاد سے رہنمائی
۳۸۳	● علماء اور دانشوروں کی شہادتیں
۳۸۸	● علماء دیوبند کی نمائندگی
۳۸۹	● ہندوستان کی ملی تحریکات کا فکر شیخ الہند سے رشتہ
۳۹۱	● فصل پنجم: جمعیت علماء ہند اور حضرت ابوالحسن - منزل بمنزل
۳۹۱	● جمعیت علماء ہند کا پہلا اجلاس
۳۹۲	● اجلاس اول کے بعد ماحول سازی پر خصوصی توجہ
۳۹۳	● کلکتہ میں جمعیت علماء ہند کا اجلاس خاص
۳۹۴	● تجویز ترک موالات
۳۹۵	● تجویز صدارت اجلاس
۳۹۵	● جمعیت علماء ہند کا دوسرا اجلاس عام دہلی
۳۹۶	● حضرت شیخ الہند مستقل صدر جمعیت علماء ہند
۳۹۶	● ترک موالات پر متفقہ فتویٰ علماء ہند
۳۹۸	● مولانا سجاد کی تقریر بے نظیر
۳۹۸	● امیر الہند کی تجویز
۳۹۹	● تیسرے اجلاس میں امارت شریعہ فی الہند کی تجویز منظور
۳۹۹	● امیر الہند کے انتخاب میں دشواریاں
۴۰۰	● مسودہ فرائض و اختیارات امیر شریعت
۴۰۱	● نظام نامہ امیر شریعت
۴۰۱	● گلیا میں جمعیت علماء ہند کا چوتھا اجلاس عام

۴۰۲	● اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد کی صدارت
۴۰۴	● ادارہ حر بیہ کے سربراہ
۴۰۶	● شاروا ایکٹ کے خلاف احتجاج
۴۰۷	● مدح صحابہ اہل بیگی ٹیشن کی قیادت
۴۰۷	● مجلس تحفظ ناموس شریعت کے سربراہ
۴۰۷	● آزاد ہندوستان کا دستور اساسی
۴۰۸	● سیاسی انتخابات میں شرکت کی تجویز
۴۰۹	● چھپرہ میں حضرت مولانا سجاد کے زیر قیادت جمعیت کی صوبائی کانفرنس
۴۱۰	● یوم فلسطین کی تجویز
۴۱۰	● نظارت امور شرعیہ کا مسودہ
۴۱۰	● وار دھاتعلیمی اسکیم کا جائزہ
۴۱۱	● نہرو رپورٹ کا بائیکاٹ
۴۱۱	● جمعیت علماء ہند کی قیادت کا مسئلہ
۴۱۲	● بے لوث خدمات
۴۱۲	● بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند
۴۱۳	● ”تذکرہ جمعیت علماء ہند“ کی تصنیف
۴۱۵	● جمعیت علماء ہند کے لئے نئی منصوبہ بندی
۴۱۶	● جمعیت علماء ہند کے دماغ

دسواں باب

امارت شرعیہ

۴۱۸	● فصل اول: امارت شرعیہ تصور، تحریک اور پس منظر
۴۱۸	● انقلابات دوراں
۴۱۹	● علماء امت کی فکر مندی و دردمندی آزمائشیں اور قربانیاں
۴۲۱	● آئینی دور کا امام اور عصر حاضر کا مجدد

۴۲۳	● فصل دوم: نظریہ امارت کی شرعی حیثیت - حدود اور معیار
۴۲۳	● نظریہ امارت پر بعض کتابیں
۴۲۴	● تنظیم و اجتماعیت اسلام میں مطلوب ہے
۴۲۵	● اسلام اجتماعیت کے بغیر اور اجتماعیت امارت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی
۴۲۹	● نصب امیر کے لئے مملکت کا وجود ضروری نہیں
۴۲۹	● مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت
۴۲۹	● دار الکفر میں بحیثیت امیر حضرت طاہر طاہر کا تقرر
۴۳۱	● حالت مغلوبی میں بیعت عقبہ
۴۳۲	● عہد نبوت میں دوسرے غیر مسلم علاقوں میں تقرر امیر
۴۳۵	● دار الحرب پیامہ میں انتخاب امیر
۴۳۶	● فقہی تصریحات
۴۳۸	● قوت قاہرہ کے بغیر بھی امارت قائم ہو سکتی ہے
۴۴۱	● اسلامی تاریخ میں مغلوبانہ امارت کے نظائر
۴۴۲	● قدیم فارسی میں والی وقاضی کے لئے ہنرمند (یا ہنرمند) کی اصطلاح
۴۴۳	● امارت شرعیہ کا تصور اسلامی تاریخ میں نیا نہیں
۴۴۳	● شریعت میں قیام امارت کے لئے قوت قاہرہ شرط نہیں ہے
۴۴۴	● اہلیت امارت کے لئے مطلوبہ معیار
۴۴۵	● حدیث میں امام ضعیف سے مراد
۴۴۶	● قوت تحفیذ کا مطلب
۴۴۸	● امارت شرعیہ کے لئے بیعت کی ضرورت
۴۵۰	● دارالاستیلاء میں امارت کبریٰ کے بارے میں مولانا سجاد کا موقف
۴۵۲	● فصل سوم: تحریک امارت شرعیہ - قیام، مقاصد اور پس منظر
۴۵۲	● امارت شرعیہ ہند کے قیام سے حضرت مولانا سجاد کا منصوبہ
۴۵۲	● جدید اصطلاحات کے بجائے اسلامی اصطلاحات والا ادارہ

۴۵۳	• مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر علماء سے تبادلہ خیال
۴۵۶	• دار الکفر میں امارت شرعیہ تنظیم اسلامی کی واحد عبوری صورت
۴۵۸	• موجودہ ہندوستان میں امارت ہی مسلمانوں کے مسائل کا حل ہے
۴۵۹	• امت کی تنظیم اطاعت سے وابستہ ہے
۴۶۰	• تحریک امارت میں مخالفتوں کا سامنا
۴۶۲	• حضرت ابوالحی سن کے ذہن میں امارت شرعیہ کا تصور
۴۶۳	• قیام امارت سے قبل بیعت جہاد
۴۶۳	• جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوم میں امارت فی الہند کی تجویز
۴۶۴	• امیر الہند کے انتخاب میں دشواریاں
۴۶۴	• حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی
۴۶۵	• مولانا ابوالکلام آزاد
۴۶۷	• حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محانی
۴۶۹	• حضرت مولانا معین الدین اجمیری کا اختلاف
۴۷۱	• جمعیت علماء ہند کے اجلاس سوم میں امیر الہند کا مسئلہ
۴۷۳	• مسودہ فرائض امیر الشریعہ ٹائل
۴۷۵	• امارت ہند کا مکمل خاکہ تیار
۴۷۵	• کل ہند امارت شرعیہ کے قیام میں رکاوٹیں
۴۷۶	• صوبہ وارانہ میں قائم کرنے کی تجویز منظور
۴۷۷	• امارت شرعیہ بہار کی بنیاد
۴۷۸	• جمعیت علماء بہار کے اجلاس در بھنگہ میں قیام امارت کا فیصلہ
۴۷۹	• اجلاس تاسیس امارت کے لئے دعوت نامہ (مکتوب) جاری
۴۸۰	• حضرت مولانا سجاد کا تاریخی مکتوب
۴۸۰	• اصل مکتوب کا کس
۴۸۷	• دعوت نامہ کا استقبال

۴۸۷	● حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیرؒ کی کا جواب
۴۸۸	● حضرت مولانا شاہ بدر الدین پھلواریؒ کی کا جواب
۴۹۰	● حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ کی تائید
۴۹۱	● حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ بہتم دارالعلوم دیوبند کا جواب
۴۹۱	● تاسیس امارت کے لئے جمعیۃ علماء بہار کا خصوصی اجلاس
۴۹۲	● خطبہ استقبالیہ
۴۹۲	● مجلس شوریٰ دارباب حل و عقد کی خصوصی نشست
۴۹۲	● تجاویز انتخاب امیر شریعت و نائب امیر شریعت
۴۹۵	● حضرت امیر شریعت اول کا مکتوب منظوری
۴۹۶	● کاروائی آخری اجلاس عام
۴۹۷	● حضرت مولانا سجادؒ کے ہاتھ پر نیابت بیعت امارت
۴۹۸	● پہلی مجلس شوریٰ
۵۰۰	● خانقاہ رحمانی مونگیر کی طرف سے اپنے متوسلین کو ہدایات
۵۰۱	● دفتر امارت شرعیہ کا قیام
۵۰۱	● حضرت امیر شریعت اول کا پہلا فرمان
۵۰۲	● حضرت امیر شریعت اول کی آخری ہدایت
۵۰۳	● مسئلہ انتخاب امیر شریعت (ثانی)
۵۰۴	● جمعیۃ علماء بہار کی مجلس منتظمہ کا اجلاس
۵۰۸	● حضرت امیر شریعت ثانی کے عہد میں امارت شرعیہ کی توسیع و ترقی
۵۰۸	● امارت شرعیہ کی پالیسی کا اعلان
۵۰۹	● نظارت امور شرعیہ
۵۱۳	● فصل چہارم: امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات
۵۱۳	● دارالقضاء
۵۱۴	● دارالافتاء

۵۱۴	● شعبہ دعوت و تبلیغ
۵۱۵	● شعبہ تنظیم
۵۱۶	● شعبہ تعلیم
۵۱۶	● شعبہ تحفظ مسلمین
۵۱۷	● شعبہ نشر و اشاعت
۵۱۷	● بیت المال
۵۱۷	● شعبہ تربیت سپہ گری
۵۱۷	● امیر شریعت کی عدم موجودگی میں بحیثیت امیر شریعت
۵۱۸	● حضرت مولانا سجاد کی صدارت میں مجلس شوریٰ کا ایک یا دو گارا اجلاس
۵۱۹	● امارت شرعیہ میں مالی بحران، اسباب اور حکمت عملی
۵۲۰	● اکابر نے پیٹ پر پتھر باندھ کر امارت شرعیہ کی حفاظت کی
۵۲۱	● امارت شرعیہ کی سیاسی مخالفت
۵۲۲	● کوئی طاقت اس کوہ عزم و استقلال کو متزلزل نہ کر سکی
۵۲۳	● کل ہند امارت کا خواب پورا نہ ہوسکا
۵۲۵	● حضرت مولانا سجاد کے بعد

گیارہواں باب

ہندوستان میں اسلامی نظام قضا کا نفاذ

۵۲۸	● نظام قضا کی اہمیت
۵۳۰	● قضا کا مفہوم اور معیار: قضا کے لیے قوتِ تصفیذ شرط نہیں
۵۳۲	● عام مسلمان بوقتِ ضرورت قاضی کا تقرر کر سکتے ہیں
۵۳۳	● شاہ عبدالعزیزؒ غیر اسلامی ہندوستان میں نظام قضا کے اولین داعی
۵۳۴	● حضرت مولانا سجادؒ نے اس فکر کو عملی قالب عطا کیا
۵۳۵	● امارت شرعیہ کے قیام سے قبل دارالقضا کا قیام
۵۳۸	● دارالقضاء یا جماعة المسلمین العدول (شرعی پنچایت)؟

۵۴۰	● غیر اسلامی ہندوستان میں تقرر قاضی کا مسئلہ
۵۴۲	● مسلم حکمران کی موجودگی میں عام مسلمان قاضی کا تقرر نہیں کر سکتے
۵۴۵	● قوت و اختیار کا اصل سرچشمہ
۵۴۵	● جمعیت علماء ہند نے ہر دور میں نظام قضا کی حمایت کی

بارہواں باب

دعوتی، اصلاحی و فلاحی خدمات

۵۴۸	● فصل اول: دعوتی خدمات
۵۴۸	● تبلیغ اسلام کی مساعی جمیلہ اور فتنہ ارتداد کا مقابلہ
۵۴۹	● فتنہ راج پال کا مقابلہ
۵۴۹	● آریہ سماجی فتنہ کا استیصال چار سو مرتدین کا قبول اسلام
۵۵۱	● پچیس ہزار مرتدین اور تین ہزار غیر مسلموں کا قبول اسلام
۵۵۱	● سیکڑوں دولت گھرانے حلقہ بگوش اسلام
۵۵۳	● ضلع سارن (چھپرہ) میں فتنہ ارتداد کا خاتمہ
۵۵۳	● ریست گورکھپور میں شدھی تحریک کا استیصال
۵۵۵	● ہزاری باغ میں فتنہ ارتداد کا خاتمہ
۵۵۵	● سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام
۵۵۷	● فصل دوم: اصلاحی خدمات
۵۵۷	● چمپارن سے خصوصی تعلق
۵۵۸	● چمپارن کا دینی و تاریخی پس منظر
۵۵۹	● اہل چمپارن کا حضرت مولانا سے بے پناہ عشق و محبت
۵۵۹	● چمپارن میں والہانہ استقبال کا ایک منظر
۵۶۰	● اصلاحی جدوجہد بھی عبادت ہے
۵۶۰	● عقد بیوگان کی سنت کا احیا
۵۶۱	● شادی بیہ میں اسراف بچا کی اصلاح

۵۶۱	● مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا خاتمہ
۵۶۲	● مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح
۵۶۳	● دیہی علاقے شہر سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں
۵۶۴	● فصل سوم: امدادی و فلاحی خدمات
۵۶۴	● ۱۹۳۴ء کے زلزلے میں مولانا سجاد کی بے نظیر امدادی خدمات
۵۶۵	● تعاون باہمی کی انوکھی اسکیم
۵۶۵	● فسادات کے موقع پر امدادی خدمات
۵۶۶	● چمپارن کا گوشہ گوشہ فسادات کی لپیٹ میں
۵۶۶	● بتیامیں فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر مسلمانوں کی امداد
۵۶۹	● موضع بیلا بلاس پور کا فساد
۵۶۹	● ویشالی اور رستنی پور میں فساد زدگان کی امداد
۵۶۹	● مدارس و مکاتب کا قیام اور مساجد کی تعمیر
۵۷۰	● مولانا مسلمانوں کی مالی امداد
۵۷۰	● حکومت عثمانیہ کی امداد
۵۷۱	● مسلمانان فلسطین کی حمایت

تیرھواں باب

حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد کی سیاسی زندگی

۵۷۴	● فصل اول: اسلامی سیاست حکم شرعی اور خط و خال
۵۷۴	● قرآن کے نزدیک سیاست وسیلہ خیر ہے
۵۷۵	● سیاست بھی کار نبوت ہے
۵۷۶	● علماء اس وراثت کے اولین حقدار ہیں
۵۷۶	● حقیقی سیاست
۵۷۹	● سیاست کی جامع تعریف
۵۸۰	● خیر القرون میں سیاسی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی

۵۸۱	● عہد قدیم کے چند ممتاز سیاسی علماء
۵۸۳	● امام غزالی کے قول کا مطلب
۵۸۴	● ابن خلدون کی عبارت کا محمل
۵۸۵	● سیاست سے علماء کی علیحدگی کے اسباب
۵۸۵	● سیاست سے علماء کی علیحدگی کے نقصانات - علم اور تاریخ کے تناظر میں
۵۸۷	● حضرت مولانا سجاد کادرو
۵۸۸	● فصل دوم: مولانا سجاد کی بے نظیر سیاسی بصیرت - اور عملی اقدامات
۵۸۹	● علماء و قائدین کے اعترافات
۵۹۲	● نظری سیاست سے عملی سیاست کی طرف
۵۹۳	● ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ
۵۹۳	● سیاسی جماعت کے قیام کا پس منظر تجویز مقاطعہ کی واپسی
۵۹۶	● بدلے ہوئے حالات
۵۹۶	● مسلم یونٹی بورڈ کا قیام
۵۹۷	● امارت شرعیہ کی مجلس انتخابات کا قیام
۵۹۸	● نتائج کے اعلان کے بعد امارت شرعیہ کے ساتھ کانگریس کا رویہ
۵۹۹	● نئے حالات میں امارت شرعیہ کا اہم فیصلہ
۶۰۰	● فصل سوم: بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا قیام
۶۰۰	● پارٹی کے بنیادی مقاصد
۶۰۱	● پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس
۶۰۳	● بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا دستور (مینی فیسٹو)
۶۱۴	● پارٹی کی طرف سے انتخابات میں شرکت کا اعلان
۶۱۴	● پارٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس
۶۱۶	● بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا انتخابی منشور عام
۶۱۸	● مسلمانوں کی ذمہ داری

۶۲۲	● عہد نامہ برائے امیدوار
۶۲۳	● پارٹی میگزین 'الہلال' کا اجراء
۶۲۳	● امیدواروں کا انتخاب
۶۲۴	● دیگر مسلم پارٹیوں سے مٹا ہمت اور اتحاد کی کوششیں
۶۲۸	● انتخابی مہم کی کمان
۶۲۹	● پارٹی کی حمایت میں حضرت شیخ الاسلام مدنی کی اپیل
۶۲۹	● انتخابی نتائج اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی شاندار کارکردگی
۶۳۰	● یونائیٹڈ پارٹی کے مایوس کن نتائج
۶۳۰	● احرار پارٹی کا حشر
۶۳۰	● بہار میں مسلم لیگ انتخاب سے باہر
۶۳۱	● کانگریس کی صورت حال
۶۳۱	● جداگانہ انتخابات
۶۳۱	● کانگریس کے بعض مسلم امیدواروں کی حمایت
۶۳۲	● انڈی پنڈنٹ پارٹی کانگریس کے بعد دوسری بڑی پارٹی
۶۳۳	● ایک دلچسپ قصہ
۶۳۳	● مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے کامیاب امیدوار
۶۳۵	● انتخابات کے بعد پارٹی کے کامیاب ممبران کا اجلاس
۶۳۵	● حضرت مولانا محمد سجاد کی تقریر دلپندیر
۶۳۵	● مشترکہ حکومت کے قیام کی تجویز منظور۔ کانگریس کا رد عمل
۶۳۶	● نظری و عملی سیاست کا فرق۔ حضرت ابوالحسنؒ کی سیاسی پیش قیاسی
۶۳۶	● کانگریس کا حکومت سازی سے انکار۔ پارٹی کے لئے لائحہ فکریہ
۶۳۷	● حضرت مولانا سجاد کے نزدیک کانگریس کا انکار درست نہیں تھا
۶۳۸	● حکومت سازی پر تبادلہ خیال کے لئے پارٹی کا اجلاس طلب
۶۳۹	● حکومت سازی کے مسئلہ پر ممبران میں اختلاف رائے

۶۴۰	● حضرت مولانا سجادؒ کی ذاتی رائے
۶۴۱	● مجلس عامہ میں آزادانہ بحث و مباحثہ کے بعد رائے شماری
۶۴۲	● فصل چہارم: حکومت ساری کی تجویز منظور
۶۴۲	● جناب بیرسٹر محمد یونس صاحب کی بحیثیت وزیراعظم حنف برداری
۶۴۷	● کانگریس کا رد عمل
۶۴۸	● بہار میں انڈی پنڈنٹ پارٹی کی مثالی اور تاریخ ساز حکومت
۶۴۸	● قیدیوں کی رہائی
۶۴۹	● فرقہ وارانہ ہم آہنگی
۶۴۹	● اورنگ آباد فساد کے موقع پر وزیراعظم مسٹر یونس کا مثالی کردار
۶۵۰	● ہندو مسلمانوں کا مشترکہ نڈ رائے تشکر
۶۵۱	● لوکل باڈیز کی واپسی
۶۵۲	● مسلمہ انڈی پنڈنٹ حکومت کی بعض تاریخ ساز خدمات
۶۵۲	● سرکاری دفاتر میں اردو زبان کا اجراء
۶۵۲	● کسانوں کے لگان میں تخفیف
۶۵۳	● سرکاری عمارتوں کی تعمیر
۶۵۳	● یونس حکومت کا استعفا اور کانگریس حکومت کا قیام
۶۵۴	● کانگریس کا، یونس کن روپہ
۶۵۵	● کانگریسی حکومت میں شمولیت سے انڈی پنڈنٹ پارٹی کا انکار
۶۵۷	● فصل پنجم: حضرت مولانا سجادؒ کی سیاسی خصوصیات و امتیازات
۶۵۷	● جماعتی تنگ نظری سے بالاتر سیاست
۶۵۷	● سیاسی دور بینی اور واقعات کی روح تک رسائی
۶۵۸	● مضبوط منصوبہ بندی اور راسخ عز و ہمت
۶۵۸	● وسیع علم اور جدید و قدیم فنون جنگ سے واقفیت
۶۵۹	● بے نظیر انتظامی و تعمیری صلاحیت

۶۵۹	• صدق و خلوص پر مبنی اور قنصع سے پاک سیاست
۶۶۰	• سیاست کا مثبت مقصد کے لئے استعمال - اسلامی سیاست ۔۔
۶۶۲	• قانون النساخ نکاح
۶۶۳	• واردہا تعلیمی اسکیم کی مخالفت
۶۶۴	• موانع جہاد کی بعض سیاسی پیش گوئیاں اور زندگی جاوید نظریات
۶۶۵	• انگریزوں کے منصوبہ بند طور پر بعض غیر مسموں کو کھڑا کیا
۶۶۶	• مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے فسادات ہوں گے
۶۶۶	• چھوٹی چھوٹی مسلم آبادیاں ایک جگہ آباد ہو جائیں
۶۶۷	• موانع تیس سال آگے کا پان بناتے تھے
۶۶۷	• آزادی کے وقت اگر موانع زندہ ہوتے۔
۶۶۷	• کچھ انگریزی داں علماء پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں پہنچیں
۶۶۸	• سمجھوتہ کے بغیر کسی غیر مسلم پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا مناسب نہیں
۶۶۸	• جداگانہ معاشروں کے لئے جداگانہ قوانین
۶۶۹	• ہندوستان کی آزادی کا مل کا نظریہ
۶۶۹	• گرفتاری کے لئے اپنے کو پیش کرنا مناسب نہیں
۶۷۰	• حضرت موانع جہاد کے ناخن تدبیر نے کئی سیاسی گتھیاں سلجھائیں
۶۷۰	• حج کا قضیہ
۶۷۱	• مسلم کانفرنس کے سیاسی اختلافات کا حل
۶۷۱	• مسلم اقلیت کے حقوق کا تعین
۶۷۲	• خلع ایکٹ کی ترتیب اور اس کو قانونی حیثیت دلانے کی کوشش
۶۷۳	• فصل ششم: حضرت موانع ابوالحسن سید محمد جہاد اور کانگریس۔
۶۷۳	• کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کا رشتہ
۶۷۵	• کانگریس کے ساتھ اتحاد و تعاون کی ایک منظم اسکیم
۶۷۶	• حرب سلمی (سول نافرمانی) کا آئندہ مسلمانوں نے کیا

۶۷۷	• کانگریسی پالیسیوں سے اختلافات و اصلاحات
۶۷۷	• گاندھی ازم پر کھلی تنقید
۶۷۸	• متحدہ قومیت کا نظریہ
۶۷۹	• انہسا (عدم تشدد) کا نظریہ
۶۸۰	• تجویز نمائندہ اسمبلی
۶۸۱	• زراعتی ٹیکس سے اوقاف کا استثناء
۶۸۱	• دیگر کئی بلوں کی منظوری
۶۸۲	• ڈاوری بل کی اصلاح
۶۸۲	• مذہبی تعلیم کا حق
۶۸۲	• نہرو رپورٹ اور دیگر نام نہاد اصلاحی اسکیموں کی مخالفت
۶۸۳	• شارڈا ایکٹ کی مخالفت
۶۸۳	• کانگریسی حکومت کی غیر منصفانہ روش کے خلاف احتجاجی مکاتیب
۶۸۵	• فصل ہفتم: حضرت مولانا سجاد اور مسلم لیگ پارٹی۔۔
۶۸۵	• نہرو رپورٹ کی مخالفت اور مسٹر محمد علی جناح کی حمایت
۶۸۶	• جمعیت علماء ہند کے اجلاس دہلی میں محمد علی جناح کو دعوت
۶۸۶	• مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں مولانا سجاد کی شرکت
۶۸۶	• مسلم لیگ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ میں مولانا سجاد ممبر نامزد
۶۸۶	• مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں مولانا سجاد کی شرکت
۶۸۷	• جمعیت علماء ہند کی مذہبی سربراہی کو دستوری حیثیت حاصل
۶۸۷	• مسلم لیگ سے حضرت مولانا سجاد کی علیحدگی۔ اسباب و وجوہ
۶۸۷	• امارت شرعیہ یا اپنی سیاسی پارٹی کی وجہ سے؟
۶۸۹	• مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی کا بل کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئی تھی؟
۶۹۱	• جمعیت علماء ہند سے کئے گئے وعدے پورے نہیں کئے گئے
۶۹۱	• شیخ الاسلام حضرت مدنی کی شہادت

۶۹۴	● مسلم لیگ نے مسلمانوں کی دینی توقعات پوری نہیں کیں
۶۹۵	● نظریہ پاکستان سے حضرت مولانا سجادؒ کے اختلاف کی وجہ
۶۹۸	● فصل ہشتم: مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی حضرت مولانا سجادؒ کے بعد

چودھواں باب

حزب اللہ کا قیام

۷۰۰	● پس منظر
۷۰۰	● تاسیس اور دستور سازی
۷۰۱	● اغراض و اہداف
۷۰۲	● بیعت جہاد اور مجاہدانہ بے قراری
۷۰۳	● حربی سیاست کا رجحان
۷۰۳	● مولانا سجادؒ کی مجاہدانہ اسپرٹ آخر تک برقرار رہی

پندرھواں باب

موجودہ ملکی و عالمی حالات کے تناظر میں حضرت مولانا سجادؒ کے افکار و نظریات کی معنویت

۷۰۶	● حضرت مولانا سجادؒ کے افکار و نظریات کی معنویت
۷۰۶	● حضرت مولانا سجادؒ کا نظریہ تعلیم - بحیثیت عظیم مفکر تعلیم
۷۰۶	● اپنے نظریہ تعلیم پر کام کی مہلت نہیں ملی
۷۰۶	● قدیم نظام تعلیم کو مفید تر بنانے کا منصوبہ
۷۰۷	● نئے نظام تعلیم کے لئے عملی کوششیں
۷۰۸	● ایک انقلابی مفکر تعلیم
۷۰۸	● انقلابی تعلیمی تحریک کا آغاز
۷۰۹	● ایک قومی تعلیمی بورڈ کا تصور اور قیام
۷۰۹	● بہار شریف میں تعلیمی کانفرنس اور قومی تعلیمی مرکز کا قیام
۷۱۱	● قومی تعلیمی بورڈ کا خاکہ
۷۱۳	● مدرسہ شمس الہدیٰ بورڈ کے لئے ایک جامع نصاب تعلیم کی ترتیب

۷۱۴	● مکاتب کا نصاب تعلیم
۷۱۵	● آج جامعات سے زیادہ مکاتب کی ضرورت ہے
۷۱۵	● مکاتب میں زبانی طریقہ تعلیم کو فروغ دینے کی ضرورت
۷۱۶	● عربی مدارس میں صنعتی تعلیم
۷۱۷	● صنعتی تعلیم کے لئے مستقل ادارہ کا قیام
۷۱۷	● عصر حاضر میں مسلمان سائنس میں کمال پیدا کریں
۷۱۹	● ہندو مسلم اتحاد کا نظریہ
۷۱۹	● ہندو مسلم اتحاد کے اولین علمبردار
۷۱۹	● عزیمت و رخصت
۷۲۰	● اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک
۷۲۱	● رواداری کا فائدہ
۷۲۱	● امن باہم کے بغیر فرض منصبی کی تکمیل ممکن نہیں
۷۲۲	● اسلامی تعلیمات نہ خالص محاربانہ ہیں اور نہ خالص مسالمانہ
۷۲۲	● ہندو مسلم اتحاد کا معتدل راستہ
۷۲۳	● جادۂ اعتدال برقرار نہ رہ سکا
۷۲۶	● اتحاد کا مطلب مداہنت فی الدین نہیں ہے
۷۲۶	● ترک گاؤں کا مسئلہ
۷۲۷	● بکسر میں مولانا کی گاندھی جی سے ملاقات
۷۲۹	● متحدہ قومیت کا نظریہ
۷۲۹	● متحدہ قومیت کا قابل قبول مفہوم
۷۳۰	● قومیت کا مغربی تصور اسلامی اتحاد کو توڑنے کی کوشش
۷۳۱	● اسلامی قومیت کے بارے میں گاندھی جی کا غلط تصور
۷۳۳	● نظریہ جمہوریت
۷۳۳	● جمہوریت ایک ناقص نظام حکومت

۷۳۳	● جمہوریت کو اسلامی شوراہیت سے کوئی نسبت نہیں
۷۳۴	● جمہوریت ہمیشہ اکثریت کی نمائندہ نہیں ہوتی
۷۳۶	● اتحاد اسلامی کے لئے قیام خلافت ضروری ہے
۷۳۷	● جزیرۃ العرب میں نصاریٰ کو قیام کی اجازت نہ دی جائے
۷۳۸	● نصاریٰ مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک ہیں
۷۴۰	● علماء سیاست پر توجہ دیں
۷۴۲	● سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اشتراک کی اسکیم 'نظام ملت'
۷۴۳	● مسلمانوں کے کسی مذہبی ادارہ کو آئینی حیثیت ملنی چاہئے
۷۴۵	● مسلمانوں کی چھوٹی آبادیاں بڑی آبادیوں میں منتقل ہو جائیں

سولہواں باب

محاسن اخلاق - کمالات و امتیازات

۷۴۸	● ظاہری سراپا
۷۴۸	● ذکاوت و حاضر جوابی
۷۴۹	● وسیع النظری اور ہر دل عزیز
۷۵۰	● تواضع و بے نفسی
۷۵۲	● مصیبت میں لوگوں کے کام آنا
۷۵۳	● ایثار و مروت
۷۵۴	● جامعیت و کمال
۷۵۵	● صبر و حلم
۷۵۶	● غیوری و خودداری
۷۵۷	● سادہ زندگی
۷۵۸	● جرأت و اولوالعزمی
۷۶۰	● صداقت و حق گوئی
۷۶۱	● آزمائشیں

سترھواں باب

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سیاد کی اولیات

۷۶۴	● انجمن علماء بہار کا قیام
۷۶۴	● خلافت کمیٹی کی بنیاد
۷۶۴	● جمعیت علماء ہند کی تحریک
۷۶۵	● نظام قضا کی بنیاد
۷۶۵	● امارت شریعہ بہار کی تاسیس
۷۶۶	● آئینی و سیاسی بصیرت میں کمال
۷۶۶	● بہار مسلم انڈی پنڈنڈنٹ پارٹی کی تشکیل
۷۶۶	● بہار میں اردو زبان کو دستور کی درجہ عطا کیا
۷۶۷	● تخت شاہی پر فقیر کی مثال قائم کی
۷۶۷	● ہندوستان کے نئے پس منظر میں ہندو مسلم اتحاد کی پہلی دعوت
۷۶۷	● ناجائز مقدمات کے خلاف آئینی کارروائیوں کا آغاز
۷۶۸	● غیر مسلم اقتدار میں اسلام کی سیاسی شناخت
۷۶۸	● بحیثیت مفکر تعلیم - ایک نئے نصاب و نظام تعلیم کی ترتیب و دعوت
۷۶۹	■ مدارس اسلامیہ کے لئے ایک تعلیمی وفاق کا تصور اور آغاز
۷۶۹	● ایک منفرد جامع تعلیمی ادارہ کا تصور اور آغاز
۷۷۰	● مسلمانوں کے لئے صنعتی تعلیمی ادارہ کا تصور اور آغاز
۷۷۰	● بین الاقوامی نشان ملت

اٹھارھواں باب

وفات حسرت آیات

۷۷۲	● فصل اول: مرض الموت اور وفات
۷۷۲	● الوداعی آہٹ
۷۷۳	● مختصر علالت اور وفات

۷۷۸	● فصل دوم: سانحہ وفات پر علماء و قائدین امت اور ملی اداروں کے تعزیتی تاثرات اور قرار دہیں
۷۸۱	● پورے ملک میں یوم سجاد منایا گیا
۷۸۲	● منظوم تاثرات
۷۹۰	● فصل سوم: آئینہ حیات (مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد - عہد بہ عہد)
۷۹۳	● سنگ مزار حضرت مفکر اسلام ابوالحسن سید محمد سجاد
۷۹۵	● مصادر و مراجع

فہرست مندرجات حواشی

۸۰	● گوتم بدھ
۸۰	● جین مذہب کے بانی مہابیر وردھان
۸۶	● قاضی محب اللہ بہاری
۸۷	● ملا موہن بہاری
۹۱	● حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری
۹۳	● حضرت مخدوم احمد چرم پوش
۹۴	● حضرت سلطان شمس الدین بلخی و حضرت مخدوم مظفر شمس بلخی
۹۴	● حضرت سید تیم اللہ سفید باز
۹۵	● حضرت ملک بیٹا
۹۸	● صوفی احمد سجاد صاحب
۱۰۵	● علامہ سید سلیمان ندوی
۱۱۲	● مولانا مسعود عالم ندوی
۱۲۰	● حضرت مولانا قاری فخر الدین گیلانی
۱۲۵	● حضرت مولانا عبد السبحان ناروی
۱۳۶	● مولانا ہدایت اللہ جوہپوری
۱۴۲	● حضرت مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب

۱۴۲	● حکیم مسیح الدین صاحب
۱۴۶	● حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی
۱۵۶	● قاری احمد شاہ جہاں پوری
۱۵۸	● حضرت شاہ قاسم عثمانی فردوسی سملوی
۱۶۰	● حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی
۱۶۱	● حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب
۱۶۶	● ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم بہار
۱۷۱	● حاجی شیخ عدالت حسین صاحب
۱۷۵	● مولانا عبدالمجاہد دریابادی
۱۷۷	● حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹوکنی
۱۸۵	● دارالکلیج یادیدار گنج؟
۱۸۸	● علامہ راغب احسن صاحب
۱۹۲	● مولانا امین احسن اصلاحی
۱۹۳	● حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی صاحب
۲۴۲	● مولانا فرخند علی سہرانی
۲۴۳	● مدرسہ اسلامیہ بہار شریف
۲۴۷	● مولانا اصغر حسین صاحب بہاری
۲۴۸	● مولانا حکیم محمد شرافت کریم صاحب
۲۵۳	● مولانا عبدالحکیم اوگانوی
۲۵۴	● مولانا عبدالصمد رحمانی
۲۵۴	● مولانا حکیم حافظ قاری یوسف حسن خان صاحب
۲۵۴	● مولانا فضل الکریم صاحب
۲۵۹	● مولانا سید احمد اللہ ندوی صاحب
۲۶۳	● قاضی حسین احمد صاحب

۳۱۴	● حضرت مولانا شاہ قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ
۳۱۶	● شیخ مشیر حسین قدوائی بیرسٹریٹ لا
۳۲۷	● مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوریؒ
۳۲۲	● مدرسہ عزیز یہ بہار شریف
۳۲۲	● حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ
۳۲۳	● بی بی صفری بہار شریف (واقفہ صفری وقف اسٹیٹ)
۳۲۷	● مولانا آزاد سحافی
۳۵۵	● حضرت سید حسن رسول نما قادری اویسیؒ
۳۵۹	● مولانا ابوالوقدۃ ثناء اللہ امرتسریؒ
۳۶۰	● مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی لکھنؤیؒ
۳۶۰	● مولانا پیر محمد امام سندھیؒ
۳۶۱	● مولانا سید محمد قخرمیاں بے خود اللہ آبادیؒ
۳۶۲	● مولانا محمد انیس صاحب نگرانیؒ
۳۶۲	● مولانا خواجہ غلام نظام الدینؒ
۳۶۳	● مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
۳۶۵	● مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ
۳۶۵	● مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ
۳۶۶	● مولانا محمد قدیر بخش بدایونیؒ
۳۶۶	● مولانا سید تاج محمود صاحب سندھیؒ
۳۶۷	● مولانا محمد ابراہیم در بھنگوٹیؒ
۳۶۷	● مولانا خدابخش مظفر پوریؒ
۳۶۸	● مولانا عبدالحکیم گنیاویؒ
۳۶۸	● مولانا محمد اکرام خان کلکتویؒ
۳۶۹	● مولانا مفتی محمد صادق صاحب کراچیؒ

۳۶۹	• مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی
۳۶۹	• مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی
۳۸۴	• حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی
۳۸۵	• مولانا عبدالحلیم صدیقی ملیح آبادی
۴۲۲	• امارت شرعیہ بہار اپنی نوعیت کی پہلی امارت
۴۶۶	• مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی
۴۸۷	• حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیری
۴۸۹	• حضرت مولانا شاہ بدرالدین پھلواری
۴۹۶	• حکیم عبدالعزیز صاحب
۴۹۷	• حکیم رکن الدین صاحب دانا
۴۹۸	• حضرت مولانا عبدالوہاب درہنگوی
۴۹۹	• حضرت مولانا شاہ محمد نور الحسن پھلواری
۴۹۹	• حضرت مولانا عبدالاحد صاحب
۵۰۰	• حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب
۵۰۶	• حضرت مولانا شاہ قمر الدین پھلواری
۵۰۷	• حضرت مولانا شاہ محمد الدین صاحب قادری پھلواری
۵۶۰	• حضرت مولانا ریاض احمد چیمپارنی
۶۲۴	• جناب میر شرفیع داؤدی صاحب
۶۲۶	• میر سید عبدالعزیز صاحب
۶۳۵	• جناب میر سید محمد یونس صاحب
۷۴۴	• غیر مسلموں سے معاہدہ کا شرعی حکم



حیات سجاد

مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ
ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند نائب امیر شریعت
کے مختصر حالات

از

مولانا عظمت اللہ (ملیح آبادی)

حسب الارشاد

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب یقی ناظم جمعیت علماء ہند دہلی

انصاری بڈ پریس بی بی میں چپا

حضرت مفکر اسلام مولانا محمد سجادؒ کی شخصیت پر آپ کی وفات کے بعد شائع ہونے والا پہلا کتابچہ (صفحات ۷) مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی کے قلم سے ہے، پہلے یہ مضمون کے طور پر اخبار مدینہ بکنور میں شائع ہوا تھا، بعد میں حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ ناظم جمعیت علماء ہند کی ہدایت پر اسے باقاعدہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ یعنی جمعیت علماء ہند کی طرف سے حضرت مولانا محمد سجادؒ کی شخصیت پر پہلی تاریخی پیشکش (یہ ترتیب نفس تحریر کے لحاظ سے ہے، ورنہ کتابچہ کی صورت میں اشاعت کی تاریخ معلوم نہیں)



حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد کے حالات زندگی پر شائع ہونے والی تاریخی ترتیب کے لحاظ سے دوسری کتاب، ایک دستاویزی مجموعہ (مجموعہ مقالات - صفحات: ۱۷۸) مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی، جس کو آپ کی وفات کے تقریباً چار ماہ کے بعد اپریل ۱۹۴۱ء میں مولانا محمد سمیع اللہ صاحب نے اپنے کتب خانہ عزیز یہ دہلی سے شائع کیا۔



”محاسن سجاد“ کے اُس مقالے کا جواب جو
مولانا سجاد کے خلاف لکھا گیا ہے

سید احمد عروج قادری

پیش لفظ

از علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ

علاوہ معمول

قیمت فی جلد ۵ روپے

حضرت مولانا سجادؒ کی مبارک زندگی پر تاریخی ترتیب کے لحاظ سے شائع ہونے والی تیسری کتاب (صفحات: ۵۴) مولانا سید احمد عروج قادری امجھڑی کے قلم سے، ایک علمی، تاریخی اور تحقیقی کتاب، جو وفات ابوالحسنؒ کے قریب چھ ماہ بعد جون ۱۹۴۱ء میں آستانہ امجھڑ شریف گیا (بہار) سے شائع ہوئی۔

(نوٹ) یہ کتاب علامہ راغب احسن کے مقالے کے جواب میں لکھی گئی تھی، امارت شرعیہ پھلواڑی شریف نے بھی اس مقالہ کا ایک تفصیلی جواب ”نائب امیر اور امارت شرعیہ“ کے نام سے شائع کیا تھا، افسوس وہ نسخہ دستیاب نہ ہو سکا، اس کو بھی شامل کیا جائے تو حضرت کی شخصیت پر امارت شرعیہ کی مطبوعات کی تعداد چار ہو جائے گی۔



حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجادؒ کے حالات و خدمات پر تاریخی لحاظ سے شائع ہونے والی چوتھی علمی، تحقیقی اور دستاویزی کتاب (مجموعہ مقالات - صفحات: ۱۶۰) مرتبہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی، جو مکتبہ امارت شرعیہ پھلواڑی شریف پٹنہ سے وفات حضرت ابوالحسنؒ کے تقریباً ایک سال کے بعد نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی، یعنی حضرت مولانا سجادؒ پر امارت شرعیہ کی طرف سے پہلی سوانحی پیشکش۔

حیاتِ سجادؒ

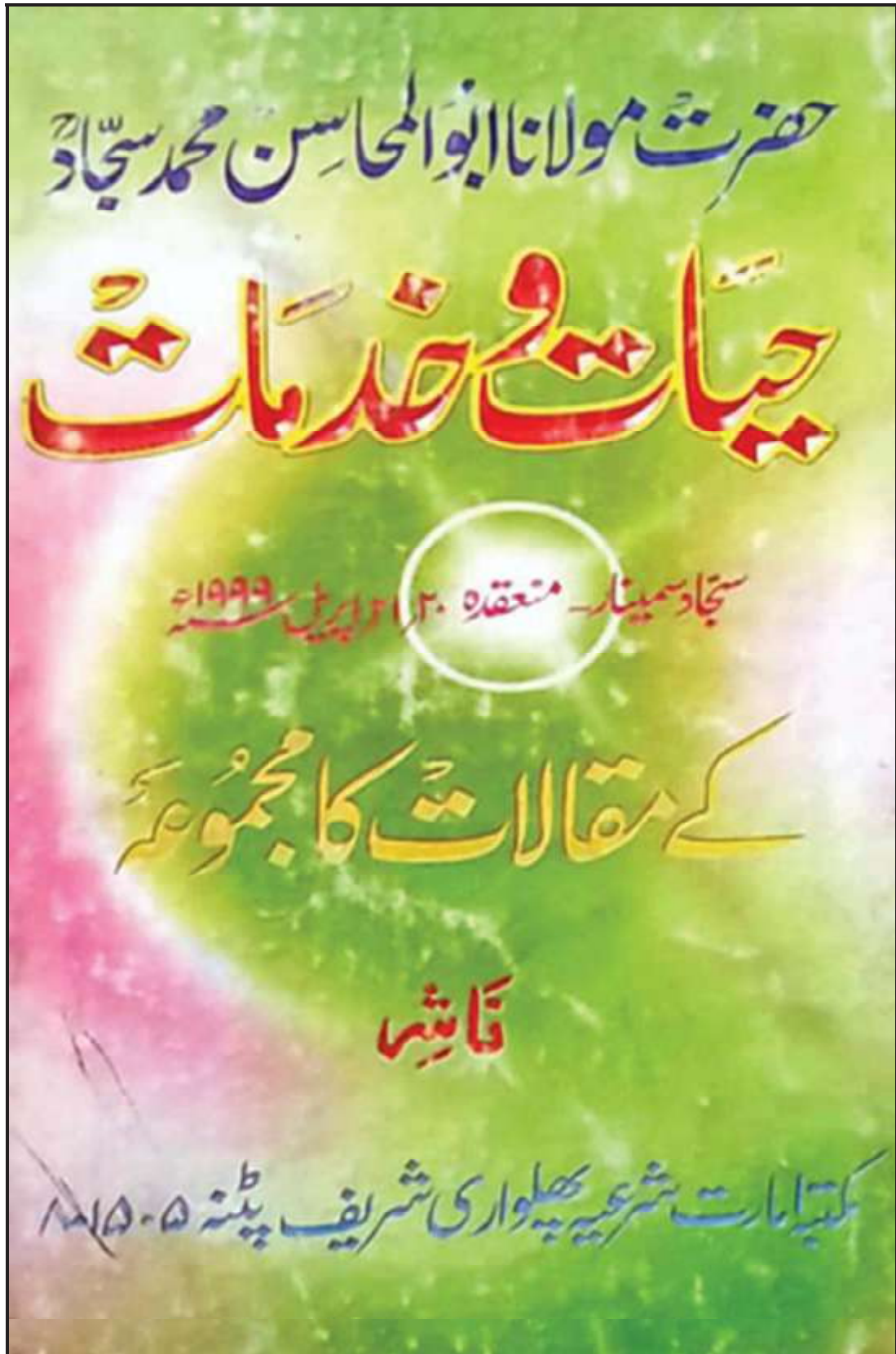
بانیِ امارت شرعیہ، مفکرِ اسلام
مولانا ابوالحسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ
کی
حیات و خدمات و منتخب تقریریں

مُؤَدَّب
مولانا انیس الرحمن قاسمی

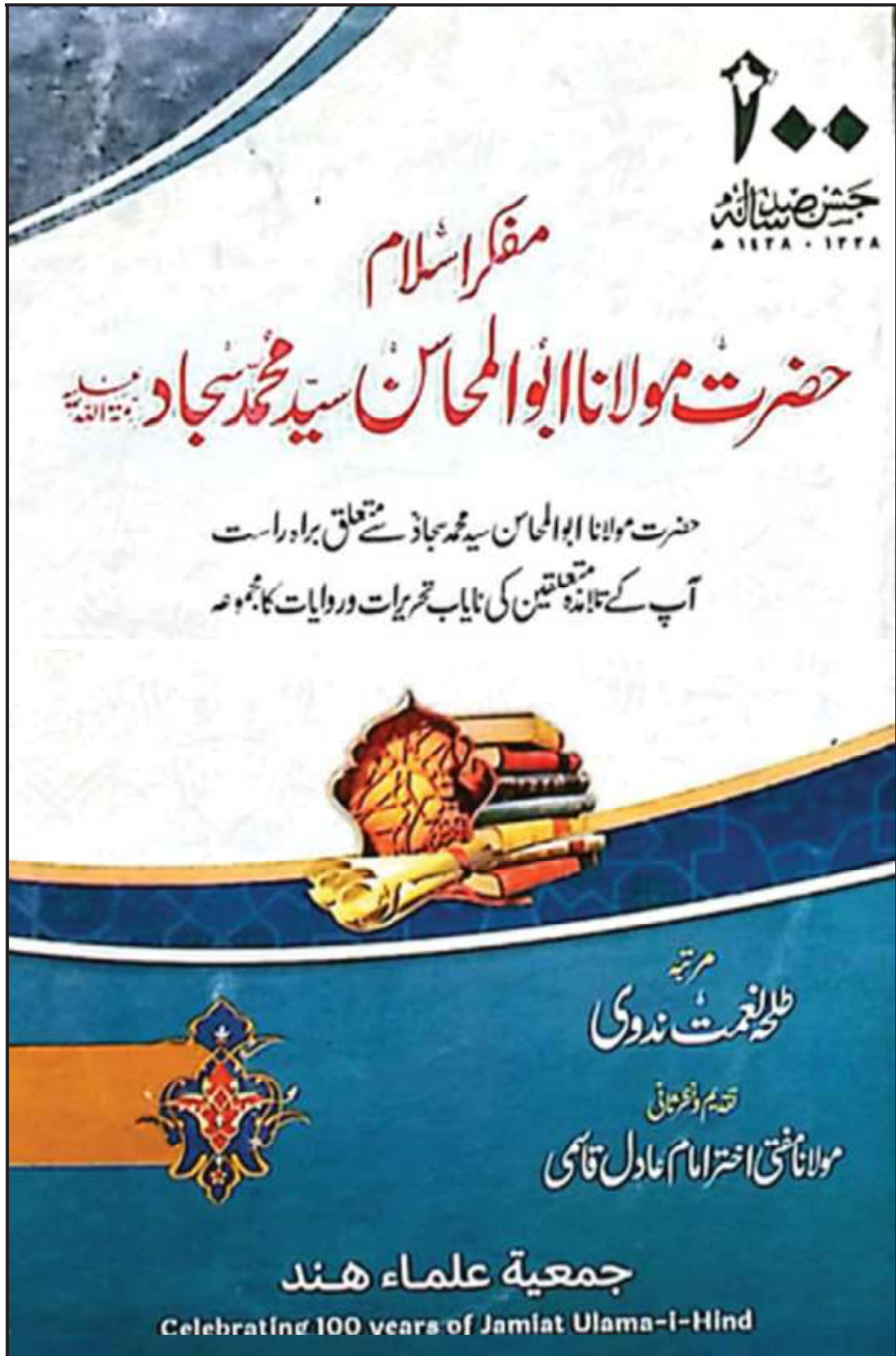
شعبۂ نشر و اشاعت

امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

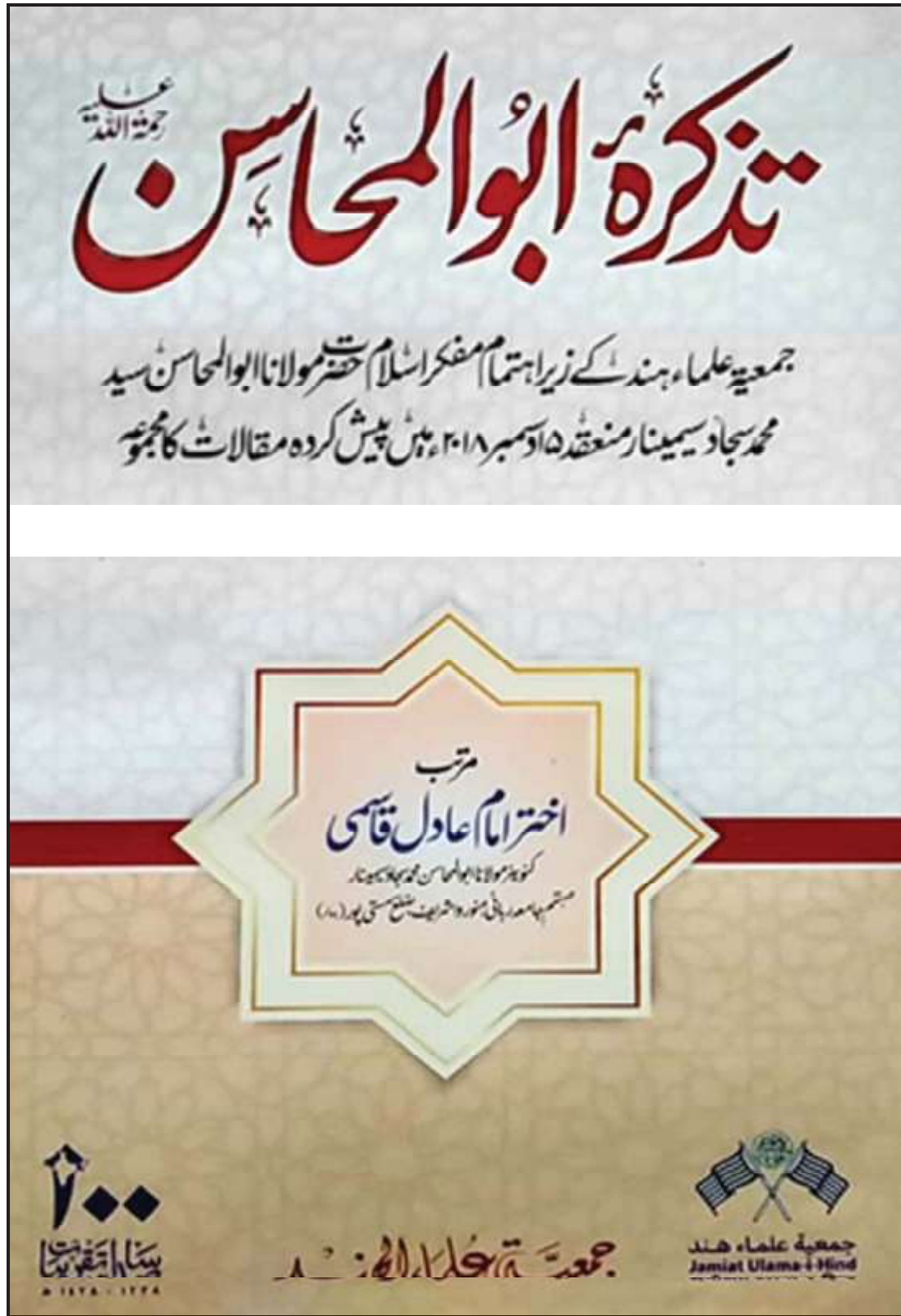
حضرت مفکرِ اسلام ابوالحسن مولانا محمد سجادؒ کی شخصیت پر شائع ہونے والی پانچویں کتاب (محاسن سجاد: مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ اور حیاتِ سجاد: مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے منتخب مقالات کا مجموعہ، صفحات: ۱۹۱) مرتبہ: مولانا انیس الرحمن قاسمی، جو آپ کی وفات کے اٹھاون سال کے بعد ۱۴۱۹ھ میں شائع ہوئی، یعنی امارتِ شرعیہ بہار کی طرف سے دوسری سوانحی پیشکش۔



حضرت مولانا سجاد کی حیات و خدمات پر شائع ہونے والا چھٹا علمی، تاریخی اور دستاویزی مجلہ (امارت شرعیہ پٹنہ میں حضرت مولانا سجاد سمینار - منعقدہ ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۹۹ء - میں پیش کئے گئے مقالات کا مجموعہ، صفحات: ۵۲۰) مرتبہ: مولانا انیس الرحمن قاسمی، جس کو مکتبہ امارت شرعیہ پھلواڑی شریف پٹنہ نے وفات حضرت ابوالحسنؒ کے ترسیخ سال کے بعد ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔ یعنی امارت شرعیہ پھلواڑی شریف کی طرف سے تیسری سوانحی اشاعت۔



حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کی شخصیت پر شائع شدہ ساتواں تاریخی دستاویزی مجموعہ (حضرت مولانا سجادؒ کے معاصرین و مشاہدین کے مقالات و مضامین کا مجموعہ - صفحات: ۵۸۲) مرتبہ: مولانا طلحہ نعمت ندوی، جس کو جمعیت علماء ہند نے آپ کی وفات کے اٹھتر سال کے بعد اپنی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ۲۰۱۸ء میں شائع کیا، یعنی جمعیت علماء ہند کی طرف سے دوسری تاریخی پیشکش۔



حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد کی حیات و خدمات پر شائع ہونے والی آٹھویں علمی، تاریخی، دستاویزی شاہکار (یعنی جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد سیمینار منعقدہ ۱۵ دسمبر ۲۰۱۸ء میں پیش شدہ مقالات کا مجموعہ، صفحات: ۶۸۸) مرتبہ: اختر امام عادل قاسمی، جس کو جمعیۃ علماء ہند نے حضرت مولانا سجاد کی وفات کے ۷۹ برس بعد اپنی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ۲۰۱۹ء میں شائع کیا، یعنی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے تیسری تاریخی و سوانحی پیشکش۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تلاش و تحقیق کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی ہے

مفکر اسلام حضرت امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمائی دامت برکاتہم العالیہ
جزل سکرٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مولگیری

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب نور اللہ مرقدہ بڑی غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے، پچھلی صدی میں گزرے ہوئے، اُن صاحب علم و نظر، باکردار اور باعمل بزرگ کے اثرات آج بھی سرزمین ہند پر تازہ ہیں، ان کے بنائے ہوئے ادارے آج بھی تب و تاب کے ساتھ زندہ ہیں، اور ان کا فیض پھیل رہا ہے، جن اداروں کا انہوں نے خواب دیکھا، پہلا نقشہ بنایا وہ بھی آج بڑا کام کر رہے ہیں، یہ اثر ہے ان کے اخلاص و للہیت کا، نظر صحیح اور فکر سلیم کا، بیدار مغزی اور روشن ضمیری کا۔

انہوں نے درسی تعلیم مکمل کی، ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے فارغ ہوئے، تو سب سے پہلے اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوئے، اور سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ عارف باللہ حضرت قاری سید احمد صاحب شا جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر توبہ کی، اور مرشد محترم کی تربیت میں سلوک کی منزلیں طے کیں، بعد میں قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مولگیری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، اور تربیت میں رہے، حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نائب امیر شریعت نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت سجاد سال میں دو بار خانقاہ رحمانی ضرور آتے تھے اور تصوف کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

پڑھنے سے فراغت ہوئی تو عملی زندگی کی بسم اللہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں تدریس سے کی اور کم و بیش نو سال بحیثیت مدرس خدمت انجام دیتے رہے، اور اپنی صلاحیتوں کو چمکاتے رہے، یہ پورا زمانہ اسلامی علوم کی تدریس میں گزرا، ساتھ ہی ملت کے امور و معاملات پر غور و فکر بھی جاری رہا، مدرسہ سبحانیہ میں وہ ایک کامیاب استاذ اور شفیق مدرس کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، طلبہ کا ان کی طرف

رجوع تھا، ان کا درس مختصر ہوتا، مگر پوری بات طلبہ کے سمجھ میں آ جاتی تھی، وہ طلبہ کی فکری اور عملی تربیت کی طرف بڑی توجہ دیتے تھے۔ انہوں نے ۳۲۹ھ ۱۹۱۲ء میں الہ آباد کو الوداع کہا اور ایک عزم کے ساتھ بہار آ گئے۔

حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرکز چاہئے تھا، جہاں بیٹھ کر وہ خدمت کا سلسلہ قائم کرتے، انہوں نے صوبہ بہار کے شہر گیا کو پسند کیا، اور مدرسہ انوار العلوم گیا کو زندہ کیا، چند برسوں میں یہ مدرسہ ترقی کر گیا، اس کی تعلیم و تدریس کا شہرہ ہوا، حضرت سجاد جہاں مدرسہ کے کاموں میں لگے رہتے تھے، آئیوا لے دنوں کی پلاننگ بھی کرتے رہتے تھے، اور اس زمانہ کے مشاہیر علماء کرام سے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ بھی رکھتے تھے، اور یہ مشاہیر انہیں ایک کامیاب مدرس کے ساتھ دور تک سوچنے والی شخصیت بھی ماننے لگے تھے، اور ان حضرات کا اعتماد بھی انہیں حاصل ہو گیا تھا۔

پانچ سال بہار میں رہ کر مدرسہ میں پڑھایا، علماء اور عوام سے رابطہ بھی مضبوط کیا، اور علماء کرام کی ملک گیر تنظیم کا خاکہ بھی بنایا گیا، حالات کے پیش نظر حضرت سجاد نے مناسب سمجھا کہ صوبہ بہار سے اجتماعی خدمت کی شروعات کی جائے، انہوں نے ۱۹۱۷ء میں مجلس علماء بہار قائم کی۔ یہ عملی شکل جب علماء بہار کے سامنے آئی اور حضرت سجاد نے اس کی کاروائی کو عام کیا، مشاہیر علماء کو اس فکر کی دعوت دی تو دہلی میں پہلے پہل دس بارہ مشاہیر علماء کرام کی نشست مشہور بزرگ حضرت سید حسن رسول نما کی درگاہ پر منعقد ہوئی، اس مختصر مگر بہت قیمتی افراد کی میٹنگ میں حضرت سجاد نے بڑی مؤثر اور دلنشین باتیں فرمائیں، جن کا گہرا اثر بھی باکمال اور با اثر علماء کے دلوں پر ہوا، اور اسی مجلس میں عہد و پیمان ہوا، وعدے کیے گئے، اور وعدے لیے گئے، کہ ہندوستان گیر پیمانے پر علماء کرام کی تنظیم قائم کی جائے۔

جب ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کا اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا، تو وہ مشترکہ اجلاس تھا، خلافت کانفرنس کے ساتھ جمعیت علماء کا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجلس علماء بہار کی پذیرائی کیسی ہوئی، ایک صوبائی مجلس، جو ابتدائی مرحلہ میں تھی، کل ہند سطح کی جمعیت کے لیے نشان راہ بن گئی، اور اس زمانہ کے اکابر علماء نے فکر سجاد کو کس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا، دل میں جگہ دی، اور جمعیت کا تخیل جماعت سازی کی شکل میں آتا چلا گیا۔ امرتسر کے اس اجلاس میں بھی حضرت سجاد نے مختصر مگر بڑی جامع اور مؤثر تقریر جمعیت علماء کے موضوع پر کی، اور جمعیت علماء کا کارواں بننا چلا گیا۔

حضرت سجاد اندر سے صوفی منش اور بے نیاز انسان تھے، کبھی عہدہ کا خیال بھی دل میں نہیں

آیا، نہ منصب کی چام پیدا ہوئی، جو بے نیاز کا بندہ تھا بے نیاز رہا، مگر فکرِ جمعیۃ میں وہ مرکزِ خیال و نظر رہے، انہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے اربابِ جمعیۃ کی رہنمائی کی۔ چاہے مرحلہ پالیسی کا ہو، طریقِ عمل کا ہو یا تجویزوں کا، حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی سوچ، ان کی زبان اور ان کے قدم کی ضرورت سب محسوس کرتے تھے، اور یہ حقیقت ہے کہ جمعیۃ علماء کے اجلاس اور عاملہ کی تجویزیں اکثر حضرت سجاد کے قلم کی ہیں۔

حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا بڑا فکری اور عملی کارنامہ ”امارتِ شرعیہ“ ہے، جس کی مثال نہ صرف بھارت میں نہیں ہے، بلکہ جس کی سوچ اور خدمت و سمجھ کر دور اور قریب کے ممالک کے علماء و فضلاء اور دانشور بھی حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ تھا کہ امارتِ شرعیہ کو بھی ہندوستان گیر بنایا جائے۔ بات بڑھی، چلی اور دور تک گئی، مگر منزلِ آشنانہ ہو سکی، ان سطروں کا لکھنے والا تلخِ شیریں حقائق و واقعات سے بڑی حد تک واقف ہے، لیکن اب ان خوشگوار اور ناگوار باتوں کو لکھا جائے تو اپنی ہی شکایت ہوگی، پس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں:

از ماجزہ حکایت مہر و وفا میرس

حضرت سجاد کی اجتماعی، سیاسی، دینی، غیر معمولی دوراندیشی کا ایک ثبوت وہ بھی ہے، جسے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے نام سے سب جانتے ہیں۔ حضرت سجاد نے پارٹی بنائی، انکشن لڑایا، مسلم لیگ کو کھلی شکست دی، اور اقلیت میں ہوتے ہوئے، بہار میں حکومت بھی بنا ڈالی، یہ ایسا سیاسی کارنامہ ہے، جس کے لیے بھارت ابھی بھی تشنہ لب اور چشمِ براہ ہے۔ اگر فکرِ سجاد رحمۃ اللہ علیہ کو بھارت نے قبول کیا ہوتا اور پورے ملک میں سیاسی پارٹی بنائی گئی ہوتی، تو آج اکتوبر ۲۰۱۹ء میں صورتحال بالکل دوسری ہوتی، امیت شاہ شہریت کے معاملہ کو لے کر ڈھاڑتا نہیں، اور بی جے پی حکومت مسلموں کو ملک بدر اور در بدر کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں مل نہیں لاسکتی۔

ہم سب کی بد نصیبی کو کیا کہے کہ فکرِ سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی آبیاری کے نتیجے میں جو جمعیۃ علماء ہند درست اور توانائی، اسے دین کی سر بلندی، ملت کی شیرازہ بندی اور اجتماعی زندگی میں ہر آفت کے مقابلہ میں دیوارِ چین ہونا تھا، اور ہر مشکل مرحلہ میں سدِ سکندری بننا، اور امت کی امیدوں کو پورا کرنا اور اس کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا تھا، وہ خاص طور پر آج لگتا ہے کہ غلط راہ پر آگئی ہے اور آج بی جے پی کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہے، اس جمعیۃ علماء ہند کا جنرل سکریٹری انٹرنیشنل میڈیا میں بی جے پی کی زبان بول رہا ہے، اور کچھ ”مفتیوں“ نے ٹوک ناک کی تو بھارت کے اردو میڈیا میں ”سجدہ

سہو کر رہا ہے۔ بس اس کا رونا تو اللہ کے دربار میں ہے۔

حضرت سجادؑ نے اور بھی کئی اہم اور دور رس خدمت انجام دی ہے، مثلاً ان کی مسلم ہندو اختلاف کو دور کرنے کی کوششیں مثالی ہیں، اس کے لیے ان کی نگرانی اور اصلاح حال کے لیے با اثر صحیح لوگوں سے رابطہ کرنا اور ان سے مسئلہ حل کرنے میں مدد لینا ہم سبھوں کے لیے بڑی مثال اور قابل تقلید نمونہ ہے، انہوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ طریق راہ فراہم کرتی ہیں۔ بہت ساری چیزیں آپ کو اگلے صفحات میں مل جائیں گی، حضرت سجادؑ پر یہ کتاب قیمتی ہے، اور ان کی زندگی کے بہت سے گوشوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اب تک ان پر جو کچھ لکھا گیا ہے، ان پر تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا اور تلاش و تحقیق کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی۔

اس کتاب کو آخری شکل دے کر مصنف محترم نے بڑی خدمت انجام دی ہے، بحمد اللہ مصنف جوان سال مگر کہنہ مشق اہل قلم، صاحب تصانیف، صاحب فقہ و فتویٰ ہیں، انہیں زبان و ادب اور شریعت و طریقت سے بھی گہرا لگاؤ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں زور و نویسی اور خوب نویسی کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے، اور یہ کتاب ان باتوں کی کھلی شہادت ہے۔ ابھی تو وہ جوان ہیں، رب کریم ان کے قلم اور سوچ کو بڑھاپے سے بچائے اور انہیں عمر دے، تاکہ وہ خدمت لوح و قلم بھی کریں، خدمت دین متین بھی جاری رہے، اور ان کی آہ مھر گاہی سے ایک دنیا سیراب ہو، آمین یا رب العالمین۔

محمد ولی رحمانی

سجادہ نشین خانقاہ رحمانی موٹیر (بہار)

۷ صفر المظفر ۱۴۴۱ھ

۷ اکتوبر ۲۰۱۹ء (پیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک ضرورت کی تکمیل

حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

کہتے ہیں کہ سہیل ستارہ کبھی کبھی چمکتا ہے، لیکن جب چمکتا ہے تو اس کی روشنی اور آب و تاب بے پناہ ہوتی ہے۔ بعض خطے، بعض علاقے بھی ایسے ہیں کہ وہاں سے جب کوئی فیض شخص اور قائد و رہنما نمودار ہوتا ہے وہ بھی بے پناہ ہوتا ہے۔ بہار کے قدیم اور مشہور علم پرور، علم افزا علاقہ، نائندہ کے ایک گاؤں پنہتہ (PANHASSAH) میں ایک ایسا ہی فرد کامل، خانوادہ سادات میں مولوی سید حسین بخش کے گھر میں صفر ۱۳۰۱ھ [دسمبر ۱۸۸۳ء] کو پیدا ہوا، جو آگے چل کر، ستارہ نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب ثابت ہو کر، ہندوستان کے دینی، علمی، فکری، سیاسی افق پر اس طرح نمودار و جلوہ گر ہوا کہ یہ پورا ملک اور اس کے اکثر اعلیٰ و عظیم رجال اور برگزیدہ اہل کمال کے علاوہ، اہل بصیرت، اہل سیاست ان کے کمال، قوت عمل اور فکر و بصیرت کے برملا معتقد ہوئے اور ہندوستان کی ممتاز ترین دینی، ملی، سیاسی تحریکات، مولانا کے فکر و خیالات اور کوششوں کی مرہون منت رہیں۔ یہ مولانا ابوالحسن سجاد تھے جو ۲۱ شوال ۱۳۵۹ھ [۲۳ نومبر ۱۹۴۰ء] کو سفر آخرت پر روانہ ہو کر، پھلواری شریف [پٹنہ، بہار] کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین!

مولانا ابوالحسن سجاد، اس عہد کے بڑے دینی، ملی قائد اور ایسے فرد فرید تھے کہ جن کے ناخن تدبیر نے ملت اسلامیہ کے بہت سے مسائل کی گرہ کشائی کی اور اس طرح دین و شریعت، علم و دیانت اور فقہ و بصیرت کے گہرے امتزاج سے، مستقبل کے متوقع خطرات کو پہچاننے، جاننے کی صلاحیت رکھتے تھے اور ان سے بچنے کی تدبیریں جانتے تھے۔

مولانا ابوالحسن سجاد ۱۹۴۰ء سے قبل کے ہندوستانی مسلمانوں کے ان زعمائے مفکرین اور رہنماؤں میں صف اول کے رہنما، بلکہ امیر رہنمایاں تھے، جنہوں نے یہاں مسلمانوں کو سیاسی

کاموں کا حوصلہ بخشا، صحیح سمت میں ان کی اعلیٰ درجہ کی رہنمائی کی اور دین و سیاست کی آمیزش سے، وہ نظام اور ترتیب قائم کر کے دکھائی، جس کو صحیح اسلامی سیاست کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ جس میں نہ ذاتی مفادات کا شائبہ تھا، نہ حرص و لالچ کی گندگی، نہ فریب میں آنا، نہ ہی کسی بڑے سے بڑے انسان یا شخصیت کی خاطر اپنے مقصد اور اپنے اصولوں سے منہ موڑنے اور سمجھوتہ کرنے کا معمول یا دستور!

مولانا ابوالحسن سجاد، ہندوستان کی مسلم سیاست کے ایک حد تک گویا بادشاہ گرتھے، انہوں نے سب سے پہلے ملی سیاست کی تشکیل نو کی جانب توجہ کی، مولانا غالباً پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علماء اور دین و سیاست کو ایک لڑی میں پرو کر، جمعیتہ علماء بہار کی تشکیل کی اور جب یہ تجربہ مفید و مستحکم ثابت ہوا تو اسی نیچ پر پورے ملک میں ایک بڑی دینی، ملی تحریک و تنظیم کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لئے بہار سے نکلے، لکھنؤ پہنچے، مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے مشورہ کیا، وہاں سے دہلی جا کر جمعیتہ علماء کے خیال کو، خلافت کا نفرنس دہلی کے اجلاس کے موقع پر اہل علم و نظر کے سامنے رکھا۔

مولانا ابوالحسن سجاد، بانیانِ جمعیتہ میں ایک بڑی اور اساسی شخصیت تھے، جو اس کی تمام مجلسوں میں شریک اور قائدینِ جمعیتہ بلکہ اس کے مؤسسين میں ممتاز رہے، جمعیتہ کے باقاعدہ کل ہند صدر بھی منتخب کئے گئے اور اجلاسِ جمعیتہ العلماء مراد آباد منعقدہ: ۱۳۴۳ھ [۱۹۲۵ء] میں معرکہ آرا خطبہ پیش کیا، جس کو اب تک یاد کیا جاتا ہے۔ بعد میں جمعیتہ کی مقامی ذمہ داریاں نبھائیں اور اس میں آخر دم تک پوری صلاحیتوں اور فکر مندی کے ساتھ شریک رہے اور کہا جاسکتا ہے کہ جمعیتہ علماء کی تاسیس و ترقی میں مولانا کے نفس گرم اور جذبہ دروں کا بڑا حصہ ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگرچہ مولانا جمعیتہ کے بانیوں میں شامل اور اس کے ہر ایک پروگرام اور نظام کے گویا روح رواں رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی مولانا نے جمعیتہ کے نظریہ متحدہ قومیت کو کھل کر مسترد کیا اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔

اسی طرح نہرو رپورٹ اور گؤکشی کے مسئلہ میں، جمعیتہ علماء اور دوسرے لوگوں کی رائے سے ناخوش اور الگ رہے، مولانا نے ان سب سے بر ملا اور واضح اختلاف کیا، اور ان مباحث میں شرعی نقطہ نظر کھل کر واضح کیا اور یہ خیال بالکل نہیں کیا کہ اس میں ہماری جماعت یا تنظیم کا کیا موقف ہے، صرف کلمہ حق اور اصول شریعت کو سامنے رکھ کر بات کہتے اور ”ولا یخافون فی اللہ لومۃ لائم“ کا ہمیشہ ثبوت پیش فرماتے رہے۔

مولانا سجاد، اس عہد کے علماء میں سے تھے، جب ہندوستان بڑے علماء، محدثین کرام، فقہاء،

اصحاب معقولات و منقولات، ارباب علم و فضل کی فراوانی کی وجہ سے مجمع علوم و کمالات بنا ہوا تھا، اس ملک کو علماء اور اہل کمال کی کثرت کی وجہ سے دارالعلم والعلماء کہا جاتا تھا، جب مولانا سجاد متحرک و فعال تھے اور ہندوستان کے دینی، علمی، سیاسی افق پر چھائے ہوئے تھے، اس وقت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، اور علامہ سید سلیمان ندوی [رحمہم اللہ تعالیٰ] جیسے جہاں علوم جلوہ افروز تھے اور اپنے اپنے دریائے علم سے دنیا کو شاداب و پُر بہار فرما رہے تھے، اس فضا میں مولانا ابوالحسن سجاد کو، شیخ العلماء اور کاروان علم و سیاست کا پیشوا تسلیم کیا گیا۔ اس پیشوائی اور قیادت کا وہ اس سے بھی اندازہ اور علم ہوتا ہے کہ مولانا کی وفات پر اساطین علم اور اصحاب نظر نے مولانا کو جس طرح اور جن اونچے الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا، وہ بلاشبہ غیر معمولی تھا۔

مولانا ابوالحسن سجاد، علمی تفوق اور فکر و بصیرت کے علاوہ، عمل کی بے پناہ دولت اور اپنے تمام منصوبوں کو وہ شرعی، قانونی ہوں، یا سیاسی اور انتظامی، جہاں ضرورت ہو وہاں نافذ کر کے، ان کے ذریعہ سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی، نادر روزگار صلاحیت و قدرت بھی رکھتے تھے۔

اس ملک کی سوا سو سالہ علمی، سیاسی تاریخ میں، ایسا کوئی سیاست داں عالم نظر نہیں آتا، جو ہندی سیاست اور یہاں موجود غیر مسلم سیاسی جماعتوں، تنظیموں اور رہنماؤں کے ذہن و دماغ کو، اس طرح پڑھ سکتا ہو اور اپنی پوری سادگی اور ٹھیک دیکھائی طریقہ زندگی کے باوجود، ان کو اپنے دلائل و نظریات سے متاثر کر کے ہم خیال بنا سکتا ہو۔

یہ مولانا کے غیر معمولی کمالات اور خدا داد صلاحیت کا ایک کرشمہ ہی کہا جائے گا کہ وہ اپنے صوبہ میں ایک سیاسی جماعت تشکیل دیتے ہیں اور بہت سخت اور کڑے اصولوں پر، دین و شریعت اور اخلاق و انسانیت کی پوری رعایت رکھتے ہوئے، اس کے ضوابط تجویز کرتے ہیں اور پھر ایسے ہی افراد کو اس کا نمائندہ بناتے ہیں اور ٹکٹ دیتے ہیں، جو انسانیت کی ترازو میں باون تولہ پاؤرتی کا وزن رکھتے ہوں اور ان کی دیانت و کردار پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ہو۔

یہ ناقابل یقین سی بات ہے کہ مولانا نے بہار اسمبلی میں اپنی جماعت کی نمائندگی کے لئے ایسے افراد کا انتخاب کیا اور یہ اس سے زیادہ ناقابل یقین ہے کہ ان کو کامیاب کر کے دکھایا۔

یہ مولانا کے کمالات و قوت عمل کا اک نمونہ تھا، مولانا میں اس طرح کی اور بہت سی خوبیاں اور کمالات تھے، جس میں سے بڑی بات دور بینی، اصابت فکر و قول و عمل کی یکسانیت اور پختہ تر دینی مزاج

کے ساتھ ساتھ، اپنے دور کے دینی، مذہبی علماء اور سیاست دانوں، دونوں سے نہ صرف گہرے تعلقات بلکہ دونوں کے مزاج، فکر اور طریقہ کار کو سمجھنے کی بے پناہ صلاحیت تھی، جس کا ایک غیر معمولی بلکہ نادر روزگار اثر یہ تھا کہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم سیاست دان، مولانا کو ان کے اصولوں سے ڈمگنا نہیں سکے، مولانا کی فکر اور تدبیر سے بعض موقعوں پر اختلاف تو کیا گیا، لیکن مولانا کی معاملہ فہمی اور اخلاص پر کسی کو انگلی اٹھانے کا کبھی موقع نہیں ملا۔

مولانا کا یہ خاص مزاج تھا کہ وہ کسی بھی نازک سے نازک موقع پر اور بڑی سے بڑی سیاسی شخصیت کے روبرو، کبھی بھی اپنے دینی، علمی، سیاسی سوچے سمجھے نظریات سے انحراف نہیں کرتے تھے اور کسی کی خوشی و ناخوشی کی خاطر، کسی ادنیٰ سے شرعی اصول کو بھی پامال نہیں ہونے دیا اور یقیناً زبان حال بلکہ قال سے بھی یہ فرماتے رہتے تھے:

میں زہر ہلا اہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

میدان سیاست میں نکلے تو اپنے سے پہلے چلنے والوں، اپنے ساتھیوں اور معاصرین سے آگے نکل گئے اور بعد والوں کے لئے ایک نمونہ اور مثال بن گئے کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو سیاست کے پر خاں راستوں اور وادی تہ میں اتر کر بھی، صاف دامن نکل آتے ہیں۔ سیاست کی دنیا ایسی آلودہ اور اخلاق و کردار کی کمزوریوں اور گندگیوں سے بھری ہوئی ہے، کہ ان برائیوں سے دامن بچا کر نکل آنا عجیب ہے، لیکن مولانا اور ان کے چند معاصرین نے دکھا دیا کہ اولوالعزم اور عالی ہمت اصحاب اس کو بھی اس طرح طے کرتے ہیں، کہ اس پر اپنے کردار و عمل کے نشانات چھوڑ جاتے ہیں۔

ہندی ملت اسلامیہ ۱۹۴۷ء کے بعد جن حوادث و آفات کا شکار ہوئی اور اس کو جس طرح بار بار مرمر کے جینا پڑا، ایسے میں مولانا کی یاد کا آنا ایک فطری بات ہے، یوں تو نظام قدرت کی اپنی مصلحتیں اور ترتیب ہے، جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں، لیکن خیال ہوتا ہے کہ اگر حضرت مولانا ابوالحسن سجاد ۱۹۴۷ء میں حیات ہوتے اور اس کے بعد بھی مولانا کو چند سال زندگی کے اور مل جاتے، تو شاید صورت حال اس سے بہتر ہوتی، کم از کم اتنی خراب نہ ہوتی لیکن وکان أمر اللہ قدراً مقدوراً۔

مولانا کے کمالات و خدمات کے علاوہ، ان کے احسانات کا یہ حق اور تقاضہ تھا کہ مولانا کی زندگی کے ہر پہلو کو تحریر و تالیف کا عنوان بنایا جاتا، مولانا پر طرح طرح کے کام ہوتے، مولانا نے ہندی ملت اسلامیہ کی جس فکر و بصیرت کے ساتھ رہنمائی فرمائی اور مستقبل کے لئے جو خاکے تیار کئے اور یہاں کے قوانین، خصوصاً مسلمانوں سے وابستہ قوانین کی تاسیس و تشکیل، سرکاری قوانین کے مسودات کی تصحیح

اور ان کے نفاذ کے بنیادی اصولوں کی جو وضاحت فرمائی، جس سے برصغیر کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اب بھی فائدہ اٹھا رہی ہے، ان میں سے ہر ایک کا تقاضہ ہے کہ اس کو مستقل توجہ کا موضوع بنا کر اس پر کئی پہلوؤں سے مسلسل کام کیا جائے۔

مولانا کی جیسی بڑی شخصیت اور مولانا کی عالیٰ عملی خدمات اور علمی مرتبہ کا حق اور ہمارا قومی، ملی، اجتماعی فریضہ تھا کہ حضرت مولانا ابوالحسن سجاد کو یاد رکھتے، نئی نسلوں کو ان سے واقف کرائے، ملت اور خصوصاً نئی نسلوں کو، مولانا کی فکر، اصابت رائے اور صلابت کردار سے آگاہی بخشنے، لیکن جو خود سویا ہوا ہو، وہ دوسروں کو کیسے بیدار کر سکتا ہے، اس لئے سب اپنے اپنے اداروں، جمعیتوں کی توسیع و ترقی میں مشغول رہے، کسی نے بھی اس ضروری اور اہم کام پر توجہ نہیں کی، اگرچہ مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے اس پر ایک عمدہ مجموعہ مقالات و مضامین محسن سجاد کے نام سے مرتب اور شائع کر کے اس پر کام کی ابتداء کر دی تھی، لیکن پھر دیر تک ادھر کوئی قدم نہیں بڑھا، مولانا کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد، امارت شریعہ بہار نے، حضرت مولانا ابوالحسن سجاد کے آثار و باقیات کی اشاعت کی فکر کی اور حضرت مولانا ابوالحسن سجاد کی زندگی پر ایک اور مختصر تالیف، حیات سجادؑ سامنے آئی۔

حضرت مولانا کے چند مقالات و مضامین بھی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے صحیح کر کے مقالات سجاد کے نام سے شائع کئے تھے، ایسے ہی حضرت مولانا کے مکاتیب کے ایک مختصر سے مجموعہ کی اشاعت کا اہتمام ہوا، جو مکاتیب سجاد کے عنوان سے چھپے اور مولانا ابوالحسن سجاد کی دو مختصر مگر جامع تالیفات، حکومت الہی اور قانونی مسودے بھی شائع کی گئیں، مگر یہ مولانا کے فضل و کمال کے چند مختصر ترین نمونے اور ایک پیاب دریا کی چند موجیں یا حضرت مولانا کے علوم کے چند قطرے تھے۔ ضرورت تھی کہ حضرت مولانا کے مفصل احوال اور قومی ملی خدمات کا وسیع پیمانہ پر احاطہ و تذکرہ کیا جاتا، اس مقصد کے لئے، اول جمعیتہ علمائے ہند نے، اپنے قیام کی سو سالہ یادگار منانے اور جمعیتہ علماء کے رہنماؤں کو یاد کرنے کا ارادہ کیا۔ خوشی کی بات ہے کہ اس کے آغاز ہی میں

۱۔ مرتبہ: مولانا انیس الرحمن قاسمی، صفحات: ۱۹۱، ۱۳۱۹، ۱۹۹۸ء

۲۔ جمع و ترتیب: ضحان اللہ ندیم، تصحیح و تنقید: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۱۶۵، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ، مارچ ۱۹۹۹ء

۳۔ جمع و ترتیب: ضحان اللہ ندیم، تصحیح و تنقید: قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۱۰۶، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ، مارچ ۱۹۹۹ء

۴۔ تالیف: حضرت مولانا ابوالحسن سجاد، تصحیح و تنقید: قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۳۳، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ، مارچ ۱۹۹۹ء

۵۔ تالیف: مولانا ابوالحسن سجاد، تصحیح و تنقید: قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۶۳، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ، مارچ ۱۹۹۹ء

مولانا ابوالحسن سجاد صاحب پر توجہ کی گئی، مولانا پر ایک مجموعہ مقالات و مضامین جو مولوی طلحہ نعمت ندوی صاحب [نالدہ، بہار] نے مرتب کیں، جمعیت علمائے ہند نے اس کو شائع کیا، اس کے بعد مولانا ابوالحسن سجاد پر ایک بڑے سیمینار کا اہتمام کیا گیا، جو ۷ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ [۱۵ دسمبر ۲۰۱۸ء] کو منعقد ہوا تھا، اس میں مولانا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اچھے مضامین پیش کئے گئے، جس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ملک کے اہل ذوق اور نو جوانوں کو، مولانا کے احوال اور سوانح کی جستجو شروع ہوئی اور انہوں نے مولانا کی فکر و نظریات کی دوبارہ دریافت اور نئی توسیع و اشاعت کے لئے قدم بڑھائے۔

ان مجموعوں اور مقالات کی ترتیب و اشاعت کے بعد ضروری تھا کہ مولانا ابوالحسن سجاد کی ایک مفصل سوانح لکھی جائے، جس میں مولانا کی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش ہو، مولانا کی خدمات اور کارناموں کا معتبر مآخذ اور معتبر ذرائع سے تذکرہ کیا جائے اور اب تک مختلف تحریروں اور مقالات میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ان کو ایک جگہ سمیٹ کر، اس طرح پیش کیا جائے کہ مولانا کی زندگی کا ہر ایک گوشہ ترتیب سے، ایک ساتھ سامنے آجائے اور پڑھنے والے اس کتاب کے ذریعہ سے، مولانا کی سیرت اور کمالات کا ایک تفصیلی جائزہ اور ضروری معلومات سیکھا حاصل کر لیں۔ مولانا اخترا نام عادل کی یہ زیر نظر تالیف: حیات ابوالحسن سجاد، اس سلسلہ کی سب سے جامع اور مفصل کاوش ہے، یہ کتاب اس وقت تک دریافت اکثر معلومات کا احاطہ کرتی ہے اور مولانا ابوالحسن کی زندگی اور امت کی رہنمائی کی تقریباً ایک تہائی صدی کی، ایک ایسی تاریخ و دستاویز ہے، جس کے آئینہ میں ہم بہت کچھ جان سکتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں۔ یقیناً مولانا اس قافلہ مخلصین کے ایک ممتاز فرد تھے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

جن کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

ایک ہزار دور ہے کہ جس میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے کہ جو شاید خود کو کچھ اس طرح یاد کرتے ہوں گے، بلکہ ایسے لوگوں کو اس کا احساس ہونا چاہئے، بلکہ اس کا برملا اعتراف کرنا چاہئے کہ: ماسیہ کاریہ ماملت فروش!

ایسے لوگوں کے لئے مولانا سراج الحق الدآبادی نے کہا تھا:

مرد فاجر، باعث تائید دیں
حیف ملا یاں، رفیق مشرکیں

مولانا کی زندگی، تدبر، فکر، بالغ نظری، حال اور مستقبل کی صحیح پہچان کے علاوہ، ایک بڑا سبق یہ دیتی ہے کہ ہمیں کبھی کبھی کفری تعلیمات اور طاقتوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہونا چاہئے، یہ نہ صرف ایک وقتی بات ہے بلکہ ملت کا اجتماعی فریضہ اور ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دینی اصولوں، ملتی مفادات کو سیاست سے بالاتر اور بہت مقدم رکھے اور کسی بھی مرحلہ پر [خدا نخواستہ] اپنے ایمان اور ضمیر کا سودا نہ کرے۔

تو رہ نور و شوق ہے منزل نہ کر، قبول
لیلی بھی ہم نشیں ہو، تو تحمل نہ کر قبول

مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب نے حضرت مولانا سجاد صاحب کی یہ سوانح ترجیب دے کر، وقت کے ایک اہم تقاضہ اور مطالبہ کو پورا کیا ہے اور ایسے بہت سے لوگوں کو، جو دینی قیادت کا لبادہ اوڑھ کر، نہ جانے کیا کیا کرتے رہتے ہیں، آئینہ دکھایا ہے۔ کاش! ان کو اس سے سبق حاصل ہو۔ میں اس بڑی خدمت پر مولانا کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے پیغام کو عام فرمائے اور ہمارے لوگوں کو اس سے سبق حاصل کرنے کی توفیق دے، آمین! فقط

میں مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب کا ممنون و شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے، ایسی عالی مرتبت شخصیت کے تذکرہ و سوانح پر مجھ ناچیز طالب علم کو چند سطریں لکھنے کا موقع عنایت کیا۔
ش کریہ! جزاک اللہ تعالیٰ!

نور الحسن راشد کاندھلوی

مفتی الہی بخش اکیڈمی

مولویان، کاندھل، ضلع شاملی [یو پی]

۳ صفر المظفر ۱۴۴۱ھ

۱۳ اکتوبر ۲۰۱۹ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حروف اولین

مؤلف کتاب

بہار علم و حکمت کی سرزمین ہے، اس کے لفظ کی ساخت ہی میں درس و معرفت کا مضمون شامل ہے، برصغیر کا یہ واحد صوبہ ہے جس کا نام علم و عرفان کے نام پر رکھا گیا، اور صرف نام ہی نہیں بلکہ ہر دور میں یہاں بڑی بڑی تاریخی ساز شخصیتیں بھی پیدا ہوئیں، جنہوں نے اپنے عہد پر گہرے اور دور رس اثرات ڈالے، اور جن کے نفوس قدسیہ کی خوشبو صدیوں تک مشام جان کو معطر کرتی رہی، حضرت امام محمد تاج فقیہ سے لے کر ملاموہن بہاری، مخدوم الملک شیخ شرف الدین تکی منیری، قاضی محب اللہ بہاری، اور آخری دور کی شخصیات میں، علامہ نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی، حضرت شاہ بدر الدین پھلواری، علامہ ظہیر الدین شوق نیوی، علامہ ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری، علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ مناظر احسن گیلانی وغیرہ تک عبقری شخصیات کا ایک زریں سلسلہ ہے، جو "اِس خانہ ہمہ آفتاب است" کا منظر پیش کرتا ہے، جن میں ایک ایک فرد علم و حکمت، شعور و آگہی اور دینی، علمی و روحانی فیض رسانی کے لحاظ سے ایک زمانہ پر بھاری نظر آتا ہے۔

حضرت علامہ مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد صاحب بھی اسی خوبصورت تسلسل کا ایک حصہ ہیں، جنہوں نے اپنے افکار و نظریات اور انقلابی و اقدامی خدمات سے ایک زمانے کو متاثر کیا، اور تنہا اتنے کام کئے، جو ایک جماعت کے کرنے کا تھا، جنہوں نے خدمت دین کے ہر محاذ پر اپنے نقش قدم چھوڑے، جن کے قائم کردہ خطوط آج بھی امت کے لئے قیمتی شاہراہ عمل ہیں، علمی، فکری، قومی، ملی، سیاسی کوئی میدان مثل ایسا نہیں جو اس مرد مجاہد کے ضرب کلمسی کا مریون منت نہ ہو، آپ کے وقت اور عمل میں اتنی برکت تھی کہ آپ کے عزم و ارادہ کے سامنے ماہ و سال کی گردشیں تھم جاتی تھیں، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنی مختصر زندگی کے تیس پینتیس سالہ عرصے میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو طویل مدت حیات پانے والے لوگوں کے لئے بھی عام طور پر ممکن نہیں

ہوتے۔۔ لوگ کسی ایک تحریک کے پیچھے چل کر زندگیاں گزار دیتے ہیں اور یہاں نہ معلوم کتنی تحریکیں آپ کی فکر و کاوش کے ذخیرے سے برآمد ہوئیں اور آپ کے گرد و پیش کے ماحول نے ان کی پرورش کی، وہ تنظیموں سے نہیں تنظیمیں ان کے خم و ابرو سے اپنا سمت سفر معلوم کرتی تھیں، حضرت مولانا سجاد جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اب شاید صدیوں میں بھی پیدا نہ ہوں۔

ہزاروں سال زگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و در پیدا

وہ اپنے عہد کے تنہا انسان تھے جس میں ہر طرح کی کامل صلاحیتیں موجود تھیں، اور جس نے بھی یہ بات کہی تھی درست کہی کہ:

”وہ ہر شخص کی قائم مقامی کر سکتے تھے لیکن ان کی قائم مقامی کوئی نہیں کر سکتا۔“

ان میں مختلف طبقات و خیالات کو جوڑنے کی بھی بے پناہ صلاحیت تھی، اور اسی صلاحیت کی بدولت انہوں نے اپنے دور کی مختلف المزاج تنظیموں اور جماعتوں کی قیادت کی، اور ہر مکتب فکر کے لوگوں کے یہاں وہ یکساں مقبول رہے۔ ان کے یہاں عقیدہ کی پختگی، جذبہ کی سچائی، عمل کا خلوص، علم کی گہرائی، فکر و نظر کی وسعت، ذوق و شوق کی دار فستگی اور تعمیر و انقلاب کا جوش سب کچھ تھا، بلکہ ایک کامل شخص میں جن محاسن و کمالات کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام عناصر ان میں موجود تھے، انہوں نے ایک انتہائی متحرک، دیدہ و ور اور بیدار مغز قائد کی زندگی گزاری اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ امت کے مفادات کے لئے خرچ کیا، آپ کا شمار ہندوستان کے ان چند قائدین میں ہوتا ہے، جنہوں نے سب سے زیادہ ملت اسلامیہ کو نفع پہنچایا، اور خود اپنے لئے کوئی متاع زندگی جمع نہیں کی، فرحمہ اللہ، اس شعر کے مصداق۔

پھونک کر اپنے آشیانے کو روشنی بخش دی زمانے کو

حضرت مولانا سجاد کی شخصیت پر تہ کرہ نویسی کی سرگزشت عہد بہ عہد

آج سے قریب اسی سال قبل ۱۷ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء) کی تاریخ تھی، جب اس دور کے قائد و امام حضرت مفکر اسلام مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد نے اس عالم ناسوت کو الوداع کہا، وصال کے دس دن کے بعد ۲۸ نومبر ۱۹۴۰ء کو جمعیت علماء ہند کے

زیر اہتمام پورے ملک میں ”یوم سجاد“ منایا گیا، ملک کے مختلف اخبارات اور جرائد نے تعزیتی پیامات اور سوانحی مضامین شائع کئے، تمام معتبر رسالوں نے حضرت مولانا کی شخصیت پر اداریتی نوٹس یا خصوصی گوشے تحریر کئے، جن میں معارف، الجمعیت، برہان، مدینہ، نقیب، صدق، اور الفرقان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

☆ رسالہ ”الہلال“ (جو آپ کی سیاسی پارٹی ”بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی“ کا ترجمان تھا) نے آپ پر خصوصی اشاعت کا پروگرام بنایا، مدیر رسالہ مولانا زکریا فاطمی ندوی اور رکن ادارت مولانا مسعود عالم ندوی وغیرہ نے اس کے لئے بڑی محنتیں کیں، اور اس کے لئے ملک کے مختلف اہل علم اور اصحاب قلم سے رابطے کئے، اور مضامین جمع کئے، لیکن ”الہلال“ کا یہ نمبر شائع نہ ہوسکا، بلکہ آپ کے وصال کے بعد یہ رسالہ ہی التواء کا شکار ہو گیا۔^۱

☆ بعد میں (ربیع الاول ۱۳۶۰ھ / اپریل ۱۹۴۱ء کو) یہ مجموعہ مقالات ”محسن سجاد کے نام سے شائع ہوا، اور غالباً تاریخی لحاظ سے یہ پہلی باقاعدہ کتاب تھی جو آپ کی سیرت و خدمات پر آپ کی وفات کے چار ماہ کے بعد شائع ہوئی، لیکن یہ ایک محض نقش اول تھا، اور حضرت مولانا سجاد کے محبین و متعلقین کو امید تھی کہ آئندہ اس سے بہتر چیزیں بھی سامنے آئیں گی، جیسا کہ خود مرتب کتاب مولانا مسعود عالم ندوی نے اپنے پیش لفظ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”مولانا محمد سجاد رحمۃ اللہ کی سیرت اور خدمات سے متعلق یہ پہلی کتاب شائع ہو رہی ہے، لیکن توقع کی

جاتی ہے کہ یہ آخری کتاب ثابت نہیں ہوگی۔“^۲

☆ ”الہلال“ کا خصوصی نمبر تو شائع نہ ہوسکا لیکن بعض احباب نے ”الہلال“ مرحوم کی یادگار میں ایک اشاعتی ادارہ کے طور پر ”الہلال“ بک ایجنسی“ قائم کی، جس کا مقصد حضرت مولانا سجاد کی سیرت و سوانح اور آپ کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت تھا، جیسا کہ مولانا مسعود عالم ندوی نے لکھا ہے:

”الہلال“ بک ایجنسی کے نام سے بعض دوستوں نے ایک دارالاشاعت کی بنا ڈالی ہے، اور ان

کے ارادے بڑے ہیں، اللہ کرے ان کی کوششیں کامیاب ہوں، اور دنیا مولانا مرحوم کے

افکار و آراء سے پوری طرح واقف ہوسکے۔“^۳

لیکن غالباً ”الہلال“ کا یہ منصوبہ بھی پورا نہ ہوسکا، اور یہ ایجنسی افسانہ ماضی بن گئی۔

۱- پیش لفظ محسن سجاد ص ۱، مضمون مولانا مسعود عالم ندوی، پیش لفظ حیات سجاد حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی ص ۳

۲- پیش لفظ محسن سجاد ص ۱، مضمون مولانا مسعود عالم ندوی

۳- پیش لفظ محسن سجاد ص ۱، مضمون مولانا مسعود عالم ندوی

☆ اس زمانے میں بڑی تعداد میں اہل ذوق نے منظوم کلام بھی تحریر کئے تھے، آپ کے حلقہ تعلق میں بے شمار اصحاب فن اور شعری مذاق رکھنے والے اہل علم موجود تھے، خود آپ کے داماد علامہ رونق استھانوی بھی اپنے وقت کے جید عالم دین، صاحب دیوان اور استاذ شاعر تھے، لیکن اس شعری سرمایہ کا ذخیرہ بھی آج محفوظ نہیں ہے، الہلال (اور بعد میں محاسنِ سجادہ) میں اشاعت کے لئے بھی بہت سی نظمیں موصول ہوئی تھیں جو شائع نہ ہو سکیں، مولانا مسعود عالم صاحب لکھتے ہیں:

”نظمیں تو بالکل ندی جا سکیں، صرف برادرِ مہد احمد صاحب عروج کی نظم دی جا رہی ہے جو انہوں نے راقم کی فرمائش پر خاص اسی مجموعہ کے لئے لکھی تھیں۔“^۱

☆ بعض معتبر حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد کے وصال کے بعد لوگوں کو آپ کی سیرت و سوانح کی بڑی جستجو رہی، حضرت جیسی صاحب فیض شخصیت کا اچانک اٹھ جانا لوگوں کے لئے ناقابل برداشت تھا، بقول حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی لوگوں کی تمنا تھی کہ:

”مرنے والے کی زندہ جاوید زندگی کو سیرِ قلم کیا جائے، تاکہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کی زندگی سے اسی طرح فائدہ اٹھایا جائے۔ جیسا کہ اس کی زندگی میں ہم فائدہ اٹھاتے تھے۔“^۲

مولانا عبدالصمد رحمانی کا بیان ہے کہ:

”سورت مال یہ تھی کہ دفترِ امارت شریعہ میں ایک طرف اس طرح کے خطوط آنے لگے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و حالات پر کوئی کتاب لکھی گئی ہو تو بھیج دی جائے اور دوسری طرف احباب کا اور مولانا کے ارادت مندوں کا تقاضا شروع ہوا کہ اس کام کو جلد سے جلد انجام دیا جائے۔“^۳

چنانچہ انہی تقاضوں کے پیش نظر حضرت کے وصال کے صرف ایک سال کے عرصے میں کئی کتابیں منظرِ عام پر آ گئیں، جو تاریخی ترحیب کے لحاظ سے درج ذیل ہیں:

☆ حیاتِ سجاد، مرتبہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی حسب ارشاد حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقی ملیح آبادی ناظمِ جمعیت علماء ہند۔ یہ انصاری برقی پریس دہلی سے چھپی، کتابی صورت میں یہ کب شائع ہوئی یہ تو معلوم نہیں ہے، البتہ اخبار ”مدینہ بجنور“ میں اشاعت کے لحاظ سے یہ سب سے اولین تحریر ہے، اس کا حوالہ ”محاسنِ سجادہ“ (مضمون مولانا عبدالحکیم اوگانوی) میں دیا گیا ہے۔

☆ محاسنِ سجاد (مرتبہ حضرت مولانا مسعود عالم ندوی) یہ چند ممتاز اہل قلم اور اصحاب علم مشاہدین

۱- پیش لفظ محاسنِ سجادہ، مضمون مولانا مسعود عالم ندوی

۲- پیش لفظ حیاتِ سجاد حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۳

۳- پیش لفظ حیاتِ سجاد حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۳

و متعقبن کے مضامین کا مجموعہ ہے اس پر مولانا عبدالمجاہد ربابادی کا پیش لفظ ہے۔

☆ حقیقت سجاد، مؤلفہ مولانا سید عروج احمد قادریؒ سجادہ نشین آستانہ امجد شریف گیا بہار، یہ کتاب دراصل علامہ راغب احسن صاحب جنرل سیکریٹری مسلم لیگ کلکتہ کے مقالے کے جواب میں لکھی گئی، اور آستانہ امجد شریف گیا سے شائع ہوئی، اس پر عذامہ مناظر احسن گیلانی کا مقدمہ ہے۔

علامہ راغب احسن اپنے دور کے بڑے صاحب علم، دقیقہ رس مفکر، دور اندیش سیاست داں، کئی تحریکات اور تنظیموں کے بانی و قائد، اور انقلابی شخصیت کے مالک تھے، حضرت مولانا سجادؒ کے وطن ثانی گیا کے رہنے والے تھے، لیکن مولانا سے صرف ایک ملاقات گیا خلافت کانفرنس کے موقعہ پر ہوئی، اس کے بعد دوبارہ کبھی مولانا کی زیارت یا تبادلہ خیالات کا موقعہ ان کو نہیں ملا، وہ حضرت مولاناؒ کے مداح تھے، لیکن کئی سیاسی اور ملی مسائل میں (بعض غلط فہمیوں اور غلط اطلاعات کی بنیاد پر) اختلاف بھی رکھتے تھے، جب حضرت مولاناؒ کا پہلا سوانحی مجلہ ”محاسن سجاد“ مرتب ہو رہا تھا، مولاناؒ سے ان کے خصوصی تعلق کی بنا پر ان سے بھی مضمون کا مطالبہ کیا گیا، وہ غالباً مولاناؒ پر اظہار خیال سے گریز کرنا چاہتے تھے، اور مضمون لکھنے پر آمادہ نہ تھے، لیکن مولانا مسعود عالم ندوی (مرتب) کے مسلسل اصرار پر بالآخر انہوں نے اپنے خیالات سپرد قلم کئے اور پھر وہی ہوا جس کا ذکر تھا، راغب صاحب کا قلم قابو میں نہ رہا، اور تازہ حادثہ وفات کے موقعہ کی نزاکت بھی انہوں نے ملحوظ نہیں رکھی، اور مولاناؒ کے محامد کے ساتھ اپنے اختلافات کو بھی ہم رشتہ کر دیا، اور تنقید کے موقعہ پر لب و لہجہ کا اعتدال بھی برقرار نہ رہ سکا، مضمون وصول ہونے کے بعد ان سے گزارش کی گئی کہ کم از کم لب و لہجہ پر نظر ثانی کریں، لیکن وہ اس کے لئے بھی راضی نہ ہوئے، اور حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ مضمون کو من و عن شائع کرنا ضروری ہو گیا، مرتب صاحب نے اس پر اختلافی نوٹس چڑھائے، جناب شمس ہاشمی نے بھی سرور دفتہ (استدراک) کے نام سے اس کا جواب رقم کیا، اور وہ شامل کتاب (محاسن سجاد) ہوا۔

لیکن کتاب جب شائع ہوئی تو کسی نے بھی اس تنقیدی مضمون کی حوصلہ افزائی نہیں کی، مولاناؒ کے حلقہ میں اس کو سخت ناپسند کیا گیا^۲ اور کئی حضرات نے اس کا جواب دینے کی بھی کوشش

۱- پیش لفظ محاسن سجاد مولانا مسعود عالم ندوی ص ۱۸

۲- مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب رقمطراز ہیں: ”محاسن سجاد جب اس طرح پریس سے نکلا تو پڑھنے والوں پر یہ اثر ہوا کہ مولاناؒ کے ارادتمندوں اور اپنوں کو راغب صاحب کے مضمون کی وجہ سے اس درجہ آزدگی اور تکلیف ہوئی، کہ وہ اس کا کمال نہ کر سکے، اور محاسن سجاد کے مجموعہ سے تیری کا اظہار کیا۔“ (حیات سجاد پیش لفظ ص ۴۲ مولانا عبدالصمد رحمانی)

کی، حقیقت سجادؑ بھی اسی کی ایک کڑی ہے، جس میں تفصیل کے ساتھ تمام حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے، اور ایک ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔

☆ خود امارتِ شرعیہ نے بھی اس کا ایک نسبتاً مفصل جواب 'نائب امیر اور امارتِ شرعیہ کے نام سے شائع کیا، یہ جواب کس نے لکھا تھا، معلوم نہیں ہے، اور نہ اس کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب ہو سکا، اس کا ذکر حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے "حیاتِ سجادؑ" کے پیش لفظ (حاشیہ) میں کیا ہے:

"راغب صاحب کے معاندانہ اعتراضات کے جواب میں ایک مختصر جواب 'حقیقتِ سجادؑ کے نام سے عروجِ قادری صاحب نے دیا ہے۔ اور ایک مفصل جواب 'نائب امیر اور امارتِ شرعیہ کے نام سے ادارہ امارتِ شرعیہ پھولاری شریف پٹنہ سے شائع ہوا ہے۔"

☆ حیاتِ سجاد (مرتبہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ) یہ بھی چند ممتاز اہل علم اور عینی شاہدین کے مقالات و تحریرات کا مجموعہ ہے، اور نسبتاً زیادہ مفصل اور معلوماتی ہے۔

جنابِ راغب احسن صاحب کے مضمون سے جو سوال و جواب کا ماحول بن گیا تھا، وہی اس کا محرک بنا کہ کوئی مثبت سوانحی کتاب سامنے آئی، اور حیاتِ سجاد اسی تحریک کے نتیجے میں تیار ہوئی۔ مگر ظاہر ہے کہ مذکورہ کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب باقاعدہ سوانح نہیں ہے، یا تو مقالات کے مجموعے ہیں، یا سوالات و جوابات، سوانح کی ضرورت اب بھی باقی تھی، چنانچہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی "حیاتِ سجادؑ" ہی میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اس ضرورت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"حضرت مولانا کے محاسن کو بتانے اور آپ کی سوانح کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے کا کام چند اوراق میں نہیں ہو سکتا، اس کے لئے اچھی خاصی کتاب لکھنے کی ضرورت ہے، خدا کرے یہ آرزو جلد پوری ہو۔"

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ حیاتِ سجاد کی اشاعت کے بعد نہ معلوم ملک میں کیا حالات پیدا ہوئے، امارتِ شرعیہ اور جمعیۃ علماء ہند کن مسائل سے دوچار ہوئی کہ آہستہ آہستہ ادھر سے توجہ ہٹتی چلی گئی، اور پھر ماحول میں ایسا سناٹا چھا گیا، کہ پورے ستاون سال یعنی نصف صدی سے بھی زائد مدت تک فضائے بسیط میں اس تعلق سے کہیں کوئی ارتعاش نظر نہیں آتا، ایک پوری نسل ختم ہو گئی، جو لوگ اس کام کو کر سکتے تھے ایک ایک کر کے سب اس دنیا سے رخصت ہو گئے، یہاں تک

۱- پیش لفظ حیاتِ سجاد حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۴ (حاشیہ)

۲- حیاتِ سجاد ص ۲۱ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ

کہ حضرت مولانا کے شاگردوں کے شاگرد بھی بوڑھے ہو گئے،، بعد کی نسلوں میں حضرت مولانا کی قدر و عظمت کا وہ احساس بھی باقی نہ رہا، جو ان کو دیکھنے والے اکابر میں موجود تھا، اس لئے کہ بعد کے لوگ ان سے خاطر خواہ واقف ہی نہیں تھے، بس اکاد کا چند لوگ تھے جن کو مولانا کی عظمت کا تصور اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا، وہی لوگ مولانا کو جانتے تھے، یا ان کے بارے میں تفصیل سے انہوں نے پڑھ رکھا تھا۔

فقہ انصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نائب امیر شریعت وقاضی القضاۃ امارت شرعیہ بھی انہی چند مختم شخصیتوں میں سے ایک تھے، جن کو فکر و عمل اور علم و فضل میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کا عکس جمیل کہا جاتا تھا، حضرت مولانا سجاد صاحب کی وفات کے وقت ان کی عمر صرف چار سال کی تھی، لیکن آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبد الاحد صاحب اور آپ کے مرشد اکبر حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمائی حضرت مولانا سجاد کے اخص ترین لوگوں میں تھے، ان کو یہ معرفت و عظمت اپنے ان بزرگوں سے حاصل ہوئی، علاوہ امارت شرعیہ سے وابستگی کے بعد برسوں ان کو مولانا کے علوم و معارف کے مطالعہ کا موقع ملا تھا، اس طرح مولانا کی عقیدت ان کے دل میں پوری بصیرت کے ساتھ نقش ہو گئی تھی، اگر حضرت قاضی صاحب حضرت مولانا کی شخصیت پر کام کرتے تو اس دور میں ان سے بہتر کوئی شخص اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا، لیکن قاضی صاحب بھی علمی، ملی اور قومی مسائل میں کچھ اس طرح گھرے رہے کہ اپنے پورے عہد شباب میں وہ اس کے لئے وقت نہ نکال سکے، اور جب انہوں نے اس کام کا ارادہ کیا تو ان کی عمر اور صحت کا آفتاب ڈھل چکا تھا، زندگی کے آخری دنوں میں جب کہ عمر عزیز کے صرف چند سال ان کے حصے میں رہ گئے تھے، آپ نے اس اہم ترین کام کی شروعات کی، اور سب سے پہلے آپ کے علوم و معارف کے احیاء کا پروگرام بنایا، اس لئے کہ شخصیت کی عظمت کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے، علاوہ ان علوم کی اس دور میں بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ پہلے تھی، سب سے پہلے حضرت کے فتاویٰ پر قاضی صاحب نے خود کام شروع کیا، اور تحقیق و تعلیق کے ساتھ اس کی ایک جلد شائع کی، پھر یکے بعد دیگرے آپ کے قضایا، مقالات، مکاتیب اور دیگر علمی چیزوں پر کام کرنے کے لئے ایک پوری ٹیم آپ نے مقرر کر دی، جس نے پوری عرق ریزی کے ساتھ حضرت مولانا کے میسر علمی سرمایہ پر بہترین کام کیا، اور اس طرح ایک درجن کے قریب کتابیں منظر عام پر آ گئیں، یہ علمی دنیا پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور حضرت امیر شریعت سادس

مولانا سید نظام الدین صاحب کا بہت بڑا احسان ہے، فجز اہم اللہ احسن الجزاء۔

اسی کے ساتھ ان دونوں بزرگوں نے حضرت مولانا سجاد کی شخصیت اور خدمات پر ایک عظیم الشان کل ہند سیمینار کرنے کا تاریخ ساز فیصلہ کیا، مگر اس کے لئے ضرورت تھی کہ حضرت مولانا کے حالات تک اہل قلم کی رسائی ہو، ستاون سال قبل مولانا کے حالات پر جو مختصر مجموعے شائع ہوئے تھے، وہ بھی قصہ ماضی بن چکے تھے، چند مخصوص ائیریریوں کے علاوہ اس کے نسخے دستیاب نہیں تھے، اسی ضرورت کے پیش نظر حضرت قاضی صاحب کے ایماء پر جناب مولانا انیس الرحمن قاسمی ناظم امارت شرعیہ نے محسن سجاد اور حیات سجاد سے چند منتخب مقالات (کل سولہ مقالات) کا مجموعہ مرتب فرمایا اور امارت شرعیہ نے ۱۳۱۹ھ / ۱۹۹۸ء میں اسے بھی 'حیات سجاد' کے نام سے شائع کیا، امارت شرعیہ پھلواڑی شریف پٹنہ کے تحت حضرت مولانا سجاد صاحب کی حیات و خدمات پر منعقد سیمینار (۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۹۹ء) کے موقع پر اسی مجموعہ نے رہنما خطوط کا کام کیا، اکثر شرکاء نے اس کو بطور ماخذ کے اپنے پیش نظر رکھا، سیمینار کے اکثر شرکاء کو اصل کتاب محسن سجاد اور حیات سجاد کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔۔۔ بہر حال سیمینار میں مقالے پڑھے گئے، اور پھر ان مقالات کا مجموعہ 'حضرت مولانا ابو الحسن محمد سجاد: حیات و خدمات' کے نام سے ۲۰۰۳ء میں مکتبہ امارت شرعیہ پھلواڑی شریف سے شائع ہوا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستاون سال کے بعد امارت شرعیہ سے جو دو سو انجی مجموعے (حیات سجاد، اور حضرت مولانا ابو الحسن محمد سجاد- حیات و خدمات) شائع ہوئے، سوانحی نقطہ نظر سے وہ پچھلی ہی باتوں کا اعادہ تھا، اس میں شخصیت یا فکر کے تعلق سے سابقہ ذخیرے میں کوئی اضافہ نہیں تھا، بلکہ پچھلی کتابوں کے کئی اہم مضامین نظر انداز کر دیئے جانے کی بنا پر علم و تحقیق کا دائرہ سمٹ گیا تھا۔ البتہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کتابوں یا سیمینار کے ذریعہ فضا میں ایک نئی پلچل پیدا ہوئی، نئی نسل کو حضرت مولانا کی شخصیت کی طرف توجہ ہوئی، خاص طور پر امارت شرعیہ نے حضرت مولانا سجاد کی نایاب کتابوں کا جو سیٹ شائع کیا، وہ ایک عظیم الشان علمی کارنامہ ہے جو امارت شرعیہ کے علاوہ کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی مثال بھی "ایک انار صد بیار" کی تھی، ان کو مہلت نہیں ملی، ورنہ انہوں نے جس عزم اور حوصلہ کے ساتھ ان کاموں کی شروعات کی تھی، وہ بہت آگے تک کا منصوبہ رکھتے تھے، اور حضرت مولانا کے تعلق سے دہائیوں کی اس بھول کو دہرانا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے 'حضرت مولانا سجاد سیمینار'

سے خطاب کرتے ہوئے اپنے احساس کا اظہار کیا تھا کہ:

”دوستو حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کو ہم نے جتنا دن بھلا کے رکھا ہے۔ آئندہ اس گناہ کو دہرانا نہیں چاہئے، کل شیء مرہون بادقائد اللہ نے جو وقت رکھا تھا۔ اس وقت ہم نے ان کو زندہ کیا ہے۔ ان شاء اللہ ہمارا مستقبل بھی انہیں باقی رکھے گا۔“

انہوں نے اسی سیمینار میں حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت پر سوانحی کام کے عزم کا بھی اظہار کیا تھا وہ مولانا پر ایک تحقیقی مرکز بھی قائم کرنا چاہتے تھے جو مولانا کے علوم و معارف پر کام کرے وہ ہر سال ایک یادگاری خطبہ کا اہتمام بھی کرنا چاہتے تھے، جوئی نسل کی ذہنی تشکیلات میں اپنا کردار ادا کرے اور تمام شرکاء سیمینار نے ان تجاویز پر مہر توثیق ثبت کی تھی۔

اس سیمینار پر قریب بیس سال کا عرصہ بیت گیا، خود حضرت قاضی صاحبؒ اس سیمینار کے بعد قریب تین سال سے زیادہ باحیات رہے، لیکن ان میں سے کسی ایک چیز کی طرف بھی پیش رفت نہ ہو سکی۔

ابھی چند سال قبل ۲۰۱۷ء میں جناب مفتی نیر اسلام قاسمی صاحب استاذ حدیث و ادب دارالعلوم امارت شرعیہ کی ایک کتاب ’تاریخ علمائے امارت شرعیہ‘ جلد اول منظر عام پر آئی، جو حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے، مگر یہ پوری کتاب پٹنہ سیمینار کے مقالات کا مجموعہ۔ حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ حیات و خدمات، مرتبہ مولانا انیس الرحمن قاسمی کے گرد گھومتی ہے، اسی مجموعہ کے مختلف اقتباسات کو نئے انداز میں مرتب کر دیا گیا ہے۔

قریب اسی سال کی یہ پوری روئیداد یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی سیرت و سوانح کا قرض ابھی تک باقی ہے، اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں، اور علوم و افکار کے مختلف شعبوں پر تحقیق و مطالعہ کا فرض ابھی ادا نہیں ہوا ہے، جوں جوں وقت گزر رہا ہے، اور دنیائے حالات سے دو چار ہو رہی ہے مولانا کے افکار و نظریات کی معنویت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ضرورت ہے کہ مولانا کی زندگی کو بحیثیت شخص بھی اور بحیثیت فکر بھی ایک نمونہ عمل کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

میری اس تالیف کی سرگزشت اور خصوصیات

یہ حسن اتفاق تھا یا میری خوش بختی کہ جمعیت علماء ہند نے اپنی صد سالہ تقریبات کی مناسبت

سے حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد پر سیمینار کا فیصلہ کیا اور اس کی علمی ذمہ داری میرے دوش ناتواں پر ڈال دی، گو کہ آج سے قریب بیس سال قبل حضرت مولانا سجاد سیمینار پڑنے کی مناسبت سے مجھے کچھ پڑھنے اور حاصل مطالعہ مرتب کرنے کا موقع ملا تھا، لیکن وہ ایک ابتدائی اور رسمی قسم کا مطالعہ تھا، اور میری حیثیت عام خریداران یوسف کی طرح محض اس فہرست میں اپنا نام درج کرانے والے سے زیادہ نہ تھی، جسے نہ حقیقت کے پانے کی امید ہو اور نہ اس کی خاطر خواہ طلب۔ لیکن جمعیت علماء ہند کی طرف سے اس ذمہ داری کے بعد مجھے مبہم طور پر لیا ائے مقصود تک رسائی کی امید قائم ہو گئی، اور دل میں شوق و طلب کی آگ بھڑک اٹھی، چنانچہ میں نے روز و شب کے اکثر اوقات اس کام کے لئے فارغ کئے اور حضرت مولانا سے متعلق ہر چھوٹی بڑی چیز جمع کرنے اور اصل مآخذ تک پہنچنے کی کوشش کی، مختلف الاسیریوں کے چکر لگائے، متعلقہ مقامات و شخصیات تک خود پہنچنے کی جدوجہد کی، اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس موقع پر مجھے کچھ علم نواز اور تحقیق کی خور کھنے والے دوستوں کی ایک مختصر سی ٹیم میسر ہو گئی، جس نے تقسیم کے اصول پر مختلف محاذوں پر علم و تحقیق کے اس سفر میں میرا تعاون کیا، ان میں خاص طور پر جناب مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی (بھتورادھوبنی)، جناب ڈاکٹر کفیل احمد ندوی (بہار شریف) اور جناب مولانا طلحہ نعمت ندوی (استھواں، نالندہ) کا بطور خاص ذکر کروں گا، کہ ان حضرات نے متعلقہ شخصیات و مقامات کی دریافت اور مطلوبہ کاغذات و دستاویزات کے حصول میں ایک مبہم کے طور پر حصہ لیا۔

خاندان سے متعلق اکثر معلومات جناب مولانا ڈاکٹر کفیل احمد ندوی نے حاصل کیں، وہ خود بہار شریف کے رہنے والے ہیں، اور حضرت مولانا سجاد کے خاندان سے ذاتی مراسم بھی رکھتے ہیں، اس طرح مولانا کے خاندانی حالات پر جو ایک عرصہ سے گمنامی کی گرد پڑی ہوئی تھی، ڈاکٹر صاحب کی محنت سے بڑی حد تک وہ گرد صاف ہو گئی۔

مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی صاحب سفر و حضر میں میرے رفیق رہے، کئی الاسیریوں اور اداروں سے کتابوں کی فوٹو کاپیاں حاصل کرنے میں انہوں نے معاونت کی، اور بالخصوص مدرسہ انوار العلوم گیا کے تعلق سے بڑی اہم معلومات جمع کیں۔

مولانا طلحہ نعمت ندوی صاحب نے بہار شریف اور اطراف کی شخصیات کے بارے میں بیش قیمت مواد اور حوالہ جات کی نشاندہی کی، خاص طور پر حضرت مولانا سجاد صاحب کے داماد علامہ رونق استھانوی کے حالات زندگی اور آپ کے شعری سرمایہ کا بڑا حصہ انہی کے ذریعہ حاصل ہوا۔

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے رشتے کے عزیز جناب سید محمد شرف صاحب (ہنسہ) متولی صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف نے بھی اپنے قابل قدر تعاون سے نوازا۔ اس طرح اس علمی اور تحقیقی مہم جوئی کے نتیجے میں دو کتابیں منظر عام پر آئیں، جن کو جمعیت علماء ہند نے شائع کیا:

۱۔ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجادؒ (مرتبہ مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی) یہ ان قدیم مضامین کا مجموعہ ہے جو حضرت مولانا سجاد کے وصال کے بعد علماء اور اہل قلم نے تحریر کئے تھے، اس فہرست میں ان کے علاوہ بھی ہیں، متعلقین و محبین بھی، اور مشاہدین و ناقدین بھی، یہ مضامین مختلف مجموعوں اور کتابچوں میں بکھرے ہوئے تھے، اور بعض نایاب تھے، بڑی مشکل سے ان کو حاصل کیا گیا، اور کوئی شبہ نہیں کہ اس میں جمعیت علماء ہند کا بھرپور تعاون مجھے حاصل رہا، میری خواہش پر مولانا طلحہ نعمت ندوی صاحب نے بڑے سلیقہ کے ساتھ ان مضامین کو از سر نو مرتب کیا اور ان پر ضروری فٹ نوٹ لگائے، اور جمعیت علماء ہند کے سیمینار (۱۵ دسمبر ۲۰۱۸ء) میں اس دستاویزی مجموعہ کا اجراء عمل میں آیا۔

یقیناً یہ ایک تاریخی اور دستاویزی پیشکش ہے، جوئی تحقیقات کا محور اور سوانحی کاموں کا معتبر مآخذ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ پرانے ہی کاموں کا تحفظ و اعادہ ہے۔

۲۔ تذکرہ ابوالحسن (مرتبہ اختتام عادل قاسمی) یہ جمعیت علماء ہند کے مذکورہ سیمینار (۱۵ دسمبر ۲۰۱۸ء) میں پیش کئے گئے مقالات کا مجموعہ ہے، جس کو ۲۰۱۹ء میں جمعیت علماء ہند نے شائع کیا، ظاہر ہے کہ یہ بھی سوانحی ترتیب پر نہیں ہے، اور ہر مجموعہ کی طرح اس میں بھی مکررات موجود ہیں، البتہ اس میں پچھلے کاموں کے مقابلے میں کچھ نئی چیزیں بھی شامل ہیں، مثلاً حضرت مولانا سجاد کے خاندانی احوال و کوائف، آپ کا فقہی مقام و مرتبہ، تدریسی خدمات، جمعیت علماء ہند سے آپ کا ارتباط، آپ کے افکار و نظریات کی معنویت وغیرہ کئی نئی چیزیں ہیں، جن سے پچھلے مجموعے خالی ہیں۔

غرض مذکورہ بالا تمام مجموعوں کی اشاعت کے باوجود سوانح کا قرض ابھی امت کے ذمہ باقی تھا۔ میری زیر نظر تالیف ”حیات ابوالحسن“ اسی قرض کو اتارنے کی حقیر سی کوشش ہے، یہ پچھلی تمام کوششوں کا خلاصہ اور سابقہ تحقیقات کا لب لباب ہے، علاوہ اس میں وہ تمام اجزاء اور عناصر موجود ہیں جن کے بغیر سیرت کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اس میں ان تحریرات اور اداروں کی مستند تاریخ بھی

آگئی ہے، جن سے حضرت مولانا سجاد کا گہرا تعلق رہا ہے، خاص طور پر تحریک خلافت، جمعیت علماء بہار، جمعیت علماء ہند، امارت شرعیہ بہار، تحریک حزب اللہ، بہار مسلم انڈیا پنڈیٹ پارٹی کی پوری مرتب تاریخ مستند حوالوں کے ساتھ اس کتاب میں آگئی ہے، جس میں ان کے تمام بنیادی پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، خاص طور پر ان تحریکات کے ابتدائی ادوار کی تاریخ بالکل تشدد اور نامکمل تھی، اس ضمن میں بہت سے تاریخی سوالات کے جوابات بھی آگئے ہیں جن سے اب تک تعرض نہیں کیا گیا تھا، یا یہ کہ ان کے صحیح جوابات نہیں دیئے جاسکے تھے، کئی علمی و فقہی مباحث بھی آئے ہیں، جن کے بغیر متعلقہ مسائل کی تشریح مکمل نہیں ہو سکتی تھی، کئی پیچیدہ واقعات اور مسائل کو صحیح تاریخی پس منظر میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کئی تاریخی تضادات کو دور کیا گیا ہے، اور ان میں تطبیق یا ترجیح کی راہ نکالی گئی ہے، تاریخی اغلاط کی تصحیح بھی کی گئی ہے، نیز حضرت مولانا کے علوم و معارف اور افکار و نظریات، کمالات و خصوصیات اور امتیازات و اولیات پر پہلی مرتبہ تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، خاص طور پر نظام دارالقضاء، تعلیم و سیاسی نظریات اور ملکی اور عالمی مسائل و مشکلات کے حل کے لئے آپ کے اسلامی تصورات پر اس سے پہلے کوئی بحث نہیں آئی تھی، اس کتاب میں ان تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

اس میں متعلقہ شخصیات و مقامات کے ممکنہ تعارف کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، خاص طور پر جن شخصیات کا مولانا کی تذکرہ نویسی سے تعلق رہا ہے یا کسی خاص مہم میں ان کی اہم حصہ داری رہی ہے، تقریباً ان سب کے احوال مستند کتابوں کے حوالے سے اخذ کئے گئے ہیں، البتہ بہت زیادہ معروف شخصیات (بشرطیکہ واقعات میں ان کا زیادہ ذکر نہ آیا ہو) یا نسبتاً کم وابستہ لوگ یا ضمنی تذکرہ آجائے والے حضرات کے حالات لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اس لئے کہ اس سے کتاب کا حجم غیر معمولی طور پر بڑھ جاتا — حوالہ جات میں استناد اور ثقاہت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ حتی الامکان براہ راست روایات ہی پر اعتماد کیا جائے، اور (چند مقامات کو چھوڑ کر جن کی توثیق دوسرے ذرائع سے ہوتی ہے) بالواسطہ روایات کو قبول نہ کیا جائے، مآخذ میں بھی صرف اصل مآخذ پر اعتماد کیا گیا ہے، اسی لئے حوالہ کے لئے محسن سجاد اور حیات سجاد کے صرف ان نسخوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو خود ان کے مرتبین کی نگرانی میں شائع ہوئے تھے، بعد میں شائع ہونے والے نسخوں سے یا منقول شدہ حوالہ جات سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے — کسی روایت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا گیا، جب تک کہ وہ متصل (قولاً یا تحریراً) صاحب واقعہ سے ثابت نہ ہو جائے،

خواہ وہ کتنی ہی مشہور ہو، لب و لہجہ مثبت اور علمی رکھا گیا ہے، جارحانہ یا غیر علمی لب و لہجہ سے کلیتاً احتراز کیا گیا ہے، باقی کتاب خود قارئین کے سامنے ہے، خدا کرے کہ میری یہ کوشش حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات کے تعارف میں کسیائق ثابت ہو، اور بارگاہ الہی میں بھی قبولیت نصیب ہو آمین۔

زیر نظر کتاب کا تعارف

یہ کتاب اٹھارہ (۱۸) ابواب پر مشتمل ہے، جن کے تحت حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت اور خدمات کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے:

☆ پہلا باب حضرت مولانا سجادؒ کے عہد، وطن اور خاندان سے متعلق ہے، آپ کی ذہنی نشوونما اور فکری تعمیر میں جن کا بنیادی حصہ ہے، تاریخ کے مختلف حوالوں سے اس باب کو مزین کیا گیا ہے، خاندان کے تعلق سے تذکرہ ابوالحسنؒ کے بعد یہ پہلی کتاب ہے جس میں اس قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔

☆ دوسرا باب ولادت سے تعلیم و تربیت تک کے احوال کو محیط ہے، حضرت مولانا سجادؒ کی طالب علمانہ زندگی پر پہلی بار اس کتاب میں تفصیلی گفتگو آئی ہے، قدیم کتابوں میں آپ کی زندگی کے اس حصہ سے بہت کم تعرض کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ ان مدارس کا تعارف بھی ہم رشتہ ہو گیا ہے، جہاں آپ نے تعلیم حاصل کی تھی۔

☆ تیسرے باب میں حضرت مولاناؒ کے جلیل القدر اساتذہ کا ضروری تذکرہ ہے، شاگرد اپنے استاذ کے کمالات کا آئینہ ہوتا ہے، شاگرد کی عظمت کے پیچھے استاذ کی عظمت نہاں ہوتی ہے، اس لئے استاذ کا حق بتا ہے کہ شاگرد کے تذکرہ سے قبل اس کے استاذ کا ذکر بھی کیا جائے، اس سے شخصیت میں استناد اور اس کی عظمت میں وقار پیدا ہوتا ہے۔

قدیم تذکروں میں حضرت مولاناؒ کے صرف چند اساتذہ کا مبہم ذکر ملتا تھا، آپ کے تمام اساتذہ کا ادوار تعلیم کے لحاظ سے تفصیلی تذکرہ پہلی بار اس کتاب میں آیا ہے۔

☆ چوتھا باب نکاح، ازواج و اولاد اور خانگی زندگی سے متعلق ہے، قدیم تذکروں میں یہ حصہ بھی بے حد تشنہ اور نامکمل تھا، خاندان کے لوگوں اور بعض معتبر تذکروں کے ذریعہ اس سلسلہ کی مستند معلومات حاصل کی گئیں، جن سے مولاناؒ کی زندگی کا یہ حصہ پہلی بار روشنی میں آیا ہے۔

☆ پانچواں باب آپ کی روحانی اور خانقاہی زندگی سے متعلق ہے، اس میں آپ کے تصوف و سلوک، بیعت و ارشاد، خلافت و اجازت، روحانی تعلیمات و ارشادات اور بعض کرامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ حصہ کسی بھی عالم ربانی کی زندگی میں بے حد اہمیت رکھتا ہے، لیکن اب تک کے کسی تذکرہ میں اس حصہ کا ذکر نہیں آیا، بعض بزرگوں نے چند سطروں میں اس کی طرف اشارات کئے ہیں، ان کی تشریح آپ اس کتاب میں پڑھیں گے، گوکہ مولانا کے سلسلہ طریق کے بارے میں جس قدر معلومات مطلوب تھیں باوجود سعی و کوشش کے حاصل نہ ہو سکیں، اس لئے اس باب پر ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے، شاید آئندہ اللہ پاک اس کے لئے کوئی راستہ پیدا فرمائے آمین۔

☆ چھٹے باب میں آپ کے علمی مقام و مرتبہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، حضرت مولانا جامع الکملات اور بحر العلوم تھے، لیکن آپ کی قومی، ملی اور سیاسی خدمات کو جو اہمیت دی گئی وہ اس حصہ کو حاصل نہ ہو سکی، اس باب میں حضرت مولانا کی مفسرانہ، محدثانہ، فقیہانہ، متکلمانہ، فلسفیانہ، ادیبانہ اور قانونی شخصیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، جو بلاشبہ اس کتاب کی دریافت ہے۔

☆ ساتویں باب سے آپ کی خدمات اور کارناموں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس باب میں آپ کی علمی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس میں تدریسی اور قلمی دونوں طرح کی خدمات شامل ہیں، اس سے پہلے آپ کی تدریسی زندگی پر بہت کم گفتگو کی گئی تھی، اس باب میں آپ کی تدریسی زندگی کے مختلف ادوار پر مدلل گفتگو کی گئی ہے، جو اس ترتیب اور تفصیل کے ساتھ پہلی بار اس کتاب میں آئی ہے، اس ضمن میں ان مدراس کی تاریخ بھی مرتب ہو گئی ہے جہاں جہاں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، اس مضمون کا ایک حصہ تذکرہ ابو الحسن میں اس سے قبل شائع ہو چکا ہے۔

قلمی خدمات کے تحت آپ کی تصنیفات اور رسائل کا بنیادی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

☆ آٹھواں باب تحریک خلافت میں حضرت مولانا سجاد کے بنیادی کردار سے متعلق ہے، اس میں خلافت اسلامی کے شرعی تصور اور تسلسل سے لیکر ہندوستان میں تحریک خلافت تک کی پوری تاریخ تمام علمی، فقہی، شرعی اور تاریخی مباحث کے ساتھ آگئی ہے، شاید اتنی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ تحریک خلافت کی بحث پہلے کسی تذکرہ میں نہیں آئی، یہ بھی اس کتاب کی ایک اہم پیش رفت ہے۔

☆ نواں باب جمعیت علماء ہند کی تحریک و تاسیس کے لئے خاص ہے، اس میں جمعیت علماء کے تصور و تحریک، جمعیت علماء بہار کی تاریخ، جمعیت علماء ہند کا قیام، حضرت مولانا سجاد کا بنیادی کردار، اس

کے اصل بانی کی تحقیق و تنقیح، جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات جیسے اہم ترین اور حساس مسائل پر نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، جو اس کتاب کی پہلی تاریخی و تحقیقی پیشکش ہے۔

اسی طرح جمعیت علماء ہند کے ابتدائی ادوار کی ایک مرتب تاریخ بھی تیار ہو گئی ہے، جمعیت علماء ہند کی تاریخ پر متعدد قیمتی کتبیں لکھی گئی ہیں، جن میں درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

- ۱- تذکرہ جمعیت علماء ہند، مرتبہ حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجادؒ، بلاشبہ یہ جمعیت علماء ہند کے ابتدائی دور کی سب سے مکمل اور مستند تاریخ ہے، لیکن حکومت وقت نے اشاعت کے ساتھ ہی اس کو ضبط کر لیا تھا، پھر رفتہ رفتہ یہ نایاب ہو گئی، اب اس کا ایک نسخہ بھی شاید کہیں موجود نہ ہو، اس کے صرف بعض اقتباسات محفوظ رہ گئے ہیں، جو کئی کتابوں میں منقول ہوئے ہیں۔
- ۲- جمعیت علماء کیا ہے؟ حصہ اول و دوم، مرتبہ حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ
- ۳- جمعیت علماء ہند کا تعارف اور خدمات جمعیت علماء ہند (صفحہ ۱۶) مرتبہ: مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، شائع کردہ: جمعیت علماء ہند، ۱۹۵۸ء۔

مگر ان دونوں کتابوں کا موضوع جمعیت علماء ہند کا عمومی تعارف اور اس کی خدمات کا تذکرہ ہے، جمعیت کی تحریک و تاسیس کی تاریخ سے بہت کم بحث کی گئی ہے۔

- ۴- جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ، مؤلفہ مولانا حفیظ الرحمن و اصف خلف الرشید حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، بلاشبہ یہ کتاب جمعیت علماء ہند کے ابتدائی احوال سے بحث کرتی ہے، مگر یہ ایک خاص پس منظر میں لکھی گئی تھی اس لئے تاریخی تقاضوں کی تکمیل نہیں ہو سکی کئی ضروری اجزاء تذکرہ سے رہ گئے۔

- ۵- مختصر تاریخ جمعیت علماء ہند، مؤلفہ: مولانا حامد الانصاری غازی، مدیر اخبار مدینہ بجنور، شائع کردہ: شعبہ نشر و اشاعت جمعیت علماء صوبہ متحدہ کا ٹریکٹ ۴۔ یہ سولہ صفحات کا مختصر سارسالہ ہے جو جمعیت علماء ہند کے عمومی تعارف پر لکھا گیا ہے، اور مولانا حامد الانصاری غازی کے خطبہ استقبالیہ سے ماخوذ ہے، جو انہوں نے جمعیت علماء ضلع بجنور کی کانفرنس (منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۹، ۱۰، ۱۱ اپریل ۱۹۴۵ء بمقام دھام پور) میں بحیثیت صدر استقبالیہ پڑھا تھا، اس میں

جمعیت علماء ہند کے ابتدائی دور کے احوال کلیہ موجود نہیں ہیں، یہ محض فکری اور دعوتی رنگ کا ایک خطاب ہے۔

۶- تاریخ جمعیت علماء ہند، مرتبہ مولانا اسیر ادروی صاحب، شائع کردہ: جمعیت علماء ہند، ۱۳۰۳ھ۔ یہ جمعیت علماء ہند کی سب سے مفصل تاریخ ہے، جلد اول، ۵۶۷ صفحات، جلد دوم ۳۷۲ صفحات (جلد دوم حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے پچیس سالہ دورِ صدارت کی تاریخ پر مشتمل ہے) لیکن اس میں بھی جمعیت علماء ہند کے ابتدائی ادوار کا محض سرسری تذکرہ ہے، تاریخ کے تمام پہلوؤں سے اس میں بحث نہیں کی گئی ہے، اور نہ مکمل واقعات دیئے گئے ہیں، جمعیت کے قیام و تاسیس کے مسئلے کو بھی محض سرسری طور پر بیان کر دیا گیا ہے، مصنف کا عذر ہے کہ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۹ء تک کارجرٹر کاروائی ریکارڈ میں نہیں ملا، اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حکومت کے خوف سے یا تو کاغذی ریکارڈ محفوظ نہیں کئے گئے یا حکومت کے چھاپوں میں وہ ضائع ہو گئے، اظہار ہے کہ اس سے پہلے (۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۰ء تک) کے حالات بھی اس سے مختلف نہیں تھے۔ البتہ بعد کے واقعات نسبتاً تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

غرض جمعیت علماء ہند کے ابتدائی ادوار کی مکمل تاریخ ان میں سے کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، اس کتاب نے اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ دسویں باب میں امارت شرعیہ کی تحریک و تاسیس کی تاریخ، شرعی تصور اور تسلسل، شبہات و اعتراضات کے جوابات، امارت ہند کے قیام کی مشکلات و موانع، اور امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجاد کی خدمات جلیلہ جیسے اہم عنوانات پر اعتدال اور توازن کے ساتھ علمی، تحقیقی اور تاریخی بحث کی گئی ہے، اس طرح امارت شرعیہ کی بھی ایک علمی اور تاریخی تصویر تیار ہو گئی ہے، بلاشبہ امارت شرعیہ کی حیثیت پر خود بانی امارت اور امیر شریعت اول کی کتاب ”امارت شرعیہ شبہات و جوابات اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کی کتاب ”ہندوستان اور مسئلہ امارت“ اور امارت کی تاریخ اور خدمات پر مولانا عبدالصمد رحمانی کی کتاب ”تاریخ امارت“ اور حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی کی کتاب ”امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب“ بہترین کتابیں ہیں، اس باب میں متعلقہ ادوار تک ان تمام کتابوں کا خلاصہ آگیا ہے، ان کے علاوہ کئی اہم مباحث ایسے بھی ہیں، جن کا مذکورہ کتابوں میں ذکر نہیں ہے، اس باب میں امارت شرعیہ کے تعلق سے اٹھائے گئے

مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ امارت شریعہ کی تاریخ پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ گیارہویں باب میں ہندوستان میں اسلامی نظام قضا کے نفاذ اور اس میں حضرت مولانا سجاد کے کلیدی کردار سے بحث کی گئی ہے، غیر مسلم ملکوں میں اسلامی نظام قضا کی شرعی حیثیت، اور تفریق قضا کا طریقہ بھی زیر بحث آیا ہے اور شرعی پنچایت کی قانونی حیثیت بھی واضح کی گئی ہے۔

☆ بارہویں باب میں حضرت مولانا سجاد کی دعوتی، اصلاحی اور فلاحی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، حضرت مولانا کی حیات طیبہ کا یہ حصہ بے حد اہم ہے، لیکن اب تک کے تذکروں میں اس کو وہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی جو ہونی چاہئے۔

☆ تیرہواں باب حضرت مولانا سجاد کی سیاسی زندگی سے متعلق ہے، اسلامی سیاست کا حکم اور خط و خال، علماء پر سیاسی ذمہ داری، ماضی کے سیاسی علماء، بہار مسلم انڈیا پنڈٹ پارٹی تحریک سے تاسیس اور تشکیل حکومت تک کی پوری تاریخ، دیگر سیاسی پارٹیوں سے تعلقات اور مسائل، حضرت مولانا سجاد کے سیاسی نظریات و امتیازات وغیرہ جیسے انتہائی حساس اور زندہ موضوعات پر سیر حاصل نفلگوئی گئی ہے۔

☆ شاید حضرت مولانا کی سیاسی زندگی پر اتنی مفصل اور مرتب تحریر اس سے پہلے نہیں آئی تھی۔

☆ چودہواں باب حزب اللہ کے بارے میں ہے، یہ بھی تاریخ کا ایک فراموشیدہ باب ہے، حضرت مولانا سجاد نے بڑے منصوبہ بند طور پر اس جماعت کی بنیاد ڈالی تھی، اور اس کے اصول و ضوابط وضع کئے تھے، اور اس کی بڑی افادیت تھی، یہ جماعت اگر آج موجود ہوتی تو اس کی افادیت اور بھی زیادہ ہوتی، لیکن اب یہ قصہ ماضی بن چکا ہے، اس کی پوری تاریخ آپ کو اس باب میں ملے گی۔

☆ پندرہویں باب میں حضرت مولانا سجاد صاحب کے بعض وہ افکار و نظریات بیان کئے گئے ہیں، جو موجودہ عالمی اور ملکی حالات میں آج بھی اپنی معنویت و افادیت رکھتے ہیں، آپ کے افکار و نظریات کا یہ باب اب تک تشنہ ہے، اس باب میں ان کا ایک نمونہ آپ کو ملے گا، جو اس موضوع پر آئندہ کام کرنے کے لئے دلیل راہ بن سکتا ہے۔

☆ سولہواں باب آپ کے محسن و اخلاق، اوصاف و معمولات اور کمالات و امتیازات پر مشتمل ہے، یہ باب بھی آپ کی عظمت شان کا بہترین مظہر ہے۔

☆ سترہواں باب آپ کی ادبیات سے متعلق ہے، اس میں ان خدمات جلیلہ کا تذکرہ ہے جن

میں آپ کو اپنے عہد میں اولیت و سہولیت حاصل ہوئی۔

☆ اٹھارہویں باب میں زندگی کے آخری لمحات کے احوال اور وفات اور وفات کے بعد کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔

اس طرح اس کتاب کے ذریعہ حضرت مولانا سجاد کی زندگی کے کچھ بنیادی خطوط کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے خدا کرے کہ یہ کوشش قبول ہو اور ان کی روشنی میں آپ کی کوئی مکمل سیرت تیار کی جائے، اللہم آمین۔

کلمات تشکر

میں اس موقع پر اپنے ان تمام محسنین، معاونین اور رفقاء کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس اہم علمی تحقیقی کام میں کسی درجہ میں بھی میرا تعاون کیا، خاص طور پر حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب زید مہر، ہر ناظم عمومی جمعیت علماء ہند کا بے حد ممنون ہوں جن کی تحریک و دعوت پر میں نے اس کام کا آغاز کیا اور اپنا ہر ممکن تعاون پیش فرمایا، اسی طرح حضرت مولانا معز الدین القاسمی ناظم ادارۃ المسابحۃ الفقہیۃ جمعیت علماء ہند کا بھی شکر گزار ہوں جو اس تحریک کے روح رواں رہے، اور جن کے مخلصانہ تعاون اور حوصلہ افزائی سے میرا یہ سفر بحسن و خوبی تمام ہوا۔

میں حضرت اقدس امیر شریعت مولانا سید شاہ محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کا حد درجہ ممنون ہوں کہ آپ نے انتہائی مصروفیت کے باوجود اپنے کلمات عالیہ سے سرفراز فرمایا، نیز ممتاز محقق حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا بھی میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری درخواست پر اپنے بیش قیمت مقدمہ سے اس کتاب کی استنادیت میں اضافہ فرمایا۔

اللہ پاک ان حضرات کو اپنی شایان شان بدلہ عنایت فرمائے آمین۔

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامہ درباری منور و اشرف، سستی پور

۳۰ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۲ جولائی ۲۰۱۹ء

(۱)

پہلا باب

عہد، علاقہ اور خاندان

فصل اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن محمد سجاد اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، بلند پایہ مفکر، بے نظیر داعی انقلاب، اور انتہائی عظیم قومی، ملی اور سیاسی رہنما تھے، وہ علم و عمل کا مجسمہ اور فکر و انقلاب کا پیکر تھے، ان کے ذہن و دماغ کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے، ان کا علم زندہ، روحانیت مضبوط اور جذبہ عمل طاقتور تھا، وہ نگاہ دور بین اور ذہن رسا کے مالک تھے، ان کی شخصیت بصیرت دینی، فراست ایمانی اور تجربہ عملی کی شاہکار تھی، وہ اشیاء کے حقائق اور معاملات کی تہوں تک پہنچنے والے رہنما تھے، ان کا تدبیر بے نظیر اور تفکر ناممکن تھا، وہ ہر مردم گفتگو اور ہر مردم جستجو کی زندہ مثال تھے، وہ اس عہد زوال میں انسانیت کے لئے رب کائنات کا بیش قیمت عطیہ تھے، جس عہد میں وہ پیدا ہوئے اور جہاں انہوں نے شعور آگئی کی آنکھیں کھولیں اس میں ایسے ہی زندہ دل، بلند حوصلہ، تازہ دم اور پختہ کار رہنما کی ضرورت تھی۔

تصویر عہد

آج سے تقریباً بیس سال قبل امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے زیر اہتمام مولانا سجاد سیمینار (منعقدہ ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۹۹ء) کے موقع پر اس حقیر نے ایک مقالہ پیش کیا تھا، جو بعد میں وہاں سے شائع ہونے والے سیمینار کی مجلہ کا حصہ بنا، اور اس کے اقتباسات میرے کئی مضامین میں بھی نقل ہوئے، اس موقع پر اپنے گزشتہ احساسات اور عہد ماضی سے رشتہ استوار کرتے ہوئے اسی مقالہ کا ایک اقتباس دہرانا پسند کرتا ہوں کہ:

”حضرت مولانا سجاد نے جس عہد میں اپنی آنکھیں کھولیں، وہ عہد انتہائی انتشار کا تھا، ہندوستان کی سر زمین پر صدیوں حکومت کرنے والی ایک تاریخی امت سیاسی منظر نامہ سے غائب ہو چکی تھی، اور ہندوستان کے سیاسی افق پر ایک نئی قوم کا سورج طلوع ہو چکا تھا، صدیوں سے قائم ایک شاندار تہذیبی، سیاسی، اور اقتصادی نظام کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور ایک نیا اخلاقی، تہذیبی، سیاسی، اور معاشی نظام اس کی جگہ لے رہا تھا۔ ایک بساط الٹ چکی تھی، اور نئی بساط پر

نئے مہرے جمائے جا رہے تھے، پرانے تمام اقدار مسخ کئے جا رہے تھے، اور نئے مصنوعی اقدار کو جگہ دی جا رہی تھی۔ جس قوم نے سرزمین بند کی سب سے شاندار تاریخ بنائی تھی، اب وہ خود تاریخ کا حصہ بنتی جا رہی تھی، اور جس امت نے اپنی قابلِ فخر قیضانہ روایت کے مطابق دنیا کو صرف دینا اور نوازنا سیکھا تھا، آج وہ خود نئے حکمرانوں کے حضور سواہیوں اور متوق و نوازشات کے امیدواروں کی صفوں میں کھڑی تھی۔

غور کیجئے! استغنا المناک اور اذیت ناک دور تھا وہ، (اور آج بھی اس سے شکست نہیں ہے) علامہ مالی بھی تڑپ اٹھے تھے، اور درد سے اہل پڑے تھے:

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ
وہ آج خود مہمان سرانے فقراء ہے
اور اپنا غم اپنے آقا کے حضور بھی بخش کیا تھا:

اے غصہ خاکنِ رمل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے غیب وقت پڑا ہے
اقبال بھی خون کے آنسو روئے تھے:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے یہ ات پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
آج اس کرناک دور کا تصور بھی ہمارے روٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے،
حضرت مولانا سجادِ خلاقِ فطرت کی جانب سے حساس اور فکر مند دل و دماغ لے کر آئے تھے اور
وہ خود بھی اس منظر نامہ کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے ایک خوشحال اور زمیندار گھرانے میں
آٹھیں کھولی تھیں اور نیا عہد زمیندارانہ نظام پر خطِ کشی کیج رہا تھا۔^۱



۱- حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد دبیات و خطرات، ص ۳۰، ۳۱ (مجموعہ مقالات)۔ حضور حضرت سیدنا محمد سجاد ایک نئے عہد کے بانی و مضمون: اختر الامام، دل تو می، ناشر: مکتبہ امارت شریعہ، پٹنہ، ۲۰۰۳ء۔

فصل دوم

تصویر وطن

راج گیر کا علاقہ

راج گیر کا یہ علاقہ پہاڑیوں سے گھرا ہوا اور تاریخی آثار سے لبریز ہے، ایک زمانہ میں یہاں خطرناک جنگلات تھے، ہر مذہب کے لوگ یہاں ریاضت کے لئے آتے تھے، گوتم بدھ نے بھی برسوں یہاں بیٹھ کر گنیاں کی تلاش کی تھی، لیکن یہاں پر عہد قدیم سے آبادی کا سراغ ملتا ہے، ”رامائن اور مہابھارت کے بیان کے مطابق انتہائی قدیم زمانے میں بھی یہاں صرف آبادی ہی نہ تھی، بلکہ ایک ذی اقتدار راجا کی باقاعدہ حکومت موجود تھی۔ راج گیر میں بن گنگا نالے کے متصل جو قدیم قلعے کی سنگین فسیل کے آثار پائے جاتے ہیں ڈاکٹر س ڈیوڈس کی تحقیق میں سارے ہندوستان میں یہی قدیم ترین سنگین دیوار ہے جس کا وجود اب تک باقی ہے۔“

مگدھ سلطنت کا پایہ تخت

تاریخی مگدھ سلطنت کا پایہ تخت یہیں تھا، عصر حاضر کے ممتاز مؤرخ اور عالم دین مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر ہنرگزٹر میں لکھتا ہے: راج گیر کے پہاڑ دو قدرتی متوازی اٹلا کی صورت میں جنوبی و مغربی سمت کو چلے گئے ہیں۔ بن کے درمیان ایک تنگ وادی ہے، جس کو جگہ جگہ نالے اور درے قطع کرتے ہیں، یہ پہاڑ جو کئی جگہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہیں، تنہم الشان چٹانوں سے مرکب اور گھٹی جھاڑیوں سے مزین ہیں، اور ایک خاص قدیمی دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ ان پر اکثر مذہب بودھ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں۔“

جنرل گھنیم کہتے ہیں کہ: جینی سیانج بیوین سیانگ (Hiven Tsiang) نے جو

کپوتیکا (Kapotika) پہاڑی کا ذکر کیا ہے، وہ یہی ہے، گوتم جمر نے یہاں بہت ہیں۔

ڈاکٹر بھگن ہمنن کہتے ہیں کہ: یہ راجگیر وہی راجگیر ہے جو بودھ گوتم کا مسکن تھا، اور قدیمی مگدھ کا پایہ تخت تھا، نیرا جیہ دو ٹوٹ مربع میل پر پرانے شہر سے واقع ہے۔"

راجگیر کی پہاڑیاں

راجگیر مگدھ دیش میں ایک بہت پرانا شہر ہے، اسی کا نام مہابھارت میں گری برانچ پور لکھا ہے، گری برانچ پور کے نقطہ معنی پہاڑوں سے گھرے ہوئے شہر کے ہیں اور اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یہ نام بہت مناسب ہے، یہ پہاڑیاں شیرگیا سے ۳۶ میل تک ایک دوسرے کے آٹے سے منے دریائے پنجانا تک چلی جاتی ہیں، اور گریک گاؤں کے آگے تک گئی ہیں، راجگیر مہاتم میں (جو ویو پران سے بنایا گیا ہے) پانچ پہاڑوں کے نام اس طرح لکھے ہیں:

۱۔ بیوہار، ۲۔ اپیل، ۳۔ رتن کوٹ، ۴۔ گری برن، ۵۔ رتنا چل۔

اور پالی کی کتبوں میں انہیں کے نام گچی کوٹ، اسمگلنی، بیوہارو، چیلو اور پانڈ ہیں، اور اب ان کے نام بیوہارگر، چیلگر، رتنا گری اودیگر اور سوناگر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام قریب قریب وہی ہیں جو مہابھارت میں لکھے ہیں، مہابھارت میں گری برانچ پور کو ایک شہر لکھا ہے، اور راجگیر ہی کو مہاتم میں ایک پہاڑی لکھا ہے۔

راجگیر کا ایک معنی راج گرو بھی ہے، جس کے معنی ہیں "راجاؤں کا گھر" راج گیر مگدھ راج کا دارالسلطنت رہا ہے، راجہ پر اویت جو سوٹک کے خاندان کا تھا مگدھ کا بادشاہ ہوا، دیشنو پران کے مطابق سوٹک خاندان کے پانچ بادشاہوں نے ایک سو اڑتیس سال تک مگدھ میں حکومت کی۔

بدیپہ خاندان کی حکومت اور بدھ مذہب کا آغاز

سوٹک کے بعد بدیپہ خاندان کی حکومت آئی جس کا پہلا راجہ "شیسوناگ" تھا، جس کی حکومت اضلاع پٹنہ وغیرہ تک تھی اور اس کا دارالحکومت راجگیر تھا، مگدھ میں اس خاندان کی حکومت تین سو باسٹھ سال رہی ہے، شیس ناگ سے حساندان کا چوتھا بادشاہ بھائیہ ہوا، اسی کے زمانہ میں کپل بستو میں ۵۵۸ برس ق م ساکیہ راجا کی نسل میں سالیہ سنگھ (جس کا نام بعد میں گوتم بدھ ہو گیا)

۱۔ تاریخِ دولت و عزت ج ۳ ص ۱۱۵-۱۹۹ حاشیہ صفحہ ۱۱۵ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخِ کرد و محسنِ بشریت، اسلام آباد، ۱۹۶۵ء۔
۲۔ مولانا ریونوٹ کے حوالے سے ایک قدیم کتاب "حین دہرم تل قدس مقامات" مطبوعہ انڈیا پبلیکیشن لاہور، ص ۱۲۵۔

پیدا ہوا، اور اس کے پانچ سال بعد راجگیر کے محل میں بھائی کے ایک لڑکا بھیم بسار (سرنیکا) پیدا ہوا، جو شیش ننگ خاندان کا پانچواں حکمران ہوا، جس نے اس خاندان میں سب سے زیادہ شہرت پائی، اس نے گدھ کی حکومت کو وسعت دے کر انکا (ضلع بھاگلپور اور غالباً مونگیر) تک بڑھا دیا، اور راجگیر کے پرانے قلعے کے باہر شمالی جانب ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام سگر پور یعنی کوس گھانس والا شہر تھا، راجہ بھیم بسار نے یہاں انچاس سال تک حکومت کی، اسی کے دور حکومت میں گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی، اور راجہ بھیم بسار بھی ان کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوا، اس طرح یہ شہر مہاتما بودھ کا روحانی مرکز بن گیا۔^۲

جین مذہب کا آغاز

جین مذہب کا آغاز بھی راجگیر میں بھیم بسار کے زمانہ ہی سے ہوا، مہابیر وردھان سوامی^۳ ایک زمانہ تک پھل گری میں رہے۔^۴

راجگیر کے کئی نام ملتے ہیں، مثلاً: واسومتی، برہداتھ پورا، گریوراجا، کساگر پورا، اور راجگیر۔ راجگیر چاروں طرف فصیل شہر سے گھرا ہوا تھا، جس کی دیواریں پانچ میٹر موٹی اور تین تا پانچ میٹر بلند تھیں، جس پر جابجا پھرے دار مقرر ہوتے تھے، اندرون شہر کی دیوار دوسری فصیل کا کام

۱- گوتم بدھ کے باپ کی حکومت کپیل و ستھو (ضلع بیا کے مضافات) میں تھی، گوتم بدھ نے حکومت اور تمام علاقہ دنیا ترک کر کے حقانیت کی جستجو کا سفر شروع کیا، اس کے لئے ایک عرصہ تک راجگیر کے پہاڑوں پر فقیرانہ زندگی بسر کی، اور اہل اور اذکانامی دو برہمنوں کی شاگردی اختیار کی، لیکن ان کی تعلیم سے تشفی نہ ہوئی، تو بودھ گیا کی طرف چلے گئے، اور ایک مدت تک گدھ کے جنگلوں میں رہنے کے بعد گیا میں ایک درخت کے نیچے ان کو حقانیت کی روشنی ملی، اس کے بعد انہوں نے پھر رانگیر کی طرف مراجعت کی اور گردھا کوٹا یعنی گدھ والے پہاڑ کی چوٹی پر بانس کے جنگلوں میں رہا پانچ روزہ زندگی بسر کرنے گئے، اور پھر اس سے اپنے وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، بہت سے لوگ اس نئے مذہب کے معتقد ہوئے، یہاں تک کہ وہاں کا راجہ بھیم بسار اور پھر اس کے بیٹے اجوت سترو نے بھی اسی دھرم کو قبول کر لیا، بودھ مذہب کی مقدس کتاب کا نام "تری پٹاک" ہے جس کے معنی تین سہیاں نوکریوں کے ہیں (تاریخ گدھ ص ۱۶ مرتبہ مولوی فتح الدین خاں صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۲۴ء)

۲- تاریخ گدھ ص ۱۳، ۱۵، ۳۲ مرتبہ مولوی فتح الدین خاں صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۲۴ء

۳- جین مذہب کے بانی مہابیر وردھان گوتم بدھ کے ہم عصر تھے، ابتدا میں انہوں نے پارس ناحہ نامی ایک مذہبی پیشوا کے اصول کی پیروی کی، لیکن اس کو ناقابلِ تقلید سمجھ کر خود ایک مذہب ایجاد کیا، اور اس کی اشاعت و تلقین شروع کی، مہابیر جی کی ماں گدھ اور چچا (بھاکپور) کے راجا سے قربت رکھتی تھی، اس سبب سے ان کو اپنے دھرم کی اشاعت میں خاطر خواہ مدد ملی، تیس (۳۰) سال اسی گدھ میں گزار کر مہابیر جی نے ۵۲ قس مسیح میں مقام اپ پوری (جس کے معنی بے گناہی کی جگہ کے ہیں) اور اب پاوا پوری کے نام سے مشہور ہے، قصبہ بہار سے چند کوس پر گریک سے تین میل شمال میں سڑک کے پورب جانب واقع ہے، انتقال کیا (تاریخ گدھ ص ۱) مرتبہ مولوی فتح الدین خاں صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۲۴ء)

۴- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتداء تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۶، ۲۵ معنہذا اکثر مشرت آراء، سلطان، ناشر ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی ۲۰۱۰ء

کرتی تھی، جو سات کلو میٹر پر محیط تھی۔^۱

آج بھی راجگیر کی تاریخی اہمیت اور جغرافیائی قدرتی مناظر کی سحر کاری کی بڑی قدر و قیمت ہے، یہ حسین و شاداب پہاڑوں کے درمیان آباد ہے، جس کا منظر کافی دلکش و دل فریب ہے، خصوصاً موسم سرما میں راجگیر ملکی اور غیر ملکی سیاحوں سے بھر رہا ہے، گرم پانی کے چشمے، پہاڑیاں اور معتدل موسم اس قصبہ کا خاص امتیاز ہے، یہاں گرم جھرنوں کی ایک کثیر تعداد ہے، جن میں مخدوم کنڈ کا گرم پانی صحت و شفا کے لئے مشہور ہے۔

راجگیر میں اسلامی آثار

یہ شہر مسلمانوں کی توجہات کا بھی مرکز رہا ہے۔

☆ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدینؒ نے اس کے جنگلوں میں سا لہا سال تک چلہ کشی کی ہے، جیسا کہ ان کے تذکروں میں معروف ہے۔

☆ اسی طرح حضرت مظفر بٹیؒ (متوفی ۳ رمضان ۷۸۸ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۳۸۶ء) خلیفہ حضرت مخدوم الملکؒ اور حضرت شاہ شعیبؒ جیسے بزرگوں نے بھی یہاں ریاضتیں کی ہیں۔

☆ یہاں سلسلہ شطاریہ کی ایک خانقاہ بھی قائم تھی۔ اس سلسلہ کے بانی شیخ بایزید طیفور بستانی (۱۳۶ھ - ۲۳۱ھ / ۷۵۳ء - ۸۳۵ء) ہیں، لیکن ہندوپاک میں اس سلسلہ کا رواج شاہ عبداللہ شطاریؒ (متوفی ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء) کے ذریعہ ہوا جو ایران سے آئے تھے، اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد میں تھے، لیکن طریقہ عشقیہ (شطاریہ) میں شیخ محمد عارف سے اجازت و خلافت حاصل تھی، آپ کے دو خلفاء: شیخ محمد اعلیٰ معروف بہ شیخ قاضی بنگالی اور شیخ حافظ جو پوری کے ذریعہ اس سلسلہ کو بڑا فروغ ملا، ان میں شیخ قاضی بنگالی کو زیادہ شہرت ملی، ان کے فرزند و جانشین شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست (م ۹۴۶ھ / ۱۵۷۸ء) اور پھر ان کے بعد ان کے خلیفہ شیخ ظہور حمید الدین حصور (۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء) کی روحانی سرگرمیوں کا مرکز یہ بہار شریف اور اس کے اطراف کا یہی علاقہ بتایا جاتا ہے۔^۲

☆ مغل عہد حکومت میں یہ سرکار بہار (بہار شریف) کا ایک پرگنہ تھا، ابوالفضل نے آئین اکبری میں سرکار بہار کے ایک پرگنہ کی حیثیت سے راجگرہ کا ذکر کیا ہے، یہ پہلے سے اسی نام سے پکارا جاتا تھا، مسنم عہد حکومت میں یہاں ممتاز خانوادے آباد تھے، لیکن اب چند گھر رہ گئے ہیں، نیز قدیم آثار

۱- اردو ادب کی تاریخ میں ناعدہ ضلع کی خدمات (ابتداء ۲۰۰۰ء) ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱،

بھی بہت ہیں۔

نالندہ، علم و معرفت کی سرزمین

آپ کے وطن پنہ سے صرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر تاریخی شہر نالندہ ہے، یہ بودھ مذہب کی تعلیم اور نشر و اشاعت کا اہم مرکز رہا ہے، گوتم بدھ کے سب سے عزیز اور مشہور شاگرد ساری پترا کی پیدائش اسی مقام پر ہوئی تھی، جین مذہب کے بھی کافی آثار یہاں نظر آتے ہیں، اور یہ ہندو مذہب کے لئے بھی اہم علاقہ ہے، اس طرح نالندہ جین، بودھ اور ہندو تینوں مذاہب کا ایک حسین سنگم اور مثلث ہے، نالندہ کے کئی نام پالی زبان کی کتابوں میں ملتے ہیں، مثلاً نالہ، ناکا، ناکا گرام، نالند یا نالندہ۔

نالندہ کی وجہ تسمیہ

نالندہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں کنول کا پھول، کیونکہ یہاں تالابوں کی بڑی کثرت تھی، اور واقعاً یہ قدیم زمانہ سے علم و معرفت کی سرزمین رہی ہے، اور یہاں علم کے پھول کھلتے رہے ہیں۔^۱

☆ یوان چوانگ نے اس کی ایک دوسری وجہ تسمیہ بتائی ہے وہ یہ کہ اس مقام کے جنوب میں آم کے درختوں کے جنگل کے درمیان ایک تالاب تھا، اور اس میں ایک اژدھا رہتا تھا جس کو نالندہ کہتے تھے، اسی کے نام پر اس جگہ کا نام نالندہ پڑ گیا۔^۲

☆ ایک تیسری تحقیق یہ ہے کہ نالندہ اصل میں ”نالام دا“ سے تراشیدہ ہے، جس کے معنی ہیں ”دینے کی انتہا نہیں“ یعنی نالندہ فلاح عامہ کی جگہ تھی،^۳ چنانچہ واقعاً اس شہر نے انسانیت کو فیض پہنچانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا، اس کی شہرت و اہمیت گپت عہد ۳۱۳ قبل مسیح سے جاری ہے، ہندوستان کے علمی، فکری، روحانی، ثقافتی اور تمدنی عروج کی ابتدا اسی سرزمین سے ہوئی۔^۴

دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی - نالندہ یونیورسٹی

اسی شہر میں چندر گپت و کرمات کے لڑکے راجہ کمار گپت اول مہندرات نے (پاٹلی

۱- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۵، ۲۶، معنفذ اکثر عشرت آراء، سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۰ء

۲- تاریخ گلدھ ص ۶۶ مرتبہ مولوی فصیح الدین بٹنی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۴ء

۳- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۵، ۲۶، معنفذ اکثر عشرت آراء، سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۰ء

۴- حیات محی المملۃ والدین پر حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی کا مقدمہ ص ۱۳۳ شائع کردہ دارالافتاء مجیبہ پھولپوری شریف پٹنہ

پترا کی راج گدی پر مسند نشیں ہونے کے بعد) پانچویں صدی عیسوی میں عالمی شہرت یافتہ قدیم ترین (دارالعلوم) یونیورسٹی کی تعمیر کی تھی جس کے کھنڈرات آج بھی دنیا بھر سے آنے والے زائرین اور ماہرین تاریخ کو کھوجیرت کرنے کے لئے کافی ہیں، یہاں دنیا کے مختلف ملکوں (مثلاً: چین، کوریا، جاپان، برما، تبت وغیرہ) کے قریب آٹھ ہزار پانچ سو (۸۵۰۰) طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے، اساتذہ کی تعداد ایک ہزار پانچ سو دس تھی، یہاں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان گہرے دوستانہ ماحول کی فضا قائم تھی، یہ دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی۔^۱

چینی سیاح ہیون سیانگ جو یونیورسٹی کے قیام سے سات سو سال بعد وہاں پہنچا تھا اور مسلسل دس سال تک مقیم رہا تھا، اس نے اپنے سفر نامہ میں اس یونیورسٹی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

”ناندہ یونیورسٹی میں (میرے وقت میں) چھ منگوار تھے، جن میں ایک گر گیا تھا، اور پانچ باقی تھے، ان میں سے ایک مگدھ کے راجا شکرادت (مہندرگادگپت) کا بنوایا ہوا تھا، اس کے بیچ ایک دیہار بھی بنا ہوا ہے، وہ دیہار اب تک موجود ہے، یہاں چالیس سنتوں کو ہمیشہ کھانا ملتا ہے، شکرادت کے دربار میں ایک نجومی تھا جس نے کہا تھا کہ یہ جگہ سب سے بہتر ہے یہاں پر بنا سنگھ رام پوری دنیا میں مشہور ہو گا، اور یہ ایک زمانے تک تعلیم کا گہوارہ رہے گا، شکرادت کے بعد اس کا بیٹا بدھ گپت گدی پر بیٹھا، اس نے بھی اپنے باپ کے بنوائے سنگھ رام کے دھن میں دوسرا سنگھ رام بنوایا، اس کے بعد جتنے راجا ہوئے سب نے ایک ایک سنگھ رام بنوایا، اس طرح یہاں پر کل چھ سنگھ رام بنوائے گئے، ان سب سنگھ راموں کے بیچ میں اسکول تھا، اس کے کنارے کنارے کی دیواروں سے متصل آٹھ بڑے درجات بھی تھے، رصد گاہ اسنے اونچے تھے کہ نظر کام نہیں کرتی تھی، اس کے اوپر کاسرا ایا لگتا تھا، کہ بادل کو چھو رہا ہے، ان کے اوپر ایسے ایسے آلات نصب تھے کہ لگتا تھا کہ ہوا اور پانی آ رہا ہو، ان سے سورج چاند کے گہن کا معائنہ کیا جاتا تھا، دیہار سے الگ ایک بورڈنگ ہاؤس تھا، جو چار تالے کا تھا، اس میں موتی کی طرح سفید رنگ والے کھمبوں کی لائیں تھیں، جو اوپر جوی تھیں اور چھجوں کی لڑیوں کے سرے پر طرح طرح کے جانوروں کے سر بنے ہوئے تھے، یہاں دور دور سے لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے، صرف چین پان اور مہاپان کا ہی علم نہیں سکھایا جاتا تھا، بلکہ دید درشن وغیرہ کے علوم بھی سکھائے جاتے تھے، وہاں تقریباً پندرہ سو اساتذہ تھے، جن میں سے ایک ہزار اساتذہ تیس کتابوں کا علم سکھاتے تھے، ان میں پانچ سو اساتذہ چوبیس کتابوں کے اساتذہ تھے، ان سب کے صدر ش

۱- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتداء ۲۰۰ تا ۲۰۰۰ء) ص ۳۳، ۳۴ مصنف ذاکر عشرت آراء سلطان، ناشر انجیو کیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۰ء، ۲۰۱۱ء، علامہ ہمار کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۴۵ مصنفہ اکریمہ النساء، کوالہ انشنت جیو گرافی آف انڈیا، رپورٹ آرکیولوجیکل سروے آف انڈین، سرکل بابت ۱۹۰۱ء، ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۶ء، ۱۹۱۹ء وغیرہ۔

بجدر تھے، یہاں کے طالب علم بڑے سنجیدہ ہوتے تھے، سات سو سالوں سے جب سے یہ اسکول بنایا گیا ہے کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کسی طالب علم نے یہاں ڈپلن شکنتی کی ہو۔ اس یونیورسٹی میں بڑے بڑے نامہ استاد روپے میں دھرم پال، چندر پال، پر بھارتا، شیل، بجدر وغیرہ مشہور ہیں۔^۱ کسی تعلیمی اور تحقیقی ادارہ کا صدیوں تک اپنی روایات پر برقرار رہنا سبائے خود سخت حیرت انگیز ہے، چینی سیاح "اتسنگ" (جس نے اسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی) کا بیان ہے کہ:

"ناندہ کے دھرم گنج کے حصہ میں تین بڑی بڑی اونچی عمارتوں کی لائبریری تھی، ان کے نام رتنا ساگر، رتن نو دھی، رجب تھے، ان میں رتن نو دھی نو کھنڈوں میں تھا، ابھی کھنڈ میں لاتعداد گرنتھ رتن بھرے تھے۔"^۲

اس یونیورسٹی کی بڑی خوبی یہ تھی کہ یہاں تہذیبی قدروں کا بڑا لحاظ رکھا جاتا تھا، وقت کی پابندی اور ایک دوسرے کا احترام مثالی تھا۔

سنگھ رام میں ہر شخص کے رہنے کے لئے الگ الگ کمرہ کا انتظام تھا، پتھر کی نقاشی قابل دید تھی، عام اجلاس کے لئے ایک الگ سے ہال تھا جس میں دو ہزار افراد تک بیٹھنے کی گنجائش تھی، علاج و معالجہ کے لئے ایک اسپتال بھی تھا اور دو خانہ بھی جس میں مفت علاج میسر تھا، ہر شخص کو روزانہ ایک سوئیس جمیر، بیس سپاری، آدھا چھٹانک کپور اور ساڑھے تین چھٹانک باریک باسنتی اروا چاول ملتا تھا، علاوہ اسی حساب سے تیل اور مکھن بھی۔^۳

اس یونیورسٹی کا زوال گلدھ کے تہذیبی اور سیاسی زوال سے شروع ہوا، بتایا جاتا ہے کہ ۶۰۰ء کے قریب کارن سوار (بنگالہ) کے بت شکن برہمن راجا نے گلدھ پر چڑھائی کر کے بودھ دھرم کی مورتیوں اور عمارتوں کو توڑ کر خاک میں ملا دیا تھا، اور اس کے متبعین کا سارا نظام درہم برہم کر ڈالا تھا، پھر محمد بن بختیار خلجی کے بعد اس کی طرف اور بھی لوگوں کی توجہ کم ہوتی چلی گئی۔^۴

اس کے علاوہ اور بھی کئی بڑی یونیورسٹیاں یہاں موجود تھیں، مثلاً: اوتنت یونیورسٹی، وکرم شیل یونیورسٹی، اور تک شیل یونیورسٹی وغیرہ۔

چینی سیاح ہیون سیانگ کے مطابق اس وقت ناندہ میں تین ہزار سادھو رہتے تھے، جس

۱- اردو ادب کی تاریخ میں ناندہ ضلع کی خدمات (ابتداء ۲۰۰۰ء) ص ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹،

کے اخراجات کے لئے دو سو گاؤں کی آمدنی وقف تھی۔^۱

سنسکرت ادبیات کا نشوونما اور چانکیہ کی آئینی و قانونی دستور کی تدوین بھی اسی علاقے میں ہوئی۔^۲

پال خاندان کی حکومت

آٹھویں صدی سے بارہویں صدی تک یہاں پال حکمرانوں کی حکومت رہی ہے، ان میں زیادہ تر کا تعلق بودھ مذہب سے تھا، نویں صدی عیسویں میں پال خاندان کے حکمرانوں میں دیوپالی، گوپال دوام اور مہی پال اول کی انفرادی قدرو عظمت مسلم ہے کیونکہ ان حکمرانوں نے نالندہ کو کافی فروغ دیا، نالندہ کی شہرت و مقبولیت نے سماترا اور جاوا کے حکمرانوں کو بھی متوجہ کیا۔ پال خاندان کے دور میں بکثرت سیاح یہاں آیا کرتے تھے، تانترک بدھ کے بہت سے بت اور مجسمے راجگیر میں انہی بادشاہوں کے بنوائے ہوئے ہیں جن میں کچھ اب تک ویہار پہاڑی پر موجود ہیں۔^۳

نالندہ اسلامی دور میں - علم و حکمت کا مرکز

ہندوستان کے اسلامی دور میں بھی قطب الدین ایبک سے لے کر سلطان شمس الدین التمش تک پھر اس کے بعد شاہ عالم نابینا کے زمانہ تک نالندہ علم و حکمت کا مرکز بنا رہا۔^۴ نالندہ سے قریب ہی 'کڑا' گاؤں (راجگیر کے راستہ میں بہار شریف سے پندرہ کلومیٹر کی دوری پر، آج کل حیدر گنج کڑا کے نام سے مشہور ہے) میں حضرت مولانا قاضی محب اللہ بہاریؒ جیسی عظیم علمی شخصیت پیدا ہوئی، جن کی کتابوں نے تقریباً تین صدیوں تک ہندوستان پر علمی حکمرانی کی، اور بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

”یہ کتابیں پوری ایک صدی تک اودھ کے مشہور علمی خاندان فرنگی محل کی ذہنی نگ و دو کا میدان رہی ہیں۔“^۵

جن کی کتابوں کی شرح بلکہ شرحوں کی شرحیں لکھ کر بہت سے علماء زندہ جاوید بن گئے، اس دور میں کسی بڑے سے بڑے صاحب علم کو عالمیت کی سند نہیں مل سکتی تھی جب تک کہ وہ ان کی

۱- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ نطع کی خدمات (ابتدا ۲۰۰-۲۰۰ء) ص ۳۳-۳۴ منقذ اکثر عشرت آراء سلطانی، ناشر انجمن تیشیل بینڈنگ ہاؤس دہلی ۲۰۱۰ء

۲- حیات محمدی الملائہ والدین پر حضرت علامہ ناظر احسن گیلانی کا مقدمہ ص ۱۳-۱۴ شائع کردہ دارالاشاعت خاتہ مجیبہ پھلواری شریف پٹنہ
۳- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ نطع کی خدمات (ابتدا ۲۰۰-۲۰۰ء) ص ۲۶، ۲۵ منقذ اکثر عشرت آراء سلطانی، ناشر انجمن تیشیل بینڈنگ ہاؤس دہلی ۲۰۱۰ء۔ نیز کچھ چیزیں مازن ریو نکلت کے حوالہ سے ایک قدیم کتاب ”چین دھرم کے مقدس مقامات“ مصوبہ خدا بخش لائبریری پٹنہ سے بھی ماخوذ ہیں۔

۴- حیات محمدی الملائہ والدین پر حضرت علامہ ناظر احسن گیلانی کا مقدمہ ص ۳۳ شائع کردہ دارالاشاعت خاتہ مجیبہ پھلواری شریف پٹنہ

۵- نقوش سلیمانی ص ۴۰۳ علامہ سید سلیمان ندوی، ناشر دارالمصنفین انجم گڑھ ۱۹۳۹ء۔

کتابوں میں کمال حاصل نہ کر لیتا۔ اپنے وقت میں اور آپ کے بعد بھی ہندوستان کی علمی تاریخ میں آپ کا کوئی مثیل نہیں ملتا۔^۱

سیرت طیبہ پر دو بے نظیر کتابیں اسی علاقہ میں لکھی گئیں:

☆ سیرۃ النبی مرتبہ: علامہ سید سلیمان ندوی

☆ النبی الخاتم مرتبہ: علامہ مناظر احسن گیلانی

نالندہ کی مردم خیز بستیاں

نالندہ کے چہار جانب بہت ساری مسلم بستیاں تھیں اور اکثر آج بھی موجود ہیں جہاں سے ایک زمانہ تک ساری دنیا میں علم کی شعائیں پھیلی ہیں، مثلاً بہار شریف کے علاوہ پنہسہ، کہٹہ،

۱۔ قاضی محب اللہ عثمانی صدیقی صوبہ بہار کے ملک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، والد کا نام عبدالغفور تھا، ولادت ضلع نالندہ کے کڑاگاؤں میں غالباً ۱۰۵۶ھ/۱۲۳۶ء میں ہوئی (مجلہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی، ڈاکٹر محمد طاہر ملک مرحوم، شمارہ ۲۰۰۱ء ص ۳۱) تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۲۲۲ مولانا ابوالکلام قاسمی (آپ کے آباء و اجداد باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے، آپ نے درسیات کی تعلیم علامہ قطب الدین شہید بہاولپوری (۱۰۳۰ھ/۱۱۰۳ھ-۱۶۳۲ء/۱۶۹۲ء) اور بعد ازاں علامہ قطب الدین شمس آبادی (۱۰۵۱ھ-۱۱۲۱ھ/۱۶۳۱ء-۱۷۰۹ء) سے حاصل کی، (نزیحۃ الخواطر مولانا عبدالرحمن لکھنوی ص ۲۵۰، دائرۃ المعارف العلمانیہ حیدرآباد دکن ۸/۷۳ ص ۱۳۷/۱۹۵۹ء) فراغت کے بعد واپس وطن تشریف لائے، اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، وطن میں ان کا قائم کردہ مدرسہ تین پشتوں تک جاری رہا، (مقالات شبلی ج ۳ ص ۹۸) پھر دکن تشریف لے گئے، اس زمانے (۱۰۹۲ھ/۱۱۹۲ء) میں اورنگزیب دکن کے مقامی حکمرانوں سے معرکہ آرائی میں مصروف تھے، اور انگریز نے مولانا محب اللہ بہاروی کی علمی لیاقت اور خصوصاً فقہ کی مہارت سے متاثر ہو کر انہیں لکھنؤ کا قاضی مقرر کیا، جہاں ان کے ہم درس مولانا عبداللہ بنارس (م ۱۱۳۳ھ) اہم عہدہ صدارت پر فائز تھے، ان سے علمی مباحثوں کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کی بقیہ صلاحیت نے آپ کو محسود الاقران بنادیا، اور آخر لکھنؤ کا عہدہ قضا چھوڑنا پڑا۔ لیکن عالمگیر آپ سے متاثر تھے، اس لئے انہوں نے اس کے بعد ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء، ۱۶۸۷ء میں آپ کو حیدرآباد کا قاضی بنادیا، لیکن یہاں بھی حاسدوں کی سازش کامیاب ہوئی اور عالمگیر نے پھر معزول کر دیا (سیرۃ المرآۃ فی آثار ہندوستان ص ۷۷ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ) البتہ آپ کو سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لئے عالمگیر نے شاہی محل کا جزو بنالیا، اور اپنے پوتے رفیع القدر ابن معظم شاہ (المعروف بہ شاہ عالم) کا استاذ اور اتالیق مقرر کیا، جب ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء میں شاہ عالم کامل کا صوبہ بیدار بنا، تو مولانا محب اللہ صاحب بھی اپنے شاگرد کے ساتھ کامل چلے گئے، ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء میں عالمگیر کے بعد جب شاہ عالم بادشاہ ہند بنا تو اس نے انہیں قاضی القضاۃ کا عہدہ عطا کیا، اور فاضل خاں کے خطاب سے نوازا (سیرۃ المرآۃ فی آثار ہندوستان ص ۷۷ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ) آپ کی تصانیف میں مسلم الشبوت (اصول فقہ) اور مسلم العلوم (مطلق) نے بے نظیر شہرت پائی، جس نے ہندوستان کے تعلیمی نظام و نصاب کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ملا نظام الدین اسہا لوی (۱۶۱۱ھ) شیخ احمد عبدالحق فرنگی علی (۱۱۸۷ھ)، ملا حسن فرنگی علی (۱۱۹۹ھ) بحر العلوم عبدالحق (۱۲۲۵ھ)، ملا حسین (۱۲۲۵ھ)، امین اللہ فرنگی علی (۱۲۵۳ھ)، ولی اللہ لکھنوی (۱۲۷۱ھ) اور مولانا محمد برکت اللہ آبادی جیسے بڑے بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں، اور کئی شارحین آپ کی کتابوں پر شرحیں لکھ کر زندہ جاوید بن گئے (ماثر الکرام، مصنفہ مولانا آزاد بلگرامی ص ۲۹۱، ۲۹۲، اردو ترجمہ شاہ محمد میاں قاضی، دائرۃ المصنفین کراچی ۱۹۸۳ء) آپ کی وفات بہار شریف میں ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں ہوئی، اور وہیں مدفون ہوئے (علماء بہار کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۳۳۵-۳۳۴ مصنفہ: مہر النساء، پی ایچ ڈی مقالہ کراچی یونیورسٹی)

اوگانوال، ہرگانوال، شکرانوال، شیخ پورہ، چروانوال، استھانوال، گیلانی، قمص پور، چشتی پور، پیڈھوکہ، معانی، بھگھی، چند پورہ، عماد پور، چندوارہ، رمضان پور، بریگہ، سلاؤ، راجگیر، اسلامپور، ہلسہ، دیسنہ، سروہدی، بڑا کرساندر پور، دیاوال، دیناوال، دمروال، سمیت، میزورہ، مولاناڈیہ بلوڈا، کھنڈا ندوس، پیٹھانہ، جموانوال، کڑا، بہاری چک وغیرہ۔^۱

ان میں خاص طور پر استھانوال، دیسنہ، اوگانوال اور گیلانی بہار شریف کے بعد سب سے زیادہ مردم خیز بستیاں ہیں۔ ان بستیوں میں اہل علم اور اصحاب کمال بڑی تعداد میں پیدا ہوئے، بطور نمونہ چند نمایاں شخصیات کی مختصر فہرست پیش کی جا رہی ہے:

☆ سلطان سلیم شاہ لودھی کے زمانہ کے ممتاز بزرگ اور نامور طبیب شیخ بڑھ یا شیخ بڈھ۔
 "شیر شاہ سوری کو ان سے ایسی عقیدت تھی کہ خود اپنے ہاتھ سے دوان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا، شیخ
 غلامی کے مشہور رنگامہ میں دارالسلطنت آگرہ کے علماء کی باہمی کشاکش میں شیخ بڑھ ہی کو حکم مقرر کیا
 گیا تھا، انہوں نے ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف 'ارشاد' کی ایک شرح لکھی تھی۔"^۲

☆ عالمگیر کے استاذ ملا موہن بہاری (م ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء) ^۳

☆ سلطنت تیموریہ کے قاضی و مفتی، شاہزادوں کے استاذ حضرت مولانا ابوالفتح محمد عارف گیادٹی
 (بہاری چک)

☆ عبدالمگیری کے مشہور فاضل و محدث ملا محمد عتیق محدث بہاری (د ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۳ء - ۱۱۳۶ھ)

☆ مولانا شیخ عبدالرزاق بہاری

☆ مولانا شعیب الحق بہاری (متوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء) شاگرد رشید حضرت شاہ ولی اللہ محدث
 دہلوی و مولانا محمد قاسم الہ آبادی۔

☆ شاہ دلاور حسین دیسنوی ☆ شاہ غوث علی دیسنوی ۱۳۱۷ھ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث
 دہلوی (یہ دونوں حضرات پانی پت چلے گئے تھے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے)

☆ بڑے بڑے علماء و محدثین کے استاذ علامہ شمس الحق محدث دیانوی (م ۱۹۰۱ھ / ربیع الاول ۱۳۲۹ھ)

۱- مودعات کی اس فہرست کا بڑا حصہ مولانا ذاکر کبیل محمد ندوی (بہار شریف) کے مضمون سے ماخوذ ہے (تذکرۃ ابوالحسان ص ۱۶)
 مرتبہ: اختر امام، دل قاسمی، شائع کردہ: جزیہ علماء ہند، ۲۰۱۹ء)

۲- نقوش ملیحائی ص ۲۰۲ علامہ سید سلیمان ندوی

۳- علامہ مہین کا اصل نام نجی الدین تھا، قصبہ بہار شریف کے رہنے والے تھے، نوساں کی ٹر میں قرآن کریم حفظ کیا، حضرت شاہ
 حیدر خیر، شیخ و جیراندین خرقی سے شرف بیعت حاصل کیا، پٹنہ جہاں کے دربار سے منسلک ہوئے تو اہل رنگ زیب کی تعلیم کی بھی خدمت
 ان کے سپرد ہوئی، ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء میں چوہدری سال کی عمر میں وطن ہی میں انتقال فرمایا (بزم تیموریہ ص ۲۲۳) مولانا سید صاحب الدین
 عبد الرحمن (م ۱۳۱۱ھ) دارالمصنفین، جامع معارف و کھلم لڑھ، ۱۳۶۱ھ / ۱۹۳۸ء)

مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۱۱ء) صاحب غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد، تلمیذ رشید مولانا نذیر حسین محدث دہلوی و بہاری۔

☆ مولانا محمد احسن استھانوی شاگرد رشید مولانا نذیر حسین دہلوی۔

☆ مولانا سعادت حسین بہاری (ولادت بمقام کڑاہ نزد بہار شریف ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء - وفات: ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ مطابق ۵ جون ۱۹۴۱ء) تلمیذ رشید مولانا نذیر حسین محدث دہلوی۔

☆ مولانا یعقوب صاحب (دیسہ) ☆ مولانا مصطفیٰ شیر صاحب (دیسہ) ☆ مولانا بشارت کریم (پڑھوکہ)

☆ مولانا عبدالوہاب بہاری سر بہدوی (م ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء)

☆ مولانا محمد احسن گیلانی (م ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء) شاگرد رشید علامہ فضل حق خیر آبادی، (علامہ مناظر احسن گیلانی کے جد امجد) آپ نے سند حدیث مولانا عالم گینوی تلمیذ حضرت شاہ اسحاق دہلوی سے حاصل کی، بڑے بڑے علماء کے استاذ ہیں، سرحد کابل تک سے اہل علم آپ سے پڑھنے کے لئے آتے تھے اور بڑی تعداد میں آتے تھے، ایک درخت اور ایک چھپر کے نیچے پڑھاتے تھے۔^۱

☆ مولانا ابوالنصر گیلانی، ☆ مولانا یعقوب دستوی۔

☆ مولانا رفیع الدین شکرانوی (ولادت: ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء - وفات: ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) شکر اوں میں ایک عظیم کتب خانہ قائم کیا تھا۔

☆ مولانا عبدالشکور اوگانوی شاگرد رشید مولانا لطف اللہ علی گڑھی (محلہ میرداد بہار شریف میں مدفون ہیں)

☆ مولانا لطف علی راجگیر (دھنجوہی) ☆ مولانا الہی بخش بڑا کرئی ☆ مولانا مفتی عبداللہ ٹوکی (بختیار پور کے قریب کسی دیہات کے رہنے والے تھے) ☆ مولانا غلام جیلانی برقی استھانوی ☆ مولانا سید عبدالغنی واری، ☆ مولانا سید رحیم الدین استھانوی۔

☆ مولانا سید علی احمد درہنگوی (اصلًا بہار شریف کے رہنے والے تھے - ۱۳۱۸ھ/ ۱۸۹۰ء تک زندہ تھے)

☆ مولانا سید وحید الحق استھانوی (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء) حضرت مولانا محمد سجاد کے استاذ اور خسر محترم

☆ مولانا ابوالبرکات استھانوی (متوفی ۱۲ ربی الحجۃ ۱۳۱۸ھ م ۲ اپریل ۱۹۰۱ء)

☆ مولانا سید عبدالغنی بہاری ثم محی الدین نگرئی (کاغزی محلہ بہار شریف) تلمیذ رشید حضرت

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ و خلیفہ اجل حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ، و خسر محترم حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ۔ وغیرہ

یہ سب ایسی نادرہ روزگار ہستیاں تھیں جو اسی علاقے کی خاک سے اٹھیں اور برصغیر کے علمی آفاق پر چھا گئیں۔۔ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

”جن کے فضل و کمال کے آوازہ سے ان کی زندگی میں پورا ہندوستان گونج رہا تھا، مگر اب تاریخ کے نقارخانہ میں ان کے نام کی جھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔“

’بہار شریف‘ روحانیت کا مسکن

نائدہ سے قریب ہی وہ تاریخی شہر ’بہار شریف‘ ہے، جس کے نام پر پورا صوبہ ’بہار‘ کہلاتا ہے، بہار کا اصل تلفظ وہاڑ ہے، اس کے معنی خانقاہ، مٹھ یا مدرسہ کے ہیں، ایک زمانہ میں یہاں بدھستوں کی خانقاہیں تھیں۔ نیز یہ مقام ہندوؤں کے علوم و فنون کا بھی مرکز تھا، اس لئے بہار کے نام سے موسوم ہو گیا۔^۲

بہار شریف ایک تاریخی و تہذیبی قدامت و انفرادیت کا حامل شہر ہے، اس کی تاریخ بہت قدیم ہے، اپنی کیرن ریمینس آفس بہار کے مطابق ۲۸۰۰ سال قبل مسیح پر موریہ راجا نے اسے بسایا، اور اس کا نام ویشالی پوری رکھا، کنکشم نے اس کا نام پوسوورم پورا بتایا ہے، بگڑ نے اس کا نام حسن پورا رکھا ہے، جس کے معنی ہیں کہا روں کے رکھنے کی جگہ، جب بودھ مذہب کا عروج ہوا تو اس کا نام دنداپورا رکھا گیا، پھر دنداپورا سے دنداں و بہار ہوا، پھر یہ نام اودنت پوری میں تبدیل ہو گیا، مسلمان حکمرانوں نے اس کا نام دند بہار کر دیا، جو آگے چل کر صرف ’بہار‘ رہ گیا۔^۳

طبقات ناصری میں سلطان شہاب الدین غوری کے مفتوح ممالک کی فہرست میں ’اوند بہار‘ بھی لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ نام غیر معروف نہیں تھا۔^۴

۱- نقوش سلیمانی ص ۳۰۴ علامہ سید سلیمان ندویؒ

۲- تاریخ قریش ج ۳ ص ۶۵، مصنف محمد قاسم قریشی، ترجمہ اردو: عبدالحی، مطبع علمی پرنٹنگ پریس، لاہور نومبر ۱۹۶۲ء، ۱۶۷ عیان وطن (آئینارائے پهلوار) شریف ج ۶ مصنف سوزنا حکیم سید شہ محمد شعیب صاحب، طابع و ناشر: دارالاشاعت خاندان مجید پهلوار کی شریف پٹنہ، ۱۹۶۲ء۔

۳- اردو ادب کی تاریخ میں نائدہ منبع کی خدمات (ابتداء ۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۹ء) ص ۲۹، ۳۰، مصنف ڈاکٹر عشرت آراء منط، ناشر انجیو کیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی ۲۰۱۰ء۔

۴- تاریخ مدھ ص ۸ مرتبہ ولوی فصیح الدین مفتی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۲ء

ایک روایت یہ ہے کہ ۵۰ء کے قریب راجہ گوپال نے یہاں ایک بڑا ویہارہ بنوایا تھا اور اس کے بعد اس خاندان کے اور راجاؤں نے وقتاً فوقتاً اسی قصبہ کو اپنا دار الحکومت قرار دیا اور ویہارے کی تعمیر میں بھی اضافہ کیا، انہی ویہاروں کے سبب قصبے کا نام ویہارہ ہو گیا اور دار الحکومت ہونے کے سبب تمام مگدھ پر اسی نام کا اطلاق ہو گیا۔^۱

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۲۲ء تک شمالی بہار (متھلا) کے کرناٹ حکمران بہار کے ترک صوبے داروں کو نذرانہ دیا کرتے تھے، لیکن غیاث الدین تغلق نے شمالی بہار کو فتح کر کے اسے وسطی بہار میں ملا دیا، عہد تغلق میں یہی بہار شریف بہار کا دار السلطنت بنا، اور صوبہ کا نام بھی اسی مناسبت سے بہار پڑ گیا۔^۲

بہار شریف اسلامی دور میں

اور یہ عجیب بات ہے کہ جب یہاں اسلامی دور کا آغاز ہوا تو اس وقت بھی اس کی شہرت زیادہ تر خانقاہوں کی ہی بنیاد پر ہوئی۔

☆ ساتویں صدی ہجری میں غالباً قطب الدین ایبک یا شمس الدین اتمش کے زمانے میں بہار شریف کو حضرت شیخ خضر پارہ دوست کی خانقاہ کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی، جو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے مرید و خلیفہ تھے، اور آپ کی خانقاہ بہار میں دوسری چشتی خانقاہ تھی، پہلی خانقاہ چشتی شریف پٹنہ میں حضرت صوفی آدم نے قائم کی تھی، حضرت خضر دوست کی خانقاہ کی اطلاع حضرت نظام الدین اویس کو ہوئی تو آپ نے بھی یہاں حاضری کا ارادہ کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت نظام الدین اویس کو یکسوئی کی تلاش تھی، لیکن جب ان کو یہاں بھی عقیدت مندوں کے جہوم کی خبر ملی تو انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، یہاں ایک محلہ چشتیانہ (یہ اب کاغذی محلہ، بھینسا سور، اور کاشی تکیہ تین محلوں پر مشتمل ہے) آج بھی موجود ہے، اسی محلہ میں کہیں حضرت خضر پارہ دوست کی خانقاہ تھی اور یہیں آپ کا مزار بھی ہے۔^۳

زمانہ مابعد میں اس شہر کو سب سے زیادہ شہرت حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین

۱- تاریخ مگدھ ص ۸۸، ۸۹ مہاراجہ بولوی نصیح الدین فی صاحب عظیم آبادی، مشائخ کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۰۲ء

۲- اردو ادب کی تاریخ میں مالمدہ نضیع کی خدمات (ابتداء ۲۰۰۰ء) ص ۲۸، ۲۹ عقیدۃ اکثر شہرت آراء و سلطانہ، ناشر انجیو کیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی ۲۰۱۰ء

۳- سیر الاولیاء کرمانی ص ۱۱۲ بحوالہ محی المتدہ مقدمہ علامہ بیانی ص ۲۱ تاریخ مشائخ بہار ص ۱۶۱ ڈاکٹر طیب لدھی۔

احمد گنجی انیسویں (۱۸۶۱ھ-۱۸۷۷ھ) کی خانقاہ اور روحانی آماجگاہ کی نسبت سے ہوئی، اجوائے زمانہ

۱۔ حضرت محمد و شرف الدین احمد کی سیرتِ نبوی کا شمار اسلام کے چند بڑے مجددین میں ہوتا ہے، اس سرگرمی و جدوجہد، نقب شرف الدین احمد و الملک بہاری خطاب، و امہ کا نام شیخ لکھی تھا، جو زیر بن عبدالمطلب کی اولد میں تھے، اس صریح آپ کا خاندان باغی قریشی ہے، آپ کے پڑدادا امون احمد تاج فقہ اپنے زمانہ کے بڑے علما و مشائخ میں تھے، انکیل (مملکت ہاشمیہ اردنیہ کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۵۰ میل پر واقع ہے جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے) سے نقل سکونت کر کے بہار کے قلعہ منیر میں قیام پذیر ہوئے، یہاں آپ کے ذریعہ اسلام کی بہت اشاعت ہوئی، پھر آپ اپنے وطن خلیل لوٹ گئے، لیکن آپ کا خاندان منیر ہی میں رہا۔

شیخ احمد شرف الدین کے ناما شیخ شہاب الدین جلیلی سے بیرونی سلسلے کے بزرگ اور شیخ الشیخ حضرت شہاب الدین بیرونی کے مرید و پیرو تھے، آپ اپنی وطن کا شہر تھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جلیلی میں قیام فرمایا جو پندرہ بیس بیس کے فاصلہ پر ہے، انہی کی ایک صاحبزادی سے شیخ احمد شرف الدین اور دوسری سے شیخ احمد جرم پوٹ جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے، آپ حسینی سادات میں سے تھے، اس طرح شیخ احمد شرف الدین مادری لحاظ سے سادات میں سے ہیں۔

شیخ احمد شرف الدین کی ولادت آخری جمعہ شعبان ۶۲۱ھ مطابق جولائی ۱۲۲۳ء میں قصبہ فیض میں ہوئی، آپ کے تین بھائی اور تھے، شیخ غلام الدین، شیخ طویل الدین اور شیخ عبد الباقی الدین۔

ابتدائی سے متوجہ رہا۔ طاعت تک کی تعلیم اپنے وطن کے بڑے ائمہ سے حاصل کی، جن کے اہل گمراہی معلوم نہیں ہیں، اہل تعلیم کے لئے مولانا شرف الدین ابیو امّہ کے حلقہ تکلم میں داخل ہوئے اور ناشر الدین ابیو امّہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی کے نظام تعلیم و تدریس کا سب سے درخشاں ستارے تھے، آپ کی شہرت و مقبولیت باعث مسد بن گئی اور غالباً سلطان غیاث الدین بلبن (عہد حکومت ۱۲۱۳ء تا ۱۲۸۶ء) کے زمانہ میں بعض حامدوں کی ریشتہ وانیوں کی بنا پر اشارۃً سلطنتی سے ترحیب و ممن پر مجبور ہوئے، اور ملک کے آخری سرحدی شہر سارگودھ (مسلمانوں کے عہد میں یہ شرقی رکال کا دار الحکومت اور بڑا اسلامی شہر تھا، شیر شاہ کی بونگئی ہوئی سڑک اسی شہر پر باکتر ختم ہوتی ہے، لیکن اب یہ غیر معروف مقام ہے اور پیپام (Painam) کے نام سے ضلع ذہاک میں شامل ہے، دریائے برہم پتر اس سے دو کونوں کے فاصلے پر ہے) کے لئے ہجرت کی، راستہ میں بہار سے گذرتے ہوئے چند روز مئیر میں قیام فرمایا، مئیر والوں نے مولانا کا استقبال کیا، اور انہیں حضرت شیخ کو قریب بارہ سال کی عمر میں مولانا کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا، شیخ آپ کے ہم سے بے حد متاثر ہوئے، اور والدین کی اجازت سے آپ کے ساتھ سارگودھ کا تشریف لے گئے شیخ نے اپنی کتاب نحوں پر نعمت میں اپنے استاد سے بے حد عقیدت کا اظہار کیا ہے، شیخ نے لکھا ہے کہ پورے ہندوستان میں ہم میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا، مولانا شرف الدین نے اپنی فراست سے پہچان لیا کہ یہ لڑکا اپنے وقت کا نچھوڑا ہوا ہے، وہاں پوری توجہ کے ساتھ آپ کو تعلیم دی، مگر مہلوم معقول و منہول کی تکمیل ہوگئی تو مولانا نے اپنی صاحبزادی سے شیخ کا نکاح کر دیا، شیخ کے بڑے سہیلہ سے شیخ ابی الدین سارگودھ میں پیدا ہوئے، اسی دوران وطن میں والد کی وفات (۱۱ شعبان ۶۹۰ھ تا ۱۶ اگست ۱۲۹۱ء) ہو گئی، خط کے ذریعہ آپ کو اطلاع ملی تو ماں کا خیال آیا اور اسے ذی اجازت سے وطن واپس ہوئے، وطن پہنچ کر بچہ کو من کے حوالے کر دیا، لڑکپن میں اس کو میری جگہ پر بٹھائے، اور مجھے سفر کی اجازت دینے، اور مجھے اکثر شرف الدین مرحوم کا ہے، (مناقب الامناء ص ۱۳۲ مطبعہ نور فلاح کلکتہ)

۶۹۰ھ کے آخر یا ۶۹۱ھ کے آغاز میں دہلی کی طرف روانہ ہوئے، چڑے بھائی شیخ طلیل الدین ہمراہ تھے، دہلی پہنچ کر شیخ وقت کے یہاں حاضر ہوئی وہی کہہ گئی کہ اپنا حضور صریح بتائیں مگر کسی سے قلب نے تاثر قبول نہیں کیا، حضرت کھڑے ہوئے اور اپنے اہل خانہ کے یہاں آپ متاثر ہوئے، لیکن وہاں آپ کا حصہ نہیں تھا، دہلی سے پانی پت آئے، یہاں شیخ بوعلی (شرف الدین) قنہر پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے عقیدت بھی پیدا ہوئی، لیکن فرمایا کہ مغلوب الحال ہیں، تربیت نہیں کر سکے، مایوس ہو کر واپس لوٹ رہے تھے۔ بڑے بھائی کے مشورہ سے دہلی میں شیخ نجیب الدین فردوسی کے یہاں حاضر ہوئے، اس وقت آپ کے منہ میں پان اور دمال میں بھی پان کے پتے تھے، آستانہ فردوسی پر پہنچے تو ایک وحشت سی جاری ہوئی، اور بدن پسینہ پسوند ہو گیا، تعجب ہوا اور کہا کہ اس سے پہلے دوسرے مشائخ کے یہاں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی، شیخ کی نظر پڑی تو فرمایا: منہ میں پان اور دمال میں بھی پان کے پتے اور دعوئی کہ ہم بھی شیخ ہیں؟ آپ نے فوراً پان کو منہ سے نکال دیا اور ایک رعب کی حالت میں سوہل پیٹ گئے، کچھ وقت گزر جانے کے بعد نبض کی درخواست کی، خواجہ نے قبول فرمایا اور داخل سلسلہ کر لیا، آخر چری اح زت دے کر رخصت فرمایا (مناقب السلفاء ص ۱۳۲) شیخ نے عرض کیا: مجھے

→ تو ابھی خدمت عالیہ میں چند روز بوائے ہیں، سلوک کی تعلیم بھی خاطر خواہ حاصل نہیں کی، میں اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے عہدہ برہنہ ہو سکوں گا، خواجہ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشرافِ نبی سے ہوا ہے اور ان کی تربیت نبوت کی طرف سے ہوگی، اس کے بعد ان کو رخصت فرمایا اور کہا کہ:

”راستہ میں کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہوں“

چنانچہ ایک ہی روز منزل طے کی گئی کہ حضرت خواجہ کی وفات کی، طالع غی، لیکن آپ نے حسب وصیت سفر جاری رکھا، عشق کی حرارت ساتھ میں لے کر نکلے تھے، بیبا (منہ) سے تقریباً ۲۰-۳۰ میل مغرب ضلع شاہ آباد (آرہ) میں واقع ہے، بچپنے اور سوردی آواز سنی، تو دل میں ہوک لگھی، اور مضطرب کا دامن ہاتھ سے پھوٹ گیا، آریہاں چوک کیا اور جنگل کی راہ لی، ساتھیوں نے بہت تلاش کیا، لیکن کچھ سراغ نہ ملا، آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدین کے تبرکات لے کر واپس ہو گئے، اور والدہ کے حوالے کر دیا، کہتے ہیں کہ بارہ (۱۳) برس تک آپ جنگل میں گم رہے دکھائی دیتے تھے مگر سادات نہ ہوتی تھی، بارہ برس کے بعد جنگل میں ظاہر ہوئے اور پھر کچھ لوگوں کو شرف ملاقات بخشے گئے، انہی میں حضرت نظام الدین اولیا، کے خلیفہ مولانا نظام مونی بھی تھے، وہ حضرت مخدوم سے وقت فوقت جنگل میں جا کر ملتے تھے، حضرت نے ان کے طالب صادق کو دیکھتے ہوئے طرہ تک جنگل میں آنے سے منع کیا، اور فرمایا کہ میں خود جمعہ کے دن شہر آ جایا کروں گا، یہی معمول کچھ دنوں جاری رہا، معتقدین کی تعداد بڑھی تو انہوں نے مشورہ کر کے آپ کے آرام کے لئے ایک جگہ بنائی اور اس پر دو چھتر ڈال دیئے، آپ وہیں احباب کے ساتھ بیٹھتے اور کبھی ایک روز قیام بھی کر لیتے، اس کے بعد مولانا نظام الدین مونی نے مجد الملک صوبہ دار سے اجازت لے کر اپنے مال سے ایک چھتہ عمارت بنوا دی، عمارت مکمل ہونے کے بعد جملہ متوکلین سلسلہ نظام الدین اولیاء نے احتشالیہ پروگرام کیا اور آپ کو مسند سجادی پر بٹھایا، یہ واقعہ ۲۱ نہ ۲۲ھ اور ۲۲۷ھ (۱۳۲۶ء اور ۱۳۲۷ء) کے درمیان کا ہے، یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا عہد حکومت تھا،

دب ۲۵ ۷۷۰ (۱۳۲۵ء) میں سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کو صوفیا بورہ شیخ کو گوشہ عزالت سے نکالنے کا بز عشق تھا، اس کو پرچہ نوے سو کے ذریعہ حضرت مخدوم کے بارے میں جنگل کی رو پٹی اور عزالت و گوشہ نشینی کے بعد شہر میں تشریف آوری کا علم ہوا تو اس نے مجد الملک صوبہ دار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے خانہ تعمیر کی جائے، اور پرگنہ راہگیر فقرا خانہ کے خرچ کے لئے ان کے حوالے کیا جائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کر دیا جائے، اسی کے ساتھ ایک مصلائے باخری خدمت میں بھیجا، مجد الملک نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ قبول نہ فرمائیں گے تو اس کو میری قہر عدولی تصور کیا جائے گا اور نہ معصوم میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، حضرت نے ان کی بجزوری دیکھتے ہوئے تعمیر خانہ کی اجازت دے دی، اس کے بعد اس خانہ کو جو جمعیت حاصل ہوئی اس نے ہندوستان میں دعوت و ارشاد کی ایک نئی تاریخ رقم کی، ۲۳ ۷۷۰ (۱۳۲۶ء) سے لیکر ۸۴ ۷۷۰ (۱۳۸۰ء) تک قریب نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد میں گزرا، اس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو (۳۰۰) آدمی عارف کامل، دروہا صل بخت ہوئے، بہت سے ہندو فقیر اور مرناض جوگی آپ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ کی مجالس اور مکاتیب نے اصلاح احوال کے باب میں وہ انقلاب برپا کیا، جس کی مثال تاریخ میں بہت کم جاتی ہے، آپ کے مکاتیب سے بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ”صد ہا اشخاص نے شیخ کامل و متحقق کے انفس و توجہات کا فائدہ اٹھایا، ہر صدی میں ہزاروں انسانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا، خانہ ہوں میں ان کا درس دیا گیا، اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح و تقریر کی، اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان میں ایسی تاثیر و زندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گلشنِ وائے نے ابھی نکھارے، اور ان کے الفاظ تاثیر و فشر کی طرح دل سے پار ہو جاتے ہیں۔ (تاریخ دعوت و تربیت ج ۳)

مولانا مکاتیب کے آپ کی دوسری کتابیں بھی علم ادب کی شاہکار ہیں، اور جس کی ادبیت و ہر دور میں تسلیم کیا گیا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب عبد اکبری میں ابو الفضل نے دفتر ابو الفضل تیار کیا تو حضرت مخدوم کی کتاب ”شرح آداب المریدین سے تین ابواب شامل کئے (معارف نمبر ۱ ج ۹۲ ص ۵۹) بحوالہ دفتر ابو الفضل مطبوعہ نولکھوہ لکھنؤ، وفات حضرت آیات شب جمعرات ۲ شوال ۸۴۲ھ (۱۴۸۱ء) (۱۱ جنوری ۱۴۸۱ء) و پیش آئی، نماز جنازہ حضرت شیخ اشرف چنگیز سمنانی (متوفی ۲۸ محرم ۸۴۲ھ ۲۹ دسمبر ۱۴۲۷ء) نے پڑھائی، اگلے روز چہشتنبہ کے دن چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی (تاریخ دعوت و تربیت ج ۳ ص ۳۱۶ تا ۲۳۶) مسطور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی)

کے عظیم مجددین اسلام میں تھے، جن کی بدولت برصغیر میں اسلام کوئی توانائی اور نئی تازگی ملی، اسی کے ساتھ آپ کے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم احمد چرم پوش تیغ برہنہ سہروردیؒ کو بھی یہاں بڑی شہرت حاصل ہوئی، فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۵۱ء (۷۵۲ھ) میں بہار کا دورہ کیا تو ان دونوں بزرگوں کے دربار میں حاضری دی، اور خانقاہ کے لئے بہت سی زمینیں وقف کیں۔^۲

اسی طرح ملک العشاق حضرت مولانا مخدوم مظفر شمس بلخیؒ کی شخصیت نے بھی بہار شریف کی عظمت کو چار چاند لگایا جن کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے،

۱۔ مخدوم احمد چرم پوش، حضرت پیر شجوت کے نواسے اور حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد کے خالہ زاد بھائی تھے، حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش تیغ برہنہ کے والد حضرت سید سلطان محمد موسیٰ کاظم بن سید سلطان شادک بھائی ملک ایران کے شہر ہمدان کے رہنے والے تھے، جو ہمدان کے بڑے روضاء اور صاحبِ ثروت و اقتدار لوگوں میں شمار ہوتے تھے، حضرت چرم پوش حضرت امام حسین شہید کربلاؑ کی اواناد سے ہیں، بڑے جلالی بزرگ تھے، سلسلہ سہروردیہ میں حضرت مولانا علاء الدین علاء الحق سہروردی سے بیعت اور آپ کے مجاز و خیر تھے (شرقا کی گری ج ۱ ص ۱۰۹) از سید قیام الدین نظامی قادری فردوسی ج ۱ تاریخ بارہ گانواں و مضافات ص ۱۳، از ڈاکٹر مجیب الرحمن، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء)

آپ کی پیدائش ۱۵۷۷ھ (۱۲۵۹ء) میں شہر ہمدان میں ہوئی، آپ کے والد بزرگوار شہر ہمدان کے سلطان تھے، سلطنت چھوڑ کر تیسری اختیار کر لی، اس کے بعد حضرت چرم پوش کچھ دن ہمدان کے بادشاہ رہے، پھر تخت و تاج چھوڑ کر غمان چلے آئے، اپنے پیر کے اشارہ پر لہاسہ (تبت) تشریف لے گئے، آپ کے کمالات و کرامات سے متاثر ہو کر وہاں کا راجہ اور دیگر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، اس کے بعد چمپرہ ضلع سیوان تشریف لائے، یہاں ایک بزرگ حضرت حسین پیارے مدت سے مشتاق دیر تھے، آتے ہی حضرت چرم پوش کے مرید ہو گئے، کہتے ہیں کہ حضرت حسین پیارے کے پاس اس دہک چمپرہ تھا جو حضرت اسماعیل کی جگہ قربان ہوا تھا، آپ نے حضرت پیارے سے عاجزی کر کے چمپرہ مانگ لیا، اور اس کو چاک کر کے گردن میں ڈال دیا، اسی وقت سے حضرت مخدوم احمد ”چرم پوش“ کے نام سے مشہور ہو گئے (تاریخ بارہ گانواں و مضافات ص ۱۳ از ڈاکٹر مجیب الرحمن، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء)

آپ کا ایک لقب ”تیغ برہنہ“ بھی تھا، اس کی وجہ آپ کی ایک کرامت بتائی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ جب آپ تبت میں داخل ہوئے اور وہاں کے راجہ کو بتایا گیا کہ ایک لٹچہ (مسلمان) آیا ہے، جس سے آپ کے راجہ کو اور یہاں کے لوگوں کو خطرہ ہو سکتا ہے، راجہ نے اسی وقت آپ کو تبت سے نکل جانے کا حکم دیا، آپ نے عذر پیش فرمایا کہ میں یہاں قیام کے لئے نہیں آیا، چند دنوں آرام کرنے کے بعد چاہاؤں گا، لیکن وہ لوگ کچھ بھی مہلت دینے کو تیار نہ ہوئے، اور ایک فوجی دستہ ان کے اخراج کے لئے روانہ کیا، جس وقت وہ دستہ آپ کے خیمہ کے قریب پہنچا آپ نماز میں مشغول تھے، نماز سے فارغ ہو کر اس پر نظر پڑی تو جلال آگیا اور اپنی توار بھائی اچھاال دی، جس سے پورا دستہ تہ تیغ ہو گیا، اس سلسلے میں اور بھی کئی روایات نقل کی جاتی ہیں، (شرقا کی گری ج ۱ ص ۱۱۰) از سید قیام الدین نظامی قادری فردوسی)

حضرت چرم پوش نے تبلیغ اسلام کے لئے دور دور تک بادیہ پیمائی کی، اور گشت لگاتے ہوئے دہلی پہنچے، پھر وہاں سے بہار شریف کی سرزمین کو آپ کی فردگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، آپ کی شہرت دور دور تک پہنچی، دہلی کا بادشاہ سلطان فیروز شاہ بھی آپ کی شہرت سے متاثر ہو کر کئی مرتبہ بہار شریف حاضر ہوا۔

آپ فارسی زبان کے بلند پایہ صوفی شاعر بھی تھے، احمد نخعش کرتے تھے، آپ کا کھل دیوان موجود ہے۔ آپ کا وصال ۲۶ دسمبر روزہ شنبہ ۷۷۶ھ (۱۲ اگست ۱۳۷۵ء) کو ہوا، محلہ انبیر میں مدفون ہیں، آپ کا مزار مرجع خلائق ہے (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۲۴۵) از مولانا ابوالکلام تھاکری شمس)

۲۔ اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتداء ۲۰۰۰ء) ص ۳۵، ۳۶ مستند اکبر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۰ء۔

بلخ سے تشریف لائے تھے اور بہار شریف میں ایک مدت تک قیام فرمایا۔^۱

بہار میں جن بزرگوں کے ذریعہ سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت ہوئی ان میں حضرت مخدوم سخی منیرؒ (۱۱ شعبان المعظم ۴۹۰ھ م ۳۰ جولائی ۱۰۹۷ء - مدفون پٹنہ، منیر شریف) اور حضرت خواجہ بدرالدین بدرزاہدی (۵۷۶ھ میں کئی قلعوں کو فتح کیا - مدفون مہداواں نزد منیر شریف) کے علاوہ حضرت مولانا مظفر شمس بلخی (متوفی ۳ رمضان المبارک ۷۸۸ھ (۶ اکتوبر ۱۳۸۶ء)، حضرت سید احمد جرم پوشؒ (۱۳۹۳ء ۷۷۷ھ - مدفون بہار شریف) اور سید تیم اللہ سفید بازؒ (۹ محرم الحرام ۷۹۰ھ ۲ جنوری ۱۳۸۸ء مدفون بیجو بن نزد بہار شریف^۲) سرفہرست ہیں، اور بہار شریف کو ان تینوں بزرگوں کے مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔

۱- والد ماجد کا نام حضرت سلطان شمس الدین بلخی ہے، بلخ کے شاہی خاندان سے تعلق تھا، سلطان شمس الدین نے شاہی زندگی ترک کر کے فقیری کی زندگی اختیار کی، حضرت ابراہیم بن ادھم آپ کے آباء واجداد میں تھے، انہوں نے بھی سلطانی ترک کر کے فقیری اختیار کر لی تھی، سلطان شمس الدین اپنے اہل و عیال کے ہمراہ دہلی وارد ہوئے اور سلطان اتھش کے حوض کے قریب اقامت اختیار کی، سلطان محمد تغلق کو غلامی تو اپنے دربار سے واپس کر لیا، کوئی منصب بھی تفویض ہوا، مگر دربار کے کسی منصب دار کی چشمک کے سبب منصب ترک کر کے بیہ طریق کی جستجو میں نکل گئے، اور مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے بہار شریف کی سرزمین پر پہنچے، ادھر بہار شریف میں حضرت شیخ احمد جرم پوشؒ کو ازراہ کشف اس کی اطلاع ہو گئی تھی، انہوں نے اپنے حقد نشینوں سے فرمایا کہ ”دوستی آئی“ اور اصحاب طریقت کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے، اور نہایت گرمجوشی سے ملے، اور خلافت میں اپنی ناکہ کے سامنے ٹھہرایا، سلطان موصوف قدم پوی کے بعد شرف بیعت سے شرف ہوئے، اور اجازت و خلافت سے بھی سرفراز ہو کر روحانی دنیا کی بادشاہت حاصل کی، بہار میں قیام کے بعد تمام اہل و عیال کو بھی آپ نے دہلی سے بلوایا، اس طرح حضرت مظفر بلخی بہار شریف پہنچ گئے، بہار پہنچنے سے پہلے مولانا مظفر علم کی تکمیل کر چکے تھے، (معارف ج ۳ ص ۷۷) مضمون مولانا عبدالرؤف نورنگ آبادی، بعنوان ”مولانا مظفر شمس بلخی اور سند حدیث ص ۲۱۱ تا ۲۱۳) یہاں پہنچ کر حضرت مخدوم الملک مخدوم شرف الدین مکی منیری کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوئے، اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت مخدوم جہاں کے ناٹھوں مریدین میں تمام انھیں الخاص تک پہنچے، حضرت مخدوم کے خلفاء میں جو مقام مولانا مظفر بلخی اور شیخ نصیر الدین جو پورہ کی وجہ حاصل ہوا وہ کسی کو نہ ہوا، حضرت مخدوم کی خصوصی توجہ آپ پر تھی، حضرت مخدوم کے وصال کے بعد آپ بالاتفاق پہلے سجادہ نقشبندی ہوئے، اور سجادہ نقشبندی کا سلسلہ آپ کے خاندان میں تقریباً ایک سو تیس (۱۳۰) سال باقی رہا، آپ کے خاندان کے آخری سجادہ نقشبندی حضرت شیخ حافظ درویش تھے، بے شمار امرات کا صدور آپ کی ذات عالی سے ہوا، کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں، کتابات مولانا بلخی، دیوان مولانا مظفر بلخی (فارسی)، شرح عقائد نسفی مع عقائد مظہری، رسالہ مظہریہ در بدایت درویشی وغیرہ (معارف نمبر ۴ ج ۷ ص ۲۸۸) آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، آپ نے اپنے برادرزادہ حضرت شیخ حسین سمندر نوش تو حید بلخی کی اپنی نگرانی میں پرورش و پرداخت کی اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، پھر خلافت عطا فرما کر مسند عبادگی پر فائز کیا (شرفاء کی نگرانی حصہ اول ص ۱۰۰، سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسی) آپ کی وفات عدن میں پچھتر یا چھتر سال کی عمر میں ۳ رمضان المبارک ۸۸۸ھ (۶ اکتوبر ۱۳۸۶ء) کو ہوئی اور بیرون عدن ساحل سمندر سے متصل مدفون ہوئے (علماء بکر کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۲۳-۲۴ مصنفہ ڈاکٹر مہر النساء، گراچی) ہر دو اب کی تاریخ میں بالحدہ ضلع کی خدمات (ابتدا ۲۰۰۰ء) ص ۲۸ تا ۵۰ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطان، ناشر ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی ۲۰۱۰ء)

۲- اسم گرامی ”تیم اللہ“ لقب ”سفید باز“ اور وطن چٹھلی شریف پٹنہ ہے، حضرت امام حسین کی اولاد میں ہیں، آپ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت حمید الدین بن حضرت صوفی آدم کے خلیفہ و جانشین تھے، حضرت مخدوم الملک سے بھی استفادہ کیا تھا، آپ کی شادی بہار شریف کے محلہ چشتیانہ میں تھی، وہی نسبت سے غالباً وہاں سکونت اختیار کر لی تھی (تاریخ شاہجہاں بہار ص ۲۲۹ ڈاکٹر طیب شاہ ابدالی)

☆ یہیں شہر کے غربی جانب ایک میل دور ایک پہاڑ پر حضرت ملک بیہ (بیو) کا مقبرہ ہے، جن کا خاندانی رشتہ بغداد سے ہے، یہ سلطان محمد تغلق کی فوج کے سپہ سالار تھے، لیکن اہل بہار ان سے ایک صوفی بزرگ کی طرح عقیدت رکھتے ہیں، وہ بہار میں ظالموں کی سرکوبی کے لئے آئے تھے، ان کا روضہ خود بادشاہ نے بنوایا تھا، اور اس کا سنگ بنیاد حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہارنی، مخدوم سید احمد چرم پوش، اور مخدوم شاہ احمد سیستانی جیسے کبار اولیاء اللہ نے رکھا تھا، اس مقبرہ کی تعمیر پر چھ سو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے، لیکن آج بھی اس کی عمارت تروتازہ محسوس ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ اس کی اینٹوں سے خوشبو نکلتی ہے۔^۱

بہار شریف میں محلہ بھائے سرائے سے متصل محلہ چشتیانہ ہے جہاں چشتی صوفیاء کی ایک بڑی تعداد دفن ہے، جن میں سہروردیہ سلسلے کے جلال بخاری مخدوم جہانیاں کے داماد اور نامور چشتی بزرگ محمد عیسیٰ تاج کے چھوٹے بھائی احمد عیسیٰ تاج بھی شامل ہیں۔^۲

☆ حضرت مخدوم باریستانی جن کا اصل نام میر سید احمد تھا، شہید سہروردی بزرگ تھے، جو کاغذی

۱- حضرت ملک بیہ کا پورا نام سید ابراہیم بن ابو بکر ہے، ملک بیہ (بیو) دراصل ایک خطاب سے جو اگلے زمانہ میں بادشاہوں کی طرف سے امراء کو ملا کرتا تھا، لفظ بیو دراصل بیہ کی بھڑی ہوئی شکل ہے، جس کے معنی ہیں آؤ سلطان محمد تغلق بہار کی فتح کے بعد سید ابراہیم صاحب سے بہت خوش ہوا، دربار میں جب یہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے مسرت کے ساتھ ”ملک بیہ“ کہنے لگا، اور رفتہ رفتہ ”بیہ“ سے ”بیو“ ہو گیا، اور آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ (تاریخ بارہ گانوں و مضافات ص ۲۰ پر پروفیسر مجیب الرحمن)

۲- آپ کے اجداد نے بغداد سے غزنی آکر سکونت اختیار کی، سلطان محمد تغلق (سن تحت نشینی ۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء) کے عہد حکومت میں آپ غزنی سے ہندوستان تشریف لائے، اور سلطان کے دربار سے وابستہ ہوئے، پھر فوج کے سپہ سالار ہوئے، سلطان دہلی کی طرف سے آپ کو اور آپ کے ورثہ کو بہار کی صوبہ داری بھی عطا ہوئی تھی، ”کمپری ہنسہ سٹری آف بہار“ میں سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں صوبہ بہار کے صوبیداروں کی فہرست دی گئی ہے، اس میں آپ کا اور آپ کے ورثہ کا نام موجود ہے۔

(شرفاء کی فہرست ص ۱۲۲ از سید قیوم الدین نظامی انفرادی)

ملک ابراہیم بیو ۵۲ھ تا ۵۳ھ (م ۱۳۵۱ء تا ۱۳۵۲ء) فیروز تغلق کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں قطع بہار کے حاکم تھے، جیسا کہ اس دور کے دریافت شدہ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے۔

(تاریخ گدھ ص ۱۲۳ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۳۴ء)

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں بہار کا راجہ ہنس کمار تھا، اس کا پایہ تخت رہتاس گڑھ تھا، وہ بہت متعصب اور ظالم تھا، اس کا ظلم جب نقطہ عروج پر پہنچ گیا تو اس کے استیصال کے لئے سلطان محمد تغلق نے حضرت ملک بیہ کو مقرر کیا، ملک بیہ نے راجہ پر حملہ کیا اور ہنس کا قلعہ فتح کیا، راجہ حملہ میں مارا گیا، اس موقع پر آپ خطرات سے مطمئن ہو کر قلعہ سے باہر آ رہے تھے، کہ چند چھپے ہوئے دشمنوں نے آپ پر حملہ کر کے شہید کر دیا، یہ سانحہ ۱۳ ذی الحجہ ۵۳ھ ۲۸ جنوری ۱۳۵۳ء پیش آیا، لاٹس بہار شریف لائیٹنی، شہر کے کچھڑ میں ایک میل دور پہاڑ پر مدفون ہیں، بادشاہ محمد تغلق نے آپ کی قبر پر ایک عظیم الشان کتبہ تیار کرایا، جس کی بنیاد حضرت مخدوم الملک بہارنی، مخدوم سید احمد چرم پوش، اور مخدوم شاہ احمد سیستانی جیسے بزرگوں نے رکھی۔ (تاریخ بارہ گانوں و مضافات ص ۲۰ پر پروفیسر مجیب الرحمن)

حضرت ملک بیہ کے روضہ کے اندر دو قبریں اور بھی ہیں، ایک داؤد، ملک بدر الدین، ملک صدر الدین، ملک محمد حسن وغیرہ۔

(تاریخ بارہ گانوں و مضافات ص ۲۰ پر پروفیسر مجیب الرحمن)

۲- ملا نے بہار کی دینی و ملی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۰۲ مقالہ فی ایچ ڈی، مصلحہ: ممبر النساء، شعبہ علوم اسلامی، حارف اسلامیہ کراچی

محلہ کے مقام پر تعلق طرز تعمیر پر بنائے گئے ایک بڑے گنبد والے مقبرے میں دفن ہیں۔^۱
 سلسلہ قادریہ کے بزرگوں میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں ایک بزرگ
 حضرت عطاء اللہ بغدادی بھی بہار شریف کے محلہ پیر شاہ گھاٹ میں مدفون ہیں، آپ ایک عرصہ تک
 یہاں مصروف رشد و ہدایت رہے، اور یہیں انتقال فرمایا، سن وصال ۸۱۷ھ م ۱۴۱۴ء ہے۔^۲
 ان کے علاوہ اور بھی بے شمار اولیاء اللہ کا یہ شہر مسکن رہا ہے، قدم قدم پر قبریں اور مزارات
 ان کی نشانیاں آج بھی موجود ہیں۔

سلطان محمد بن تغلق نے بہار شریف اور راجگیر کی خانقاہوں اور روحانی خدمات کے پیش نظر
 بہت سی جاگیریں مقرر کی تھیں، تختیار خلجی نے بڑی تعداد میں مساجد، مدارس اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔

بہار شریف کی سیاسی اہمیت

سیاسی اعتبار سے بھی تاریخ میں اس شہر کی بڑی اہمیت رہی ہے، مسلم عہد حکومت میں یہ
 شہر صوبہ بہار کا پہلا دار الخلافہ تھا، بادشاہ ہند شہاب الدین غوری کے سوا محمد بختیار خلجی کے دور سے
 شیر شاہ سوری (۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء) کے عہد تک اسے صوبہ کے دار السلطنت کی حیثیت حاصل
 رہی، اس سے قبل راجا اندر من کے زمانے میں بھی یہ دار السلطنت تھا جس سے خلجی نے اس شہر کو چھین
 لیا تھا، خلجی کی شہادت ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں ہوئی، مزار بہار شریف کے محلہ عمد پور میں ہے۔^۳
 قصبہ بہار شریف میں مخدوم بدر عالم کے مقبرے کے احاطے میں درخت کے نیچے ایک
 قدیم کتبہ رکھا ہوا ہے، یہ کسی عمارت کا کتبہ ہے، جس کو ۸۹۷ھ / ۱۳۸۷ء میں ملک کافی نے
 تعمیر کرایا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کافی صوبہ بہار میں حاکم کی حیثیت رکھتا تھا۔^۴

۹۹۷ھ / ۱۳۹۷ء میں ضیاء الحق بہار کا حاکم تھا، اس کی حکومت کا پتہ اس کی بنوائی ہوئی
 ایک خانقاہ کے کتبے سے ملتا ہے جو قصبہ بہار شریف کے مشرقی جانب محلہ چھوٹا تکیہ میں مقبرے کی
 دیوار میں لگا ہوا ہے۔^۵

۱- حمانے بہار کی دینی و سنی خدمات کا تحقیقی مطالعہ جس ۱۰۳۰ھ لہ فی الحج ذی و ستھذہ مہر النساء، شعبہ علوم اسلامی معارف اسلام یہ کراچی
 دسمبر ۲۰۰۵ء،

۲- تاریخ بہار ص ۱۱۸ مولانا انور سید شاہ طیب ابدانی سجادہ نشین خانقاہ صوفیہ اسد م پور تاندہ بہار، شائع کردہ مکتبہ خانقاہ صوفیہ
 تاندہ، اپریل ۲۰۰۳ء،

۳- تاریخ بارہ بکھو اس و مضافات ص ۵ مصنف: ڈاکٹر حبیب الرحمن، مولانا حمانے بہار کی دینی و سنی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۳۲۱-۳۲۲ لہ فی الحج ذی و ستھذہ مہر النساء، شعبہ علوم اسلامی معارف اسلام یہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء،

۴- تاریخ گندھس ص ۲۳ امر جید مولوی فصیح الدین لکھی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۴ء،

۵- تاریخ گندھس ص ۲۳ امر جید مولوی فصیح الدین لکھی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۴ء،

☆ کچھ عرصہ یہ سلاطین شرقیہ (ملک سرور جو کہ ملک الشرق یا نواب شرق کے نام سے جانا جاتا تھا، کے خاندان کے حکمران) کا بھی صدر مقام رہا ہے، تقریباً تمام ہی شارتی حکمرانوں کی تحریریں بہار شریف میں پائی گئی ہیں۔۔۔ سلاطین بنگال کی کئی تحریریں جو ۱۲۲۶ء سے ۱۲۹۱ء تک کے عرصے پر محیط ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ پندرہویں صدی کے آخر تک بہار میں تغلق حکومت کی جگہ شارتی حکومت نے لے لی تھی۔^۱

☆ ۹۷۰ھ/۱۵۶۳ء میں جب سلیمان خان کرارانی (۹۵۰ھ تا ۹۸۰ھ/۱۵۳۳ء تا ۱۵۷۲ء/متوفی ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء) بہار و اڑیسہ کا سربراہ بنا تو شروعاتی دور میں اس کا دار الخلافہ بھی بہار شریف ہی تھا، بعد میں اس نے ٹانڈہ کو اپنا دار الخلافہ بنالیا تھا^۲۔ یہ بہت نیک دل سلطان تھا علماء و مشائخ کا بھی قدردان تھا، اس کی مجلس میں سوڈیڑھ سو مشاہیر علماء و مشائخ موجود رہتے تھے، اور یہ اکثر ان کی صحبتوں میں ساری رات ذکر و عبادت میں گزار دیتا تھا، قصبہ بہار شریف میں مخدوم الملک کی درگاہ کے حلقے کے اندر جو صندل دروازہ مشہور ہے اس جگہ ۷۹۷ھ کا ایک کتبہ ہے جس میں سلیمان کا نام بھی مذکور ہے۔^۳

۱۵۷۶ء میں اکبر نے کرارانی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔^۴

حضرت مولانا سجاد کا گاؤں پنہسہ

مولانا محمد سجاد کے گاؤں ”پنہسہ“ کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے، کہتے ہیں کہ اس کی آبادی حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے وقت سے ہے اس سے قبل یہاں کے لوگ قریبی مقام ’سلاؤ‘ میں آباد تھے، وہاں ان کی حویلیاں تھیں، اور قریب میں مسجد بھی تھی، جس کو ’سلاؤ‘ یہ مسجد کہتے تھے، یہ لوگ سلاؤ سے منتقل ہو کر یہاں کیوں اور کیسے آباد ہوئے، اس کے اسباب معلوم نہیں ہیں۔ پنہسہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے تین اطراف میں پانی کے تالاب تھے، اور ایک جانب سرسبز و شاداب زمینات، اس لئے اس جگہ کا نام پنہسہ ہو گیا، یہ دو لفظ ’پن‘ اور ’باس‘ سے

۱۔ کپڑہ، زوہر، ری آف بہار، ۲ پارٹ اس امر ہے: ڈاکٹر سید حسن عکرمی و ڈاکٹر قیام الدین احمد، شائع کردہ: کاشی جیو مال ریسیو، انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ، ۱۹۸۳ء بحوالہ علمائے بہار کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۶۰ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبہ علوم اسلامیہ معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء۔

۲۔ تاریخ فرشتہ نژاد، عبدالحی مقالہ دوم ص ۱۶۶۔

۳۔ تاریخ مگدھ ص ۱۹۶، ۱۹۷ مرثیہ مولوی فیض الدین علی صاحب غفیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۳۰ء۔

۴۔ کپڑہ، زوہر، ری آف بہار، ۲ پارٹ اس امر ہے: ڈاکٹر سید حسن عکرمی و ڈاکٹر قیام الدین احمد، شائع کردہ: کاشی جیو مال ریسیو، انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ، ۱۹۸۳ء بحوالہ علمائے بہار کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۱ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبہ علوم اسلامیہ معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء۔

مرکب ہے، جو فقیر کے بعد ہنسہ ہو گیا، اب اکثر تالاب ختم ہو چکے ہیں، مگر کچھ آج بھی باقی ہیں، آج بھی حضرت مولانا سجاد کی حویلی کے پاس جانب شرق میں بڑا وسیع وعریض تالاب موجود ہے۔ ہنسہ بہار شریف سے راجگیر جانے والی شاہراہ (جواب شاہراہ اعظم - فور لین - بن رہی ہے) پر تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، نہایت تروتازہ، شاداب اور ترقی پذیر بستی ہے، شاید کسی زمانے میں یہ بہت معمولی سی بستی رہی ہوگی، مگر آج یہ بہت ہی بارونق اور متمول بستی لگتی ہے، نالندہ سے صرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر راجگیر جانے والی شاہراہ پر دور سے ہی زیب نظر معلوم ہوتی ہے، یہ سادات اور شیوخ کی بستی ہے، اکثر لوگ تعلیم یافتہ، مہذب، دیندار اور اسلامی اخلاق سے آراستہ ہیں، لب سڑک گاؤں کی وسیع وعریض عالیشان مسجد ہے جس کے ایک گوشے میں مشرق کی جانب حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کے بڑے بھائی حضرت صوفی احمد سجاد صاحبؒ (پہلی قبر) اور ان

۱۔ تذکرہ ابوالحسن ص ۱۵ مضمون مولانا فیصل احمد دہوی۔

۲۔ صوفی احمد سجاد صاحب مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے، بہار شریف سے کانپور تک پڑھنے گئے، حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب استھ نوئی (بہار شریف متوفی ۱۳۱۵ھ - مطابق ۱۸۹۸ء) اور امام المعقول والمعتول حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ (متوفی ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۰۳ء) سے شرف تلمذ حاصل کیا، البتہ تعلیم مکمل نہ کر سکے، کانپور میں کچھ دنوں تعلیم حاصل کرنے کے بعد علالت کے سبب سے گھر واپس آ گئے، والد کے انتقال کے بعد اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد سجادؒ کے مربی اور اتاذ بھی ہوئے، بڑے صاحب کمالات و کرامات تھے، حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پوری نقشبندی سے بیعت تھے، اور آپ کے خاص خلفاء و مجازین میں شمار کئے جاتے تھے، (محاسن سجاد ص ۲) کچھ دنوں کے بعد آپ پر جذب کا غلبہ ہو گیا، خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ کہیں جاتے ہوئے کسی فقیر نے ان کو اپنی بیٹی ہوتی کھیر کھلا دی تھی، ان کے چچا زاد بھائی سید محمد ابوالحسن بھی ساتھ تھے، انہوں نے نہیں کھایا، اس کے بعد وہ برسوں راجگیر کے جنگلات میں مستانہ وار کھوئے رہے، اور نہ معلوم کیا کیا رنجشیں کیں، کبھی کبھی راجگیر و کانپور آتے تھے، کہتے ہیں کہ بارہ سال کے بعد ہنسہ واپس آئے تو ان کو پہچانا مشکل تھا، وہ سیدھے اپنے چچا زاد بھائی سید محمد ابوالحسن کے گھر آئے تھے، سید ابوالحسن کی بیٹی بی بی زیتون نے پہچان لیا کہ بڑے اہل ہیں، انہی کے مکان کے ایک حجرہ میں صوفی صاحب ایک زمانہ تک مقیم رہے، بعد میں اس کیفیت پر تابوا گیا، لیکن جذب باقی رہا، بہار شریف میں بھی کئی مزارات پر مراقب اور چلہ کش رہے، (تذکرہ ابوالحسن ص ۲۳، ۲۴ مضمون ڈاکٹر فیصل احمد دہوی بروایت جناب اکبر حسین صاحب کاغذی محلہ، یہ صوفی صاحب کے چچا زاد بھائی سید ابوالحسن کے نواسے کے صاحبزادے ہیں) وہ ایک عابد متواضع کی حیثیت سے علاقے میں مشہور تھے، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ ان کا شمار سلسلہ فقراء کے طائفہ مجاذیب و بہائیل میں کرتے تھے (حیات سجاد ص ۶۵ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانی) حضرت مولانا محمد سجادؒ کے وہ صرف بڑے بھائی نہیں، بلکہ مرکز حقیقت بھی تھے، حالت مغلوبی میں جائیداد کی بھی خبر نہ رہی، دوسری طرف مولانا محمد سجادؒ کو بھی قوی اور ملی کاموں سے فرصت نہ ملی، اس طرح موروثی جائیداد جاتی رہی (حیات سجاد ص ۹، ۱۰ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی) گاؤں اور خاندان میں صوفی صاحب بڑے مولوی صاحب اور مولانا محمد سجاد صاحبؒ چھوٹے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے (محاسن سجاد ص ۶۶ مضمون مولانا مسعود عالم ندوی) اس سے صوفی صاحب کی بلند حیثیت عربی کا پتہ چلتا ہے، صوفی صاحب کا انتقال ۱۳۶۸ ہجری مرم ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۴۸ء کو ہوا (قلبی مضمون ڈاکٹر فیصل احمد دہوی ص ۱۹) مزار مبارک ہنسہ کی مسجد میں مرجع خاص و عام ہے۔

صوفی صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے: (۱) امین الدین، یہ اولاد تھے (۲) صوفی ملازمین، ان سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں، لڑکوں کے نام یہ ہیں: (۱) صلاح الدین (۲) غیاث الدین (۳) ریاض الدین (۴) منہاج الدین۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں: (۱) عبیدہ خاتون زوجہ عبدالقادر مرحوم میرنگری (۲) زبیدہ خاتون زوجہ سید انوار احمد چاند پورہ (۳) صفیرہ خاتون زوجہ ظفر حسن ویدہ (تذکرہ ابوالحسن مضمون ڈاکٹر فیصل احمد دہوی ص ۲۴، ۲۵)

کے چھوٹے صاحبزادے صوفی ملا مبین صاحبؒ (دوسری قبر - یہ بھی مادرزاد ولی تھے، اور اپنے والد گرامی کا عکس جمیل تھے) ایک مسقف سائبان کے نیچے آسودہ خواب ہیں، مسقف حصار سے متصل باہر شمال میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کے داماد مولانا ابو جمال علی حسن رونق استھانویؒ کی قبر ہے، جو بہار شریف کے بڑے عالم اور باکمال شاعر گذرے ہیں۔ صوفی صاحبؒ کو اس دیار میں قدسیت اور روحانیت کی علامت مانا جاتا ہے ان کا مزار آج مرجع خاص و عام ہے، اور اس نسبت سے اب گاؤں کے نام میں شریف کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے پنہسہ شریف۔



پنہسہ کی قدیم ترین مسجد جس کے شمالی مشرقی گوشے میں صوفی احمد سجاد صاحب اور مولانا رونق استھانویؒ آسودہ خواب ہیں، اب اس مسجد کی تعمیر جدید ہو گئی ہے۔



پنہسہ شریف کی مسجد کا بیرونی منظر

فصل سوم

خاندان

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کا خاندان بھی آپ کی پیدائش سے سات آٹھ پشت پہلے عہد عالمگیری ہی میں سلاؤذیہ سے منتقل ہو کر یہ نسبہ میں آباد ہوا، اسی خاندان کے ایک بزرگ سید نجف تھے۔ سید نجف کے اصول انساب کی پوری تحقیق میسر نہیں ہے، لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار شریف کے اطراف میں جاجنیری سادات پھیلے ہوئے ہیں، یعنی سید احمد جاجنیریؒ کی اولاد سے بارہ گاہوں، دیسنہ، بہار شریف، راجگیر، بھنسہ، دھنچوہی وغیرہ میں سادات جاجنیریؒ کی نسل تانہوز کسی قدر چلی آرہی ہے، کہا جاتا ہے کہ سید احمد جاجنیریؒ کی اولاد بارہ گاہوں یعنی (۱) جموارہ (۲) پترینا بزرگ (۳) سید پور کنیڈا (۴) بروئی (۵) امرتھ (۶) محمد پورا کساری (۷) فیروز پور منینڈہ (۸) مدام پور ماہے (۹) چڑھیاری (۱۰) رسول پور کٹنی کول (۱۱) چواڑہ (۱۲) اور سانحہ میں آباد ہوئی، پھر آس پاس کی بستیوں ”برگاہوں، بارہ درہ، میرداد، اوگاہوں، دیسنہ، بہار شریف، راجگیر، چیرگاہ، گیلانی، استھانواں وغیرہ میں بھی پھیل گئی۔

علامہ سید مناظر حسن گیلانیؒ (آپ کا تعلق بھی جاجنیری سادات سے ہے) لکھتے ہیں:

”ابوالفرح واسطیؒ کی جو اولاد دہلیت نیر میں آباد ہوئی، اور بعد کو جاجنیری سادات کے نام سے

مشہور ہوئی، ان کا ایک سلسلہ بہار ضلع موٹگیر میں پایا جاتا ہے، اور چونکہ بارہ گاہوں میں یہ آباد ہے

اس لئے سادات بارہ گاہوں کہلاتے ہیں۔“

۱- سید احمد جاجنیریؒ کا مزارندیاواں میں ہے، جو میرانی ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے۔ ان کی اہلیہ بھی یزید مدون ہیں (حیات گیلانی ص ۲۳، تالیف: حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی، ناشر: مولانا یوسف اکیڈمی بنارس، ۱۳۱۰ھ/۱۹۸۹ء، بحوالہ ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جاجنیری، محافظہ خاندانہ دارالعلوم دیوبند ص ۱۲)

۲- یہاں سید احمد جاجنیریؒ کے بیٹے شاہ جمال الدینؒ کا مزار ہے (حیات گیلانی ص ۲۷)

۳- یہاں مغل شہزادی بیٹی آرمہ بیگم جو بہادر شاہ ظفرؒ کی پوتی ہیں مدون ہیں۔

۴- حیات گیلانی ص ۲۳ بحوالہ تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۱۳۵۔

سید احمد جاجیرؒ ہندوستان اور پھر بہار کیسے پہنچے اس کی تفصیل حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفر الدین مفتاحؒ نے دارالعلوم دیوبند کے محافظ خانہ میں محفوظ ایک تاریخی دستاویز ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جاجیرؒ کے حوالے سے نقل کی ہے، حیاتِ گیلانی سے وہ اقتباس پیش خدمت ہے:

”سید احمد جاجیریؒ مدینہ منورہ سے مقام واسطہ میں تشریف لائے، چندے مقیم رہے، جو کہ مدینہ منورہ کے قریب ایک دیہات بنام مقام واسطہ ملقب ہے، اسی وجہ سے ان کا لقب واسطیؒ ہے، مقام واسطہ میں باعث قلم و خدمت قوم عباسی کے مقام واسطہ سے کوچ کر کے مقام مشہد مقدس میں تشریف لائے، اور چند روز سکونت پذیر ہوئے، بعدہ وہاں سے کوچ کر کے بمقام بغداد شریف محلہ جاجیر تشریف لا کر سکونت پذیر ہوئے۔ (یہیں سے جاجیری آپ کے نام کا جزو بنا) ابتدا سے ۵۸۸ھ بغایت ۶۰۲ھ ہنگام تکرار مہاراجہ ہتھوڑا یعنی پرتھی راج ملک تخت دہلی کے، کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری ساتھ راجہ مرقوم کے جنگ جہاد میں مصروف تھا، اور راجہ ہتھوڑا نے سہ بار سلطان شہاب الدین محمد غوری کو شکست دی تھی اس لئے شہاب الدین ممدوح نے بتلاش قوم سادات بامید شرکت جہاد کے متوشی ہوا اور جن جن مقاموں میں قوم سادات روشن ضمیر پائے گئے، بغرض جہاد شامل لایا، اور جناب سید احمد جاجیریؒ قدس سرہ کو بھی ہمراہ لے کر مقام دہلی پر بغرض جہاد چڑھائی کی، اس لڑائی میں جدا جدا سادات بارہاں بھی شریک تھے، چنانچہ بفضل خداوند کریم باعث قوم اولاد رسول ﷺ راجہ ہتھوڑا مغلوب ہوا اور سلطان کو فتح ہوئی (اس طرح سید احمد جاجیریؒ سلطان محمد غوری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس کامیابی کی خوشی میں سلطان نے جہاں دوسرے شرکائے جہاد سادات کو جاگیریں عطا کیں اور ان کو ملک کے مختلف حصوں میں آباد کیا) علیٰ ہذا القیاس سید احمد جاجیریؒ کو بھی ایک جگہ ملی تھی، کہ وہ ملقب بنام قدیم جاجیر کے ہوا، اور وہ اب ملقب بنام ’جاج‘ ہو گئی ہے، بعلاقہ کا پور واقع ہے (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سید صاحب کا کسی وجہ سے جی نہیں لگا، تو وہ سلطان محمد غوری کے مشورہ سے علاقہ مونگیر میں تشریف لائے، اور پھر سلطان نے یہاں موصوف کو معقول جاگیر عطا کی) سید احمد جاجیریؒ قدس سرہ کا نسب حسنی و حسینی ہے، ہنگام حیات سید صاحب کے موالات جاگیر موضع حسین آباد، ومانہ مدام پور، و فیروز پور مانندہ، محمد پور یکماری، و پیغمبر پور، و چوڑہ، وندیانوال، وکمل گڑھ، وپچھہ بیگم، و دیگر مواضع پر گنہ امرتھ ضلع مونگیر منجانب سلطان شہاب الدین محمد غوری غازی عطا ہوئی تھی، لیکن من بعد ہنگام دخل و قبضہ اولاد ان کی، باعث قلم راجہ کامگار خان و نامدار خان تعذیباً لے لیا گیا (البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس تاریخ اور کس سن میں انتقال ہوا، لیکن سید صاحب کی وفات اور جاگیر چھن جانے کے بعد ان کی اولاد منتشر ہو گئی)

سید احمد جابنیریؒ کی چار اولاد تھی، بڑے صاحبزادے کا نام سید خضر معروف بہ سید حیدر باگھ، مزاران کا بچو بند جو مقام بہار بفاصلہ تین کوس جانب دکھن واقع ہے، اور منجھلے صاحبزادے کا نام مبارک سید شاہ جمال الدین، مزاران کا بموضع جموارہ پرگنہ امرتھ ضلع مونگیر بالائے کوہ مسلح جانب شمال، نزدکوہ مسلح واقع ہے اور منجھلے صاحبزادے کا اسم شریف سید شاہ برہان الدین، مزاران کا بموضع سانحہ پرگنہ بلیا ضلع مونگیر عبور دریائے گنگ واقع ہے اور چھوٹے صاحبزادے کا اسم اقدس سید شاہ یوسف ہے، مزاران کا بموضع چوٹ پرگنہ سیمائے ضلع حیدر واقع ہے۔ (سید احمد جابنیریؒ کے پوتوں اور اگلی نسل کے متعلق وضاحت ہے) اور اولاد ابنان سید احمد جابنیریؒ قدس سرہ کی موضع مدام پور، چواڑہ، فیروز پور، موضع تندہ، موضع بروئی، کٹنی کول، جموارہ، وکندہ و حسین آباد پرگنہ امرتھ، و پھر ہٹ، و چندہار و محلہ بچی پور و غملاٹ شیخ پورہ پرگنہ نالوہ ضلع مونگیر میں مسکن پذیر تھے، وہیں باعث کلم و تعدی راجہ کامگار خان و نامدار خان کے اکثر اولاد ابناء سید احمد جابنیریؒ قدس سرہ کی، بموضع اورین، و بیلچھوا، و موضع غوث آباد، و من بعد بمقام سورج گڑھا عبور دریائے گنگ بموضع سانحہ پرگنہ بلیا، و محلہ مخصوص پور ہاڑھ من محلات شہر مونگیر سکونت پذیر ہوئے، (یہ بھی لکھا ہے کہ سید صاحب کی اولاد کی اولاد در اولاد بادشاہ اکبر کے دور میں پھر فرج میں داخل ہوئی، اور فرج کی افسری کا فریضہ ادا کیا، بعض عہدہ قضا پر بھی مامور ہوئے، گویا بعد میں بھی باوقار زندگی گذاری، اور مسلم سلاطین سے وابستہ رہے)۔^۱

ممکن ہے کہ سید نجف (جو حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ابوالاجداد تھے) سید احمد جابنیریؒ کے بڑے صاحبزادے سید خضر معروف بہ سید حیدر باگھ کی اولاد سے ہوں، کیونکہ سید خضر کا مزار بہار شریف سے دکھن تین کوس کے فاصلے پر بچو بند کے مقام پر ہے، اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ بہار شریف کے اطراف میں جو سادات آباد ہیں وہ انہی کی نسل سے ہوں گے۔^۲

سید نجفؒ کے تین صاحبزادے تھے، ان میں سے ایک اڑیسہ میں، دوسرے در بھنگہ میں، اور تیسرے پنہسہ میں آباد ہوئے، در بھنگہ اور اڑیسہ والے کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی،^۳ البتہ پنہسہ والے

۱- حیات گیلانی ص ۲۸۲ تا ۲۸۳ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی، بحوالہ ”ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جابنیریؒ، محافظ خانہ ص ۳

۲- بین القوسین کی عبارت حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب کی ہے، اور باقی ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جابنیریؒ کا متن ہے۔

۳- تذکرہ ابوالحسن (مرتبہ اخیر امام عادل ثانی) میں ڈاکٹر کفیل احمد عدوی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت مولانا سجادؒ کے خاندان کے کئی افراد اور متعلقین سے ملاقات کر کے آپ کے حسب نسب پر قیمتی معلومات جمع کی ہیں، تھوڑے فرق کے ساتھ ان کے مضمون سے بھی فی الجملہ اس کی تائید ہوتی ہے (دیکھئے ص ۱۸، ۱۹)

۴- بروایت خاندان سجاد کے اہم فرد سید محمد شرف صاحب متولی صفری وقف اسٹیٹ بہار شریف و سرپرست مدرسہ عزیز بہار شریف۔

صاحبزادے (جن کا نام معلوم نہیں ہے) کی نسل یہاں پھیلی پھولی، انہی کی اولاد میں سید فرید الدین پیدا ہوئے، سید فرید الدین صاحب بڑے زمیندار تھے، تقریباً پانچ سو بیگھہ زمین کے مالک تھے، ان کے چار لڑکے ہوئے:

(۱) مولوی سید حسین بخش^۱

(۲) سید مخدوم بخش

(۳) سید افضل الدین^۲

(۴) سید یوسف علی^۳

مولوی سید حسین بخش اور سید یوسف علی صاحب دونوں آپس میں ہم زلف تھے، یہ دونوں جناب سید داؤد علی صاحب کے داماد تھے جو پنہسہ کے رہنے والے تھے، جیسا کہ ۱۸۹۳ء کے ایک وثیقہ سے معلوم ہوتا ہے، اور وثیقہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سید حسین بخش کی بیوی کا نام بی بی بصیر النساء عرف بصیرن، اور سید یوسف علی کی زوجہ کا نام نصیر النساء عرف نصیرن تھا۔

ان بھائیوں کی حویلی تقریباً ڈیڑھ بیگھہ رقبہ پر مشتمل تھی، یہ حویلی مٹی کی موٹی موٹی دیواروں سے بنی ہوئی تھی، اس میں چھتیس کمرے تھے، ایک ہال نما دالان تھا، پورب جانب بڑا تالاب تھا^۴، جو آج بھی موجود ہے، البتہ وہ بڑی سی حویلی اب باقی نہیں ہے، وارثوں میں تقسیم ہو کر اس کا نقشہ بدل چکا ہے، اور مٹی کے مکانات کی جگہ پختہ مکانات بن گئے ہیں۔

چاروں بھائیوں میں مشترکہ زمین تقریباً پانچ سو بیگھہ بیگھہ تھی، تقسیم کے بعد ہر ایک کے حصے میں قریب سو سو بیگھہ زمین آئی۔

۱- سید مخدوم بخش صاحب کے ایک صاحبزادے تھے، جن کا نام مولانا سید ظہیر الدین تھا، ان سے ایک لڑکی اور تین لڑکے پیدا ہوئے، لڑکوں کے نام ہیں: (۱) انوار الحق (۲) ابونصر (۳) عبدالفتاح، اور لڑکی کا نام ہے: رضیہ (تذکرہ ابوالمحسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۳۳) ان میں سید ابونصر صاحب کے صاحبزادہ جناب سید محمد شرف صاحب سے اس حقیر کی ملاقات۔ جسے اور پھر دہلی میں ہوئی ہے، خاندانی روایات و اقوال کے امین ہیں، سیاسی شعور پختہ ہے، آج کل صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف کے متولی اور مدرسہ عزیز بہار شریف کے سرپرست ہیں۔

۲- سید افضل الدین کے ایک لڑکے تھے، جن کا نام عزیز احمد تھا، عزیز احمد کی دوشادیاں ہوئیں، پہلے محل سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام بی بی آمنہ تھا، دوسرے محل سے دولہ کے تھے (۱) محمد مختار (۲) شمس الہدیٰ (تذکرہ ابوالمحسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۳۳)

۳- سید یوسف علی کے ایک صاحبزادے تھے سید ابوالحسن، ان کو ایک بیٹی ہوئی، ان کا نام بی بی زیتون تھا، بی بی زیتون کو ایک بیٹا - سید ظہیر حسین اور ایک بیٹی مہر النساء - ہوئی، یہ حضرات پاکستان منتقل ہو گئے، پاکستان میں ان کی نسل خوب آباد و شاد ہے (تذکرہ ابوالمحسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۳۵ بروایت سید ابوشکر، مقام: سید پور کٹہ، یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن محمد سجاد کے چچا زاد بھائی سید ابوالحسن کی اکلوتی بیٹی زیتون کی پوتی سیدہ شاکرہ بنت سید ظہیر حسین کے شوہر ہیں)

۴- تذکرہ ابوالمحسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۲۰، ۱۹ بروایت سید محمد شرف صاحب۔

مولوی سید حسین بخش اور سید یوسف علی ہم زلف تھے، یہ دونوں جناب سید داؤد علی صاحب کے داماد تھے، سید داؤد علی صاحب کی بڑی صاحبزادی بی بی نصیر (نصیر النساء) سے مولوی سید حسین بخش کی اور دوسری صاحبزادی بی بی بصیر (بصیر النساء) سے سید یوسف علی کی شادی ہوئی، سید داؤد علی صاحب غالباً استھاواں کی طرف کے رہنے والے تھے، کیونکہ عام طور پر جازنیری سادات کے گھرانے کی شادیاں آپس میں سید احمد جازنیری کے علاقے بارہ گاواں یا سید محمد جاجیرائی کے خطے استھاواں وغیرہ میں ہوتی تھیں۔

ان چاروں بھائیوں کی اکثر اولاد پنجسہ اور بہار شریف میں آباد ہیں، کچھ لوگ پاکستان، امریکہ، نندن وغیرہ کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبہ جھارکھنڈ وغیرہ میں بھی مقیم ہیں۔^۱ مولوی سید حسین بخش کے دو لڑکے ہوئے:

(۱) بڑے صوفی احمد سجاد

(۲) چھوٹے مولانا ابوالحسن محمد سجاد۔

اور تین لڑکیاں ہوئیں:

(۱) بڑی بیٹی کا نام معلوم نہیں، ان کی شادی پنجسہ ہی میں ہوئی تھی اور صاحب اولاد بھی ہوئیں۔
(۲) دوسری بیٹی کا نام صغریٰ تھا، ان کی شادی بھی پنجسہ ہی میں جناب محمد خلیل سے ہوئی، صاحب اولاد تھیں، ان کو چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہوئیں، محمد خلیل شرقی پاکستان چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔

(۳) تیسری بیٹی کا نام رابعہ تھا ان کی شادی اوگانواں میں محمد نور الدین سے ہوئی، ان کو ایک لڑکا ہوا جو بچپن ہی میں انتقال کر گیا، یہ پنجسہ میں اپنے والد کی حویلی میں رہتی تھیں۔^۲

فی الحال حضرت مولانا محمد سجاد کے والد اور چچاؤں کی نسل سے سادات کے تقریباً تیس گھر پنجسہ میں موجود ہیں، ان کے علاوہ شیوخ اور دیگر خاندانوں کے ستر مسلم گھرانے بھی آباد ہیں۔^۳

۱- تذکرہ ابوالحسن مضمون ذاکر خلیل احمد ندوی ص ۲۱، ۲۰ بروایت سید ابوشمر صاحب۔

۲- تذکرہ ابوالحسن مضمون ذاکر خلیل احمد ندوی ص ۲۲، ۲۱- یہ معلومات موصوفی اور نام محمد سجاد کی نوادی ٹرسٹ بانو صاحبہ (مقام: ذاکر ذاکر حسین روڈ ۸۸۳ ضلع چترالی ہائیڈرو پاور کھنڈ) سے سیدہ بنت مزین النساء زوجہ اولیٰ مولانا محمد سجاد سے حاصل ہوئیں۔

۳- تذکرہ ابوالحسن مضمون مولانا خلیل احمد ندوی ص ۲۱۔

حضرت مولانا محمد سجاد کے ہم وطن حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ارقطر از ہیں:

”صوبہ بہار میں قصبہ بہار اور گیا کے درمیان کا علاقہ چندوں کے عہد میں بودھوں اور جینیوں کی یادگاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اسی راستہ میں چند میل آگے بڑھ کر بودھوں کی مشہور درساگاہ نالندہ کے آثار اور کھنڈر ہیں اسی سے ملا ہوا ”پنہسہ“ نامی مسلمانوں کا ایک گاؤں ہے۔ جہاں سادات کے کچھ گھرانے آباد ہیں۔ انہیں میں سے ایک گھر میں مولانا سجاد کی ولادت ہوئی۔“ ۲

آپ کا خاندان دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے ممتاز تھا، خوشحال لوگ تھے، اچھی خاصی زمینداری تھی، جو بعد میں مولانا سجاد کی زندگی کے آخری دور میں بے توجہی اور مالگنداری وغیرہ کی

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی شخصیت ممتاز تعارف نہیں ہے، آپ کی پیدائش ضلع پٹنہ کے ایک قصبہ دیس میں ۳۳ ستمبر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۶ء ہوئی، جو سادات کی بستی ہے، ان کے والد حکیم سید ابوالحسن صاحب ایک صوفی بزرگ انسان تھے، آپ داویہال اور نیپال دونوں جانب سے سید ہیں، باپ کی طرف سے رضوی اور ماں کی طرف سے زیدی ہیں، آپ کا نسب نامہ سنیستیں (۳۷) واسطوں سے حضرت ام مہسنؓ تک پہنچتا ہے، (پورا نسب نامہ حیات سلیمان مآخذ شاہ معین الدین احمد ندوی میں ملاحظہ کریں)۔

تعلیم کا آغاز خلیفہ انور علی اور مولوی مقصود علی سے کیا، اپنے بڑے بھائی حکیم سید ابوصیب سے بھی تعلیم حاصل کی، ۱۸۹۸ء، (۱۳۱۶ھ) میں پھلواری شریف جاکر مولانا شاہ محمد علی الدین پھلواری اور شاہ سلیمان پھلواری سے وابستہ ہو گئے، خاندانہ تعلیم میں حضرت شاہ محمد الدین سے ہدایہ اور مولانا عبدالرحمن کا کوئی سے شریعت تہذیب پڑھی، ایک سال کے بعد ۱۸۹۹ء، (۱۳۱۷ھ) اور بنگلہ مدرسہ اداویہ میں داخل ہوئے، ۱۹۰۱ء، (۱۳۱۹ھ) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، اور سات سال تک وہاں تعلیم حاصل کی، ۱۹۰۷ء میں ندوہ سے فراغت حاصل کی، ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک رسالہ الندوہ کے وقوف وقفہ سے سب ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی انشاء کے معلم مقرر ہوئے، ۱۹۱۳ء میں دکن کالج پونا میں معلم الدین مشرقیہ مقرر ہوئے، ۱۹۲۰ء میں ملی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند عطا کی گئی۔

روحانی تعلیم حضرت حکیم امیر مولانا محمد اشرف علی تھانوی سے حاصل کی اور آپ کے مجاز ہوئے۔ اپنے عہد کے انتہائی بلند قامت اور مت زلمہ، میں تھے، ہندوستان کے چند گئے چنے علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا، مورخ، ادیب اور نیرت نگار کی حیثیت سے آپ کا پیہ بے حد بلند تھا، خلافت تحریک، جمعیۃ علماء ہند اور بہت سی تحریکوں کی قیادت کی، کئی بڑی کانفرنسوں کی صدارت فرمائی، بیرون ملک وفود میں شرکت و قیادت کی۔

تقسیم ہند کے بعد جون ۱۹۵۰ء میں ساری ملک ہندوستان میں پھوڑ کر پاکستان ہجرت کر گئے، اور کراچی میں مقیم ہوئے، یہاں بھی مذہبی و ملی مشاغل جاری رکھے، حکومت پاکستان کی طرف سے ”تعلیمات اسلامی بورڈ“ کے صدر مقرر ہوئے، انہجرت (۶۹) سال کی عمر میں کراچی میں ہی ۲۳ نومبر ۱۹۵۳ء، (۱۶ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ) کو انتقال فرمایا، جنازہ نیوٹاؤن کی جامع مسجد کے سامنے میدان میں ادا کیا گیا، حضرت ذی کمر عیدالہی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، مثلاً: علامہ شبلی نعمانی نے ۱۹۰۳ء میں ہیرت النبی لکھنا شروع کیا تھا لیکن ابھی وہ دو جلدیں ہی لکھ پائے تھے کہ ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء کو انتقال کر گئے، اس کی باقی چار جلدیں آپ نے مکمل کیں۔ عرب و ہند کے تعلقات۔ حیات شبلی۔ رحمت عالم۔ نقوش سلیمان۔ حیات امیر ماکت۔ اہل السنۃ والجماعۃ۔ یاد فرنگان۔ میرت عاصم۔ سیر افغانستان۔ مقالات سلیمان۔ خیام۔ دروس اردب۔ خطبات مدراس۔ ارض القرآن۔ ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں۔ بہانیت اور اسلام وغیرہ۔

(ماخوذ از حیات سلیمان از مولانا شاہ معین الدین ندوی، ناشر دارالمصنفین، مظہر گڑھ، ۲۰۱۱ء، کل صفحات ۷۷۷)

۲۔ محاسن ۳۷ صفحہ ۳۷ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

عدم ادائیگی کے سبب نیلام ہو گئی۔^۱

ضیافت و خوش خلقی کی روایات آج بھی اس خاندان میں موجود ہیں، لوگوں کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں، علم دین کی جگہ علم دنیا نے غلبہ پایا ہے، لیکن خاندانی نجابت و شرافت، مہمان نوازی، مسافروں کی خدمت، وضع داری اور قرابتوں اور نسبتوں کی پاسداری خاندان کے ایک ایک فرد میں موجود ہے، تعلقات کی وسعت اور دنیوی خوشحالی کے باوجود عزت سادات بھی گروہ آلود نہیں ہوئی ہے، یوں بھی یہ پورا علاقہ مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین احمد مکی منیری (بہار شریف - ولادت: شعبان ۶۶۱ھ مطابق جون ۱۲۶۳ء - وفات: شوال ۸۲ھ مطابق جنوری ۱۳۸۱ء) اور بہت سے اولیاء اللہ کے فیوض عالیہ سے مالا مال ہے، اور ان کے روحانی اور معنوی اثرات پورے خطے میں واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں۔^۲



۱- محسن سجاد ص ۲۲ مضمون مولانا محمد اصف حسین بہارقی: حیات سجاد ص ۱۷ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمہ فی۔

۲- مجھے بہار شریف، نالندہ اور جلیہ ایک سے زائد بار جانے کا اتفاق ہوا ہے، ایک مرتبہ ”مہرہ“ جانے کا بھی شرف حاصل ہوا ہے، اس لئے میرے یہ تاثرات شنیدہ نہیں، یہ ہوتے ہیں۔

شخصی حالات

(۲)

دوسرا باب

ولادت سے
تعلیم و تربیت تک

فصل اوّل

ولادت باسعادت

نالندہ سے دو کلو میٹر دور تاریخی بستی پمبہ (Panhassa) میں مولوی سید حسین بخش صاحب کے گھر میں حضرت مولانا محمد سجاد کی ولادت باسعادت صفر ۱۲۹۹ھ مطابق دسمبر ۱۸۸۱ء میں ہوئی، بعض حضرات نے تاریخ ولادت صفر ۱۳۰۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۸۳ء نقل کی ہے،^۲ لیکن تاریخی اصول پر پہلا قول زیادہ لائق ترجیح ہے۔^۳

۱۔ محاسن سجاد ص ۳ (مضمون مولانا عبدالکلیم اوکاڑوی) ص ۹ (مضمون مولانا زکریا فاضل ندوی مدیر الہدال) مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی مصلوہ کتب خانہ عزیز یہ اردو بازار دہلی، اپریل ۱۹۴۱ء۔

یہ حضرت مولانا سجاد کی شخصیت اور خدمات پر تاریخی ترتیب پر دوہری کتاب ہے جو آپ کی وفات کے بعد ایک سال کے اندر شائع ہوئی، یہ ہندوستان کی کئی اہم اور ممتاز شخصیات کے مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے، مثلاً حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا حافظ عبدالکلیم ختم مدرسہ انوار العلوم گیا، مولانا زکریا صاحب فاضل ندوی مدیر الہدال، مولانا اصغر حسین صاحب نائب پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مولانا کلیم قاری یوسف حسن صاحب بہار شریف، علامہ سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر سید محمود ساقی وزیر تعلیم بہار، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید محمد تقی صاحب، علامہ راجب احسن صاحب سیکریٹری کلکتہ مسلم لیگ، جناب شمس ہاشمی صاحب اور امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مولانا محمد مسیح امجد صاحب نے کتب خانہ عزیز یہ اردو بازار دہلی سے شائع کی اور غالباً دوبارہ شائع نہیں ہوئی، اب عام طور پر دستیاب نہیں ہے، خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کا نسخہ موجود ہے، اور نیشنل ڈاٹ کام پر بھی دستیاب ہے۔

۲۔ حیات سجاد ص ۸ مرتبہ حضرت مولانا عبدالعصمد رحمانی، مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی، ناشر: مکتبہ امارت شریعہ پھولاری شریف پٹنہ، پرنٹر برقی مشین پریس مراد پور بائو پور پٹنہ، اکتوبر ۱۹۴۱ء۔ یہ کتاب مکتبہ امارت شریعہ پٹنہ سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی، اس میں بھی ملک کے ممتاز اہل قلم کے نگارشات شامل ہیں، مثلاً حضرت مولانا عبدالعصمد رحمانی، مولانا سید منت اللہ رحمانی، علامہ مناظر احسن گیلانی، حضرت امیر شریعت غانی مولانا شاہ محمد الدین قادری پھلواری، شیخ ابوظہر فرودینی، قاضی سید احمد حسین سابق ایم ایل سی، علامہ سید سلیمان ندوی، میر محمد یونس سابق وزیر اعظم حکومت بہار، شاہ سید حسن آرزو پٹنہ، مہمان الہندہ مولانا احمد سعید دہلوی نائب صدر جمعیت علماء ہند، حافظ محمد غانی صاحب، شیخ عدالت حسین، مولانا سید محمد عثمان مئی ناظم امارت شریعہ، مولانا حفظ الرحمن سیوہادی، مولانا محمد امین سورت کھنرات، اور سید محمد شعیب نیر پھلواری وغیرہ۔ یہ کتاب بھی اب عام طور پر دستیاب نہیں ہے، راقم الخروف کے پاس اس کی فوٹو کاپی موجود ہے۔

۳۔ دراصل ۱۲۹۹ھ وہی روایت مولانا سجاد پر شائع ہونے والی کتاب ”محاسن سجاد“ میں موجود ہے، جس کو دو معتبر اور حضرت مولانا سجاد کے انتہائی قریب ترین اصحاب تمام مولانا حافظ عبدالکلیم صاحب اوکاڑوی، مدرسہ انوار العلوم گیا (ص ۳) اور مولانا زکریا فاضل ندوی صاحب مدیر الہدال (ص ۹) نے نقل کیا ہے، جن سے حضرت مولانا سجاد کے گھر میں اور وطنی روابط تھے، مولانا کے گھر ان حضرات کی آمد و رفت بھی تھی، جبکہ ۱۳۰۱ھ کی روایت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی نے نقل کی ہے جو مولانا عبدالعصمد رحمانی کی مرتب کردہ کتاب ”حیات سجاد“ میں موجود ہے، مولانا منت اللہ رحمانی بھی بلاشبہ حضرت مولانا سجاد کے خاص مقررین میں تھے، لیکن مذکورہ بالا بزرگوں کے برابر نہیں، عداۃ ملاقاتی اور خانگی رابطہ بھی ان کو حاصل نہیں تھا، یہاں تک کہ حضرت مولانا کی حیات میں ان کو کبھی حضرت مولانا سجاد کے آبائی گاؤں ”پمبہ“ جانے کا بھی اتفاق نہیں ہوا (دیکھئے حیات سجاد ص ۱۹) ان وجوہات سے مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کی روایت (۱۲۹۹ھ) زیادہ قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

اسم گرامی محمد سجاد رکھا گیا اور کنیت ابوالحسن تھی۔^۱
 آپ کے دادا کا نام سید فرید الدین، نانا کا نام سید داؤد علی اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی نصیرن
 (نصیر النساء) تھا۔

والد ماجد

مولانا محمد سجاد کے والد ماجد مولوی حسین بخش صاحب انتہائی دیندار متقی اور صوفیانہ مشرب
 کے حامل تھے، ریاست، وجاہت، اور اخلاقی بلندی وراثتاً اپنے والد گرامی سید فرید الدین صاحب
 سے ملی تھی، پورے خطہ میں آپ تقدس مآب نظروں سے دیکھے جاتے تھے، انہوں نے عربی کی تعلیم
 حاصل کی تھی، لیکن تعلیم مکمل نہ کر سکے، کچھ دنوں باہر درس و تدریس کا مشغلہ رکھا، پھر اپنے آبائی
 گاؤں پنہسہ چلے آئے اور آبائی ذریعہ معاش کاشتکاری و زمینداری میں مشغول ہو گئے، زمینداری
 کے عداوہ کچھ ٹھیکہ داری کا کام بھی کر لیتے تھے، ساری زندگی یہی مشغلہ رہا۔^۲

بڑے وسیع الاخلاق اور مہمان نواز تھے، گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہتا تھا، راجگیر جانے
 آنے والے لوگ کم از کم ایک وقت ضرور آپ کے مہمان ہوتے، اس طرح اس گھر کی شہرت دور دور
 تک پہنچ گئی تھی، آپ کا انتقال ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں ہوا۔^۳



۱۔ معصوم نہیں کہ یہ کنیت کس نے رکھی، لیکن بقول حضرت مولانا سید محمد رحمانی ”یہ کنیت گویا الہامی تھی، جو محمد سجاد کے مستقبل پر پوری
 سادق آئی“ (حیات سجاد ص ۸)

۲۔ حیات سجاد ص ۸ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۳۔ حیات سجاد ص ۸ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

فصل دوم

تعلیم و تربیت

حضرت مولانا سجادؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر میں ہوئی، ابتداءً ایک مولوی صاحب کے ذریعہ بسم اللہ کرائی گئی، کچھ تعلیم والد ماجد مولوی حسین بخش صاحب سے بھی حاصل کی، ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۶ء والد بزرگوار کے انتقال کے بعد کچھ دنوں اپنے بڑے بھائی مصوفی احمد سجادؒ کے زیر تربیت رہے۔

مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ

قرآن مجید اور اردو فارسی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد عربی تعلیم کے لئے برادر بزرگوار نے (غالباً شوال) ۱۳۱۰ھ مطابق (اپریل) ۱۸۹۳ء میں مدرسہ اسلامیہ بہار شریف (محلہ قمرالدین گنج) میں داخلہ کرا دیا، جو وقف نامہ پر درج تاریخ کے مطابق ایک سال قبل ۱۸۹۲ء میں بی بی جبین وقف اسٹیٹ کے زیر کفالت قائم کیا گیا تھا، جو بعد میں پورے خطہ کے لئے ایک مرکزی ادارہ بن گیا، اس کے بانی اور ناظم حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب (متوفی ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء) ساکن موضع استھانواں (ضلع پٹنہ) مولانا سجاد صاحب کے رشتہ میں بہنوئی ہوتے تھے، حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب کی اہلیہ محترمہ مولانا سجادؒ کی چچا زاد بہن تھیں۔^۲

۱- جناب سید محمد شرف صاحب موجودہ متولی بی بی صفیہ وقف اسٹیٹ بہار شریف کا بیان یہ ہے کہ وہ ثقہ وقف پر ۱۸۹۲ء کی تاریخ درج ہے، اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ مدرسہ اسی سال قائم ہوا تھا، لیکن یہ بھی امکان ہے کہ مولانا سید وحید الحق صاحب نے اپنے طور پر مدرسہ پہلے ہی قائم کیا ہو اور وقف کی یہ جائیداد بعد میں حاصل ہوئی ہو، وثیقہ کی تاریخ زمین کی رجسٹری کی تاریخ ہوتی ہے، قیام مدرسہ کی تاریخ سے اس کا تعلق نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ پہلے ہی سے قائم رہا ہوگا اس لئے کہ بانی مدرسہ مولانا سید وحید الحق صاحب استھانوی کا وصال ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوا ہے، اور اس مدرسہ نے حضرت استھانوی کی حیات میں تعلیم و تربیت کے میدان میں جو مثالی شہرت و نیک نامی حاصل کی وہ عام حالات میں اس مختصری (پانچ چھ سال کی) مدت میں مستبعد معلوم ہوتا ہے، جبکہ اسی علاقے کے نامور مورخ علامہ سید سلیمان ندوی نے جس انداز سے مولانا سید وحید الحق استھانوی اور مدرسہ اسلامیہ کی انقلابی تعلیمی خدمات کا ذکر کیا ہے، جس کا اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت استھانوی کی حیات میں اس مدرسہ کا تعلیمی و تدریسی سفر نصف صدی سے بھی تجاوز کر رہا ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

۲- محاسن سجادؒ ص ۹، ۱۰ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی مدیر الہلال، حیات سجادؒ مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۸۔

حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ کے زیر سایہ

اس مدرسہ میں آپ کے بڑے بھائی صوفی احمد سجاد صاحبؒ پہلے ہی سے زیر تعلیم تھے، اپنے بھائی کے ساتھ مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی حضرت استھانویؒ کے زیر سایہ پہنچ گئے۔ حضرت مولانا سید وحید الحق صاحبؒ اس وقت بہار کے علماء میں امتیازی شان کے حامل تھے اور اپنی تعلیمی و تربیتی انفرادیت کے لئے مشہور تھے، انہوں نے اس وقت بہار کے تعلیمی ماحول میں ایک نئی روح چھونکنے کی کوشش کی، اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے پہلے آ رہ میں مدرسہ فخر المدارس اور پھر بہار شریف میں مدرسہ اسلامیہ قائم فرمایا، تعلیم و تدریس اور افراد سازی ان کی زندگی بھر کا مشن تھا، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

”تیرھویں صدی کے شروع میں صوبہ بہار میں مولانا وحید الحق صاحب استھانوی بہاری کے دم قدم سے علم کو نئی رونق حاصل ہوئی۔ قصیدہ بہار میں انہوں نے مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور بہت سے عزیزوں کی تربیت کی۔ ان میں سے ایک مولانا سجاد بھی تھے۔“

مولانا عبد الوہاب فاضل بہاریؒ سے تلمذ

حضرت مولانا عبد الوہابؒ کی شخصیت بھی اس دیار میں تعلیمی نسبت سے کافی ممتاز اور ان کا علمی پایہ بے انتہا بلند تھا، پورے ملک میں آپ کی علمی صلاحیت کی دھوم تھی، بڑے بڑے اداروں نے آپ سے استفادہ کیا تھا، وہ بہار شریف ہی کے ایک گاؤں (سریندہ) کے رہنے والے تھے۔

حضرت مولانا سجادؒ کے تمیز ارشد اور معتمد خاص مولانا عبد الحکیم صاحب اوگانویؒ سابق مہتمم مدرسہ انوار العلوم گیا (بہار) نے حضرت مولانا عبد الوہاب فاضل بہاریؒ (متوفی ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء) بانی مدرسہ انوار العلوم گیا کو آپ کے اس دور کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔^۲

مولانا عبد الحکیم صاحب کی اس بات میں بظاہر کوئی استبعاد نظر نہیں آتا، لیکن محسن سجادؒ کے

۱- محسن سجادؒ نے ۳

۲- محسن سجادؒ نے ۳

مرتب مولانا مسعود عالم ندوی صاحب^۱ نے باضابطہ استفادہ کے بارے میں لکھا ہے کہ دوسرے ذرائع سے اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔^۲

شاید مولانا مسعود عالم ندوی کو اس خبر پر حیرت اس لئے ہوئی کہ مولانا عبدالوہاب بہاری نے (مدرسہ انوار العلوم گیا سے قبل) بہار میں تدریسی خدمات انجام نہیں دی تھیں، بلکہ وہ اکثر بہار سے باہر مصروف تدریس رہے تو پھر مولانا سجاد نے ان سے کہاں پڑھا ہوگا؟ ان کی گیا تشریف آوری تک مولانا سجاد فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔

لیکن میرے نزدیک اس میں حیرت کی بات اس لئے نہیں ہے کہ مولانا محمد سجاد کے والد ایک فیاض دل اور صوفی مزاج زمیندار تھے، ان کی مہمان نوازی پورے علاقے میں ضرب المثل تھی، ایک زمانہ تک خود درس و تدریس سے بھی ان کی وابستگی رہ چکی تھی، ان حالات میں قرین قیاس یہ ہے کہ مولانا عبدالوہاب سے بھی ان کے مراسم ضرور رہے ہونگے، اور ان مراسم کی بنیاد پر اگر مولانا سجاد نے ان کے گھر جا کر علمی استفادہ کیا ہو، یا خود مولانا عبدالوہاب نے ان پر عنایت کی ہو، تو اس کو مان لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے، وہ بھی جب کہ ایک ثقہ راوی کے ذریعہ براہ راست یہ خبر مل رہی ہو۔

حضرت مولانا سجاد کے ایک اور تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ طبع آبادی نے بھی مولانا سجاد

۱- مولانا مسعود عالم ندوی، بن مولانا حکیم سید عبدالشکور اوگانوی، ملک کے ممتاز عالم دین اور عربی زبان کے ممتاز اور معروف ادیب تھے، جنہوں نے عربوں سے اپنی عربی دانائی کا لوہا منوایا، ملک سے بیرون ملک تک شہرت حاصل کی، اوگانواں (بہار شریف) میں ۱۹۰۸ء یا ۱۹۱۰ء (۱۳۲۸ھ) میں ان کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم بہار شریف میں اپنے والد سے حاصل کی، کچھ دنوں ایک اسکول میں بھی پڑھا، اس کے بعد مدرسہ عزیز یہ بہار شریف میں داخلہ لیا، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء جا کر دو سال میں عربی ادب کی تکمیل کی، فراغت کے بعد وہاں سے تھکنہ والے عربی جملہ مضامین کے مدیر مقرر ہوئے، اور اس کے ذریعہ عالم عربی میں اپنی شناخت قائم کی، چار سال کے بعد محلہ بندہ ہو گیا تو مدرس کی حیثیت سے ندوہ میں کام کرتے رہے پھر ۱۹۳۷ء میں خدائے لاہری پرنسپل پنڈت میں مخطوطات کے مرتب فہرست کی حیثیت سے چلے آئے اور انگریزی میں عربی و فارسی مخطوطات کی کئی جلدیں مرتب کیں، یہیں جماعت اسلامی سے تعلق پیدا ہوا، ۱۹۴۲ء میں عالم عربی میں جماعت اسلامی کے تعارف اور ایک عربی مجلہ کی اشاعت کی غرض سے پنچاکوٹ اور راولپنڈی میں اقامت اختیار کی، راولپنڈی میں اس مقصد کے لئے دارالعلوم بہ لدنوۃ الاسلامیہ قائم کیا اور تقریباً دس سال اس ادارہ کی خدمت کی، ۱۹۴۹ء میں جماعت کے تعارف کے لئے عالم عربی کا سفر کیا، اور عراق کے مختلف شہروں، کربلا، اور مجدو حجاز کی میر کی، مارچ ۱۹۵۳ء (۱۳۷۱ھ) میں کراچی ایک اجلاس میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے تھے کہ وہیں چوالیس (۴۴) سال کی عمر میں وفات پائی اور قبرستان سوداگراں کراچی میں آسودۂ خاک ہوئے۔ بیسیوں کتابیں اور پچاسوں مقالات اردو اور عربی میں یا نگار چھوڑیں۔ انگریزی پر بھی قدرت حاصل تھی، نیز جرمن زبان سے بھی کچھ شاعری تھی۔ (تفصیل کے لئے مقالہ فرمائیں: ماہنامہ چراغ راہ کراچی کا ”مسعود عالم ندوی نمبر مئی ۱۹۵۵ء“ صفحہ ۱۸۷) انگریز عبد الحمید فاضل کی کتاب ”مولانا مسعود عالم ندوی حیات اور کارنامے نمایاں ہوئے“ مولانا طلحہ نعمت ندوی کا عربی رسالہ ”الاستاذ مسعود عالم الدہوی“

کے اساتذہ میں مولانا عبدالوہابؒ کا ذکر کیا ہے۔ "واللہ اعلم بالصواب"

حضرت مولانا محمد مبارک کریمؒ سے تلمذ

اسی زمانے میں بہار کے مشہور عالم مولانا ابو نعیم محمد مبارک کریم صاحب (سپرٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز بہار) بھی مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں اونچی جماعت میں زیر تعلیم تھے، اس زمانہ کے دستور کے مطابق استاذ محترم کے حکم پر مولانا محمد سجادؒ نے بعض ابتدائی کتابیں ان سے بھی پڑھیں۔^۱ محاسن سجاد کے مرتب مولانا مسعود عالم ندوی صاحبؒ نے مولانا مبارک کریم صاحبؒ کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

”مولانا محمد سجادؒ نے متوسطات تک کی کتابیں مجھ سے پڑھی تھیں۔“^۲

لیکن میرے خیال میں ابتدائی جماعتوں میں پڑھنے والے بات ہی زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کا معیار تعلیم گو کہ اس وقت متوسطات (شرح وقایہ، جلالین شریف، قطبی میر قطبی وغیرہ) تک تھا^۳ اور مولانا مبارک کریم صاحب وغیرہ یہ نصاب پورا کر کے کانپور گئے ہونگے، لیکن مولانا محمد سجادؒ وہاں متوسطات تک پہنچنے کا موقعہ نہیں مل سکا تھا اس لئے کہ وہ انہی حضرات کے ساتھ کانپور روانہ ہو گئے تھے، ممکن ہے کہ کانپور میں بھی کچھ استفادہ کیا ہو، مولانا مسعود عالم ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

”دوسرے جاننے والے اس کی تائید نہیں کرتے، ممکن ہے انہیں اس کا علم نہ ہوا ہو۔“^۴

۱- حیات سجاد مصنفہ: مولانا عظمت اللہ طبع آبادی ص ۲، یہ کتابچہ مولانا عبدالعظیم صدیقی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند کے حسب ارشاد انصاری برقی پریس دہلی سے طبع ہوا۔ اس رسالہ کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ پر لکھی جانے والی دستیاب تحریرات میں یہ سب سے قدیم ترین تحریر ہے، یہ پہلے مضمون کی صورت میں حضرت مولانا سجادؒ کے وصال کے فوراً بعد اخبار ”مدینہ“ میں شائع ہوا تھا، بعد میں اس کو کتابی شکل دی گئی، مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب محاسن سجاد اس کے بعد شائع ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ محاسن سجاد میں مولانا عبدالعظیم اوکاڑوی کے مضمون میں اس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے (محاسن سجاد ص ۳۴) یہ کتاب جامعہ رحمانی موگیر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۰ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی مدبر الہدال، واضح رہے کہ مولانا زکریا فاطمی صاحب کا یہ مضمون دراصل خود مولانا مبارک کریم صاحب ہی کا تحریر کردہ ہے، مولانا زکریا فاطمی صاحب نے انہی معلومات اور مواد کوئی شکل عطا کی ہے، جس کی وضاحت خود فاطمی صاحب نے مضمون کے اوپر اپنے مختصر سے نوٹس میں کی ہے (محاسن سجاد ص ۵) اس کا مطلب ہے کہ مولانا مبارک کریم سے ابتدائی کتابیں پڑھنے والی بات (جو اوپر نقل کی گئی) ہی زیادہ درست ہے، اس لئے کہ یہ خود مولانا مبارک کریم کی تحریر پر مبنی ہے، اس لئے مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے مقدمہ کتاب میں مضمون نگاروں کے تعارف کے ضمن میں مولانا مبارک کریم صاحبؒ کی زبانی مولانا سجاد صاحبؒ کے متوسطات تک پڑھنے کا جو ذکر کیا ہے وہ ہر دو نسیان سے خالی نہیں ہے (محاسن سجاد ص ۱)

۳- محاسن سجاد ص ۱

۴- محاسن سجاد ص ۱۹ مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۵- محاسن سجاد ص ۱۔ مولانا زکریا فاطمیؒ اور کئی حضراتؒ کو مولانا مبارک کریم صاحبؒ سے مولانا سجادؒ کے استفادہ کی بات مضمون نگار (محاسن سجاد ص ۱۰)

حصول تعلیم کے لئے کانپور کا سفر

بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت مولانا سجاد کو آغاز تعلیم میں پڑھنے کی طرف رجحان کم تھا، اور کھیل کود کا شوق زیادہ تھا، (جس کی تائید ان کے آغاز تعلیم سے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف تک پہنچنے کے دورانیہ سے بھی ہوتی ہے) مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں بھی ان کا یہی حال تھا، جس کا مولانا محمد سجاد کے گھروالوں کو بے حد رنج تھا، اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا سید وحید الحق استھانوی کو بھی اس کا ملال رہا ہوگا، چند سال کا عرصہ اسی طرح گزرا، اور اسی فرار و قرار میں مولانا محمد سجاد نے بمشکل عربی کی ابتدائی کتابوں کے اسباق مکمل کئے، ادھر حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب پران دنوں ضعف کا غلبہ تھا اور صحت خراب رہنے لگی تھی، دوسری طرف مولانا مبارک کریم اور صوفی احمد سجاد وغیرہ کی تعلیم وہاں کے معیار کے مطابق مکمل ہو رہی تھی، اور یہ حضرات اس سے اوپر کی تعلیم کے لئے کانپور کی طرف پا بہ رکاب تھے، چنانچہ حضرت استھانوی کی اجازت سے انہی حضرات کے ہمراہ مولانا محمد سجاد بھی کانپور کے لئے روانہ ہو گئے۔^۲

یہ غالباً شوال المکرم ۱۳۱۳ھ مطابق مارچ ۱۸۹۷ء کی بات ہے جب مولانا سجاد صاحب کی عمر قریب پندرہ سال کی ہو گئی تھی۔^۳

دارالعلوم کانپور میں داخلہ

یہ حضرات کانپور میں استاذ الکل امام العقول والمعتقل حضرت مولانا سید احمد حسن کانپوری کے مدرسہ میں داخل ہوئے، البتہ یہاں کسی تذکرہ نگار نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ ان حضرات نے مولانا احمد حسن کانپوری سے کس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی؟ حضرت مولانا احمد حسن کانپوری ایک لمبے عرصہ تک مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرس اول رہے ہیں، پھر وہاں سے نکل کر دارالعلوم کانپور کے بھی بانی اور مدرس اول ہوئے، مدرسہ احسن المدارس کانپور بھی آپ ہی کا قائم کردہ ادارہ تھا وغیرہ۔

۱- اس روایت کے راوی حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب ہیں، دیکھئے: حیات سجاد ص ۹ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۰ امرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی۔ حیات سجاد مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۸۔

۳- مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ بڑے بھائی کی علالت کے سبب سے چند ماہ کے بعد ہی جب ان حضرات کی کانپور سے واپسی ہوئی اس وقت مولانا محمد سجاد کی عمر کا پندرہواں سال تھا (حیات سجاد مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۹) آپ کی تاریخ پیدائش (۱۲۹۹ھ) سے اس کو جوڑا جائے تو یہ ۱۳۱۴ھ بنتا ہے۔

تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سن (۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۷ء) میں مولانا محمد سجاد کا قافلہ کانپور حاضر ہوا تھا اس وقت حضرت مولانا کانپوریؒ کی تدریسی خدمات کا سلسلہ دارالعلوم کانپور میں جاری تھا، اس لئے یقینی طور پر ان حضرات نے دارالعلوم کانپور میں داخلہ لیا۔

دارالعلوم کانپور

تاریخی ترتیب کے اعتبار سے کانپور میں یہ اس وقت (مدرسہ فیض عام کانپور کے بعد) دوسرے نمبر کا اور معیار تعلیم اور تعداد طلبہ کے لحاظ سے پہلے نمبر کا مدرسہ تھا، اس مدرسہ کو حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ نے مدرسہ فیض عام سے علیحدگی کے بعد ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں (یا اس سے بھی قبل) مسجد رنگیان (بکر منڈی غنی سڑک) میں قائم فرمایا تھا، مسجد رنگیان ایک قدیم مسجد تھی جس کے کتبہ پر سن تعمیر ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء درج ہے، اب اس کی نئی تعمیر ہوئی ہے، اس لئے پرانے خدو خال رخصت ہو چکے ہیں۔

اس دارالعلوم کے قیام میں آپ کے ایک خاص مسترشد اور نیازمند جناب حافظ امیر الدین صاحب پیش پیش تھے، جیسا کہ وہاں سے شائع ہونے والی بعض کتابوں کے اشتہار سے اندازہ ہوتا ہے، ذمہ دار اور مدرس اول تو حضرت ہی تھے، لیکن یہ منیجر کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے اور غالباً محلہ کے متمول لوگوں میں تھے۔

دارالعلوم کانپور حضرت کانپوریؒ کی آرزوؤں اور علمی خدمات کا آخری مرکز تھا، اس مدرسہ سے بڑے بڑے علماء و فضلاء تیار ہوئے اور بہت سی علمی و تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں۔ حضرت کانپوریؒ مدرسہ فیض عام کے بعد تا حیات اسی مدرسہ سے وابستہ رہے، اور اسی مدرسہ سے متصل اپنے ذاتی مکان میں وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسجد رنگیان اب بھی قائم ہے، اس سے متصل حضرت کانپوریؒ کا وہ مکان بھی موجود ہے جس میں اب آپ کے خانوادہ کے لوگ آباد ہیں، لیکن تاریخ کے اس روشن مینار کی ایک لکیر بھی موجود نہیں ہے۔ مسجد رنگیان کی تعمیر نو کے بعد اب اس مرحوم دارالعلوم کے کھنڈرات کا بھی تصور ممکن نہیں رہا۔ میں نے کانپور کے ایک سفر میں آس پاس کے کئی سن رسیدہ اور بزرگ حضرات

۱- اس کی پوری تاریخی تحقیق میں نے اپنی کتاب ”مذکرہ حضرت آہ مظفر پوری“ (ص ۲۵۰-۲۶۰) میں پیش کی ہے، تفصیل کے لئے اسی کتاب کی طرف مراجعت کی جائے۔

سے دریافت کیا لیکن ان میں کوئی نہ دارالعلوم کو جاننے والا تھا اور نہ حضرت مولانا کانپوریؒ کو۔ رہے نام بس اللہ کا۔^۱

بھائی کی علالت کے سبب سے وطن واپسی اور فرار

اسی دارالعلوم میں غالباً ہدایۃ النحویہ کافیہ کی جماعت میں مولانا محمد سجادؒ نے داخلہ لیا، لیکن ابھی چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ بڑے بھائی صوفی احمد سجاد صاحب سخت بیمار ہو گئے، اور ان کو بھائی کے ساتھ وطن واپس جانا پڑا، وطن پہنچنے کے بعد پرانی طبیعت عود کر آئی، اور مدرسہ واپس جانے پر رضامند نہ ہوئے، یہ بڑی تشویش کی بات تھی، بڑے بھائی سوچتے تھے کہ میں بیمار ہو کر واپس چلا آیا اور تعلیم جاری نہ رکھ سکا، تو کم از کم ایک بھائی پڑھ لے، بہت سمجھایا لیکن نہیں مانے، آخر ایک دن بڑے بھائی نے سخت زجر و توبیخ کی اور مار پیٹ تک کر ڈالی، جس سے بد دل ہو کر مولانا محمد سجاد گھر چھوڑ کر غائب ہو گئے، اور ایک عرصہ تک گھر والوں کو پتہ نہیں چل سکا کہ کہاں گئے؟ جس کا صوفی سجاد صاحب کے قلب و دماغ پر گہرا اثر پڑا اور عجب نہیں کہ ان کی مجددانہ کیفیت کے نشوونما میں اس صدمہ کا بھی دخل رہا ہو۔

بہت دنوں کے بعد (غالباً آنے جانے والے طلبہ سے) معلوم ہوا کہ مولانا موصوف کانپور کے اسی مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں، جہاں سے چھوڑ کر آئے تھے، اب ان میں پڑھنے کا شوق بھی بیدار ہو گیا تھا، اور بڑی تیزی کے ساتھ تعلیمی سفر شروع کر دیا تھا، یہاں تک کہ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں ان کی متوسطات کی کتابیں سلم اور شرح جامی وغیرہ بھی شروع ہو گئیں۔^۲

یہی وہ زمانہ تھا جب بہار کے ممتاز عالم و خطیب اور شاعر و ادیب حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ (جو اقم الحروف کے جدا کبر تھے) سابق استاذ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ بہار بھی دارالعلوم کانپور میں منتہی جماعتوں میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے پاس زیر تعلیم تھے، مولانا عبدالشکور مظفر پوریؒ ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کو دارالعلوم کانپور میں داخل ہوئے، اور مشکوٰۃ کے درس کی سماعت کی، ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں درجہ فضیلت (دورہ حدیث شریف) کی تکمیل کی، اور شوال المکرم ۱۳۱۶ھ مطابق فروری ۱۸۹۹ء میں وہ فضیلت ثانیہ (دوبارہ دورہ حدیث) کے

۱- تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری ص ۲۶۹ مولانا خیر امام عادل قاسمی، مثالیہ کردہ مفتی ظہیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منورہ اشرفیہ، ۲۰۱۸ء

۲- یہ بات مولانا عبدالشکور مظفر پوری سے ان کے تلمذ کی تاریخ سے ثابت ہوتی ہے۔

لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔^۱

حضرت مولانا سید عبدالشکور آہ مظفر پوری سے تلمذ

حضرت مولانا احمد حسن کانپوری یا آپ کے تلامذہ کے جتنے تذکرے اب تک سامنے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کانپوری منتہی درجات کے علاوہ کسی درجہ کے طلبہ کو خود نہیں پڑھاتے تھے، یا تو ان کے اساتذہ انگ ہوتے تھے یا پھر منتہی درجات کے ذہین طلبہ کو ان کی تدریس پر مامور کیا جاتا تھا، اور اس عہد میں تقریباً ہر بڑے مدرسہ کا یہی دستور تھا، مولانا محمد سجاد صاحب کے ساتھ بھی یہی ہوا، ان کا درس مولانا سید عبدالشکور آہ مظفر پوری کے حوالے کر دیا گیا، مولانا عبدالشکور صاحب انتہائی ذہین طالب علم اور حضرت کانپوری کے بے حد مقرب تھے، فہم و ذکاوت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، مولانا عبدالشکور صاحب کی مصاحبت نے کیمیا کا کام کیا، مولانا سجاد کے علمی رجحان کی تبدیلی اور ذہنی انقلاب میں بھی مولانا عبدالشکور صاحب کی صحبت و توجہ کا بڑا حصہ معلوم ہوتا ہے،^۲ متوسطات کی اکثر کتابیں (سلم، شرح جامی، شرح وقایہ وغیرہ) مولانا سجاد نے مولانا عبدالشکور مظفر پوری سے پڑھیں، بلکہ کہنا چاہئے کہ طالب علمی کی وہ عمر جس میں اصل صلاحیتیں بنتی ہیں، اور طالب علمانہ زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہیں وہ مولانا عبدالشکور صاحب کے زیر صحبت گزری۔ محاسن سجاد میں اس کا ذکر موجود ہے:

حضرت مولانا محمد سجاد کے شاگرد رشید مولانا اصغر حسین صاحب بہار کی سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ کا بیان ہے کہ میں نے مدرسہ سبحانیہ الہ بادی میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کی عہد طالب علمی کا منظر دیکھا ہے، میں اسی زمانے میں قطبی پڑھ کر مدرسہ سبحانیہ حاضر ہوا تھا، اور داخلہ لینے ہی کے لئے گیا تھا مگر چانک کسی مجبوری کی وجہ سے وطن (بہار شریف) واپس آنا پڑا، اور اس وقت شرف تلمذ سے محروم رہا، یہ شرف مجھے بعد میں بہار شریف میں حاصل ہوا، اس وقت مولانا محمد سجاد صاحب گو کہ حضرت مولانا عبدالکافی الہ بادی سے منتہی کتابوں کا درس لیتے تھے، لیکن

۱۔ تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری ص ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۸، مؤلفہ اختہ امام مادل قومی، شائع کردہ مفتی فقیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منورہ اشرف، ۲۰۱۸ء

۲۔ جس کا اعتراف خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کو بھی تھا، اور مولانا سجاد صاحب نے اس کا بڑا اظہار بھی فرمایا ہے (دیکھئے: محاسن سجاد ص ۲۳)۔ مفسرین کہ حضرت مولانا سجاد کے اکثر تذکرہ نگاروں نے مولانا عبدالشکور مظفر پوری کی شخصیت کو نظر انداز کیا، اور مولانا سجاد کے اساتذہ ذکر اہم فیہرست میں ان کا نام ذکر نہیں کیا۔۔۔ یہ تاریخ کے ساتھ بھی ناانصافی ہے۔

نیچے کی جماعتوں کا درس آپ کے ذمہ تھا، اس وقت آپ کی شان یہ تھی کہ آپ تحقیقات و معلومات کے بحر ذخیر معلوم ہوتے تھے، ہر طالب علم آپ کا گرویدہ اور آپ کے طرز تدریس کا دلدادہ تھا اور کوئی نہ کوئی کتاب آپ سے پڑھنے کی آرزو رکھتا تھا، حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادی کے درس کی حیثیت ضعیف و کبرنی کی وجہ سے محض ایک تبرک کی رہ گئی تھی، ظاہر بات ہے کہ ایک طالب علم کی اس درجہ سیاق مولانا اصغر حسین صاحب کے لئے باعث حیرت تھی، مولانا اصغر حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نے اپنے اس تہذیب و استعجاب کا ذکر حضرت مولانا محمد سجاد کے سامنے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

”نہیں! وہاں (یعنی حضرت مولانا عبدالکافی کے پاس) بھی روشنی ملتی ہے علاوہ اس کے میں ایک گویہ صلاحیت پیدا کر کے پہنچا تھا، مولانا محمد عبدالشکور مظفر پوری (فی الحال مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) سے سند وغیرہ پڑھ کر کتاب فہمی کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔“

مولانا محمد سجاد کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب فہمی کی اصل صلاحیت آپ میں مولانا عبدالشکور کی تعلیم و تدریس سے پیدا ہوئی تھی، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادی (متوفی ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۳۱ء) وغیرہ سے علمی نسبتیں اور ترقیات حاصل ہوئیں، اس لئے کہ یہ حضرات اکابر تھے اور ان کی توجہات و عنایات سے روشنی ملتی تھی۔

۲۳

غزائی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے ہو کر رہا، ایک طرف تو طلبہ گرویدہ ہو کر آپ ہی کے ہوئے اور دوسری طرف خود حضرت مفکر اعظم تحقیقات و معلومات کے بحر زخار ہو گئے جس نے دیکھا ہے کہ حافظ صاحب الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تدریس محض ایک تبرک کی مشیت تھی تھی تو اس کے لئے مولانا کی اس علمی ترقی میں حیرت کی اور کبھی کوئی حد نہیں رہتی چنانچہ میں نے اپنے اس تحیر کو عرض بھی کیا، فرمایا کہ ہمیں وہاں بھی روشنی ملتی ہے۔ علاوہ اس کے میں ایک گونہ صلاحیت پیدا کر کے پہنچا تھا مولانا محمد عبدالشکور صاحب مظفر پوری (ذی السیاحی مدرس مدرسہ الہدیٰ پٹنہ) سے ستم وغیرہ پڑھ کر کتاب فہمی کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت مفکر اعظم تہذیب و فیرہ پڑھنے کے زمانے میں کانپور سے دیوبند تشریف لے گئے تھے، لیکن ایک تہمتی سے رطائی ہو جانے کے قصہ میں بہاری طلبہ کو جس کے فخر میں مولانا محمد عبدالشکور صاحب تھے، دیوبند کو خیر باد کہنا پڑا۔ مگر حضرت سجاد کو دیوبند کی یاد تازہ رہی، اکثر دیوبند کا ذکر فرمایا کرتے۔ اسی ظہری تاثرات نے سیاسیات کے سلسلہ میں دیوبندیوں سے ایسا ملایا کہ ایک فرد تصور کئے جانے لگے اور اکابر علمائے دیوبند نے بھی آپ کے تبحر علمی کے ساتھ اشار و قربانی استقلال و فکری جدوجہد کی قدردانی کرتے ہوئے اپنے مشن کا ذریعہ بنالیا بلکہ حقیقت میں جزو کل مان لیا۔ آپ ہی کے بار بار تذکرہ دیوبند نے میرے دل میں تحریک پیدا کر دی جو مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے جلسہ ستار بندی کی شرکت کے بعد عملی جامہ پہن سکی۔ شوال ۱۳۲۶ھ میں الدہلوی آباد ہوتا ہوا بمعیت مجھی جناب حافظ عبدالرحمن صاحب بہار علیہ السلام (سلاطین الہدیٰ) دیوبند پہنچا اور حضرت مولانا مجھی مدرسہ سجاد الدہلوی تشریف

محاسن سجاد کا ایک صفحہ جس میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب سے تلمذ کا ذکر ہے۔

مضمون مولانا اصغر حسین بہاری

حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ سے استفادہ

حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ (ولادت ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء وفات ۱۰ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۸۸ء) کی کتاب 'درس حیات' سے معلوم ہوتا ہے کہ کانپور کے زمانہ تعلیم میں مولانا سجادؒ نے حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ (والد محترم قاری فخر الدین گیاویؒ) سے بھی استفادہ کیا تھا، حضرت مولانا خیر الدین صاحب فراغت کے بعد حضرت مولانا کانپوریؒ کے مدرسہ ہی میں مدرس ہو گئے تھے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا سجادؒ آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔^۱ آخری دنوں میں جب حضرت مولانا سجادؒ نے گیا کو اپنی علمی و دینی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، تو حضرت اہل سادہ مولانا خیر الدین صاحب نے آپ کی بھرپور حمایت فرمائی، خلافت و جمعیت کے اجلاس گیا میں بھی وہ مجلس منتظمہ کے اہم ترین لوگوں میں شامل تھے، تاہم مولانا خیر الدین صاحب جمعیت علماء ہند سے وابستہ رہے۔^۲

مولانا عبدالشکورؒ کے زیر سرپرستی سفر دیوبند

حضرت مولانا سید عبدالشکور مظفر پوریؒ کانپور کا نصاب فضیلت مکمل کر کے شوال المکرم ۱۳۱۶ھ مطابق فروری ۱۸۹۹ء میں جب دیوبند جانے لگے تو مولانا سجاد صاحب بھی آپ کے ہمراہ دیوبند تشریف لے گئے، اس سے مولانا عبدالشکورؒ سے مولانا سجادؒ کی دلی وابستگی اور گہری عقیدت کا پتہ چلتا ہے، مولانا اصغر حسین صاحب کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں قیام کے

حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ اس آخری دور میں بہار کے ان عظیم علماء و شائخ میں آئے ہیں جنہوں نے تعلیم اور تصوف کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ اپنے زمانے کے اکابر علماء و شائخ میں تھے، قاری صاحب کی فراغت دارالعلوم دیوبند سے تھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے انھیں تلامذہ اور خلفاء میں شمار ہوتے تھے، مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ کے پلیٹ فارم سے آپ نے بڑے تعلیمی کارنامے انجام دیے، شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے، درس حیات اور دینہ الانوار میں اس کے خوبصورت نمونے موجود ہیں، 'قوائے درذ کے نام سے حضرت گزھولونی کی شان میں مرثیہ لکھا، اسی طرح حضرت گزھولونی کے ایک مصرعہ تاخیر دہا تقریر نہ کر پر لمبی تفسیر فرمائی، جوان کی کتاب درس حیات میں موجود ہے، اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے، ۷۷ سال کی عمر میں انتقال فرمایا (درس حیات مرتبہ قاری فخر الدین گیاویؒ ص ۲۲۳، مطبوعہ مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ طبع دوم ۱۳۳۱ھ م ۲۰۱۰ء)

۲- درس حیات تذکرہ خیر الدین ص ۱۲۶ تا ۱۲۷: حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ، شائع کردہ مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا، ۱۳۳۱ھ م ۲۰۱۰ء۔

۳- درس حیات تذکرہ خیر الدین ص ۱۵۰، ۱۵۱ تا ۱۵۲: حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ، شائع کردہ مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا، ۱۳۳۱ھ م ۲۰۱۰ء۔

زمانے میں بھی طلبہ بہار کے سرخیل و سرپرست مولانا عبدالشکور صاحب ہی تھے۔
حضرت مولانا عبدالشکورؒ تو دورہ حدیث میں داخل ہوئے لیکن مولانا محمد سجادؒ کو غالباً ”تہذیب“
کی جماعت میں داخلہ ملا، لیکن ابھی چھ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ اتفاقاً طور پر تربت کے ایک
طالب علم سے جھگڑا ہونے کی بنا پر (قریب ربیع الاول ۱۳۱۷ھ مطابق جولائی ۱۸۹۹ء میں) بہار کے
کئی طلبہ کو دیوبند چھوڑنا پڑا، ان میں حضرت مولانا سجادؒ بھی شامل تھے، مولانا اصغر حسین صاحب
رقطر از ہیں:

”حضرت مغل اعظم (مولانا محمد سجاد صاحب) تہذیب وغیرہ پڑھنے کے زمانے میں کانپور سے
دیوبند تشریف لے گئے، لیکن ایک تبتی سے لڑائی ہو جانے کے قصہ میں بہاری طلبہ کو جس کے
سرخیل مولانا محمد عبدالشکور صاحب تھے، دیوبند کو خیر باد کہنا پڑا۔“^۱

میرے خیال میں اس واقعہ کے علاوہ دارالعلوم دیوبند سے مولانا سجادؒ کی دل شکستگی کا ایک
سبب یہ بھی رہا ہوگا کہ ان کو مطلوبہ جماعت میں داخلہ نہیں مل سکا تھا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ
مولانا محمد سجاد صاحبؒ کانپور سے متوسطات کی کتابیں پڑھ کر گئے تھے، لیکن دارالعلوم دیوبند میں
ان کا داخلہ (نیچے درجہ میں) تہذیب کی جماعت میں ہوا، واللہ اعلم بالصواب۔
واضح رہے کہ تبتی لڑکے والے واقعہ کا مولانا عبدالشکور صاحبؒ پر کوئی اثر نہیں پڑا اور انہوں
نے دیوبند کو نہیں چھوڑا، بلکہ انہوں نے حسب ضابطہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (ولادت
۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء۔ وفات ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۱ء) کے پاس
دورہ حدیث شریف مکمل کیا، آپ حضرت شیخ الہندؒ کے انتہائی مقرب تلامذہ میں تھے، کئی واقعات
آپ سے وابستہ ہیں۔^۲

مولانا محمد سجادؒ کو حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ حاصل نہیں

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ چونکہ دیوبند میں متوسطات سے بھی نیچے کے درجہ میں داخل
ہوئے تھے اس لئے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ سے باضابطہ تلمذ کا شرف حاصل نہ ہو سکا، حضرت شیخ
الہندؒ اس زمانے میں صرف منتہی طلبہ کو پڑھاتے تھے۔

۱۔ چھ ماہ کی صراحت مولانا امت اللہ رحمانی صاحب نے کی ہے (حیات سجاد ۹) باقی حضرات نے اجمالی طور پر چند ماہ لکھا ہے۔

۲۔ محاسن سجاد ۲۳

۳۔ تنقید کے لئے دیکھئے: حقیر راقم الحروف کی کتاب ”تذکرہ حضرت آغا مظفر پوریؒ“ ص ۳۰۳ تا ۳۹۲

یہاں یہ وضاحت اس لئے ضروری تھی کہ دیوبند میں حضرت مولانا سجادؒ کے داخلہ کی بنا پر بعض اہل قلم کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کا تلمیذ قرار دیا ہے، مثلاً حضرت مولانا سجادؒ کے انتقال پر مولانا عظمت اللہ علیہ السلام آبادیؒ نے مدینہ اخبار میں ایک مضمون لکھا تھا اور اس میں اسی خیال کا اظہار فرمایا تھا، حضرت مولانا سجادؒ کے شاگرد خاص اور محرم راز مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ بہتم مدرسہ انوار العلومؒ گیارہ اپنی مضمون میں اس کی تردید کی، مولانا عبدالحکیم صاحب لکھتے ہیں:

”یہ غلط ہے جیسا کہ مولانا عظمت اللہ علیہ السلام آبادیؒ نے آپ کے سوانح کے سلسلہ میں مدینہ میں لکھا ہے کہ مولانا مرحوم نے حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے درس لیا اور آپ کے علمی اور روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے مولانا جس وقت دیوبند گئے تھے متوسطات بھی نہیں پڑھتے تھے پھر حضرت شیخ الہندؒ کی بارگاہ اور حلقہ درس تک کیونکر رسائی ہوئی؟ مفتی طلبہ کا مقام اور ہے اور غیر مفتی کا مقام اور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے علم و فضل، تجربہ و قابلیت اور افکار و اعمال سے متاثر ہو کر ملیح آبادی صاحب نے وہم کر لیا ہے کہ یہ حضرت شیخ الہندؒ ہی کے شاگرد ہوں گے اور ان ہی سے فیض پایا ہوگا، حالانکہ یہ محض فضل اللہ ہے وہ جس کو چاہے اپنے فضل سے نواز دے، حضرت مولانا ابوالکلامؒ نے کس شیخ الہندؒ کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کیا، اور کس علامہ وقت سے پڑھا؟ مگر ان کے فضل و کمال، علم و ادب، فہم و فقاہت، اور فکر و تدبیر میں کون آپ پر فوق ہے؟“

دیوبند سے کانپور اور کانپور سے وطن واپسی

(تقریباً ربیع الاول ۱۳۱۷ھ مطابق جولائی ۱۸۹۹ء میں)

دیوبند سے واپسی پر مولانا محمد سجاد سیدھے کانپور پہنچے، لیکن یہاں ان کا دل نہیں لگا، یہاں کے ماحول میں وہ پہلا سانس نہیں ملا، قدیم رفقاء کانپور چھوڑ کر ادھر ادھر منتشر ہو چکے تھے، اس سے قبل مولانا سجادؒ کے زیادہ تر اسباق مولانا عبدالشکور صاحب سے متعلق تھے، ان کے طریقہ درس

۱۔ مولانا عظمت اللہ علیہ السلام آبادیؒ کا یہ مضمون بعد میں ”حیات سجاد“ مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نائب امیر شریعت کے مختصر حالات) کے نام سے کتابچہ کی صورت میں شائع ہوا، جو حسب الارشاد حضرت مولانا عبدالحکیم صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی انصاری برقی پریس دہلی میں طبع ہوا، اس کتابچہ میں ص ۲ پر حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ والی بات موجود ہے۔ مولانا عظمت اللہ علیہ السلام آبادیؒ جمعیۃ علماء ہند کے اہم ترین لوگوں میں تھے، اور مولانا ابوالکلام دیوبند سے فارغ تھے باقی حوالہ کاظم نہ ہو سکا۔

۲۔ محسن ص ۳۳، مضمون مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ۔

و تقبیم سے ان کو خاص مناسبت بھی ہوئی تھی، تعلیمی درجہ کے لحاظ سے حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے مستقل استفادہ کی کوئی صورت نہیں تھی، بالآخر مولانا سجاد صاحب تنہائی اور اجنبیت کے احساس سے مجبور ہو کر وطن واپس ہو گئے، اس طرح کانپور میں مولانا محمد سجاد صاحب کی کل مدت قیام (درمیانی واقعات کو ملا کر) تقریباً تین تا چار سال رہی۔^۱

دیوبند سے واپسی پر کانپور میں آپ کا قیام اتنا مختصر رہا، کہ بہت سے لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی، اسی لئے آپ کے بعض تذکرہ نگاروں نے دیوبند سے سیدھے الہ آباد جانے کا تذکرہ کیا ہے، کانپور یا وطن جانے کا ذکر نہیں کیا ہے۔^۲

لیکن چونکہ دیوبند اور الہ آباد کے درمیان سفر کانپور اور سفر وطن کا اضافہ ثقہ اور بلا واسطہ راوی کے ذریعہ پہنچا ہے اس لئے یہ اضافہ معتبر اور قابل قبول ہے۔

تکمیل تعلیم کے لئے الہ آباد کا سفر

وطن میں قیام کے دوران بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت مولانا سید وحید الحق استھانوی کی چھوٹی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہو گیا، جو آپ کے استاذ بھی تھے اور چچیرے بہنوئی بھی، نکاح اور سسرال کی مصروفیات ختم ہونے میں تقریباً سال کا بقیہ حصہ بھی گزر گیا تو بعض ہی خواہشوں کے ڈکنے پر اور خود اپنے طور پر بھی اچھوری تعلیم کو مکمل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔^۳

یہ غالباً شوال المکرم ۱۳۱۷ھ مطابق فروری ۱۹۰۰ء کی بات ہوگی، جب مولانا سجاد وطن سے روانہ ہو کر سیدھے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد پہنچے، یہ سفر انہوں نے تنہا کیا تھا، اور الہ آباد کو اپنی مرضی سے منتخب فرمایا تھا، مولانا نے الہ آباد کا انتخاب کیوں کیا؟ کیا وہ پہلے سے حضرت مولانا عبدالکافی کی شخصیت سے آگاہ تھے؟ آپ کے کسی تذکرہ نگار نے اس بات سے تعرض نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ دیوبند اور کانپور جیسی مرکزی درس گاہیں جس طالب علم نے دیکھی ہوں اس نے الہ آباد کا انتخاب کس مناسبت سے کیا؟ جب کہ پہلے سے مولانا کی وہاں کوئی قرابت یا شناسائی نہیں تھی؟

۱۔ محسن سجاد ص ۱۱، مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب

۲۔ محسن سجاد ص ۳ مضمون مولانا عبدالحکیم اکوٹوی۔ اور مولانا امت اللہ رحمانی صاحب نے کانپور کا ذکر کیا ہے، بہار جانے کا ذکر نہیں کیا (حیات سجاد ص ۹)

۳۔ محسن سجاد ص ۱۱، مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب۔

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کا انتخاب

مختلف تاریخی کڑیوں کو ملانے سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد گوالہ آباد کا سراغ بھی کانپور سے ملا ہوگا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا سجاد حضرت کانپوری کے مدرسہ میں زیر تعلیم تھے، اور کانپور میں ایک بڑی علمی اور روحانی شخصیت حضرت مولانا شاہ محمد عادل کانپوری ^{رحمۃ اللہ علیہ} (ولادت ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء وفات ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء) کی تھی، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے ساتھ ان کے گہرے روابط تھے، بکثرت مولانا کے مدرسہ یا مکان پر ان کی تشریف آوری ہوتی تھی، اور مولانا کانپوری بھی ان کے دارالافتاء اور خانقاہ تشریف لے جاتے تھے، گہرے رابطہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت مولانا احمد حسن کانپوری نے اپنے نماز جنازہ کی وصیت شاہ عادل کانپوری کے لئے کی تھی، اور انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، جبکہ کانپور علماء، فقہاء اور مشائخ سے لبریز تھا، شاہ عادل صاحب نثارہ الہ آباد کے رہنے والے تھے،^۱ اور حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادی کا آبائی وطن بھی نثارہ ہی تھا، ممکن ہے شاہ عادل کانپوری نے ہی مولانا عبدالکافی کی نشاندہی کی ہو جو ایک ممتاز عالم دین ہونے کے ساتھ اولیاء کاملین میں سے تھے، مولانا سجاد کو اب تک حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے لے کر حضرت شیخ الہند تک مایوسی ہی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور کسی عالی نسبت شخصیت سے تلمذ کی تمنا اب تک محضہ تکمیل تھی، عجب نہیں کہ دل شستگی کے انہی لمحات میں حضرت شاہ عادل کانپوری نے ان کو سہارا دیا ہو، اور ایک بڑے صاحب نسبت و علم شخصیت تک پہنچنے میں ان کی مدد کی ہو۔۔۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ گو کہ مولانا محمد سجاد کسی بڑی مرکزی درس گاہ کے سند یافتہ نہ تھے، لیکن علم و عمل کی جن انتہاؤں تک آپ کی رسائی ہوئی آپ کے اکثر معاصرین وہاں تک نہ پہنچ سکے، دراصل علم کی عطا بارگاہ ذوالجلال سے قلب کی در ماندگی و شستگی اور جذبہ و شوق کی وارفتگی پر ہوتی ہے، مشہور درس گاہوں سے محض انتساب پر نہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا محمد سجاد صاحب متوسلات کی کتابیں کانپور کے زمانہ تعلیم میں پڑھ چکے تھے، اور کتاب فہمی کی بھرپور صلاحیت ان میں پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ آپ نے مدرسہ سبحانیہ میں جلالین کی جماعت میں داخلہ لیا اور پھر اس کے بعد مشکوٰۃ المصابیح اور دورۂ

۱۔ تذکرہ حضرت آقا ظفر پوری ص ۲۳۳

۲۔ ترجمہ بخوانہ مسند حضرت مولانا عبدالحمید الحسنی رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۲

حدیث تک کی اکثر کتابیں حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادیؒ (ولادت ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق اگست ۱۸۶۳ء وفات ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۳۲ء) کے پاس پڑھیں، اور کچھ کتابیں مولانا عبدالحمید جوئیہؒ سے بھی پڑھیں۔

الہ آباد میں آپ کا قیام دائرہ شاہ اجمل محلہ یا قوت گنج میں مولانا عبدالحمید بن حیدر حسین جوئیہؒ (تمیز مولانا عبدالسبحان نارویؒ) کی کوٹھی کے ایک گوشہ میں چھپر کے ایک سائبان میں تھا، جس میں چند طلبہ اور بھی رہتے تھے، مولانا عبدالکافی کا مدرسہ سبحانیہ الہ آباد چوک کی مسجد میں واقع تھا۔^۲

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد

مدرسہ سبحانیہ کی بنیاد حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادیؒ نے اپنے چچا اور شیخ حضرت مولانا عبدالسبحان نارویؒ کے نام پر رکھی، پہلے محلہ یا قوت گنج میں مولوی عبدالحمید صاحب کے مکان سے تدریس کا آغاز کیا، شروع میں طلبہ کا رجوع کم تھا، جس سے آپ کبیدہ خاطر رہتے تھے، ایک بار اپنے مرشد زادہ مولوی حکیم مسیح الدین سے اس کا شکوہ کیا، تو انہوں نے تسلی دی اور آئندہ کے لیے روشن امکانات کی بشارت دی، چند دنوں بعد حاجی صوبہ دار خاں صاحب جو پنجاب کے باشی اور آپ کے مرید تھے انہوں نے آپ کو جامع مسجد کی امامت و خطابت کی پیشکش کی، اور درس کی بھی گندارش کی، اس طرح ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء سے جامع مسجد میں باقاعدہ آپ کا درس شروع ہوا، اور آپ کی درس گاہ مدرسہ سبحانیہ کے نام سے مشہور ہوئی، اور باذوق طلبہ کا کافی رجوع ہوا، اور آپ کی صحبت و تربیت سے بہت سے متحر اور ممتاز علماء پیدا ہوئے، جامع مسجد کی موجودہ وسیع و عریض اور شاندار عمارت آپ ہی کی توجہ سے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں تعمیر ہوئی، جس کو اب چوک کی

۱۔ نزہۃ افکار، ج ۸ ص ۶۷۷۔

۲۔ محاسن خاں کے مضمون مولانا محمد امجد حسین صاحب۔

۳۔ مولانا عبدالسبحان بن محمد حسن الحنفی نارویؒ بڑے شیخ، عالم اور فقیہ تھے، الہ آباد کے گاؤں "نارہ" میں پیدا ہوئے، اس گاؤں کو احمد آباد بھی کہا جاتا تھا، ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، پھر الہ آباد جا کر حضرت مولانا سید فخر الدین اسحاقیؒ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور مہم نظار اور علم باطن دونوں آپ سے حاصل کیا، ایک عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہے پھر مسند تدریس پر فائز ہوئے، ایک زمانہ نے آپ سے فیض پایا، بڑے تقی اور اہل نسبت بزرگوں میں تھے، مگر ان پر تعمیر کرنے میں شہرت رکھتے تھے، آپ کے علاوہ میں مولانا عبدالکافی اور مولانا عبدالحمید جوئیہؒ کی کافی مشہور ہوئے، شاگردوں کے علاوہ کئی تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں مثلاً: "مجدیدی"، "جوب انقلاب"، "الدلائل القاطنہ فی تحقیق الخرقۃ الناجیہ"، "خیر القلادہ فی ازلیۃ العیالہ"، "در رسالہ فی اسرار اصولیہ"، "سرخ و سفید"۔ الہ آباد میں عمر ۶۳ سال، تاریخ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۸۸۵ء بروز جمعہ پیش آیا، تادم و اتاناب راجعون۔ (نزہۃ افکار، ج ۸ ص ۶۷۷)

مسجد کہتے ہیں، مشہور شاعر حضرت اکبر الہ آبادیؒ جن کو آپ سے بیعت کا شرف حاصل تھا مسجد کے بارے میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہوا۔

مسجد کافی کی شان آسانی دیکھئے خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے ۱

مولانا محمد سجادؒ کے عہد طالب علمی کے امتیازات

مولانا محمد سجادؒ نے الہ آباد میں اپنی ذہانت و سعادت مندی اور تعلیمی انہماک سے تمام اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا عبد الکاظم صاحب کادل جیت لیا تھا، اساتذہ آپ کی شاگردی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھنے لگے، آپ مدرسہ کے ممتاز اور قابل فخر طالب علم شمار کئے جاتے تھے، ایک سال کے بعد ہی مہندی اور متوسط درجات کے اسباق آپ سے متعلق ہو گئے، آپ کے طریق تدریس سے طلبہ اتنے مانوس ہوئے کہ مولانا کے عہد طالب علمی کے معنی شاہد مولانا اصغر حسین صاحب کا بیان ہے کہ طلبہ اساتذہ سے زیادہ مولانا محمد سجادؒ سے کتابیں پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، مولانا کا طریقہ تفہیم طلبہ کو بے حد پسند تھا، مولانا سجاد صاحب کا شب و روز وہاں مطالعہ کتب یا طلبہ کو پڑھانے میں صرف ہوتا تھا، مولانا اصغر حسین صاحب کے الفاظ میں:

”مولانا کی شان زانی ہے، بستر کے سرے پر کھڑے ہو کر کتابیں قطار در قطار رکھی ہیں، جن کے مطالعہ میں انہماک ہے۔ یا بعض طلبہ کے درس دینے سے سروکار ہے، حافظہ عبد الکاظم قدس سرہ نے چوک الہ آباد کی مسجد کے احاطہ میں مدرسہ سحانیہ قائم کر رکھا ہے، جس میں عموماً طلبہ پڑھتے ہیں۔ لیکن حضرت سجادؒ کے سامنے زانوئے تلمذہ کرنے کے شوق میں کم از کم ایک سبق بھی ضرور رکھنا چاہتے ہیں۔ اور جنہیں موقع ملا پڑھ رہے ہیں، اس کشش سے ظاہر ہے کہ طلب علم ہی کے زمانہ سے آپ کی تعلیم میں مقناطیسی اثر تھا، ادھر اساتذہ کی عنایات و توجہات سے عیاں ہو رہا تھا، کہ ان حضرات کے لئے حضرت سجادؒ کی شاگردی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی خاص توجہ اور قدردانی بالکل سچا تھی۔ ذہانت، فطانت، قوت حافظہ، شوق مطالعہ، سلامت روی، سادگی، محنت اور اطاعت شعاری جو جو صفیں ہاڈب توجہ ہو سکتی ہیں، حضرت سجادؒ میں بدرجہ کمال موجود تھیں۔“ ۲

۱۔ ضیاء طیبہ ذات کام۔

۲۔ محاسن سجادؒ، ۱۸، ۱۷، مضمون مولانا محمد اصغر حسین صاحب۔

عہد طالب علمی ہی سے ایسی علمی اور تدریسی شہرت بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتی ہے، اللہ آباد میں طالب علمی کے ان دنوں کے شاگردوں میں مولانا فرخند علی سہرانی، مولانا حافظ عبدالرحمن بادشاہ پوری جون پوری اور جناب حکیم مولانا محمد یعقوب صاحب گیاوی وغیرہ قابل ذکر ہیں، مولانا صفر حسین صاحب بھی انہی دنوں قطبی پڑھ کر وہاں داخلہ کے لئے حاضر ہوئے تھے لیکن کسی مجبوری کے تحت اس وقت داخلہ نہ لے سکے، اس طرح اس وقت شاگردی سے محروم رہے، لیکن بعد میں جب مولانا محمد سجاد صاحب مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں مدرس ہوئے اس زمانے میں انہیں مولانا سے شرف تلمذ حاصل ہوا، اور دورہ حدیث شریف تک کی تعلیم مولانا سے اسی مدرسہ میں حاصل کی۔^۱

فراغت اور دستار بندی

شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ مطابق نومبر ۱۹۰۲ء میں حضرت مولانا سجاد صاحب نے مدرسہ سجانہ سے سند فراغت حاصل کی، لیکن آپ کی علمی اور تدریسی صلاحیت کی وجہ سے اساتذہ نے آپ کو کچھ دن اور مدرسہ میں روک لیا، اور اس دوران حضرت مولانا سجاد ہشتی درجات کے طلبہ کو پڑھاتے بھی رہے اور خود بھی اپنے اساتذہ کی صحبتوں سے مستفیض ہوتے رہے،^۲ بالآخر ۱۷، ۱۸، ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ مطابق ۳، ۴، ۵ جون ۱۹۰۳ء کو حضرت مولانا عبدالکافی صاحب نے حسب روایت بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ایک سہ روزہ عظیم الشان جلسہ دستار بندی کا انعقاد فرمایا، جس میں پورے ملک سے اکابر اہل علم، سربراہ اور وہ شخصیات اور ممتاز خطیبوں نے شرکت کی، اسی میں حضرت مولانا محمد سجاد کی دستار بندی کی رسم بھی نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دی گئی،^۳ دراصل یہی دور اس

۱۔ محاسن سجاد ص ۲۰ مضمون مولانا صفر حسین بہاری۔

۲۔ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے منتسب خاص مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب مدیر الہلال کی تحریر سے یہ پس منظر اور بھی صاف ہو جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں کہ:

”فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ سجانہ کی طرف تشدد کا مان غلوں اور معاونین کی توجہ زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی پھر بعض بے خواہوں مثلاً مولانا مبارک کریم صاحب وغیرہ کے اصرار پر اپنے استاذ اور سر حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں آکر تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔“ (محاسن سجاد ص ۱۲)

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحب فراغت کے بعد بھی کچھ دن مدرسہ میں مقیم رہے اور طلبہ آپ کے علمی فیوض سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

۳۔ محاسن سجاد ص ۵ مضمون مولانا عبدالکلیم صاحب ص ۱۱، ۱۲ مضمون مولانا زکریا فاطمی صاحب، حیات سجاد ص ۱۰۹ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

مدرسہ کا عہد عروج اور یہی اجلاس اس شہر علم کا نقطہ ارتقا بھی تھا، پھر اس کے بعد کبھی اس شہر نے نہ علم کا وہ دور شباب دیکھا اور نہ کبھی کوئی دوسرا ”سجاد“ زیب اسٹیج ہوا فرحمہ اللہ۔

اس اجلاس کے بعد حضرت مولانا سجاد وطن مالوف تشریف لے آئے، اور زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔



تعلیمی حالات

(۳)

تیسرا باب

حضرت مولانا محمد سجادؒ
کے جلیل القدر اساتذہ و مشائخ

شاگردِ استاذ کے کمالات کا آئینہ ہوتا ہے

یہاں رک کر ایک نظر آپ کے جلیل القدر اساتذہ کرام پر ایک نظر ڈال لیں، اس لئے کہ ہر شخصیت کی تعمیر و ترقی اور اس کی کامیابیوں میں فضل الہی کے ساتھ اس کے اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا دخل ہوتا ہے، اساتذہ اپنے خونِ جگر سے طالب علم کی کشتِ حیات کو سیراب کرتا ہے، ایک غیر مرتب ڈھانچہ کو تراش خراش کر ایک خوبصورت سانچہ میں ڈھالتا ہے، محض گوشت پوست کے انسان کو علم و فن کے پیکر میں تبدیل کر دیتا ہے، اور ایک معمولی فرد کو غیر معمولی مقامات تک پہنچاتا ہے، انسان کی بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ اسے اچھے اساتذہ میسر آ جائیں، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بھی انہی خوش نصیب افراد میں تھے جن کو تربیت کا ہنر جاننے والے اور لالہ زار حیات کے لئے خونِ جگر صرف کرنے کا سلیقہ رکھنے والے اساتذہ کی سرپرستی حاصل ہوئی، گزشتہ صفحات میں ان کے تعلیمی روداد سفر میں کئی اساتذہ و مشائخ کا ذکر آیا ہے، ان کی قدر شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مختصر احوال سے اس کتاب کے صفحات کو برکت و زینت بخشی جائے، ممکن ہے کہ ان کے اور بھی کچھ اساتذہ ہوں جن تک ہماری رسائی نہ ہو سکی، لیکن جن اساتذہ کا ہمیں علم ہو سکا ہے، تعلیمی ادوار کی ترتیب پر ان کا مختصر تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ

صوبہ بہار کے انتہائی بزرگ، قانع، متقی، داعی الی اللہ اور بانیض علماء میں تھے، عربی زبان و ادب کے رمز شناس اور اس دیار کے استاذِ اکل تھے۔

’استھانواں‘ ایک علمی اور تاریخی بستی

آپ کا وطن مالون ’استھانواں‘ ہے، جو شرفاء و سادات کی قدیم بستی ہے، بہار شریف سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، بڑے بڑے اہل علم اور اصحاب کمال ہستیاں اس چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئیں، تذکرہ غوثیہ کے مطابق عارف باللہ حضرت شاہ غوث علی صاحبؒ ہمیں کے

رہنے والے تھے، جن کا مزار پر انوار پانی پت میں ہے، بستی کے اتر جانب کسی اور بزرگ کا بھی مزار واقع ہے۔

اسی طرح مولانا ابوالحسن صاحب عرف مولوی دلاور علی صاحب مرحوم شاگرد رشید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی یہیں کے باشندے تھے، جن کے علمی تبحر اور جامعیت کا ایک زمانہ نے لوہا تسلیم کیا، رامپور کے ایک بڑے عالم مفتی شرف الدین صاحب جب بہار تشریف لائے، اور آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کی جامعیت و استعداد سے بے حد متاثر ہوئے، آپ کے ایک ہم وطن عالم دین نے اپنا تاثر ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ہم جیسے لوگوں کو فراغت کے بعد بھی کچھ دنوں آپ کی صحبت و تربیت میں رہنا چاہئے۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی اہم نام ملتے ہیں، مثلاً:

☆ مولانا حکیم غلام جیلانی صاحب شاگرد مولانا مفتی سعد اللہ صاحب و مولانا تراب علی صاحب لکھنؤی ☆ مولانا مجتبیٰ صاحب شاگرد مفتی سعد اللہ صاحب لکھنؤی ☆ اور مولانا عبدالوہاب صاحب استھانوی وغیرہ۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ دیگر بستیوں کی طرح یہ بستی بھی اصحاب فضل و کمال سے خالی ہوتی گئی۔^۱

حضرت مولانا سید وحید الحق استھانوی کو حضرت مولانا لطف علی راج گیری سے شرف تلمذ حاصل ہے، جو اس علاقہ کے ایک مشہور عالم تھے اور حضرت مولانا سجاد کے وطن کے قریب ہی قریب دھنچوہی متصل راجگیر کے رہنے والے تھے، جنہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی سے تعلیم حاصل کی تھی۔^۲ آپ کے اساتذہ میں دوسرا اہم نام مشہور معقولی عالم مولانا ہدایت اللہ خاں جو پوری کا ملّا ہے، جن سے بظاہر انہوں نے جو پور میں استفادہ کیا ہوگا۔

بطنی تعلیم حضرت قاری احمد شاہ جہاں پوری سے حاصل کی۔^۳

آپ کو تعلیم و تربیت کا خاص ملکہ حاصل تھا، اسلامی ہند کے سقوط کے بعد جن بزرگوں نے بہار میں تعلیمی انقلاب کا صور پھونکا، اس کی صف اول میں آپ کی شخصیت بھی تھی، بقول علامہ سید سلیمان ندوی:

”تیسرے صدی کے شروع میں صوبہ بہار میں مولانا وحید الحق صاحب استھانوی بہاری کے دم

۱۔ احسن البیان فی خواص القرآن از مولانا محمد احسن استھانوی، مکتبہ اسحاقیہ، اردو بازار کراچی، ص ۹، ۱۰، ۱۱

۲۔ ملاحظہ ہو احسن البیان فی خواص القرآن از مولانا محمد احسن استھانوی، مکتبہ اسحاقیہ، اردو بازار کراچی، ص ۱۰

۳۔ محاسن سجاد، ص ۷۷

قدم سے علم کو نئی رونق حاصل ہوئی۔^۱

کئی منام چہرے آپ کے فیض تربیت سے آفاق عالم پر چمکے، آپ کا آبائی وطن 'استھانواں' ضلع ناناندہ ہے، پوری زندگی درس و تدریس میں گزری، فراغت کے بعد آپ نے اپنے شاگرد مولانا عبدالغنی وارثی کی اطلاع کے مطابق پٹنہ میں ایک امیر کے یہاں ملازمت اختیار کی، پھر مگر ہمسہ اور اس کے علاوہ مختلف مقامات پر کئی سال گزار کر آ رہے پٹنہ، جہاں کے باشندوں نے آپ کو تدریسی خدمت کے لئے بلایا تھا، چنانچہ آپ نے وہاں مدرسہ فخر المدارس قائم فرمایا اور اسی میں درس دیتے رہے یہاں تک کہ زمانہ نے کروٹ لی اور مدرسہ ختم ہو گیا، تو بہار شریف تشریف لا کر یہاں 'مدرسہ اسلامیہ' قائم فرمایا، جو اس خطہ کا سب سے باقیض اور مرکزی ادارہ ثابت ہوا، اس کی سن تاسیس کی خبر نہیں ہے لیکن کہتے ہیں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے قبل بہار میں عربی زبان و ادب کا یہ مرکزی ادارہ تصور کیا جاتا تھا، جہاں عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لئے دور دراز سے طلبہ حاضر ہوتے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ میں ایک بڑا کتب خانہ بھی آپ نے جمع فرمایا تھا، جس میں مختلف علوم و فنون کی نادر کتابیں موجود تھیں، افسوس اب وہ کتب خانہ ضائع ہو چکا ہے۔

مشرکانہ رسوم و عہدہ ندر کی اصلاح میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

حضرت مولانا استھانوی کو اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا، آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد، مولانا عبدالغنی وارثی، اور مولانا مبارک کریم کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، مولانا محمد سجاد صاحب نے ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں آپ سے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں کسب فیض کیا۔

اپنے نامور تلامذہ کے علاوہ کئی کتا ہیں یہ دگر چھپوڑیں:

☆ کتب التراویف جو ابوحنیفہ الرمائی کی الفاظ المتراویف کے طرز کی ہے

☆ عربی زبان کے قواعد پر 'مفنی الصبیان'

☆ اردو رسالہ 'نصیحۃ الإخوان' تعزیر داری کے رد میں۔

آپ کی وفات ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوئی، مدفن کا علم نہیں ہے۔^۲

۱۔ محاسن جلد ۳۔

۲۔ ۱۔ ستارہ مسعود عالم اندوی فی ضوہ یا بدوہ جلد ۵ ص ۴۵۵ تا ۴۵۶: مولانا علی محمد ندوی ناشر: جمعیۃ اسلام، کنگل۔ ۲۔ شاہیر دہل محمدی محسن کتا ہیں مرتبہ مولانا عمران خاں ندوی، مولانا حضرت جلیل سید سلیمان ندوی نقوش و تاثرات، مرتبہ محمد نعیم ندوی، مسعود عالم سید سلیمان ندوی، کینیڈی، استھانواں، بہار شریف، ۲۰۱۶ء ص ۱۳

شمس العلماء حضرت مولانا عبدالوہاب فاضل بہاریؒ

اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں تھے، آپ کے علم و فضل کی پچھل مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک محسوس کی گئی، اسم گرامی عبدالوہاب، والد گرامی کا نام احسان علی، اور کنیت ابوالخیر تھی، سر بہدہ (یا سریندہ)، ضلع شیخ پورہ (بہار شریف سے قریب) کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے اطراف کے علماء - مولانا بشارت کریم دیسنوی، مولانا محمد سعید بنارس، اور مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری - سے حاصل کی، اس کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے، اور حضرت علامہ زماں، محدث دوراں مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ سے تمام علوم و فنون کی تکمیل کی، سند حدیث مولانا سید نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلویؒ سے حاصل کی، فراغت کے بعد ایک عرصہ تک مدرسۃ العلوم کانپور میں خدمت تدریس انجام دی، اس دوران ندوۃ تحریک میں پیش پیش رہے، پھر مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں مدرس ہوئے، اور حیدرآباد دکن کو اپنے علوم سے فیضیاب کیا، حیدرآباد کے بعد کچھ عرصہ گیا میں قیام فرمایا اور اسی دوران مدرسہ انوار العلوم گیا کی بنیاد ڈالی، یہ مدرسہ آپ کے جانے کے بعد ختم ہو گیا تھا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے اس کو دوبارہ زندہ فرمایا، یعنی اسی نام سے مولانا سجاد نے ایک نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، تاکہ یہ حضرت الاستاذ کی خدمات کی یادگار رہے۔

گیا کے بعد ۱۹۰۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے، اور تقریباً آٹھ برس وہاں تدریسی خدمات انجام دیں، پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے، ۱۹۱۳ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا، بڑے عالم فاضل، منطقی فلسفی اور بافیض مدرس تھے، فاضل بہاریؒ اور فخر بہارؒ کے نام سے مشہور تھے، آپ کے تذکرہ نگار مولانا فضل حسین مظفر پوری کا بیان ہے کہ مولانا کا رجحان ابتداءً مسلک اہل حدیث کی طرف تھا، لیکن مدرسہ عالیہ کلکتہ کی ملازمت کے بعد پختہ خفی ہو گئے۔^۱

ممتاز تلامذہ

آپ کی درگاہ سے بڑے بڑے علماء و اعیان تیار ہوئے، آپ کے تلامذہ میں شمس العلماء مولانا محمد یحییٰ سہرامیؒ، مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ، مولانا ابوالفتح حسین احمدؒ، مولانا حکیم الہی بخش مبارکپوریؒ اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بہت ممتاز ہوئے، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے اپنے

۱- ویسٹان نذیریہ (انبیاء بعد الماتہ) ص ۳۹۶ مرتبہ مولانا فضل حسین مظفر پوری۔

علاقہ ہی میں (۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء کے آس پاس) آپ سے استفادہ کیا۔

تصنیفات و تالیفات

آپ صاحب تصنیف بھی تھے، فلسفہ اور فقہ پر کئی وسیع کتابیں یادگار چھوڑیں:

☆ **الصحیفۃ المملکۃ حییۃ** (حاشیہ رسالہ میرزا ہد) اسی کے نتیجہ میں مناظرہ رامپور کا مشہور واقعہ رونما ہوا۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے مولانا عبدالحق خیر آبادیؒ پر کئی مقامات پر سخت اعتراضات کئے ہیں، جو علماء خیر آباد کے لئے ناقابل برداشت بات تھی، چنانچہ خیر آبادی سلسلہ علم و فن کے لوگوں سے آپ کا مناظرہ ہوا، جس میں آپ کے مد مقابل مشہور منطقی عالم مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی (اسلام آباد کے رہنے والے تھے) بھی تھے، لیکن افسوس عین دوران مناظرہ مولانا عبدالباق (بہارٹی) کا اچانک انتقال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، شاید یہ برصغیر کے علماء معقولات کی تاریخ کا آخری مناظرہ تھا۔

☆ **وقایۃ العصمۃ بشرح ہدایت الحکمۃ**: علامہ اشیر الدین انارہری (م ۱۹۳۳ھ) کی مشہور کتاب 'ہدایۃ الحکمۃ' کی شرح ہے، اس میں بھی علامہ عبدالحق خیر آبادی کا تعاقب کیا گیا ہے، مطبع خلیلی آگرہ سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوئی۔^۱

☆ **الرد علی ابن ابی شیبہ**: امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ایک باب 'الرد علی ابی حنیفہ' لکھا ہے، یہ کتاب اسی باب کے رد میں لکھی گئی ہے، اس کا ذکر مفتی عظیم الاحسان مجددی نے اپنی کتاب "تاریخ علم حدیث" میں کیا ہے۔

☆ **الاحقاق فی مسئلۃ الطلاق**، طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر انتہائی قیمتی کتاب ہے، مولانا عبد اللہ پنجابی گیلانی نے 'تحقیق المغاٹ فی مسئلۃ الطلاق' لکھی تھی، جس میں ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ثابت کیا گیا تھا، اس کا رد مولانا ابوالنصر گیلانی نے 'الغیاث من المغاٹ' کے نام سے لکھا اور حنفی نقطہ نظر کو ثابت کیا، اس کا جواب مولانا علی حسن مدھوپوری نے 'مقدمۃ المغاٹ' کے نام سے تحریر کیا، مولانا گیلانی کی اغیاث کی تائید میں مولانا عبدالباق بہاری نے 'الاحقاق فی مسئلۃ الطلاق' لکھی، الاحقاق کا جواب مولانا علی حسن مدھوپوری نے 'اظہار الشقاق لمؤلف الاحقاق' کے نام سے اور مولانا ابوتراب عبد الرحمن گیلانی نے 'تردید العموم' کے نام سے لکھا۔

ستارہ ہند پریس کلکتہ سے ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی، تعداد صفحات چودہ بالائی
 بیس کے مائز میں اکٹھ ہے، زبان و بیان سلیس اور رواں ہے۔^۱
 ☆ نظامیہ: فن معقولات کے بعض اشکالات کے حل میں ہے، مطبع عزیز دکن سے طبع ہوئی،
 تعداد صفحات ۱۷ ہے۔

☆ پردہ عصمت ملقبہ یادگار بمبئی، اس میں مولانا نے پردے کی اہمیت اجاگر کی ہے،
 اور خواتین اسلام کو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، مطبع باقری بمبئی سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوئی۔
 ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو وصال ہوا۔^۲

حضرت مولانا مبارک کریم صاحب

یہ بہار کے مشہور اور ممتاز عالم دین تھے، پورا نام ابو نعیم محمد مبارک کریم ”تھا، آبائی وطن شیخ
 پورہ تھا، ان کے والد مولوی حکیم عبدالکریم صاحب وہاں کا مکان ضائع ہونے کے بعد اپنی سسرال
 بہار شریف میں آکر آباد ہو گئے تھے، یہیں انہوں نے حضرت مولانا سید وحید الحق استھانوی کے
 قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی اور آپ سے خصوصی استفادہ کیا۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ مولانا مبارک کریم صاحب ایک غریب گھرانے کے آدمی
 تھے اور بچپن میں شادی بیاہ وغیرہ تقریبات میں باجہ بجاتے تھے، کسی بار رات میں یہ ڈھول باجہ کے
 ساتھ استھانویاں پہنچے، صبح میں ان کی ملاقات غالباً حضرت مولانا وحید الحق صاحب سے ہوئی،
 حضرت نے ان کو دیکھا تو پوچھا، بچے کیا تم پڑھو گے؟ تمہاری پیشانی سے علم جھلک رہا ہے، انہوں
 نے کہا کہ اگر ہمارے والد اجازت دیں تو ضرور پڑھوں گا، چنانچہ والد نے اجازت دے دی،
 اور وہ حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، اور آپ نے ان کو خود
 سے تعلیم دی، اس کے بعد دنیا نے دیکھا کہ مولانا کتنے بڑے عالم ہوئے۔^۳

۱- بہار میں اردو نثر کا ارتقاء (۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۲ء تک) ص ۱۳۲ مرتبہ: ڈاکٹر سید مظفر اقبال صدر شعبہ اردو بھگلپور یونیورسٹی،
 ناشر: کتاب خانہ تریپلیا پٹنہ، ۱۹۸۰ء، پہلا ایڈیشن۔

۲- نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۳۰۶، دیوانہ نذیریہ (الحیاء بعد الماتہ) ص ۳۰۱ تا ۳۹۵ مرتبہ مولانا فضل حسین مظفر پوری جٹا تذکرہ علماء
 ہندوستان (مظہر العلماء فی تراجم العلماء و الکملاء) تالیف مولانا سید محمد حسین بدایونی (متوفی ۱۹۱۸ء) ص ۲۶۹، شائع کردہ مکتبہ جام نور،
 فیاض محل، دہلی، ۱۹۱۸ء۔

۳- یہ روایت مولانا مبارک کریم کے مخلص (کبیر رائے) کے رہنے والے ایک معر صاحب علم اور فاضل جناب نسیم اختر صاحب علیگ سابق
 استاد سائنسی علوم مدرسہ شمس الہدی پٹنہ نے میرے عزیز دوست مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی کے سامنے نقل کی، جو انہوں نے
 خود مولانا مبارک کریم صاحب سے سنی تھی (تذکرہ ابوالحسن ص ۷۰)

پھر جو پور جا کر مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری^۱ سے بھی پڑھا، وہاں سے کانپور حاضر ہوئے اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے علاوہ مولانا ابوالانوار نور محمد صدر المدرسین مدرسہ احسن المدارس کانپور سے بھی تمام کتابیں بالخصوص صحاح ستہ مکمل پڑھیں، فراغت کے بعد پہلے ایک اسکول میں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے، پھر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے بعض ذمہ داروں کے اصرار پر اسکول سے استعفیٰ دے کر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں مدرس اول کے عہدہ پر بحال ہوئے، آپ کے عہد میں مدرسہ نے تعلیمی اعتبار سے بہت ترقی کی، بہار شریف میں مدرسہ عزیز یہ کے قیام کے بعد اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے، پھر گورنمنٹ ایڈیڈ سینئر مدرسہ دارالعلوم ڈھاکہ کے پرنسپل ہوئے، ۱۹۷۱ء میں گورنمنٹ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے ٹاسکٹر کلاس کے لئے منتخب ہوئے، ۱۹۲۲ء میں جب اسلامی تعلیم کی نگرانی (سپرٹنڈنٹ آف اسلامک اسٹڈیز) کا عہدہ قائم کیا گیا تو اس منصب پر آپ کا تقرر عمل میں آیا، اس دوران مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی کے خصوصی نگران بھی رہے، ۱۹۴۰ء میں اس عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔^۲ انگریزی حکومت کی طرف سے آپ کو ”خان بہادر“ کا خطاب ملا۔^۳

۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء کے درمیان کسی سال اعتکاف کی حالت میں اپنے محلہ کہنہ سرائے

۱- مولانا ہدایت اللہ جو پوری ابن مولانا رفیع اللہ اخون زادہ رام پور میں پیدا ہوئے، انیسویں صدی کے نامور عالم دین اور ستاؤں سالہ تلامذہ تھے، ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، صرف ونجو کی تکمیل حافظہ غلام نبی سے کی، منطق میں میرزا ابد تک مولانا جلال الدین سے پڑھا، اس کے بعد برسوں تک علامہ فضل حق خیر آبادی سے اکتساب علوم و فنون کیا، مولانا ہدایت اللہ کا شمار علامہ خیر آبادی کے ان چار خصوصی تلامذہ میں ہوتا ہے جنہیں سلسلہ خیر آبادی میں ”مناصر اربعہ“ کہا جاتا تھا، مولانا نے رام پور میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مدرسہ عالیہ رام پور میں ملازم ہو گئے، ۱۸۷۰ء میں مدرسہ حنفیہ جون پور کے مہتمم اور صدر مدرس ہو گئے، اور زندگی کی آخری سانس تک وہی مدرسہ سے وابستہ رہے، اسی لئے آپ کو جو پوری بھی کہا جاتا ہے، آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں مولانا امجد علی اعظمی، مولانا شاہ سلیمان اشرف بھاری، مولانا عبدالاول جون پوری، مولانا سید برکات احمد ٹوکی، مولانا لطف الرحمن، مولانا یار محمد بندیا لوی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں مسلک اہل سنت کی حمایت میں ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالعزیز رنیم آبادی سے مرشد آباد بنگال میں مناظرہ کیا، اور ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں ندوۃ العلماء کی اصلاح کے لئے جو اجلاس ہوا تھا، اس میں شریک ہوئے، اپنے استاد مولانا جلال الدین کے چھوٹے بھائی شاہ چھوٹے میاں سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے، یکم رمضان ۱۳۲۶ھ / ۲۷ ستمبر ۱۹۰۸ء کو جون پور میں ہی مولانا کا وصال ہوا، اور خانقاہ رشیدیہ جون پور کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ مولانا کی کوئی اولاد ذکر نہیں تھی (تذکرہ علماء ہندوستان تالیف: مولانا سید محمد حسین بدایونی، تحقیق، تدوین، تنسیخ: ذاکر خوشنورانی، ص ۸۳۰، ۸۳۱، بحوالہ باغی ہندوستان ص ۳۸۵ تا ۳۸۷، تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۷۸۹-۷۹۰، تذکرہ علماء اہل سنت ص ۲۶۱، ۲۶۲، تذکرہ علماء اہل ص ۹۸، تذکرہ کمالان رامپور ص ۵۱، ۵۲، ۵۳، نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۰۱)۔

۲- نور بدئی حیات خدمات نور الہدی میر سرائے شمس الہدی بانی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی ص ۷۲، ۷۳، مطبوعہ برقی مشین باغی پور پٹنہ، ۱۹۴۱ء۔ تذکرہ ابوالحسن ص ۶۳ مضمون مولانا طلوعت ندوی استھانوی۔

۳- تذکرہ حضرت آذہ ظفر پوری ص ۳۳۸ حاشیہ۔

بہار شریف میں وفات پائی۔^۱

مولانا محمد سجاد صاحب نے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں دوران تعلیم تقریباً ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء تا ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں آپ سے استفادہ کیا اور پھر آپ ہی کے ہمراہ کانپور برائے حصول تعلیم تشریف لے گئے۔

استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن فاضل کانپوری

آپ صدیقی النسل تھے، شجرہ نسب مولانا جلال الدین روٹی سے ہوتا ہوا حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے، آپ کے دادا شیخ عظمت علیؒ مدینہ منورہ سے ہجرت فرما کر پنجاب کے پٹیالا ضلع کے ڈسکا گاؤں میں بس گئے تھے۔

بچپن میں پڑھنے کی طرف بالکل رجحان نہیں رکھتے تھے، بیس برس کی عمر تک کچھ بھی نہیں پڑھا، ایک بار آپ کے ایک دوست کا خط آیا تو کسی دوسرے شخص سے پڑھوانے کے لئے گئے، والد محترم نے دیکھا تو فرمایا مولانا روم کی اولاد میں ہو اور اپنا خط بھی خود نہیں پڑھ سکتے، یہ بات ان کے دل میں اتر گئی، پھر حصول علم کی طرف اس قوت کے ساتھ مائل ہوئے کہ صرف پانچ سال کی مدت میں تمام علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی۔

پھر علم حدیث کی تکمیل کے لئے اپنا آبائی وطن پٹیالا چھوڑ کر لکھنؤ تشریف لائے، لکھنؤ میں آپ نے حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔^۲

اس کے بعد دیگر علوم و فنون کی تکمیل کے لئے علی گڑھ پہنچے اور حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا اور فراغت حاصل کی۔

۱۔ دراصل تذکرہ علماء بہار (مؤلفہ مولانا ابوالکلام تاجی شمس) میں مولانا ظفر الدین صاحب سابق صدر المندوبین مدرسہ عزیز بہار شریف کے حوالے سے تاریخ وفات ۱۹۶۰ء لکھی گئی ہے، جب کہ خود مولانا مبارک کریم کے حلقہ کے ایک معمر، ذی علم فاضل جناب نسیم اختر صاحب علیگ سابق استاذ و سائنسی علوم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ دفات ۱۹۵۵ء بتاتے ہیں (تذکرہ ابوالحسن ص ۷۰ حاشیہ ۶ مضمون مولانا ظفر نعمت ندوی استاذ ذی)

۲۔ شہزادہ کانپور مرتبہ ڈاکٹر سید سعید احمد ص ۶۵، ۶۶ مطبوعہ سید اینڈ سید (پبلیشرز) کراچی ۲۰۰۱ء۔ مقام اشاعت: شاہراہ سعدی، کلکتہ، بلاک ۲ کراچی پاکستان۔ یہ دراصل بی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس پر کراچی یونیورسٹی نے معترف کوڈ اکثریت کی ڈگری تفویض کی ہے۔ کتاب کے مصنف کا آبائی تعلق کانپور سے ہے، والد کا نام حافظ سید محمد حسین مرحوم ہے، صاحب کتاب ایک معتبر محقق ہیں، ان کی کئی تحقیقی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بھی آپ نے علمی استفادہ کیا، آپ کو حضرت سے بے حد عقیدت تھی، آپ ہی کے ایما پر آپ مکہ معظمہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد بہت دنوں (قریب بارہ برس) تک مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس رہے۔ پھر کانپور تشریف لائے اور مشہور زمانہ مدرسہ فیض عام کانپور کے منصب صدارت کو زینت بخشی اور ایک طویل مدت تک اس منصب پر فائز رہے، متعدد علوم و فنون کی پندرہ کتابوں کا روزانہ پوری قوت و توجہ کے ساتھ درس دیتے تھے، کاشغر، شام، موصل، حلب، بخارا، افغانستان، سرحد تک کے علماء و فضلاء نے آپ سے درس لیا، درس و تدریس میں آپ اپنے زمانہ میں ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نہایت قوی الحفظ اور ذہن رسا کے مالک تھے، ساٹھ متون آپ کو ازبر یاد تھیں، اسی بنا پر آپ کو "ملا متون" بھی کہا جاتا تھا۔

۱۳۰۰ھ کے اواخر میں آپ نے مدرسہ فیض عام سے علیحدگی اختیار کر لی اور حافظ امیر الدین صاحب وغیرہ کی مدد سے نئی سڑک مسجد رنگیان بکر منڈی میں "دارالعلوم کانپور" کے نام سے ایک نئے ادارہ کی بنیاد ڈالی، اور اسی ادارہ و ان کے آخری تعلیمی و تربیتی مرکزی حیثیت حاصل ہوئی، زندگی کی آخری سانس تک آپ اسی مدرسہ سے وابستہ رہے۔^۱

☆ تحریک ندوہ کے کئی جلسوں کی آپ نے صدارت بھی فرمائی۔

تصنیفات و تالیفات

☆ آپ کی تحریری خدمات میں قرآن کریم کی تفسیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ شرح ترمذی - یہ بھی غالباً قلمی ہی رہ گئی، طباعت کی نوبت نہیں آ سکی۔

☆ آپ کے علمی کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ مثنوی مولانا رومؒ پر حواشی کی صورت میں موجود ہے، اس مثنوی کا ترجمہ تو خود آپ کے پیر طریق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے کیا تھا، لیکن تحشیہ کا کام حضرت حاجی صاحبؒ کے حکم سے آپ نے کیا، جسے مطبع نامی نے بڑی آب و تاب اور روایتی حسن کے ساتھ ۱۹۰۰ء میں شائع کیا۔^۲

۱- شہزاد ب کاپور مرتبہ: ذاکر سید سعید احمد ص ۶۶ مہبوعہ سید اینڈ سید (پبلیشرز) کراچی۔

۲- شہزاد ب کاپور مرتبہ: ذاکر سید سعید احمد ص ۶۶ مہبوعہ سید اینڈ سید (پبلیشرز) کراچی۔

☆ افادات احمدیہ

☆ حمد اللہ کی شرح سلم کا مفصل حاشیہ تحریر فرمایا۔

☆ امکان کذب باری کے متنازع مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ 'تذریۃ الرحمن' تحریر فرمایا جس میں دلائل کا امیہ سے امتناع کو ثابت کیا گیا ہے۔

آپ کا سانحہ ارتحال ۳ صفر ۱۳۲۲ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۰۴ء کو کانپور میں پیش آیا، وصیت کے مطابق رئیس الاتقیا حضرت مولانا شاہ محمد عادل کانپوری قدس سرہ نے نماز جنازہ کی امامت کی، آپ کی قبر انور تکیہ بساطیان (قبرستان) کانپور میں ہے۔^۱

حضرت مولانا محمد سجاد کو ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء تا ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء کانپور کے زمانہ تعلیم میں آپ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، گو کہ براہ راست استفادہ کے مواقع کم ہی میسر آئے لیکن کانپور میں جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ بالواسطہ یا بالاداسطہ حضرت ہی کا فیض تھا۔

حضرت مولانا سید عبدالشکور آہ مظفرپوریؒ

آپ اپنے وقت کے ممتاز عالم ربانی، صاحب نسبت بزرگ اور قور الکلام شاعر و ادیب تھے، شاعرانہ شخص آہ رکھتے تھے، مجموعہ کلام کلیات آہ کے نام سے شائع شدہ ہے جس سے ان کی بے پناہ ادبی اور شعری صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ولادت شہر مظفرپور میں ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں ہوئی، ابتدائی سے لے کر متوسطات (مشکوٰۃ شریف) تک کی بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصر نقشبندیؒ سے پڑھیں، جو اپنے وقت کے جید استعداد عالم دین، عظیم مربی اور استاذ الکل تھے، کچھ کتابیں اپنے ماموں جان حضرت مولانا سید امیر الحسن قدوسیؒ سے بھی پڑھیں، کچھ عرصہ مدرسہ خدام العلوم (موجودہ مدرسہ جامع العلوم) مظفرپور میں بھی تعلیم حاصل کی۔

پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے والد ماجد کے حکم سے ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں کانپور تشریف لے گئے، اور دارالعلوم کانپور (مسجد رنگیان) میں دو سال امام المعقول والمنقول امامہ زمن حضرت

۱- تذریۃ الخواصر ج ۸ ص ۱۸۰ - تذکرہ حضرت مولانا مہدئی نعلودی۔

۲- تذکرہ حضرت آہ مظفرپوری ص ۲۳۵ تا ۲۳۶۔

مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر اساتذہ کرام سے استفادہ کیا، منطق و فلسفہ اور حدیث و فقہ کی جملہ کتب متداولہ کی تکمیل کی، اور ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں دارالعلوم کانپور سے سند فضیلت حاصل کی۔

اس کے بعد دینیات بالخصوص حدیث شریف میں مزید سوخ حاصل کرنے کے لئے شوال المکرم ۱۳۱۶ھ مطابق فروری ۱۸۹۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، دیوبند میں تقریباً ایک سال قیام رہا، شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۹ء میں آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ جامع العلوم مظفر پور سے کیا اور تقریباً ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء تک آپ مدرسہ کے صدر المدرسین رہے، ۱۹۲۰ء میں آپ بحیثیت مدرس اول دارالعلوم مکتب شریف لے گئے، لیکن صرف دو سال کے بعد ہی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں آپ نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پنڈی کی ملازمت قبول کر لی، اور مسلسل ۲۳ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں آپ یہاں سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد وطن مالوہ مظفر پور واپس تشریف لے آئے، مدرسہ جامع العلوم مظفر پور کے ارباب انتظام کی خواہش پر کچھ عرصہ اعزازی طور پر دوبارہ مدرسہ میں درس دیا، یہاں تک کہ وقت موعود آ پہنچا، ۱۷ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۷ جون ۱۹۴۶ء کو سانحہ ارتحال پیش آیا، مظفر پور کے رام باغ قبرستان (مولوی محمد عیسیٰ کے باغ میں) آپ مدفون ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔^۱

مولانا محمد سجادؒ نے آپ سے کانپور کے زمانہ قیام (۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۷ء تا ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء) میں استفادہ کیا، جب کہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ خود بھی وہاں منتہی درجات کے طالب علم تھے، اور دارالعلوم دیوبند بھی مولانا محمد سجاد صاحبؒ آپ ہی کے ہمراہ تشریف لے گئے اور زیر سرپرستی بھی رہے۔

حضرت مولانا خیر الدین گیاوی (کامل پوری)

حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ کی پیدائش حضور ضلع کامل پور انک میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے ماموں جان مولانا راغب اللہ صاحب سے حاصل کی، پھر مہینوں کا پیدل سفر طے کر کے دیوبند

۱۔ حضرت آئمہ کے تشیعلی حالات اور علمی و ادبی خدمات کے لئے اس حقیر کی کتاب تذکرہ حضرت آئمہ ظفر پوری (کل صفحات ۲۳۷) کا مطالعہ کریں۔

پہنچے، ہدایہ اخیرین حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے پاس پڑھی، دورہ حدیث حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے پڑھا، یہیں مولانا شاہ ولایت حسین دیوبندیؒ گیا و کئی اور مولانا صدیق احمد برادر اکبر حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ ان کے رفیق درس ہوئے۔

ان کے حالات میں قاری فخر الدین صاحبؒ نے کوئی سن وغیرہ کی تعیین نہیں کی ہے، قاری صاحبؒ نے لکھا ہے کہ دیوبند سے فارغ ہو کر کانپور تشریف لائے، اور مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے معقولات کی تکمیل کی، اور کانپور میں ان کے ساتھی مولانا غلام حسین کانپوریؒ تھے (مولانا غلام حسین کانپوریؒ نزہۃ الخواطر کے مطابق ۱۳۰۸ھ میں کانپور سے فارغ ہوئے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ ۱۳۰۸ کی ابتدا میں مولانا خیر الدین صاحب دیوبند پہنچے اور اس کے بعد اسی سال کانپور میں معقولات کے درس میں شامل ہوئے)

مولانا خیر الدینؒ کی شادی حضرت مولانا عبدالغفار صاحب سرحدیؒ (متوفی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء) خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کئی بانی مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا بہار کی صاحبزادی سے ہوئی، قاری فخر الدین صاحبؒ آپ کے نامور فرزند اور خلف الرشید ہوئے، انتقال پر ملال ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں ہوا، کریم گنج گیا کے قبرستان میں مدفون ہیں، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔^۱

حضرت علامہ عبدالکافی ناروی الہ آبادیؒ

اپنے زمانہ کی نادرہ روزگار شخصیتوں میں تھے، اسم گرامی ”عبدالکافی“ اور والد کا نام مولانا عبدالرحمن تھا، کسی دوشنبہ کو ربیع الاول ۱۲۷۵ھ مطابق اکتوبر ۱۸۵۸ء میں اپنے وطن قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔

پانچ برس کی عمر میں تعلیم کی ابتدا کرائی گئی، ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں اپنے چچا حضرت مولانا محمد عبدالسبحان نارویؒ کے پاس قصبہ کڑا ضلع الہ آباد چلے گئے، وہاں قرآن کریم حفظ کیا، ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں چچا کے ہمراہ الہ آباد پہنچے، اور تمام علوم و فنون کی درسی کتابیں چچا ہی سے پڑھیں، ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں سند فراغ حاصل کی۔

روحانی تعلیم حضرت مولانا حکیم سید فخر الدین الہ آبادیؒ (جو حکیم بادشاہ کے نام سے مشہور تھے)

۱۔ درس حیات ص ۱۹ تا ۱۹۵ تالیف قاری فخر الدین گیا و کئی، شائع کردہ مدرسہ قاسمیہ گیا، ۱۳۳۱ھ تا ۲۰۱۰ء۔

سے حاصل کی اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے، حکیم صاحب کو آپ پر فخر تھا۔^۱
 فراغت کے بعد ملکہ یا قوت گنج دائرہ شاہ اجمل (الہ آباد) میں اپنے رفیق درس مولانا عبد
 الحمید جو پورٹی (تلمیذ حضرت مولانا عبدالسبحان ناروٹی) کے مکان سے درس و تدریس کا آغاز کیا،
 شروع میں طلبہ کا رجوع زیادہ نہیں ہوا، جس سے تھوڑی کبیدگی اور مایوسی پیدا ہوئی، اس کا ذکر ایک
 بار اپنے مرشد زادہ مولانا حکیم مسیح الدین صاحب سے کیا^۲، تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور آئندہ
 کے لیے روشن امکانات کی بشارت دی۔

کچھ دنوں بعد آپ کے ایک مرید حاجی صوبہ دار خاں جو پنجاب کے باشی تھے نے آپ کو
 جامع مسجد کی امانت و خطابت اور درس کی پیشکش کی، جو آپ نے قبول فرمائی، چنانچہ ۱۳۱۶ھ
 مطابق ۱۸۹۸ء سے جامع مسجد میں باقاعدہ آپ کا درس شروع ہوا، اور آپ کی درس گاہ ”مدرسہ
 سبحانیہ“ کے نام سے مشہور ہوئی، اور بہت سے باذوق طلبہ نے آپ کی خدمت میں رہ کر تبحر علماء
 میں اپنا ممتاز مقام بنایا۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے مدرسہ سبحانیہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی، اور اس کی تعمیر و ترقی میں دل
 و جان سے لگ گئے، جلد ہی اس مدرسہ کی شناخت قائم ہو گئی، اور ہندوستان کے معروف اور اہم

۱۔ حضرت مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب ابن محمد زمان ابن رفیع الزماں قادری نقشبندی اپنے عہد کی طاغور روزگار شخصیتوں میں تھے،
 مشہور عالم، فقیہ، قصیر اور مرشد روحانی تھے، حکیم بادشاہ کے نام سے مشہور تھے، الہ آباد میں پیدائش ہوئی اور ابتدائی تعلیم و تربیت بھی یہیں
 ہوئی، پھر نازم لکھنؤ ہوئے اور وہاں کے مشہور و ممتاز علماء سے درس کیا، مثلاً: مفتی نعت اللہ بن نور اللہ صاحب، شیخ محمد معین فرنگی جلی، مفتی
 محمد ولی اللہ، آخوند شیرا حوالاتی، مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد و حفصہ اور ان کے والد مفتی محمد حفصہ صاحب وغیرہ، سندھ ریٹ شیخ حسین احمد علیج
 آبادی سے حاصل کی، پھر حجاز تشریف لے گئے اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر الہ آباد و اہلس ہوئے، اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے،
 اور اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم و مدرس اور حکیم ہوئے۔

ضریقت کی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ محمد زمان سے حاصل کی، ان کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی شیخ محمد احسن اشرف قادری سے
 رجوع کیا، اور ان کے بعد اپنے والد کے سجاد و نشین ہوئے، طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی اجازت عسر محترم سید محمد عاشق کروٹی سے حاصل
 ہوئی۔

کئی کتابیں آپ کی یہ دکار ہیں: مشن، کف اللہ عن تکلیف الرضا، ہذا القسمة فی جواز الخائض، ازالۃ الخلوک و الیہام۔ یہ
 مولانا محمد اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الیمن کے درمیان لکھی گئی ہے، ہذا رسالہ فی تخریج اہل البدع والبدع۔ وفات ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ
 مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۸۶ء ہوئی (نزعہ الخواصر ج ۸ ص ۲۲۱)

۲۔ حکیم مسیح الدین صاحب حکیم بادشاہ مولانا فخر الدین کے صاحبزادے ہیں، الہ آباد کے مشہور علماء میں ہوئے ہیں، وراثت الہ آباد میں
 ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۲۵ء میں ہوئی، تمام علوم و فنون کی تکمیل اپنے والد ماجد سے ہی کی، آپ کا ایک رسالہ مناجات کے موضوع
 پر اور ایک رسالہ تصوف کے موضوع پر لکھی ہے، ایک کتاب ہدایۃ الطالبین بھی ہے، وفات الہ آباد میں ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں
 ہوئی (نزعہ الخواصر ج ۸ ص ۱۳۸۰)

عربی مدارس میں اس کا شمار ہونے لگا، الہ آباد کے اطراف اور خاص طور پر بہار و بنگال کے طلبہ کا رجوع اس مدرسہ کی طرف زیادہ رہا، ہر سال طلبہ کی بڑی تعداد فارغ ہوتی تھی، اور سالانہ دستار بندی کا جلسہ بھی منعقد ہوتا تھا، رفتہ رفتہ الہ آباد کے اطراف اور دوسرے اضلاع میں اس کی متعدد شاخیں قائم ہو گئیں۔

جامع مسجد کی موجودہ وسیع و عریض اور شاندار عمارت آپ ہی کی توجہ سے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں تیار ہوئی۔

معروف شاعر اکبر الہ آبادی جن کو آپ سے بیعت کا تعلق تھا مسجد کے بارے میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہوا:

مسجد کافی کی شان آسانی دیکھئے
خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے

آپ نے درس و تدریس کے ساتھ بیعت کا سلسلہ بھی قائم کر رکھا تھا، آپ کے مریدین و متوسلین کی بڑی تعداد تھی، بکثرت مجرمین اور بدکرداروں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی، بہت سے غیر مسلم بھی آپ کی محنت و کوشش سے شرف باسلام ہوئے، مشہور انگریزی ادیب و انشاء پرداز برنا یوڈشا کے بھتیجے نے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ھ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنہوں نے بعد میں ناظم آباد کراچی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کے مشہور جلسہ اصلاح ندوہ پٹنہ میں آپ نے شرکت فرمائی،۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب اور مولانا فرخند علی صاحب بانی مدرسہ خیر یہ نظامیہ سہرام بہت مشہور ہوئے۔

مولانا محمد سجاد صاحب نے آپ سے ۱۳۱۷ھ تا ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۴ء مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں استفادہ کیا۔

حضرت مولانا عبدالکافی صاحب گواہ اپنے ان دونوں شاگردوں پر اس قدر اعتماد اور فخر تھا کہ آخری عمر میں اکثر اہم استفتا کا جواب ان دونوں کے مشورہ کے بغیر تحریر نہیں فرماتے تھے۔

قاری ولی محمد صاحب (متوفی ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۸ھ) اور حکیم ولی احمد صاحب (متوفی

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء) آپ کے صاحبزادے تھے۔

۲۰ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۳۱ء میں آپ کا وصال ہوا، مزار مبارک

یجینی پور (الہ آباد) میں ہے۔^۱



۱۔ نزیح الخواطر ج ۸ ص ۱۲۸۹: تذکرہ علماء ہندوستان ص ۶۵۰ تالیف مولانا سید محمد حسین بدایونی بحوالہ "تاریخ مشائخ الہ آباد" ص ۲۲۲ تا ۲۲۳، تذکرہ علماء حال ص ۵۱، ج ۱ اور بعض چیزیں ضیاء علیہ ذات کام سے بھی لی گئی ہیں۔

خانگی حالات

(۴)

چوتھا باب

نکاح، ازدواج و اولاد

نکاح

تعلیم ظاہری سے فراغت کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد سجاد گورشتی از دواج سے منسک کر دیا گیا، والدین کا سنیہ تو پہلے ہی سر سے اٹھ چکا تھا، البتہ بڑے بھائی صوفی احمد سجاد اور دیگر اکابر خاندان نے اس فریضہ کو انجام دیا۔

محل اولیٰ

حضرت ابوالحسنؒ کی یکے بعد دیگرے تین شادیاں ہوئیں، پہلی شادی حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ (جو آپ کے استاذ اور چچا زاد بہنوئی بھی تھے) کی چھوٹی صاحبزادی 'عزیز النساء' صاحبہ سے ہوئی، آپ کی پہلی شادی کب ہوئی؟ اس میں دو طرح کی روایات پائی جاتی ہیں:

۱۔ مولانا محمد زکریا فاطمی ندویؒ کی روایت یہ ہے کہ پہلی شادی دوران تعلیم دیوبند سے وطن واپسی پر الہ آباد جانے سے قبل ہو گئی تھی، یعنی ۱۳۱ھ مطابق ۱۸۹۹ء سے پہلے، جب آپ کی عمر شریف بمشکل اٹھارہ سال رہی ہوگی۔^۲

۲۔ جب کہ حضرت مولانا سید منت الدین رحمائیؒ^۳ کی تحریر کے مطابق پہلی شادی مدرسہ سبحانیہ الہ

۱۔ تذکرہ ابوالحسن ص ۲۸ مضمون ذاکر کشفین احمد ندوی بروایت نرگس بانو صاحبہ بنت سیدہ بنت عزیز النساء زوجہ حضرت مولانا سجاد صاحبہ، مخیمہ ذی اکثر ذاکر حسین رود ۸۴۴ ہجری باغ جہار کھنڈر۔ جس وقت یہ روایت لی گئی تھی اس وقت نرگس بانو صاحبہ با حیات تھیں، اب اللہ تعالیٰ باری ہو چکی ہیں، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائیں آمین۔

۲۔ محاسن سجاد ص ۱۱۔

۳۔ حضرت مولانا سید منت الدین رحمائیؒ ہندوستان کے عظیم المرتبت علماء اور تدریس میں ممتاز تھے، حضرت مولانا سید محمد میمونؒ کی بانی ندوۃ العلماء کے چھوٹے نرزندہ تھے، انہماکرامی، منت الدین اور کنیت: ابو الفضل تھی، آپ کی ولادت ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۲ء) خاندان رحمانی موئگیر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم خانقاہ رحمانی موئگیر میں حضرت مولانا عبد الصمد رحمائیؒ کے پاس ہوئی، گیارہ سال کی عمر میں حیدرآباد پہنچے دیئے گئے، وہاں ایک سال حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب کی خدمت میں رہے، ان سے صرف، فوج، منطق اور دیگر فنون کی کتابیں پڑھیں، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، یہاں چار سال رہے اور بدایہ اور مشکوٰۃ وغیرہ تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۳۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور یہاں بھی چار سال رہ کر ۱۹۳۴ء میں فراغت حاصل کی، اس طرح آپ نے ملک کی دونوں مرکزی درس گاہوں سے فیض پایا، دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے حد میں تعلق تھا، جو غریب کا نکرہا، دیوبند کی طالب علمی ہی کے زمانہ سے تحریک آزادی میں شامل ہو گئے، اور اس بنا پر کچھ دن جیل میں بھی رہے، فراغت کے بعد خانقاہ رحمانی میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے وہاں سے انعام مجلہ جاری کیا جس کے مدیر تھے، پوری دوران حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ سے رابطہ ہوا اور

جو دارالعلوم دیوبند سے فاضل ہوئے، اور ۱۹۳۴ء میں شادی کی تاریخ سے عین دو تین دن قبل ان کی وفات ہو گئی، صاحبزادی کا نام سیدہ تھا، وہ اپنی والدہ عزیز النساء کے انتقال کے وقت صرف دو سال کی تھیں، اس لئے ان کی پرورش و پرورش و پرورش ان کی چھوٹی پھوپھی رابعہ خاتون نے کی، رابعہ خاتون پندرہ ہی میں رہتی تھیں ان کو ایک لڑکا تھا جو تین سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

سیدہ جب بڑی ہو گئیں تو ان کی شادی ہرگاواں میں جناب عبدالقدوس صاحب سے ہوئی، ان سے چھ اولاد ہوئی: ایک لڑکا اور پانچ لڑکیاں۔ لڑکا کا نام شکیل تھا، یہ جوان ہونے کے بعد ۱۹۴۶ء میں بہار کے مسلم کش فسادات میں ہرگانواں ندی کے کنارے اپنے والد کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ ان کی پانچ بیٹیوں کے نام حسب ذیل ہیں:

- ۱- عطیہ بانو زوجہ نصیر الدین، مقام: میرنگر ضلع شیخ پورہ بہار۔
- ۲- رشیدہ بانو زوجہ سید ظفر، مقام: مگھڑا ڈمراواں بہار شریف۔
- ۳- آرزو زوجہ سید شہاب الدین، مقام: مگھڑا ڈمراواں بہار شریف۔ نکاح کے بعد ہی انتقال کر گئیں۔
- ۴- نرگس بانو زوجہ سید شہاب الدین (آرزو کے انتقال کے بعد ان سے عقد ہوا) بوقت روایت باحیات تھیں اب فوت ہو گئیں، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔
- ۵- عشرت بانو زوجہ عبدالماجد، مقام: بہار شریف محلہ سراہی پر، آج کل چھوٹی درگاہ کے نام سے مشہور ہے، یہاں حضرت میر عالم زاہدیؒ کا آستانہ ہے۔^۱

محل ثانیہ

حضرت مولانا محمد حادق دوسری شادی پہلی اہلیہ محترمہ عزیز النساء صاحبہ کے انتقال کے دو برس بعد ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں گیلانی کے مشہور دینی و علمی خانوادہ کی یادگار ابوالمعالی خان بہادر مولانا سید عبدالعزیز صاحبؒ کی صاحبزادی محترمہ شکرہ صاحبہ سے ہوئی، مولانا سید عبدالعزیز صاحب کے والد ماجد حضرت میر واعظؒ ایک مشہور صوفی بزرگ تھے، جن سے متاثر ہو کر مشہور آنتی کے راجہ نے اسلام قبول کیا تھا پھر وہ راجہ سلسلہ فردوسیہ کے مشہور و معروف بزرگ جناب سید شاہ امیر الدین حادق نشیں حضرت مخدوم جہاںؒ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوا۔

۱- تذکرہ ابوالحسن ص ۲۸، ۲۹ مضمون ذاکر کفیل احمد ندوی بروایت نرگس بانو صاحبہ اور ان کے صاحبزادے جناب محمد اسلم صاحب۔

یہ دوسری اہلیہ پہلی اہلیہ کی قریبی رشتہ دار تھیں، بہن کی بیٹی تھیں، یعنی محترمہ عزیز النساء رشتہ میں ان کو خالہ لگتی تھیں، ان سے بھی کئی اولاد ہوئی، بقول مولانا سید منت اللہ رحمائی ان سے چھ اولاد ہوئی، تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ جب کہ محترمہ نرگس بانو صاحبہ کا بیان یہ ہے کہ ان سے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہوئیں، لڑکے (نام معلوم نہیں) کا انتقال پانچ سال کی عمر میں ہو گیا تھا، پھر ایک لڑکی زبیدہ کا آٹھ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا، ان کے بعد دو لڑکیاں (۱) طاہرہ (۲) اور نسیم زندہ رہیں، اب انہی دونوں سے حضرت مولانا کی نسل چل رہی ہے۔

☆ طاہرہ کی شادی مولانا علی حسن ابوجہال رونق استھانوی (مقام استھانواں) سے ہوئی، رونق صاحب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فارغ تھے، اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے، حافظ اور ڈاکٹر بھی تھے، مولانا محمد سجاد کے بعد اس خاندان میں آپ کے یہی ایک علمی یادگار باقی رہے، ان کا مستقل تذکرہ آگے آ رہا ہے ان شاء اللہ۔

☆ محترمہ طاہرہ صاحبہ سے چار اولاد ہوئی، تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، لڑکے کا نام محمد جمال تھا۔
☆ بڑی لڑکی کا نام نسیمہ خاتون تھا، ان کی شادی محمد سلیم صاحب (بڑی درگاہ بہار شریف) سے ہوئی۔
☆ دوسری لڑکی کا نام نسیمہ تھا، ان کی شادی حضرت مولانا سجاد کے چچا جناب مخدوم بخش صاحب کے پوتے عبدالفتاح (متوفی ۱۹۸۱ء) سے ہوئی، نسیمہ صاحبہ کا انتقال ۲۰۰۶ء میں ہوا۔
☆ تیسری لڑکی کا نام شفیقہ ہے، ان کی شادی صلاح الدین (مقام ہمسہ) سے ہوئی۔
☆ حضرت مولانا کی دوسری صاحبزادی (محل ثانیہ سے) نسیمہ خاتون ہیں، ان کی شادی محمد اعظم سے ہوئی، ان سے چھ اولاد ہوئی، چار لڑکے اور دو لڑکیاں۔

لڑکوں کے نام ہیں: (۱) محمد اسلم آرزو - امارت شریعہ پٹنہ میں تاحیات ملازم رہے (۲) محمد جاوید (۳) محمد شاہد پرویز (۴) شیر احمد۔ اور لڑکیوں کے نام ہیں (۱) افروز (۲) اور شمس۔ ۲

محل ثالثہ

جب دوسری اہلیہ ”بی بی شاکرہ خاتون“ کچھ عرصہ کے بعد مسلسل بیمار رہنے لگیں، آنکھوں سے بھی بالکل مجبور ہو گئیں، یہاں تک کہ گھر کا کام کاج اور بچوں کا سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا، تو حضرت مولانا نے مجبوراً تیسری شادی (سن کا علم نہ ہو سکا) گیا میں ایک بیوہ خاتون ”نور جہاں“ (بنت حافظ

۱- حیات سجاد ص ۱۲ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمائی۔

۲- تذکرہ ابوالحسن ص ۲۹، ۳۰ مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی بروایت محترمہ نرگس بانو صاحبہ و صاحبزادہ محمد اسلم۔

شادی کی تاریخ بھی طے ہو چکی تھی کہ اچانک ان پر نمونہ کا شدید حملہ ہوا، یہ زلزلہ ۱۹۳۲ء (مطابق ۱۳۵۳ھ) کے سال کی بات ہے، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب اس وقت سحبان الہند مولانا حافظ احمد سعید دہلوی کے ہمراہ چمپارن کے زلزلہ زدہ علاقوں کے دورہ پر تھے، آپ کو تار کے ذریعہ بیٹے کی بیماری کی اطلاع دی گئی، مولانا نے خط ہی کے ذریعہ پٹنہ میڈیکل کالج کے اسپتال میں داخل کرنے کی ہدایت دی، پھر گھر سے تار کیا گیا کہ ”بیٹے کی زندگی خطرہ میں ہے۔“ آپ مصیبت زدگان کو چھوڑ کر گھر واپس جانے پر آمادہ نہ تھے، لیکن مولانا احمد سعید دہلوی اور دیگر مخلصین کے اصرار پر آپ گھر تشریف لے گئے، مگر مولانا گھر ایسے وقت پہنچے جب وقت گزر چکا تھا، وہ بیمار بیٹے پر صرف حسرت بھری نگاہ ڈال سکے، اور بیٹا تو یہ بھی نہ کر سکا، وہ بے ہوش تھا، دو تین دن اسی کیفیت میں گزرے، اور مولانا حسن سجاد اپنے عظیم باپ کی قربانیوں میں ایک نئے باب کا اضافہ کر گئے، شادی کی تاریخ سے صرف دو تین دن قبل (۱۹۳۲ء) جان جان آفریں کے حوالے کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔^۱

مولانا ابو جمال علی حسن رونق استھانوی

حضرت مولانا محمد سجاد کی دوسری علمی یادگار آپ کے داماد مولانا علی حسن رونق استھانوی تھے، آپ کا اسم گرامی علی حسن، کنیت ابو جمال اور شخص ”رونق“ تھا، والد کا نام سید ابوالحسن اور دادا کا نام وارث علی تھا، پیدائش ۱۹۰۸ء میں استھانوال (ضلع ناندہ) میں ہوئی، آپ حسن و حسینی سادات اور عالی خاندان میں سے ہیں، دادا کی نسبت سے اب تک اہل خاندان وارثی لکھتے ہیں، ان کے والد خانقاہ محلہ میں معلم تھے، اور چچا مولانا ابوالبرکات استھانوی (متوفی ۱۲ رزی الحجہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۰۱ء) بھی سجادہ نشین خانقاہ مخدوم الملک بہار شریف حضرت شاہ امین فردوسی کے خلیفہ اور ممتاز عالم دین تھے، اور ایک بھائی مولانا عبدالغفور شرر استھانوی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معاون ناظم تھے، ایک بھائی حافظ صدر الحسن صاحب فاضل مدرسہ عزیز یہ بہار شریف کے ایک سرکاری اسکول میں مدرس تھے، ابتدائی تعلیم مدرسہ عزیز یہ بہار شریف میں حاصل کی اور یہیں آپ نے منشی شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی کے تلمیذ رشید منشی حبیب الرحمن بہاری مرحوم سے فن خطاطی کی سند حاصل کی، اس کے بعد پنجاب، مدرسہ امینیہ دہلی، دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سفر کیا، گیا میں اپنے رضائی والد حضرت مولانا خیر الدین صاحب گیاؤٹی سے عربی پڑھی، اور فخر الحکماء حکیم محمد ابراہیم صاحب سیکریٹری درگاہ طبیبہ گیا سے طب کی تعلیم حاصل کی، علامہ اسماعیل

۱- محسن سجاد ص ۷۲ مضمون: مولانا مسعود عالم ندوی، حیات سجاد ص ۱۳ مضمون: مولانا سید منت اللہ رحمانی، حیات سجاد ص ۹۹، ۱۰۰ مضمون: مولانا شاہ سید حسن آرزو۔

رسمًا صاحب گویا وی ٹریپل ایم اے و گولڈ میڈلسٹ سے فن شاعری میں اصلاح لی، آخر میں مدرسہ انوار العلوم سے سند حدیث حاصل کی، عجب نہیں کہ یہیں حضرت مولانا سجاد صاحب سے تلمذ حاصل ہوا ہو، ۱۹۲۸ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سند فضیلت حاصل کی، اسی کے ساتھ پٹنہ ہو میو پیٹھک نیشنل کالج سے ڈاکٹری کی ڈگری بھی حاصل کی، اس طرح گونا گوں علوم و فنون کے مالک ہوئے، وہ زبردست عالم ہونے کے علاوہ خطاط، عالم، حکیم، ڈاکٹر اور ممتاز شاعر بھی تھے، ملک کے اکثر چھوٹے بڑے اخبارات و رسائل میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے، اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شاعری پر قدرت حاصل تھی، کچھ دنوں اورنگ آباد دکن میں بھی رہے، اسی اثناء ہندوستان کے نامور شاعر حضرت جلیل نواب فصاحت جنگ بہادر استاد نظام الملک سلطان دکن سے بھی مشورہ سخن ہوا، وہ بھی آپ کی شاعری کی تحسین فرماتے تھے، مولانا تلمذ پھلواری بھی آپ کی شاعری کے مداح تھے، مشہور شاعر درد کا کوروی (نذر الرحمن یا میر نذر علی درد) سے بھی ان کے مراسم رہے، درد کے ہدیہ کئے ہوئے کئی مجموعہ نئے اشعار کتب خانہ الفلاح (استخوان) میں موجود ہیں، جن پر ”حضرت مولانا علی حسن رونق استخوانی زید لطفہ - درد کا کوروی“ لکھا ہے، فراغت کے بعد کچھ عرصہ جامعہ رحمانی مولگیر میں بھی مدرس رہے، جامعہ رحمانی مولگیر کے ترجمان الجامعہ کے ۱۹۳۰ء کے شماروں میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں، جن میں ان کے نام کے ساتھ استاد جامعہ رحمانی لکھا ہے، جس سے ان کی وہاں تدریس کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے وطن میں مدرسہ محمدیہ کے قیام کے بعد وہاں بھی کچھ دنوں تدریسی خدمت انجام دی، اخیر میں مدرسہ عزیز بہار شریف میں مدرس ہو گئے تھے، اور تقریباً بیس سال خدمت انجام دے کر قریب ۱۹۸۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ سبکدوشی کے بعد تا حیات قریب دس سال تک بہار شریف کے محلہ لہیری میں ایک چھوٹے سے حجرہ میں مقیم رہے۔^۱

وہ صاحب دیوان شاعر تھے ان کا دیوان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں مطبع ملانی بھیر و پٹی ضلع دربھنگا سے شائع ہوا، اس میں غزل، مسدس، مثلث، قطعات، رباعیات، حمد و نعت و دیگر قومی نظمیں شامل ہیں، یہ دیوان کافی مقبول ہوا اور باب سخن سے خراج تحسین وصول کیا۔^۲

۱- تذکرہ ابوالحسن ص ۸-۹، احاشیہ موزنا علی نعمت ندوی، نیز دیوان رونق کا مقدمہ وغیرہ۔

۲- دیوان رونق کا مقدمہ ص ۲۲۲ تحریر کردہ جناب سید طبع الرحمن صاحب، یہ دیوان جناب مولوی محمد حسن صاحب محسن بی اے ایڈمنسٹر مسٹر ایچ وی اسکول دربھنگا اور جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب بی اے ڈیپل کی فرمائش پر جناب سید طبع الرحمن ٹوٹی بیکری دارالکتاب و التالیف بھیر و پٹی ڈاکھان قتب برہم دیں ضلع دربھنگا کے زیر اہتمام مطبع ملانی بھیر و پٹی دربھنگا سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا، (بکریہ مولانا علی نعمت ندوی استخوانی)

مولانا ابوالحسن محمد یسین بسنوی مدرس اول یتیم خانہ در بھنگلہ کے قطعات تاریخ طباعت دیوان رونق دیوان میں شامل ہیں، جس کا ایک بند یہ ہے:

اگر خواہی کہ مینی شان رونق بیا بنگر گلستان رونق
بفصل گل بگو تاریخ فصلی شگفتہ ایں دیوان رونق (۱۳۴۳ ف)
ازیں فصلی بیابی سال ہجری نگاہے بر سر ایوان رونق (۱۱)
(۱۳۵۴ ھ)

☆ دوسرا مجموعہ کلام اشک رونق تاریخی نام 'ضرب رونق' (۱۳۵۸ ھ) ان کے برادر زادہ سید احمد سعید صاحب ہنراستھانوی فرزند حضرت علامہ شرراستھانوی ندوی کے اہتمام سے حافظ قاری معز الرحمن صاحب وصل استھانوی تلمیذ حضرت رونق کی فرمائش پر ۱۳۵۸ ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں شاہی پریس لکھنؤ سے چھپ کر دفتر انجمن الفلاح استھانواں ضلع نالندہ سے شائع ہوا اس میں زیادہ تر کلام انہی کا ہے، البتہ کچھ ان کے تلامذہ کے کلام بھی شامل ہیں، آغاز کتاب میں ان کے خویش مولوی حکیم سید مظاہر حسین دستوی کا عرض ناشر ہے۔^۱

استھانواں کی انجمن الفلاح سے ہی ان کا ایک اور مجموعہ کلام 'لمعات رونق' منشی سید نصیر الدین صاحب استھانوی کی فرمائش پر اور جناب شیخ نجیب الدین صاحب استھانوی کے زیر اہتمام شائع ہوا^۲، رونق صاحب کے زمانہ میں انجمن الفلاح کافی متحرک اور سرگرم تھی۔^۳

نمونہ کلام رونق

بطور نمونہ ان کی شاعری کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

زہے قسمت کہ میں دل سے ہوا شیدا محمد کا نظر آجائے گا اب خواب میں جلوہ محمد کا
خدا کا ہو گیا پیارا یہ عزت ہو گئی حاصل جو قسمت سے ہوا کوئی بشر شیدا محمد کا
فرشتے خاک پائے مصطفیٰ آنکھوں سے ملتے تھے شب معراج یوں ظاہر ہوا رتبہ محمد کا
نہ کیوں کر دولت کونین مل جائے مجھے رونق ان آنکھوں سے اگر دیکھوں رخ زیبا محمد کا

میری آہوں کا شرر شعلہ فتن ہو جائے گا دیکھنا بے چین وہ سیس بدن ہو جائے گا

۱- یہ معلومات "اشک رونق" کے ناسخ سے لی گئی ہیں۔

۲- لمعات رونق کے ناسخ سے ماخوذ۔

۳- میں شکر گزار ہوں جناب مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی صاحب کا کہ انہوں نے رونق صاحب کے بارے میں مجھے اہم تفصیلات فراہم کیں، اور آپ کے مجموعہ کلام کے ضروری صفحات کے کس کس میں ارسال فرمائے فجر ۱۴۱۰ھ۔

جیتے جی کے سب ہیں جھگڑے پھر کہاں سوز و اُم
ختم اک دن خود بخود رنج و محن ہو جائے گا
پھول پتوں میں چھپائیں گے حیا سے اپنا منہ
خندہ زن جب باغ میں وہ گلبدن ہو جائے گا
بے کسی آنسو بہائے گی جو میری اش پر
ہر گولہ دشت کا میرا کفن ہو جائے گا

بے وفا تو جو مرے گھر کبھی مہماں ہوتا میرے دل کا بھی تو پورا کبھی ارماں ہوتا
دست نازک سے وہ بیزی جو پہناتے مجھ کو ہائے کس شن سے میں داخل زنداں ہوتا
منتفع ہوتا جو میں فیض رسا سے پیہم مجھ سارونق نہ کوئی آج سنداں ہوتا ۲
اس قدر علم و فضل کے باوجود مالی اعتبار سے بھی آسودہ نہیں رہے، مختلف شہروں کا چکر لگاتے
رہے، طبیعت میں سیما بیت تھی، کبھی استقرار نصیب نہیں ہوا، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے بہار میں اپنی
حکومت بنائی، بڑی طاقت اور اثر و رسوخ کے مالک تھے، بے شمار لوگوں کو آپ نے نفع پہنچایا، مولانا
رونق صاحب بھی پانچ روپے کی کسی ملازمت کے خواہاں تھے، لیکن مولانا سجادؒ کی غیرت نے ان
کو اپنے عزیز کے لئے کسی کے سامنے لب کھولنے کی اجازت نہیں دی اور وہ اپنے داماد کی کوئی مدد نہ
کر سکے۔ فرحمہا اللہ۔ ۲

مولانا رونق صاحب کی وفات ۵ اپریل ۱۹۹۳ء (۱۲ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ) کو کہنہ
سرائے میں فیروز نیر صاحب کے مکان پر ہوئی جہاں وہ آخری دنوں میں چند مہینوں سے مقیم تھے،
پہلا جنازہ جامع مسجد بہار شریف میں ہوا، بعدہ جنازہ بذریعہ ٹرک موضع پنہسہ لے جایا گیا، جہاں
دوسری جماعت ہوئی اور وہیں مسجد کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ ۱



۱- دیوان رونق ص ۵۵ غزل نمبر ۱۰۲۔

۲- دیوان رونق ص ۱۸۵ نمبر ۳۰۔

۳- حیات سجاد ص ۱۵۱ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

- تذکرہ ابوالحسن ص ۸۰ حاشیہ ۱: طلحہ تحت ندوی برائیت پر و فیہ سید امتیاز صاحب مکتبہ سابق پر و فیہ طالعہ امتیاز کالج بہار شریف
ساکن محل باردوی (بہار شریف) شاعر و رشید عالم می حسن رونق صاحب۔

روحانی حالات

(۵)

پانچواں باب

تعلیمِ روحانی و تزکیہِ باطن

تعلیم روحانی و تزکیہ باطن

انسان کے کامل ہونے کے لئے علم باطن بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ علم ظاہر، بندہ علم باطن ہی تمام علوم ظاہرہ کی روح ہے، علم ظاہر ذہن و دماغ کی تربیت کرتا ہے تو علم باطن قلب و روح کی، علم باطن ہی علم ظاہر کا سمت سفر متعین کرتا ہے، علم ظاہر ایک لبادہ ہے جس کے اندر ایک حقیقت مستور ہوتی ہے، اسی حقیقت کو دریافت کرنے کا نام علم باطن ہے، علم باطن ہی صحیح طور پر خلوت و جلوت میں انسان کی نگرانی کر سکتا ہے، اعمال صالحہ تقویٰ کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں، اسی لئے ہر دور کے علماء اور خواص کے یہاں صوفیانہ مزاج و مذاق اور تزکیہ باطن کا رجحان ملتا ہے، اہل علم ہمیشہ معرفت کی دکانوں سے سودائے دل کے خریدار رہے ہیں، علم ظاہر نے دوا علم باطن سے جلا حاصل کی ہے، اور علم کے علو نے فقر غیور کی مسکنت سے زندگی کا ادب سیکھا ہے، ہمیشہ اسی طرح ہوا ہے اور آئندہ بھی اسی طرح ہوتا رہے گا، اور جب تک اس پاک روایت کا تسلسل قائم ہے اس امت کے لئے خیر و صلاح کی ضمانت بھی برقرار ہے۔

مولانا کا ذوق تصوف خاندانی تھا

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی اسی قدسی روایت کے امین اور شریعت و طریقت کے مجمع البحرین تھے، اور یہ چیز ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، تصوف کا مذاق اس خاندانہ کی سرشت میں موجود تھا، والد ماجد مولوی حسین بخش صاحب بڑے متقی، دیندار، قانع، متوکل اور مولوی سے زیادہ صوفی بزرگ تھے، سلسلہ نقشبندیہ کے صاحب نسبت بزرگ حضرت قاری سید احمد صاحب شاہ جہاں پوریؒ سے بیعت تھے، پیرومرشد کو دعوت دے کر اپنے گھر (پنہسہ) لائے اور یہاں بیعت

۱۔ قاری احمد شاہ جہاں پوری صاحب کا مکان محلہ جھنڈ کلاں میں چھوڑے والی مسجد کے قریب تھا، انگریزی فوج میں ملازم تھے، جنگ کامل میں زخمی ہو گئے تھے، ایرانی ختم ہونے کے بعد ملازمت چھوڑ دی، اور روٹنی کی طرف رجحان ہو گیا، خفیہ محمد علی صاحب سے بیعت ہوئے، اور فن قراءت میں قاری عباس صاحب چلی بھٹی کے شاگرد ہوئے، قراءت حاصل کر کے حج بیت اللہ کو گئے اور مکہ معظمہ میں پانچ برس تک قیام کر کے قراءت کا کلمہ کیا اور وطن واپس آ کر تمام عمر بچوں کی تعلیم میں مشغول رہے۔ احسان خاں نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ قاری صاحب پہلے حاجی سعد اللہ شاہ صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے، اور جب حاجی صاحب حیدر آباد شریف سے گئے تو آپ نے شاہ غلام جیلانی صاحب سالن بلا سپور عاقد ریاست رامپور سے خاندان قادر یہ میں بیعت کر لی تھی، نواب وزیر الدونہ والی نوک آپ کے بہت معتقد تھے اور کچھ خدمت بھی کرتے تھے۔ ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں وفات پائی اور چھوڑے والی مسجد میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ شاہ جہاں پور محمد بیچ الدین خلیل مای پریس لکھنؤ، ۱۹۳۶ء تذکرہ قاری احمد صاحب)

ہوئے، اپنے بڑے صاحبزادے صوفی احمد سجاد گو بھی ان سے بیعت کرایا، رشتہ کے داماد اور پورے علاقے کے سب سے مرکزی اور بافیض عالم دین حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ بھی حضرت قاری صاحب ہی کے دست گرفتہ تھے، غرض

ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است

حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پوری نقشبندیؒ سے بیعت

خاندان کا ایک ایک فرد روحانیت کی لذت سے آشنا اور معرفت کے ذوق کا دلدادہ تھا، پھر حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے قدم اس روش پر پیچھے کیسے رہ سکتے تھے؟ تعلیم ظاہری کی رسمی تکمیل سے قبل ہی مولانا محمد سجاد صاحبؒ حضرت قاری سید احمد صاحب شاہ جہاں پوریؒ کے شجرہ طوبیٰ سے وابستہ ہو گئے تھے، جوان کے گھر، سسرال بلکہ پورے خطے کے پیرو مرشد تھے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا پانی شادی کے بعد ہی حضرت قاری سید احمد صاحب شاہ جہاں پوریؒ سے مرید ہو چکے تھے۔“
حضرت مولانا کی پہلی شادی مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کے مطابق اکیس برس کی عمر میں ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔^۳

جب کہ مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحبؒ کے بقول پہلی شادی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد جانے سے قبل ہی ہوئی تھی، یعنی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء سے قبل، جب آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔^۴
مولانا محمد سجادؒ کی تعلیم کی رسمی تکمیل اور دستار بندی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں ہوئی، یعنی تعلیم ظاہر کی تکمیل کے ساتھ ہی عین غفوان شباب میں تعلیم باطن کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

اجازت و خلافت

مولانا نے جس طرح علوم ظاہری میں تیزی کے ساتھ کمال حاصل کیا، علوم باطن میں بھی آپ نے بہت جلد ترقی کی، اور کمال تک پہنچ گئے، تکمیل سلوک کے بعد حضرت شیخ نے آپ

۱- محاسن سجادؒ ۲ مضمون مولانا صغیر حسین صاحب۔

۲- حیات سجادؒ ۱۸ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۳- حیات سجادؒ ۱۶ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۴- محاسن سجادؒ ۱۱ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی۔

کو اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا، گو کہ آپ نے اپنے طبعی انکسار و بے نفسی کی بنا پر ہمیشہ اپنے کمالات کے باطنی حصہ کا اخفای فرمایا، ملک میں بہت سے صاحب سلسلہ مشائخ موجود تھے، لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، لیکن آپ نے کبھی اپنے مقام ارشاد کی تشہیر نہیں کی، اور نہ اپنی صوفیانہ تعلیمات کی طرف لوگوں کو دعوت دی، اکثر لوگ تو جانتے بھی نہیں تھے کہ مولانا عارف کامل اور شیخ طریق بھی ہیں، البتہ کوئی بہت زیادہ اصرار کرتا تو اس کو بیعت فرما لیتے تھے، یا طریقت کی تعلیم دے دیتے تھے، روحانی ذوق و مزاج کے حامل صاحب قلم حضرت شاہ ابوطاہر قاسم عثمانی فردوسی صاحب^۲ کی شہادت دیکھئے کہ ”ولی را ولی می شناسد“

۱۔ حضرت مولانا محمد سجاد نے سلوک کے تمام منازل حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پور مری کے پاس طے کئے، اور درجہ کمال تک پہنچے، اور صاحب ارشاد ہوئے، مولانا محمد سجاد کے حالات و واقعات پر لکھے گئے قدیم تذکروں اور مضامین میں (جو براہ راست آپ کے شاگردوں اور فیض یافتگان سے منقول ہیں) کہیں حضرت قاری صاحب کے علاوہ کسی اور پیر طریق کی طرف رجوع کا ذکر نہیں ہے، خود اسی ذوق کی حامل شخصیت اور آپ کے بہت سارے امور کے راز دار حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب نے بھی آپ کی روحانی تعلیم کے ضمن میں صرف حضرت قاری صاحب کا ذکر کیا ہے، اور قاری صاحب کے وصال کے بعد کسی دوسرے روحانی بزرگ سے مراد دعوت یا تعلیم لینے کا کوئی تذکرہ بلکہ اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے (دیکھئے: حیات سجاد ص ۱۸ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی) اگر حضرت مولانا محمد سجاد نے حضرت قاری صاحب کے بعد کسی اور پیر طریق سے بھی رجوع کیا ہوتا تو یہ بات آپ کے ان خاص احباب سے مخفی نہ رہ سکتی تھی۔

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب حضرت قاری صاحب کے زیر صحبت ہی درجہ کمال تک پہنچ گئے تھے، اور انہوں نے اپنی روحانی تعلیم یا باطنی تکمیل کے لئے قاری صاحب کے بعد کسی شیخ وقت کے آستانہ پر حاضری نہیں دی، یوں آپ کے مراسم ہندوستان کے تقریباً تمام ہی علماء کبار اور مشائخ کاملین سے تھے، مگر ان میں یہ غرض شامل نہیں تھی۔

۲۔ حضرت شاہ قاسم عثمانی فردوسی سلوٹی اپنے بڑے صاحبزادے شاہ طاہر عثمانی کی نسبت سے ابوطاہر کہلاتے تھے، آپ کی پیدائش ہر صفر ۱۳۰۶ھ (۱۸۹۰ء - ۱۸۹۱ء) کو سمنہ ضلع اورنگ آباد میں ہوئی۔ سلسلہ نسب ازبک سون (۳۸) پشت میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، ابتدائی تعلیم قرآن کریم، فوری اور ضروری دینیات تک گھر میں ہوئی، اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے گیا، ’ہیری داس سمزی اسکول‘ (جو ناٹوان اسکول کے نام سے مشہور تھا) میں داخل کئے گئے، پھر علی گڑھ یونیورسٹی چلے گئے، اور میٹرک پاس کیا، اسی دوران خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں شروع ہو گئیں، تو تعلیم ترک کر کے ان تحریکات میں شامل ہو گئے، مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ اہلہال کی تحریک میں شامل رہے، انگریزی چیزوں کا ترکہ کرتے تھے، مولانا آزاد کی تحریک حزب اللہ سے بھی وابستہ رہے، مولانا آزاد اور انجی میں نظر بند کئے گئے تو آپ بھی رانچی منتقل ہو گئے، اسی دوران رانچی میں مدرسہ اسلامیہ قائم ہوا تو آپ اس کے مدرس اول مقرر کئے گئے۔ روحانی تعلیم اپنے جد امجد مولانا شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید سے حاصل کی، جو حضرت مخدوم شیخ شرف الدین محی المیرتی کے سلسلہ فردوسیہ کے صاحب نسبت اور کامل بزرگ تھے، وہ بیعت طریقت کے ساتھ بیعت جہاد بھی لیتے تھے، شاہ قاسم بھی اپنے جد امجد کی تقلید میں بیعت جہاد لیتے تھے، اور سلسلہ کی نسبت سے فردوسی کہلاتے تھے۔

جد امجد کے علاوہ خانقاہ پھلواری شریف سے بھی آپ کا گہرا رابطہ تھا، خانقاہ میں مسلسل دو سال قیام فرمایا۔ اور وہاں سے شائع ہونے والے ماہنامہ ’معارف‘ کے مدیر رہے، اس دوران وہاں کے علماء سے کچھ دینی علوم بھی حاصل کئے، ان کی زندگی پر دینی رنگ غالب تھا، وضع قیام اور دینی گفتگو سے وہ پورے عالم دین نظر آتے تھے۔ خانقاہ سلسلہ کے سجادہ نشین تھے، ان کی زندگی سر اپا عشق و محبت اور جذبہ انقلاب تھی، ان کے خطوط کا مجموعہ بخش دوام کے نام سے شائع ہوا ہے، جس سے ان کی روحانی تعلیمات کی معنویت آشکارا ہوتی ہے۔

طبیعت کی یہی آتش جوالہ ان کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، اور حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد جیسے بزرگوں کے قریب لے گئی، اور ان کے قدم بہ قدم ان کی تحریکات میں سرگرم مل رہے، ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۲ء تک جملہ تحریکات میں شریک ہوئے، تحریک ریشمی رومال میں بھی آپ کا ہمراہ تھا، اس ضمن میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دیگر ارکان تحریک سے بھی ان کے کچھ مراسم تھے۔

”حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب کو لوگ تو عموماً ایک قحط عالم، بے مثل مدبر اور وقت کا ایک زبردست منکر اسلام سمجھتے ہیں۔ مگر میں تو مولانا کو ان محامد کے ساتھ ایک عالم باعمل، صوفی باعفا اور عارف باخدا سمجھتا ہوں، ہماری آنکھوں نے تو ان کو تلاوت قرآن کے وقت مکین اور بے خود دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک ایک آیت کو بار بار پڑھتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ قبلہ رخ یا نماز پر دونوں پاؤں اٹھائے ہوئے بطور احتوا تشریف فرما ہیں، پاؤں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ ہے، آنکھیں بند ہیں، ساکت، بے حس و حرکت بیٹھے ہیں، آنکھیں اشکبار ہیں اور محویت کا عالم جاری ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ وہ طریقت اور مشرباً نقشبندی تھے۔ مگر کہ لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ صاحب ارشاد بھی تھے ایک سفر میں میں ریل میں ساتھ تھا آپ نے بیگ سے قرآن مجید نکالا اور اس کے جزدان سے چند اوراق نکال کر مجھے عنایت فرمائے اور خود تلاوت میں مشغول ہو گئے ان اوراق میں تمام نقشبندی تعلیمات مرقوم تھے، جو ان کو ان کے شیخ سے پہنچے تھے۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا: کیا میں ان تعلیمات کو لکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: لکھ لیجئے، اللہ برکت عطا فرمائے۔

مولانا مرحوم بیعت طریقت بھی لیتے تھے، مگر بہت کم، جب کسی نے بہت اصرار کیا تو لے لیا گیا میں جب تک مولانا کا قیام رہا سملہ ہر عرس میں تشریف لایا کرتے، ایک موقع پر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں ارکان اسلام کے ساتھ جہاد پر بھی بیعت ہوتی ہے تو آپ نے مجھ سے فرمایا: کہ بیعت کے ساتھ اہتمام جہاد بھی کرنا چاہئے، میں نے عرض کیا: تو آپ ہی امیر بنیں، میں امیر تسلیم کرتا ہوں۔ اس گفتگو کے چند دنوں کے بعد میں چند احباب کے ساتھ مدرسہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے تو امیر تسلیم ہی کر لیا ہے، ہمارے یہ مخلص احباب بیعت جہاد کے لئے حاضر ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے بیعت جہاد لی، ان سے جن لفظوں میں آپ نے بیعت لی، ان کے مانورہ الفاظ یہ ہیں:

بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکره
وان لا ننازع الامر اہله، وان نقول بالحق حیث کنا ولا نخاف لومة لائم۔
اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد تحریک امارت شروع ہوئی اور اللہ نے آپ کو نائب امیر شریعت بنایا۔“

→ تحریک امارت شریعہ کے عناصر ثلاثہ میں حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد، اور قاضی احمد حسین صاحب کے ساتھ تیسرا نام آپ ہی کا ہے۔
”تو کہ امارت شریعہ کی تاریخ میں یہ نام فراموش ہونا جا رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس تحریک کی بنیاد کا پتھر ہیں۔
حضرت مولانا سجاد کی روحانی شخصیت سے بھی وہ بہت متاثر تھے، بعض وظائف کی اجازت بھی ان سے لی تھی، حضرت مولانا سجاد کے ہاتھ پر تاسیس امارت سے قبل ہی انہوں نے بیعت امارت و جہاد کی تھی۔ وفات ۲۹ شعبان ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) کو سملہ شریف میں ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔ (دیکھئے: شخصیات ”مرتبہ: شاہ طیب عثمانی“، ”تذکرہ“ ۳۰ مئی ۲۰۱۶ء، مضمون مولانا شاہ محمد طیب عثمانی ندوی)۔
۱- حیات سجاد ۱/۷ تا ۳۷ مضمون: شاہ ابوطاہ فردوسی صاحب۔

صدق و اخلاص اور عشق رسول

حضرت مولانا سجاد کو صدق و اخلاص اور عشق رسول سے حصہ وافر ملا تھا، جو کہ مقامات قرب اور منازل ولایت میں سے ہے، حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی اپنا ذاتی تجربہ بیان فرماتے ہیں:

”مجھ پر سب سے زیادہ جو چیز ان کی اثر انداز ہوتی وہ ان کا صادق اخلاص اور اپنے پیغمبر ﷺ کے ساتھ کامل وفاداری تھی، اس پہلو پر جب گفتگو ہوتی، اور جب دستور جب وہ آپ سے باہر ہو جاتا تو خود روٹتا اور مولانا کو رلاتا تھا۔ یاد آتا ہے اور وہ سماں کیا حافظہ سے نکل سکتا ہے، جازوں کے دن تھے، میں پاپیا (شیخ الدم) کی خطرناک بیماری سے شقیاب ہو کر گیلانی میں رخصت کے دن گذر رہا تھا، حضرت مولانا بھی گیلانی تشریف لائے، باتوں باتوں میں اپنی نعتیہ نظم جو ملحقی میں ہے، اس کا ذکر بھی آیا، مولانا نے سنانے کی فرمائش کی، میں خاص لے میں سنانے لگا جب اس بندہ پر پہنچا سرور کائنات ﷺ کو مخاطب کر کے عرض کیا گھیا تھا:

تمری دداریا کیسے چھوڑوں تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری ٹھلیک دھول بخوروں تم سے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
انھوں پھر اب دھیان یہی ہے

۱۔ عظیم مفکر، محقق، فلسفی، مؤرخ، محدث، فقیہ، صاحب طرز ادیب اور عبقری عنایت عالم دین تھے، آپ کی پیدائش نابھال، ستھنوں بہار شریف میں ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں ہوئی، والد کا نام حافظ ابوالخیر تھا، اور ناناکا، مہنداسمین تھا، والدہ کا نام سیدہ کبری بنت فدا حسین تھا، ابتدائی تعلیم اپنے وطن گیلانی میں اپنے چچا سید ابوالنصر گیلانی سے حاصل کی، پھر ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۶ء) میں مزید تعلیم کے لئے نوٹک حضرت مولانا برکات احمد مرحوم کی خدمت میں بھیج دیا گیا، جہاں سات سال تک آپ نے معقولات کی کتابیں پڑھیں، اور اختصاص حاصل کیا، ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۳ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں دیوبند سے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ الہند کی خصوصی توجہ اور تصرف سے آپ کی توجہ معقولات سے ہٹ کر حدیث و تفسیر کی طرف متغیر ہوئی، فراغت کے بعد چند سال رسالہ ”المقام“ اور ”الرشید“ میں معاون مدیر کی حیثیت سے کام لیا، پھر ۱۹۲۰ء (۱۳۳۸ھ) میں آپ حیدرآباد جامعہ عثمانیہ میں دینیات کے استاد ہو گئے، اور تقریباً ساری زندگی وہیں گزاری، اور وہیں رہ کر علوم اسلامیہ کے مختلف موضوعات پر ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار کر دیا، تقریباً تیس (۳۰) سال کے بعد ۱۹۴۹ء (۱۳۶۸ھ) میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے، سبکدوشی کے بعد اپنے وطن گیلانی آ گئے، اس کا اصل نام بی الدین پور گیلانی یا بی الدین گیلانی پور یا خٹلاف روایات تھا، جو حضرت شیخ عبدالقادر کی نسل کے ایک بزرگ شیخ منہاج الدین نے بہار شریف سے آ کر اپنے جد اعلیٰ کے نام پر بنایا تھا، اب یہ گاؤں ضلع بالندہ (بہار شریف) میں شامل اور ضلع شیخہ کی سرحد پر ہے، مولانا نے آخری لمحات حیات یہیں چار پانچ سال گزار کر ۲۵ رجب المرجب ۱۳۷۵ھ مطابق ۵ رجب المرجب ۱۹۵۶ء بمقامات پائی اور گیلانی میں اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

کئی اہم تصنیفات آپ کے قلم کی روشن منت ہیں، مثلاً: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (دو جلدیں)، تہذیب و تمدن، حدیث تہذیب و تمدن، تہذیب و تمدن فقہ، اس کا مقدمہ مطبوعہ موجود ہے، تہذیب و تمدن، پہلے جلد، النبی افانہ - سیرت النبی پر ایک نادر و نوجو کتاب، از الدین القیصر، مقالات احسانی، سوانح قاضی (تین جلدیں)، ان اسفار اربعہ کا ترجمہ وغیرہ (تفصیل کے لئے دیکھیں) حیات گیلانی، از حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی

مولانا مرحوم بے قرار ہو گئے۔ دے دے ہوئے آنسو تھم نہ سکے، میلاب رواں دواں ہوا کہ کھکھیاں بندھ گئیں:

تم سے تو رُول تو کس سے جوڑ
اس مصرعہ کو بار بار دہراتے تھے۔

رقتِ قلب اور غلبہٴ خشیت

مولانا بے انتہا رقیق القلب تھے، دینی معاملات میں یا مسلمانوں کی بے دینی کا حال سن کر اکثر آپ کی آنکھیں ڈبڈب جاتی تھیں، مولانا منظور احمد نعمانی صاحب^۲ نے حضرت مولانا سجاد سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوران ملاقات میں نے کسی سیاسی کانفرنس میں بعض مسلمہ سکرین کی عملی کوتاہیوں کا ذکر کیا تو حضرت مرحوم نے فرمایا:

”میں تو اس بارے میں ادنیٰ رواداری کو مدہ انتہت سمجھتا ہوں۔ پھر یک لخت آنکھوں میں آنسو ڈبڈب آئے، اور فرمایا کہ فتنہ والحاد کے عموم و شیوع کی وجہ سے ہماری دینی حس بڑی حد تک مآؤف بھی ہو چکی ہے، اور مجھے تو بسا اوقات شبہ ہو جاتا ہے کہ ہم لوگوں میں ایمان کا ادنیٰ درجہ بھی ہے یا نہیں؟ حدیث میں فرمایا گیا کہ ہاتھ یا زبان سے برائی روکنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں اس سے قلب میں نفرت، اور عند الاستطاعت اس کے خلاف عملی یا قولی جہاد کی نیت ہر مسلمان کا فرض ہے، اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے جس کے بعد کوئی اور درجہ ہے ہی نہیں (ولیس وراء ذلك مثقال حبة خردلة من ایمان او كما قال عليه الصلوة والسلام)^۳ اور

۱- حیات سجاد ص ۵۸، ۵۹ ارتسامات گیلانیہ۔

۲- ممتاز محدث و معتمد اور مشہور مناظر تھے، ۱۵ دسمبر ۱۹۰۵ء (۱۷ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ) کو اپنے وطن منجیل (یونی) میں پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں ہیں، ۱۹۲۵ء (۱۳۴۵ھ) میں دارالعلوم سے فراغت پائی، دارالعلوم میں آپ نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مفتی مزید الرحمن عثمانی وغیرہ جیسے جہاں العلم سے استفادہ کیا، فراغت کے بعد پہلے بریلی کے ایک مدرسہ میں مدرس ہوئے اور پھر ۱۹۳۴ء (۱۳۵۳ھ) میں اپنا مشہور زمانہ رسالہ اغرقان جاری کیا جو بعد میں لکھنؤ منتقل ہو گیا اور مولانا بھی لکھنؤ آ گئے اور وہیں اپنی ہر گریماں جاری رکھیں، ۱۹۳۱ء میں تحریک بزمعت اسلامی میں شامل ہوئے، لیکن ۱۹۴۳ء میں اس سے علحدہ ہو کر جماعت تبلیغ سے وابستہ ہو گئے، متعدد بلند پایہ علمی و ادبی تصانیف کے مصنف ہیں جن میں معارف الہدیٰ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ۵ مئی ۱۹۹۷ء (۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ) میں لکھنؤ میں وفات پائی اور عیش باغ کے قبرستان میں دفن ہوئے، (مزید تفصیل کے لئے مطالعہ کریں مولانا کے فرزند مولانا عتیق الرحمن نعمانی کی کتاب مولانا منظور نعمانی اور الفرقان کا خاص نمبر)

۳- یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اور پوری روایت اس طرح ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ: «مَنْ نَبَى بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَؤَارِيُونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَقْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ» (الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۱ ص ۵۰ حدیث نمبر: ۱۸۸ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري للمحقق: الناشر: دار الجليل بيروت + دار الأفاق الجديدة. بيروت الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات)

ملاحظہ اور فراق بلکہ کھلے بخار و مشرکین کو علانیہ فتنہ و الحاد اور کفر و شرک کرتے دیکھتے ہیں، اور بسا اوقات ہمارے قلب میں بھی اس کے خلاف کوئی غیظ و غضب پیدا نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے اس ادنیٰ اور آخری درجے سے بھی اس وقت شاید ہم غالی ہوتے ہیں۔

در حقیقت اپنے ایمان پر یہ خوف و خشیت ہی روح ایمان ہے، اور یہی وہ تقویٰ ہے جس کو ابن ابی ملیکہؒ نے صحابہ کرامؓ سے ہائیں الفاظ نقل کیا ہے (فی البخاری تعلیقاً قال ابن ابی ملیکہ لقیث ثلاثین من اصحاب النبیؐ کلہم یخشئ علی نفسه النفاق)۔^۱

بے نظیر عزیمت و ایثار

آپ ایک مرد انقلاب تھے، جدھر رخ کیا صف کی صف الٹ کر رکھ دی، سب سے پہلے اپنے نفس سے جہاد فرمایا، اور فنائیت و اللہیت اور زہد و تقویٰ کے ان مقامات بلند تک پہنچے جن کا تصور بھی اس دور میں نہیں کیا جاسکتا، اس باب میں حضرت مولانا محمد سجادؒ نے عزیمت کی جو تاریخ رقم کی ہے کہ عام تو عام شاید علماء و قادیان اور خواص کی صفوں میں بھی اس کی کوئی دوسری مثال نہ مل سکے: امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے درست لکھا ہے کہ:

”ایک دو نہیں، چھوٹے بڑے ملا کر میکڑوں قائم در ہنما جند و تان میں موجود ہیں، لیکن انہیں ذرا اس کموٹی پر تو ہر کھ کر دیکھئے۔“^۲

اکھوتے جوان بیٹے کو اللہ کے راستے میں قربان کیا، اور امت کے مسائل کو اپنے ذاتی مسائل پر ترجیح دی، ایسے واقعات کتابوں میں پڑھنے کے لئے بہت ملتے ہیں مگر زندگی میں مولانا سجادؒ کی نظر آتے ہیں۔

مؤمن کامل کی پہچان

خود سجادگان پھلوا ری شریف میں سے حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محمد الدین پھلوا ریؒ

۱- بخاری میں پوری روایت اس طرح ہے: وقال ابن ابی ملیکہ أخرکت ثلاثین من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلہم یخاف النفاق علی نفسه (الجامع الصحیح للختصر ج ۱ ص ۲۶ للؤلؤف: محمد بن اسماعیل أبو عبد اللہ البخاری الجعفی باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لا یشرع الناشر: دار ابن کثیر، الیامہ - بیروت الطبعة الثالثة، ۱۹۸۷ - ۱۴۰۷ تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا أستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیة الشریعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: کمع الکتاب: تعلیق د. مصطفیٰ دیب البغا)

۲- محاسن سجاد ص ۶۳، ۶۴ مضمون مولانا منظور احمد نعمانی۔

۳- حیات سجاد ص ۱۵ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

آپ کے اس پر عزیمت کردار کا ذکر کرتے ہوئے رشک بداماں ہیں، لکھتے ہیں:

”جس وقت وہ بھلواری شریف پہنچے اور میں نے ان کو دیکھا، مجھے حیرت ہو گئی کہ جس کے باغ امید کا شاداب پھول ابھی خاک میں مل گیا ہے، ان کے چہرے بشرے سے ذرا بھی غم کے آثار ظاہر نہیں ہیں، بھلواری میں بھی قیام کرنا کیسا؟ دوسرے یا تیسرے دن علاقہ چمپارن کے اطراف میں پھر اپنے کام میں چلے گئے، یہ ایسی ہی ذات سے ہو سکتا ہے، جو روضہ امیں خلوص مجسم ہو، جس کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت بال بچوں اور مال و منال اور تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہو اور یہی مؤمن کامل کی خصوصیت ہے۔“

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی خانگی زندگی کے غم و الم کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

”مولانا کی خانگی زندگی غمگین تھی، ان کے بڑے بھائی محبوب تھے، ان کی بیوی معذور و مختل تھیں۔ ان کا بڑا لڑکا جو پڑھ لکھ کر فاضل اور گھر کا کام نبھانے کے قابل ہوا، عین اسی وقت کہ اس کے نکاح میں چند روز باقی تھے، باپ نے دائمی جدائی کا داغ اٹھایا، اور یہ سننے کے قابل ہے کہ وہ لڑکا مرض الموت میں تھا، کہ مسلمانوں کی ایک ضرورت ایسی سامنے آئی کہ باپ بیمار بیٹے کو چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا، واپس آیا تو جوان بیٹا دم توڑ رہا تھا۔ ان کی اپنی زندگی بھی دین و ملت ہی کے نذر ہوئی، تربیت کے دوران قادیانے میں جہاں کہ ملیں یا کے ڈر سے ادھر کے لوگ ادھر جانا موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے، یہ مرد خدا اپنی جان کو تنہائی پر رکھ کر سال میں کئی کئی بار جاتا تھا، اور کئی کئی دن وہاں رہتا تھا، آخری سفر بھی وہیں ہوا، اور وہیں سے ملیں یا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا اور اسی حال میں جان باں آفریں کے سپرد کر دی۔“^۱

آپ کی شان میں جس نے کہا، سو فی صد درست کہا:

پھونک کر اپنے آشیانے کو
بخش دی روشنی زمانے کو

قناعت و ایثار

قومی کاموں کے جہوم میں حضرت مولاناؒ کی بہت بڑی جائیداد ہاتھ سے چلی گئی اور

مولاناؒ نے اسے بھی دل سے جھٹک دیا۔^۲

۱- حیات مجاہدین ۶۸، مضمون حضرت مولاناؒ، محمد علی الدین بھلواری۔

۲- حیات مجاہدین ۸۵، مضمون علامہ سید سلیمان ندوی۔

۳- نانداں کی کاشت کا معتمد بہمنامائوں راج نے بھائی لگان میں نیلام کرایا تھا (محسن مجاہدین ۹۲، مضمون سید محمد تقی صاحب)

مادیت کے جس دور میں ہر شخص اپنے عہدہ و منصب کے ذریعہ دولت بنانے کی فکر میں مصروف ہوا سی دنیا میں مولانا محمد سجاد جیسا مرد درویش بھی تھا، کسی کو آنکھوں دیکھے بغیر یقین نہیں آئے گا، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ پٹنہ میں مولانا ایک وکیل کے یہاں جا رہے تھے، میں نے عرض کیا: وہاں کیا کام ہے؟ فرمانے لگے، چوتیس بیگمہ زمین مالگداری ادا نہ کرنے کے باعث نیا م ہو گئی، مجھے پہلے کوئی اطلاع تھی، اس لئے وکیل صاحب کے پاس جا رہا ہوں، کہ اب اس کے بچانے کی کوئی شکل ہو سکتی ہے یا نہیں، تھوڑی دیر کے بعد مولانا واپس ہوئے، تو میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ فرمایا کہ نیلام ہوئے کچھ عرصہ ہو گیا، اب اس کی واپسی مشکل ہے، مجھے جواب دے کر دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ میں حیران تھا کہ ذرا اس مرد مجاہد کے ایثار و استغناء کو تو دیکھئے۔

کم از کم پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپے کی جائیداد ہاتھ سے نکل گئی اور ذرا خیال بھی نہ آیا۔“
اپنا ذاتی مکان کیا تعمیر کرتے، قدیم آبائی مکان بھی قومی و ملی مصروفیات میں بے اعتنائی کی نذر ہو گیا، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

”مجھے کبھی چہرہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے مولانا کے مکان کی صحیح تصویر تو نہیں کھینچ سکتا، معتبر ذرائع سے اتنا ضرور سنا ہے کہ پہلے تو ابھی حالت میں تھا، لیکن آٹھ دس برس میں وہ بھی بری حالت میں ہے۔“^۱

زاهدانہ زندگی

فضائل و کمالات اور ممکنہ وسائل و فتوحات کے باوجود مولانا بالکل سادہ اور درویشانہ زندگی گزارتے تھے، ان کے ایک ایک عمل پر زبد و قناعت اور صبر و توکل کا پرتو نظر آتا تھا، آپ کے ہم وطن اور ہم مذاق حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ:

”وہ بے حد خاکسار اور متواضع تھے، کبھی کوئی اچھا کپڑا انہوں نے نہیں پہنا، کبھی کوئی قیمتی چیز ان کے پاس نہیں دیکھی، کھدر کا صاف، کھدر کا لمبا کرتا، کھدر کی صدری، پاؤں میں معمولی دلی جوتے، اور ہاتھ میں ایک لمبا عصا، یہ ان کی وضع تھی، مگر وہ اپنی سادہ اور معمولی وضع کے ساتھ بڑے

۱- حیات سجاد ص ۱۸۰، ۱۸۱ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۲- حیات سجاد ص ۱۹۰۔

بڑے جلسوں اور بڑے بڑے مجموعوں میں بے تکلف جاتے تھے، اور اپنا لوہا منواتے تھے، جو ہر پہچاننے والے بھی تلوار کی کاٹ دیکھتے تھے، غلاف کی خوبصورتی نہیں۔^۱

آپ کے انتہائی معتمد و مقرب اور سفر و حضر کے رفیق حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی آنکھوں دیکھی شہادت ملاحظہ کیجئے، جو انہوں نے قلم کو خون جگر میں ڈبو کر رقم کی ہے:

”مولاناؒ ہمیشہ بہت سادہ اور معمولی لباس پہنتے تھے۔ پیر میں پرانی وضع کا معمولی جوتا جو اکثر پھٹا ہوا تھا۔ پرانے ہی وضع کا کھدرا کا پانجامہ کھدرا کا لانا کرتا جس میں گریباں کے دونوں طرف بڑی تیلیں جو ہر وقت کاغذ سے بھری رہتی تھیں، اس کے اوپر ایک بڈی سر پر کھدرا کا ایک بڑا ساعمر جو خراب طریقہ سے بندھا رہتا تھا، یہ تو گرمی کا لباس ہوا۔ جاڑے میں عمامہ کے علاوہ بھی سب چیزیں مونے اور معمولی اونٹنی کپڑے کی ہوا کرتی تھیں، اپنے ہاتھ میں ایک بھاری اور موٹی سی لکڑی، جس کے نیچے وزنی لوہا لگا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ میں چھوٹی سی انچی، جس میں کاغذ، روشنائی، اور ضروری کاغذات بھرے رہتے تھے۔

مولاناؒ کھانا بھی بہت سادہ اور معمولی کھاتے تھے، میرے علم میں اپنے اختیار سے مولاناؒ نے کبھی بھی اپنے لئے اچھے کھانے کا نظم نہیں کیا، اگر حساب لگایا جائے تو مولاناؒ نے برسوں ہوٹل کی خمیری روٹی اور گائے کا سباب کھایا ہے، ایک دفعہ مجھے مولاناؒ کے یہاں کھانے کا اتفاق ہوا، اس وقت مولانا بھلوانی شریف میں کرایہ کا مکان لے کر اہل و عیال کے ساتھ مقیم تھے، دسترخوان پچھا گھر سے جو کھانا آیا اس کی فہرست یہ تھی، مونے اور لال پاول کا پکا ہوا بجات، تیل میں بھری ہوئی تلی وال، اور آلو کا بھرتا جس میں پیاز بڑی تھی مگر بگھڑا نہیں گیا تھا۔ مولاناؒ نے محض میری وجہ سے ہوٹل سے گوشت منگوایا تھا۔^۲

علامہ مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں:

”میں ان کی خانگی زندگی سے واقف تھا، اس قدر واقف تھا کہ ایک گھر کا آدمی واقف ہو سکتا ہے، ان کے ظاہر سے باطن ان کا بہتر اور بہتر تھا، ان کا اخلاص، ان کی صداقت، ان کا ادب احترام آج ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتا۔“^۳

۱- حیات سجاد ص ۸۳ مضمون علامہ سید عیسیٰ ندوی۔

۲- حیات سجاد ص ۱۸، ۱۹ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۳- حیات سجاد ص ۶۲ مضمون از علماء گیلانیہ۔

فقر و استغنا

ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم بہار کا بیان ہے کہ:

”میں عہد سے جانتا تھا کہ ان کی زندگی مدد و مدد سے گذرتی ہے، لیکن انتہائی گہرے تعلقات کے باوجود کبھی لب کشائی کی جرات نہ ہوئی، ان کی خودداری کچھ پوچھنے کا موقع نہ دیتی تھی، ابھی چند مہینے ہوئے، مجھے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ نہایت عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، بلکہ گھر میں فاقہ تک کی فوبت آ جاتی ہے، اس پر میرا دل تپ کر رہ گیا، ضبط نہ ہوا، تو دریافت کیا، وہ مسکرا کر خاموش رہے، جاننا مجاہد ایسے ہوتے ہیں، مگر افسوس! ہماری قوم کو کیا قدر اور کیا پرواہ؟ اب جب فقر و دُعا تباہوں کو صوبہ بہار کو ہر طرف غالی پاتا ہوں، ایسا بے لوث خادم قوم آسانی سے نہیں پیدا ہوا کرتا۔“

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب نے بھی نقل فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

”نواب خان بہادر عبدالوہاب خان صاحب مونگیر نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے تنہائی

۱۔ ۱۹۰۷ء بمبئی ایجنسی، سابق وزیر تعلیم بہار، ہندوستان کی تحریک آزادی کے تنظیم دہما، ڈاکٹر سید محمود کی شخصیت ہندوستان کی تاریخ میں غیر متعارف نہیں، سید پر ضلع غازی پور میں ۱۸۹۹ء (۱۳۰۶ھ) میں ان کی پیدائش ہوئی، ان کے والد کا نام محمد عمر اور دادا کا نام قاضی فرزند می تھا، یہ لوگ بہار کے ہی رہنے والے تھے، درمیان میں کچھ برسوں یہ ناندان غازی پور چلا گیا تھا پھر دوبارہ بہار واپس آ گیا، ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۰۱ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں داخل ہوئے، اور تعلیمی مہمیں طے کرنے لگے، لیکن ان کی دینی تصدیق احمد خان شیروانی، عبدالرحمن بخوری، سید حسین، اور سیف الدین کچلا وغیرہ سے ہوئی، لیکن سیاسی سرگرمیوں میں دلچسپی کی وجہ سے ۱۹۰۷ء میں وہاں سے اخراج ہو گیا تو لندن چلے گئے جہاں کیمبرج یونیورسٹی سے گریجویشن اور ایم اے کے بعد بیرمنگھم کی ڈگری حاصل کی، کیمبرج ہی میں انہوں نے ”مغل دور کی سیاست اور حکمرانی“ کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا، یہاں بھی ان کی سیاسی سرگرمیاں جاری رہیں، چند طلبہ و ملا کر ایک تنظیم بنائی، اور امیر می سے بھر گئے جو وہاں مسلم لیگ چلا رہے تھے لندن میں ہی ۱۹۰۹ء میں ان کی ملاقات گاندھی جی اور جواہر لال نہرو سے ہوئی، اور یہ وقت میں تبدیل ہو گئی، جواہر عمر برقرار رہی، ۱۹۱۲ء میں وہ جرمنی چلے گئے اور ڈاکٹریت کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۱۳ء میں وہ ہندوستان لوٹے، اور مولانا مظہر الحق کے زیر نگرانی پگنل پریس شروع کرنے لگے، ۱۹۱۵ء میں مولانا مظہر الحق کی بیٹی سے ان کی شادی ہو گئی، ۱۹۱۶ء میں لہور میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان اتحاد کی پیشکشوں میں انہوں نے ادا کیا، اس دوران کانگریس کے سرگرم رہنما بن کر کام کرتے رہتے، تحریک خلافت میں بھی پیش پیش رہے، اور اس کی وجہ سے وکالت ترک کر دی، ۱۹۲۱ء میں خلافت کمیٹی کے جنرل سکرٹری بن گئے، ۱۹۲۲ء میں کانگریس ہونے لگی، لیکن چند روز کے بعد یہ کر رہے گئے، ۱۹۲۹ء میں ڈاکٹر حق احمد انصاری کے ساتھ مل کر مسلم لیگ پارٹی قائم کی، ۱۹۲۹ء ہی میں کانگریس کے جنرل سکرٹری منتخب ہوئے، بہار میں کانگریس کی حکومت بنی تو ان کو وزیراعظم بنائے گئے، لیکن بعض کانگریسی لیڈروں کی مخالفت کی وجہ سے وہ اس عہدہ پر نہ نہ ہو سکے، اور بہار کے وزیر تعلیم بنے، ان کی وفات کے بعد لوگ سب کے اولین مہمروں میں شامل ہوئے، حلقہ چیمپارن سے منتخب ہوئے، اور پھر وزارت خارجہ میں نائب وزیر کے عہدہ پر فائز ہوئے، مسلم لیگس و شہرت کی بنیاد انہوں نے ہی نے ڈالی، ان کا شمار ملک کے ممتاز مسلم سیاسی رہنماؤں اور قائدین میں ہوتا ہے، بیرون ملک بھی ہندوستان کی نمائندگی کی۔ اور ملی مسائل کے دفاع میں سرگرم رہے، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۱ء (۲۷ رجب ۱۳۹۱ھ) کو ان کی وفات ہوئی (مزید حالات کے لئے سید حبان الدین عبدالرحمن کی کتاب ”سید محمود“ دیکھنی چاہئے)

میں مولانا سے ایک دفعہ کہا کہ مجھ کو اس کا موقعہ دیجئے کہ میں آپ کی خدمت کر کے اپنے لئے سعادت حاصل کروں، تو مولانا نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو معاف رکھئے، اس سے ہمارے اور اللہ کے درمیان میں توکل کا جو رشتہ ہے اس میں غفل واقع ہو جائے گا، نواب صاحب ممدوح نے مجھ سے کہا: اس کے بعد میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں ایک لفظ زبان پر لاؤں۔“

اقبال نے ایسے ہی بزرگوں کے لئے کہا تھا:

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا پارا

فقر اختیاری

’شاہی میں فقیری‘ کا محاورہ کتابوں میں بہت پڑھا ہے لیکن عہد قریب میں اس کی چلتی پھرتی تصویر حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کی ذات گرامی تھی، صدیاں بیت گئیں، شاید پہلے بھی اور بعد بھی چشم فلک نے دوسرا سجادؒ ہی دیکھا ہوگا، مولانا منت اللہ رحمائی کا چشم دید بیان ہے کہ:

”مے ۱۹۳ء میں جب مولانا نے وزارت قائم کی تھی، تو میں پٹنہ آیا ہوا تھا، اور نواب عبدالوہاب خان وزیر مالیات کا مہمان تھا، میں اور نواب صاحب کے بھائی مسروصی احمد خان دکیل مولانا سے ملنے پھلوری شریف گئے، کچھ عرصہ سے مولانا نے پھلوری ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی، مکان کرایہ کا تھا، مٹی کی دیواریں اور کچریل کی چھت، اندر کتنی وسعت تھی اس کو تو میں نہیں کہہ سکتا، لیکن باہر جس میں مولانا تشریف فرما تھے، وہ دو دروازوں کی ایک کوٹھری تھی، ایک باہر سے آنے کے لئے اور ایک زنا خانے میں جانے کے لئے، کوٹھری میں ایک طرف مٹی ہی کا اونچا چبوترہ تھا، اس پر ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی، جس کے سرہانے مولانا کا بستر بندھا ہوا رکھا تھا، چارپائی کے نیچے کھجور کی چٹائی بچھی تھی، اس پر قلم و دوات، کچھ کتابیں، اور مولانا کی وہی انچی کچی تھی، ایک طرف موئے یمن کے دو بکس تھے، ایک میں کتابیں، دوسرے میں کپڑے، چبوترے سے نیچے ایک کونے میں مٹی کا گھڑا، وہیں پر تاسنبے کا ایک بڑا لوٹا، اور دوسرے کونے میں مولانا کی وہی لکڑی کھڑی تھی، غرض یہ تھا صوبہ بہار میں حکومت قائم کرنے والے کے گھر کا اٹنا، خیر مجھے تو کوئی حیرت نہ ہوئی، کہ میں مولانا سے واقف تھا، لیکن مسروصی احمد خان تو حیرت سے کھڑے رہ گئے، مولانا اسی کھڑی چارپائی پر بستر کا تکیہ لگائے کتاب

کا مطالعہ کر رہے تھے، انھیں اخلاق سے ملے، اسی چٹائی پر ہم سب بیٹھے، لوٹتے وقت راستہ میں مسرور ہی کہنے لگے، کہ اس قسم کے لوگوں کے متعلق کتابوں میں ضرور پڑھا تھا، مگر دیکھا آج ہی ہے، اس منظر کو بھی صاحب آج تک نہیں بھول سکے۔^۱

ریاضت و مجاہدہ

حضرت مولانا کی ساری زندگی ریاضت و مجاہدہ ہی میں گزری، اور یہ ریاضت ان کی اضطراری نہیں اختیاری تھی، جناب حافظ محمد ثانی صاحب^۲ نے اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کیا ہے کہ:

”حضرت مولانا جیٹھ بیساکہ کی چلچلاتی دھوپ اور جلتی تپش میں بیل گاڑی پر بھی نہایت خوشی کے ساتھ صبح سے شام تک سفر کرتے اور پچھتری تک نہیں لگاتے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: بہتر ہوتا کہ حضور کا دورہ اب سے بعد رمضان شریف یا قبل رمضان ہوتا کہ ہم لوگ روزہ میں تکالیف سفر سے نجات پاتے۔ مولانا نے تبسم آمیز لہجہ میں فرمایا کہ رمضان شریف میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے، اصلاح و ہدایت قوم بہت بڑی عبادت ہے جس کو ہم لوگ اس متبرک مہینہ میں ادا کرتے ہیں۔“^۳

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مولانا صوبہ بہار کے نائب امیر شریعت تھے، اور لوگ آپ کے لئے اپنی پلکیں بچھانے کے لئے تیار رہتے تھے۔

صحابہ کارنگ

آپ کی زندگی میں صحابہ کرام^۴ اور پچھلے اولیاء اللہ کا عکس نظر آتا تھا۔ مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب^۵ لکھتے ہیں:

۱- حیات سجاد ص ۱۹، ۲۰ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۲- چچان میں مولانا کے اہم تخلصین میں تھے، بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے کثرت پر ہمراہی منتخب کئے گئے، چچان میں آپ کی ملی قومی خدمات کے نقوش بڑے گہرے تھے، چچان کے دورہ میں حضرت مولانا سجاد کے خصوصی معاون اور شریک رہتے، جیسا کہ حضرت مولانا پر اپنے مضمون میں انہوں نے خوب بھی ذکر کیا ہے (حیات سجاد ص ۱۱۲) نالیا ہتیا (چچان) کے کسی مدرسہ میں مدرس تھے۔ باقی ان کے تفصیلی حالات کا علم نہ ہو سکا۔

۳- حیات سجاد ص ۱۱۲، ۱۱۳ مضمون جناب حافظ محمد ثانی صاحب ایم ایل اے۔

۴- مولوی سید مجتبیٰ صاحب ایم اے بی ایل مظفر پور کے رہنے والے تھے، حافظ محمد ثانی صاحب نے ان کو مظفر پور لکھا ہے (حیات سجاد ص ۱۱) بہار کے مشہور و کلاء میں تھے، حضرت مولانا سجاد کے قانونی مشیر رہے، امارت شریعت کی طرف سے ان کی خدمات کے انچارج بنے گئے، اور اپنی ذمہ داری بحسن و خوبی انجام دی، بہار میں محکمہ دیہات سدھار کے آرگنائزنگ بھی تھے، (محاسن سجاد ص ۵۷) باقی تفصیلی حالات کا علم نہ ہو سکا۔

”راقم الحروف تقریباً ایک سال تک مولاناؒ کے ہمراہ قانونی مشیر رہا، اس مضمون کے مختصر حدود اجازت نہیں دیتے کہ اس سال کی بھر کی زندگی کو مفصل بیان کر سکوں، مگر اتنا کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اصحاب رسول ﷺ اور قرن اول کے مجاہدین اسلام کے متعلق جو کچھ کتابوں میں پڑھایا جاتا تھا وہ سب ایک مولاناؒ کی ذات گرامی میں پچھتم خود دیکھا۔

زفرق متاقدّم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ بالاس جاست^۱

سراپا اتباع سنت

مولوی مجتبیٰ صاحب ہی رقمطراز ہیں کہ:

”فردائے قیامت میں خداوند قدوس کے سامنے ہزاروں کلمہ گو اس امر کی یقینی شہادت دیں گے کہ یہ بندہ خدا ابوالحسن محمد سجاد بیس سال تک اس صوبہ میں کم از کم تنہا مجاہد اسلام و حریت تھا جس نے سنت محمدی ﷺ کے اجراء اور اصحاب رسول کے نقش پر چلنے میں اپنی جان گنوائی۔ دنیا کی کوئی حرص نہ تھی، اور وہ سراپا تمک بالاسلام پر قدم زن تھا۔ ذباب فی سبیل اللہ اس کی حیات دنیاوی کی تصویر تھی۔ مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی تنظیم میں اس ذات گرامیہ نے ایک ایک لمحہ حیات صرف کیا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو مرعوب نہ کر سکی۔ وہ تنگ نظر نہ تھا کہ ہمسایہ اقوام سے اتحاد عمل کرنے میں جی پڑاتا، وہ طالب جاہ نہ تھا کہ حکومت پر بلوہ فرما ہو کر مظاہرہ و مقابلہ کرتا، اس کی زندگی سراپا جہاد تھی، اور وہ خاص مجاہد اسلام تھا۔“^۲

حضرت مولانا سجاد کا مشرب

البتہ حضرت مولانا سجاد کا طریق زندگی اور صوفیانہ نقطہ نظر عام ارباب تصوف سے مختلف تھا، وہ تصوف کی مردجہ گوشہ نشینی کے بجائے دین و ملت کی بقا و تحفظ کے لئے مجاہدانہ سرفروشیوں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، وہ تنہائی کی نوافل، اور ادواشغال اور وظائف و تعویذات میں وقت صرف کرنے کے بالمقابل عہد فتنہ کے چیلنجوں کے دفاع اور علمی و فکری بنیادوں پر ملت کے استحکام کو بڑی عبادت تصور کرتے تھے، وہ رخصت و عافیت کے راستے سے زیادہ عزیمت کی خاردار راہوں کو عزیز رکھتے

۱- محسن سجاد بیس ۸۰ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔

۲- محسن سجاد بیس ۸۰ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔

تھے، اسی لئے مروجہ ارباب تصوف کے یہاں ان کو وہ مقام نہ مل سکا، روحانی اور باطنی کمالات کی بنیاد پر جس کے وہ ہر طرح مستحق تھے، انہوں نے صوفیانہ گداز اور بالیدگی کو مجاہدانہ جفاکشی میں مستور رکھا، یہ دنیا ہمیشہ صورت کی پرستار رہی ہے، اس کو کبھی اندر جھانک کر حقیقت پر نگاہ ڈالنے کی عادت نہیں رہی ہے، آپ کے ذوق آشنا اور محرم اسرار تلمیذ رشید مولانا اصغر حسین صاحب کی تحریر کا یہ اقتباس پڑھئے اور الفاظ کے دروں خانے سے جھانکتے ہوئے پس منظر کو بھی ذہن میں رکھئے:

”حضرت مولانا کا مشرب عقل و شرع کے مطابق ان ارباب تصوف سے جدا گانہ تھا، جنہوں نے نوافل و اوراد کے سلسلہ دراز میں الجھ کر اجتماعی شیرازہ کو پراگندگی سے محفوظ رکھنے کی نہ صرف ذمہ داری کا احساس ضائع کر دیا، بلکہ اسی طریق عولت کو حقیقت اسلام سمجھ کر عام دعوت و تلقین اور دعا و تسخیر کے ذریعہ وسیع کرنا شروع کر دیا، حضرت ابوالحسنؒ کو اپنی فطری صلاحیت کے ساتھ ماحول بھی ایسا ملا، جہاں نوافل و اوراد کے اشغال شبانہ یوم، قومی و ملی خدمات اور مالی و جانی قربانیوں کے مقابل نہ صرف مروج بلکہ سنت کے طریق سے جدا ممتنع ہوتے، پھر تجرعی و نکات فہمی کی مزید تائید، آخراں سب روشنیوں میں اصل حقیقت روشن ہو گئی، کہ اسلام میں عبادت کی مانگ سے کہیں زیادہ اور شدید مانگ صداقت و امانت، بخوی و طہارت، اور مالی و جانی قربانی کی ہے۔ اسی واسطے حضرت مولاناؒ عبادات کے سلسلہ میں فرائض و موکدات پر اکتفا کر کے شب و روز فکر و عمل اور اعلا کلمۃ اللہ میں لگے رہے۔“

البتہ آخری عمر میں خاص لوگوں کو حضرتؒ کے اس ذوق عرفان کا احساس ہونے لگا تھا، جیسا کہ مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ رقمطراز ہیں:

”آخر زمانہ میں مولاناؒ کو تصوف سے کچھ زیادہ ذوق پیدا ہو گیا تھا، تسبیح برابر ساتھ رہا کرتی تھی، جہاں موقع ملا ٹہل ٹہل کر یا بیٹھے بیٹھے تسبیح پڑھا کرتے تھے، اور بعض تصوف کے مسائل پر گفتگو بھی فرماتے تھے، اور خاص لوگوں کو کبھی کبھی تعویذ بھی دے دیا کرتے تھے۔“

کرامات و انعامات

اللہ پاک اپنے نیک بندوں پر خصوصی انعامات فرماتے ہیں، اور کائنات کی بہت سی چیزوں کو ان کے زیر تسخیر کر دیتے ہیں، پھر ان کے ذریعہ خارق عادات چیزوں کا ظہور ہونے لگتا ہے،

۱- محاسن سجاد ص ۷۲۔

۲- حیات سجاد ص ۱۸ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

جناب حافظ محمد ثانی صاحب نے مولانا کے دورہ چمپارن کے موقعہ کا ایک چشم دیدہ واقعہ نقل کیا ہے:

زمین پر سکون ہو گئی سنت فاروقی پر عمل کی برکت

۳۴ء کے زلزلہ عظیم کے موقعہ پر آخر رمضان میں حضرت مولانا دیہات کے دورہ سے بتیاشریف لارہے تھے، زمین جیسے ہی بتیاشریف پر پہنچی کہ دفعتاً زلزلہ شروع ہوا اور مسافرین و حاضرین بدحواسی و پریشانی کے عالم میں شور و غوغا کرنے لگے مولانا مرحوم اپنی عصا مبارک کو پلیٹ فارم پر ٹیک کر نہایت استقلال کے ساتھ کھڑے ہو گئے، اللہ اللہ کہنے لگے اور حاضرین کو بھی تلقین کی چنانچہ سب لوگ کیا مسلم اور کیا غیر مسلم اللہ اللہ آواز بلند کہنے لگے اس کے بعد سکون ہوا بعض لوگوں سے مولانا نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ زلزلہ آیا تھا، انہوں نے اپنی عصا مبارک زمین پر دبا یا، خدا نے رحم کیا، میں بھی ان کے غلاموں میں ہوں اس لئے میں نے ان کی سنت پر عمل کیا۔^۱

چمپارن کی ایک انتہائی معتبر شخصیت جناب حاجی شیخ عدالت حسین صاحب نے مولانا کی دو کھلی کرامات نقل کی ہیں،^۲ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

ڈاکٹری رپورٹ کے برعکس پیٹ سے زندہ بچے برآمد

”علاقہ رام نگر جنگل کی ترائی میں دورہ فرماتے ہوئے حضرت مولانا موضع میدیا کے سامنے پہنچے۔

۱- حیات سجاد ص ۱۱۱، ۱۱۲ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب۔

۲- شیخ عدالت حسین حضرت مولانا محمد سجاد کے قابل فخر اور انتہائی عاشق زار خاندانوں میں تھے، آپ کی پیدائش شعبان المعظم ۱۲۸۳ھ مطابق جنوری ۱۸۶۷ء میں موضع میدی علاقہ دیوان، تھانہ لوریہ ضلع چمپارن، بہار میں ہوئی، والد کا نام شیخ دلاور حسین تھا، ابتدائی تعلیم گاہوں کے کتب میں حاصل کی، اس کے بعد گورکھپور اور جوپور گئے، اور اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی، کچھ ہندی بھی جانتے تھے، ۱۹۱۶ء میں قومی تحریک میں شامل ہوئے، اور اپنی زندگی ملک و ملت کے لئے وقف کر دی، نسل کی کاشت کے سلسلے میں مقامی کاشتکاروں پر انگریزی مظالم کے خلاف آواز بلند کی، مولانا مظہر الحق صاحب اور ڈاکٹر راجندر پرشاد ان دنوں وکالت کرتے تھے ان سے مدد لی، پھر ۱۹۱۷ء میں گاندھی جی کو لے کر آئے اور ہندوستان کی سرزمین پر پہلی دفعہ سٹیگر کا تجربہ کیا گیا، اور کامیاب ہوا، ۱۹۲۱ء میں اپنے ضلع کی خلافت تحریک اور کانگریس کے روح رواں رہے، جب لوکل سیلف گورنمنٹ کا رواج ہوا تو ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہوئے، اور تقریباً چھ سال تک ممبر رہے، اسی دور میں ہی محل اسکول قائم کیا جو ان کی یادگار رہے، اول روز سے امارت شریعہ کے حامی اور فعال رہے، ۱۹۲۷ء میں راج تپا کی طرف سے مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے اس کے دفاع اور خلافتی میں امارت شریعہ کی کامیاب جدوجہد میں قدم بہ قدم شریک رہے، ۱۹۳۰ء میں ملک سازی کے جرم میں گرفتار ہوئے اور ایک سال کی سزا پائی، راج کا تینا باز اور انگریزوں کا حامی تھا اور ملک کی آزادی کے لئے وہاں کوئی بھی ممنوع تھا، آپ نے اس کے بالفاظ میں چھ اگانہ تینا باز اور لگوایا اور اس جرم میں گرفتار ہوئے، ۱۹۳۳ء میں ان کی دعوت پر چنئی میں کانگریس کا اجلاس ہوا، ۱۹۳۸ء میں عبدالغفار خان کو مدعو کیا اور کئی کا دورہ کر لیا، ۱۹۴۲ء حکومت کے خلاف نوجوانوں کو لے کر تحریک چائی، حضرت مولانا محمد سجاد کے فدا ہونے میں تھے، ۱۲ مارچ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۳ء کو ۸ بجے صبح داعی اجل کو لبیک کہا (مولانا سجاد - حیات و خدمات ص ۵۱۹، ۵۲۰ مضمون مولانا ابوالکلام قاسمی بحوالہ نقیب فروری ۱۹۵۶ء)

تو وہاں آپ کے انتظار میں حافظ بیست صاحب مرحوم اور ان کے خاندان کے تمام افراد سڑک پر موجود تھے انتظار کی وجہ یہ بیان کی کہ شیخ شمس الدین صاحب کی بیوی دردزہ میں مبتلا تھیں۔ سول سرجن دو دفعہ آچکے ہیں، اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ بچہ پیٹ میں مرچکا ہے، فوراً ہسپتال لے جاؤ، ورنہ زچہ کی جان ہرن جائے گی، ضرورت ہے کہ بچے کو پیٹ چاک کر کے فوراً نکالا جائے، مولانا سوادری سے اترے، اور زچہ کے کمرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ایک عورت زچہ کے پیٹ کو دبائے، اور اپنی ہتھیلی پر لگی رکھ کر کچھ کھائے، اور تالی لگا دی، اور غریب خانہ ہنگامی تشریف لے آئے، ایک گھنٹہ کے بعد حافظ صاحب مرحوم شاداں و فرحان دوڑتے ہوئے آئے، اور کہا کہ حضرت آپ کی توجہ سے زندہ لڑکا پیدا ہو گیا، زچہ ہوش میں آ گئی ہے۔^۱

سرکش جن نے حکم کی تعمیل کی

”اسی کے ساتھ ایک دوسری مشکل چیز یہ پیش کی کہ میری لڑکی پر کچھ دنوں سے جن مسلط ہو گیا ہے، بڑے بڑے عامل آئے اور ناکام گئے، بعض عامل قبل اس کے کہ پہنچیں راستہ ہی سے اقبال خیزاں اس لئے بھاگ گئے، کہ جن نے پہنچنے سے پہلے ہی دو چار مرتبہ ان کو راستہ میں پٹکا، حضرت مولانا نے ایک تعویذ لکھ کر دی، اور کچھ روغن دم کر کے حوالے کیا، اس دن سے پھر آج تک جن کی تسلیط نہیں ہوئی ہے۔“^۲



۱- حیات سجادیں ۱۳۱، ۱۳۲ مضمون حاجی فیض عدالت حسین صاحب۔

۲- حیات سجادیں ۱۳۱، ۱۳۲ مضمون حاجی فیض عدالت حسین صاحب۔

علمی مقام

(۶)

چھٹا باب

علمی مقام و مرتبہ

فصل اول

بلند علمی مقام

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کا علم بے کراں، مطالعہ وسیع، ذہن رسا، دماغ کشادہ، اور فکر عمیق تھی، ان کا مطالعہ علوم و فنون کو محیط تھا، وہ فن کی روح اور علم کی گہرائی تک رسائی رکھتے تھے، وہ مسئلہ کی تہ تک بے پناہ سرعت کے ساتھ پہنچتے تھے، بلاشبہ وہ اپنے عہد کے مفکر اسلام تھے، تمام اسلامی علوم پر ان کی گہری نظر تھی، مسلسل بیس سالہ تدریسی اشتغال نے ان کی قوت فکر کو بے انتہا بلند اور مطالعہ کو بے حد وسیع کر دیا تھا، ان کا ادراک کسی ایک یا دو فن تک محدود نہیں تھا، بلکہ ان تمام علمی شہ پاروں تک محیط تھا جو نصاب درس کا حصہ نہیں ہیں اور لائبریریوں میں محفوظ ہیں، وہ کتابوں کے رسیا اور ان کے بین السطور تک کو پی جانے والے عالم دین تھے، علم سے ان کا رشتہ اس قدر گہرا تھا کہ علم ان کے فکر و احساس کا جزو لاینفک بن گیا تھا، بالخصوص اسلامیات پر اتنی گہری نظر اور وسیع قوت ادراک کے ساتھ سوچنے والا عالم دین آپ کے عہد میں غالباً کوئی نہ تھا، مذاہب عالم، قوانین عالم، دنیا کی تمدنی تاریخ، سماجی علوم و روایات پر جیسی ان کی نگاہ تھی، کہ طبقہ علماء میں شاید ہی کوئی ان کی ہمسری کر سکے۔

فکر صائب

اور سب سے بڑی بات یہ تھی وہ اکثر صواب تک پہنچنے والے محقق تھے، ان کی فکر ان کی صحیح رہنمائی کرتی تھی، ان کا مطالعہ ان کو صحیح سمت میں لے جاتا تھا، جس میں نہ انحراف تھا اور نہ غلو، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں:

”ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عطیہ فکر رسا اور رائے صائب تھی۔“

صراط مستقیم کی سچائی تک پہنچنے کی ان میں جو بے حد و انتہا صلاحیت تھی وہ ان کو اپنے ہم

قد رجد اور جتنی کم سنی میں مولاناؒ کے علم و تجربہ کو اہل علم نے تسلیم کر لیا۔^۱

قوتِ حافظہ

آپ کا حافظہ اتنا مضبوط تھا کہ پڑھی ہوئی باتیں برسوں بیت جانے کے بعد بھی ذہن کے نہاں خانے میں محفوظ رہتی تھیں، وہ نہ نحو ہوتی تھی اور نہ ان میں التباس پیدا ہوتا تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہادت ہے کہ:

”ہر چند کہ سالہا سال سے درس و تدریس کا اتفاق نہیں ہوا تھا، مگر جب گفتگو کی گئی ان کا علم تازہ نظر آیا۔۔۔ ان کا علم محض کتابی نہ تھا بلکہ آفاق بھی تھا۔“^۲

ذوقِ مطالعہ

ملی اور قومی تحریکات کے دور میں بھی آپ کے مطالعہ کا عمل موقوف نہیں ہوا، بلکہ کتابیں آپ کے لمحہ فرصت کی رفیق رہیں، اس دور کے شریک کار اور عینی مشاہد جناب مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب ایم اے بی ایل آرگنائزر محمد دیہات سدھار بہار کا بیان ہے کہ:

”کتب بینی مولاناؒ کا بہترین مشغلہ فرصت تھا کثرت مطالعہ سے آنکھیں بہت کمزور ہو گئی تھیں، اور ۱۹۴۰ء میں آنکھوں کی تکلیف بہت زیادہ ہو گئی تھی، مگر مطالعہ کا شوق و یاسابی باقی تھا۔ وسعت مطالعہ کا یہ حال تھا کہ مسائل حاضرہ، لاکوئی پہلو ایسا نہ تھا جس پر مولاناؒ نہایت تحقیق و تدقیق سے گفتگو کرنے اور حل کرنے پر قادر نہ تھے۔“^۳

علومِ عقلیہ پر ناقدانہ نظر

زمانہ تدریس میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی شہرت ایک معقولی عالم کی حیثیت سے تھی، اور طلبہ و علماء آپ کی اس صلاحیت سے بے حد مرعوب رہتے تھے، معقولات کی مشکل ترین کتابیں آپ کے زیرِ درس ہوتی تھیں، اور آپ اپنے معیار سے کتاب کو فنی طور پر پڑھاتے تھے، بہت سے فلسفیانہ مسائل میں آپ کی خود اپنی مستقل رائے ہوتی تھی، آپ کبھی صاحب کتاب سے

۱- حیاتِ سجاد ص ۱۲۔

۲- محاسنِ سجاد ص ۳۰ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

۳- محاسنِ سجاد ص ۹۳۔

اتفاق کرتے تھے اور کبھی اختلاف، معقولات کے انحراف سے اختلاف کرنے میں بھی آپ کو دریغ نہ ہوتا تھا، اور طلبہ کا احساس یہ تھا کہ مختلف فیہ مسائل میں مولانا کی رائے بہت معتدل اور فیصلہ کن ہوتی تھی، اس تناظر میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب کا یہ تبصرہ کافی بامعنی ہے:

”یہ واقعہ ہے کہ مولانا اس فن میں ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اور ہر مسئلہ میں مولانا کی رائے قول فیس کا درجہ رکھتی تھی۔“

جس دور کی یہ بات ہے اس دور میں پورے ہندوستان میں حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹوکنی^۲ کا استثناء کر کے کسی منطقی عالم کو حضرت مولانا سجاد کا ہم پلہ نہیں کہا جاسکتا تھا، اس زمانے میں کانپور کو معقولات میں امتیازی شہرت حاصل تھی، لیکن مولانا کے علم کے سامنے کانپور کا چراغ بھی مدھم پڑنے لگا تھا، اسی لئے آپ جہاں جاتے تھے طلبہ کا ایک ہجوم آپ کے شامل ہوتا تھا، اور مولانا منت اللہ رحمانی کے الفاظ میں:

”جس مدرسہ میں پڑھانے پہنچے، وہاں کی حالت ہی بدل دی مولانا کا پہنچ جانا مدرسہ کی کامیابی

۱- حیات سجاد ص ۳۱۔

۲- مولانا حکیم سید برکات احمد ٹوکنی سلسلہ خیر آباد کے، مورقا خیل اور یگانہ روزگار عالم فلسفی تھے، آپ کی ولادت ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میں ٹوٹک (راجستھان) میں ہوئی، آبائی طور پر آپ کا تعلق میرنگر (بہار) کے خاندان سادات سے تھا، آپ کے والد مولانا حکیم سید وائم علی (مریدہ وظیفہ حضرت حاجی امداؤد مہاجر کی) دربار ٹوٹک کے طبیب خاص، استاد اور وزیر تھے، جب کہ والدہ کا تعلق پھلت، بٹلچ، مظفرنگر میں خانوادہ شاہ ولی اللہ محدث دہوتی سے تھا۔

مولانا ٹوکنی نے مولانا لطف علی ہسپتوٹی (راجپوت) سے حمد اللہ اور مولانا محمد حسن ٹوکنی سے ہدایہ تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مولانا عبدالغنی خیر آبادی (ابن علامہ فضل حق خیر آبادی) کی خدمت میں پندرہ برس رہ کر معقولات میں کمال حاصل کیا، پھر اپنے خالو قاضی محمد ایوب پھلتی (قاضی ریاست بھوپال) سے علم حدیث کا درس لیا۔

زمانہ طالب علمی ہی میں رنجیز ازدواج سے منسلک ہو گئے تھے، رام پور کے کسی بزرگ سے بیعت و ارادت رکھتے تھے، وریات کی تکمیل کے بعد ابتدا میں مدرسہ نیاز یہ خیر آباد کے صدر المذہب بن رہے، اس کے بعد واپس ٹوٹک کے حکم سے اپنے والد کی جگہ ریاست ٹوٹک کے طبیب خاص کے عہدے پر فائز ہوئے، اس عہدے کے ساتھ درس و افتادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور ٹوٹک میں دارالعلوم خلیفہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، آپ کے علوم و معارف اور درس کی شہرت اس قدر ہوئی، کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند کے سیکڑوں طلبہ اور علماء استفادے کی غرض سے آئے، یہاں سے فارغ علماء ہندو بیرون ہند کے جمیل القدر عہدوں پر فائز ہوئے، آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، جن میں بعض آسمان شہرت کی بلندیوں پر پہنچے، ان میں مولانا معین الدین الجیری، مولانا عبدالقدیر عثمانی بدایونی، علامہ مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالسیحان بہاری، مولانا فضل کریم بہاری، مولانا خلیل الرحمن ٹوکنی، اور مولانا نصیر احمد پھلتی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تیس برس تک درس و تدریس کے بعد تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے، آپ کی تمام تصانیف عربی زبان میں ہیں، جن میں الجمعہ انبازغہ (ما بعد الصبیات)، ما بحر العلوم فرنگی جلی کی شرح منار فاری کا عربی ترجمہ، شرح ترمذی، رسالہ جوہر البلی، حمدیہ جاریہ فی رداریہ (وینتہ سرسوتی کے فلسفیانہ اصول کی تردید) اور الصمصام القاصد بطور خاص قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ بھی دیگر موضوعات پر مختلف رسائل آپ کی یادگار ہیں، آخر عمر میں تصوف اور ریاضت و عبادت کا غلبہ ہو گیا تھا، آپ کا وصال کیم رنج الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء ٹوٹک میں ہوا۔ (مذکرہ علماء ہندوستان ص ۲۲۲ تصنیف مولانا سید محمد حسین بدایونی تحقیق و تنسیخ: ڈاکٹر محمد نورانی)

کی ضمانت تھی۔

فرن معقولات ہی کا فیض تھا کہ بڑے بڑے بددماغوں کے دماغ وہ چٹکیوں میں درست کر دیتے تھے، قاری یوسف حسن خان صاحب نقل کرتے ہیں کہ:

”اسی زمانہ (تدریس الذآباد) کا ایک لطیفہ ہے کہ ایک بہت بڑا آریہ مناظر مولانا سے ملنے آیا، اور کہنے لگا کہ مولانا! اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان گائے کی قربانی ترک کر دیں، اور ہنود مسلمانوں کو بکرا دے کر قربانی کا انتقام کر دیں، مولانا نے فوراً برحسہ فرمایا: کہ میاں! ہم لوگوں کو جانور کے بالوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملتا ہے۔ اتنا بال اور جانوروں میں کہاں؟ وہ لاجواب ہو گیا اور کچھ دیر خاموش رہ کر رخصت کی اجازت پائی۔“

اسی منطق سے ترک گاؤں کے مسئلہ پر آپ نے بکسر میں گاندھی جی کو بھی خاموش کر دیا تھا، جس کی تفصیل مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:

”مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس مسئلہ کو ان کے سامنے یوں رکھئے کہ ہر اس مسلم پر جو پانچ روپیہ یا پانچ روپیہ کی مالیت کی چیز کا مالک ہو، اور وہ اس کے حوالے اسمیہ سے زائد ہو، اس پر اسد میں قربانی واجب ہے۔ اب ہر وہ مسلمان جو پانچ گھنٹہ بھی کھیت رکھتا ہے، اس پر قربانی واجب ہے، اور ہر وہ عورت جو پانچ روپے کا زیور اپنے پاس رکھتی ہے، اب ایک گھر میں فرض کر لیجئے ایک مرد ہے، جس کو پانچ گھنٹہ کھیت ہے، اور گھر میں چھ عورتیں ہیں (جن کے پاس عموماً اتنی مالیت کا زیور ہوتا ہے) سب پر قربانی واجب ہے، اور آئین اسلامی کی رو سے اس کا فریضہ ہے کہ قربانی کرے، اب اگر سات اس شخص خریدتا ہے تو فی شخص دس روپے کے حساب سے ستر روپے اس کو پانچے اور یہ اس کے امکان سے باہر ہے، اور اگر ایک گائے خریدتا ہے تو زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے میں اس کو مل جاتی ہے اور سب کے سب قربانی کے فریضے سے بہکدوش ہو جاتے ہیں، ایسی حالت میں وہ کیا کرے گا اور اس کے لئے کیا حل ہے؟“

مولانا کی یہ دلیل سن کر گاندھی جی بالکل سناکت ہو گئے اور پورے دور کا بہار میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی، جب کہ وہ اسی کی تبلیغ کی غرض سے پورے ملک کا دورہ کر رہے تھے۔ مولانا سجاد کی طباعی، حاضر جوابی، اور قوت استدلال کے پیچھے جہاں ان کی فطری ذہانت

۱- حیات جلد ۱ ص ۱۰۱۔

۲- محاسن جلد ۲ ص ۳۳۔

۳- حیات جلد ۲ ص ۱۰۶ تا ۱۰۷۔

و ذکاوت کا دخل تھا وہیں علوم عقلیہ سے بے پناہ شغف نے بھی ان کے ذہن و دماغ کو آمینہ کروا دیا تھا۔

جامع العلوم شخصیت

لیکن مولانا کا علم صرف معقولات تک محدود نہ تھا، وہ ”ہر فن مولیٰ“ انسان تھے، ان کو تمام علوم و فنون میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، قرآن، حدیث، علم فقہ، معانی، بلاغت، اور ادب میں بھی ان کو بے نظیر دسترس حاصل تھی، جس موضوع پر بھی بات کرتے لگتا تھا کہ یہ اسی فن کے آدمی ہیں، اور ساری زندگی انہوں نے اسی فن پر محنت کی ہے، ایسی عبقری اور جامع العلوم و الفنون شخصیتیں ہر دور میں کم ہوئی ہیں، اور اس دور میں تو عنقا تھیں، لیکن مولانا جس عہد کی پیداوار تھے، اور انگریزی سامراج کے تسلط اور مغربی علوم و تہذیب کے غلبہ نے جس طرح مدارس دینیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی، ان حالات میں ان شکستہ حال درسگاہوں سے حضرت مولانا سجاد جیسی شخصیت کی نمود بلاشبہ اسلام کی کرامت اور ملت اسلامیہ کے لئے نصرتِ ربانی تھی۔



فصل دوم

علوم قرآنی

قرآن کریم سے آپ کو طبعی مناسبت تھی۔

تدبرقرآنی

آپ کا قرآنی مطالعہ بے حد سہرا تھا، قرآن سامنے ہوتا تو بالکل کھوجاتے تھے، بقول مولانا عبید الصمد رحمانی صاحب:

”اود (مولانا محمد سجاد صاحب) مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ میں جب قرآن مجید تلاوت کرنے بیٹھتا ہوں تو بیشک گمانہ آدھ گھنٹہ میں ایک صفحہ کی تلاوت کر پاتا ہوں، قرآن کی بلاغت اس کا عمق، پھر اس کے احکام، پھر احکام کی روح، اور اس کا منظر، پھر اس کے ماتحت اس کے فروع، پھر ان فروع کے توہمات، پھر ان میں باہمی تفاوت کی بوقلمونی اس طرح ایک ساتھ سامنے آنے لگتی ہیں کہ میں اس میں کھو جاتا ہوں اور اکثر ایک ہی دو آیت میں وقت ختم ہو جاتا ہے، اور تھک کر تلاوت ختم کر دیتا ہوں۔“

قرآن کریم سے ان کو وہ کچھ ملتا تھا جس کے سامنے تخت و تاج اور ماری دولت دنیا ہیچ نظر آتی تھی، حافظ محمد ثانی صاحب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ:

”مولا! قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اور ان پر ایک کیفیت جاری تھی، میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ دنیا دار دنیاوی دولت پر غرور و فخر سمیٹا کر تے ہیں، مگر اللہ پاک نے اپنی مہربانیوں سے کلام پاک کی جودولت مجھے عطا فرمائی ہے اس کے مقابلہ میں دو قلمندوں اور ان کی دولت کی میری نفروں میں کوئی حقیقت نہیں۔“

قرآن کریم سے مسائل کا استنباط

آیات کریمہ میں اسی تعمق کا نتیجہ تھا کہ وہ اسلامی قانون کے ایک ایک جزئیہ کو ان آیات

- دیوتے جی دس، اس، اس، اس۔

۵۔ دہات و علاقہ ۱۱۳۱ مشہور ہندو جغرافیہ نگار نے لکھا ہے۔

میں موجود پاتے تھے، ہر مسئلہ میں ان کا ذہن بڑی تیزی کے ساتھ قرآن کریم کی طرف منتقل ہوتا تھا اور کوئی نہ کوئی آیت کریمہ ان کی رہنمائی کے لئے سامنے آ جاتی تھی، اس کا اظہار انہوں نے خود ایک بار فرمایا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ فرمانے لگے کہ جب یہ مسموم ہوا پلنے لگی کہ ہر مسئلہ کا ثبوت قرآن سے طلب کیا جانے لگا۔

تو اس زمانہ میں تلاوت کے وقت جو نیات فقہ اور فروع اسلامی کے مآخذ کے اخذ کی طرف ذہن کا

امالہ ہو گیا۔ تو کچھ دنوں کے مطالعہ کے بعد خدا کی جانب سے یہ فوازش ہوئی کہ جب میں فقہ کے کسی

باب کے فروعی مسائل کے ثبوت کی طرف توجہ کرتا تو آسانی سے مآخذ کی طرف رہنمائی ہو جاتی۔“

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا فقیہ النفس تھے۔ اصول پر بڑی گہری نظر تھی۔ آیات و احادیث سے بے تکلف استفادہ

مسائل کرتے۔“

یہ مقام اجتہاد ہر ایک کو میسر نہیں آ سکتا تھا، اس کے لئے مسلسل اشتغال قرآنی کے ساتھ فضل

ربانی کی بھی ضرورت ہے، ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

چنانچہ بظاہر ایسے مسائل و حوادث میں بھی جن کے لئے قرآنی ثبوت کا بظاہر تصور بھی نہیں

کیا جاسکتا تھا، مولانا ان کا مآخذ قرآن کریم میں تلاش کر لیتے تھے۔

اوقاف پر زرعی ٹیکس کا مسئلہ

اس کی ایک مثال اوقاف پر زرعی ٹیکس کا معاملہ ہے، اس کا عدم جواز مولانا نے قرآن کریم

سے ثابت کیا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”اسمبلی میں زرعی مل کے موقع پر جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اوقاف پر شرعاً زرعی ٹیکس مانگنا نہیں

کیا جاسکتا ہے، تو میں نے پوچھا کہ حضرت! اس کے لئے قرآن مجید میں کیا مآخذ ہے

؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کا مآخذ ہے: فَمَنْ بَدَلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَنَّهُ إِثْمَةٌ عَلَى الَّذِينَ

يَبْدِلُوهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ کیونکہ کسی طرح کی تبدیلی جب وصیت میں جائز نہیں ہے جو مرض الموت کی حالت میں لوجہ اللہ کرتا ہے، تو پھر وقت میں بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگی، جو صحت اور طمانیت کی حالت میں خدا کی راہ میں وقف کرتا ہے۔^۲

وہ اصول فقہ اور قواعد فقہیہ کو بھی اسی طرح قرآن کریم پر منطبق کرتے تھے، اسی مسئلہ میں فقہی ضابطہ ”شرط الواقف کا لنص“ کو وہ اسی آیت کریمہ سے اخذ کرتے تھے۔^۳

قرآنی دقالت و نکات پر نگاہ

قرآنی نکات و دقالت پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی، مولانا عبد الصمد رحمائی صاحب کی روایت ہے کہ:

”ایک دفعہ فرمایا کہ مغضوب اور غنائین کی جماعت جس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں، کفاریت پرست کے مقابلہ میں ان سے تبریٰ کو اس قدر اہمیت کیوں دی گئی ہے کہ سورہ فاتحہ کا اس کو جزو قرار دیا گیا جس کو رات دن میں ۳۲ مرتبہ ہم نماز میں پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں ان کی جماعتی فطرت یہ ہے کہ ان میں حق کے قبول و انفعال کی استعداد نہیں ہے، اور مشرکین کی جماعتی فطرت میں حق کے قبول و انفعال کی استعداد ہے، یہود و نصاریٰ کے متعلق تو قرآن کا نظریہ یہ ہے کہ: وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَبِيعَ مِلَّتَهُمْ^۴ یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کے پیرو نہ ہو جاؤ۔ اور مشرکین کے متعلق قرآن کریم کا نظریہ یہ ہے کہ: يَوْمَذُاقُوا الْعَذَابَ فَيَذْهَبُونَ^۵ وہ چاہتے ہیں کہ اگر تم نرم ہو تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔“^۶

مولانا عبد الصمد رحمائی صاحب ہی بیان فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ: فَإِنْ زِلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا^۷ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کے متعلق علامہ زنجیزی نے یہ واقعہ لکھا ہے کسی نے غلطی سے عزیز حکیم

۱- البقرہ: ۱۸۱۔

۲- حیات سجاد ص ۳۲۔

۳- حیات سجاد ص ۳۲۔

۴- البقرہ: ۱۲۰۔

۵- القلم: ۹۔

۶- حیات سجاد ص ۳۳۔

۷- البقرہ: ۲۰۹۔

کی جگہ غفور و رحیم پڑھ دیا تو ایک بدوی نے سن کر کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا، وجہ اس کی علامہ رجنشری نے یہ بیان کی ہے کہ زلت و لغزش کے بعد ارباب دانش رحم و مغفرت کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس کو گناہ پر جری بنانے کو متلزم ہوگا۔

حالانکہ قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں رحم و مغفرت کا ذکر خطا کاروں کی خطا کاری کے بعد مذکور ہے مولانا نے فرمایا۔ بدوی کے انکار کی وجہ یہ تھی۔ بلکہ وہ ”فالمؤمنین“ کا مبلغ تیسرا ہے، جو اس جگہ رحم و مغفرت کے ذکر کے منافی ہے مولانا کی اس بلاغت پر بے اختیار زبان سے نکل آیا۔
توئی چناں کہ توئی ہر کے کچا دانند۔^۱

یہ مثالیں آپ کی فکر قرآنی کی بلند یوں کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

علم حدیث

علم حدیث میں بھی آپ کا پایہ بے انتہا بلند تھا، اور کئی جہتوں سے ان کا قدا اپنے ہم عصروں سے ممتاز نظر آتا ہے مثلاً:

ہر حدیث قرآن سے مربوط ہے

☆ ان کا خیال تھا کہ ہر حدیث قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت سے مربوط ہے، اور ہر روایت مشکوٰۃ نبوت کی اس تنویر سے ماخوذ ہے جو قرآن کریم کے مطابق بہا اراک اللہ^۲ کے تحت آپ کو حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آیات قرآنی کی جو تشریحات منقول ہیں ان میں زیادہ تر قرآنی الفاظ کی طرف اشارات ملتے ہیں، جس طرح کہ مجتہدین مدار حکم کے اشارات آیات منصوصہ میں تلاش کرتے ہیں، اور پھر ان پر قیاس کی بنیاد رکھتے اور مسائل کا استخراج کرتے ہیں، اسی لئے مولانا اس پر بہت زور دیتے تھے کہ درس حدیث کے وقت حتی الامکان یہ واضح کیا جائے کہ اس حدیث کا تعلق قرآن کریم کی کس آیت سے ہے؟

اسی طرح مسائل پر غور کرتے وقت قرآن سے جتنا ثابت ہے پہلے وہ سامنے لانا چاہئے، پھر حدیثوں سے جو رہنمائی ملتی ہے اس کو ظاہر کیا جائے، اس کے بعد درجہ آتا ہے فقہاء امت کے اجتہادات کا، اور پھر واضح کیا جائے کہ فقہاء کرام نے یہ احکام قرآن و حدیث سے کس طرح اخذ

۱- حیات جلد ۳۳۔

۲- پوری آیت اس طرح ہے: ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّاحِبِينَ“ (المائدہ: ۱۰۵)

کئے ہیں؟ اور اس باب میں ان کی خدمات کتنی وسیع ہیں؟ اس سے فرق مراتب کا بھی پتہ چلے گا اور فقہی مجتہدات کی علمی معنویت کا بھی اندازہ ہوگا۔^۱

ظاہر ہے کہ یہ بات لکھنے اور بولنے میں جس قدر آسان ہے عملی طور پر اس کو برتنا اتنا ہی مشکل ہے، اس کے لئے قرآن و حدیث کے کہرے علم و فہم، فراست ربانی اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہے، ایسی درسگاہیں نہ پہلے موطور پر پائی جاتی تھیں اور نہ آج ان کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

احادیث کا اختلاف اختلاف احوال اور مراتب احکام پر مبنی ہے

احادیث میں جو ہم اختلاف نظر آتا ہے، مولانا کا نقطہ نظر یہ تھا کہ یہ اختلاف نسخ نہیں ہے کہ ایک نے دوسرے کو منسوخ کر دیا ہو، بلکہ یہ اختلاف اباحت یا اختلاف رخصت و عزیمت ہے، یعنی دونوں شکلیں مباح ہیں، یا ایک عزیمت پر مبنی ہے اور دوسری رخصت پر، اسی لئے آپ فرماتے تھے کہ معمول بہ احادیث کے علاوہ دوسری مختلف احادیث پر بھی زندگی میں ایک بار عمل کر لینا چاہئے مثلاً نماز کی جو مختلف صورتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، ایک ایک مرتبہ سب پر عمل کر لینا چاہئے، تاکہ کسی سنت کی برکت سے محرومی نہ رہ جائے۔^۲

یعنی مولانا کے نزدیک کوئی حدیث منسوخ نہیں تھی، بلکہ ہر حدیث کا ایک محمل مقرر ہے اور وہ کسی نہ کسی درجہ میں معمول بہ ضرور ہے، قرآن کریم کے بارے میں بھی مولانا کا موقف یہی تھا، جس کا کس جمیل آپ کے عمی جانشین حضرت مولانا عبدالصمد رحمائی کی کتاب ”قرآن محکم“ میں نظر آتا ہے، یہ وسیع نقطۂ اتفاق حضرت مولانا سجادؒ کی عبقریت، طبعی سلامتی اور قرآن و حدیث پر ان کی گہری نظر کی علامت ہے۔

نکتہ رسی

حدیث سے ان کے شغف کا انداز اس سے بھی ہوتا ہے کہ عین حالت مرض الموت میں بھی جب وہ ہوش میں آتے تو بڑی دقیق باتیں فرماتے تھے، مولانا عبدالصمد رحمائی کا بیان ہے کہ:

”ایک دفعہ مجھ کو یاد ہے فرمانے لگے کہ اس کی وجہ سمجھتے ہو کہ بیمار پڑی کے لئے حدیث شریف میں ”عیادت“ کا لفظ کیوں حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس کی تعبیر میں ”لقاء، مرئیت، زیارت، مرئیت“

۱- حیات سجاد ۳۳۳ حضرت مولانا عبدالصمد رحمائی صاحب کے مضمون سے ماخوذ (الغنیہ کے فرق نے سراجہ خلاصہ)۔

۲- حیات سجاد ۲۶ مضمون مولانا عبدالصمد رحمائی صاحب بھاری (الغنیہ کے فرق نے ماخذ)۔

یا اس طرح کے دوسرے الفاظ کیوں نہیں ارشاد فرمائے؟ پھر فرمایا کہ نکتہ یہ ہے کہ اس تعبیر سے ذہن میں یہ بات ڈالنی ہے کہ مریض اس کا محتاج ہے کہ بار بار اس کی خبر گیری کے لئے اس کے پاس پہنچا جائے کیونکہ عیادت کا مادہ ”عود“ ہے۔ مولانا اس وقت جب یہ فرما رہے تھے، تکلیف سے مضطرب تھے۔“

علم بدیع

بلاغت، معانی، اور عربی زبان و ادب میں بھی آپ کو حیرت انگیز مہارت حاصل تھی، آپ عربی زبان میں بھی برجستہ شاعری پر قدرت رکھتے تھے، مولانا عبدالصمد رحمانی فرماتے ہیں کہ:

”مجھ کو یاد ہے کہ دارالحدیث مدرسہ کے ملاحظہ کے لئے جس کو مولانا نے دارالحدیث کی وسیع و عریض

۱- حیات مجاہد ص ۲۳۔

۲- پندرہ میں ایک محلہ دیدار گنج ہے جو پندرہ بیٹی میں واقع ہے، غالباً کسبوت کے سہو سے یہ دارالحدیث ہو گیا، دیدار گنج میں جمناؤ گنج کے پاس خلیفہ جمنا کے کنارے ایک وسیع و عریض شاہی مسجد ہے جو سیف خان مرزا صانی کی تعمیر کردہ ہے، جو مدرسہ والی مسجد کے نام سے بھی مشہور ہے، سیف خان، بادشاہ ہندوستان شاہجہاں (عہد حکومت: ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۶۹ھ / ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۹ء) کے دور میں بہار کا صوبیدار (مدت صوبیداری: ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۴۰ھ / ۱۶۲۷ء تا ۱۶۳۱ء) تھا، یہ شاہجہاں کی سب سے چینی بیوی ممتاز محل (جس کے نام پر آگرہ کا تاج محل مشہور ہے) کی بہن ملکہ بائوکشاہر تھا، اس طرح سیف خان شاہجہاں کا ہم زلف تھا، اس نے پندرہ میں بڑے آن و بان سے حکومت کی، اور رفاہ عام کے بہت سے کام کئے، اس کے عہد میں ایک بڑی عید گاہ بنوائی گئی، جو محلہ صادق پور سے اتر چھتھ اب تک قائم ہے، اور چوک سے پورب لب دریا ایک بڑا مدرسہ اور مسجد کی تعمیر ہوئی، مدرسہ کی یادگار اب صرف اس محلے کا نام رہ گیا ہے، لیکن مسجد اب تک موجود ہے، اور شہر میں نہایت پر فضا مقام ہے، سیف خان کے زمانے میں خواجہ تاج محمد صاحب بہ عقیدت خان صوبے کا دیوان تھا۔

(تاریخ گلدھڑ ص ۲۴۵، ۲۴۶ مولفہ مولوی فصیح الدین ملکی)

ممکن ہے کہ پہلے اس پورے خطہ کو دیدار گنج ہی کہا جاتا ہو، غالباً حضرت مولانا محمد مجاہد نے اسی مسجد میں یہ مدرسہ قائم فرمایا تھا، اور اسی میں دینی تعلیم کے ساتھ صنعتی فنون کے شعبہ جات کھولنے کا بھی آپ ارادہ رکھتے تھے، پندرہ میں حضرت مولانا محمد مجاہد صاحب کا مدرسہ قائم کرنا عین قرین قیاس ہے۔

واضح رہے کہ دارالحدیث کے نام سے الہ آباد کے قریب ایک مقام پایا جاتا ہے جہاں لب دریا ایک شاہی مسجد بھی موجود ہے، مگر بہار سے باہر کسی بھی مقام پر حضرت مولانا محمد مجاہد کا مدرسہ قائم کرنا ثابت نہیں ہے، الہ آباد کے مدرسہ سبحانیہ کے علاوہ کسی مدرسہ سے آپ کا تعلق نہیں رہا، مدرسہ سبحانیہ میں آپ نے پڑھا بھی اور پڑھایا بھی، لیکن وہاں کسی مدرسہ کی تاسیس کا ذکر آپ کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا ہے، البتہ اس بات کا ذکر متعدد حضرات نے کیا ہے کہ الہ آباد میں تدریس کے دوران بعض حالات و واقعات کے تحت جب آپ کو ایک نمونہ کا مدرسہ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا تو آپ نے الہ آباد ترک کرنا کر بہار میں گیا شہر کو یہ عزت بخشی اور وہاں مدرسہ انوار العلوم قائم فرمایا، اور باقاعدہ عوامی رائے عامہ کے جائزہ اور تشکیل کے لئے جانے سے قبل ایک وفد روانہ کیا، اگر آپ کے لئے الہ آباد میں مدرسہ کے قیام کی کوئی صورت ہوتی تو آپ الہ آباد ترک نہ فرماتے جب کہ آپ کے اساتذہ محترم حضرت مولانا عبدالکافی صاحب بھی اس وقت باحیات تھے، ان کی سرپرستی الہ آباد میں کام کرنے میں آپ کے لئے زیادہ باعث تقویت ہو سکتی تھی۔ غرض یہاں کتابت کی غلطی سے غالباً دیدار گنج سے دارالحدیث بن گیا، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کا یہی مضمون جب حیات مجاہد (مرتبہ: مولانا انیس الرحمن قاسمی) میں شامل کیا گیا، تو مرتب کتاب نے اس مضمون کو جوں کا توں شائع کر دیا، کتابت کی یہ غلطی یہاں بھی برقرار رہی، اور مرتب صاحب نے تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ دیدار گنج دنیا کے کس خطہ میں واقع ہے؟

پرشوکت شاہی مسجد میں جوں دریا واقع ہے قائم کیا تھا اور ارادہ یہ تھا کہ اس کو تعلیم کے ساتھ صنعتی مدرسہ بنایا جائے (جب ایک جج صاحب (جن کا نام نامی شاید کرامت حسین یا اسی طرح کا کوئی دوسرا نام تھا) تشریف لائے تھے اور مولانا کو ان کی تشریف آوری کی اطلاع کل پندرہ بیس منٹ پہلے ہوئی تھی، اور اس لحاظ سے کہ وہ ذی علم تھے اور عربی ادب سے خاص ذوق رکھتے تھے، مولانا نے احتجاجاً (برحسہ) عربی میں ایک تبلیغ قصیدہ لکھا تھا، جس کو سن کر جج صاحب مرحوم بے حد متاثر ہوئے۔“

علمی جامعیت

حضرت مولانا سجاد صاحب مختلف علوم و فنون کے جامع تھے، اور کسی بھی علم و فن میں ان کا پایہ اپنے کسی ہم عصر سے کمتر نہیں برتر ہی تھا، بقول حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی:

”ان کے علمی، روح، سیاسی شعور، اور دینی اغلاص کے جو تجربات ہوتے تھے، وہ مجھے حیرت میں ڈال دیتے تھے، حالانکہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علم و دین کی بڑی بڑی شخصیتوں تک پہنچنے کا مجھے موقع عطا فرمایا، لیکن ان تینوں شعبوں کی جامعیت اور وہ بھی اس پیمانہ پر یہ واقعہ ہے کہ اپنے جاننے والوں میں کسی کے اندر نہیں پاتا، وہ جب منطق و فلسفہ کے نکات پر بحث کرتے تو پتہ کی ایسی بات کہتے کہ مسئلہ کی گرہ کھل جاتی تھی، پھر جب فقہی جزئیات کا ذکر آتا تو ایسے نوادر جزئیات کا پتہ دیتے کہ میں حیران رہ جاتا، لیکن جب کتاب کھلتی تو جو کچھ مولانا فرماتے اس کی توثیق کرنی پڑتی تھی، اور سیاسی مہارت جو ان کو حاصل تھی اس کا تجربہ تو مجھ سے زیادہ ان لوگوں کو ہوتا، جن کی عمر گزری تھی اسی دشت کی سیاحی میں۔“

”حقیقت سجاد کے پیش لفظ میں علامہ گیلانی ہی لکھتے ہیں:

”علوم اسلامیہ اور مغلیہ دور کے عقلی علوم میں مولانا کو جو دسترس حاصل تھا، خلاف معمول اس سلسلہ میں ان سے ہمیشہ مرعوب رہا، خصوصاً فقہی جزئیات پر ان کی وسعت نظری پر ہمیشہ اعتماد کرتا تھا، اسی کے ساتھ علاوہ دماغ کے مولانا مرحوم کے سینے میں درد سے بھرا ہوا جودل تھا، جس سے کم ہی لوگ واقف ہوں گے اس باب میں ان کا گویا محرم اسرار تھا۔“

۱- دیات سجاد ص ۳۱۔

۲- دیات سجاد ص ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱۔

۳- حقیقت سجاد ص ۱۸۶ (مصحف: سید احمد عروق قادری) پیش لفظ علامہ مناظر احسن گیلانی۔

اور مولانا عبدالحقیم اوکاڑوی کے الفاظ میں :
 ”مولانا جامع العلوم تھے۔“

عصر حاضر کے مشہور عالم اور ناقد مورخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شہادت ہے کہ :

”میرے والد علم میں ان کا بیسار دقیق نظر اور عمیق نظر عالم دور دور تھا۔ فقہ بالخصوص اصول فقہ
 ہدایہ کی نظر بڑی گہری تھی۔ سیاست و تمدن اور تاریخ کا بھی انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔
 خاص طور پر قانونی اور دستور کی بارکیوں اور دیندستان کے دستور اور سیاسی نظاموں سے وہ گہری
 دلچسپی رکھتے تھے۔ اور ان کا انہوں نے بظرافہ مطالعہ کیا تھا۔“^۱

اردو اور عربی کے ممتاز ادیب اور مصنف مولانا مسعود احمد ندوی نے مولانا کی علمی اور شخصی
 جامعیت کے بارے میں اپنا ذاتی تجربہ تحریر کیا ہے کہ :

”اب تک بن لوگوں سے ملا۔ دو چار مستثنیات کو چھوڑ کر تعلقات کی زیادتی سے بہ گمانی بن بڑھی۔
 بڑے بڑے عاموں کی مجلس میں جا کر بیٹھا۔ بعضوں کے نام میں کر دہ روز کے سفر بھی کئے۔
 پرنزدیک جا کر معلوم ہوا کہ ہر جمعہ جوتی چیرا ہوتا نہیں ہوتی۔ لیکن مولانا کا حال اس سے بالکل
 جدا تھا۔ ان سے پکی نفر میں بعد محسوس ہوتا تھا۔ دو چار ملاقاتوں میں جا کر ان کے ذہن و دماغ
 کی بلندی کا صحیح احساس ہو پاتا۔ اور اگر کہیں انہوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ پھر تو بے اختیار ہی
 چاہتا کہ نماز و نمازی ساری جماعت اس فرد واحد پر چھا کر کر دی جائے۔“^۲

سحبان الہند حضرت مولانا حافظ احمد سعید دہلوی حضرت مولانا کی شان میں ان الفاظ میں
 خراج عقیدت پیش کرتے ہیں :

”مولانا مرحوم کے فطرت میں اس قدر لیسٹریں کہ ان کے سہ کرے کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی
 ہیں۔ ایک صحیح انسان میں جو خوبیاں اور کمالات ہونے چاہئیں اللہ تعالیٰ نے مولانا کی ذات میں
 دو سب جمع کر دیئے تھے۔“^۳

۱- محسن چہارم ص ۵۰

۲- اورت شریعتی ایڈیٹر محمد رفیع باب ص ۲۳۳ مولانا محمد رفیع الدین مہتمم دہلی۔

۳- محسن چہارم ص ۵۰ مضمون مولانا مسعود احمد ندوی۔

۴- حیات چہارم ص ۵۰ مضمون سحابان الہند۔

حضرت مولانا کے مشہور سیاسی ناقد علامہ راغب احسن صاحب^۱ نے بھی باوجود فکری و سیاسی

۱۔ علامہ راغب احسن ایک عالم، فاضل، صحافی اور اپنے عہد کی کئی تحریکات میں حصہ لینے کے حوالے سے بے حد مشہور شخصیت کے مالک ہیں۔ علامہ موصوف تحریک پاکستان میں شروع سے پیش پیش رہے اور اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور انہیں اقوام عالم میں صحیح مقام دلانے میں صرف کر دی۔

علامہ راغب احسن کا آبائی وطن جربا پراندر، متصل دیوبند ضلع گیا (بہار) تھا۔ وہ ایک غریب گھرانے میں ۱۹۰۵ء (۱۳۲۳ھ) میں پیدا ہوئے، ان کے والد ریاض الدین احمد، کلکتہ میں کلکتہ ڈاک میں ملازم تھے۔ راغب احسن صاحب نے کلکتہ میں تعلیم پائی اور بی اے کرنے کے بعد اپنی سیاسی زندگی کا آغاز خلافت کمیٹی میں شمولیت سے کیا اور اسی سلسلہ میں جیل بھی گئے۔ بی پورٹیل میں ان کی ملاقات کلکتہ کارپوریشن کے اس وقت کے میئر محمد عثمان سے ہوئی۔ وہاں ان دونوں نے عہد کیا کہ وہ اپنی تعلیم حاصل کریں گے اور انگریز کی ملازمت کرنے کے بجائے اس کے خلاف جہاد کریں گے چنانچہ راغب احسن صاحب نے جیل سے رہائی کے بعد ایم۔ اے کیا، اس دوران مولانا محمد علی جوہر کی صحبت میں رہ کر ان سے بھی استفادہ کرتے رہے، اور ان کے انگریزی اخبار "کارمیز" کے اعزازی مدیر بھی رہے، ایم اے کی تکمیل کے بعد صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور انگریزی اخبار "سار آف انڈیا" کے ادارتی عملہ میں شامل ہو گئے۔

مولانا محمد علی جوہر کی صحبت نے علامہ راغب احسن میں ایسا زور قہم پیدا کر دیا تھا کہ مولانا محمد علی جوہر کے انتقال کے بعد سارا ہندوستان ان کو محمد علی ثانی کہنے لگا تھا۔

علامہ راغب احسن نے ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا یوتھ لیگ کی بنیاد رکھی اور اسی دوران "حق فکر اسلامیت و استقلال ملت" کے نام سے ایک فکر انگیز و ستارہ مسلمانوں کے حقوق کے لیے مرتب کی۔ ۱۹۳۶ء میں راغب احسن صاحب نے کلکتہ مسلم لیگ کی بنیاد رکھی اور اس کی تنظیم سازی میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ مسین شہید ہرودی (جو بعد میں متحدہ پاکستان کے وزیر اعظم بنے) کو اس کا صدر اور سید محمد عثمان (سابق میئر کلکتہ) کو جنرل سکرٹری مقرر کیا۔

ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ جس مسئلہ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تنازع فیہ تسلیم کیا گیا وہ طرز انتخاب کا مسئلہ تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مسلم رہنما مثلاً حکیم اجمل خاں، سر علی امام، حسن امام، جیسر مسٹر الحق، محمد علی جناح، حسرت موہانی، ذاکر انصاری، مولانا ظفر علی خان، چوہدری غلیق الزماں، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ متحدہ طرز انتخاب کو ہندوستان کے سیاسی نظام کے لیے بہتر سمجھتے تھے جبکہ مسلم کونفرس کے اراکین و عہدیداران ہمیشہ جداگانہ طرز انتخاب کے حامی رہے جن میں سر محمد شفیق، سر علامہ محمد اقبال، محمد شفیق داؤدی اور علامہ راغب احسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جداگانہ طرز انتخاب پر جتنی دلیل تحریریں علامہ راغب احسن صاحب کی ہیں، کسی کی نہیں ہیں۔ موصوف کی سیاست میں اس کا کام تھا۔ ان کا نام نظریات کے تہدیل کرنے والوں میں نہیں لایا جاسکتا۔

علامہ راغب احسن کی شخصیت کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب قائد اعظم محمد علی جناح ۱۹۳۵ء میں برطانیہ سے ہندوستان تشریف لائے تو دہلی کی سرزمین پر تین اہم شخصیتوں محمد علی جناح، علامہ محمد اقبال اور علامہ راغب احسن نے ایک کمرے میں بیٹھ کر گھنٹوں ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار اور عالمی حالات و واقعات پر باتیں کیں۔ اسی اجتماع میں علامہ اقبال نے علامہ راغب احسن سے درخواست کی کہ وہ مسٹر جناح کا ساتھ دیں اور ان کے ہاتھ مضبوط کریں۔ چنانچہ راغب احسن صاحب نے علامہ اقبال کی درخواست قبول کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم میں بھرپور حصہ لیا اور اسے نہایت مستحکم تنظیم بنا دیا۔

علامہ راغب احسن کی عظمت، فہم و فراست اور ذہنی بالیدگی کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ وہ مولانا محمد علی جوہر کے جتنے چہیتے تھے اتنے ہی قائد اعظم محمد علی جناح کے بھی پیارے تھے حالانکہ محمد علی جناح اور محمد علی جوہر میں اصولی طور پر سیاسی اختلافات بھی قائم رہے۔

۲۱-۱۹۲۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی کے بعد اپریل ۱۹۲۶ء میں منتخب نمائندوں کا کنونشن دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح نے علامہ راغب احسن کو راجح تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: "کروڑوں ہیں جو میرے اندھے عقیدے ہیں، انہوں میں جو میری تائید کرتے ہیں اور لاکھوں ہیں جو میرے لیے سرگرمی سے کام کرتے ہیں لیکن ہندوستان کے طول و عرض میں مسلم لیگیوں میں صرف ایک راغب احسن ہیں جو اسلام اور پاکستان کے اصول کی محبت میں مجھ پر بے باکی کے ساتھ عقید کی جرأت کرتے ہیں۔ پاکستان کے نصب العین کی خاطر وہ مجھ پر سخت ترین گرفت کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ وہ مجھ کو چاہتے ہیں لیکن مجھ سے زیادہ اسلام اور پاکستان کو چاہتے ہیں۔ راغب احسن لیگ اور تحریک پاکستان کے ذمہ خمیر ہیں اور راغب احسن پر مجھے فخر ہے۔" ←

→ ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں علامہ راغب احسن کے متعلق لکھا کہ: ”مولانا راغب احسن کی قاجریت و صلاحیت کی تعریف کرتے ہوئے مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے۔ یہ ان گنتی کے چند قابل ترین اور انتہائی ہونہار لوگوں میں سے ہیں جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ وہ اسلام اور ہندوستان کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ثابت ہوں گے۔“

علامہ راغب احسن نے پکال میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم میں پوری محنت و مشقت صرف کی تھی، اسی لیے وہ تنظیم سارے ہندوستان کی جان قرار پا گئی تھی، ہر گزوں اور ہر محلہ مسلم لیگ کی تنظیم سے منسلک تھا، جب آل انڈیا مسلم لیگ نے ”یوم راسد اقدام“ منانے کا اعلان کیا تو لاکھوں افراد کا مجمع کلکتہ میدان میں جمع ہونے لگا، جس پر ہندوؤں نے تنظیم سازش کے ذریعے حملہ کر دیا۔ کلکتہ کے نقصانات کو دہرائے ہند لارڈ بول نے بہ چشم خود دیکھا، وہ اس حادثہ پر انتہائی مضطرب ہوا اور ساتھ ہی مسلم قوم کی جاننازی اور سرفرشی کو بھی پرکھ لیا۔ دہرائے ہند نے مسلمانوں کی جانب سے ”یوم راسد اقدام“ منانے کی حیثیت اور اہمیت کو سمجھ لیا اور اس کے بعد ہی اس نے عارضی حکومت میں آل انڈیا مسلم لیگ کو پانچ وزارتیں دینے کی پیشکش کی جبکہ اس سے چند ہفتہ قبل عارضی حکومت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی شمولیت کو ناقابل قبول قرار دیا تھا۔ عارضی حکومت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی شمولیت، تنہا کلکتہ مسلم لیگ کے عزم و ہمت کی مرہون منت ہے۔ کلکتہ کے فسادات میں مسلمانوں نے جو شہادت پیش کی، اور جس طرح جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا، درحقیقت اسی کے پیش نظر آل انڈیا مسلم لیگ کے پانچ ممبران اسمبلی ایقظ ملی خاں، راج غنشنر ملی خاں، سردار عبدالرب نشتر، آئی آئی چندر گپتا اور منزل ہندوستان کی عارضی حکومت میں شامل ہوئے۔ اس عارضی حکومت میں ایقظ ملی خاں کو وزیر خزانہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ انتہائی بد قسمتی کی بات ہے کہ علامہ راغب احسن جو کہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن بھی تھے، وہ وقتاً فوقتہ کے ساتھ مل کر جدوجہد آزادی میں نمایاں حصہ لیا، اس کے باوجود علامہ راغب احسن کو نہ ہی ہندوستان کی عارضی حکومت میں شامل کیا گیا اور نہ ہی ان سے حکومت کے اظہار و نسق کے لیے کسی قسم کا صلت و مشورہ کیا گیا۔ تاریخ کے اوراق میں حقائق پھیلے ہوئے ہیں کہ پاکستان و تعمیر کرنے میں راغب احسن نے کیا کردار ادا کیا لیکن قیام پاکستان کے بعد بھی حکومت کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی تحریک کی جب ابتدا ہوئی تو اسے بہت سی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ علامہ راغب احسن پر یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آئی کہ جب تک علماء کے حلقے اور خانہ ہوں کی مددی فہمیوں کو مسلم لیگ کا ہم خیال نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک مسلم لیگ کی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کانگریس کے حکام مذہبی حلقوں کا زور توڑ دیا جائے چنانچہ علامہ راغب احسن نے ”جمعیت علمائے اسلام“ کے قیام اور اس کی کامیابی میں بھرپور حصہ لیا۔ علامہ راغب احسن اپنے ایک مضمون جو اخبار ”زمیندار“ کی اشاعت مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا، لکھتے ہیں: ”جمعیت علمائے اسلام کی تاسیس و تنظیم راقم الحروف نے سالہا سال کی کوشش و کوشش کے ساتھ ۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں کی تھی۔“ (بحوالہ حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ص ۸)

جمعیت علمائے اسلام کی وجہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کو ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں بے مثال کامیابی ملی اور پاکستان کا قیام مل میں آیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے علامہ راغب احسن کو ”سیف الملت“ کا لقب دیا تھا جبکہ حسین شہید سہروردی نے ”پاکستان کا ٹینک فورس“ کا خطاب دیا تھا۔

علامہ راغب احسن ہنگال کے ماسوریاتی روزنامہ تحریک آزادی کے بانی اور امیر المجاہدین مولانا فضل الہی دیر آبادی کے نائب رہے۔ فیڈرل شیراز کی انگریزی تصنیف کا ترجمہ ”افلاس ہند اور اس کے متعلقہ معاشی مسائل“ کے عنوان سے کیا تھا۔ علامہ اقبال کے خطوط نام آں جناب و محمد فرید الحق ایڈوکیٹ نے ”اقبال جہان دگر“ کے عنوان سے مرتب کر کے شائع کروایا تھا، ان کی ہنگامہ خیز حقیقی خدمات کا اعتراف کیا جاتا رہا، لغت اور مسانیت کے حوالے سے وہ اہم شخصیت مانے گئے ہیں۔

علامہ راغب احسن کی کتابوں میں حسب ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

Principles of Islamic Economics 2 What Muslims want in India 1

History of Making of Muslim Nationalism in India. 4 The Political Case of Musalim India 3

علامہ راغب احسن کے ۱۹۵۷ء میں اسلامی لائیکیشن کے رکن مقرر ہوئے۔ سینٹرل اقبال کمیٹی کے نائب صدر، نور سلیمان ندوی کمیٹی آف اسلام (کراچی) کے رکن تھے۔ ۱۹۶۵ء کے عام انتخابات میں مجتہدہ فاطمہ جناح کے حق میں اور اس وقت کے صدر پاکستان محمد ایوب خان کے خلاف مشرقی پاکستان میں بے حد کام کیا تھا۔ ←

اختلافات کے آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

”مولانا سجاد غالب العلماء ہند میں واحد شخص تھے جو ایک یورپین ڈپلوماٹ کا تدریس ایک ہندوستانی زمیندار کے کلہر واز کی ماہرانہ کارپردازی، اور ایک عاشق صادق کی عقیدت و عہم راسخ، اور ایک سالک راہ سنوک کی کمال یکسوئی اور استقلال کے اوصاف اپنی سیرت میں جمع رکھتے تھے۔“



→ قیام پاکستان کے بعد علامہ راغب احسن پاکستان ہجرت کرتے ہوئے سابق مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ میں مستقل سکونت پذیر ہوئے اور پھر بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ایک دفعہ پھر ڈھاکہ سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لے گئے۔ علامہ راغب احسن کا انتقال ۲ نومبر ۱۹۷۵ء (۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ) کو کراچی میں ہوا اور وہ آج بھی حسن قبرستان میں مدفون ہوئے۔

۱۹۹۰ء میں حکومت پنجاب نے بعد از مرگ آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ”تحریک پاکستان کا گولڈ میڈل“ ایوارڈ پیش کیا۔

ماخذ:

- ۱- انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا از سید قاسم محمود
- ۲- انسائیکلو پیڈیا تحریک پاکستان از اس سلیم شیخ
- ۳- وفیات ماسوران پاکستان از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلج
- ۴- شائق عثمانی و راغب از محمد نعیم الرحمن انیس
- ۵- رجب ابن پاکستان از سید محمد رفیع ایدالی
- ۶- حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی از فیض الہ آبادی و اثین صدیقی

۷- Allama Raghib Ahsan Quaid-i-Azam Correspondence (1936-1947) by Syed Umar Hayat

(ماخوذ از: جریدۃ الوقف کراچی، شمارہ۔ روزنامہ ۱۰۳۳ھ، اکتوبر نومبر ۲۰۱۲ء، مضمون سید محمد رفیع ایدالی: یاد و تحریک فیض پاک)

منوایا تھا، معروف مصنف مولانا امین حسن اصلاحی صاحب ارقطراز ہیں:

”مولانا نے اسلامی قانون کا نہایت اچھا مطالعہ کیا تھا، تمام حاضر الوقت مسائل میں وہ حیرت انگیز مہرمت کے ساتھ شرعی نقطہ نظر متعین کر دیتے تھے۔ ان کی نظر نہایت گہری تھی، بسا اوقات پہلے وطن میں ان کی رائے کمزور معلوم ہوتی، مگر ان کی تحقیقات کے بعد جب مسئلہ پوری روشنی میں آ جاتا تو ہر شخص ان کی احادیث رائے کی داد دیتا۔ پھر وہ صرف جو نہایت کے مفتی نہیں تھے بلکہ اسلامی نظام کو اس کے تمام اشکال و صورتوں میں جاننے اور سمجھنے تھے اور اس کے اصولی و فروعی مسائل کی پوری معرفت رکھتے تھے۔ ان معاملات میں بھیرت رکھنے والے ہندوستان میں بہت کم ہیں۔“

۱۔ مولانا امین حسن اسلامی مدرسہ فراہی کے ایک طویل القدر عالم دین، مفسر قرآن اور ممتاز ریاضی کار تھے۔ آپ مولانا حمید الدین فراہی کے آخری نمبر کے تلامذہ خاص اور ان کے افکار و فکریات کے ارتقا کی جہی کرتے ہوئے رہے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۰۰ء (۱۳۲۲ھ) میں، عظیم گڑھ کے ایک کاؤں موضع، بہار میں ہوئی۔ آپ کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم ہنزیت گاؤں کے دو کتبوں میں ہوئی، سرکاری کتب میں مولوی بشیر احمد جبکہ دینی کتب میں مولوی فتح احمد ان کے استاد تھے۔ یہاں سے آپ نے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم حاصل کی جب دس سال کے ہوئے تو آپ کے رشتہ کے چچا مولانا ثانی مکتلم ندوہ (مہتمم مدرسۃ الاسلام) کے انیما۔ پیر امین حسن کے والد نے ۹ جنوری ۱۹۱۵ء (۲۲ صفر ۱۳۳۳ھ) کو انہیں مدرسۃ الاسلام کے مدرسے میں داخل کر دیا۔ آپ کو کتب کے آخری (تیسرے) درجے میں بھیجا گیا۔ مدرسہ میں مولانا امین حسن اسلامی نے آٹھ سال میں پورے نصاب کی تعلیم مکمل کی اس عرصے میں آپ نے عربی زبان، قرآن، حدیث، فقہ اور کلامی علوم کی تکمیل کی، اردو، فارسی، انگریزی اور بالخصوص عربی میں دسترس حاصل کی، مولانا امین حسن اسلامی دورانِ تعلیم ایک ذہین و درقائن طالب علم کی حیثیت سے نمایاں رہے۔

مدرسہ سے فارغ ہوتے ہی مولانا اصلاحی ۱۹۲۲ء (۱۳۴۰ھ) میں اٹھارہ سال کی عمر میں سرورہ مدینہ منورہ کے نائب مدیر مقرر ہوئے۔ یہ اخباران و فاضل تخریک خلافت کا علمبردار اور سیاست میں جمویت ملانے والے دور کا نمبر تھا۔ اخبار کے مالک مجید حسن نے بچوں کے ایک ہفت روزہ فوجی کی ادارت بھی مولانا کے سپرد کر دی مولانا اصلاحی نے مولانا عبدالرحیم دریا بادی اور مولانا عبدالرحمن نگرانی کی زیر نگرانی شائع ہونے والے ہفت روزہ فوج میں بھی کام کیا۔

۱۹۲۵ء (۱۳۴۳ھ) میں مولانا اصلاحی صحافت کو خیر باد کہہ کر مولانا حمید الدین فراہی کی خواہش پر علوم قرآن میں تخصص کی غرض سے ہمدرد مدرسۃ الاسلام سے وابستہ ہو گئے۔ مدرسہ میں تہ ربیعہ فرائض کی عجا آوری کے ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ کے ساتھ مولانا فراہی سے درس قرآن لینے لگے۔ آپ نے مولانا فراہی سے صرف علوم فقہیہ ہی نہیں پڑھے بلکہ ان کے طرزِ فقہ فقہیہ میں مہارت بھی حاصل کی، عربی شاعری کی مشکلات میں ان سے مدد لینے کے ساتھ ساتھ سیاسیات اور فلسفہ کی بعض کتب بھی ان سے پڑھیں۔

جماعت اسلامی کی تشکیل ۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء (۲۰ شعبان ۱۳۵۰ھ) کو ہوئی، مولانا اصلاحی اس سرچشمہ کی اجتماع میں شریک نہ تھے لیکن ان کے خلیفہ تعلق کے پیش نظر ان کو جماعت اسلامی کے ارکان میں شامل کر کے اسے آباد، بنارس، گورکھپور، فیض آباد، ڈوبوین اور صوبہ بہار کا صدر و خاتم بنانے میں نوازا۔ مولانا اصلاحی کو اس کا نائب مقرر کر دیا گیا، کچھ ہی عرصہ میں آپ مولانا مودودی اور ارکان شوریٰ کے پاس اتنا اعتماد حاصل ہو گیا کہ آپ مولانا مودودی کے جانشین کی حیثیت حاصل ہو گئی، لیکن پھر بعض اختلافات کی بنا پر ۱۸ جنوری ۱۹۵۸ء (۲۶ ربیعہ الثانیہ ۱۳۷۷ھ) کو آپ جماعت سے علاحدہ ہو گئے۔

۱۵ دسمبر ۱۹۹۰ء (۱۵ شعبان ۱۴۱۸ھ) کو انتقال فرما گئے (۹۳ سال کی عمر میں)۔ انور میں آپ کی وفات ہوئی تھی، ذرا تھوڑے ہی آپ نے یادگار چھوڑ دیں: ”مبوی، تدبر قرآن، تدبر قرآن، تزکیہ نفس، حقیقت شرک، توحید، حقیقت تقویٰ، حقیقت نماز، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، اسلامی ریاست، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام، قرآن میں پردے کے احکام، عالمی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ، مشہدات حرمہ وغیرہ“ (مولانا امین حسن اصلاحی دیانت و عدالت، مضمون تاجش، مکتبہ اسلامیہ زمینی نو، اپریل ۱۹۹۸ء)۔

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاری صاحب^۱ نے حضرت مولانا سجاد صاحب کا بہت قریب سے مطالعہ کیا تھا انہوں نے اپنا تجربہ تحریر کیا ہے کہ:

”جمعیتہ علماء میں جب کبھی علمی مسائل پر بحث ہوتی، تو مولانا سجاد صاحب کا اصل جوہر اس وقت کھلتا تھا، ہماری جماعت میں مشہور ہے کہ زبردست دلائل کے ساتھ کسی بات کو مدلل کر کے بیان کرنا حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا خاص حصہ ہے، اور یوں بھی مفتی صاحب کو فقہ اسلامی میں بہت بڑا مقام حاصل ہے، لیکن جماعت کے ذمہ دار ارکان اور میں نے بارہا یہ منظر دیکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ پر حضرت مولانا محمد سجاد صاحب دلائل و براہین فقہی کے ساتھ بحث فرماتے تو حضرت مفتی صاحب بھی بے حد متاثر ہوتے اور ان کے علمی تجربہ کا اعتراف کرتے ہوئے بے ساختہ ان کی زبان سے کلمات تحسین نکل جاتے۔“^۲

فقہیہ النفس عالم دین

قرآن و حدیث اور مراجع فقیہ کی مسلسل مزاولت اور عطاء ربانی کی وجہ سے اسلامی قانون

۱- ولادت سیوہارہ ضلع بجنور کے ایک تعلیم یافتہ معزز خاندان میں ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں ہوئی، آپ کے والد جناب غس الدین صاحب بھوپال پھر بیکانیر میں اسٹنٹ انجینئر تھے، ابتدائی تعلیم مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں حاصل کی، پھر مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخلہ لیا، ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور علامہ انور شاہ کشمیری اور دیگر اساتذہ کرام سے استفادہ کیا، ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۲ء) میں سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد ایک سال مدراس پیری میٹ میں رہے، تصنیفی زندگی کا آغاز وہیں سے کیا، ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء) میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے، ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں علامہ کشمیری کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈیہلی چلے گئے، وہاں پانچ سال تدریس کے فرائض انجام دیئے، ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۳ء) میں کلکتہ تشریف لے گئے اور درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا، پانچ سال وہاں رہے، ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے دہلی میں عودۃ المصنفین قائم کیا، تو آپ دہلی آ گئے، ۱۳۶۱ھ (۱۹۴۲ء) میں جمعیتہ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے، اور میں سال تک سیاسی فینچل کے زمانہ میں جمعیتہ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔

نومری ہی سے خدمت خلق کا جذبہ دل میں موجزن تھا، اسی نے آپ کو سیاست کی طرف متوجہ کیا، ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی کی تنگ سازی کی تحریک میں عملی طور پر حصہ لیا، تا عمر کا نگریس کے ممبر رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، شعلہ بیان مقرر، آتش نوا خطیب، اور بے پناہ زور بیان کے مالک تھے، تحریک آزادی کے دنوں میں ان کی تقریر آتش سیال تھی، جو دلوں میں جذبات کی آگ بھڑکاتی تھی، جنگ آزادی کے ممتاز رہنماؤں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، نیشنلسٹ مسلمانوں کے عظیم قائد تھے، مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی جی اور چند جواہر لال نہرو سے گہرے روابط تھے، متعدد بار جیل گئے، اگست ۱۹۴۷ء (آزادی) کے بعد آپ نے جو بے نظیری اور سیاسی خدمات انجام دیں ان کی بنا پر آپ کو مجاہد ملت کا لقب دیا گیا، کانگریس کے ٹکٹ پر جنوری ۱۹۵۲ء میں حلقہ بلااری ضلع مراد آباد سے اور ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۲ء میں امر وہ سے پارلیامنٹ کا انکیشن لڑے اور بھاری دونوں سے کامیاب ہوئے، کئی اہم علمی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں اسلام کا اقتصادی نظام، قصص القرآن، فلسفہ اخلاق اور بلاغ مبین کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، وفات دہلی میں ۲ اگست ۱۹۶۲ء (۱ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ) میں ہوئی، قبرستان مہدیان میں مدفون ہیں (مشاہیر علماء دیوبند ص ۹۷، ۹۸ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی بحوالہ الجمعۃ دہلی مجاہد ملت نمبر ۱۲۰ تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفیعہ ص ۸۱ مؤلفہ مولانا امیر اوروی جہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاری ایک سیاسی مطالعہ از ڈاکٹر یوسف سلمان شا جہاں پوری)

ان کے مزاج کا حصہ بن گیا تھا، تفقہ آپ کی فطرت کی ہر اینٹوں میں پیوست ہو گیا تھا، اور مآخذ کی طرف رجوع کے بغیر بھی مسائل کی روح تک پہنچنے کا بے پناہ ملکہ انہیں حاصل تھا، بقول حضرت مولانا عبدالصمد رحمائی:

”مولانا ان مسائل میں جو ارتقائی اسباب کی بنا پر آئے دن نئی نئی صورتوں میں رونما ہوا کرتے ہیں، بلا تکلف معائب رائے دیتے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کو پہلے سے سوچے بیٹھے ہیں، اور اس کے ثواب اور نفیر پر غور و فکر کے تمام مراحل کو طے فرما چکے ہیں۔“^۱
اور مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں:

”وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ شرعی نقطہ نظر متعین کر لیتے تھے۔ بسا اوقات پہلے دھلے میں ان کی رائے کمزور معلوم ہوتی، مگر تحقیقات کے بعد جب مسئلہ پوری روشنی میں آتا تو ہر شخص ان کی اصابت رائے کی داد دیتا۔“^۲

ایسے عالم کو علمی اصطلاح میں ’فقیہ النفس‘ کہا جاتا ہے، اسلامی تاریخ میں ایسے علماء انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جو اس مقام بلند تک پہنچے ہوں۔
حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے حضرت مولانا سید منت اللہ رحمائیؒ کے حوالے سے نقل فرمایا کہ:

”ہفتوں کتابوں کو دہراتے دہراتے جس نتیجہ تک ہم پہنچتے تھے جو آخری سرحد کو پار کر کے وہاں مولانا سجاد سوال سن کر پہلے لمحے میں جواب دیتے تھے یہ ان کے فقیہ النفس ہونے کی دلیل ہے گویا ذہنی سانچہ ہی ان کا فقہ میں ڈھلا ہوا تھا، جواب آتا ہی تھا وہ جو فکر صحیح کا نتیجہ ہوتا۔“^۳
اسی بات کو انہوں نے ’قضایا سجاد میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

”جب نازک فتنی سوالات ابھرتے تو مولانا برجستہ کتابوں کی طرف رجوع کئے بغیر جو جواب دیتے وہی جواب ہم سب کتب فقہ اور مراجع علمی کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد جس نتیجہ تک پہنچتے دی ہوتا جو مولانا اول و بلہ میں فرما دیا کرتے تھے۔“^۴

۱- حیات سجاد ص ۳۵۔

۲- محاسن سجاد ص ۵۴۔

۳- مولانا ابوالحسان محمد سجاد - حیات و خدمات ص ۲۶ مضمون حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، ناشر مکتبہ امارت شریعہ پھلواڑی شریف پٹنہ، ۲۰۰۳ء۔

۴- قضایا سجاد ص ۵ مقدمہ بقلم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، نالک کردہ: امارت شریعہ پھلواڑی شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمہ اللہ کا ایک اہم مکتوب (۲۹ مارچ ۱۹۸۶ء) ہے جو مولانا عطاء الرحمن قاسمی صاحب چیرمین شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی کے نام ہے، مولانا موصوف نے اس کا عکس مجھے ارسال فرمایا، اس میں امیر شریعت نے حضرت مولانا سجاد کے بارے میں اپنے گہرے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

”میرے سب سے بڑے محسن حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد تھے مولانا فقیہ النفس تھے، اصول ہدیری گہری نظر تھی، آیات و احادیث سے بے تکلف استنباط مسائل کرتے تھے۔“

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی شہادت

امام العصر خاتم الاحدین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (ولادت ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء - وفات ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) جو علم حدیث کے ساتھ فقہ پر بھی بہت گہری نظر رکھتے تھے، جو حافظ ابن حجر جیسے محدث فقیہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ:

”ماذا ابن حجرہ حدیث کے پہاڑ ہیں، اگر کسی پر گریں تو ڈھادیں اور فقہ میں درک نہیں ہے۔“

اور جو علامہ ابن تیمیہ جیسے محدث، عالم، فقیہ اور معقول کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

”میرا خیال ہے کہ ابن تیمیہ کو پہاڑ ہیں علم کے مگر کتاب سیویہ کو نہیں سمجھ سکے ہوں گے، کیونکہ عربیت اونچی نہیں ہے، فلسفہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ کم اتنا جاننے والے ہوں گے۔ مگر ناقل ہیں ماذق نہیں ہیں۔“^۱

علامہ کشمیریؒ علماء سلف میں امام رازیؒ، علامہ ابن نجیم مصریؒ صاحب البحر الرائق، اور متاخرین میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (جو علامہ شامیؒ کے معاصر تھے) کے فقیہ النفس ہونے کے قائل تھے۔^۲

علامہ فرماتے تھے کہ تین صدیوں سے تفقہ مفقود ہے، وہ درمختار اور رد المحتار جیسی عظیم فقہی کتابوں کے مصنفین علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ کو محض ناقل فقہ قرار دیتے تھے اور ان کی

۱- ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۳۷ مرتبہ حضرت مولانا سید احمد رضا بک نوری، ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۳۱ھ

۲- ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۳۶۔

۳- ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۳۶ پر امام رازیؒ کے بارے میں ان کا جملہ ہے: ”امام رازی کو فقہ فی النفس حاصل ہے۔“

اور علامہ ابن نجیم اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بارے میں فیض الہاری شرح البخاری کی یہ عبارت ہے: ”واعلم ان ابن نجیم آفقه عندی من الشّامی لما أرى فيه أن أمارات التفقه تلوح، والشّامی معاصر للشّاه عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ، وهو آفقه أيضًا عندی من الشّامی رحمہ اللہ تعالیٰ (فیض الہاری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳)“

فقہ فی النفس کے قائل نہیں تھے، ان کے مقابلے میں عہد اخیر کے عالم و فقیہ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو زیادہ بڑا فقیہ (یعنی فقیہ النفس) سمجھتے تھے۔^۱

اس تناظر میں یہ بات بہت زیادہ اہم ہے کہ علامہ کشمیریؒ اپنے ہی عہد کی جس دوسری بڑی علمی شخصیت کے علم و فقہیت سے متاثر ہوئے اور ان کو فقیہ النفس تسلیم کیا، وہ حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد صاحبؒ تھے، اس بات کے راوی علامہ کشمیریؒ کے براہ راست شاگرد حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ ہیں، مولانا سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا سجادؒ ”فقیہ النفس“ عالم ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے مسائل کی روح سمجھنے کا ان کو فطری ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نور اللہ مرقدہ جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مجدد گذرے ہیں، کایہ فرمانا میرے نزدیک مولانا سجاد صاحبؒ کے تجربی کے لئے ایک بہترین سند ہے۔“^۲

حضرت مولانا سجادؒ سے علامہ کشمیریؒ کے گہرے تاثر اور عقیدت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ’اکفار الملحدین‘ پر جن اکابر علماء سے تقریفات لکھوائیں، ان میں زبدۃ العلماء حضرت مولانا غنیمت اللہ سہارن پوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے ساتھ مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا ابوالحسن سید محمد سجادؒ بھی شامل تھے، اور علامہ کشمیریؒ نے انتہائی دقیق الفاظ میں آپ کا اسم گرامی کتاب میں شائع فرمایا:

”صورة ماكتبه العلامة الفقيه المحدث المفتي نائب امير الشريعة لولاية بهار
مولانا ابوالحسن محمد سجاد ادام الله ظله۔“^۳

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت

اور یہی رائے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے بارے میں اسی عصر کے محدث اکبر شیخ الاسلام

۱- (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۹۳) نیز ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۳۶ پر علامہ کشمیریؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: ”فرمایا صاحب در مختار ارشامی وغیرہ محض باطل ہیں، اور فقہ سے (جو کہ محض نفس ہوتی ہے) مناسبت بھی نہیں ہے محض حضرت گنگوہیؒ کو دیکھ کر ان کو کچھ مناسبت تھی، اور گمان یہ ہے کہ تین صدی سے فقہ مفلوہ ہے۔“

۲- حیات سجاد ص ۱۲۸۔

۳- اکفار الملحدین فی ضروریات الدین ص ۱۲۳ معذرت حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ملبوعہ مجلس علمی مملک دہلیل ہجرات طبع ثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی بھی تھی، مولانا سیو باروئی لکھتے ہیں:

”بعینہ کی بات میں نے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی زبانی بھی سنی ہے۔“

مولانا کا مسلک فقہی اور دیگر مکاتب فقہیہ کے بارے میں نقطہ اعتدال

اکابر اور علماء وقت کی مذکورہ بالا شبادتوں اور بیانات سے حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے بلند علمی و فقہی مقام کا اندازہ ہوتا ہے، اور فقہی و قانونی بصیرت کے معاملے میں وہ اپنے عہد کے سب سے بلند پایہ عالم دین نظر آتے ہیں، جن کی نگاہ شریعت اسلامی پر بھی تھی اور قوانین عالم پر بھی، ان کے یہاں وقت نظر بھی تھی اور اعتدال فکر بھی، وہ فقہ حنفی سے مسلکی انتساب کے باوجود تمام مکاتب فقہیہ کا احترام کرتے تھے، مذاہب فقہیہ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین کے اختلاف کو وہ اختلاف برہان سے زیادہ اختلاف زمان و مکان، یا اختلاف احوال یا اختلاف مدارج پر محمول فرماتے تھے، دیگر ائمہ کے اختلافات کو بھی خاص طور پر معاملات میں مقتضیات احوال یا اور دیگر اسباب پر مبنی قرار دیتے تھے، وہ احادیث کی طرح مسلک فقہیہ میں بھی تطبیقی فکر کے حامل تھے، وہ کہتے تھے کہ اسلام میں مصالح کی بڑی اہمیت ہے اور ائمہ کرام کے اختلافات کا بڑا منشاء یہ مصلحتیں ہی ہیں، حکم کے مواقع اور مدارج کی یافت ہی اصل تفہم ہے، اسی لئے وہ مفتیوں کو حضرت امام غزالی کی کتاب اصول کے باب الاصلح کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ مختلف حالات میں وہ بصیرت کے ساتھ فتویٰ دے سکیں۔^۲

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد اصغر حسین بہاری صاحب رقمطراز ہیں:

”حضرت استاد محترم مفکر اعظم مذہب و عمل میں حنفی تھے لیکن تنگ نظریوں کی طرح اہلسنت کے دوسرے فرقوں سے جنگ آزمائے تھے۔ بلکہ فرماتے تھے کہ نماز کی مختلف صورتیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، ایک ایک مرتبہ بھی سب پر عمل کر لینا چاہئے۔ تاکہ کسی سنت کی برکات سے محرومی نہ رہ جائے۔“^۳

راد اور منزل کا فرق فراموش نہیں کیا

مولانا کا یہ فکری توسع دراصل اصول وقواعد سے ان کی گہری واقفیت سے مترشح تھا، جس کی

۱- دیات سجاد ص ۱۲۸۔

۲- دیات سجاد ص ۲۲۲ مضمون ”والان مہد اصمد زبانی“ (مفہوم)

۳- محسن تہا ص ۲۲۲ مضمون مولانا محمد اصغر حسین بہاری۔

نگاہ کلیات پر جتنی گہری ہوتی ہے وہ اتنا ہی وسیع نظر ہوتا ہے، جب کہ مولانا عملی طور پر حنفی بلکہ خود ان کے لفظوں میں اکثر حنفی تھے، لیکن علمی طور پر وہ کسی کی تعظیم کے قائل نہیں تھے، وہ علمی اساس پر منشاء اختلاف کو سمجھتے تھے، اور علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں:

”انہوں نے راہ اور منزل کے فرق کو بھی فراموش نہیں کیا، اور احکام مذہب کی پیروی میں انقباس اور تصادم سے کبھی بے خبر نہیں رہے۔“

اختلافی مسائل میں منہج اعتدال

وہ فقہی اور نظری اختلافات کو علمی بنیادوں تک محدود رکھنے کے قائل تھے، اور ان کو جنگ و جدل اور سب و شتم کا ذریعہ بنانے کے سخت خلاف تھے، حنفی اور شافعی کی جنگ ہو، یا دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث کی، وہ اس کو قومی زوال کی علامت تصور کرتے تھے، فرماتے تھے:

”مسائل میں اختلاف ہو تو نہایت زور دار لفظوں کے ساتھ علمی اصول سے بحث کیجئے، جو علماء کے شایان شان ہے بلکہ یہ ان کا فریضہ ہے، میں خود حنفی بلکہ نہایت کٹر حنفی ہوں اور ہندوستان کے اہل حدیث جماعت کے خیالات و مسائل سے مجھ کو بھی اختلاف ہے اور سخت اختلاف، اس لئے ان کے ساتھ گفتگو اور بحث کی نوبت بھی آئی، مگر الحمد للہ آج تک جنگ و جدل اور سب و شتم کی نوبت نہیں آئی اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اہل حدیث احباب بھی اسی اصول کے پابند ہیں۔ قرآن کریم کی بھی یہی تعلیم ہے کہ:

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّي بِرِيٍّ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝۳

ترجمہ: پس اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو اسے رسول! ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔

پس اگر کوئی شخص ہمارا ہم خیال نہیں ہے اور ہمارا ہم مشرب نہیں ہے تو ہم اس سنت نبویہ کی اتباع میں اس کے عمل سے بیزاری تو کر سکتے ہیں۔ لیکن جنگ و جدل کر کے فتنہ برپا کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ غور کیجئے عمل سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے ذات سے نہیں،

۱۔ خطبہ صدارت، جلاس، جمعہ ۱۷ جولائی ۱۳۱۹ھ۔

۲۔ محسن جلد ۶ ص ۳۶۔

۳۔ سورہ شعراء: ۲۱۶۔

اس کے علاوہ: سبب المسلم فسوق وقتاله کفر^۱ 'ولا تحاسدوا ولا تباعضوا' وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات موجود ہیں، ان سب کے ہوتے ہوئے مسلمان اور وہ بھی اہل علم مسلمانوں سے وابہیات خرافات اور شنیع حرکات کا ظہور سخت قابل افسوس ہے^۲۔

دیوبندی بریلوی اختلافات میں بھی وہ نقطہ عدل پر قائم تھے وہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے فارغ تھے اور ان کے سب سے خاص استاذ جن کے علم و فکر کو بطور اسوہ انہوں نے قبول کیا تھا، حضرت مولانا عبد الکافی الہ آبادیؒ تھے، جو مدرسہ سبحانیہ کے بانی اور ناظم تھے، ان کا مسلک بھی اعتدال تھا، وہ کسی خاص مسلک کے داعی و حامی نہیں تھے، وہ دونوں سے محبت اور حسن عقیدت رکھتے تھے، ان امور میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی اپنے استاذ کی روش اعتدال پر قائم بلکہ اس کے وکیل اور ترجمان تھے، فتاویٰ امارت شرعیہ میں ان کا ایک مفصل فتویٰ موجود ہے، جس میں انہوں نے کسی سائل کے جواب میں اپنے استاذ حضرت مولانا عبد الکافی الہ آبادیؒ اور اپنے مدرسہ سبحانیہ کے مسلک اعتدال پر روشنی ڈالی ہے اس کے پس منظر میں خود ان کا اپنا رجحان بھی واضح طور پر سامنے آ گیا ہے، اس فتویٰ کے بعض اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

”حضرت استاذی مولانا حافظ الحاج محمد عبد الکافی صاحب قدس سرہ عملاً و عقیدۃً حنفی المذہب اور موافق المشرع تھے، تصوف میں سلسلہ علیہ نقشبندیہ مجددیہ کے پیرو تھے، اور فقہ و عقائد میں متحققین فقہاء حنفیہ، و متکلمین ماتریدیہ کی تحقیقات و تحقیحات کی اتباع آپ کا متحکم مسلک تھا، آپ کا طریق عمل اعتقاد و عملاً صراط مستقیم اور افراط و تفریط سے خالی تھا، اس لئے آپ کے تعلقات علماء دیوبند و اتباع حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ و حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور علماء بریلی و متبعین حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ یکساں تھے، لیکن ان دونوں گروہوں میں سے کلیہ کسی ایک کے بھی ہم خیال نہ تھے مثلاً وہ مجلس میلاد شریف و قیام کے جواز کے قائل تھے اور خود بھی اس کے عامل تھے جو عموماً علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے۔ اور علماء دیوبند کی تکفیر و تضلیل کے قائل نہ تھے۔ جو عموماً اتباع حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کا مسلک ہے۔ انہوں نے اپنی علمی تحقیقات اور کثرت افتاء کے دور میں جو تقریباً ۱۳۴۰ھ تک قائم رہا، علماء دیوبند کے خلاف نہ علی الاطلاق فتویٰ تکفیر دیا اور نہ نام بنام سہراست اسم کے

۱ - الجامع الصحیح المختصر ج ۱ ص ۶۷ حدیث نمبر: ۴۸ المؤلف: محمد بن اسماعیل أبو عبد اللہ البخاری الجمعی الناشر: دار ابن کثیر، البیامہ - بیروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407
تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا أستاذ الحدیث وعلومه فی کلیة الشریعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: ۶ مع الكتاب: تعلیق د. مصطفیٰ دیب البغا

۲ - خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد ۷/۷/۸۰ ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔

ساتھ دو تو علماء اہل حدیث اور غیر مقلدین زمانہ کو بھی کافر نہیں سمجھتے تھے چہ بانیکہ علماء دیوبند کی تکفیر کو نظر احتساب دیکھنا یہ تو ان کی شان علمی اور استقامت فی الدین سے کوسوں دور تھا ہمیں خوب یاد ہے کہ حضرت اتاذ ایک مرتبہ ایک خاص تقریب کے سلسلہ میں بدایوں تشریف لے گئے تھے اور اسی تقریب میں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بھی تشریف لائے تھے، وہیں ان دونوں بزرگوں میں مخصوص صحبت و ملاقات میں علماء دیوبند کی تکفیر کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی، چونکہ گفتگو مناظرانہ نہیں تھی، اس لئے نہایت سادگی کے ساتھ بہت جلد معاملہ ختم ہو گیا حضرت اتاذ نے فرمایا کہ آپ علماء دیوبند کی جن عبارتوں پر گرفت کر کے کفر کا حکم لگاتے ہیں، کیا ان عبارتوں کا کوئی صحیح محمل نہیں ہو سکتا ہے، ہمارے امام ابو حنیفہ کا اصول ہے کہ ماقول بالغ کے قول کو جہاں تک ممکن ہو کسی صحیح محمل پر محمول کرنا چاہئے، اسی کے ساتھ اصول و معانی و بلاغت میں بھی یہ امر متحقق ہے کہ کسی متکلم کے کلام کی مراد کو سمجھنے کے لئے اس کے معتقدات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اب یہ دونوں اصول ایسے ہیں، جو اپنی جگہ محقق اور منسوس علیہ ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کسی پر حکم لگاتے وقت اس کو بھی پیش نظر رکھیں، تو بہتر ہے۔

اس مختصری تقریر محبت آمیز لیکن پر از حقیقت کوسن کر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا بلاشبہ جناب نے ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے، اور بلاشبہ ان اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے اگر ہم ان عبارتوں کے لکھنے والوں کو کافر نہیں کہیں تو خالی ضرور کہہ سکتے ہیں۔ یہ واقعہ حضرت اتاذ نے خود مجھ سے تفصیل سے بیان فرمایا تھا۔ مجھے یہ بھی خوب یاد ہے کہ جب حضرت اتاذ قدس سرہ نے اس حکایت کو ختم فرمایا تو میں نے کہا کہ یہ آپ کی صداقت اور اخلاص کا تصرف ہے اور یہ کہ آپ نے ان سے مناظرانہ انداز میں گفتگو نہیں فرمائی، میرے اس کہنے پر حضرت اتاذ قدس سرہ حسب عادت شریفہ مسکرا دیئے، اس حکایت کی نقل سے مقصود یہ ہے کہ اس قصہ میں بھی حضرت اتاذ کی حق گوئی، حق پسندی اور میانہ روی کی ایک روشن حقیقت موجود ہے، اسی کے ساتھ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے اصلی خیال پر ایک روشنی پڑتی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ مدرسہ سبحانیہ جس کے حضرت بی متمم اور نگران کار تھے یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس مدرسہ کے دارالافتاء سے علماء دیوبند جیسے متبعین سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر فتویٰ کفر جاری ہوتا۔ مدرسہ سبحانیہ کا اصلی مسلک اور حقیقی طریق کار وہی ہے جو ہم لوگوں کے زمانہ میں تھا۔ مدرسہ سبحانیہ کی تعلیم و تربیت اور فتویٰ نویسی میں طریق کار رضائی اور دیوبندی سے بالاتر ہے۔“

۱۔ فتاویٰ امارت شریعہ فتاویٰ حضرت مولانا ابوالحسن سجاد - ج ۱ ص ۲۶ تا ۳۰ مرتبہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، شائع کردہ

امارت شریعہ پھولاری شریف پٹنہ، ۱۹۹۸ء۔

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحب علماء دیوبند کی عظمت کے قائل اور ان کی اتباع سنت کے معترف تھے، اور اس معاملے میں خود مولانا احمد رضا خان صاحب کا چہرہ ان کے اصل چہرہ سے مختلف تھا، حضرت مولانا عبدالکافی صاحب کی صحبت بابرست سے جماعتی عصبیتوں اور بے اعتدالیوں کے بہت سے راز ان پر منکشف ہو گئے تھے، اور اس سے نقطہ اعتدال تک پہنچنے میں ان کو کافی مدد ملی تھی، مولانا سجاد صاحب کو گو کہ اکابر دیوبند سے بہت زیادہ استفادہ کا موقعہ نہیں ملا، لیکن ان کا قلبی رجحان علمی، دینی اور فکری ہر لحاظ سے علماء دیوبند سے قریب تر تھا، اسی لئے طالب علمی کے زمانے میں وہ خود بھی دیوبند پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، اس کے بعد اپنے اکلوتے صاحبزادے ”حسن سجاد“ کی تعلیم کے لئے بھی انہوں نے دارالعلوم دیوبند کا انتخاب فرمایا، اور صاحبزادہ محترم نے دیوبند ہی سے فراغت حاصل کی، اس بات کا ذکر دیوبند میں ”مولانا حسن سجاد“ صاحب کے رفیق درس مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب نے کیا ہے۔^۱

احوال زمانہ اور مدارج احکام پر نظر

ایک فقیہ کے لئے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ وہ احکام فقہی کے مدارج کو سمجھے، احوال زمانہ سے واقف ہو، وسائل اور مقاصد کا فرق اس کی نگاہ میں ہو، کون سا دور کس حکم کا متقاضی ہے، اس سے پوری طرح باخبر ہو، بعض احکام حالات کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، اس ضابطہ کا منشاء کیا ہے؟ اور اس کا غلط استعمال کہاں ہو سکتا ہے؟ ان چیزوں پر اس کی عمیق نظر ہو، حضرت مولانا سجاد صاحب کی فقہ ان محاسن سے پوری طرح متصف تھی۔۔

تبدل احوال سے تبدل احکام کی حقیقت

بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ دینی احکام تو ہمیشہ کے لئے نازل ہوئے ہیں، پھر تبدیلی احکام کے کیا معنی؟ حضرت مولانا سجاد صاحب نے اس کی تشریح کی کہ دراصل حکم شرعی کا محل بدل جاتا ہے اور جب وہ محل باقی نہ رہا تو جو حکم تھا وہ بھی باقی نہ رہا، اس کی مثال یہ ہے کہ دھو بی کے یہاں سے ایک کپڑا آیا جس پر کوئی نجاست نہیں ہے تو اس کے پاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا، لیکن اگر اس میں نجاست لگ جائے تو نا پاک قرار دیا جائے گا، تو حقیقتاً حکم شرعی نہیں بدلا، بلکہ وہ چیز باقی نہ

رہی، جس پر حکم لگایا گیا تھا اس لئے حکم بھی باقی نہ رہا، اگر کپڑے کی نجاست صاف کر دی جائے تو پھر وہی حکم طہارت لوٹ آئے گا، تو ہر محل کے لئے ایک حکم مقرر ہے، محل بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ محل واحد پر کئی طرح کے احکام وارد ہوتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اگر حالات کی تبدیلی سے محل نہ بدلے تو حکم بھی تبدیل نہ ہوگا، مثلاً کسی کا قتل ناحق حرام ہے، عام حالات میں یہی حکم ہے، لیکن اگر اکراہ کی صورت پیدا ہو جائے، اور اپنی جان کا اندیشہ ہو، اس کے باوجود حرمیت قتل کا حکم برقرار رہے گا، اور اس کا قتل جائز نہ ہوگا، حالانکہ حالات بدل چکے ہیں، لیکن چونکہ محل حکم نہیں بدلا اس لئے حکم بھی تبدیل نہیں ہوگا۔

یہ وہ گہری حقیقت جسے ہر شخص نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ بتا سکتا ہے، اس اصولی فرق تک رسائی کے لئے مکمل فقہی کی ضرورت ہے، خود مولانا محمد سجادؒ کے الفاظ میں:

”اس تبدل حکم کا بتانا بھی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔“

مصالح شریعت پر نظر

اسی لئے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ علماء اور اصحاب اتفاقاً کونکر فرماتے تھے کہ مصالح شریعت پر نگاہ رکھیں، اور اس کے لئے امام غزالیؒ کی کتاب کے ’باب استصلاح‘ کا مطالعہ کریں^۱، بلکہ مولانا اس موضوع پر خود ایک ”رسالہ استصلاح“ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے:

”جس میں بتایا جائے مصلحت کی حقیقت کیا ہے اور اس کے کتنے معانی ہیں؟ شریعت اسلامیہ مصلحت کے کس معنی کو اختیار کرتی ہے؟ اور پھر مصلحت کے کتنے مدارج ہیں؟ اور یہ اعتبار مدارج مصالح کسی مصلحت کی رعایت کا کیا حکم ہے؟ اس رسالہ سے یہ مقصود ہے کہ رعایت مصلحت کے باب میں جتنی غلط فہمیاں ہیں دور ہو جائیں گی، اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کے عدم انکشاف کے باعث علماء اور جدید تعلیم یافتہ افراد کا ایک مرکز پر پورے اخلاص کے ساتھ اجتماع نہیں ہو رہا ہے بلکہ روز بروز دونوں کے درمیان تفریق کی تلخ وسیع ہو رہی ہے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔“

اس رسالہ کو بھی تینوں زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں شائع کیا جائے۔“^۲

گو کہ عمر عزیز کے مصروف ترین لمحات میں مولانا اس اہم ترین اصولی کتاب کے لئے وقت نہ

۱- خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد میں ۹۰ تا ۹۰۸ شائع کردہ مہارت شرعیہ پھلواڑی شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

۲- دیات سجاد میں ۲۳ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۳- خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد میں ۶۲۔

انکال سکے، کاش ان کے قلم سے یا ان کی نگرائی میں ایسی کوئی کتاب تیار ہو جاتی تو بالیقین وہ فقہ اسلامی کا قابل افتخار سرمایہ ہوتی، قدر اللہ ماشاء۔

مصالح کی رعایت کے حدود

مدارِ حق احکام اور مصالح احکام میں توازن کو برقرار رکھنا اور افراط و تفریط سے محفوظ رہ جانا ہر فقہ کے پس کی بات نہیں، حضرت مولانا سجاد صاحب کو یہ کمال حاصل تھا، مولانا کے یہاں مصیحت کا خدہ تھا مگر مہمت کی گنجائش نہیں تھی، مثلاً وہ ہندوستان کے حالات میں مسلمان ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے، مگر غیر مسلموں کی رعایت میں کسی حکم اسلامی یا قومی خصوصیت کے ترک کے روادار نہ تھے، ترک کاؤ پر آپ کا تفصیلی فتویٰ اسی نقطہ عدس کا شاہکار ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”ان جمیع وجوہ کی بناءً ذبح گاؤں سے پرہیز کرنا ناجائز ہے، ہندو کے خیال سے کہ ان گاؤں کا کتا ہے، ذبح گاؤں کو ترک کرنا قطعاً حرام ہے، کیونکہ اس صورت میں تائید غی الشریک ہوتی ہے۔ رزب تک ہندوؤں کے اندر ہندہ گاؤں پرستی موجود ہے اس وقت تک ذبح گاؤں زمین ہند میں ایک شعار و حید اور شعار اسلام ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَنْ تَبْعَتْ اِهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذَا لَمْ تَرْوِ الْظَالِمِينَ“

نظریہ امارت مولانا کے فقہی شعور اور زمانہ شناسی کا آئینہ دار

اسلام کے فقہی ذخیرہ میں کون سا نظریہ کن حالات پر منطبق ہوگا؟ اس کو سمجھنے کے لئے بھی بے پناہ قوت اور آگ کی ضرورت ہے مثلاً حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے جب پہلی بار نظریہ امارت پیش فرمایا تو بعض حضرات کو یہ ضحان ہوا کہ غیر مسلم حکومت میں امارت شرعیہ کا نظریہ خالص اسلامی حکومت کے نظریہ سے دستبردار ہونے کے مترادف ہے، جب کہ خلافت، جمعیت، مسلم لیگ اور کانگریس سب کا متحدہ نصب العین ملک کی مکمل آزادی کا حصول تھا، اس مشترکہ نصب العین کے باوجود بل برطانوی ہندوستان میں امارت کا نظریہ غیر مسلم اسٹیٹ کو جواز فراہم کرتا ہے، اور مکمل آزادی کے منشور کے بجائے جزوی آزادی پر قناعت کے جرم معنی ہے، جو حضرات دین کے اصول و لمیات سے واقف تھے ان کو تو زیادہ دقت نہیں ہوئی لیکن جن کی نظر صرف ظواہر و شریعت

یا محض فقہی جزئیات و فروع پر تھی انہوں نے مولانا کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا، جب کہ حقیقت یہ تھی کہ مولانا کئی آزادی کے خلاف نہ تھے، بلکہ اسلامی حکومت کا حصول ان کا بھی نصب العین تھا، لیکن مولانا کا کہنا تھا کہ جب تک وہ نصب العین حاصل نہیں ہوتا، مسلمانوں کی اجتماعیت اور دینی و ملی تشخصات کی حفاظت کا امارت شرعیہ سے بہتر اور قابل عمل راستہ کوئی نہیں ہے، اور اسی لئے انہوں نے امارت شرعیہ کے زیر نگرانی سیاسی انتخابات میں حصہ داری کو بھی قبول فرمایا۔

مولانا اس فرق سے واقف تھے کہ اسلامی ہند میں مسلمانوں کا فریضہ کیا ہے؟ اور غیر مسلم ہندوستان میں ان کی شرعی ذمہ داری کیا بنتی ہے؟ اسی فرق کو نہ سمجھ پانے کی بنا پر مولانا کے خلاف غلط فہمیوں کا طوفان کھڑا کیا گیا، اور ان کے نظریہ امارت کو نہ کام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، حضرت سبحان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ اول ناظم عمومی جمعیت علماء ہند جو حضرت مولانا سے بزرگانہ عقیدت رکھتے تھے، اور والد کی طرح ان کا احترام کرتے تھے، سفر و حضر میں مولانا کے ساتھ رہنے اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کا انہیں موقع ملا تھا، وہ اس معاملے میں خود حضرت مولانا کے بیانات کی روشنی میں ان کا نظریہ نقل فرماتے ہیں:

”وہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام ایک تنظیمی مذہب ہے، اس مذہب کی روح ڈھیلن اور نظم پاجنا ہے۔ اگر مسلمان منتشر رہیں، اور کسی ایک شخص کی اطاعت نہ کریں، اور اپنا کوئی امیر منتخب نہ کریں تو یہ زندگی غیر شرعی زندگی ہوگی۔ ان کا نظریہ یہی تھا کہ جب تک حکومت کافرو کا مسلمانوں پر تسلط ہے اور جب تک مسلمان اس ابتلاء میں مبتلا ہیں اور جس وقت تک مسلمان سیاسی اقتدار کے مالک نہیں بنتے، اس وقت تک اپنے اقتصادی اور معاشرتی کاموں کے لئے اپنا ایک امیر منتخب کریں، اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر بیعت کریں۔ تاکہ اس کفرستان میں جس قدر ممکن ہو سکے مسلمان اپنی زندگی کو شرعی بنا سکیں، وہ اس مسئلہ پر فقہاء حنفیہ کی تصریحات پیش کرتے تھے۔ اس پر انہوں نے ایک مفصل فتویٰ بھی مرتب کیا تھا، اور جمعیت علماء نے جو تجویز امارت شرعیہ کے سلسلے میں پاس کی تھی وہ بھی انہی کی سعی کا نتیجہ تھا۔“

چنانچہ اس کے بعد جمعیت علماء ہند کے متعدد جلسوں میں اس نظریہ کی بازگشت سنائی دی، اور امارت شرعیہ بہار کو پورے ملک کے لئے ایک معیاری اور قابل تقلید نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا، مثلاً گیا (جو مولانا کا اصل علمی و فکری صدر مقام تھا) کے اجلاس (۱۹۲۲ء) میں حضرت مولانا حبیب

الرحمن عثمانی (متوفی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے خطبہ صدارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت میں اور ان کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، ضروری ہے کہ مسلمان اپنے سنے والی اور امیر مقرر کریں، دارالقضا قائم کر کے قضا اور مفتیین کا تقرر کریں، جمعیت علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے اور جمعیت العلماء کے اجلاس لاہور میں یہ طے ہوا تھا کہ ایک سب کمیٹی کا اجلاس بدایوں میں منعقد کیا جائے جس میں امیر شریعت کی شرائط و مفروضات و اختیارات وغیرہ مسائل کو طے کر لیا جائے، اور اس کے بعد انتخاب امیر کا مسئلہ پیش کیا جائے علماء و مشائخ اور کبراء صوبہ بہار کا مسلمانوں پر بھاری احسان ہے کہ انہوں نے اپنے صوبہ میں امیر شریعت قائم کر کے مسلمانوں کے لئے ایک سڑک تیار کر دی ہے۔ ہم ان حضرات کا دلی شکر یہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ دوسرے صوبوں کے علماء بھی جلد از جلد صوبہ بہار کی تقلید کریں گے۔“

اسی طرح جمعیت علماء ہند کے اجلاس ہشتم پشاور (۶ تا ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲ تا ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء) میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

”مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود اتفاق یا کثرت رائے سے امیر شریعت منتخب کریں، ایسے ہی امراء صوبہ دار بنونے چاہئیں، اور امراء کے اتفاق رائے سے تمام ہندوستان کے لئے ایک امیر اعظم ہو گا اگرچہ حکومت برطانیہ کے قیام اور تسلط کی وجہ سے ان صوبہ دار اور امیر اعظم کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، مگر مذہبی ضروریات ان کے فیصلوں اور ان کے احکام سے صحیح طور پر واقع اور نافذ ہو سکیں گے اور مسلمانوں کا ایک بڑا مذہبی فرض نصب امارت ادا ہو جائے گا جس میں وہ آج کل مبتلا ہیں۔“

مولانا کی نگاہ صرف آج پر نہیں زمانہ مابعد پر بھی تھی، اجلاس مراد آباد کے خطبہ صدارت میں حضرت ابوالحسنؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

”مسلمانوں کے لئے جس چیز کی آج ضرورت ہے اور حصول سراج کے بعد بھی ضرورت ہوگی بلکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل کو قریب کرنے کے لئے جو چیز سب سے زائد مفید ہوگی، یہی

۱۔ خطبہ صدارت جمعیت علماء ہندؒ یا حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی ص ۴۴، ۴۵، ۴۶ طبع جامی دیوبند۔

۲۔ خطبہ صدارت جمعیت علماء ہند پشاور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ص ۵۵ دید برقی پریس ملی ماران دہلی۔

نظام اسلام یعنی امارت شرعیہ ہے۔^۱

جہاں تک مسئلہ امارت شرعیہ کی فقہی حیثیت کا تعلق ہے تو خود حضرت ابوالحسن نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام اپنے ایک تفصیلی خط میں اس پر روشنی ڈالی ہے، جو امارت شرعیہ شہادت و جوابات کے نام سے مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے، جس کا خلاصہ امارت شرعیہ کے باب میں پیش کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

مسائل کی روح تک رسائی

حضرت مولانا کا ذہن ہر مسئلہ کی شرعی بنیاد تک انتہائی سرعت اور صحت کے ساتھ منتقل ہوتا تھا، گویا وہ پہلے ہی سے اس مسئلہ کو سوچ کر اور حل کر کے بیٹھے ہوں، یہ آپ کا وہ امتیازی وصف تھا، جس میں بہت کم لوگ آپ کی ہم سہری کر سکتے تھے، ممتاز محدث و مصنف حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب نے لکھنؤ میں مدح صحابہ ایجنسی ٹیشن کے موقعہ کا خود اپنا آنکھوں دیکھا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے حضرت مولانا سجاد کی دقت نظر اور فقہی انفرادیت صاف طور پر نمایاں ہوتی ہے، مولانا نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

”لکھنؤ میں مدح صحابہ ایجنسی ٹیشن تھا حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ اور مولانا مرحوم اس کی قیادت فرما رہے تھے، جمعہ کا دن تھا، جس دن کہ قانون امتناع مدح صحابہ کی خلاف ورزی کر کے اجتماعی سول نافرمانی کی جاتی تھی، نیلے کی مسجد اس جنگ کا محاذ تھا، نماز جمعہ کے بعد وہیں پر پہلے جلسہ ہوتا تھا، اس کے بعد سول نافرمانی کی جاتی تھی، مردوں کے علاوہ عورتوں کا بھی بڑا مجمع ہو جاتا تھا، اور ان کے لئے قاتلوں کے ذریعہ پردہ کا انتظام کیا جاتا تھا، جب گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو پردہ نشیں عورتوں کے مجمع میں سے ایک خط ایک بچہ کے ذریعہ صدر جلسہ کے نام پہنچا۔ اس میں ایک عورت نے اپنے دینی ولولہ کا اظہار کیا تھا، اور لکھا تھا کہ ”اس ایجنسی ٹیشن میں عملی حصہ لینے کا موقعہ مجھ کو اور میری اور بہنوں کو بھی دیا جائے“ اس کے لئے اس خط میں صحابیات کی شرکت غروا کا حوالہ بھی دیا گیا تھا، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ نے جو اس دن جلسہ کے صدر تھے راقم الحروف سے فرمایا کہ لاؤ ڈائیکٹر کے پاس جا کر تم اس خط کا میری طرف سے زبانی جواب دے دو اور ان بہنوں کو بتا دو کہ ابھی تو ہم لوگ باقی ہیں، جب تک ہم میں سے ایک بھی موجود ہے یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ آپ اس راہ میں کوئی تکلیف اٹھائیں۔ میں چلنے لگا تو حضرت امیر صاحب مرحوم نے فرمایا کہ اس کے علاوہ مستورات کو یہ بھی

الرحمن بن عوف واسمعوا وأطيعوا۔ ”ابن سعد۔“

اس سے حضرت مولانا سجادؒ وسعت مطالعہ اور مآخذ تک تیز رسائی کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وقف علی الاولاد کا مسئلہ

ایسے کئی واقعات ہیں کہ بڑے بڑے علماء کا ذہن مسئلہ کی اصل بنیاد تک پہنچنے سے قاصر رہا اور اس کی وجہ سے حکم شرعی کی تطبیق میں غلطیاں ہو گئیں، لیکن حضرت ابوالحسنؒ عموماً ایسی غلطیوں سے محفوظ رہے تھے، وہ راست مسئلہ کی اسی بنیاد تک پہنچتے تھے جس سے حکم شرعی منتج ہو جاتا تھا اور دوسرے حضرات سے کہاں چوک ہو رہی ہے وہ بھی سامنے آ جاتی تھی۔

اس کی ایک مثال وقف علی الاولاد کا مسئلہ ہے، جس کے چشم دید راوی رئیس القلم علامہ مناظر احسن گیلانی ہیں، تحریر فرماتے ہیں کہ:

”دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مرکز سے مولانا ثناء مرحوم نے وقف علی الاولاد کا مسئلہ اٹھایا، نو تک کے علماء اور محکمہ شریعت وغیرہ سے دستخط حاصل کرنے کا کام میرے سپرد ہوا۔ بڑے جوش و خروش سے اس کام کو انجام دیا، تعہیل میں گھر (گیلانی بہار) آیا، امتحانوں جو میری نائیبان تھیں وہاں بھی گیا، وہاں الفراج نامی انجمن تھی، جس کے سیکریٹری میرے مرحوم ماموں مولانا فضل الرحمن صاحب (علیہ) تھے۔ جو کچھ دن علی گڑھ کالج میں تاریخ کے پروفیسر بھی رہے تھے، انجمن الفراج کا سالانہ جلسہ تھا مجمع اچھا خاصا تھا، مغلہ اور مسل علی کے وقف علی الاولاد کی تجویز پاس ہونے کے سے پیش ہوئی۔ ماموں مرحوم نے مسلمانوں کی جائیداد کی حفاظت کی اس قانون کو وادہ شکن قرار دے کر ایک مبسوط تقریر کی تقریر میں ان کو کمال تھا، پچھوں برستے ہوئے کم از کم ان کی تقریر کے سوا اب تک کسی دوسرے مقرر کی زبان سے ان آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے۔ بہر حال تقریر جب ختم ہو چکی اور میں سمجھے تھا کہ بحث بھی ختم ہو چکی، اور مسئلہ بلا اختلاف پاس ہو جائے گا کہ

- کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ج ۵ ص ۷۳۳ حدیث نمبر: ۱۴۲۵۰، ۱۴۲۵۱ للؤلوف: علاء الدین علی بن حسام الدین المتقی اہندی البرہان فوری (المؤلف: ۹۷۵ھ) المحقق: بکری حیاتی - صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱م مصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية - جامع الأحادیث ج ۲۹ ص ۱ حدیث نمبر: ۳۱۵۷۶ للؤلوف: جلال الدین السيوطی۔

اچانک ایک دراز قد، چھریسے بدن، سانولے رنگ کے آدمی کودیکھا کہ تقریر کی میز کے سامنے کھڑا ہے، اور ہکا بھکا کر چند باتیں کہہ رہا ہے، پہلے تو جبرہ ہوئی، لیکن جب بحث کے نکات سمجھ میں آنے لگے تو ذرا ہنسیا کہ یہ تو کوئی غیر معمولی لنگو ہے، غور سے سننے لگا۔ (فرما رہے تھے) کہ:

شرعی وارثوں کے حرمان سے مسلمانوں کی جائیداد کی حفاظت کا کام لینا شریعت کے حکم سے انحراف ہے، اس قانون (وقت علی الاولاد) کو پاس کرنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے جن لوگوں کو وارث ٹھہرایا ہے مورث چاہیں گے تو ان کو ان کے شرعی حق سے محروم کر دیں گے۔ یہ عدالتی قانون میں دست اندازی ہے، اس لئے اس کو پاس نہ ہونا چاہئے۔^۱
بالآخر یہ قانون ترمیم کے مراحل سے گذر کر پاس ہوا۔^۲

یہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ تھے، مولانا گیلانیؒ نے اس وقت تک مولانا سجاد صاحبؒ کا صرف نام ہی سنا تھا، کبھی زیارت کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی تقریر سن کر متاثر ہوئے، اور وہ بھی ایسی تجویز کے خلاف جس کو ندوۃ العلماء سے لے کر ملک کے مختلف حصوں کے ممتاز علماء نے پاس کر دیا تھا، اور خود ان کا بھی خیال یہی تھا کہ گویا یہ تجویز باتفاق رائے منظور ہو چکی ہے، لیکن حضرت مولانا سجادؒ اس مسئلہ میں چھپی اس کمزوری تک پہنچ گئے جہاں کسی عالم و فقیہ کا دماغ اب تک نہیں پہنچا تھا، یہ تھی حضرت مولانا سجادؒ کی علمی عمق پریت، فقیہ انفسی اور معاصر علماء میں ان کا امتیاز، جس کے نقل خود ایک بڑے علامہ زمانہ ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غیر مسلم ملکوں میں نظام قضا یا شرعی پنچایت؟

اس کا ایک اور نمونہ غیر اسلامی ہندوستان میں نظام قضا کا مسئلہ ہے، ہندوستان سے اسلامی حکومت کے خاتمے کے بعد ۱۸۶۴ء میں انگریزوں نے اسلامی قاضیوں اور مفتیوں کے تقرر پر پابندی لگا دی تھی جو صدیوں سے اس ملک میں چلا آ رہا تھا،^۳ اور جن پر مسلمانوں کے ملی اور سیاسی مسائل ہی

۱- حیات سجاد ص ۵۰ تا ۵۱، رسائل گیلانیہ۔

۲- حیات سجاد ص ۵۰، حاشیہ مولانا عبدالحمد رحمانی۔

۳- قانونی سوڈے ص ۳۵ تا ۳۶ حضرت علامہ سید ابوالحسن محمد حجازی تیب مولانا ضامن اللہ ندیم شاکر کردہ امارت شریعہ پھولاری شریف

نہیں بلکہ ان کے بہت سے عائلی اور مذہبی مسائل کا بھی مدار تھا، مثلاً فسخ و تفریق کی کئی صورتوں میں قضائے قضی کی ضرورت پڑتی ہے، یہ اس ملک میں مسلمانوں کے لئے انتہائی مشکل وقت تھا، مسلمانوں کی دینی زندگی کا تحفظ خطرہ میں پڑ گیا تھا، عورتوں کے ارتداد تک کے واقعات پیش آنے لگے تھے، پورے ملک کے علماء اور اہل رہنما اس صورت حال سے بے حد پریشان اور فکر مند تھے، اور اپنے اپنے حدود میں ان مشکلات کے حل کی تدابیر پر غور کر رہے تھے، بلاشبہ اس دور کے علماء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو سبقت حاصل ہے کہ انہوں نے علماء ہند و حجاز کے مشورہ سے ”الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة“ یعنی وقیع اور دستاویزی کتاب لکھی، حضرت تھانویؒ کے اس انقلابی قدم کی ہر طرف سے تحسین کی گئی، حضرت تھانویؒ نے اس کتاب میں ملک کے موجودہ حالات میں نظام قضاء کے متبادل کے طور پر مسک مالکی سے ’جملۃ المسلمین اعدول‘ (شرعی بیچیت) کی تجویز بھی پیش فرمائی تھی، کتاب تیار ہونے کے بعد حضرت تھانویؒ نے اپنی یہ کتاب استصواب رائے کے لئے ملک کے اکثر ممتاز علماء و مفتیان کرام کو ارسال فرمائی، حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد کو بھی اس کا ایک نسخہ موصول ہوا، حضرت مولانا سجاد صاحب نے کتاب کے بنیادی مندرجات سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ کے ’جملۃ المسلمین‘ والے نظریہ سے اختلاف کیا، حضرت ابوالحسنؒ کا خط الحیلة الناجزة میں شائع شدہ ہے، حضرت کا مکتوب گو کہ بہت مختصر ہے لیکن یہ ان کے فقہی شعور اور بالغ فطری کا عکاس ہے، انہوں نے چند جموں میں جن بنیادی نکات کی طرف توجہ دلائی ہے، وہ بے حد اہم ہیں، خط سے سے معلوم ہوتا ہے وہ مسئلہ کی روح تک پہنچ چکے تھے، اور ہندوستان کے ماضی، حال اور مستقبل سب پر ان کی گہری نگاہ تھی، مکتوب کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”اس وقت جو دو دم کا مقدمہ سرسری طور پر دیکھا، دارالافتاء میں مسلمانین کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے فقہاء حنفیہ رحمہ اللہ نے جو صورت تجویز فرمائی ہیں وہ نہ معلوم کیوں اس رسالہ میں مذکور نہ ہوئیں۔ یعنی: یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین اور ان یتفقوا علی واحد یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً الخ۔ اور جب یہ صورت موجود ہے تو بیچیت کی صورت اختیار کرنا بلا ضرورت مسند غیر کا اختیار کرنا ہوگا۔“

اس مسئلہ کی ضرورت و اہمیت کے علاوہ بیچیت کی عملی و فقیہی بہت زیادہ ہیں، اور ان شرائط کی نگہداشت بھی بہت مشکل ہوگی۔

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے جن نکات کی نشاندہی فرمائی ہے وہ ان کے گہرے تفقہ اور بلند علمی مقام کی علامت ہے، اس زمانہ میں ان کے نظریہ کو گو خاطر خواہ التفات نہ حاصل ہو سکا ہو (حالانکہ یہ خروج عن المذہب سے محفوظ شکل تھی) لیکن زمانہ مابعد میں جس طرح ان کے نظریہ امارت و قضا کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی، اور علماء محققین کی بڑی تعداد اس نظام کو امت میں جاری کرنے کے لئے سرگرم عمل ہوئی یہاں تک کہ فقہ مالکی کے شرعی پینچیت کا نظریہ نظام قضا کے بالمقابل اس ملک میں اجنبی سامن کر رہ گیا، اس سے حضرت مولانا سجادؒ کی بے نظیر فقہی بصیرت اور زمانہ آگے کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے دیگر افکار و نظریات کی طرح نظریہ امارت شرعیہ اور نظریہ قضا کو جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور جس کامیابی کے ساتھ ان کے تجربات کئے گئے، غیر مسلم ہندوستان میں اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی، خود حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد اور اس ملک میں علم و حکمت کے بے تاج بادشاہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند و صدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اعتراف فرمایا کہ:

”حضرت تھانویؒ نے شرعی کئی کے نام سے فقہ مالکی کی رو سے جو پیش فرمایا ہے، وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے امراتہ امر ہے۔ لیکن اس میں بڑی دشواری یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تمام ارکان کئی کا اتفاق فیصلہ میں ضروری ہے اگر یہ اتفاق حاصل نہ ہو سکے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا۔“

علاوہ ازیں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ خود فقہ مالکی میں جماعت المسلمین کے اختیارات بہت محدود ہیں، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں یہ محض عارضی حل ہے، ان کے نزدیک بھی حقیقی حل نظام قضا ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مقام پر قاضی موجود ہو تو جماعت المسلمین کو حق تفریق حاصل نہیں ہوتا، فقہ مالکی میں اس کی تصریحات موجود ہیں:

والنقل أنها إن أرادت الرفع ووجدت الثلاثة وجب للقاضي، فإن رفعت لغيره حرم عليها وصح، وإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل، فإن لم يوجد قاض فتخير فيهما^۱

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ عارضی حل کے بجائے ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے

۱۔ نظام قضا کا قیام ۱۲۱۵ھ تا ۱۲۱۶ھ آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ۔

۲۔ الشرح الكبير ج ۲ ص ۴۷۹ المؤلف: أبو البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير (المتوفى: ۱۲۰۱ھ) وكذا في حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۲۱ المؤلف: محمد بن أحمد الدسوقي (المتوفى: ۱۲۳۰ھ) وكذا في منح الجليل شرح على مختصر سيد خليل ج ۴ ص ۳۱۷ محمد عيسى، الناشر دار الفكر سنة النشر ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۹م. مكان النشر بيروت وعدد الأجزاء ۱۔

دائگی اور پائیدار نظام کے خواہاں تھے، اور اس کے لئے امارت و قضا کے علاوہ کوئی دوسری صورت موجود نہ تھی، ان کی نگاہ وقتی اور عارضی تدابیر سے بہت آگے تک تھی۔
باقی اس مسئلہ کی پوری علمی تحقیق نظام قضا کی بحث میں آئے گی ان شاء اللہ۔

ترک موالات کے مسئلہ پر جامع فتویٰ - خصوصیات

جب ملک میں انگریزی اقتدار کے خلاف جنگی کوششوں کے حصہ کے طور پر مختلف سیاسی اور فنی تنظیموں کی جانب سے حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور ان کے اداروں اور اشیاء کا بائیکاٹ کرنے کی تحریک چلی، جن کی پشت پر خود علماء ہی کی جماعت تھی، تو ملک کے مختلف اداروں اور علمی شخصیات سے اس موضوع پر سوالات کئے گئے، اور تقریباً تمام ہی قابل ذکر علماء - علماء دیوبند، علماء دہلی، علماء فرنگی محل، علماء سہارن پور، علماء بدایوں، علماء کان پور، علماء بہار - اور - حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندؒ سے امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ تک سب نے حکومت سے عدم تعاون اور ترک موالات کے فتاویٰ جاری کئے، بلاشبہ یہ تمام فتاویٰ اس موضوع پر ایک قیمتی ذخیرہ اور دستاویزی حیثیت کے حامل ہیں، بالخصوص حضرت شیخ الہند اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کے فتاویٰ میں بڑی گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے اور مسئلہ کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اس موقع پر حضرت مولانا ابوالحسن محمد جہاد صاحب کے فتویٰ ترک موالات کو جو شہرت و قبولیت حاصل ہوئی وہ کسی فتویٰ کو نہ ہوئی، آپ کا فتویٰ نسبتاً تفصیلی ہے، آپ کے فتویٰ کا امتیاز یہ ہے کہ:

۱۔ آپ نے اس فتویٰ کا سررشتہ استاذ الکل اور مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے جوڑ دیا ہے، اور اپنے فتویٰ میں حضرت شاہ صاحب کے تفصیلی فتویٰ کے فارسی متن کے اقتباسات نقل فرمائے ہیں، ہندوستان پر انگریزی تسلط کے خلاف سب سے پہلی معتبر آواز حضرت شاہ صاحب کی طرف سے اٹھی تھی، اور ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں حضرت شاہ صاحب نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا تھا، اس کے بعد جنگ آزادی کی جتنی تحریکیں انھیں ان سب کے پیچھے شاہ صاحب کے اسی فتویٰ کی بازگشت کام کر رہی تھی، حضرت مولانا جہاد صاحب نے اس فتویٰ کا رشتہ شاہ صاحب سے قائم کر کے ایک طرف فتویٰ کے اندر استناد اور قبولیت کی شان پیدا کی، دوسری طرف اس کو تاریخی تسلسل دے کر تحریکی رنگ عطا کیا، اس سے فتویٰ میں جو قوت و زندگی

پیدا ہوتی ہے، وہ اصحابِ ادراک سے مخفی نہیں۔

☆ اس فتویٰ کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس پر ہندوستان کے تمام ہی مکتب فکر کے معتبر علماء اور مفتیان کے دستخط موجود ہیں، اس طرح اس میں اجتماعی رنگ پیدا ہو گیا اور یہ فتویٰ پوری ملت اسلامیہ ہند کی مشترکہ آواز اور انگریزی سامراج کے خلاف متحدہ طاقت میں تبدیل ہو گیا ہے۔

☆ اس کے علاوہ اس میں مسئلہ ترک موالات کے ایک ایک جزو پر قرآن و حدیث کے نصوص اور فقہی عبارات کی روشنی میں جس بصیرت اور سلیقہ کے ساتھ کلام کیا گیا ہے اور ہر جزو پر کئی کئی دلیلوں کا اہتمام کیا گیا ہے، اس سے ان کا تبحر علمی اور کمالِ تفقہ صاف متبادر ہوتا ہے، بطور نمونہ موالات کے تشریحی حصہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں، اور تفہیم مسئلہ کا اسلوبِ کتنا واضح اور مبلغ ہے اس پر غور فرمائیں:

”موالات کے دو معنی ہیں ایک معنی محبت و مودت اور پھر محبت کی دو جہتیں ہیں ایک دینی و مذہبی، دوسری دنیاوی، اور محبت دنیاوی کی بھی دو صورتیں ہیں اختیاری و اضطراری الغرض کافر کے ساتھ محبت کی تین صورتیں ہیں: نمبر ایک دینی محبت من جہۃ الدین یعنی کسی کافر کی دوستی اس طرح پر ہو کہ اس کے دین و مذہب کو پسند کیا جائے تو یہ عین کفر ہے ☆ نمبر ۲: محبت من جہۃ الدنیا ہو اور اختیاراً ہو یعنی کسی کافر کے ساتھ دلی محبت ہو مگر نہ اس جہت سے کہ اس کے دین کو اچھا سمجھتا ہو بلکہ کسی دنیاوی وجہ سے محبت ہو مگر یہ دنیاوی اختیار کی ہوئی محبت یعنی اپنی خواہش و اعتبار سے کسی کافر سے کوئی دنیاوی مقصد اور غرض کے حصول کے لئے محبت کرتا ہو اور فحری اسباب اس محبت کے پیدا ہونے کے لئے موجود نہ ہوں تو یہ محبت بھی حرام ہے مگر کفر نہیں۔ ☆ نمبر ۳: محبت من جہۃ الدنیا مگر اضطراراً ہو اور اس محبت کا سبب غیر اختیاری ہو جیسے کسی مسلمان کا باپ یا بھائی کافر ہو اور بسبب رشتہ داری اور قرابت کے مسلمان کے دل میں کافر باپ بھائی کی محبت ہو تو یہ محبت جائز ہے بشرطیکہ اس دلی محبت کا اثر مسلمان کے ایمان پر نہ پڑے۔

محبت کی پہلی صورت یعنی من جہۃ الدین اور دوسری صورت یعنی من جہۃ الدنیا اختیاراً کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ ہر کافر کے ساتھ یکساں اور برابر ہے عام ازلیں کہ کافر محارب ہو یا غیر محارب۔ اور یہ حکم دوائی اور بہر حال ہے لیکن محبت کی تیسری قسم یعنی محبت من جہۃ الدنیا اضطراراً اس میں محارب اور غیر محارب میں فرق ہے وہ یہ کہ غیر محارب کے ساتھ تو یہ محبت جائز ہے لیکن محارب کے ساتھ یہ محبت بھی حرام ہے، بقولہ تعالیٰ (مجادلہ ۲۸)۔ اور موالات کے دوسرے معنی نصرت اور مدد کے ہیں جس کا تعلق افعال و جوارح سے ہے دل سے اس کو کوئی سروکار

نہیں اس معنی کے اعتبار سے کافروں کے ہاتھ موالات کرنے کے متعلق شرعی احکام مختلف احوال اور مختلف اسباب اور مختلف مقتضیات کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں۔^۱

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کا یہ فتویٰ ”متفقہ فتاویٰ علماء ہند“ کے نام سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا، اب یہ فتویٰ ”فتاویٰ امارت شرعیہ“ ج ۱ ص ۲۷۲ تا ۲۸۳ میں شامل ہے، ترک موالات کے مسئلہ پر باقی دیگر اکابر علماء اور مفتیان عظام کے فتاویٰ بھی فتاویٰ امارت شرعیہ میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔^۲

تعلیق طلاق کے مسئلہ پر مولانا محمد سجاد کا محاکمہ

۱۹۲۴ء میں تعلیق طلاق کی ایک صورت موضوع بحث بن گئی تھی، اور ہندوستان کے مشاہیر علماء و مفتیان کرام اس معرکہ میں شامل ہو گئے، علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ اس صورت میں شرط پوری ہو جانے کی وجہ سے طلاق واقع ہو گئی، اس جماعت میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی مفتی مدرسہ امینیہ دہلی بھی شامل تھے، اس کے بالمقابل زیادہ تر علماء کی رائے یہ تھی کہ جس شرط پر طلاق معلق تھی اس کے دو جزو ہیں جب تک دونوں جزو پائے نہیں جائیں گے شرط پوری نہیں ہوگی، اور زیر بحث واقعہ میں صرف ایک جزو پایا گیا ہے دوسرا جزو منقود ہے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، اس رائے کے حاملین میں بھی بڑی بڑی شخصیتوں کے نام شامل تھے، مثلاً: مولانا ابوالعلیٰ محمد امجد علی صدر مدرس دارالعلوم معینیہ اجیر شریف، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی جماعت تبلیغ، مولانا محمد شفیع صاحب - مدرسہ عبدالرب دہلی، مولانا احمد علی صاحب صدر مدرس مدرسہ فتحپوری و علماء مدرسہ فتحپوری، مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری دہلی، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد و علماء کلکتہ، مولانا محمد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ رمضانہ کلکتہ، صاحب اصح السیر مولانا عبدالرؤف دانا پوری وغیرہ۔

۱- خط بہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند مراڈ آباد ص ۸۷ تا ۸۵۔

۲- دیکھئے فتاویٰ امارت شرعیہ ص ۲۶۱ تا ۲۷۳۔

إِطِيعُوا اللَّهَ وَإِطِيعُوا الرَّسُولَ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُ

مشفقہ

علماء ہند

تم مسلمان جو ایک زمانے میں اللہ اور اس کے دین برحق کے لئے
سب کچھ کر سکتے تھے۔ کیا اب اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اس کے
احکام اس کے غافل بندوں تک پہنچا دو۔ تم کو آرام نہیں لینا
چاہئے۔ جب تک کم از کم دس مسلمانوں تک وہ تمام احکام نہ
پہنچا دو جو اس سالہ میں رائج ہیں۔ اور چاہئے کہ ان میں سے
ہر ایک کو وصیت کرو کہ اسی طرح دس آدمیوں تک پہنچا دے
فلیبلغ الشاهد الغائب عن الشاهد عسی ان يبلغ من هو ادع له منه
جس کو منشی شتاق احمد نے شہر مشیر محلہ کوٹلہ سے

بَلِّغْهُمْ مِّنْهُم مَّا رَزَقْنَاهُمْ كَيْفَ يُفْقَهُوا ۚ ذَٰلِكَ يُضَاهِي مُرَسَّلَاتِهِ

ترک موالات پر حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد کا تحریر کردہ فتویٰ (ٹائٹل پیج)

جو مفتی فتویٰ علماء ہند کے نام سے پہلی بار ۱۹۲۰ء میں میرٹھ سے شائع ہوا

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے پاس جب یہ سوال اور اس کے مختلف جوابات موصول ہوئے تو آپ نے صاحب واقعہ کو بلا کر اس سے زبانی طور پر بھی تحقیق کی، اور سوال کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کی، پھر تمام جوابات کو سامنے رکھ کر ایک تفصیلی محاکمہ تحریر فرمایا، آپ نے مسئلہ کا انتہائی متوازن تجزیہ کرنے کے بعد اس کے ایک ایک جزو پر فقہی لحاظ سے روشنی ڈالی، یہ محاکمہ آپ کی فقہی بالغ نظری کا نقطہ عروج ہے، آپ نے جلیل القدر علماء کی آراء کے درمیان جس توازن اور علمی شعور کے ساتھ فیصلہ کن گفتگو کی ہے وہ آپ کی علمی تحریرات میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، بطور نمونہ آپ کے جواب کی آخری چند سطریں ملاحظہ فرمائیں:

”پس اس امر کو پیش نظر رکھ کر صورت مسئلہ میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہاں بھی تعلیق میں نفس بہتر طرز عمل و حق معاشرت شرط نہیں ہے، بلکہ ایسا طرز عمل کہ جس سے بیوی کو خوش رکھنے اور تعلقات خوش گوار رہنے کا اطمینان ہو جائے اور بیوی کا اطمینان ایک قہری فعل ہے اس لئے اس امر میں اس کے قول کا اعتبار ہونا چاہئے، بشرطیکہ اس کے قول کے جھوٹ ہونے کا یقین نہ ہو، لہذا اگر واقعات و قرآن سے اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ الغرض محض عبدالحجید کی بیوی کے بیان پر وجود شرط طلاق کا یقین کر کے حکم طلاق نہیں دیا جاسکتا ہے، بلکہ تحقیق واقعات و حالات کے بعد فقط واللہ اعلم بالصواب وعندهام الکتاب۔^۱ تفصیلی فتویٰ اور دیگر علماء امت کے فتاویٰ ”فتاویٰ امارت شرعیہ“ میں موجود ہیں۔^۲

مسجد کی منتقلی کا مسئلہ

ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسجد کی منتقلی کے مسئلے پر بھی حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا فتویٰ بے حد اہم ہے، انہوں نے دونوں الفاظ میں مسجد کی جزوی یا کلی ہر طرح کی منتقلی کو شرعی طور پر ناممکن قرار دیا ہے، اس لئے کہ:

”جس زمین پر مسجد بنی وہ زمین سے لے کر آسمان تک اور زمین کے نیچے تخت الشریٰ تک قیامت تک کے لئے مسجد ہے، مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس ویران مسجد کو آباد کریں اور جس

۱- فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۱۶۲ مرتبہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، شائع کردہ: امارت شرعیہ پبلیکری شریف، پٹنہ، ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء۔

۲- ملاحظہ کریں: فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۱۵۳ تا ۱۶۲۔

شخص نے قبضہ کر لیا ہے اس سے مسجد کو واپس میں پہنچنے میں محمد پر واجب ہے اگر ان سے انجام نہ پاسے تو جو وہنگ ان سے قریب ہوں وہ اس میں حصہ لیں۔ اسی ترتیب سے تمام اہل شہر پھر پھر سے ضلع امداد کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان مسجدوں کو واپس لے کر آباد کریں ورنہ سخت عذاب کا رعبہ ہو گا۔“

دیہات میں جمعہ کا مسئلہ

اسلامی ہند کے سقوط کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جمعہ کے جواز کا مسئلہ بہت نازک بن گیا تھا، اس لئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت خفی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لئے مصر بھی شرط ہے، اور مسلمان حاکم کی موجودگی بھی شرط ہے، حاکم جمعہ میں حاضر ہو یا اس کی اجازت سے کوئی اس کا نائب جمعہ قلم کرے، ہندوستان پر غیر اسلامی تسلط کے بعد کسی مسلم حاکم کا تصور بھی باقی نہ رہا، حنفیہ کے نزدیک مصر یہ قریہ کبیرہ کی شرط بھی دراصل حاکم کی شرط کی تقویت کے لئے ہے، اس لئے کہ عموماً سرکاری نظام بڑے مقامات پر ہی ہوتے ہیں، اس طرح دیہات تو دیہات شہر میں بھی جمعہ کا جواز مشکل ہو گیا۔ یہ اس ملک میں بالکل نئی صورت حال تھی، مسلمانوں سے مسلمان شہر اور قریہ قریہ جمعہ پڑھتے آئے تھے، وہ کسی بھی حال میں جمعہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے، اس دور کے دیگر علماء و فقہاء کی طرح مولانا سجاد بھی اس مسئلہ کے حل کے لئے فکر مند تھے، جمعہ کا ترک دین اور نفع و خیر کے بہت سے دروازوں کو بند کر سکتا تھا، مسجدیں ویران ہو سکتی تھیں، علماء سے عوام کا رابطہ ٹٹ سکتا تھا۔

چنانچہ انہوں نے ایک طرف مذہب کی ان روایات اور علماء مذہب کے ان اقوال کو انہی اعمال بنانے کا فیصلہ کیا جو قبل سے معمول یہ کاروبار نہ رکھتے تھے، لیکن خروج عن اہل مذہب کے مقابلے میں یہ محفوظ راستہ تھا، اسی پس منظر میں انہوں نے حضرت شاد ولی اللہ دیوبند کی رائے کے

۱- تاج الدین مائت شریعت ص ۲۰۰

۲- بیضاک فتنہ، لے اثبات سے معلوم ہوتا ہے، دیکھئے یہ عبارت:

وفیہا ذکرنا إشارة إلى أنه لا يجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومبشر وخطيب كإني انصمرات (حاشیة رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ أبو حنیفہ ج ۲ ص ۱۳۸)

ابن عابدین، المشر دار الفكر للطباعة والنشر، سنة النشر ۱۳۲۱ھ - ۲۰۰۰م، مکان النشر بیروت، عدد الاجزاء ۸

مطابق ہر ایسے مقام پر جمعہ کے جواز کا فتویٰ دینا جہاں تھوڑا سا بھی تمدن پایا جاتا ہو، اور چالیس یا پچاس گھر کی آبادی ہو، اس طرح مصر اور حاکم دونوں شرطوں کے معروف تصورات کی لازمیت ختم کر دی گئی، اس لئے کہ غیر مسلم ہندوستان کے حالات مسلم ہندوستان سے مختلف تھے، حضرت مولانا سجاد صاحب اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

”دیہاتوں میں نماز جمعہ کے جواز و فرضیت میں علماء ہند مدیوں سے مختلف الخیال ہیں، عالمگیر سلطان ہند کے زمانے میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا، مناجیون صاحب نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے، کہ ہمارے زمانہ کے علماء کے تین گروہ ہیں، ایک یہ ہے کہ ہر گاؤں میں نماز جمعہ کو جائز سمجھتے ہیں اور پڑھتے ہیں، اور لوگوں کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ جو دیہاتوں میں جمعہ اگر ہو تو خود پڑھتے ہیں، لیکن دیہاتوں میں پڑھنے کا امام حکم نہیں دیتے۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو دیہاتوں میں نماز جمعہ کو حرام کہتا ہے، اور لوگوں کو منع کرتا ہے، اور یہ تمام گروہ علماء احناف ہی کے ہیں۔“^۲

ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہو سکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی بھی اس کے

۲۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تین تحریر فرماتے ہیں:

وذلك لانه كما كان حقيقة الجمعة اشاعة الدين في البلد، وجب ان ينظر الى تمدن وجماعة والاصح عندى انه يكفى اقل ما يقال فيه قرية لما روى من طرق شتى يقوى بعضها بعضاً، خمسة لاجمة عليهم وعدمهم اهل البادية، قال رحمہ اللہ: الجمعة على الخمسين رجلاً (حجة الله البالغة ج ۲ ص ۳۰)

۲۔ اس کے حاشیہ میں حضرت مولانا توحید علی صاحب الاسام کافی نے تفسیرات احمدیہ کی اس عبارت کی نقادگی کی ہے جس میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے:

كذلك يشترط لصحة ادائها ستة اخرى المصروفات والسلطان اوائله۔۔۔ وقد طال الكلام في زمانين ايدى الانام في وجدان الشرطين الاولين لان في معنى للصر اختلافات في امير وفيه قاض ينفذ الاحكام وقيم الحدود وقيل ما لا يسع اكبر مساجده اهلہ۔۔۔ ونلعنى الاول لا يوجد الا نادراً وان كان المعنى الثانى المختار منها يوجب اكثر المواضع۔۔۔ وفي السلطان اوائله لا ندري شرط الحضور ام يكفى، الاذن وان كان كلام صاحب الكشف يشير الى انه يجب الاذن عند عدم الحضور ولهذا افتقر قوافر فأختلفوا، فقليل منهم من تركوا الجمعة اصلاً وطائفة اكثرها بافقط وبعضهم ادوا الظهور في منزلهم ثم سعى الى الجمعة، واكثرهم داموا على ادائها اولاً عليها منهم بانها من اكبر شعائر الاسلام والتزموا بعبادتها الظهور لكثرة الشكوك في شأنها وغلبة الاوهام وان كان لا يجوز الجمع بين الفرضين عند اهل الاسلام (تفسيرات احمدیہ ص ۷۰۷ حاشیہ فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۵۲، ۵۳)

قائل ہیں صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں حجۃ اللہ البالغۃ وغیرہ میں انہوں نے بوضاحت لکھا ہے ۲۰

☆ دوسری جانب فقہ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں امارت شرعیہ کے ذریعہ آپ نے اس مسئلہ کو حل فرمایا، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ:

☆ مجتہد فیہ مسئلہ میں حکم حاکم رافع اختلاف ہوتا ہے:

(قوله: وإذا اتصل به الحكم إلخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء على أن مجرد أمره حكم ۳

☆ اسی طرح اگر امیر کسی دیہات یا چھوٹے مقام پر بھی جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دے تو وہ مقام حنفی نقطہ نظر سے بھی محل جمعہ بن جاتا ہے:

قال أبو القاسم هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضممرات وانظاهر أنه أريد به الكراهة لكرهية النفل بالجماعة ألا

۱- حجۃ اللہ البالغۃ کی عبارت درج ذیل ہے:

وكان النبي صلى الله عليه وسلم. وخلفاؤه رضي الله عنهم. والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالى يجمعون في البلدان، ولا يؤخذون أهل البدو، بل ولا يقام في عهدهم في البدو، ففهموا من ذلك قرنا بعد قرن وعصر بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن أقول وذلك لأن ما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة، والأصح عندي أنه يكفي أقل ما يقال فيه قرية، لما روي من طرق شتى يقوي بعضها بعضها خمسة لا جمعة عليهم' وعد منهم أهل البادية قال صلى الله عليه وسلم الجمعة على الخمسين رجلا' أقول الخمسون يتقرى بهم قرية، وقال الجمعة واجبة على كل قرية' وأقل ما يقال فيه: جماعة لحديث الانفضاض، والظاهر أنهم لم يرجعوا والله أعلم، فإذا حصل ذلك وجبت الجمعة ومن تخلف عنها فهو الآثم، ولا يشترط أربعون، وأن الأمراء أحق بإقامة الصلاة وهو قول علي كرم الله وجهه: أربع إلى الإمام الخ، وليس وجود الإمام شرطاً، والله أعلم بالصواب. (حجة الله البالغة للإمام أحمد المعروف بشاه ولي الله ابن عبد الرحيم الدهلوي ج ۱ ص ۴۷۸ تحقيق سيد سابق الناشر دار الكتب الحديثة - مكتبة المثنى مكان النشر القاهرة - بغداد عدد الأجزاء ۱

۲- فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۵۳، ۵۴.

۳- حاشیہ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ ابو حنیفہ ج ۲ ص ۱۳۸ - ابن عابدین، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر ۱۳۲۱ھ - ۲۰۰۰م. مکان النشر بیروت. عدد الأجزاء ۸

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب امارت شرعیہ کو بہت سے دینی، ملی اور عائلی مسائل کا حل قرار دیتے تھے، اور بحیثیت فقیہ ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں وہ اس کی پوری اہمیت سمجھتے تھے، چنانچہ آپ نے بحیثیت نائب امیر شریعت کئی بستیوں میں اجراء جمعہ کا فرمان صادر کیا، اور اس طرح بڑے بڑے فتنے ٹل گئے اور جمعہ کی نماز فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق جاری ہوئی، یہ مولانا محمد سجاد صاحب کی وہ انفرادیت ہے، جو ان کے فقیہ انشس ہونے کا مظہر ہے، فتاویٰ امارت شرعیہ میں اس نوع کے کئی فتاویٰ موجود ہیں، ایک فتویٰ کی عبارت ہے:

”الجبواب بصورت مذکورۃ الصدہ میں بمقام قاسمہ (ضلع حیدرآباد رنج گنج کی ایک بستی) مسجد میں نماز جمعہ مختصین حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور میں بحیثیت قائم مقام امیر شریعت اجازت دیتا ہوں کہ مسلمانان قاسمہ و مسلمانان اطراف قاسمہ وہاں نماز جمعہ پڑھا کریں۔ رہے رعایتی اس تحریری اجازت کے بعد اب کوئی وی علم اختلاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں حکم جامع اختلاف کو رفع کر دیتا ہے۔ جو حکم کر دیتا ہے وہی سب کے لئے قابل عمل ہوتا ہے۔ اور نماز جمعہ کی بابت تو ناسخ تصریح ہے کہ جب امیر کسی چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ قائم کر دے تو سب کو پڑھنا جائز ہے۔“

امارت شرعیہ کے ذریعہ اجراء جمعہ کے حل کو اہل علم کے حلقہ میں کافی پذیرائی ملی، اور دیگر مفتیان کرام بھی چھوٹی بستیوں میں جمعہ کے جواز کے لئے مسلمانوں کو امارت شرعیہ سے رجوع کرنے کا مشورہ دینے لگے، فتاویٰ امارت شرعیہ میں ایک فتویٰ مدرسہ اسلامیہ شمس البدیٰ پٹنہ کا ہے جس پر مفتی ابراہیم احمد آبادی، مفتی سہول احمد بھنگپوری سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس البدیٰ و سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اور مولانا اصغر حسین بہارٹی صاحبان کے دستخط ہیں، استفتاء میں ایک چالیس گھڑکی آبادی والے گاؤں (اٹلیہ) میں جمعہ کے جواز کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، مذکورہ

- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٢ ص ١٣٨
ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر ١٣٢٦ هـ - ٢٠٠٠ م. مكان النشر بيروت. عدد
الأجزاء ٨

۷۔ قہار کی ہمت شیعہ عیسائی اعلیٰ درجہ پر

بالاعلماء نے مسلک حنفی کے مطابق یہ جواب تحریر فرمایا:

”مذکورہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ انعام دینا چاہئے، ہاں اگر اہل دیہات جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ امیر شریعت سو بہار کی خدمت میں دیہات کی آبادی وغیرہ بیان کر کے درخواست کریں، اگر وہ جمعہ قائم کرنے کا حکم دیں تو جمعہ جائز ہو گا ورنہ نہیں۔“
(آگے حوالے کی عبارت ہے)

چنانچہ حضرت ابوالحسنؒ نے اس گاؤں میں جمعہ کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:
”موضع الکبیر مذکور الصدور میں مشائخ و ائمہ حنفیہ کے اصول و فروع و مصالح امت کو پیش نظر رکھ کر اقامت جمعہ کی میں بحیثیت نائب امیر شریعت کے اجازت دیتا ہوں فقط ابوالحسن محمد سجاد ۲۱ صفر ۱۳۴۲ھ۔“

مسئلہ رویت ہلال

رویت ہلال کا مسئلہ بھی ہر دور میں انتہائی حساس اور معرکہ الآراء رہا ہے، شبہ ہمیشہ یہاں سے کھڑا ہوتا ہے کہ رویت ہلال کی شہادتوں کی تحقیق میں وہ معیار کیوں اختیار نہیں کیا جاتا جو عام عدالتی معاملات و مقدمات کی شہادتوں میں اختیار کیا جاتا ہے؟ بلکہ بعض مواقع پر تو محض خبر کی بنیاد پر بھی رویت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہی شبہ اکثر رویت ہلال کی خبروں اور فیصلوں کے رد و قبول میں اختلافات کا باعث بنتا ہے۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے سامنے جب یہ سوال آیا تو انہوں نے جزئی مباحث میں جانے کے بجائے ایک ایسی اصولی بات تحریر فرمائی جس سے اس قسم کے تمام شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے، آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ رویت ہلال کا مسئلہ فریقین کے خصوصیات و مقدمات کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دینی معاملہ بھی ہے، اس سے نماز، روزہ، عیدین، فطرہ، قربانی وغیرہ متعدد مسائل وابستہ ہیں، اور دینی معاملات میں شریعت کے نزدیک شہادت کی وہ شرطیں مطلوب

۱- فتاویٰ امارت شرمیہ ج ۱ ص ۵۸، ۵۹۔

امارت شرمیہ میں یہ خوبصورت تسلسل بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا، خود اس حقیر راقم اعروف نے بھی کلو از پور نامی ہستی (ضلع سستی پور) میں جہاں ایک سو گھر سے زائد کی مسلم آبادی ہے، اور وہاں جمعہ پہلے سے قائم نہیں تھا، گاؤں والوں کے رجوع کرنے پر میں نے حالات کا جائزہ لیا اور ان کی خواہش پر میرے جواب اور سفارشی تحریر کے ساتھ وہ حضرات امارت شرمیہ حاضر ہوئے، حضرت امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحبؒ نے سوال و جواب کو ملاحظہ کرنے اور ساری صورت حال جاننے کے بعد تحریری طور پر اس گاؤں میں بعد کی اجازت مرحمت فرمائی، الحمد للہ اس وقت سے آج تک وہاں جمعہ قائم ہے۔

نہیں ہیں جو عام انسانی مقدمات میں ہوتی ہیں، بلکہ یہاں شہادت محض خبر موجب کے معنی میں ہے، یعنی ایسی خبر جس سے علم اور غلبہ گمان حاصل ہو جائے، اسی لئے دینی معاملات میں اخبار آحاد بھی مقبول ہوتی ہیں، بشرطیکہ غلطی اور کذب کا غالب گمان نہ ہو، جس طرح کہ طلوع و غروب، زوال یا مثلیں وغیرہ سے نمازہ بچکانہ کا تعلق ہے ان کے وجوب کے لئے کسی بھی خبر سے ان کا علم ہو جانا کافی ہے، خبر دینے والے میں شہادت کی شرطیں مطلوب نہیں ہوتیں، یہی حال رویت ہلال کی خبر کا بھی ہے، اس کو اصطلاحی شہادت کے معیار پر پرکھنا غلط ہے، حضرت سجاد کا یہ فتویٰ گو مختصر ہے لیکن بہت سی اصولی باتوں، علمی نکات اور حوالہ جات کتب پر مشتمل ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”مختصر جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کی شہادت بمعنی شہادت عند مجلس القضاء فی الخصومات نہیں ہے، باتفاق ائمہ حنفیہ وغیرہم۔ اس لئے شہادت ہلال میں شہادت کے تمام شروط ہی مشروط نہیں ہیں، حالانکہ شہادت کے شروط نصوص سے ثابت ہیں جو غیر منسوخ ہیں، اور فقہ شہادت ہی شرط نہیں ہے خلافاً للشافعی، پس تحقیق عند الاحتاف یہ ہے کہ اس باب میں شہادت بمعنی خبر موجب للعلم و غلبۃ الظن ہے، اگرچہ خبر آحاد ہو، صرف شرط یہ ہے کہ غلط اور کذب کا گمان غالب نہ ہو درایت یا بدلائل المحکم، اور منطوق یہ ہے کہ ثبوت ہلال سے متعلقہ احکام محض امور دینیہ و عبادیہ ہیں، مثلاً صوم، صلوة، وعیدین، فطرہ، قربانی، جس طرح اوقات طلوع، غروب، زوال، غیب و بہت شمس و مثلیں سے نمازہ بچکانہ متعلق ہے، ان تمام احکام کی تکلیف اسی وقت ہو جاتی ہے جس وقت اس کے اوقات کا علم ہو، اگرچہ خبر واحد سے ہو، جس طرح احکام طہارت و نجاست الماء کی تکلیف عائد ہوتی ہے، ہاں شرط یہ ہے کہ مجتہد مسلم عادل یا مستور الحال ہو اور خبر منطوقہ غلط و کذب سے بعید ہو، ائمہ حنفیہ و فقہاء حنفیہ کی کتب سے مع لحاظ اصول مسلمہ حنفیہ یہی امر ثابت ہے، اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، مہسوط سرخسی، زبلی، شامی، رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مطالعہ بقدر امکان فرمائیے اس میں سب کچھ ہے، ان میں سے بعض کتابوں میں بعض تصریحات اس تمہید کے خلاف معلوم ہونگی، بلکہ خود ان کے اقوال میں تعارض معلوم ہوگا، لیکن باصول جمع و تطبیق وہ مؤول ہیں، یا مردود و مرجوح ہیں۔

چونکہ آپ لکھتے ہیں کہ اہل علموں کا اختلاف ہے، اس لئے میں لکھتا ہوں: ”ارشاد اہل الملۃ الی اثبات اللیلۃ“ کا صرف مطالعہ کافی ہوگا اس کتاب میں ائمہ اربعہ کے مسلک کو مع نقل عبارات فقہیہ واضح طور پر لکھا گیا ہے، اور جامعیت کے ساتھ، مصر میں چھپی ہے۔“ ۱

۱- فتاویٰ امارت شریعہ ج ۱ ص ۷۴، ۷۵۔ فتویٰ کے حوالہ جات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سجاد کی نظر جدید و قدیم ہر طرح کی مطبوعات پر رہتی تھی، علم کے میدان میں ان کے یہاں ٹھہراؤ اور قدامت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

قطرہ از دریا

یہ صرف چند مثالیں ہیں جن سے حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے علمی و فقہی کمالات کا اجمالاً اندازہ کیا جاسکتا ہے، ورنہ آپ کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے، کیونکہ آپ کے علم کا بہت مختصر حصہ زیب قراطس و قلم ہوسکا، ایک تو ملی اور قومی مسائل کے ہجوم میں لکھنے کی فرصت آپ کو کم ملی، دوسرے جو کچھ لکھا وہ پورے طور پر محفوظ نہ رہ سکا، بڑا حصہ ضائع ہو گیا، مثلاً آپ کے فتاویٰ کی جو ایک جلد ہمارے سامنے ہے اس میں صرف وہ فتاویٰ ہیں جو امارت شرعیہ کے رجسٹر میں محفوظ تھے، جن کی تعداد ان پر ڈالے گئے نمبرات کے مطابق محض ایک سو اٹھانوے ہے۔

مدرسہ انوار العلوم گیا کے شعبہ افتاء سے آپ نے جو فتاویٰ تحریر فرمائے تھے ان کی تعداد بھی بقول حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ قریب اتنی ہی تھی، مگر وہ ضائع ہو گئے۔^۱

علاوہ اللہ آباد مدرسہ سبحانیہ کے دارالافتاء سے بھی آپ نے بے شمار فتاویٰ لکھے تھے، جن کی بنا پر آپ وہاں ”فقیر شہر“ کہلاتے تھے، اگر یہ تمام فتاویٰ میسر آ جاتے تو فقہ و فتاویٰ کی ایک پوری لائبریری تیار ہو جاتی۔

اس لئے حضرت ابوالحسنؒ کی فقہیات کے تحت یہ جو کچھ بھی عرض کیا گیا یہ محض آپ کے علم و کمال کا محض ایک شمع ہے ”قطرہ از دریا“ یا ”مشتہ نمونہ از خروارے“ بلکہ اس سے بھی کم۔

میری تو ہستی ہی کیا، بڑے بڑے اصحاب علم و کمال بھی مولانا کی عظمت علم کے آگے عاجز و در ماندہ نظر آتے ہیں، سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے الفاظ میں:

”جو کچھ لکھا گیا سچ جانے کہ سمندر میں سے ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں ہے۔ ان کا علم، ان کی ذہانت، ان کا تقویٰ، ان کی سمجھ اور سوجھ بوجھ، ان کی مستعدی اور کام کرنے کی قوت، ان کی عزت اور افلاس، ان کا صبر اور ان کا عزم، ان کے اخلاق کی بلندی، اور ان کا کیر کمر، خدا کا خوف اور نبی کریم ﷺ کی محبت، مسلمانوں کی اصلاح کا شوق، ممالک اسلامیہ کی آزادی اور ان کی بقا کا خیال، یہ سب باتیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جنہوں نے مولانا محمد سجاد کو قریب سے دیکھا ہے۔“^۲



۱- فتاویٰ امارت شریعت، ص ۲۰ مقدمہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ۔

۲- حیات سجاد، ص ۱۰۹۔

فصل چہارم

حضرت ابوالمحاسنؒ کی قانونی بصیرت

طبقة علماء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کا امتیاز یہ ہے کہ قانونی مسائل اور آئینی مہمات کی نزاکتوں تک ان کا ذہن جس تیزی کے ساتھ منتقل ہوتا تھا، کہ شاید اس صدی کے ہندوستان میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی، اسلامی قانون اور دنیا کے دیگر قوانین کے مسلسل مطالعہ سے آپ کا ذہن و مزاج قانونی نزاکتوں اور باریکیوں سے ایسا ہم آہنگ ہو گیا تھا کہ وہ پہلی نظر میں ہی قانون کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے تھے، اسلامی قانون ہو یا دنیاوی قانون، ملکی آئین ہو یا کسی مجلس و ادارہ کا دستور، ان کا ذہن رسا تمام گوشوں کا اتنی تیزی کے ساتھ احاطہ کرتا تھا کہ ماہرین قانون بھی آپ کی اس مہارت پر حیران رہ جاتے تھے۔

ممالک عالم کے قوانین و وساتیر پر ان کی نگاہ تھی

اسلامی قانون اور آئین ہند کے علاوہ دنیا کے اکثر بڑے ملکوں کے قوانین اور وہاں کے آئینی نظام سے آپ پوری واقفیت رکھتے تھے، اور ان پر بصیرت کے ساتھ نقد فرماتے تھے، آپ کے تمام ہی رفقاء اور متعقلین کو آپ کی اس صلاحیت کا اعتراف تھا، مولانا شاہ سید حسن آرزو صاحبؒ ابھی آپ کے مخصوص لوگوں میں تھے، سفر و حضر میں کئی جگہ ساتھ رہنے اور آپ کی باتیں سننے کا ان کو موقع ملا تھا، انہوں نے اپنے تجربات و مشاہدات ایک مضمون کی صورت میں مرتب کر دیئے تھے، اور وہ حیات سجاد میں شائع ہوا، اس میں ایک جگہ انہوں نے ایک مجلس مصالحت کا ذکر کیا ہے، جو آپ کے اور میر سرتاج وادودی صاحبؒ کے درمیان اختلافات کی خلیج کو ختم کرنے کی غرض سے ڈاکٹر سید عبدالحمید فریدی صاحب کی کوششوں سے منعقد ہوئی تھی، اس مجلس کی روئیداد بیان کرتے ہوئے آرزو صاحب لکھتے

۱- جناب سید شاہ حسن آرزو صاحب پانڈ میں خدا بخش لاہوری سے متصل گورنمنٹ اردو لاہوری میں اسسٹنٹ راجہ ری ہیں تھے، حضرت مولانا سجاد صاحب کے خاص متعقلین میں تھے، ان کے قصصی حالات کا علم نہ ہو۔

۲- یہ حضرت مولانا سجاد کے سیاسی عزیز تھے اس لئے ان کے حالات سیاسی حصہ میں مدخل فرمائیں، اس لئے کہ وہیں ان کا ذکر زیادہ آیا ہے۔

ہیں کہ:

”ان کے درمیان ابتدائی گفتگو شروع ہوئی، جس کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ ساری رات ختم ہو گئی، اور صبح کی نماز کے بعد مجمع منتشر ہوا پھر بھی بات ناتمام رہی۔ مولانا شفیع داؤدی صاحب کا پروگرام لاہور جانے کا تھا اسی سلسلہ میں ممالک عالم کے سیاسی اور مذہبی دستورات پر گفتگو مکمل پڑی۔ مولانا شفیع داؤدی بول رہے تھے کہ مولانا نے نوکا اور اس کے بعد جوانوں نے بیان کرنا شروع کیا کہ انگلینڈ کا دستور حکومت یہ ہے، فرانس کا یہ ہے، جرمنی کا یہ ہے، اٹلی کا یہ ہے، روس کا یہ ہے، امریکہ کا یہ ہے، آئرلینڈ کا یہ ہے، بڑی دایران کا یہ ہے تو سارا مجمع حیرت و استعجاب سے مولانا کو تنگ رہا تھا۔ اور وہ نہایت جوش کے ساتھ کانسٹی ٹیشن بیان کرتے چلے جا رہے تھے، بالآخر مولانا شفیع داؤدی کو یہ تسلیم ہی کرنا پڑا کہ مولانا نہ صرف مذہبی عالم تھے بلکہ دنیا کی سیاست اور اس کے دستور و نظام حکومت کے بھی عالم تھے۔“

بڑے بڑے ماہرین قانون انگشت بدنداں رہ جاتے تھے

قریب ۱۹۳۲ء کا ذکر ہے، ہندو مسلم یونٹی بورڈ کی متعدد کانفرنسیں لکھنؤ اور الہ آباد میں ہوئیں، جن کی قیادت کرنے والوں میں حضرت مولانا سجاد صاحب بھی شامل تھے، مولانا مسعود عالم ندوی ان دنوں لکھنؤ میں مقیم تھے، وہ لکھنؤ پر وگرام کا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان فرماتے ہیں کہ:

”کہنے کو تو جمعیت علماء ہند کی پوری مجلس انتظامی شریک ہوتی تھی لیکن دماغ ایک تھا اور سب جسم محض کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا لکھواتے، نوٹ کراتے، بتاتے اور ایک انگریزی داں (بال احمد صاحب زیری سابق مدیر الجمعیت) بورڈ کے سامنے ان کی ترجمانی کرتا۔ اور ساری مجلس معاملہ مانع بین کا منہ دیکھا کرتی، یونٹی بورڈ کے مشورے لکھنؤ میں دوسری مرتبہ مسلسل تین روز تک جوتے رہے۔ سارا اسلامی ہند کا عرض کر آ گیا تھا۔ قابل ذکر شخصیتوں میں صرف علامہ اقبال مرحوم نہیں تھے۔ خاص قانونی موٹکافیوں سے لیکر ٹھیکہ فتنی مسئلے بھی بسا بھٹ پڑا جاتے، پورے مجمع پر دو شخصیتیں سب پر بھاری تھیں، ایک ظاہری طور پر باوقار اور وجہ صدر کی بغل میں کرسی نشین ہوتا، اور دائیں بائیں اس کے دو وزیر (ڈائریکٹر محمود اور مسٹر آصف علی) اپنی جگہ لیتے۔ میرا اشارہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف ہے۔ اور دوسرا ظاہری طور پر خستہ حال ایک کنارے مضمون لباس میں کاندھوں کا ایک بستہ سے جوئے لکھنے لکھانے میں منہمک ہوتا میری مراد مولانا مرحوم سے ہے۔ مولانا ابوالکلام صرف ہدایات دیتے۔ آصف علی صاحب مسودہ تیار کرتے، اور ہمارے مولانا صاحب

کچھ خود ہی کرتے، البتہ زبان کی لکنت کے باعث اپنا ترجمان بلال احمد زبیری صاحب کو بناتے۔ بڑے بڑے شیریں مقال بیرسٹر اور لیڈران دونوں بزرگوں کی طرف دیکھتے، ان کی نکتہ آفرینیاں سنتے اور انگشت بدنداں رہ جاتے۔“

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے انہی کانفرنسوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ”بعض سیاسی مبصرین نے خود مجھ سے کہا کہ یہ شخص جب بات کرنا شروع کرتا ہے تو لکنت اور عجول گفتگو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ خواہ مخواہ ایسے اہم مسائل میں کیوں دخل دیتا ہے لیکن جب بات پوری کر لیتا ہے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس شخص کا دماغ معاملات کی گہرائی تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے، اور یہ کی بات نکال کر لے آتا ہے۔“

اسی طرح مراد آباد میں جب جمعیت علماء ہند کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، اور مولانا نے بحیثیت صدر خطبہ صدارت سنایا، تو زمیندار، انقلاب اور دوسرے اسلامی اخبارات نے خطبہ صدارت پر ریویو کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ ”مولانا سجاد کی صورت اور گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ایسا شخص بھی اسلامی سیاسیات بلکہ سیاسیات حاضرہ کا اس قدر مبصر اور عمیق النظر ہو سکتا ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ مولانا کا یہ خطبہ صدارت سیاسیات اسلامی کی بہترین انسائیکلو پیڈیا ہے۔“

حکومت وقت نے بارہا آپ کے طریقہ تحقیقات کی تقلید کی

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے قانونی مشیر مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب ایم اے، بی ایل آرگنائزر محکمہ دیہات سدھار بہار جو خود بڑے ماہر قانون تھے انہوں نے جن الفاظ میں مولانا کے تدبر و تفکر اور قانونی صلاحیت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، وہ پڑھنے کے لائق ہیں: ”حضرت مولانا نے ایک عجیب دماغ پایا تھا، وہ غایت مذہبی اور سیاسی انہماک کے ساتھ قانونی پیرایہ عمل میں بھی بہترین قانون دانوں کے سے رہبر خیال تھے۔۔۔ راقم الحروف تقریباً ایک سال تک مولانا کے ہمراہ بطور قانونی مشیر رہا۔“

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگریم

کز شد دامن دل می کشد کہ جا اینخواست

مولانا نے اس حادثہ عظیم پر جو اول مراسم بہار کے گورنر کے پاس بھیجا اس کا مسودہ خود تیار کیا تھا، اور اس خادم کو انگریزی ترجمہ کے لئے مرحمت فرمایا، یہ پہلا موقع تھا کہ اس خادم کو مولانا کی

تحقیق و تلاش اور فراست قانون کے حیرت انگیز قواعد عقلیہ و دماغیہ و غیبیہ کا علم ہوا اور آپ یہ جان کر تعجب کریں گے کہ حکومت نے مولانا کے طریقہ تحقیقات کی بارہا تقلید کی۔ اس قسم کا ایک مشہور واقعہ تصویر کشی کا ہے۔ مولانا نے قانونی ضرورتوں کے لئے تمام مقامات متعلقہ کے فوٹو تیار کرائے۔ ایک فوٹو گرافر باضابطہ مقرر کیا گیا۔ پولیس کے افسر ان حیرت سے پوچھتے کہ اس میں کیا غرض پہنچاں تھی؟ بالآخر پولیس نے بھی فوٹو لینے شروع کئے۔ اس مقدمہ میں زیادہ کامیابی فوٹو کی وجہ سے ہوئی۔

والس رائے کی حکومت نے جج بل کے جو مسودات پیش کئے مولانا نے ان کی قانونی خامیوں کا پتہ دے کر فاش کیا اور پورے ملک کا دورہ کر کے تمام مسلمہ اداروں اور شخصیات کو اس سے باخبر کیا۔ ہزاروں آنکھوں نے اگر کسی عالم کو ان سیاسی زعمائے ملت کے دوش بدوش ہی نہیں بلکہ اکثر مواقع پر بیترین مشیر اور رہبر دیکھا تو وہ مولانا سجادہ کی ذات تھی۔

دنیا یہ جانتی ہے کہ مسلمہ کانفرنس نے پھر اصولی مطالبات حقوق کے متعلق بنائے لیکن یہ راز اب تک سراپا ہے کہ ”حقوق مسلم“ کی تعریف کس نے بتائی؟ اس کی حد بندیاں کس نے کیں؟ اور کس طرح وہ مخصوص حقوق تجویز کی شکل میں فرد افراد شمار کر کے دنیا کے سامنے پیش کئے گئے؟ مسلمہ کانفرنس کی مجلس منامین میں مولانا مرحوم نے وہ تجویز جو حقوق مسلمین کو محدود و متعین کرتی ہے کافی بحث و تجویز کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کی امداد پر قلمبند کر کے دی اور مؤخر الذکر بزرگ نے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔“

ماہرین قانون نے بھی لوہا مانا

ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم اے پی ایچ ڈی سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار اپنا ذاتی تجربہ و مشاہدہ تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا محمد علی کی طرح محض ایک صاحب درس عالم نہیں تھے۔ تہہ براہر ملکی مسئلوں کے فہم و گرفت میں وہ کسی بڑے سے بڑے سیاسی مدبر سے کم نہیں تھے۔ اور تو اور، ناص قانونی اور دستوری موشگافیوں میں بھی ان کا دماغ اس طرح کام کرتا تھا، جیسے کسی معمولی فقہی مسئلے کو سلجھانے میں۔ مجھے وقفہ مل کے سلسلہ میں ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہے۔ کہ بعض دفعات میں جہاں الجھناؤ پیدا ہوا ہے، اور سنیکٹ کیٹی کے سرکاری وغیرہ سرکاری ممبر پارلمان چکے ہیں، مولانا کے قانونی دماغ نے مسئلہ کے سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی وقت محسوس نہیں کی۔ اور جہاں کسی تجویز یا ترمیم کی

پیچیدگیاں پیش کی گئیں ان کے ناخن تدبیر نے ابھی ہوئی گتھیاں فوراً سلجھا دیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دماغ اس کے لئے دیر سے تیار ہے۔^۱

آئین پڑھنے والوں سے زیادہ وہ آئین جانتے تھے

ایک اور عینی شہادت بیرسٹر محمد یونس صاحب سابق وزیراعظم حکومت بہار کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا مرحوم کے ساتھ قومی، سیاسی، دستوری اور آئینی ہر طرح کے کام کرنے کا مجھ کو شرف حاصل رہا، اور مولانا کے ذہن رسا کے متعلق مجھ کو عملاً ہر قسم کے معاملہ میں اس کے اندازہ کرنے کا موقع ملا ہے، کہ وہ کس طرح معاملہ کی روح اور اس کی سیاست کو سمجھ جاتے تھے۔ اور اگر سیاسی اور آئینی معاملہ کے متعلق یہ کہوں کہ مولانا مرحوم کی شخصیت باوجود اس کے کہ موجودہ سیاسی لٹریچر کی زبان سے وہ ناآشنا تھے، اور آئین ہند کے دفاتر و اسفار کے مطالعہ سے وہ بالکل دور تھے (وہ اس قدر قریب سے اس کو دیکھتے تھے کہ اس کے جوار کاربنے والا ششدر ہو جاتا تھا تو میری یہ شہادت قیاس تخمین نہیں ہوگی، بلکہ عملی تجربہ ہوگا جس کی بنیاد واقعات پر ہوگی اور ایسے واقعات پر ہوگی، جن کے دامن میں میری سچی بھی تھی، اور اس کے انصرام میں میری ناچیز جدوجہد کو بھی دخل تھا۔“^۲

شاہ محمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”ہندوستان کے قوانین کی ایک ایک دفعہ مولانا کو یاد تھی۔ مجھ سے پٹنہ کے بعض وکلاء نے کہا (جن میں مسٹر یونس بھی تھے) کہ مولانا انگریزی ایک حرف نہیں جانتے تھے لیکن سیاست اور صوبائی اور مرکزی حکومت کے قوانین کو جس قدر سمجھتے تھے وہ ہم (وکلاء) نہیں سمجھتے تھے، مسٹر یونس نے تو مجھ سے یہ بھی کہا کہ ان کے پاس بعض موکلوں کے مقدمات ایسے تھے کہ بظاہر قانون ان کے خلاف تھا کوئی دفعہ پیروی کی حمایت میں نہیں مل رہی تھی۔ مولانا سے ذکر آیا تو دفعات کی ایسی تاویل پیش کی کہ ہائی کورٹ میں مقدمہ اس تاویل کو پیش کر کے جیت لیا گیا۔“^۳

قانونی و سیاسی مشکلات حل کرنا ان کی چٹکیوں کا کھیل تھا

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تدبر قرآن لکھتے ہیں:

۱- محاسن سجاد ص ۲۵ تا ۲۷۔

۲- حیات سجاد ص ۸۷ مضمون جناب یونس صاحب۔

۳- نوٹے ہوئے تاریخ ص ۱۰۲

”میں ہمیشہ سنا کرتا تھا کہ مولانا جمعیت علماء کے دماغ میں، قانونی و سیاسی مشکلات کے سمجھنے اور حل کرنے کی غیر معمولی قابلیت رکھتے ہیں، ایکمیں بنانے، ان کے چلانے، ان کے لئے مختلف الحیال اور مختلف امشب جماعتوں کو منظم کرنے کا ان میں خدا داد وسیلہ ہے۔ وہ جس چیز پر سوچتے تھے اس کی ابتدا اس کا وسط اور اس کی انتہا سب ٹول لیتے تھے، اور اس کے پاروں گوشے سے اس پر گھیرے ڈالتے تھے۔ وہ مسئلہ کو گنجلک نہیں چھوڑتے اور اندھیرے میں تیر سگے چھاننے کے مادی نہیں تھے۔“

فکر و عمل اور تدبیر و سیاست کی جامع شخصیت

آپ کے شاگرد رشید مولانا اصغر حسین صاحب بھاری سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ قمبر از ہیں:

”حضرت مگر اعظم فکر و عمل کے ساتھ تدبیر کے بھی مالک تھے، اپنے تدبر و عمق نگاہی سے انجام کو بھانپ لیتے تھے، اور جو ہرزہ جہاں کام دے سکتا تھا وہیں اس سے کام لینے کی سعی فرماتے تھے۔“ ۲

ہندوستان کے طبقہ علماء میں واحد شخص

آپ کے موافقین و مخالفین دونوں آپ کی قانونی بصیرت اور آئینی میدان میں آپ کے امتیازی تفوق کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ معروف سیرت نگار مولانا عبدالرؤف دانا پوری صاحب نے حضرت مولانا سجاد کی وفات پر اپنے تعزیتی خطاب میں فرمایا کہ:

”ان کی ایک خوبی ایسی تھی جو کسی عالم میں نہیں تھی وہ یہ کہ ہندوستان کے کسی قانون ساز ادارہ میں کوئی ایسا مسودہ قانون پیش ہوتا، جو اسلامی نقطہ نظر سے قابل اعتراض ہو تا تو اس کی وہ خبر رکھتے تھے اور فوراً اس کے خلاف آواز اٹھاتے تھے اور محرک مسودہ قانون کو مسلم ارکان اسمبلی کو اور علماء ہند کے نام خطوط لکھتے تھے۔“ ۳

آپ کے مشہور ناقد جناب راغب احسن صاحب لکھتے ہیں:

”مولانا سجاد ہندوستان کے طبقہ علماء میں واحد شخص تھے، جس نے ملکی دستور و قانون، مجالس

۱- محاسن سجاد ص ۵۱ تا ۵۳۔

۲- محاسن سجاد ص ۲۶۔

۳- نولے ہونے تاریخ ص ۱۰۲ معتمد شاہ محمد عثمانی۔

آئینِ مازہ، نیابتی اور انتخابی ادارات اور جمہوریتِ مغرب کے مسائل کا عملی مطالعہ کیا تھا۔ اور جنہوں نے ان کو اپنے آئیڈیل اور مقصدِ اصلی کو حاصل کرنے کے لئے بطور آلہ کار استعمال کرنے کی کوشش کی۔^۱

قانونی ثر ف نگاہی کی چند عملی مثالیں

حضرت مولانا سجادؒ کی آئینی صلاحیت اور حاضر و ماضی کی چند عملی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں، جن کا ذکر آپ کے متعدد تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، مثلاً:

مجوزہ مسلم وقف بل کی ترتیب

☆ مجوزہ مسلم وقف بل پر غور کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل کی گئی تھی، جس میں حضرت مولانا بھی شامل تھے، ایک دفعہ اس منتخب کمیٹی میں ایک اصول مقرر ہوا، الفاظِ پٹنہ ہائی کورٹ کے مشہور وکیل مولوی حسن جان صاحب کے تھے، لیکن ایڈوکیٹ جنرل نے اس پر قانونی حیثیت سے اعتراض کیا، پھر اسی اصول کی ترتیب مسٹر محمد یونس بیرسٹر پٹنہ نے کی، ایڈوکیٹ جنرل نے قانونی مجبوریوں کی بنا پر اسے بھی نامنظور کیا، اخیر میں مولانا نے اسے خود مرتب کیا، اردو داں ہونے کے سبب سے ایڈوکیٹ جنرل نے اسے خود اور بلا تامل منظور کر لیا۔^۲

مسودہ قانون جہیز بل سے مسلمانوں کا استثنا

☆ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ایک غیر سرکاری مسودہ قانون جہیز بل (ڈاوری بل) کے نام سے پیش ہوا، مولانا کی دور میں نگاہوں نے اس کے مضرت اثرات کا فوراً اندازہ کر لیا، اور یہ مولانا ہی کی محنتوں کا نتیجہ تھا، کہ اس بل سے مسلمان بری کر دیئے گئے۔^۳

جداگانہ معاشرتوں کے لئے جداگانہ قوانین

☆ مولانا کا عقیدہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کی دو جداگانہ معاشرتیں ہیں، اس لئے ان کی اصلاح بھی جداگانہ قوانین کے ذریعہ ہونی چاہئے، مولانا اس بات کے لئے برابر کوشاں رہے کہ یہ اصول

۱- محاسن سجاد ص ۱۱۲ مضمون جنابِ راجب حسن صاحب۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۲۷ تا ۱۷۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۳- محاسن سجاد ص ۱۷۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

آسبلی میں رواج پا جائے۔^۱

☆ مولانا کا یہ بھی خیال تھا کہ اصولاً ایک فرقہ کے معاشرتی قانون میں دوسرے فرقہ کے رکن کو ووٹ دینے کا بھی حق نہ ہونا چاہئے۔^۲

نمائندہ آسبلی والی تجویز میں ترمیمات

☆ نمائندہ آسبلی والی تجویز جب پیش ہوئی، تو مولانا کے حکم سے پارٹی کی طرف سے دو ترمیمیں پیش کی گئیں:

(۱) نمائندہ آسبلی کے نمائندے جداگانہ مذہبی حلقوں سے منتخب ہوں

(۲) نمائندہ آسبلی میں کثرت رائے پر فیصلہ نہ ہو بلکہ باہمی رضامندی شرط قرار دی جائے۔

ان ترمیموں کی معقولیت ظاہر ہے پھر بھی ان پر کئی دنوں تک مباحثے ہوتے رہے، (حالات ناموافق دیکھ کر) میں نے اپنی ذاتی رائے ترمیمیں واپس لے لینے کے حق میں دی، لیکن مولانا کو ان ترمیموں پر برابر اصرار رہا۔ یہ تجویز تمام کانگریسی صوبوں میں پیش کی گئی، لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بہار کے علاوہ تمام صوبوں میں یہ تجویز من وعن منظور ہو گئی، صرف سندھ کے ہندو ممبران اپنے نقطہ نگاہ سے ایک ترمیم منظور کرا سکے۔^۳

زراعتی انکم ٹیکس قانون سے اوقاف کا استثنا

☆ بہار آسبلی میں کانگریس کی طرف سے زرعتی آمدنی پر ٹیکس کا مسودہ قانون پیش ہوا، مولانا کو شبہ ہوا کہ کہیں اس قانون کے تحت میں اوقاف نہ آجائیں، چنانچہ انہوں نے پورا مسودہ پڑھوا کر سنا، سننے پر مولانا کا خدشہ صحیح نکلا، ابتداء مولانا کی یہ کوشش رہی کہ اگر باب حکومت سے مل کر اس مسئلہ کو باہمی طور پر طے کر لیا جائے، لیکن جب وہ اس پر راضی نظر نہ آئے، تو مولانا کو اخبارات میں بیانات اور اور پھر رسول نافرمانی کی دھمکی دینا پڑی، اسی دوران مولانا ابوالکلام آزاد مسئلہ کو سلجھانے کے لئے پٹنہ تشریف لائے، اور ان کے مشورہ سے حکومت بہار نے حضرت مولانا کی ترمیم منظور کر لی، اور زرعتی آمدنی پر ٹیکس کا قانون اوقاف پر عائد نہ ہو سکا۔^۴

۱- محاسن سجاد ص ۲۷۱ تا ۲۷۲ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۲- محاسن سجاد ص ۲۷۱ تا ۲۷۲ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۳- محاسن سجاد ص ۲۷۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۴- حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب نے اس بل کو مذہب میں مداخلت قرار دیا، آپ کا قانونی تبصرہ آپ کی کتاب ”قانونی مسودے“ میں موجود ہے، دیکھئے ص ۲۶ تا ۵۴۔

☆ انگریزوں کے قانون میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مولانا نے پارٹی کی طرف سے مسلم وقف بل، لوکل بورڈیز (ڈسٹرکٹ بورڈوں سے متعلق) بل، اور میونسپلٹی کا ترمیمی مسودہ قانون مرتب کیا۔^۱

مذہبی تعلیم کا حق

☆ صوبہ بہار میں کانگریس نے جب ابتدائی تعلیم کو مکرانہ منصوبہ بنایا تو مولانا نے اس میں مسلم بچوں کی مذہبی تعلیم کے لزوم کی اسکیم پیش کی، سب سے پہلے ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین کو خط لکھا جو واردہ تعلیمی کمیٹی کے صدر تھے:

”ابتدائی اور جبری تعلیم کا جو خاکہ آپ کو تیار کرنا ہے اس میں ابتدائی سے مذہبی تعلیم کے سے کافی گھٹنے رکھنے چاہئیں۔ امید ہے کہ اس پر آپ کی تفریق ہوگی، لیکن بطور یاد دہانی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں، کئی کو یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ اگر ایسا نہ ہوگا تو مسلمانوں میں بے چینی ہو جائے گی۔“

پھر رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ میں وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود سے آپ نے اس مسئلہ پر زبانی گفتگو فرمائی، اس طرح حضرت مولانا کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم نے ابتدائی تعلیم میں مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کے حق کو تسلیم کر لیا۔^۲ وزیر موصوف نے ۱۹ فروری ۱۹۳۹ء کو دیہات سندھ ہار جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

”حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد نائب امیر شریعت کے کہنے پر میں نے تعلیم گاہوں میں مذہبی تعلیم کو اصولاً منظور کر لیا ہے۔“^۳

قانونی خدمات کی داد کوئی ماہر قانون ہی دے سکتا ہے

غرض صوبہ جاتی اور مرکزی اسمبلی میں جج بل، معلم بل اور مسودہ قانون انفساخ نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں جو خدمات حضرت مولانا نے انجام دی ہیں ان کی داد کوئی ماہر قانون ہی دے سکتا ہے۔^۴

۱- محاسن جلد ۳ ص ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱

انتخابی سیاست میں شرکت اور پارٹی کا قیام

☆ انتخابی سیاست میں حضرت مولانا کی حصہ داری کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کے لئے آئینی حقوق کی حصولیابی کا راستہ آسان ہو، اور رفتہ رفتہ مرکزی و صوبائی مجالس قانون ساز سے ایسے قوانین مرتب کرائے جائیں جو صحیح اسلامی اصول پر مرتب کئے گئے ہوں، اور جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو، یہ بھی مولانا کے آئینی دماغ کا حصہ تھا۔ سبحان الہند مولانا احمد سعید دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

”قانون کی سمجھ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی صحیح عطا فرمائی تھی کہ وہ قانون کو خوب سمجھتے تھے، انڈیپنڈنٹ پارٹی کا قیام اسی آئین شناسی کا نتیجہ تھا انہوں نے قانون کو سمجھ کر بروقت پارٹی کی تشکیل کی اور الیکشن میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔“^۱

متبادل آئین ہند کی ترتیب

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کا بیان ہے کہ:

”جس زمانہ میں کانگریس نے اپنا فارمولا پیش کر کے یہ اعلان کیا تھا کہ اس کے علاوہ دوسری جماعتیں اگر اس سے بہتر نعم البدل پیش کر سکتی ہیں، تو وہ مرتب کر کے ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ غور و فوض کے وقت وہ بھی زیر بحث آئے، تو اس سلسلہ میں جمعیتہ علماء نے جو بہترین فارمولا تیار کر کے شائع کیا اس کی ترتیب میں مولانا نے موصوف کی دماغی کاوش کا بہت بڑا دخل ہے۔“^۲

یہ دراصل آزاد ہندوستان کا مجوزہ دستور اساسی تھا جو جمعیتہ علماء ہند کے فارمولہ کے نام سے ۳۱ اگست ۱۹۳۱ء (۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ) کی مجلس عاملہ کے اجلاس سہارن پور میں پیش کیا گیا تھا، اس میں ملک کے تمام شہریوں کے لئے انسانی حقوق کے علاوہ مکمل مذہبی آزادی اور مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔^۳

مسودہ قانون انقساخ نکاح

☆ مظلوم عورتوں کی گلو خلاصی کے لئے باضابطہ قانون سازی کی غرض سے ایک مسودہ قانون انقساخ نکاح ”آئینہ“ میں پیش کیا گیا، جس کو مولوی غلام بھیک نیرنگ اور جناب محمد احمد کاظمی وغیرہ ممبران آئینہ نے تیار کیا تھا، جب یہ مسودہ حضرت مولانا محمد سجاد کے سامنے آیا تو مولانا کی بصیرت اور قانونی

۱- حیات سجاد ص ۱۰۹ مضمون سبحان الہند۔

۲- حیات سجاد ص ۱۵۰ مضمون مولانا حفظ الرحمن صاحب۔

۳- نور ابوالحسن سجاد - حیات و خدمات ص ۲۹۷ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی۔

دماغ نے اس کی کئی بنیادی خامیوں کو محسوس کیا، اور فقہی اور قانونی دونوں لحاظ سے پوری تفصیل کے ساتھ آپ نے اس پر تبصرہ فرمایا، اور اس میں ترمیم و اصلاح پر زور دیا، بعض دوسرے اہل قلم سے بھی مضامین لکھوائے، یہ مضامین نقیب اور جریدہ امارت میں مسلسل شائع ہوئے، لیکن جب کسی نے جامع اور مفید مقصد مسودہ قانون پیش نہیں کیا تو آپ نے اس کا متبادل مسودہ قانون خود مرتب فرما کر نقیب میں شائع کرایا، اور اس کی معنویت بھی تحریری طور پر واضح فرمائی۔

حضرت مولانا نے جمعیت علماء ہند کو بھی اس جانب توجہ دلائی، چنانچہ جمعیت علماء ہند نے بھی ایک مسودہ قانون انفساخ نکاح مسلم مرتب کرایا، جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ ہی کا تیار کردہ تھا، پھر ارکان اسمبلی کو یہ مسودہ پیش کرنے کی ہدایت کی گئی، لیکن یہ مسودہ قانون جب قانون بن کر منظور ہوا تو اس میں ایسی ترمیمات کر دی گئی تھیں جن کی بنا پر یہ قانون مسلمانوں کے لئے شرعاً بے معنی ہو کر رہ گیا۔

مولانا کے حسب ہدایت جمعیت علماء ہند اور امارت شریعہ بہار دونوں جگہوں سے اس قانون کے خلاف مضامین لکھے گئے، جمعیت علماء کے کہنے پر ایک ممبر اسمبلی نے ترمیم کی تجویز بھی پیش کی۔^۱ مولانا کا مفصل قانونی اور فقہی تبصرہ اور متبادل ”مسودہ قانون انفساخ نکاح“ آپ کے قانونی مسودات کے مجموعہ ”قانونی مسودے“ میں شائع ہو چکا ہے، تفصیل کے لئے اس کتاب کی طرف مراجعت کی جائے، ہم یہاں بطور نمونہ دفعہ نمبر ۶ پر آپ کے قانونی اور فقہی تفصیلی تبصرہ سے چند نکات پیش کرتے ہیں:

”اس دفعہ (۶) کا اسلامی نقطہ نظر سے ایک دوسرا پہلو نہایت خطرناک یہ ہے کہ اگر یہ دفعہ آپ حضرات نے منظور کرایا یا منظور کرانے کی سعی کی، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسری غیر مسلم اقوام بھی، اسی قسم کا قانون بنوائیں گے۔ اور آپ کو کوئی حق نہیں ہوگا کہ آپ اس کی مخالفت کریں، اور مخالفت کریں بھی تو نتیجہ معلوم ہے کہ وہ منظور ہو کر رہے گا۔ لہذا ہندو، اور سکھ یہ قانون بنوائیں گے کہ اگر ان کی کوئی عورت تہذیب مذہب کر لے تو وہ اپنے شوہر سے کسی حال میں علیحدہ نہیں ہو سکتی ہے، اور اسی طرح عیدائی اور پارسی بھی ہو سکتے ہیں۔

اس کا نتیجہ ظاہر کہ آج ہزاروں غیر مسلم شوہر دار عورتیں مسلمانوں میں شامل ہو رہی ہیں اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے اب بند ہو جائے گا۔“

(اس کے علاوہ اور بھی کئی قانونی اور مذہبی دشواریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے)

یہ سب اعتراضات اس مفروضہ کی بنیاد ہیں کہ اسلام کا قانون یہ صحیح تسلیم کر لیا جائے، کہ ارتداد مسلمہ موجب فسخ نکاح نہیں ہے، ورنہ یہ مسئلہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ (الحمد للہ)

بلکہ ائمہ مسلمین کا متفقہ فیملہ ہے کہ ارتداد مسلمہ موجب فسخ نکاح ہے اگر وہ بعد تقسیم ارتداد پر قاصر رہے فقہ حنفی میں ظاہر الروایہ یہی ہے۔ محققین فقہائے حنفیہ کا فتویٰ یہی ہے بلاشبہ متاخرین علماء متنبین نے اسلامی حکومت کے انحلال کے زمانہ میں اس قسم کے فتاویٰ دیئے ہیں مگر ان مفتیوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ فتویٰ محض اس لئے ہے کہ جو عورتیں ارتداد کو حیلہ فسخ نکاح بناتی ہیں، اس کا انداد ہو چوں کہ عورت کا جس حکومت کے انحلال کی وجہ سے ناقص عمل ہو چکا تھا، لیکن عدالتیں اسلامی تھیں، وہ اس فتویٰ کے احترام کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم نہیں دے سکتی تھیں، اس لئے عورتوں کا یہ حیلہ وہاں کارگر نہیں ہو سکتا تھا علاوہ بریں ہندوستان جیسی وہاں مشکلات نہ تھیں، نہ یہ ماحول تھا، اس لئے یہ فتویٰ وہاں مفید ہو سکتا تھا جو محض رعایت مصلحت پر مبنی تھا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ علماء اگر عورتوں کو فسخ نکاح کے وہ تمام حقوق دے دیتے جو شریعت اسلامیہ نے دیئے ہیں تو ارتداد کا حیلہ خود بخود ختم ہو جاتا علاوہ ازیں یہ فتویٰ اس حیثیت سے بھی وہاں مفید ہو سکتا تھا کہ جب عورتیں مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہو کر دوسرے مسلمان مرد سے عقد کرنا چاہتیں تو کوئی مرد اس فتویٰ کے بعد اس سے عقد نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ ان کو فتویٰ دیا گیا تھا کہ وہ عورت اپنے پہلے شوہر کی بیوی ہے، اور اس وجہ سے عورت جب اپنے مقصد یعنی عقد ثانی میں ناکام ہوتی تو پھر اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو سکتی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ زوج سے ہدائی کے لئے وہ ارتداد کے طریقہ کو چھوڑنے پر مجبور تھی، مگر ہندوستان کی یہ حالت نہیں ہے، یہاں مردوں میں تقویٰ و تدین کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، یہاں یہ فتویٰ کسی حال میں عموماً موثر نہیں ہو سکتا ہے۔

الغرض محض ایک مصنحت کو مد نظر رکھ کر عدم فسخ نکاح کا فتویٰ اگرچہ بلغیوں نے دیا تھا، مگر اسی کے ساتھ مخالفت کو حرام قرار دیا تھا، گویا عورت کو حکومت کے تحسین میں رکھنے کے بجائے ایک شخص کے گھر میں اس طرح مجبوس کیا جانا تجویز کیا گیا تھا جو اس دور میں ایک حد تک مفید تصور کیا جاسکتا تھا، نہ یہ کہ حقیقتاً ارتداد مسلمہ سے عند اللہ وعند الرسول بھی اس کا نکاح فسخ نکاح نہیں ہوتا ہے، اس لئے میرے نزدیک نصوص اور اقوال ائمہ عظام و اکابر فقہائے ملت کو ہمیشہ نظر رکھ کر و نیز بر بنائے مصالح شرعیہ یہ فتویٰ اس قابل نہیں ہے، کہ اس پر عمل کیا جائے، چہ جائے کہ اس فتویٰ کی بنیاد قانون بنوایا جائے۔

(آخر میں آپ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ) اس مسودہ پر آپ حضرات اچھی طرح غور کر لیں، علماء کرام خالص کر حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہما سے بھی استصواب رائے کر لیا جائے۔

۱۔ قانونی مسودے ص ۱۵ تا ۲۵، تالیف حضرت مولانا ابوالحسن محمد مجاہد، جمع و ترتیب مولانا محمد خان اللہ مدظلہ، تصحیح و تصدیق: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام دہلوی، شائع کردہ: دارالافتاء اسلامیہ، پٹنہ، ۱۳۱۹ھ۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ملک آکین کے بارے میں کتنے حساس اور باخبر تھے، ناممکن تھا کہ کوئی ایسا قانون ملک میں منظور ہو جائے جس کی روشریعت اسلامیہ کے کسی قانون پر پڑتی ہو، اور مولانا کو اس کی خبر نہ ہو یا وہ اس کی خبر نہ لیں۔

داردھاتعلیمی اسکیم کی مخالفت

مولانا کانگریس کے حامی اور بہادر رہتے لیکن اس کے اعمال اور منصوبوں پر سبھی نگاہ رکھتے تھے، کوئی عمل یا تجویز مسلمانوں کے مفادات کے خلاف محسوس ہوتی، فوراً اس پر تنقید فرماتے اور سخت مخالفت فرماتے تھے، چنانچہ کانگریس کی واردات تعلیمی اسکیم کی جتنی مخالفت مولانا نے کی وہ کسی سے نہ ہونگی، اس کی تفصیلی رپورٹ امارت شریعہ سے شائع ہو چکی ہے، جس کو مولانا عثمان نونی صاحب نے مرتب کیا تھا۔^۱

نظریہ اہنسا (عدم تشدد) کی مخالفت

۱۹۳۸ء میں اسی طرح کانگریس حکومت نے جو محکمہ دیہات سدھار قائم کیا تو اس میں اہنسا (عدم تشدد) کی تعلیم داخل کی، حضرت مولانا سجاد نے اس کی شدید مخالفت کی، آپ نے بہار کے وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود کو خط لکھا:

”یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اہنسا دھرم، گاندھی جی کی تعلیمات اور ان کی سوانح عمری جو زیادہ تر ان کے محبوب مذہبی معتقدات و تحریکات اور تلاش حق کی سرگردانیوں کی آئینہ دار ہے، ہندوؤں کے لئے دل آویز اور بھیرت افروز ہو سکتے ہیں، لیکن یہ تمام چیزیں مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی اور تمدنی بنیادوں کو کھنسی کرنے والی ہیں اس سے اس قسم کی تعلیم و تربیت ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتے۔“

اس سے میں پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی دماغی تربیت کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور خلفاء راشدین کی سوانح عمری رہنے دیجئے۔ اور اہنسا دھرم اور گاندھی جی کی تلاش حق کی یہ گردانی غلبہ پر مسلط کر کے غیر اسلامی تعلیم و تربیت نہ پیدا کیے۔“

۱- دیہات سجاد میں ۱۲ مضمون مولانا عثمان نونی۔

۲- مکتبہ حبیب، جلد ۱، صفحہ ۸۲، ۸۳۔

بالآخر مولانا کی کوششیں رنگ لائیں اور وزیر تعلیم نے اعلان کیا کہ:

”دیہات سدھارا سکیم پر بھی حضرت سجاد صاحب کو اعتراض ہے کہ اس کے ذریعہ گاندھی ازم کی اشاعت ہوگی، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گاندھی ازم کا ذریعہ دیہات سدھارا سکیم میں غلطی سے آگیا تھا، حضرت مولانا کے توجہ دلانے پر اس کو نکل دیا گیا اور گاندھی ازم کی اشاعت ہرگز نہیں ہوگی۔ اس طرح دیہات سدھارا سکیم سے انہماکی تعلیم کو خارج کیا گیا۔“^۱

تحفظ مویشیان بل

☆ اسی طرح تحفظ مویشیان بل کے نام پر انسان کی مرضی کے کھانے پینے پر جس طرح قدغن لگائی گئی تھی، اور ذبیحہ گاؤں کے نام پر مسلمانوں کے قتل عام کا جو پروگرام بنایا گیا تھا، حضرت مولانا سجاد نے بل دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا، آپ نے اس بل کی مخالفت کی اور اس کی قانونی خرابیوں کو واضح کیا، آج ملک کے جو حالات ہیں وہ سو فی صد آپ کی قانونی بصیرت اور ایمانی فراست پر مبر تصدیق ثابت کرتے ہیں۔^۲

حقوق مسلم (مسلم پرسنل لاء) کی تعریف اور مطالبات

مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب آرگنائزر محکمہ دیہات سدھارا لکھتے ہیں:

”دنیا یہ جانتی ہے کہ مسلم کانفرنس نے کچھ اصولی مطالبات حقوق کے متعلق بنائے لیکن یہ راز اب تک سربستہ ہے کہ حقوق مسلم کی تعریف کس نے بتائی اس کی حد بندیاں کس نے کیں؟ اور کس طرح وہ مخصوص حقوق تجویز کی شکل میں فرد افراد شمار کر کے دنیا کے سامنے پیش کئے گئے؟ مسلم کانفرنس کی مجلس منہائین میں مولانا مرحوم نے وہ تجویز جو حقوق منہائین کو محدود و متعین کرتی ہے کافی بحث و تمحیص کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کی استدعا پر قلمبند کر کے دی، اور مؤرخ الذکر بزرگ نے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔ یہ محدود تجویز مسلم کانفرنس کی طرف سے سائنس کمیشن کے سامنے پیش ہوئی، اور پھر کچھ دنوں کے بعد دوسری گول میز میں پیش کی گئی، اور نئے قالب میں مسٹر محمد علی جناح کے چودہ (۱۴) پوائنٹس میں آ گئی، اس میں مولانا نے اقلیت کے مسائل خصوصاً مسلمانوں کے پرسنل لاء کے متعلق قوانین سازی کے متعلق یہ اصول وضع کیا کہ جب تک مسلم نمائندگان کی اکثریت کسی بل پر متفق نہ ہو، وہ قانون نہ بن سکے۔۔۔ ہمارے مطالبات آج بھی

۱- دیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا مفتی نذیر مارت شریعہ دینی جدوجہد کو روشن باب ص ۲۱۸۔

۲- دیکھئے: قانونی سوڈے ص ۶۳ تا ۵۵۔

اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔“^۱

تحریک تبرا کے موقعہ پر یوپی حکومت کی قانونی گرفت

لکھنؤ میں (۱۹۳۸ء میں) اہل تشیع کی جانب سے جب تبرائی فتنہ شروع ہوا، جس سے اہل سنت مسلمانوں میں ایک اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی، یوپی حکومت نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے دفعہ ۱۴۴ اور دفعہ ۱۰۷ کے تحت کارروائی شروع کی، حضرت مولانا سجادؒ نے اس موقعہ پر ایک مختصر مضمون شائع کرایا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ حضرت مولانا کی نگاہ قانون پر کتنی گہری تھی:

”حکومت یوپی کی سہل انگاری پر عقل و دانش کی دنیا متحیر اور انگشت بدنداں ہے کہ وہ تبرائی فتنہ بدروں کو بھی دفعہ ۱۴۴ یا دفعہ ۱۰۷ انباطہ فوجداری کے ماتحت معمولی سزا دلوا رہی ہے، حالانکہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ (الف) کے اور ۲۹۸ کے ماتحت بھی ان کو سخت سزائیں دینی چاہئے، بلکہ وہ اس عظیم فتنہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کرنے کے لئے تبراہیوں کے خلاف ایک سخت آرڈیننس بھی جاری کر سکتی ہے، اگر قانون حکومت ہند میں قیام امن کی خاطر گورنر کو آرڈیننس کے اختیارات دیئے گئے ہیں تو اس کا استعمال اس وقت کیوں نہیں کیا جاتا، کیا آرڈیننس کے اختیارات صرف ملک کی آزادی کا گلا گھونٹنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔“^۲

اسی مضمون میں مولانا نے جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام اور عام مسلمانوں کو بھی اس فتنہ کے مضرات کی طرف متوجہ کیا اور اس کے خلاف تحریک چلانے کی دعوت دی، چنانچہ اسی کے نتیجے میں مدح صحابہ انجی ٹیشن شروع ہوا، جس کی قیادت حضرت مولانا محمد سجادؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے فرمائی۔

یہ حضرت مولانا کی قانونی بصیرت کے چند نمونے ہیں، ورنہ ایسی مثالیں تلاش کی جائیں تو اور بھی مل جائیں گی۔



۱- محاسن سجاد ص ۸۸ مضمون مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب۔

۲- مقالات سجاد ص ۱۲۳

علمی خدمات

(۷)

ساتواں باب

علمی خدمات

فصل اول

تدریسی خدمات

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی علمی خدمات کا سب سے اہم ترین باب زندگی کا وہ حصہ ہے جو مدارس میں طلبہ کی تعلیم و تدریس میں گزرا، اور یہ حصہ آپ کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی دورانیہ میں آپ کے علم میں پختگی اور مطالعہ میں وسعت پیدا ہوئی، مختلف سوالات و جوابات کے تجربات ہوئے، نئے حالات و مسائل سے آگاہی ہوئی، یہیں سے آپ کو کام کرنے والے افراد کی ٹیم میسر ہوئی، ملک کے علماء و اعیان سے آپ کے روابط قائم ہوئے، عوام میں آپ کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کا تعارف ہوا اور عوامی اعتماد کی راہ ہموار ہوئی، لکھنے پڑھنے کے مواقع حاصل ہوئے، جن سے آپ کے علمی ذخائر و جود میں آئے، غرض آپ کی علمی، فکری، ملی اور سیاسی شخصیت کی تعمیر میں مدارس میں گزرے ہوئے لمحات کا بڑا حصہ ہے، اور کسی بھی عالم دین کے لئے علمی و ملی سیادت کے مقام تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر اور معتبر راستہ کوئی نہیں ہے۔

ایک بڑی غلطی

لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب شخصیت بڑی ہو جاتی ہے، اور اس کا حلقہ اثر وسیع ہو جاتا ہے تو قفد میں شامل ہونے والے نئے شہسوار پرانے خون کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور شخصیت جہاں سے بن کر آتی ہے اسی کو فراموش کر دیا جاتا ہے، حضرت مولانا سجادؒ کے ساتھ بھی یہی ہوا، ان کی سارے سالہ زندگی کا بڑا عرصہ مدارس میں گزرا ہے، وہ خالص علمی اور درسی آدمی تھے، ان کو پڑھنے پڑھانے میں جولنت ملتی تھی وہ کہیں میسر نہ تھی، مدرسہ ہی میں انہوں نے پڑھا، یہیں کی چٹانیاں پر ان کی شخصیت تیار ہوئی، یہیں سے پڑھے ہوئے طلبہ نے ہر میدان میں ان کی جانشینی کی، لیکن ان کی بیس بائیس سالہ ملی و سیاسی زندگی کو جس قدر اہمیت دی گئی، اور لکھنے والوں نے جس تفصیل اور تسلسل سے اس پر روشنی ڈالی کہ تاریخ کی نگاہ میں یہی زندگی ان کی اصل زندگی بن گئی، اور مدارس دینیہ میں گزرے ہوئے لمحات تاریخی میں چھپے گئے، جیسے وہ عہد طفولیت ہو اور یہ عہد شباب، وہ عہد ظلمت ہو اور یہ عہد نور، اور وہ دور جاہلیت ہو اور یہ دور شعور، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے ہر قسم کے شباب و نور و شعور کی پرورش و پرداخت مدارس ہی کے ماحول میں ہوئی، ہر رنگ یہیں

پیدا ہوا اور ہر بلندی تک پہنچنے کی گزرگاہ یہی تھی۔

تدریسی ادوار

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تدریسی زندگی کو تین (۳) ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

☆ تدریس بہ عہد طالب علمی زمانہ قیام الہ آباد

(۱۳۱۸ھ تا ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۴ء - چار سال)

☆ تدریس بہ عہد ملازمت تدریس زمانہ قیام بہار شریف والہ آباد

(۱۳۲۲ھ تا ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۰۴ء تا ۱۹۱۱ء سات (۷) سال)

☆ تدریس بہ عہد اہتمام زمانہ قیام گیا

(۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۱ء دس (۱۰) سال)

علماء میں بہت کم ایسے خوش نصیب افراد ہیں جن کی زندگی میں یہ تینوں ادوار جمع ہوئے ہوں، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے بہت مختصر زندگی پائی لیکن ان کی زندگی کے دوسرے حصوں کی طرح ان کی تدریس میں بھی کافی تنوعات پائے جاتے ہیں۔

(دور اول)

تدریس بہ عہد طالب علمی

(۱۳۱۸ھ تا ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۴ء - چار سال)

زمانہ طالب علمی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ مدارس کے جس دور کی پیداوار ہیں اس دور میں ذہین طلبہ سے نیچے کے طلبہ کی تدریس کا کام لیا جانا ایک عام سی بات تھی، خود مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی اپنے عہد طالب علمی میں دو طالب علم اساتذہ (حضرت مولانا مبارک کریم صاحبؒ اور حضرت مولانا سید عبدالشکور آہ صاحبؒ) کے زیر درس رہ چکے تھے، لیکن حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے زمانہ طالب علمی ہی سے جس تدریسی مہارت و قبولیت کا مظاہرہ کیا وہ عام بات نہیں تھی۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی تدریسی زندگی کا آغاز الہ آباد میں مدرسہ سبحانیہ کی عہد طالب علمی سے ہوا، جس کے کچھ احوال آپ کی عہد طالب علمی کے بیان میں آچکے ہیں، اس عہد کا آنکھوں دیکھا حال آپ کے تلامذہ میں مولانا اصف حسین صاحبؒ بہاریؒ نے بیان کیا ہے، مولانا کی

تدریسی صلاحیت کا جو ہر اسی زمانے میں کھلنے لگا تھا، جس شہر میں حضرت مولانا عبدالکافی آبادی، حضرت مولانا عبدالحمید جونپوری، حضرت مولانا منیر الدین آبادی، اور استاذ القراء حضرت حافظ قاری عبدالرحمن مہاجر کی جیسے اساتذہ کرام موجود ہوں، وہاں ایک طالب علم کے اسلوب تدریس اور طریقہ تفہیم کو ایسی قبولیت حاصل ہونا کہ اساتذہ کے بجائے طلبہ اپنی کتابیں اسی طالب علم سے پڑھنے کی تمنا کریں، یہ بجائے خود علمی تاریخ میں ایک عظیم واقعہ ہے، اور اس کو حضرت مولانا سجاد کی کرامات و خصوصیات میں شمار کیا جانا چاہئے، مولانا اصغر حسین صاحب کے الفاظ میں:

”اس کشش سے ظاہر ہے کہ طلب علم ہی کے زمانہ سے آپ کی تعلیم میں مقناطیسی اثر تھا۔“

مدرسہ سبحانیہ آباد میں حضرت مولانا محمد سجاد کا داخلہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں ہوا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ پہلے ہی سال ان کی اس صلاحیت کا جو ہر سامنے نہیں آیا ہوگا، اور نہ تدریس کے مواقع میسر آئے ہوں گے، مولانا اصغر حسین صاحب نے ۱۳۱۹ھ و ۱۳۲۰ھ کے واقعات لکھے ہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ حضرت مولانا سجاد کو یہ موقع ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء ہی سے مل گیا ہوگا۔

ممتاز تلامذہ

اس دور کے تلامذہ میں مولانا فرخند علی سہرانی بانی و مہتمم مدرسہ خیر یہ سہرام^۲ مولانا حافظ عبدالرحمن بادشاہ پوری جون پوری سابق مدرس اول مدرسہ امدادیہ درجہ نگلہ،^۳ اور جناب حکیم مولانا محمد یعقوب صاحب ساکن کڑا (گیا - موجودہ نام کارا ضلع اورنگ آباد) قابل ذکر ہیں۔^۴

۱- محاسن سجاد ص ۱۷۔

۲- مولانا فرخند علی سہرانی سیاسیات اور دیگر ملی و علمی امور میں تاحیات اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد سجاد کے دست و بازو بنے رہے، افکار سجاد کی توسیع و اشاعت میں آپ کا ہر احمد رہا، یوں آپ کا شمار اصلاً حضرت مولانا عبدالکافی آبادی کے ممتاز اور قابل فخر تلامذہ میں ہوتا ہے، آخری عمر میں حضرت مولانا عبدالکافی صاحب اپنے کچھ بڑے قیومی پر جب تک حضرت مولانا محمد سجاد اور حضرت مولانا فرخند علی سے مشورہ نہ کر لیتے، اس وقت تک فتاویٰ جاری نہ فرماتے تھے، یہ بات خود حضرت مولانا سجاد صاحب نے تحریر کی ہے (دیکھئے فتاویٰ امارت شریعت اول ص ۲۹) اس سے ان کے بلند علمی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے تفصیلی حالات کاظم نہ ہو سکا۔

۳- آپ نے الہ آباد کے طاووس مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں بھی حضرت مولانا سجاد سے درس حاصل کیا ہے، اس لئے کہ مولانا اصغر حسین صاحب نے مدرسہ اسلامیہ کے اپنے ساتھیوں میں بھی آپ کا ذکر کیا ہے (محاسن سجاد ص ۲۰) حضرت مولانا کے طرِقتہ تدریس سے متاثر ہو کر بہت سے طلبہ آپ کے ہمراہ الہ آباد چھوڑ کر بہار شریف آ گئے تھے، غالباً ان طلبہ میں آپ بھی تھے (محاسن سجاد ص ۱۲) مضمون مولانا زکریا فاضل صاحب مدیر اہلال (نامہ مولانا اصغر حسین صاحب کے ساتھ ص ۳۴۸) جو مطابق ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ہوئی، آپ کا شمار ملک کے بلند پایہ علماء میں ہو، مدرسہ امدادیہ میں آپ شیخ الحدیث اور صدر المدین رہے (مدرسہ امدادیہ درجہ نگلہ تاریخ کے آئینے میں ص ۲۷ مرتبہ علیہ الرحمن رضوی، ناشر مدرسہ امدادیہ درجہ نگلہ، ۲۰۰۵ء) مولانا مسعود عالم ندوی نے لکھا ہے کہ ”وہ قدیم طرز کے معقولی علماء میں خاص امتیازی حیثیت کے مالک تھے (محاسن سجاد ص ۲۰ حاشیہ) باقی حالات کا علم نہ ہو سکا۔“

۴- محاسن سجاد ص ۱۸۔

(دورثانی)

تدریس بہ عہد ملازمت تدریس

(۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۲ء تا ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء سات (۷) سال)

مدرسہ سبحانیہ آباد سے سند فراغت اور دستار فضیلت لے کر ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب اپنے وطن واپس تشریف لے آئے، اس وقت تک آباد سے آنے جانے والے طلبہ اور دیگر واردین و صادرین کے ذریعہ آپ کی علمی و تدریسی صلاحیت کی گونج آپ کے اساتذہ کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی، اور علاقہ کو ایسے علماء اور مدرسین کی ضرورت تھی۔

مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تقرر

چنانچہ مولانا حافظ حکیم سید وحید الحق صاحب (اُس وقت کے) ناظم مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کی طبی اور مولانا مبارک کریم صاحب مدرس اول مدرسہ اسلامیہ کے ایماء پر آپ علاقہ کی سب سے مرکزی درس گاہ ”مدرسہ اسلامیہ بہار شریف“ سے وابستہ ہو گئے۔^۱ یہاں کے بزرگوں

۱- یہ بانی مدرسہ حضرت مولانا سید وحید الحق استخوانی کے علاوہ ایک دوسری شخصیت ہیں، حضرت استخوانی کا انتقال ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہو چکا تھا، جب کہ مولانا سجاد صاحب کی فراغت ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔ مدرسہ اسلامیہ میں مولانا حکیم و حیدر الحق صاحب کی طلبی پر حضرت مولانا سجاد صاحب کی تشریف آوری کا ذکر حضرت مولانا مسرت اللہ رحمانی نے کیا ہے (حیات سجاد ص ۱۰)

۲- مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کی بنیاد جامع الکلمات حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب استخوانی نے رکھی اور احیاء اس کے ناظم رہے، یہ اپنے حلقہ کار مرکزی مدرسہ تھا، دورہ حدیث شریف تک یہاں تعلیم ہوتی تھی، بڑے بڑے علماء نے یہاں تعلیم حاصل کی، اور اکابر علماء کی خدمات اس ادارہ کو حاصل ہوئیں، حضرت مولانا سجاد صاحب کی بہت سی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا یہ مدرسہ مرکز تھا، مولانا سجاد نے مدارس کے جس وفائی و جانچ کی بنیاد رکھی تھی اس کامرکزی دفتر بھی اسی مدرسہ میں قائم کیا گیا تھا، اس کے سالانہ جلسے بڑے یادگار ہوتے تھے، اس کے جلسوں میں حضرت محمد مشرف الدین بکینی میری کی نسبت ارضی سے بڑے بڑے اکابر اپنی تشریف آوری کا باعث سعادت تصور کرتے تھے۔

اس مدرسہ کی بنیاد بک پڑی: ”جناب سید محمد شرف صاحب موجودہ متولی بی بی صفیہ وقف بہار شریف کا بیان ہے کہ مدرسہ اسلامیہ کے بقیۃ وقف پر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کی تاریخ درج ہے، اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ مدرسہ اسی سال (۱۸۹۲ء) قائم ہوا، لیکن یہ بھی امکان ہے کہ مولانا سید وحید الحق صاحب نے مدرسہ پہلے ہی قائم کیا ہو اور وقف کی یہ جائیداد بعد میں حاصل ہوئی ہو، و بقیۃ کی تاریخ زمین کی رجسٹری کی تاریخ ہوتی ہے، قیام مدرسہ کی تاریخ سے اس کا زیادہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ مجھے تو قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ پہلے ہی قائم ہوا ہوگا، اس لئے کہ بانی مدرسہ مولانا سید وحید الحق صاحب استخوانی کا وصال ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوا، اس مدرسہ نے حضرت استخوانی کی حین حیات تعلیم و تربیت کے میدان میں جو مثالی ثمرات و نیک مائی حاصل کی، وہ عام حالات میں مختصر سی (پانچ چھ سال کی) مدت میں مستبعد ہے، جیسا کہ اسی علاقے کے نامور مورخ علامہ سید سلیمان ندوی نے جن الفاظ سے مولانا سید وحید الحق استخوانی اور مدرسہ اسلامیہ کی انقلابی تعلیمی خدمات کا ذکر کیا ہے کہ: ”حیرتوں صدی کے شروع میں صوبہ بہار میں مولانا وحید الحق صاحب استخوانی بہاری کے دم قدم سے علم کوئی رونق حاصل ہوئی، قصبہ بہار میں انہوں نے مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور بہت سے عزیزوں کی تربیت کی، ان میں سے ایک مولانا سجاد بھی تھے۔“ (محاسن نبایں ص ۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مولانا استخوانی کی حیات میں اس مدرسہ کا تعلیمی و تدریسی سفر نصف صدی سے بھی تجاوز رہا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ مگر انہوں نے یہ مدرسہ بہرہ وال بنے اور معمولی کتب سے زیادہ اس کا معیار نہیں رہا۔

سے آپ کے خصوصی مراسم کے علاوہ یہ مدرسہ آپ کی مادر علمی بھی تھا، اس کے بانی حضرت مولانا سید وحید الحقؒ (متوفی ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء) آپ کے استاذ خاص، رشتہ کے بہنوئی اور پھر خسر محترم بھی تھے، انہوں نے بڑی شفقت و محبت کے ساتھ عبد طفلی میں آپ کی تربیت کی تھی، یہ مدرسہ ان کی یادگار تھا، اس لئے آپ پر حق بنتا تھا کہ اس مدرسہ کی خدمت کریں۔

ہذا نیز یہ وطن سے قریب تھا، والد کا سایہ بچپن ہی میں سرت اٹھ چکا تھا، شادی کے بعد اہل و عیال کی ذمہ داری بھی سر پر آگئی تھی، گھر سے قریب رہ کر ان ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دینا آسان تھا، غالباً انہی وجوہات کے پیش نظر حضرت ابوالحسنؒ نے مدرسہ اسلامیہ میں خدمت کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا۔^۱

مدرسہ اسلامیہ کے ایک نئے دور کا آغاز

حضرت مولانا سجاد کے تشریف لاتے ہی مدرسہ نے ایک نئی کروٹ لی، بقول حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی:

”اس وقت مولانا کی عمر صرف ۲۳ سال کی تھی لیکن آتے ہی مدرسہ گارنٹ بدل گیا، طلبہ کا شوق،

مدرسین کی جدوجہد اور مقامی حضرات کی توجہ اور دیکھی برہیز میں اضافہ ہو گیا۔“^۲

اور آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا اصغر حسین صاحب کے الفاظ میں:

”مزاج کی نرمی، معنوی درگزر کی حسنت، اور طلبہ کی ہمدردی کے ساتھ جو اپنی طبیعت اور انہماکی شان

سے شب و روز درس و تدریس کی مہم شروع کی تو تھوڑے ہی عرصہ میں مدرسہ کے تعلیمی قالب

میں نئی روح پھونک دی۔“^۳

آپ نے تعلیمی نظام کی اصلاح پر پوری توجہ دی، طلبہ پر اجتماعی اور انفرادی دونوں سطح پر محنتیں کیں، کتابوں کی تفہیم و تدریس کا وہ معیار اختیار کیا جو انہوں نے کانپور، دیوبند اور الہ آباد کی درس گاہوں میں دیکھا تھا، خود بھی مطالعہ کرتے اور طلبہ کو بھی محنت و مطالعہ کی عادت دلواتے، ان میں مشکلات کا مقابلہ کرنے کا عزم بیدار فرماتے، طریقہ تفہیم میں ایسی شیرینی اور سحر کاری تھی کہ طلبہ آپ کے دلدادہ ہو جاتے تھے، اس طرح آپ کی توجہات عالیہ سے مدرسہ میں ایک خوبصورت تعلیمی

۱- محاسن جلد ۱۹، صفحہ ۱۰۱۱ تا ۱۰۱۲ حسین بہاری۔

۲- دیات سید جس ۱۱۔

۳- سید حسن شاہ جس ۱۵۔

ماحول پیدا ہوا، طلبہ کا شوق فروزاں اور ذوق فراوان دیکھ کر منتظمین کے حوصلے بلند ہوئے، مدرسہ کے تعلق سے عوامی اعتماد میں اضافہ ہوا، ایک عرصہ دراز سے مدرسہ قائم تھا، لیکن اس کا معیار تعلیم شرح وقایہ، جلالین اور قطبی و میر قطبی سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، ملاحسن، رسالہ میرزا اہد اور صحاح ستہ جیسی اعلیٰ کتابوں کی تعلیم کا تو یہاں تصور بھی نہیں تھا، طلبہ ٹھہرتے ہی نہیں تھے، بلکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے کانپور اور دہلی کا رخ کرتے تھے۔

مدرسہ اسلامیہ کا عہد عروج

حضرت مولانا محمد حجاؤ کی تدریسی مساعی اور ان کی شخصیت کی سحرکاری نے طلبہ کا دل جیت لیا، اور نہ صرف یہ کہ طلبہ یہاں جمتے گئے، بلکہ دوسرے مدارس کو چھوڑ کر یہاں آنے لگے، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہاں انتہی درجات تک کی تعلیم ہونے لگی، اور طلبہ یہاں سے سند فراغ بھی حاصل کرنے لگے، مولانا سید منت الدین رحمائی کے الفاظ میں:

”یوں تو مدرسہ ایک عرصہ سے قائم تھا، مگر نہ کبھی طلبہ کی تعداد زیادہ رہی، اور نہ کبھی بلامین شرح وقایہ، اور میر قطبی سے اونچے پڑھنے والے مدرسہ میں آئے، لیکن ایک ہی سال میں مولانا کے درس کا ایسا شہ ہوا کہ طلبہ جوق در جوق آنے لگے، اور دوسرے ہی سال عربی کے نصاب کی آخری کتابیں ہونے لگیں۔“

مولانا اصفہر حسین صاحب حضرت مولانا حجاؤ کے اسی تدریسی عہد شباب کی یادگار ہیں، اپنا وہ دور یہ دکر تے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”میں بھی میرزا اہد رسالہ اور ترمذی شریف تک پہنچ چکا۔“

اسی زمانہ میں ایک بار حضرت مولانا محمد احسن استھانوی تلمیذ رشید مولانا ہدایت اللہ خان جو پوری و علامہ فضل حق خیر آبادی مدرسہ میں امتحان کے لئے تشریف آئے، جو کسی زمانہ میں یہاں مدرسہ اول رہ چکے تھے، ان کے پاس جب طلبہ (مولانا اصفہر حسین اور مولانا عبدالرحمن جو پوری وغیرہ) رسالہ میرزا اہد مع حاشیہ غلام تیکی بہاری لے کر امتحان دینے کے لئے پہنچے تو ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں، انہوں نے فرمایا کہ:

۱- حیات حجاؤ ص ۱۰

۲- حیات حجاؤ ص ۲۰

”آج عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ بہار شریف میں ان کتابوں کے پڑھنے والے طلبہ موجود ہیں۔“ پھر انہوں نے اپنی منطقیانہ شان سے جو سوالات کئے اور ان طلبہ کی طرف سے ان کے جوابات دیئے گئے، اس نے ان کے تحیر کو انتہا تک پہنچا دیا۔^۱

اسی دور میں مولانا سید شاہ محمد اسماعیل صاحب استاذ فقہ مدرسہ عالیہ کلکتہ^۲ بھی امتحان کے لئے بلائے گئے تھے، وہ ساری زندگی ان امتحانی مناظر کو فراموش نہ کر سکے، جب ادھر آتے یا یہاں کا کوئی طالب علم مل جاتا تو بہت لطف لے کر اس منظر کو بیان فرماتے تھے۔^۳

امتحانی مظاہرے

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے ایک طرف تدریس اور طلبہ کے جمانے پر پوری توجہ دی، دوسری طرف ناظم صاحب اور مدرس اول حضرت مولانا مبارک کریم کے مشورہ سے طلبہ کے معیار تعلیم اور بدلے ہوئے حالات سے عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کا منصوبہ بنایا، وہ اس طرح کہ امتحان کے مواقع پر شہر کے معززین اور اصحاب علم کو مدرسہ میں مدعو کیا جائے، ان کی ضیافت کا انتظام ہو اور امتحانات و مناقشات کا سارا منظر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے، اور عوام و خواص اپنی آنکھوں سے مدرسہ کی تعلیمی کارکردگی کا مشاہدہ کریں۔

چنانچہ اس منصوبہ کے انتہائی مثبت اثرات مرتب ہوئے، مدرسہ کی عظمت و اہمیت کا احساس دلوں میں بیدار ہوا، لوگوں کی آمد و رفت سے مدرسہ میں چہل چہل رہنے لگی، اصحاب خیر مدرسہ کے تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے، مدرسہ کی مالی حیثیت مستحکم ہوئی، اور لوگوں کی ضیافت (صرف چائے بسکٹ) پر جو معمولی اخراجات ہوتے تھے، اس سے کہیں زیادہ مالی منافع مدرسہ کو حاصل ہونے لگے، اس کا اثر اساتذہ کی تنخواہوں پر بھی پڑا، تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافے کئے گئے، اور خوش دل مزدوروں نے جی جان لگا کر محنت کی اور مدرسہ اپنی تاریخ کے نقطہ ارتقا پر پہنچ گیا، دستار بندی کے جلسے ہونے لگے اور فضلاء مدرسہ کے سروں پر دستار فضیلت باندھی گئی، درس نظامی کے فارغین کو سند تکمیل عطا کی گئی، اور تعلیم کے میدان میں بہار کے خود کفیل ہونے کی

۱- محاسن سجاد ص ۲۱ (خلاصہ) مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۲- بہار شریف کے ایک ممتاز عالم اور بزرگ تھے، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے احوال سے چند سال قبل ان کی وفات ہوئی (محاسن سجاد ص ۲۱) حاشیہ مولانا مسعود غلام ندوی۔

۳- محاسن سجاد ص ۲۱ (خلاصہ) مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

تاریخ ایک بار پھر رقم کی گئی۔^۱

ایک جلسہ دستار بندی

اسی طرح کے ایک جلسہ دستار بندی میں دیگر بہت سے اکابر علماء کے علاوہ الہ آباد کے استاذ العلماء حضرت مولانا منیر الدین الہ آبادی (ناظم مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد و تلمیذ رشید حضرت علامہ مولانا احمد حسن کانپوری) بھی بحیثیت مہمان خصوصی تشریف لائے تھے، اور ان کے خادم کی حیثیت سے مولانا اصغر حسین صاحب (جوان دنوں مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں زیر تعلیم تھے) بھی شریک ہوئے، وہ اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”بہار شریف میں مدرسہ قائم ہونے کے مدتوں بعد یہ پہلا زمین موقع تھا جس میں درس نظامی کے فارغین کو سند تکمیل عطا ہوئی، اور یضاوی شریف میں امتحان لئے جانے کے بعد ان کے سروں پر دستار فضیلت باندھی گئی، اس جلسہ میں عمائدین شہر اور عوام بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے، یہ حضرت سجاد بی کی محنت و کاوش و حسن تعلیم کا نتیجہ تھا۔ خصوصاً عربی پڑھنے والے طلبہ بغیر کانپور، دہلی وغیرہ سے فراغت کئے ہوئے علماء معتبر کی صف میں جگہ نہیں پاتے تھے ایسی صورت میں طلبہ عربی کو فراغت تک پہنچانا یہ حضرت سجاد بی کی کرامت تھی۔“^۲

ممتاز تلامذہ

اس دور کے تلامذہ میں جناب مولانا اصغر حسین صاحب^۳ اور مولانا عبدالرحمن صاحب جوینوری،

۱- محاسن جلد ۲۰، ۲۱ (الفاظ کے فرق کے ساتھ) مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۲- محاسن جلد ۲۱، ۲۲ مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۳- مولانا اصغر حسین صاحب حضرت مولانا سجاد صاحب کے بالکل ابتدائی دور کے تلامذہ میں ہیں، انہوں نے حضرت مولانا کا عہد طاسب علمی بھی دیکھا، اور عہدِ مطلق بھی، عہدِ اہم بھی، اور عہدِ قیادت بھی، آپ کے علمی عہد عروج کے بھی مشاہد رہے اور اپنی وسیاسی دور میں بھی قدم بقدام اپنے استاذِ محترم کے ساتھ ساتھ چلتے رہے، ان کی پیدائش محلہ دیوبند بہار شریف میں شعبان المعظم ۱۳۰۲ھ مطابق مئی ۱۸۸۵ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر اور گاؤں کے مکتب میں تعلیم پوری کی، اس کے بعد مولانا رفیع الدین صاحب زمیندار موضع شکر بنواں کی خدمت میں حاضر ہو کر صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں، پھر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخل ہوئے اور ترقی شریف اور میرزا بد تک میں تعلیم حاصل کی، درمیان میں (۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں) قلعہ کے سال اور ہتزلزل ہوا اور وہ یہاں سے مدرسہ سجانبہ الہ آباد پہنچ گئے، جہاں حضرت مولانا سجاد صاحب پہلے سے ہی درجاتِ علیا میں زیر تعلیم تھے، اور انہیں انہوں نے پہلی مرتبہ مولانا کی عظمت علمی کا مشاہدہ کیا، جو پڑھنے کے زمانے ہی میں پڑ جانے کی شہرت رکھتے تھے، لیکن پھر بعض اسباب کی بنا پر داخلہ سے قبل ہی ان کو وطن مالوف بہار شریف واپس آنا پڑا، اور مدرسہ اسلامیہ ہی میں داخل ہو کر تعلیمی سلسلہ جاری رکھا، ۱۹۰۳ء میں جب حضرت مولانا سجاد صاحب مدرسہ کو مدرسہ اسلامیہ بہار شریف تشریف لائے تو آپ کے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، اور بشمول میرزا بد و ترقی شریف کی کتبوں کا درس آپ سے لیا، اس کے بعد قریب ایک سال مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں حضرت مولانا منیر الدین الہ آبادی کے حلقہ تلمذ میں داخل رہے، اسی دوران مولانا فاروق چریا کوئی سے بھی استفادہ کیا، اور ان سے صدر وغیرہ کتابیں پڑھیں، شوال المکرم ۱۳۲۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور دو سال وہاں رہ کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور دیگر اساتذہ کرام کے زیر سایہ علوم

مولانا حافظ عبد الرحمن صاحب بہارٹی، اور مولانا حکیم شرافت کریم صاحب، برادر خورد، والا، مبارک

→ عالیہ اور حدیث میں سال والکھ میں پیدا کیا، ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں، یوہند سے شرافت کے جد پر کچھ تامل چکے ہیں، پیشیت مدرس تشریف سے گئے لیکن وہیں طبیعت خراب ہو جانے کے باعث ایک دیر بعد وہیں ہی وفات پا گئے، چنانچہ انشاء حضرت (حضرت ابوالحسن) کے ایما پر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف سے وابستہ ہو گئے، اور قریب دو سال تک یہاں ہی علمی خدمات انجام دیں، اور ان میں انہوں نے کورس دیا، وہ اس دور میں حضرت مولانا محمد حجازی خاں صاحب نے ریاست میں درجہ العزب ۱۳۳۰ھ مطابق جون ۱۹۱۲ء میں حضرت مولانا کی اجازت سے مدرسہ اسلامیہ شریف میں پڑھنے کی ملازمت اختیار کر لی، ۲۰ جنوری ۱۹۳۰ء سے ۲ نومبر ۱۹۳۲ء (۲۰ شوال ۱۳۵۲ھ) ۲۶ درجہ العزب ۱۳۵۳ھ (۲۶ مارچ ۱۹۳۴ء) میں مدرسہ شریف الہدیٰ کے کنگل پرنسپل رہے، پھر مولانا محسن الدین ندوی پرنسپل مدرسہ کے وہاں نے بعد ۱۱ مارچ ۱۹۳۴ء سے ۲۵ دسمبر ۱۹۳۶ء تک (۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ تا ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ) کنگل پرنسپل رہے، اگرچہ جنوری ۱۹۳۲ء (۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ) کو پرنسپل کے عہد پر فائز ہوئے، اور ۱۵ مئی ۱۹۳۸ء (۱۶ درجہ العزب ۱۳۶۱ھ) کو پرنسپل کے عہد سے سبکدوش ہوئے، اور ۱۹۳۸ء میں حضرت مولانا محمد حجاز صاحب کی قیادت میں محسن محمد یہ پڑھنے والی کے عہد پر فائز ہوئے۔

→ کے سامعین صاحب قلم اور اپنے استاد کے وفادار کے سچے طلبہ دار تھے، بقول آپ کے شاگرد رشید مولانا ابو سلیمان شیخ بہارٹی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۵ء، ۱۱ مئی ۱۹۹۵ء) حضرت صاحب نے قرآنی شریف کو کافی توجہ نظر سے دیکھ کر آپ کے سے سوال وجواب کے سلسلے پر دو جلدوں میں عربی زبان میں ایک شرح "نزل الشوئی" کے نام سے لکھی تھی، جس کی پہلی جلد طبیعت سے سچے ہیں کہ اس کا ایک نسخہ مدرسہ قومیہ قلعہ شیخانہ بہار شریف کے سب سے بڑے مولانا محمد بنیاد عالمہ رشید رضا مسعودی کی تفسیر امتداد کا ترجمہ نسخہ بھی شائع کیا تھا، جس کی ایک جلد شائع ہوئی اس میں مقدمہ اور ابتدائی مباحث تھے، اور مباحث حرم کے نام سے حرم شریف کا ترجمہ بھی لکھا تھا جو شائع ہوا تھا۔

→ ملازمت سے ریٹائر ہوئے کے بعد اپنے وطن بہار شریف میں رحمت و صلوات کے کاموں میں مصروف رہے، اور ایک ماہ کے بعد ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کو قلعہ خوالہ بہار شریف میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (ان شاء اللہ تعالیٰ) جو اس نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۹ء میں کاشمیر کے مضمحلین کے لئے کیا، اور مولانا ابو سلیمان شیخ یہی تھے ۲۸ مرتبہ مولانا رشید احمد غفرانی شائع کردہ اور ترجمہ و تالیف، سرسید احمد روضہ الفت، ۲۰۰۹ء، مرکز سرو قلعہ، وہی روضہ مولانا ابوالکلام اشرفی سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شریف پڑھنے والے ۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۸ء، جامعہ اسلامیہ قاسمیہ، بلا تاجو سیتا سراجی، ۱۹۹۵ء، ان وفات میں کسی صورت کی تاریخیں ذکر کی گئی ہیں، امیر نے خیال سے اس میں سبب ہوا ہے، میں نے مختلف تاریخ پر غور و تحقیق کے بعد مدرسہ خوالہ تاریخ رقم کی ہے۔

→ حیدر رحمت گدائی میں ماضی کان پاک طبیعت رہا

۱- آپ مولانا عبد الحسین صاحب نے، محمد دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اور مدرسہ اسلامیہ شریف میں مدرس ہوئے، اور شیخ رہے، یہ مقدمہ دار علوم، امیر الرحمن جو پوری نے مختلف شخصیت ہیں، مولانا زکریا قاسمی صاحب نے انہوں کو ایک ساتھ کیا ہے۔ (محاسن حجازی ۱۳ مضمون ۱۱۵۰ ذکر کیا عالمی ندوی صاحب)

۲- مولانا حکیم شرافت کریم صاحب نے لکھی تھی، اور درجہ العزب ۱۳۶۰ء میں مولانا حیدر کریم قلعہ خوالہ بہار شریف ضلع مالوہ میں تھے، مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں ریاست کی تعلیمی اور انتظامیہ سے تعلق رکھتے تھے، اور ریاست سے شرافت کے بعد آپ نے لکھے، اور ۱۹۱۲ء (۱۳۳۰ھ) میں تحصیل الطالب کاغذ لکھنے میں مصروف تھے، ان کے بعد تالیف و تالیف میں مطلب کرنے لگے، ابتدائی دور میں شریعت و فقہ میں گذر کر ان سب معاش کے مختلف پیشگیوں میں، آپ کو کمالی اور رشید بہاری میں بھی بہار شریف، مدرسہ دیوبند پر کئی بہاری کرتے، وراقی سے گذر کر موت کرتے، کئی مضمون لکھتے، گھڑی مرست کرتے، ان سب صاحب کو کفار کو بھی بہت شوق تھا، چڑیوں کے کفار کے لئے بدوق لے کر دیوبند تک لکھا، تقدیر سے ہم ورثی بڑے خود دار آدمی تھے، ان کی زمین ہائید اوسا میں نہ کر سکے، کیونکہ اس میں لوگوں کی خوشامد کرنی پڑتی، آپ کا شبخ بہت اچھا تھا، طلبہ و ریاست کی آج بھی کافی تعداد میں ہیں، ان سب ضلع میں، قدیم مولانا حجازی کے تحت چاند تھے، مگر ماضی سے معاش کرتے تھے، شافعی مالک حکیم محمد ساقی صاحب آپ کے سب سے بڑے دوستوں میں تھے، ۱۹۳۵ء، ۱۳۵۳ھ انہیں اتھارن لکھا، ۱۰ مارچ ۱۹۳۵ء، ۱۲۵۰ھ، خیمہ محمدیہ، راجن صاحب سابق پرنسپل اور ان کے بیٹے ۱۹۸۰ء)۔

(نوٹ) ایک یہاں ایک بڑی تعلیمی پمپتھ لرن ٹیروسی ہے کہ تاریخ اوسا بہار کے مرتب نے مولانا شرافت کریم صاحب کو صوفی احمد حجاز صاحب برادر بزرگ حضرت مولانا محمد حجاز صاحب برادر حضرت مولانا عبد الغفور آصفی پوری کا ہم حق قرین کیا ہے، یہ مصنف سے سبب ہوا، ان دونوں بڑوں نے ہم درس آپ کے بڑے جانی مولانا مبارک کریم صاحب تھے، ان کے مولانا شرافت کریم صاحب، ان دونوں کی وفات مولانا شرافت کریم سے بہت قبل ہوئی تھی۔

کریم صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔^۱

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں بحیثیت نائب صدر مدرس تقرر

مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں حضرت مولانا سجاد صاحب کے قیام کو ابھی صرف تین سال ہوئے تھے کہ حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادی نے اپنے مدرسہ کی شدید ضرورت کے پیش نظر آپ کو الہ آباد طلب فرمایا اور آپ تعمیل حکم میں الہ آباد شریف لے گئے، یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۰۷ء کو مدرسہ سبحانیہ میں بحیثیت نائب مدرس اول (نائب صدر المدرسین) آپ کا تقرر عمل میں آیا۔^۲

مدرسہ سبحانیہ میں براہ راست نائب صدر المدرسین کے عہدہ پر تقرر بجائے خود آپ کی علمی قابیلیت اور حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادی کے نزدیک بے انتہا اعتماد و استناد کی دلیل ہے، مدرسہ سبحانیہ کی اس زمانہ میں جوشن تھی، اور الہ آباد کی علمی تاریخ میں اس کا جو مقام تھا، اس کے پیش نظر اسی مدرسہ کے ایک پروردہ طالب علم کا نائب صدر مدرس کے عہدہ پر راست فائز ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی، لیکن حضرت مولانا سجاد صاحب کا تدریسی جوہر چونکہ الہ آباد کے زمانہ طالب علمی ہی میں سامنے آچکا تھا اور آپ کی تفہیم و تعلیم کا سہہ پڑھنے کے زمانے ہی میں بیٹھ چکا تھا، اس لئے کسی منتہی سے منتہی جماعت کی کتاب آپ کے حوالہ کرنے میں کسی تامل کی بات نہیں تھی، لیکن جہاں تک انتظامی صلاحیت کی بات ہے تو مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں جو خوشگوار تبدیلیاں آپ کے دم قدم سے پیدا ہوئی تھیں، حضرت مولانا عبدالکافی صاحب یقیناً ان سے بے خبر نہیں تھے، بلکہ ان کی جلی کے پیچھے عجب نہیں کہ یہ بھی اس کا بڑا محرک رہا ہو۔

بہر حال حضرت مولانا سجاد صاحب نے الہ آباد میں اپنا کام اسی شان کے مطابق شروع فرمایا، جس کی آپ کے اساتذہ اور مدرسہ کے ذمہ داروں کو توقع تھی، تھوڑے ہی دنوں میں مدرسہ کی شہرت اور نیک نامی میں اضافہ ہوا، اور طلبہ کا رجوع عام شروع ہو گیا، الہ آباد اور اطراف ہی سے نہیں بلکہ کانپور جیسے علمی مراکز سے بھی طلبہ کھینچ کھینچ کر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کی طرف آنے لگے،

۱- محاسن سجادیں ۱۲ مضمون مولانا زکریا غامی ندوی صاحب۔

۲- محاسن سجادیں ۵ مضمون مولانا حافظ عبدالکیم نوکانوی جس ۱۳ مضمون مولانا محمد زکریا غامی ندوی، حیات سجادیں ۱۰ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

اور یہیں سے سند فراغت بھی حاصل کرنے لگے، مولانا سید منت اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

”جب مولانا بہار شریف سے مدرسہ بحانیہ اندا آباد شریف لے گئے تو چند ہی دنوں کے بعد آپ کے درس کا ایسا چرچا ہوا کہ طلبہ کانپور چھوڑ کر اندا آباد آنے لگے، باوجودیکہ کانپور میں اچھے فضلا موجود تھے۔“^۱

یہی وہ دور ہے جب مولانا عبدالحکیم اوگانوی صاحب کانپور میں زیر تعلیم تھے، اور مولانا کی شہرت سن کر اندا آباد چلے آئے تھے، خود لکھتے ہیں کہ:

”میں اس زمانے میں کانپور میں پڑھتا تھا، جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا اندا آباد شریف لے آئے ہیں تو میں کانپور سے اندا آباد چلا آیا اور مولانا کے مسئلہ تلمذ میں داخل ہو گیا، اور اپنی بقیہ کتابیں مولانا ہی سے تمام کیں، اس لئے آج مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں مولانا کا شاگرد ہوں اگرچہ حقیر اور کمترین ہوں۔“^۲

مولانا عبدالحکیم صاحب نے کانپور سے قبل حضرت مولانا سجاد کا ذکر ضرور سنا ہوگا، شاید کہیں ملاقات بھی ہوئی ہو، لیکن آپ سے اخذ و استفادہ کا موقع غالباً نہ ملا تھا، مگر جب وہ کانپور سے آپ کی شہرت سن کر اندا آباد پہنچے، اور آپ کی ہمہ گیر صلاحیت و جامعیت اور علم بے کراں کا مشاہدہ کیا تو محسوس ہوا کہ اگر وہ کانپور چھوڑ کر اندا آباد نہ آتے تو علم کے بڑے باب سے محروم رہ جاتے اس لئے کہ:

”کانپور میں کوئی عالم آپ کے پایہ کا نہ تھا۔ اور اندا آباد میں بھی، بجز مولانا منیر الدین مرحوم اندا آبادی کے کوئی مدرس عالم آپ کا ہمسر نظر نہ آیا۔“^۳

الہ آباد سے بہار شریف واپسی

لیکن الہ آباد میں ابھی صرف چند ماہ ہوئے تھے کہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کی طرف

۱- اس زمانہ میں کانپور کے بڑے مدارس میں دارالعلوم کانپور، مدرسہ فیض عام اور مدرسہ جامع العلوم بہت مشہور تھے، لیکن ان اداروں کی ممتاز اور بڑی شخصیتیں ریخت ہو چکی تھیں، شہر کے سب سے ممتاز عالم و مدرس استاذ الکمل حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں انتقال کر چکے تھے، جو مدرسہ فیض عام، بور دارالعلوم کانپور کے روح رواں تھے، اسی طرح مدرسہ جامع العلوم کی سب سے بافیض شخصیت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں اس شہر کو خیر باد کہہ کر وطن (تھانہ بھون) جا چکے تھے، اس لئے قدرتی طور پر کانپور کے بازار علم کی رونق ماند پڑنے لگی تھی، اور طلبہ اپنے اپنے لحاظ سے تعلیم کے نئے میدانوں کی تلاش میں سرگرواں رہنے لگے تھے۔

۲- حیات عباد ۱۱۔

۳- محاسن سجاد ص ۵، مضمون مولانا ۵، نطق عبدالحکیم اوگانوی۔

۴- محاسن سجاد ص ۵، مضمون مولانا ۵، نطق عبدالحکیم اوگانوی۔

سے آپ کی واپسی کا مطالبہ ہونے لگا، اس لئے کہ آپ کی سعی جمیل سے مدرسہ کا جو تعلیمی معیار قائم ہوا تھا، وہ اضمحلال کا شکار ہونے لگا تھا، چنانچہ ذمہ داران مدرسہ کے بے حد اصرار پر چار ماہ کے بعد ہی (جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ / جون ۱۹۰۷ء میں) آپ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف واپس تشریف لے آئے، اور پھر ڈیڑھ سال یہاں خدمت انجام دی۔

دوبارہ بہار شریف سے الہ آباد - تعلیمی سلسلہ کا عہد زریں

ڈیڑھ سال کے بعد اہل الہ آباد کے مسلسل اصرار پر ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۰۸ء میں آپ دوبارہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں اپنی ذمہ داریوں پر واپس تشریف لے گئے، اور مسلسل ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء تک یہیں خدمت انجام دی، اس دوران آپ نے انہی تعلیمی خطوط کو تسلسل بنیاداً جو آپ نے ایک ڈیڑھ سال قبل قائم کئے تھے، اور مدرسہ کی نیک نامی اور علمی مرکزیت کو اپنے نقطہ عروج تک پہنچایا۔

الہ آباد میں آپ کا قیام تقریباً چار سال رہا، جو آپ کی تعلیمی و تدریسی زندگی کا نہایت شاندار دور ہے، الہ آباد میں آپ نے جملہ علوم و فنون کی کتابوں کا درس دیا، بالخصوص منطق و فلسفہ، بلاغت، علم ادب اور فقہ اسلامی کے اسباق نے شہرت و اہم حاصل کی۔^۱

الہ آباد میں بحیثیت مفتی شہر

الہ آباد میں کتب فقہ کی تدریس کے علاوہ کارافتا بھی آپ کے ذمہ تھا، مدرسہ سبحانیہ کے اسی دور کے طالب علم اور حضرت مولانا محمد سجاد کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالحمد رحمانی کے بیان کے مطابق:

”آمژدن کے بھانے کے بعد کتب خانہ میں جو دارالحدیث کے بچے کی منزل میں تھا تشریف لے آتے، اور اہم استفادہ کا جواب تحریر فرماتے تھے۔“^۲

اسلامی قانون کی تشریح و تفہیم میں آپ کو کمال حاصل تھا، فقہی مسائل میں الہ آباد میں آپ کو ایک مرجع کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، اسی لئے جب آپ الہ آباد سے مستقل طور پر رخصت ہونے لگے، تو وہی مکرین اور روساء شہر کی ایک بڑی جماعت اسٹیشن تک آپ کو رخصت کرنے کے

۱- محسن الہدیٰ ص ۵۵ مضمون مولانا حافظ عبدالحکیم اوکا ٹوٹی۔

۲- حیات سجاد ص ۵۰ سمریہ: مولانا عبدالحمد رحمانی۔

لئے آئی اور ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ:
”آج الہ آباد سے ”فخر رخصت ہو رہی ہے۔“

الہ آباد میں آپ کے طریقہ تعلیم کی شہرت

آپ کے طرز تعلیم اور اسلوب درس سے متاثر ہو کر ایک ذہین ترین شیعہ رئیس زادہ زاہد حسین خان دریا آبادی^۱ (جو علم ریاضی کے لئے سارے ہندوستان کی خاک چھان چکا تھا، لیکن کہیں اسے اطمینان حاصل نہیں ہوا تھا) بھی آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوا، وہ انگریزی زبان اور علوم عصریہ سے خوب واقف تھے، لیکن علوم معقولات اور ریاضی کے لئے اسے کسی استاذ کامل کی تلاش تھی وہ حضرت مولانا سجاد کی شکل میں اسے مل گیا، وہ حضرت مولانا کی شخصیت، آپ کے طریقہ تعلیم اور علم کی گہرائی سے بے انتہا متاثر ہوا، وہ نہایت اہتمام اور عقیدت کے ساتھ آپ کے در دولت پر حاضر ہوتا تھا^۲، اس منظر کے معنی شاہد جناب قاری یوسف حسن خان صاحب^۳ (جو اس وقت مدرسہ سبحانیہ میں زیر تعلیم تھے) لکھتے ہیں کہ:

”دوران قیام ایک شیعہ رئیس زادہ مولانا سے ریاضی پڑھنے آتا تھا، وہ سارے ہندوستان کی خاک چھان چکا تھا، لیکن کہیں اس کی کھچی نہیں ہوئی، آخر میں وہ مولانا کے طریقہ تعلیم پر فریفتہ ہو گیا اور باوجود رئیس زادہ ہونے کے برابر مولانا کی خدمت میں قیام گاہ پر تعلیم حاصل کرتا تھا، اور اس کے والدین مولانا کو بچیس روپے دیا کرتے تھے مولانا اس سے روپے لے کر طلبہ کی ذات میں کل کا خرچ کر دیا کرتے تھے اور اپنے لئے ایک پیسہ بھی نہیں رکھتے تھے۔“^۴

الہ آباد میں آپ کی وجہ سے بہار کے طلبہ کی بھی بڑی تعداد رہتی تھی، مولانا عبدالصمد رحمانی کے بقول جب وہ کانپور سے الہ آباد حصول تعلیم کی غرض سے پہنچے تو ”مدرسہ سبحانیہ کا دارالطلبہ بہار کا ایک گاؤں معلوم ہوتا تھا۔“^۵

۱- حیات سجاد ص ۳۵ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۷۶ محاسن سجاد ص ۳۲ مضمون مولانا حافظ قاری حکیم یوسف حسن خان صاحب بہار شریف۔

۲- دریا آباد الہ آباد کا ایک محلہ ہے (حیات سجاد ص ۱۲)

۳- حیات سجاد ص ۳۰ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۱۲ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۴- محاسن سجاد ص ۳۲ مضمون مولانا حافظ قاری حکیم یوسف حسن خان صاحب بہار شریف۔

۵- حیات سجاد ص ۲۷۔

ممتاز تلامذہ

یہاں جن تلامذہ نے آپ سے فیض پایا ان میں حضرت مولانا عبدالغفور گاناوی، حضرت

مولانا عبدالغفور گاناوی ضلع پٹنہ کے ایک مشہور عالم اور گاناوی کے تلامذہ تھے، ان کے بعد مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔

آپ کی شاگردی میں مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔

۱۳۶۹ھ (۱۹۴۸ء) میں جب مملکت اسلامیہ حضرت مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔

درس لکھنے کے بعد اس نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔

زمینی بھر میں علم و ہنر کے رکن رہے۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔

حضرت مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔

ان کا انتقال حضرت مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفور گاناوی نے اپنے علمی اور مذہبی خدمات کو جاری رکھا۔

مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا قاری حکیم یوسف حسن خان صاحب^۲ اور مولانا فضل الکریم صاحب^۳ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مولانا عبدالصمد رحمانی کی ولادت ۱۳۰۰ فصلی (۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۰۹ھ) میں قصبہ بازہ (ضلع بیگوسرائے) کے ایک گاؤں "بازید پور" میں ہوئی، شادی کے بعد اپنی سسرال ماندڑ (ضلع کنگڑ یا بہار) منتقل ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، عربی کی تعلیم ہدایہ النور کی جماعت تک، مولانا حکیم محمد صدیق صاحب سے حاصل کی، اس سے آگے کی تعلیم کے لئے ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں کانپور حاضر ہوئے اور مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا، لیکن وہاں جی نہیں لگا، اور بالاقامے ربانی اللہ آباد چلے آئے اور مدرسہ سحانیہ میں حضرت مولانا محمد سجاد کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، یہاں کے بعد دیوبند تشریف لے گئے، اور ۱۳۳۲ھ یا ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، علم باطن کے لئے قصبہ عالم حضرت مولانا محمد علی موگیری سے رجوع فرمایا اور کسب کمال کیا، حضرت موگیری کیساتھ ردقائدیائیت اور رد آریہ سانج اور رد عیسائیت کی تحریکوں میں فطری شغف رہے، اور کتب میں تصنیف کیں، رد آریہ سانج میں بارہ (۱۲) رسالے لکھے، جن میں "وید کا بھید" اور "آریہ دھرم کا انصاف" بہت مقبول ہوئے۔

ابتداء میں عموم معقولہ کی طرف زیادہ رجحان تھا، چنانچہ حضرت موگیری سے بیعت کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ صوبہ سرحد میں کامل سے قریب "غور غشتی" گاؤں میں علامہ شمس الحق معقولی رہتے ہیں جو معقولات کے امام مانے جاتے ہیں، بس خدوشی کے ساتھ حضرت شیخ کی اجازت و اطلاع کے بغیر غور غشتی چلے گئے، اور امام المعقولات سے منطق و فلسفہ کی بعض کتابوں کا درس لیا، واپسی پر ایک دن ڈرتے ڈرتے حضرت موگیری سے اس کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" اس سے کیا حاصل؟ معقولی کے مزار پر جا کے دیکھو تار کی محسوس ہوگی، اور ایک محدث یا فقیہ کی قبر پر جو فانوار ہی اوار نظر آئیں گے، حضرت کی اس تنبیہ سے ذہن بدل گیا اور پھر ساری توجہ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی پر مرکوز ہو گئی۔

مولانا رحمانی نے کچھ دنوں انجمن حمایت اسلام موگیری میں دینی خدمات انجام دیں، جامع مسجد موگیری کے امام بھی رہے، آپ کی امامت کے زمانہ میں موگیری کے تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور سمجھنے کا خاص ذوق پیدا ہو گیا تھا، موگیروالوں میں انجمنی تقریریں اور تحریریں سننے اور پڑھنے کا مزاج اور دینی مذاق آپ ہی کی سعی جمیل کا ثمرہ ہے، اسی زمانے میں امیر شریعت رانی مولانا سید منت اللہ رحمانی نے صرف و نحو اور منطق کی بعض کتابیں مولانا سے پڑھیں۔

۱۹۲۷ء میں جب معدرہ جمالی قائم ہوا تو آپ اس سے وابستہ ہو گئے، اور عرصہ تک وہاں مدرس رہے۔۔۔ بہت زمانہ تک خانقاہ رحمانی موگیری سے شائع ہونے والے اسی ماہنامہ "الجامعہ" کے مدیر بھی رہے۔

۱۹۳۷ء میں مولانا محمد سجاد کی سی سی جماعت "مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی" کے دفتر کے ذمہ دار اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اہلال پٹنہ جو انڈی پنڈنٹ پارٹی کا تربیان تھا مولانا مسعود عالم ندوی کے ساتھ اس کے مدیر بھی رہے۔

۱۹۹۰ء میں جمیہ علماء ہند کی سول: فرمانی تحریک کے موقع پر جب اکابر جمیہ گرفتار کر لئے گئے تھے تو جمیہ علماء ہند کے ناظم اور مرکزی دفتر کے ذمہ دار اعلیٰ بنائے گئے۔ حضرت موگیری کے وصال کے بعد اپنے استاد محترم حضرت مولانا محمد سجاد کی خواہش پر موگیری سے پھلواری شریف منتقل ہو گئے، اور امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر کے نگران اعلیٰ مقرر ہوئے، اور اپنی پوری زندگی امارت شرعیہ کی تعمیر و ترقی اور علوم سجاد کی تشریح و ترجمانی کے لئے وقف کر دی۔ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا سجاد کے وصال کے بعد امیر شریعت بنی حضرت مولانا شاہ محمد الدین پھلواری نے آپ کو نائب امیر شریعت ثانی نامزد فرمایا۔

مولانا عبدالصمد رحمانی نے اپنی کتابوں اور خدمات کے ذریعہ امارت شرعیہ کا وقار بڑھایا، بنی امارت کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کی، بہت سے مختلف فیہ مسائل پر یادگار علمی تحریریں چھوڑیں، آپ ایک عظیم محقق اور نقیب تھے، فقہ و فتاویٰ اور اصول فقہ میں اپنے دور میں فرزند تھے، بقول فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی محمد الاسلام قاضی "قاضی القضاۃ امارت شرعیہ: معقولات و منقولات دونوں میں ید طولی رکھتے تھے، دینیات کے متبحر عالم، مسائل پر بڑی وسیع اور گہری نظر تھی اسلام کے اجتماعی نظام اور فقہ کے اصولوں بڑی اچھی نگاہ تھی، فقہ اسلامی پر ہندوستان کے علمی و دینی حلقہ میں آپ کا منفرد اور ممتاز مقام تھا، فقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال تھے، اور اس میں ہندوستان گیر شہرت رکھتے تھے۔" (کتاب الفح و التفریق، مصنفہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی پر حضرت مولانا قاضی محمد الاسلام قاضی کا مقدمہ ص ۱۸، ۱۹ شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳،

→ سب کی تصانیف کی تعداد تقریباً سو (۱۰۰) ہے، ان میں حیات سجادہ، تفسیر القرآن، ہندوستان اور مسئلہ امارت، قرآن مجسم، کتاب العشر والآخر، تاریخ امارت، کتاب القضاء، کتاب الفخ والافتخ، غیر مسلموں کے جان و مال کے متعلق اسلامی نقطہ نظر، اور تفسیر عالم و بزرگی شہرت حاصل ہوئی۔

تفسیر عالم زندگی کے مجدد آخری تصنیف ہے، حضرت مولانا قاضی محمد اسلام آباد کی تحریر فرماتے ہیں: ”مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نے اپنے اخیر زمانے میں حضرت اقدس محمد رسول خلیفہ کی سوانح پر ایک خاص جہت سے قصہ اٹھایا اور خوب لکھا، خانقاہ مولگیری کے کتب خانہ میں بیچ کر لکھتے تھے، اور دب تنگ کر باہر نکلتے تو کبھی کبھی مالدار شہلی کا یہ قلعہ پرستے:

مجم کی مدح کی عباسیوں کی داستان کبھی مجھے چندے میں آستان غیر ہوتا تھا

مگر اب لکھ رہا ہوں میرے تفسیر حسنات خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ باخیر ہوتا تھا

۱۰۔ اربعہ، ثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء بروز دوشنبہ گیارہ بجے دن میں خانقاہ درمائی مولگیری میں وفات پائی، مزار مبارک خانقاہ رحمانی کے قبرستان میں ہے (کتاب الفخ والافتخ، حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی: تذکرہ علماء بہار ص ۱۸۲، ۱۸۵ مؤلف مولانا ابوالکلام قاسمی: حضرت مولانا ابو الحجاز محمد سجادہ حیات و خدمات ص ۵۰۱، ۵۰۳، ۵۰۴ مضمون مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب، ناشر مکتبہ امارت شریعہ پبلواری شریف پٹنہ ۲۰۰۳)

۲۔ مولانا حکیم حافظ قاری یوسف حسن خان صاحب بہار شریف کے جنوب میں حبشہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر ”بزرگڑ گاؤں“ کے رہنے والے تھے، آپ کے والدہ جد حضرت مولانا ابی بخش خان سورجی حبیب خان سوری کی ولادہ میں تھے، ان کا سلسلہ نسب حبیب خان سوری سے آٹھ واسطوں سے ملتا ہے، مولانا ابی بخش اپنے وقت کے ممتاز اہل حدیث عالم اور بیسیوں کتاب کے مصنف تھے، عربی و فارسی زبان و ادب میں کامل و دستگاہ رکھتے تھے، ان کا شمار اپنے وقت کے سادہ نگار میں تھا، تفسیر و نقد میں خاص مقام رکھتے تھے، تصنیف و ایف کا خاص ذوق تھا، کثیر تصانیف علماء میں شمار ہوتے تھے، کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، حضرت مولانا شمس الحق دیکانوی شارح ابوالکلام حضرت مولانا عبد اللہ مازنی پوری، شمس العلماء مولانا محمد حسن بہاری جیسے فاضلین کے ہم عصر تھے، بزرگان صادقہ کی کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ صفائی کی مشارق الانوار کی ترتیب و تہہ بہہ تہہ ساری ان کا اہم کارنامہ ہے، فخر کی نماز میں بارگاہ خداوندی میں سر بسجود تھے، ان کی روح نقس غصہ سے پرواز کر گئی، ان کا مزار بڑا کر ضلع نالندہ میں ہے۔

۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں بڑا کر ضلع نالندہ میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے حاصل کی، حافظ عبد اللہ صاحب (سابق پیش نام باغ مسجد بہار شریف) کے پاس تین برس میں حفظ مکمل کیا، پھر ابتدائی عربی فارسی کتابیں اور پڑھتے۔ طاعت اپنے والد ماجد سے پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخل ہوئے، خان بہادر مولانا مبارک کریم صاحب سے مرقاۃ، شرح تہذیب اور مولانا الصغر حسین صاحب سے شرح وقایہ اور ابوالکلام دہلوی کے کتب میں رہتے ہوئے انہوں نے الہ آباد میں حضرت ابو الحجاز مولانا محمد سجادہ کے درس کی شہرت سنی اور ان سے پڑھنے کے لئے آتش شوق بھڑک اٹھی، اور والدہ ماجد سے الہ آباد بھیجنے کے لئے مصر کر دی، چنانچہ ان کے والد ماجد نے حضرت مولانا سجادہ سے مراسلت کے بعد صاحبہ اپنے والدہ آباد جانے کی اجازت دے دی، اور آپ نے مدرسہ المظفر ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو مدرسہ سجادہ الہ آباد پہنچے اور حضرت مولانا محمد سجادہ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، اور باقی تمام درسی کتابیں آپ ہی کے پاس پڑھیں، نون تجوید کے لئے حضرت مولانا سجادہ صاحب نے مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں استاد القراء، قاری عبد الرحمن مبارک کی کے پاس ان کا مظہر ماہیا تھا، تجوید مکمل کرنے کے بعد وہیں گئے، اور (خالہ) حضرت مولانا مفتی کنایت اللہ صاحب کے پاس مدرسہ امینیہ سے ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء (۱۸ شعبان ۱۳۳۱ھ) کو سند فراغت حاصل کی، جلدیہ دستار بندی میں اکابر علماء کے علاوہ حضرت حکیم امانت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے بھی شرکت فرمائی، اور آپ کے دست مبارک سے سند و دستار عطا ہوئی۔

عوام دینیہ سے فراغت کے بعد آپ یونانی میڈیکل کالج الہ آباد کے بانی حکیم محمد حسین صاحب الہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین برس میں ہم صوبہ کا نائب مکمل کیا، پھر وطن واپس ہوئے، ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) میں بہار شریف میں اپنا منصب شروع کیا، جو فروری ۱۹۸۱ء تک یعنی ترستھ (۶۳) برس تک بڑی آپ و تاب سے چلتا رہا۔

۱۸ فروری ۱۹۱۹ء مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۰۱ء میں قصبہ العلوم حضرت مولانا شاہ محمد می مولگیری سے بیعت ہوئے، اور انعام پتار، بطلان فقہ درمائی سے برقرار رکھا۔

(دور ثالث)

تدریس بہ عہد اہتمام زمانہ قیام گیا

(۱۳۲۹ھ تا ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۳ء بارہ (۱۲) سال)

الہ آباد سے گیا تشریف آوری

تدریس کا تیسرا دور زمانہ قیام گیا سے متعلق ہے اور مسلسل بارہ (۱۲) سالوں پر محیط ہے، اور اس پورے دور میں مدرسہ کے اہتمام و انتظام اور دیگر کئی فی قومی ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت مولانا محمد سجادؒ نے درسی خدمات انجام دی ہیں، یہ بے حد ہما بھی اور مصروفیت کا دور تھا، اسی دور میں حضرت مولانا سجادؒ کی ایک شخصیت سے دوسری شخصیت برآمد ہوئی، یہ انقلابات کا دور تھا، ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی اور حضرت ابوالحسنؒ کے فکر و خیال میں بھی ارتعاش برپا تھا، ایک پرست سے دوسری پرست نکل رہی تھی، لیکن ان حالات میں بھی مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے اندر کا مدرسہ پورے آب و تاب کے ساتھ جموہ گر تھا، اور انہوں نے اپنا وری اشتغال اور افراد سازی کا عمل برقرار رکھا تھا۔

→ ۱۹۳۵ء (۱۳۵۳ھ) میں حکومت نے ڈسٹرکٹ بورڈ کی ڈسٹریکٹ بورڈ کے معائنہ کے لئے آپ کو انسپیکٹر مقرر کیا۔ ۱۹۶۸ء میں انجمن اعلیٰ محبوب بہار کے نائب صدر منتخب ہوئے، اور انجمن اعلیٰ بنگالہ کی صدرات آپ کو نمائندگی کی گئی، گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ کی گورننگ باڈی کے غرض تک ممبر ہے، اور انگریزوں کی حیثیت سے انگریز گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ میں بلائے جاتے تھے، مدرسہ اس میں بہادر شریف کے حرمہ وراثت مہتمم رہے، ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۲ء آپ پیشی اسکول بہار شریف کے سربراہی رہے، غرض تک بہادر شریف کے گھر میں کے بھی سکریٹری رہے، انگریزی اور ہندی میں بھی غور رکھتے تھے، آپ نے حکیم کی حیثیت سے بھی بڑی شہرت حاصل کی، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں "فرمانبردار عورت"، "سربہ صحت"، "اور" "اساتذہ سابقین" (ہندی) قابل ذکر ہیں۔

۱۲ دفروری ۱۹۸۱ء (۱۱ رجب الثانی ۱۴۰۱ھ) کو انھوں (۸۸) سال کی عمر میں شام پانچ بج کر ۵ منٹ پر بہادر شریف میں وفات پائی (محسن سجاد صاحبؒ ۲۳۰۶۳۰ مضمون مولانا قاری یوسف حسن خان صاحب مع حواشی مولانا مسعود ممدوئی رحمہ اللہ، تذکرہ اعلیٰ بہار ج ۳ ص ۲۳۳ تا ۲۳۸ مولانا حکیم احمد ابراہیم صاحب سابق پروفیسر کونولٹ طبی کالج پٹنہ، ۱۹۸۶ء)

۳- علامہ سید مناظر حسن گیلانی نے اپنے مضمون "ارثاء" میں اپنے ایک رفیق درس (نائب راجپوتانہ کے زمانہ تعلیم کے) مولانا فضل انگریز کا ذکر کیا ہے جن کو کثرتِ کلام کی بنا پر امام معقولہ حضرت مولانا حکیم برکات ممد بہاری نے "بائشیر" کا خطاب دیا تھا، وہ بہادر شریف کے محل "نعل پڑ" کے رہنے والے تھے، اور اپنے ہم کے آخر میں اپنے محمد کی نسبت سے "محلہ پڑنی" کہتے تھے، ان کو کبھی الہ آباد میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ سے شرفِ کلمہ حاصل ہوا تھا، اور مولانا کے مضمون عقیدہ تندرہاں میں تھے، یہ بعد میں "سربہ صحت" جامع مسجد کے مدرسہ میں مفتی و مدرس ہوئے، علامہ گیلانی نے ان کا ذکر "مولوی بائشیر" کے نام سے کیا ہے، اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے (حیات سجاد صاحبؒ ۲۰۱۲ء ارسامات گیلانی)

الہ آباد چھوڑنے کے اسباب

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے الہ آباد کیوں ترک کیا؟ اور وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر وہ الہ آباد چھوڑنے پر مجبور ہوئے؟ آپ کے کئی تلامذہ نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے:

☆ مولانا قاری حکیم یوسف حسن خان صاحب ان دنوں وہیں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں زیر تعلیم تھے، انہوں نے اجمال کے ساتھ صرف اتنا لکھا ہے کہ:

”شروع رجب ۱۳۲۹ھ (مطابق ۱۹۱۱ء) میں مولانا مرحوم کو چند ناگزیر واقعات کی بنا پر الہ

آباد چھوڑنا پڑا۔“

ممکن ہے کہ بعض خلاف مزاج واقعات سے مولانا کے دل پر چوٹ پہنچی ہو اور مدارس کے کردار و معیار کے بارے میں آپ کو کچھ مایوسی ہوئی ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

☆ البتہ مولانا کے دوسرے تلمیذ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی بھی ان دنوں الہ آباد میں ہی تھے، انہوں نے کچھ تفصیل کے ساتھ ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے، جس کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

(۱) مولانا ہندوستان کے بدلتے ہوئے پس منظر میں اپنے وسیع تر تعلیمی نظریات کے لئے کسی کھلی تجربہ گاہ کی ضرورت محسوس کرتے تھے، جہاں وہ خود اختیاری کے ساتھ اپنے افکار و نظریات کے تجربات کر سکیں، اور روایت کے ساتھ جدت کو ہم آہنگ کر سکیں، یہ چیز ان کو الہ آباد میں میسر نہیں تھی۔

(۲) دوسرا سبب مدارس کی زبوں حالی اور علمی و اخلاقی معیار کا روز افزوں تنزل تھا، بالخصوص بہار کے مدارس سب سے زیادہ گراؤ کا شکار تھے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے مسلسل مدارس پر محنت کی تھی، اور نسل نو کی تعمیر میں اپنا خون جگر صرف کیا تھا، لیکن مادیت کے غلبہ اور نئے تعلیمی نظام کے نفوذ کی وجہ سے وہ مدارس کے لئے نئے امکانات کی تلاش کی بھی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

☆ مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کئی بہاری طلبہ مولانا کو ایک معیاری اور نمونہ کا مدرسہ قائم کرنے مشورہ دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ جب تک نمونہ عمل کے طور پر آپ کوئی ادارہ قائم نہ کریں گے، آپ کے تعلیمی نظام اور نظریات کی معنویت سمجھ میں نہیں آ سکے گی اور نہ موجودہ مدارس کے لئے کوئی عملی نمونہ سامنے آئے گا، قدرتی طور پر مولانا اس قسم کے تقاضوں

سے متاثر ہوئے اور تعلیمی میدان میں عملی اقدامات کا فیصلہ فرمایا۔^۱

☆ مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے لکھا ہے اس انقلاب کے پیچھے ان عالمی اور ملکی احوال و اطلاعات کا بھی دخل تھا جو حضرت مولانا کے انگریزی داں شاگرد (زاہد حسین خان) کے ذریعہ آپ کو پہنچتی تھیں، وہ انگریزی اخبارات برابر اکڑ سنا تے تھے، جن میں ممالک اسلامیہ کے بارے میں بے حد تشویشناک خبریں ہوتی تھیں، جن سے مولانا کے دل و دماغ بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے، اسی تاثر نے مولانا کے غور و فکر کے موضوع کو بدلا، اور بال و پر کے لئے ایک آزاد آب و ہوا کی تلاش ہوئی، جہاں نئی فکر، نئی ترتیب اور نئے اعتماد کے ساتھ تعلیمی و تربیتی سفر کا آغاز کیا جاسکے، اور یہی ضرورت ان کو الہ آباد سے گیا (بہار) لے گئی۔^۲

ایک جامع مرکز علم و عمل کا منصوبہ

یعنی صرف کسی روایتی مدرسہ کے لئے آپ نے الہ آباد ترک نہیں کیا بلکہ ایک ایسے جامع ادارہ کا منصوبہ لے کر آپ وہاں سے اٹھے جو ہر طرح کی دینی، ملی، قومی اور سیاسی تحریکات کا مرکز بننے کی صلاحیت رکھے، جو ملک و ملت کو ہر صلاحیت کے افراد دے سکے، جو صرف روایتی تعلیم گاہ نہ ہو بلکہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے مناسب رجال کا رتیار کرنے کا کارخانہ ہو، مولانا الہ آباد سے اسی عزم کے ساتھ اٹھے، یہ محض ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ کی طرف منتقلی نہیں تھی، بلکہ تاریخ کے ایک دور سے دوسرے دور کی طرف انتقال اور ماضی سے مستقبل کی طرف کا ایک سفر ارتقا تھا۔

۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء کے رجب کا آغاز تھا جب حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادیؒ کے مشورہ اور اجازت سے آپ نے الہ آباد ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔^۳

مگر کیا جانے سے قبل آپ نے پہلے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک دو فیری وفد وہاں روانہ

۱- حیات سجاد ص ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱

فرمایا، جس میں آپ کے دو تلامذہ مولانا عبدالصمد رحمانی اور مولانا احمد اللہ صاحب آنگلو کی شامل تھے، ان حضرات نے پورے شہر کا دورہ کیا، ایک ایک محلے میں گئے، خواص اور رؤسائے شہر سے ملاقاتیں کیں، مولانا کے منصوبوں سے ان کو آگاہ کیا، ان کی آراء اور ممکنہ تعاون کا جائزہ لیا، اور بالآخر ایک مکان کو من سب سمجھ کر اس پر نشان انتخاب ڈال دیا، اور وہیں سے مولانا کو (غائباً ذاک سے) تحریری رپورٹ ارسال کر دی، رپورٹ ملنے کے پندرہ بیس (۲۰) دن کے بعد حضرت مولانا سہاؤ کے قافلہ نے جس میں بہار کے پندرہ بیس طلبہ بھی شامل تھے الہ آباد سے گیا کی طرف کوچ کیا، الہ آباد اسٹیشن پر آپ کو الوداع کہنے والوں کا جھوم تھا، جس میں بڑی تعداد شہر کے رؤساء اور علمائین کی تھی، سب نے نم آنکھوں کے ساتھ آپ کو رخصت کیا اور آپ وائل شعبان ۱۳۲۹ھ مطابق اگست ۱۹۱۱ء میں بذریعہ ٹرین شہر گیا جوہ افروز ہوئے۔^۲

گیا کا تاریخی پس منظر

”گیا“ بہار کا انتہائی قدیم تاریخی اور افسانوی اہمیت کا حامل شہر ہے، اس کا ذکر ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں رامائن اور مہابھارت وغیرہ میں بھی ملتا ہے، یہ بہار کے بڑے سیاحتی مقامات میں سے ایک ہے۔ گیا بہار کا دوسرا بڑا شہر ہے، جو دریائے فالگو کے کنارے پر آباد ہے، یہ چین، ہندو، اور بودھ تینوں مذاہب کے لئے ایک مقدس مقام کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ تین جانب میں چھوٹی پہاڑیوں (مٹکا - گوروڑی، شیرا - شانان، رام - شیا اور برہمونی) سے گھرا ہوا ہے، اور چوتھی (شرقی)

۱- مولانا سید احمد اللہ ندوی صاحب آٹک - ضلع گیا کے رہنے والے تھے، ان کی ولادت گیا کے ایک محلہ ”مراہ پور“ میں ۱۸۹۳ء (۱۳۱۰ھ) میں ہوئی، آپ کی نابینا بہار شریف تھی، آپ کے مورث اعلیٰ حضرت آدھ صوفی (م - ۶۹ھ) موضع عالم پور چٹھلی شریف ہیں، جن کا مزار چٹھلی شریف کچی ورگا کے نام سے مشہور ہے، سلسلہ چشتیہ کی تھی خانقاہ بہار میں آپ ہی نے قائم کی۔

تعلیم کا آغاز ۱۹۰۸ء (۱۳۲۶ھ) میں کیا، کچھ عرصہ کے بعد الہ آباد مدرسہ ستانیہ میں داخل ہوئے، اور حضرت مولانا محمد سہاؤ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، ۱۹۱۱ء (۱۳۳۵ھ) میں ندوۃ العلماء سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ الہیات کا پور اور امرتسر میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، ۱۹۲۲ء (۱۳۳۲ھ) میں دکن چلے گئے اور دائرۃ المعارف سے منسلک ہو گئے، دائرۃ المعارف میں آپ نے حدیث کی مشہور کتاب ”تفسیر تفسیر“ (۱۰) جلدیں، مستدرک کی چار جلدوں میں سے ایک جلد، نیز رجال تاریخ اور طب کی متعدد کتابوں کی تحقیق میں شرکت کی، عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب کی کتاب ”الاحاطۃ فی اہلبار خرافاتہ“ کا ترجمہ کیا، یہ ترجمہ کراچی سے شائع ہو چکا ہے، مصر کے عربی اخبار ”بلاتح“ کا اردو ترجمہ کر کے نایب دکن کو دیا۔

اپنے بھائی نور الدین مدد سے نوزری کی ٹیکس کی کھلی، پھر نظام کی فوج میں ٹیکس داری کا کام کرنے لگے، سقوط حیدر آباد کے بعد قیصری سچ کر کراچی چلے گئے، اور ملک گیر الحی بخش میں دو نوادہ زرخیز لئے، وہیں تذکرہ مسلہ شہرائے بہار کی پہلی جلد شائع کی، نامہ ان کا انتقال نے ۱۹۱۹ء (۱۳۹۹ھ) میں کراچی میں ہوا، اور وہیں مدفون ہیں (تذکرہ علماء بہار ص ۵۲ مولفہ مولانا ابوالکلام عثمینی قاسمی)

۲- حیات سہاویں ۳۶ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی۔

سمت میں دریائے فالگو ہے۔ شہر قدرتی مناظر، اور خوبصورت عمارات سے آراستہ ہے۔^۱ ذرات تاریخ میں اور پیچھے کی طرف جائیں تو گیند دنیا بھر میں لوگوں کے لیے جج کی جگہ تھا اور ہندوستانی برصغیر کی سرحدوں سے بھی پرے وسیع علاقوں پر مشتمل تھا۔ اس مدت میں گینا مگدو علاقے کا حصہ تھا۔ مایا میگدو علاقہ سے بہت سے راجاؤں کے عروج و زوال کی داستانیں وابستہ ہیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک اس پورے خطے کا ثقافتی تاریخ میں ایک اہم مقام رہا ہے، تہذیبی تاریخ میں ایک اہم جگہ حاصل کرنے کے بعد، بھیم بسار کے دور میں گوتم بدھ اور بھجن مہاویر نے اس علاقے کو اپنی رزمگاہ بنایا۔ ناندہ خاندان کی مختصر حکمرانی کے بعد، گینا اور پورے مگدو علاقہ بدھ مت کے اشوک (272 قبل مسیح - 232 قبل مسیح) کے ساتھ موریان کی حکومت کے تحت آ گیا۔

گپت سلطنت کے دوران گینا بہار کا ہیڈ کوارٹر تھا پھر گینا پالی سلطنت کا حصہ بن گیا، مورخین کا خیال یہ ہے کہ بوہیا کا موجودہ مندر گوپال کے بیٹے دھرمپل کے دور میں تعمیر کیا گیا تھا۔ بارہویں صدی عیسوی میں محمد بختیار خلجی نے حملہ کیا، اور یہ مغل سلطنت کا حصہ بن گیا۔^۲

گینا کا انتخاب

اس تاریخی پس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ گینا کو بین الاقوامی شہر کی حیثیت حاصل رہی ہے، اور آج بھی یہ شہر اپنی اہمیت برقرار رکھنے کی پوری جدوجہد کر رہا ہے، بہار کا انٹرنیشنل ایر پورٹ اس شہر میں واقع ہے، ایک سیاحتی شہر کی حیثیت سے اس کی بین الاقوامی حیثیت آج بھی قائم ہے، دنیا کے مختلف ملکوں کے سیاح یہاں آتے ہیں، خاص طور پر برما، جاپان اور چائنا کے لوگوں کا یہ مرکز ہے، یہ شہر آج بھی بہت سی سہولیات سے مالا مال ہے جو بہار کے دوسرے شہروں میں میسر نہیں ہیں۔ اور عجب نہیں کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے انہی وجوہات سے اپنی تعلیمی، ملی، دینی اور سیاسی سرگرمیوں کے لئے اس بین الاقوامی شہر کا انتخاب کیا ہو، اور وہ گینا میں نالندہ کی تاریخی یونیورسٹی کے طرز کا کوئی عالمی ادارہ قائم کرنے کے آرزو مند ہوں، جو متنوع علوم و فنون اور دنیا بھر کے ارباب علم اور اصحاب کمال کا مرکز رہ چکی تھی۔

^۱ The Hare Kṛṣṇas - Battles of Vishnu Avatars - Gayasur". Harekrṣṇa.com. Archived from the original on 4 March 2016. Retrieved 7 January 2016.

^۲ - گینا کے بارے میں یہ معلومات ویکی پیڈیا سے لی گئی ہیں۔

گیا کے بعض اسلامی مدرسے

گیا میں بعض مدارس اسلامیہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کی آمد کے پہلے سے بھی قائم تھے، مثلاً:

مدرسہ (قاسمیہ) اسلامیہ

☆ حضرت مولانا عبدالغفار خان سرحدیؒ (متوفی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۶ء) خلیفہ ارشد قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکتیؒ نے ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء سے قبل ہی ایک مدرسہ 'مدرسہ اسلامیہ' کے نام سے قائم کیا تھا، جو آپ کے داماد حضرت مولانا سید خیر الدین گیاویؒ (متوفی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء) کے عہد اہتمام میں مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ کے نام سے مشہور ہوا۔^۱ یہ مدرسہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی گیا تشریف آوری کے زمانہ میں بھی بالیقین جاری تھا، لیکن کوئی بلند حیثیت کا حامل نہیں تھا۔

مدرسہ انوار العلوم (بناء اول)

☆ اسی صرح ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ہم وطن اور استاذ مشہور منطقی عالم دین شمس العلماء حضرت مولانا عبدالوہاب فاضل بہاریؒ نے قاضی فرزند احمد صاحب ریکس گیا کے تعاون سے قاضی صاحب کے صاحبزادے قاضی انوار احمد مرحوم کے نام پر مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد ڈالی تھی،^۲ جس کے سالانہ جلسہ میں مولانا عبدالوہاب صاحب کی دعوت پر علامہ شبلی نعمانی (وادیات: ۱۸۵۷ء - وفات: ۱۹۱۴ء) اور مولانا عبدالحق حقانی دہلوی (وادیات: ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸ء - وفات: ۱۹۱۶ء / ۱۳۳۵ھ) جیسے مشہور ہند تشریف لائے چکے تھے۔^۳

لیکن ایک دو سال کے بعد ہی حضرت مولانا عبدالوہاب بہاریؒ کے چلے جانے کے بعد وہ مدرسہ بند ہو گیا تھا،^۴ ظاہر ہے کہ ایک دو سال کے عرصہ میں مدرسہ کی اپنی عمارت ہونے کا بھی

۱- حضرت مولانا عبدالغفار خان سرحدی کے حالات زندگی کے سے مطالعہ کریں درس حیات مولانا حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاوی۔

۲- درس حیات ص ۱۱۶، ۱۱۵ امرتہ حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاوی (متوفی ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء) ناشر مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا، ۲۰۱۰ء۔

۳- محاسن سجاد ص ۱۳۳ مضمون مولانا محمد زکریا فاضل ندوی: نیز خطبہ انتخابیہ دورہ و تخیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۹۰۵ء پر علی ۲۰۰۶ء ص ۳ پیش کردہ ملاحظہ فرمائی مدرسہ انوار العلوم گیا۔ مدرسہ انوار العلوم کا تعارف ص ۳ مرتبہ قاری فخر الدین گیاوی، ۲۰۰۰ء۔

۴- محاسن سجاد ص ۱۳۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی۔

۵- محاسن سجاد ص ۱۳۳ مضمون مولانا محمد زکریا فاضل ندوی۔

امکان کم معلوم ہوتا ہے، بلکہ اندازہ یہ ہے کہ مدرسہ کسی عارضی عمارت میں رہا ہوگا، جو بند ہونے کے بعد صاحب ملکیت کے پاس واپس چلی گئی ہوگی۔

غرض حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی گیا تشریف آوری کے وقت یہاں کوئی بھی قابل ذکر مدرسہ نہیں تھا، اور غالباً آپ نے اپنی آمد سے قبل جو وفد یہاں بھیجا تھا، اس کا مقصد حالات کا جائزہ لینے کے ساتھ مدارس کی صورت حال اور کسی نئے مدرسہ کی فی الواقع ضرورت کا پتہ لگانا بھی تھا، مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحبؒ رقمطراز ہیں:

”الختصر جس وقت آپ تشریف لائے، گجیا میں کوئی مدرسہ نہیں تھا، اور ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی عربی درس گاہ جاری کی جائے۔“

مدرسہ انوار العلوم گیا کا احیاء

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے نئے نام سے کوئی مدرسہ قائم کرنے کے بجائے مناسب محسوس کیا کہ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحبؒ والے مدرسہ ہی کا احیا کیا جائے، مدرسہ تو ختم ہو چکا تھا، نہ اس کی کوئی عمارت تھی اور نہ اس کا بچا ہوا کوئی اثاثہ، البتہ مدرسہ کا نام ابھی تک لوگوں کے ذہنوں سے محو نہیں ہوا تھا اس نام نے ایک زمانہ میں لوگوں کا کافی اعتماد سمیٹا تھا، اس لئے اس نام کو دوبارہ زندہ کرنے سے قدیم مخلصین و معاونین خوشی محسوس کریں گے۔

☆ نیز اس نام پر اس سے قبل ملک کے مشاہیر کی تشریف آوری ہو چکی تھی، اس لئے یہ نام ان کے ذہنوں کے کسی گوشہ میں بھی ضرور محفوظ ہوگا اور اس سے مدرسہ کی تشہیر و اشاعت میں مدد ملے گی۔

☆ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ یہ نام ملک کے ایک شمس العلماء کا تجویز کردہ تھا، جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے استاذ بھی تھے اور ہم وطن بھی۔

ہم اور غالباً اس نام کو باقی رکھنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ جب حضرت مولانا سجاد صاحبؒ قیام مدرسہ کے ارادہ سے گیا تشریف لائے تو یہاں کے مقامی لوگوں میں سے جن خاص لوگوں نے

آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا، ان میں قاضی احمد حسین صاحب کی شخصیت سرفہرست تھی، قاضی صاحب کی ایک خالہ جو نیک کاموں میں دس کھول کر خرچ کرتی تھیں، اور خیرہ ہونے کی وجہ سے سرکار عالیہ کہلاتی تھیں، قاضی صاحب کی سفارش پر انہوں نے ایک بڑی رقم مدرسہ کھولنے کے لئے

۱۔ قاضی حسین احمد صاحب بہاری نہیں بلکہ ملک کے ممتاز ملی اور سیاسی قائدین میں تھے، آپ کا خاندان امارت سے تھا، اور بڑے زمینداروں میں شمار ہوتا تھا، اس خاندان میں تھا، کا محکمہ شجرہ پیشے تک، باب۱۱ کی نسبت سے قاضی کا لفظ اس خاندان کے نام کا جزو بن گیا ہے، اور یہاں اعتبار سے آپ کا شجرہ نسب حضرت ابو موسیٰ کے واسطے سے حضرت منیٰ کرم اللہ وجہہ لکھنوی اور نابھان اعتبار سے حضرت سید عثمان غنیؓ تک پہنچتا ہے، قاضی صاحب کا خیال عثمانی بیرونیوں میں تھا، پورا شجرہ نسب (پوری اور ماوری) شاید دہلی کی سادہ نے ان کی دینی حیات میں دیا تھا، لیکن نظر کر رہا ہے، قاضی صاحب کے والد کرامی کا مہر عبد العلیف اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی رحمت تھا، قاضی صاحب بچپن ہی سے آپ کے بڑے تھے اور آپ سے چھوٹے کا محمد حسین تھا، آپ کی پیدائش محمد منیٰ رحمت منیٰ رحمت علیہ السلام میں ہوئی، ۱۲۰۰ھ میں ہوئی، ۱۲۰۰ھ میں ہوئی، والد نے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، والد نے بڑی جاگیر اور پھوسڑی تھی، اس کا ذکر کھینے والوں کو ملتا تھا، اس طرح کسی میں گھر کا سردار اور پیر، شیخ، اور تعلیم پوری نہ رہ سکے، چھوٹے بھائی محمد حسین با تقییم کے لئے منیٰ لڑکھائی دی، قاضی صاحب کی تعلیم حجاز قرآن اور ابتدائی اردو فارسی تک محدود رہی، لیکن مسلسل مطالعہ اور قلم و جہد و علم کی صفاتوں سے دل و دماغ کے دروازے کھل گئے تھے۔

والدہ ماجدہ بی بی رحمت کے بیٹے کا والد حسین خانہ برباد ہو گیا، والدہ کے بچے اور انہوں نے ہی آپ کی آمد اور سب بھائی بہنوں کی شادی کر لی تھی، ان کی بربادی کی زیارت و ملاقات سے تصوف کا ذوق پیدا ہو گیا، اور انگریزوں کی ممانعت کا شوق بھی۔

قاضی صاحب نے کچھ خانو میر ہوسٹل لے کر تعلیم کیا، سب سے بڑے نوب تھے، اور غریبی آدمی بھی تھے، شہر کے علم و دین و روزانہ ایک خاص وقت میں ان کے یہاں جمع ہوتے تھے اور مذاہبی امور پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔

قاضی صاحب کو اپنے نا خیال، ۱۰۱۰ھ سے بڑی حقیدت تھی، تین بیعت و مودا: ۱۰۱۰ھ (جون پوری) سے دوئے (جہاں سے ان کے والد کا رونا کی سلسلہ تھا، اجیت رومانی استغفار و زید و جتر اپنے نا خیال والوں کی سے کیا۔

قاضی صاحب ایک تحریکی آدمی تھے، ان کی زندگی کی بڑی خصوصیت ایمان و عبادت اور تہذیب و دوست کا اتمام تھا، انہوں نے اپنے کونوں میں "تعلیم و خانہ" کا کام اس وقت شروع کیا، جب ہندوستان میں اس تصور سے کبھی لوگ آشنا تھے، کہتے ہیں کہ اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ من کے کانوں میں ایک غمگین بھی ناخواندہ باقی نہ رہا، عذرت کہنی کے نام پر مرگئے رہے، ۱۹۲۱ء میں خلافت کا انہوں نے کدور میں گرفتار ہوئے، ۱۰۱۰ھ کی ۱۰۱۰ھ کی ۱۹۲۱ء میں آل انڈیا کانفرنس کے ممبر منتخب ہوئے، آزادی کے بعد پارلیمنٹ کے ممبر ۱۰۱۰ھ ہوئے۔

۱۹۲۹ء کی میں شیخ کی رحلت سے سرفراز ہوئے، ۱۰۱۰ھ مہرم مہرم اسلامی مہرم مہرم میں بھی شرکت کا موقع ملا، مولانا ابوالکلام آزاد سے خاص تعلق تھا، انہیں اجازت دینی کے لئے ان کی تحریکوں کا کسی حد تک بھل تھا، انہوں نے مولانا آزاد و ان کے لئے دس ہزار کی بھی رقم بطور امداد پیش کی تھی، تین بیعت سے بھی کبھی اراہ تھا، مگر قادیان کا قادیان پر شہر سے بھی ایک تعلقات تھے، حضرت مولانا صاحب نے قادیان میں تھے، آپ کے شمار کے کو قلم کار چاہتے تھے، حضرت مولانا صاحب کی کتابت: مدرسہ انوار العلوم، اور شریعہ، تحریک خلافت، جمعیت علماء، اندھڑیکہ، قادیان، مسلمانانہ بیعت پورنی سب میں پیش پیش رہے، امارت شریعہ کے قائم اعلیٰ بھی ہوئے، تحریکی سرگرمیوں کی وجہ سے وقت پرانہ دینی نہ رہ سکے، حضرت مولانا صاحب نے تاخیر کے ساتھ ان کی شادی قاضی نور الحسن صاحب کھیلوادی کی صاحبزادی سے کراوی، شہباز مہتمم ۱۳۶۱ھ (مارچ ۱۹۴۳ء) میں بروز یک شنبہ آپ کی شادی ہوئی، ۱۳۶۱ھ (۱۹۴۲ء) میں اہلیہ بیار پور میں، اور انھیں سرگرمیوں، مرحومہ سے قاضی صاحب کا بی بی اور انہیں بی بی، قاضی صاحب نے ان کے بعد پھر شادی نہیں کی، ۱۰۱۰ھ رمضان ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۹۶۱ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے پندرہ سال کی عمر میں قاضی صاحب کا انتقال ہوا، انھیں کیا شہر میں ان کے اپنے مکان میں ہوا، اور وہ فین شہر کے دینی طرف پھٹا (والو) ہندی جوڑ کر کے آگے کے قبرستان میں ہوئی، مولانا محمد طہ ندوی جو اس وقت مدرسہ شمس العبدی پٹنہ میں مقیم تھے قاضی صاحب کی وفات پر ایک درویش مرثیہ تحریر کیا، اس کا ایک شعر یہ ہے:

خدا بخشے بڑا ہے پاک بہت درمجاہد تھا۔ سپاہی دن و رات و شب بیدار مابعد

عنایت کی، سرکار عالیہ کوئی اولاد دینے نہیں تھی، قاضی فرزند احمد صاحب کے اکلوتے صاحبزادے قاضی انوار احمد صاحب (جن کا ذکر اوپر آیا) ان کے داماد تھے، اور عین جوانی میں دو بچوں کو یتیم چھوڑ کر انتقال کر چکے تھے، ممکن ہے کہ سرکار عالیہ کی خواہش رہی ہو کہ میرے داماد کا نام زندہ رہے۔

یہ بات خود قاضی احمد حسین صاحب کی سوانح حیات 'حسن حیات' میں ان کے پھوپھی زاد بھائی شاہ محمد عثمانی صاحبؒ مہاجر کی نے لکھی ہے، اس سے قبل حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب بہاریؒ کا تعاون بھی قاضی انوار احمد مرحوم کے والد قاضی فرزند احمد صاحب نے کیا تھا اور اب مولانا محمد سجاد صاحبؒ کو بھی اسی کام کے لئے قاضی انوار احمد کی خوشدامن صاحبہ خطیر تعاون پیش کر رہی تھیں، اس لئے قدرتی طور پر وہی قدیم نام 'انوار العلوم' باقی رکھنا ہر لحاظ سے قرین مصلحت تھا۔

غرض یہ نام برکتوں اور دینی و دنیوی منافع سے خالی نہیں تھا، بس مولانا سجاد صاحب نے اسی نام سے شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ مطابق اگست ۱۹۱۱ء میں ایک نئے ادارہ کی بنیاد ڈالی، کرایہ پر ایک دو منزلہ مکان 'ظفر منزل' کے سامنے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی آمد سے قبل ہی لے لیا گیا تھا، یہی دارالافتاء بھی تھا اور یہی درسگاہ بھی۔۔۔ آپ نے ایک شاندار افتائی اجلاس کے ذریعہ مدرسہ کا آغاز فرمایا، جس میں اپنے اساتذہ و مربی حضرت مولانا عبدالکافی آبادیؒ کو بھی مدعو فرمایا۔^۲

بے مثال صبر و ایثار

حضرت ابوالحسنؒ نے مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لئے بے پناہ محنت کی، اللہ آباد کی آمدنی سے جو کچھ بچا تھا سب مدرسہ کے طلبہ پر خرچ کر دیا، اس کے بعد فاقہ تک کی نوبت آگئی، مگر نہ مولانا کے پائے استقلال میں فرق آیا اور نہ آپ کی برکت سے طلبہ مایوس ہوئے، مدرسہ کے ابتدائی دور میں بڑے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا، اور سخت تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھانی پڑیں، بقول مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانوئی:

- حسن حیات سوانح قاضی سید احمد حسین صاحب - ص ۳۹ مطبوعہ دارالافتاء، شائع کردہ مجلس عیسیٰ، مذاکرہ باغ اویلائی دہلی، ۱۹۹۱ء۔
۱۔ محسن سچ و ص ۳۳ مطبوعہ قادیان پبلسنگھ حسن خان صاحب، یہ بات قادیان صاحب کے نام حضرت مولانا ابوالحسنؒ سے منسوب ہے۔
۲۔ عزیزی مولوی مازہ یوسف علیہ السلام نے تحریر

میں تحریر ہوں، صحت آس عزیز کی مطلوب مدرسہ کی حالت جو کچھ ہے وہ یہاں آئے سے معلوم ہوگی، جمالیوں بھرا لو کہ بالفص اچھی تک سچ شریعتیں ہوں، کیونکہ جناب علیہ السلام (مولانا علیہ السلام) صاحب ابوالحسنؒ (و غیرہ تشریف لے گئے ہیں، جس میں جسے افتائی بھی ہونے کا فہم ہے، خلاصہ یہ کہ جہاں تک ممکن ہو بہت جلد چلے آکر زیادہ دیکھنا۔

ابوالحسنؒ محمد سچ و علیہ السلام مدرسہ دارالعلوم متعلق ہنرمند

۱۔ مورخہ ۱۳ ارشاد الکریم ۲۹ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء

”یہ ایک داستان لرزہ خیز اور حیرت انگیز ہے، جن کو کچھ میں بی جانتا ہوں کیونکہ میں مولانا کا رفیق اور ساتھی تھا۔“

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب بھی یہاں شریک کار رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

”یہاں پہنچ کر قیام کے بعد سب سے پہلا اہم مسئلہ طعام کا تھا۔ جس کا حل یہ کیا گیا کہ جس کے پاس جو کچھ تھا، وہ سب ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ اور اسی سے قوت لایموت کا یہ انتظام کیا گیا کہ اکثر کچھری اور کبھی صرف خشک پکالیا جاتا تھا اس کو سرخ مرچ کے بھرتہ کے ساتھ جو آگ پر بھون لی جاتی تھی اور اس میں نمک ملا دیا جاتا تھا مولانا ایک دسترخوان پر بلا تکلف طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے تھے، اور مولانا کی پیشانی پر کبھی شکن بھی نہیں پڑتی تھی، مجھ کو یاد ہے کہ ایک عید ایسی بھی گذری تھی کہ مولانا مدرسہ کی ضرورت سے کہیں باہر تشریف لے گئے تھے، اس روز کھانے کا کوئی سامان نہ تھا۔ صرف چند سیرگیوں تھے، ان بی کو بھون کر صوم عید کی حرمت سے گلو خلاصی کر کے صبر و شکر کے ساتھ عید کا دو گانا دا کیا گیا تھا۔

ان غیر معمولی حالات میں مولانا کو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اس رنج و محن کے کٹھن ایام میں کبھی مایوس ہوئے ہوں، یا یہ کہ ان کو کبھی خیال ہوا ہو کہ بیٹھے بٹھائے کیوں الہ آباد کی طمانیت کی خوش عیش اور خوشگوار زندگی کو چھوڑ کر اس درد من کو خرید مولانا ہمیشہ پر امید رہتے تھے اور طلبہ کو بھی پر امید رکھتے تھے مشکلات سے نہ گھبراتے تھے نہ کام کے بھوم سے پریشان ہوتے تھے، ان ایام میں وہ تنہا سب کام انجام دیتے تھے، خود ہی مدرسہ کے مہتمم بھی تھے، مدرس بھی تھے، سفیر بھی تھے، اور طلبہ کے اتالیق بھی تھے۔ اور ان کے غمگین اور سری بھی تھے۔“

فتوحات کا آغاز

آخر حضرت مولانا کی محنت رنگ لائی، آپ کی امیدوں کے شجر ہرے ہونے شروع ہوئے، خزاں کے دن رخصت ہونے لگے، بہار کی ہوائیں چلنے لگیں اور آپ کے صبر و اخلاص کی گرمی نے اس سنگناخ شہر کا جگر پگھلا کر رکھ دیا، شہر کے عمامہ بن متوجہ ہوئے، کئی اطراف سے مدرسہ کو تعاون ملنے لگا، مسماۃ بی بی مریم صاحبہ دختر مرزا دوست محمد دیوان ریاست نکاری گیارہ زمین، کئی مکانات اور جائیدادیں مدرسہ کے لئے وقف کیں، جس سے مدرسہ میں کافی سہولتیں پیدا ہو گئیں، مولانا طلبہ کے ساتھ کراہیہ کے مکان سے منتقل ہو کر موقوفہ مکانات میں چلے آئے۔^۱

۱- محاسن سجاد ص ۶۔

۲- حیات سجاد ص ۸۰، ۸۱۔

۳- حیات سجاد ص ۸۳، مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی، بہار تعداد مدرسہ انوار العلوم گیارہ ص ۲۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے معقول سرمایہ کا انتظام کر کے اینٹ کا بھٹہ لگوا دیا، اور احاطہ باغ محلہ معروف گنج میں تعمیری کام کا آغاز فرمایا، تعمیر کے دوران رات میں مولانا طلبہ کے ساتھ خود اینٹیں دھو دھو کر مقام تعمیر تک پہنچاتے تھے، تا کہ مدرسہ زیادہ زیر بار نہ ہو نیز تعمیری کام جلد مکمل ہو سکے، طلبہ میں بھی بڑا جوش و خروش تھا، ہر طالب علم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا اور اس کو اپنے لئے سعادت تصور کرتا تھا۔^۱

منتہی درجات تک تعلیم

تعمیرات کے ساتھ مولانا نے اس مدرسہ کی علمی بنیادیں بھی مستحکم کیں، ایک ہی چھت کے نیچے ابتدائی درجہ سے لے کر دورہ حدیث تک کی تعلیم ہونے لگی، قریب و بعید کے طالبان علوم نبوت کا رجوع عام ہو گیا، صرف بہار ہی نہیں بلکہ ملک کے دوسرے صوبوں سے بھی تشنگان علم و فن کی قطار لگ گئی،^۲ اور جس عظیم اسلامی یونیورسٹی کا آپ نے خواب دیکھا اس کا نقشہ سامنے آنے لگا، مدرسہ کے بڑے بڑے جلسے ہونے لگے جس میں ملک کی ممتاز شخصیتوں کی شرکت ہوتی تھی، اور فنیات حاصل کرنے والے طلبہ کو دستار بھی عنایت کی جاتی تھی اور سند بھی۔^۳

۱- حیات مجاہدین ۸، ۹، ۳۰ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۲- محاسن مجاہدین ۱۳ مضمون مولانا ذکریا فاطمی مدنی۔

۳- یہاں پر یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اگر حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد کی توجہ خاص اس مدرسہ پر مرکوز رہتی، اور وہ خلافت، جمعیۃ، امارت شریعہ اور مسلم انڈیا ہندو پارٹی وغیرہ قومی، ملی اور سیاسی تحریکات کی وجہ سے مدرسہ سے بالکل بدستور دار نہ ہوتے، تو بالیقین وہ اس مدرسہ کو غیر منقسم ہندوستان کی منفرد یونیورسٹی بنا سکتے تھے، جو دنیا میں دارالعلوم دیوبند کا مکمل جلیل و رطلوم و فتون اور عصریات و سیاسیات میں نالندہ کی قدیم تاریخی یونیورسٹی کی نشاۃ ثانیہ ہوتی، جہاں صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیاء سے یورپ تک کے طالبان علوم نبوت مستفید ہونے کے لئے حاضر ہوتے، جیسا کہ جمعیۃ علماء ہند اور امارت شریعہ جیسے بے مثال اداروں کے قیام سے آپ کی بے نظیر مصاحبتوں کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا امین احسن اصل جی کے بقول:

”وہ ایک ایسے رویا کے مانند تھے، جس میں سمون و غفلت کی نہ روشنی تو نہ یونین روانی کا پورا جوش و خروش موجود ہو، جو غیر دم سے ہر آن و ہر لمحہ جن لوگوں سے لگرا، پتھروں سے بڑاتا، جھازوں سے لھکتا، رواں دواں،۔۔۔ ان کے چلک افعال و فیشن کے شور پر تھے، نہ رسول پروری و سعادت کی طمع میں، نہ وہ جس مسئلہ کو اٹھاتے وہ زندگی اور موت کا سوال بن کر ان سے چپٹ جاتا،۔۔۔ اس لئے وہ کسی کام کو بے دلی (Disheartedly) کے ساتھ کر کے اپنے نفس و مطلبین نہیں کر سکتے تھے، بلکہ مجبور تھے کہ اس کے لئے اپنے قہر و عمل کی تمام قوتیں میدان میں ڈال دیں، موتے جاگتے، پس وہی مسئلہ ان کے سامنے ہوتا، اور ان کی ساری راحت وطمینانیت اس کے اندر مٹ آتی۔۔۔ اور چونکہ وہ ایک زبردست عالم تھے، اس لئے یقیناً یہ چیز انہوں نے جنمیران عقائد کے اسوۂ حسنہ سے اخذ کی تھی، میں نے یہ چیز وقت کے بڑے بڑے لیڈروں میں بھی نہیں پائی۔“ (محاسن مجاہدین ص ۵۵)

مگر مولانا کی مثال اپنے زمانے میں ”ایک انار صندیل“ کی تھی، بیمار ملت کے ایک مرض کے علاج سے چھٹی نہیں ملتی تھی کہ دوسرا بیمار مرض سامنے آ جاتا تھا، اور مولانا ترجیح کے اصول پر اس کو چھوڑ کر دوسرے مرض کے علاج میں مشغول ہو جاتے تھے، جیسا کہ مولانا کے سیاسی اور شریک کار اور مزاج شناس جناب مسٹر محمد یونس صاحب سرائی وزیر اعظم حکومت بہار لکھتے ہیں:

”مورخ مرحوم کی ذات ایک انار صندیل کے مصداق تھی، وہ جس وقت ایک چیز کی تخلیق کر کے، اس کی ابتدائی مہودیت کو بردست کر کے عملی دھانچے میں لاکر کھڑا کرتے کہ زمانہ دوسری ضروری چیز ان کے سامنے اس طرح اٹھ کر دیتا کہ وہ اس کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتے، اور اس کی قدر میں بگ جاتے۔“ (حیات مجاہدین ص ۸)

بقول ڈاکٹر کلیم عاجز: ”کوئی بزم یونانی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے۔ جہاں روشنی کی کئی ملی وہاں ایک چراغ جلایا

ملی، تعلیمی و قومی تحریکات کا مرکز

علاوہ اس مدرسہ کی بڑی خصوصیت جس میں برصغیر کے کم مدارس اس کی ہمسری کر سکیں گے یہ تھی کہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کی اکثر دینی، ملی قومی اور سیاسی تحریکات کی جائے پیدائش یہی مدرسہ ہے، قمر سجادؒ کی نشوونما اسی آب و ہوا میں ہوئی اور حضرت ابوالحسنؒ کے افکار و خیالات اور امیدوں اور آرزوں کا اصل دار السلطنت یہی ادارہ تھا، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کے الفاظ میں:

”علماء کی تنظیم، جمعیت علماء کا قیام، تمام مدارس عربی میں ایک اصلاحی نصاب کا اجراء، امارت شریعہ کی اسکیم وغیرہ یہ سب چیزیں مولانا کے دماغ نے گہائی میں پیدا کیں اور اسی زمانہ میں مولانا نے اپنی ایکمیں کو عملی شکل بھی دینا شروع کر دی۔“^۱

اس مدرسہ کے ممتاز فضلاء میں جنہوں نے یہاں حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کے پاس دورہ حدیث کی تکمیل کی، اور یہیں سے فراغت حاصل کی، حضرت مولانا مظہر علی صاحب (مقام شمس پور تھانہ بیلا، ضلع گیا بہار) بطور خاص قابل ذکر ہیں، اس خطہ میں ان کو خاصی شہرت حاصل ہوئی۔^۲

خوبصورت تسلسل

مدرسہ کی ایک مطبوعہ سند ہمیں دریافت ہوئی ہے جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے بعد طبع ہوئی تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سجادؒ کے بعد بھی دورہ حدیث کے اسباق یہاں جاری تھے، اور طلبہ یہاں سے فارغ ہوتے رہے، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے بعد اس مدرسہ کے مہتمم آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانوئی ہوئے، جن کو خود حضرت مولانا نے اپنی گونا گوں مصروفیات کی بنا پر یہ ذمہ داری اپنی حیات ہی میں حوالے کر دی تھی، ان کے دور میں بھی مدرسہ کی ہمہ جہتی ترقیات کا سفر جاری رہا، اور یہ اعلیٰ تعلیم کے مرکز کی حیثیت سے اپنی نیک نامی میں اضافہ کرتا رہا، غالباً دورہ حدیث کی یہ سند مولانا عبدالحکیم صاحب ہی کے زمانے میں طبع کرائی گئی تھی۔

زوال کی طرف

مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کا انتقال حضرت ابوالحسنؒ کی وفات کے چھ ماہ بعد ہی بعد ہو گیا، مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کے وصال کے بعد مدرسہ کی نظامت حضرت مولانا سجادؒ کے ایک اور تربیت

۱- حیات سجاد ص ۱۳، ۱۴۔

۲- یہ روایت جناب حافظ وقاری مولانا عین الحق صاحب مظاہری استاد شعبہ حفظ و قرأت مدرسہ نور انصوم معروف علیہ السلام (بر) نے بیان کی۔

یافتہ قاضی احمد حسین صاحب کے سپرد ہوئی، قاضی صاحب نے اس مدرسہ کو ترقی دینے کی بھرپور کوششیں کیں، وہ اعلیٰ درجہ کے اساتذہ کی تلاش میں سرگرداں رہے، اور کئی باصلاحیت اساتذہ کی خدمات انہوں نے حاصل کیں، انہی میں ایک نامور استاذ مولانا مظاہر امام صاحب بھی تھے، جو شیرگھٹی گیا کے رہنے والے تھے، ایک عرصہ تک بہار شریف میں پڑھا چکے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی بھی ان کی استعداد کی بڑی تعریفیں کرتے تھے، وہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ جیسی عظیم درس گاہ کا پرنسپل بننے کی لیاقت رکھتے تھے، لیکن انگریزی میں دستخط نہ کر سکنے کی بنا پر اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے، - جمعیت علماء ہند اور کانگریس کے حامی تھے، اور یہی چیز مدرسہ کے لئے فتنہ کا سبب بن گئی، حضرت مولانا سجاد کے بعد گیا کی ملی سیاست کا نقشہ ہی تبدیل ہو گیا تھا، جو شہر جمعیت علماء ہند اور اس کے واسطے سے کانگریس کا گہوارہ رہ چکا تھا، جہاں، خلافت، جمعیت اور کانگریس کے بڑے بڑے تاریخی اجلاس ہو چکے تھے، حضرت مولانا کے بعد ملکی حالات کے تغیرات کے نتیجے میں وہاں کی اکثریت کانگریس اور جمعیت علماء ہند سے بیزار ہو چکی تھی، مسلم لیگ کے پاکستان جیسے خوشمناعروں کا جادو سرچڑھ کر بول رہا تھا، شہر کے اکثر مسلمان مسلم لیگ کے حامی ہو گئے تھے، مولانا مظاہر امام صاحب کا جمیعتی اور کانگریسی انتساب ان کو قطعی گوارا نہیں ہوا، ناظم مدرسہ قاضی احمد حسین صاحب ان دنوں امارت شرعیہ پھلواڑی شریف میں مقیم تھے، ان کی غیر موجودگی میں مقامی لیڈروں نے مدرسہ پر قبضہ کر لیا، آگے کی رپورٹ قاضی صاحب کے پھوپھی زاد بھائی حضرت شاہ محمد عثمانی سے سنئے:

”قاضی صاحب کو تار دیا گیا، وہ گیا تشریف لائے، اور چاہتے تھے کہ مقدمہ کی کاروائی کریں، لیکن ان کے چھوٹے بھائی نے مشورہ دیا کہ لڑائی نہ کی جائے، انہوں نے کہا کہ مدرسوں کی کیا اہمیت ہے، ملک میں ہزاروں مدرسے ہیں، اور ان کو علماء دین جو جمعیت علماء سے وابستہ ہیں چل رہے ہیں ایک مدرسہ نہ کی، مولانا سجاد کی یادگار صرف یہی مدرسہ تو نہیں، ان کی یادگار جمعیت علماء اور امارت شرعیہ بھی تو ہے، ان کو چلایا جائے چنانچہ قاضی صاحب نے لڑنے کا ارادہ ترک کر دیا، اور پھلواڑی شریف واپس تشریف لے گئے۔“

اس کے بعد یہ مدرسہ مختلف دوروں سے گزرتا رہا مولانا ابو محمد صاحب مرحوم اور مولانا اصغر حسین نے اس کے لئے بہت بڑی جائیداد بھی حاصل کی، پھر اس کا انتظام ان لوگوں کے قبضہ میں چلا گیا جن کا مزاج عربی مدارس کے چلانے کا تھا وہ کوئی اسکول البتہ اچھی طرح چلا سکتے تھے۔“

اس طرح ملت کا یہ قیمتی تاریخی سرمایہ زوال پذیر ہو گیا، اور باوجود بے پناہ جائیداد موقوفہ کے اس مدرسہ کا معیار تعلیم گرتا چلا گیا، اب یہ درجات حفظ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔
 آج کل یہ مدرسہ بہار وقف بورڈ کے ماتحت ہے، سرکاری تنخواہ یاب ملازمین ہیں، وسیع و عریض عمارتیں ہیں، بڑی جائیداد ہے اور سب کچھ ہے مگر مولانا محمد سجاد جیسا کوہ کن کوئی نہیں ہے۔
 گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
 قافلہ حجاز میں کوئی حسین ہی نہیں



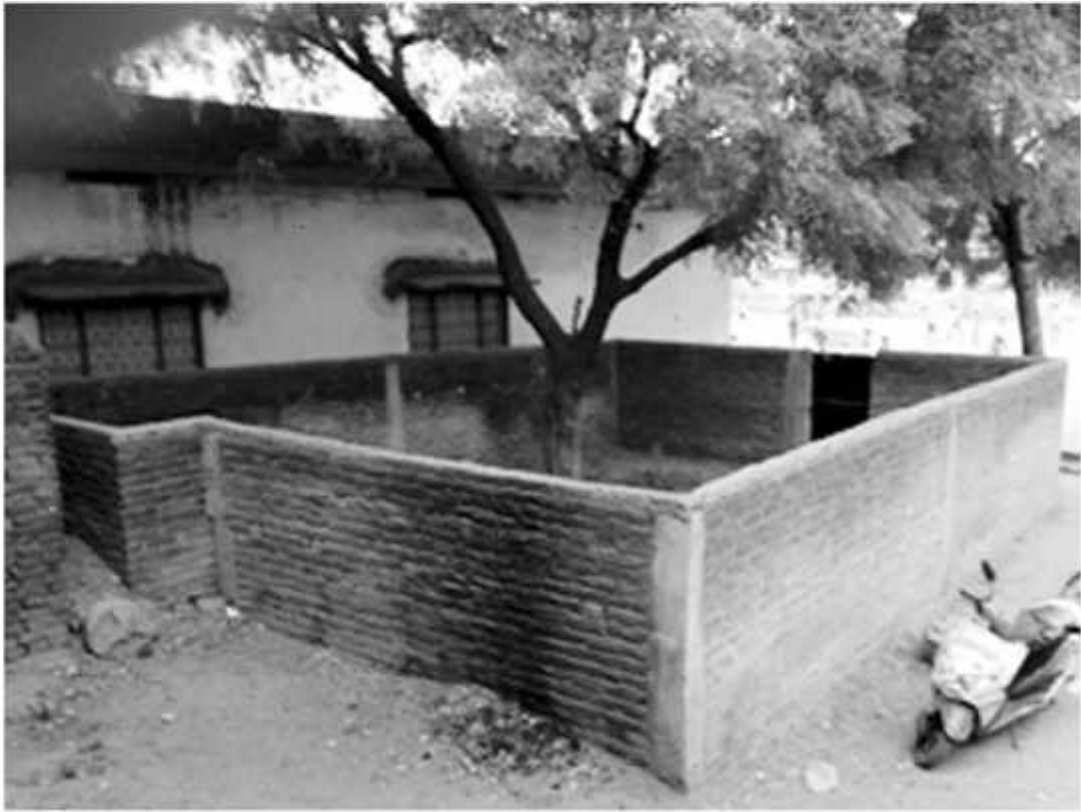
مدرسہ انوار العلوم گیا کا صدر دروازہ



مدرسہ انوار العلوم گیا کے کھنڈرات



مدرسہ انوار العلوم گنیا کی قدیم مرکزی عمارت جو اب کھنڈرات نظر آتی ہے



مسماۃ بی بی مریم صاحبہ دختر مرزا دوست محمد دیوان ریاست نگاری گنیا کی قبر
جنہوں نے مدرسہ کے لئے اراضی وقف کی تھیں، یہ قبر مدرسہ کے احاطہ میں موجود ہے۔

تدریسی امتیازات و خصوصیات

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بڑے عالم ہونے کے ساتھ کامیاب مدرس بھی تھے، طالب علمی کے زمانہ ہی سے ان کو اس میدان میں شہرت حاصل ہو گئی تھی، مختلف علوم و فنون پر بے پناہ قدرت کے ساتھ تفہیم کا جو ملکہ اللہ پاک کی جانب سے ان کو عطا ہوا تھا اس کی بنا پر وہ طالب علم کے ذہن و دماغ پر چھانچاتے تھے، اور طالب علم محسوس کرتا تھا کہ علم اسے گھول کر پالایا جا رہا ہے، گو کہ مولانا کا زمانہ تدریس بہت زیادہ طویل نہیں رہا، زمانہ طالب علمی کی تدریس کو بھی شامل کر لیا جائے تو کل مدت تدریس بیس اکیس سال ہوتی ہے، اس مختصر مدت میں جس طرح آپ کی تدریس کے جوہر کھلے، اگر کچھ عرصہ اور بھی آپ کو موقع ملا ہوتا تو شاید غیر منقسم ہندوستان میں کوئی آپ کی ہمسری نہ کر سکتا، اور یہ خیال میرا نہیں بلکہ آپ کو بہت قریب سے دیکھنے والے اور پورے ملک کے اداروں اور شخصیات پر گہری نظر رکھنے والے ماہر تعلیم اور مبصر حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”ہندوستان میں بڑے فضلاء اور کامیاب ترین درس دینے والے گزشتہ دور میں اور آج بھی کچھ موجود ہیں، مگر کم لوگوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس قدر جلدی صفوں میں نمایاں ہوئے ہوں جس قدر جلد اور جتنی کمسنی میں مولانا کے علم و تجربہ کو اہل علم نے تسلیم کر لیا۔ اگر مولانا نے اپنی زندگی کا رخ دوسری طرف نہ پھیر دیا ہوتا، اور وہ برابر پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے، تو بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے سب سے زیادہ کامیاب مدرس اور سب سے زیادہ شفیق استاد ہوتے۔“

مولانا سید منت اللہ رحمانی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے ایسا تربیت دینے والا بھی نہیں دیکھا، میں پندرہ سولہ سال ان کی خدمت و تربیت میں رہا، میں نے ایسا شفیق مربی نہیں دیکھا۔“

(مکتوب بنام مولانا عطاء الرحمن قاسمی، بتاریخ ۲۹ مارچ ۱۹۸۶ء)

اور یہ رائے تنہا مولانا سید منت اللہ رحمانی کی نہیں بلکہ مولانا کے تمام تلامذہ اس باب میں متفق الہائے ہیں، جس نے ایک سبق بھی مولانا سے پڑھا وہ ساری زندگی کے لئے آپ کا گریویدہ ہو گیا، اور اس سعادت کو اپنے لئے سرمایہ فخر تصور کرنے لگا، آپ کے سب سے بڑے علمی و فکری جانشین

مولانا عبدالحکیم صاحب نے پورے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ میں نے اپنی پوری علمی زندگی میں مولانا کے پایہ کا نہ عالم دیکھا اور نہ مدرس دیکھا، مولانا کی شاگردی پر اظہارِ فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آج مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں مولانا کا شاگرد ہوں، اگرچہ حقیر اور کمترین ہوں۔ مولانا کے درس و تدریس کا یہ حال تھا کہ بڑی محنت اور کاوش سے پڑھاتے تھے، اور کتاب کے مطالب مع مالہ و ماعلیہ اس آسانی سے طلبہ کے دماغ میں اتار دیتے تھے، کہ دماغ چمک اٹھتا تھا، مولانا کے طرزِ تدریس کی بڑی شہرت اور دھوم مچی۔“

مولانا کے متعدد تلامذہ نے مولانا کے درس کی جو کیفیات لکھی ہیں، ان کی روشنی میں آپ کے درس کی درج ذیل خصوصیات ابھر کر آتی ہیں:

☆ مکمل مطالعہ و تیاری کے بعد پورے انہماک کے ساتھ آپ کتابوں کو سمجھاتے تھے، نہ اس میں الفاظ کا بخل ہوتا تھا اور نہ وقت کی تنگ دامانی کا گلہ۔

☆ اگر ایک بار کی تقریر سے تشفی نہ ہوتی تو دو بارہ بارہ سے بارہ تقریر کرنے میں چین بچیں نہ ہوتے۔

☆ اگر اوقاتِ مدرسہ میں آسودگی نہ ہوتی تو الگ سے وقت دینے میں دریغ نہ فرماتے۔

☆ حد تو یہ تھی کہ کسی طالب علم کو آپ کے بیان کردہ مطلب پر اعتماد نہ ہوتا تو شروع و حواشی دکھلا کر اس کی تشفی فرماتے۔

☆ مشکل مقامات میں کسی طالب علم کو شبہ ہوتا تو دوسرے صاحب علم و فضل کے سامنے مقامِ شبہ کی تقریر فرما کر طالب علم کو مطمئن کرتے، اور اس میں ذرا بھی اپنے لئے عار محسوس نہ کرتے اور نہ طالب علم سے بدگمان ہوتے۔^۲

طلبہ کی ضروریات کا خیال

☆ طلبہ کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے، پڑھنے لکھنے کے علاوہ ان کے کھانے پینے رہنے سہنے، صحت و بیماری اور گھریلو حالات سے بھی واقف رہتے، اور اپنی اولاد کی طرح ان کو ہر ممکن سہولیات بہم پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ:

”مولانا کا سلوک طلبہ کے ساتھ اس درجہ بہتر تھا کہ ان دنوں اس کا تصور مشکل ہے کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے میں مولانا نے کبھی امتیاز روا نہ رکھا، یہ ناممکن تھا کہ مولانا کھائیں، اور

۱- محاسنِ سجاد ص ۵۔

۲- محاسنِ سجاد ص ۲۲ مضمون مولانا اصف حسین بہاری۔

طالب علم بھوکا رہ جاتے، بیمار طلبہ کے علاج کا نظم خود مولانا کیا کرتے تھے، حکیم کے یہاں لے جانا، دوا لانا، دوا پلانا، تیمارداری کرنا، ان میں سے زیادہ تر کام مولانا خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ مولانا پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے، آج بھی مولانا کے جو شاگرد موجود ہیں، وہ اس وقت بھی مولانا کی شفقت اور مہربانیوں کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں، اور انہیں اس کا اعتراف ہے کہ جتنی خدمت مولانا نے ہماری کی ہوگی اتنی خدمت ہم مولانا کی نہیں کر سکے ہیں۔^۱

استاذ کی محبت و احترام کے بغیر علم دل و دماغ میں نہیں اترتا، طلبہ کے ساتھ مولانا کا یہ سلوک محض انسانی خدمت کے نقطہ نظر سے نہیں تھا بلکہ ان کے لئے علم کی منزل کو آسان کرنا بھی مقصود تھا، مولانا اپنے حسن سلوک اور محبت کے ذریعہ طلبہ پر علم کا ایسا نشہ چڑھا دیتے تھے کہ حصول علم کے لئے ثریا تک کے لئے وہ آمادہ سفر ہو جاتے تھے، بقول ذاکر محمد اقبال:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

تدریسی فنائیت

مولانا ایک نہ تھکنے والے مسافر علم تھے، ان کا درس فجر کی نماز سے قبل شروع ہو جاتا تھا، اور سونے کے وقت تک جاری رہتا، دوپہر اور عصر کے بعد کا وقت بھی ان کا وقت خدمت علم ہی میں صرف ہوتا تھا،^۲ ہندوستان میں استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے بعد کسی بھی استاذ کی ایسی تدریسی فنائیت سننے میں نہیں آئی۔

چھٹیوں میں تعلیم

طلبہ کے اوقات کا بڑا خیال رکھتے تھے، اور زیادہ سے زیادہ ان کو تعلیم میں مشغول رکھتے، مولانا اس کے لئے کبھی خود بھی زیر بار ہوتے تھے لیکن ممکن حد تک اس کو گوارا فرماتے تھے، مثلاً مدرسہ میں لمبی چھٹیاں ہو جائیں تو آپ کچھ طلبہ کو اپنے گھر لے جاتے اور ان کو گھر پر تعلیم دیتے اور ان کے اخراجات کی کفالت خود برداشت کرتے تھے، مولانا اصغر حسین صاحب بہاریؒ ان خوش نصیب طلبہ میں سے ایک ہیں، جو تعلیمی چھٹیاں کا شانہ ابوالحسنؒ پر گزار چکے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

”طلبہ کے اسباق کا اس قدر احساس تھا کہ شہر کی آب و ہوائی ردائت کے باعث مدرسہ ہفتہ

۱- حیات مجاہد ص ۱۲۰۱۔

۲- حیات مجاہد ص ۳۰ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی۔

ہے کہ استاذ کتاب و فن دونوں پر پوری طرح حاوی ہو، مولانا سجاد کا یہ طریقہ تدریس ان کے بے پناہ علم و کمال اور تدریس کی مجتہدانہ صلاحیت کی علامت ہے، مولانا سجاد کو ہر علم و فن میں کمال حاصل تھا، اور ہر فن کی کتاب وہ اسی شان سے پڑھاتے تھے، آج علم و فن کی درسگاہیں ایسے باکمال مدرسین سے خالی ہیں، بلکہ پہلے بھی خال خال ہی ایسے لوگ ہوئے ہیں۔

طلبہ کی نفسیات تک رسائی

ایک استاذ کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ انسانی نفسیات سے واقف اور طلبہ کا نبض شناس ہو، تاکہ جہاں مرض ہو وہیں سے علاج شروع کیا جاسکے، اور طالب علم میں کتاب سے محبت اور فن میں بصیرت پیدا ہو، مولانا سجاد کو اس میں خصوصی امتیاز حاصل تھا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب رقمطراز ہیں:

”استاذ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ تعلیم کی ایک خصوصی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے عمیق تعلیمی تجربہ اور تجربہ کی بنا پر اول نگاہ میں پڑھنے والے کی صلاحیت، اس کی استعداد، اس کی خامی اور اس کے نقص کو بھانپ لیتے تھے، اور سبق کے وقت سب سے پہلے اس کی اس خامی کا ازالہ فرما دیتے تھے، جس کا ہونے والے سبق سے تعلق ہوتا تھا، تاکہ فہم سبق کی راہ میں دشواری نہ رہے اور اس کے لئے ایسا لطیف پیرایہ اختیار فرماتے کہ دوسرے ہم سبق کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا اور اس کے دل کی گرہ کھل جاتی تھی۔“

طریقہ تفہیم کی انفرادیت

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب ہر میدان کی طرح طریقہ تدریس میں بھی ایک انفرادی شان کے حامل تھے، وہ مروجہ طریقہ تدریس کی پابندی کے بجائے ایک مستقل طرز تدریس کے موجد تھے، ان کا طرز تدریس افراط و تفریط سے پاک اور عدل کامل کا نمونہ تھا، آپ کے طریقہ تعلیم کے سب سے بڑے مبصر مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب آپ کے طرز تفہیم کی انفرادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں:

”میں جس دور میں حضرت استاذ کے حضور میں حاضر ہوا تھا، طریقہ تعلیم میں عجب قسم کی افراط و تفریط تھی، جو تمام مدارس عربیہ میں الاما شاء اللہ عام تھی۔

درس کے وقت اساتذہ کا معمول یا تو یہ تھا کہ پڑھنے والا ایک انداز کردہ مقدار میں

عبارت پڑھ جاتا تھا اور پڑھانے والا اس کے متعلق ایک زوردار تقریر میں اس کے مطالب کو پیش کر دیتا تھا، اور اسی سلسلہ میں اعتراض و جواب اور اس کی ضروری تحقیقات کو بیان کر دیتا اس کے بعد پڑھنے والا عبارت کا ترجمہ کرتا تھا اور اس طرح پرودہ سبق ختم ہو جاتا تھا، یا یہ دستور تھا، کہ پڑھنے والا ہونے والے سبق کی ایک دو سطریں پڑھ کر ترجمہ کرتا تھا اور پڑھانے والا اس کا مطلب بیان کرتا، پھر اس عبارت پر جو ایراد و اعتراض ہوتا اس کو بیان کر کے جواب دیتا، پھر اسی طرح دو چار سطریں پڑھی جاتیں، اور ان کا ترجمہ اور مطلب اور ایراد و اشکال اسی طرح بیان کیا جاتا، یہاں تک کہ اندازہ کردہ مقدار میں عبارت پوری ہو جاتی، اور یہاں پہنچ کر سبق ختم ہو جاتا۔ پہلی صورت میں عملیہ نقص ہوتا تھا کہ طلبہ میں محاکات اور نقل کی استعداد تو تمام ہو جاتی تھی اور کتاب کے ہر مسئلہ پر وہ ایک دو الیٰں دو الیٰں تقریر کے عادی تو ہو جاتے تھے، مگر کتاب سے خصوصی مناسبت نہیں ہوتی تھی اور نہ قوت مطالعہ قوی ہوتی تھی، اور بسا اوقات پڑھنے والا اس تفہیم پر بھی قابو نہیں رکھتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے عبارت اس کی تحمل ہے یا نہیں؟ اور اگر تحمل ہے تو اس کے لئے سبق کی کون سی عبارت منشا و مآخذ ہے؟ پھر اس کے علاوہ اگر اس کی محاکاتی تقریر پر بیچ میں اگر کوئی اشکال پیش کر دیا جاتا تو میں نے دیکھا کہ یہ ساری تقریر اس طرح الجھ کر دے جاتی تھی کہ اس کو سمجھنا مشکل اور دشوار ہو جاتا تھا کہ اس کی تقریر کے جس ٹکڑے پر یہ ایراد ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اور اس کا جواب خود عبارت میں موجود ہے یا نہیں؟ دوسری صورت میں عموماً عملیہ تو محسوس ہوتا تھا کہ طلبہ میں کتاب سے کافی مناسبت بھی ہے، قوت مطالعہ بھی ہے، وہ عبارت کا صحیح مفہوم بھی سمجھتا ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ بڑی کمی دیکھنے میں آتی تھی، کہ وہ اپنے دماغ میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی خاص روشنی نہیں رکھتا ہے اور نہ اس پر قدرت رکھتا ہے، کہ وہ کتاب سے الگ ہو کر ایک سنبھی ہوئی تقریر میں اس چیز کی ترجمانی کرے، جو صاحب کتاب کا مقصد ہے، اور جو خود اس کے پڑھنے کا مطلوب و مقصود ہے۔ حضرت اثاؤ کا طریقہ تعلیم اس افراط و تفریط سے الگ بین بین تھا، وہ طلبہ کو کتاب سے اخذ مطلب پر زور دیتے تھے، اور اس طرح ان کی قوت مطالعہ میں پختگی ہو جاتی تھی، اور کتاب سے خاصی مناسبت پیدا ہو جاتی تھی۔“

یہ حضرت ابوالحسنؑ کی تدریسی خدمات و امتیازات کے چند اجزاء پیش کئے گئے ہیں، تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے۔

طویل عمر ہے درکار اس کے پڑھنے کو
ہماری داستان اوراق مختصر میں نہیں



فصل دوم

قلمی خدمات

اللہ پاک نے حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کو علم کی جس دولت بے پایاں سے مالا مال کیا تھا، اور آپ کے سینہ میں علم کا جو بحر بے کراں موجزن تھا، افسوس اس کا عشرِ عشر بھی سفینہ میں منتقل نہ ہو سکا، وہ تحریر کی اور تنظیمی کاموں میں اتنے مصروف رہے، اور ملک و ملت کے زلف پریشاں کی استواری کی فکر نے ان کو ایسا بے چین رکھا کہ باوجود خواہش و کوشش کے وہ قلمی اور تصنیفی خدمات کے لئے زیادہ وقت نہ نکال سکے، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ برسوں کے مشاغل اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا، قدرت کی طرف سے ماہ و سال کا بہت کم وقفہ ان کے لئے رکھا گیا تھا، اور اسی مختصر عرصہ میں ان کو اپنے حصہ کا سارا کام انجام دینا تھا۔

عناوہ لکھنے پڑھنے کے لئے جس فرصت و یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کو میسر نہیں تھی، ان کی صبح و شام قوم و ملت کے اتنے مسائل سے گھری رہتی تھی کہ خود اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے لئے بھی ان کے پاس وقت نہیں تھا۔

لیکن انتہائی مصروف ترین لمحات میں بھی جو منتشر تحریریں آپ کے اشہب قلم سے صادر ہوئی ہیں وہ غم و حکمت کے بیش قیمت شہ پارے اور دقائق و معانی کی دستاویزی یادگاریں ہیں۔

آپ نے مختلف مواقع پر فتاویٰ یا مقدمات کے فیصلے تحریر کئے، ملک کے حالات پر اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھے، علماء و اعیان اور احباب و متعلقین کے خطوط کے جوابات دیے، جلسوں اور کانفرنسوں میں صدارتی خطبات پیش فرمائے، مجالس اور کمیٹیوں کی تجویزیں مرتب

۱- آپ کے کئی تلامذہ اور متعلقین نے اس احساس کا اظہار کیا ہے کہ آپ بعض مسائل پر لکھنا چاہتے تھے، لیکن وقت میں منحوس نہیں تھی، مثلاً: ”ہندوستان اور مسلمان امارت“ کے نام سے ایک علمی اور دستاویزی کتاب تیار فرمادی تھی، گو کہ اشاعت بعد میں ہو سکی۔

۲- اسی طرح حکومت اسلامی پر بھی آپ ایک مفصل اور مکمل کتاب لکھنا چاہتے تھے، اس کا مکمل مسودہ مکمل ہو گیا تھا، آپ نے ان کی تصویات و نسیں کی شکل میں قلمبند کی تھیں، لیکن ابھی تہید ہی لکھ پائے تھے کہ وقت مسودہ آجپہچا (حکومت الہی ص ۱۵ عرض ناشر طبع اول القلم حضرت مولانا سید منت اللہ رحمہ فی طبع دوم از امارت شریعہ ۱۹۹۹ء وغیرہ۔

کیں، اداروں یا ملکوں کے دستوری مسودات تیار فرمائے، نئی کتابوں پر تقریظات یا تبصرے لکھے، ان میں بھی کچھ محفوظ رہے اور زیادہ تر ضائع ہو گئے، اگر آپ کے وصال کے بعد ہی آپ کے علمی ذخیروں کے تحفظ پر توجہ دی گئی ہوتی تو شاید کچھ زیادہ علمی سرمایہ دنیائے علم و فن کے لئے محفوظ رہ جاتا، لیکن اللہ کے علم میں جس قدر بچنا تھا وہی بچ سکا، علم کا جو حصہ اٹھالیا جانا منظور تھا، اٹھالیا گیا، حدیث میں آتا ہے کہ علم سینوں سے سلب نہیں کیا جائے گا بلکہ علماء اٹھائے جائیں گے اور ان کے ساتھ علم بھی اٹھ جائے گا۔^۲

حضرت ابوالحسنؒ کا علم سینہ سے سفینہ میں منتقل نہ ہو سکا

غرض ہمارے پاس جو موجود سرمایہ ہے اس کو حضرت مولانا سجادؒ کے علم سے کوئی نسبت نہیں ہے، جن لوگوں نے مولاناؒ کی زیارت کی تھی، ان کو سنا، برتا، اور ان کے ساتھ معاملات کئے، سفر و حضر میں ساتھ رہے، مجلسی بحثوں میں حصہ لیا، سوالات پوچھے، اور علم کے ساتھ ان کے بے پناہ اشتغال کا تجربہ کیا تھا، وہی لوگ سمجھ سکتے تھے کہ حضرت مولانا سجادؒ کا علم کیسا تھا؟ مولاناؒ کا علم ان کے سینہ میں دفن ہو گیا اگر وہ سفینہ میں منتقل ہو جاتا جس کا ان کے پاس موقعہ نہیں تھا، تو نہ معلوم کتنی لائبریریاں تیار ہو جاتیں۔ بڑے بڑے جہال علم ان کے سامنے اپنے کو کوتاہ قد محسوس کرتے تھے، علمی مباحث میں ان کی فکر کی گہرائی کا اندازہ کرنا عام غواصان علم و فن کے لئے بھی آسان نہ تھا۔

حضرت ابوالحسنؒ کے طرز تحریر کی خصوصیات

وہ کم گو تھے لیکن جب بولتے پر مغز بولتے تھے، ان کی عبارتوں میں چھلکے نہیں صرف گودے ہوتے تھے، رطب و یابس سے پاک ان کی زندگی کی طرح ان کی تحریریں بھی صاف ستھری، بے لاگ،

۱- حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاضی سابق قاضی القضاۃ امارت شریعہ پھولاری شریف نے بھی اپنے اس احساس اور عزم کا اظہار کیا تھا: ”دوستو! حضرت مولانا ابوالحسن محمد سیّد کوہم نے جتنے دن بھی بھلا کے رکھا ہے آئندہ اس گناہ کو دہرانا نہیں چاہئے“ کل شی مرھون باقائہ اللہ نے جو وقت رکھا تھا اس وقت ہم نے ان کو زندہ کیا ہے، ان شاء اللہ، را مستقبل بھی نہیں ہتی رکھے گا“

(۶۰) مولانا ابوالحسن سجاد - حیات و خدمات (سینیناری مجید) ص ۷۷

۲- عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول (إن اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً یترعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء) (الجامع الصحیح للمختصر للؤلوف: محمد بن اسماعیل أبو عبد اللہ البخاری الجعفی ج ۱ ص ۵۰ حدیث نمبر ۱۰۰ الناشر: دار ابن کثیر، البیامہ - بیروت الطبعة الثالثة، ۱۴۰۷ھ- ۱۹۸۷ء تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا أستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیة الشریعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: ۶ مع الكتاب: تعلیق د. مصطفیٰ دیب البغا)

واضح اور اعتدال و خوش ذوقی کا نمونہ ہوتی تھیں، ان کے الفاظ ان کے افکار و معانی کا بوجھ اٹھانے میں تعب محسوس کرتے تھے، ان کے جملوں کی ساخت، الفاظ کا انتخاب، اور تعبیرات کا اسلوب ہمیشہ مخاطب کی سطح کے مطابق ہوتا تھا، وہ دقیق سے دقیق باتوں کو انتہائی عام فہم اسلوب میں بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے، ان کے یہاں نہ تعقید تھی اور نہ اخلاق، نہ اجمال تھا اور نہ ابہام، قانون کی زبان لکھتے، تجاویز مرتب کرتے، یا کوئی دستوری مسودہ تیار فرماتے تو اتنے سچے تلے الفاظ اور تعبیرات کا استعمال کرتے کہ اس میں نہ کوئی لفظ بڑھانا ممکن ہوتا اور نہ کم کیا جانا اور نہ بدلا جاسکتا تھا، وہ انسانوں کی طرح الفاظ اور جملوں کے درجہ حرارت سے بھی باخبر تھے، اس لئے ہر لفظ بالکل صحیح جگہ پر فٹ ہوتا تھا، وہ مفکر تھے اور ان کی تفکریت ان کے جملوں سے عیاں ہوتی تھی، وہ مشکل الفاظ سے اپنی عبارت کو بوجھل بنانے کے قائل نہیں تھے، وہ بیانیہ اسلوب تحریر کے عادی تھے، اور ہر بات بالکل صاف صاف کہتے اور لکھتے تھے، جس طرح ان کی زندگی کھلی کتاب تھی ان کی تحریریں بھی ان کی زندگی کی آئینہ دار ہیں، ان کی شخصیت کے ساتھ ان کا طبعی انکسار ان کی تحریروں میں بھی جھلکتا ہے، بلند علمی حقائق بیان کرنے کے باوجود کبھی اپنے بڑے ہونے کا خیال بھی نہیں آیا، انہوں نے مراد آباد کے مجمع عام میں صدارت کی کرسی سے اس بات کا اعلان کیا کہ:

”بلا تضرع میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں، کہ میں ایک طالب علم ہوں، اور رسمی و عرفی طور پر اگرچہ علمائے کرام کی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت مل گئی ہے مگر میں علمائے کرام و فضلاء عظام کی پائیں میں بھی بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں، کیونکہ ایک عالم دین کو علمی و عملی حیثیت سے جس درجہ پر ہونا چاہئے، میں یقین رکھتا ہوں کہ اب تک میں وہاں تک نہیں پہنچا اور ہنوز ہر حیثیت سے ناقص ہوں۔ شاید اس زندگی سے چند گونہ زائد زندگی بھی اگر مجھ کو میسر آئے تو بھی مجھے یقین نہیں کہ علمائے ربانین کے ادنیٰ مرتبہ تک پہنچ سکوں۔“

حضرت مولانا کے تحریری سرمایہ کے تحفظ کی کوششیں

حضرت مولانا کے علوم و افکار کو کچھ آپ کی حیات میں اور زیادہ تر آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی نے مرتب فرمایا، مولانا رحمانی اپنے استاذ کے علوم و افکار کے امین بھی تھے اور ترجمان بھی، امارت شرعیہ کے ہر پہلو پر علمی بنیادیں تحریری

صورت میں آپ نے ہی فراہم کیں، وہ حضرت مولانا سجاد کی زبان تھے، اور جس وفا شعار، سعادت مندی اور امانت داری کے ساتھ انہوں نے اپنے استاد کی علمی و فکری امانتوں کو دنیا کے علم تک پہنچایا اس کی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمائی کے علاوہ امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمائی بھی حضرت ابوالحسن کی سیرت اور آپ کے علمی خزانوں کی ترتیب و اشاعت کے لئے کافی فکر مند رہے، انہوں نے اپنی اس آرزو کا اظہار آپ کی وفات کے بعد ہی کیا تھا:

”حضرت مولانا کے محاسن کو بتلانے اور آپ کی سوانح کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے کا کام چند اوراق میں نہیں ہو سکتا اس کے لئے اچھی خاصی جہاد کی ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ یہ آرزو جلد پوری ہو جائے۔“

چنانچہ حضرت مولانا سجاد صاحب کی کتاب حکومت الہی کی پہلی اشاعت آپ ہی کے ذریعہ عمل میں آئی، گو کہ یہ اصل کتاب کا صرف مقدمہ ہے، لیکن مولانا منت اللہ رحمائی کے عرض ناشر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل کتاب کے غیر مرتب نوٹس بھی ان کی دسترس میں تھے، اور ان کو ترتیب دینا گو کہ بہت مشکل کام تھا، لیکن وہ اس کا ارادہ رکھتے تھے۔^۲

اللہ پاک درجات بلند فرمائیں فقید العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے، جو اس عہد اخیر میں علم و تفقہ اور امانت کے لئے دردمندی میں حضرت مولانا محمد سجاد کا عکس جمیل تھے، انہوں نے اپنے سابقین اولین دونوں اکابر کے منصوبوں کو عملی شکل عطا فرمائی، اور ان کے شروع کئے ہوئے کاموں کو آگے بڑھایا، انہوں نے علوم سجاد کے نئی گم شدہ دینی کھونٹکا لے اور ان کو مرتب اور شائع کر کے دنیا کے علم پر احسان عظیم فرمایا۔

آج علوم سجاد کا جو بھی تحریری ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ زیادہ تر حضرت قاضی صاحب کی قلمروسی کی دین ہے، انہوں نے آپ کی کتابوں کی اشاعت کے علاوہ آپ کے نام پر کئی یادگار قائم کئے، اور آپ کی حیات و خدمات پر پختہ میں ایک بڑا تاریخی نمائندہ سیمینار منعقد کیا، جس کو امارت شریعی کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، جس میں ملک اور بیرون ملک سے اہل علم اور اصحاب قلم نے شرکت کی، یہ حقیر اقم الحروف بھی اس میں شریک تھا۔

۱- حیات سجاد ص ۲۱۔

۲- عرض ناشر شیخ اول حکومت الہی ص ۱۵، حضرت مولانا رحمائی کی اس تحریر کے بعد یہ معلوم نہ ہوا کہ حضرت سجاد کی ان یادداشتوں کا کیا ہوا؟ کاش آج بھی وہ کسی صاحب علم و تحقیق کو میسر ہو جائیں تو غنائت اسلامی کا ایک خاکہ اردو زبان میں تیار ہو سکتا ہے۔

البتہ سیمینار کے بعض شرکاء کی آراء کے مطابق 'مولانا سجاد تحقیقی مرکز' اور آپ کی ایک اچھی سوانح لکھے جانے کی جو تجاویز اس سیمینار میں منظور ہوئی تھیں، وہ شرمندہ تعبیر نہ ہو سکیں، قاضی صاحب صحت بیمار ہوئے اور زندگی نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس اہم کام کو انجام دے پاتے، ان کے بعد یہ تمام چیزیں پھر افسانہ ماضی بن گئیں، اور وہ تجاویز بھی سرد خانے کی نذر ہو گئیں جو بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ منظور کی گئی تھیں۔

حضرت مولانا سجاد کا جو مختصر قلمی اثاثہ آج محفوظ ہے اس کے تفصیلی تعارف کے لئے بھی ایک طویل دفتر درکار ہے، یہاں صرف مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول محاسن الفتاویٰ

مرتبہ: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۳۱۱

یہ پوری جلد حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے، جس کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے مرتب فرمایا اور اپنے مقدمہ، تعلیقات اور حواشی کے ساتھ خود اپنی نگرانی میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے شائع کیا، اس کا دوسرا نام "محاسن الفتاویٰ" بھی ہے۔ اس میں مختلف موضوعات سے متعلق کل ۱۹۸ فتاویٰ ہیں، طہارت سے لے کر عبادات نکاح و طلاق، اوقاف، خلافت و قضا کے ابواب تک بہت سے قیمتی مباحث کا یہ مرقع ہے، سطر سطر سے آپ کی فقہی بصیرت اور وسعت مطالعہ نمایاں ہے، بالخصوص وہ فتاویٰ جن کا تعلق اجتماعی، دستوری اور ملی مسائل سے ہے، مثلاً استبدال وقف، ترک موالات، امارت و خلافت، دیہات میں جمعہ کا حکم، غیر عربی زبان میں خطبہ جمعہ وغیرہ مسائل، ان پر آپ نے جس انداز سے بحث فرمائی ہے وہ کوئی فقہی انفس اور زمانہ شناس عالم دین ہی کر سکتا ہے، اس کتاب کے کئی مباحث پر مولانا کے فقہی حصہ میں گفتگو آچکی ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے اس کے مقدمہ میں جو الفاظ لکھے ہیں وہ اختصار کے ساتھ ان فتاویٰ کا بہترین تعارف اور اس موضوع پر لکھے جانے والے مضامین کا خلاصہ ہے:

"ان فتاویٰ میں جو ملی گہرائی، مقاصد شریعت سے آگہی، اور مطالعہ کی وسعت پائی جاتی ہے، خود اصحاب علم اور ادارہ باب افتاء ان کا اور اک کریں گے۔" ۲

۱- حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد - حیات و خدمات (سیمیناری مجلد) ص ۲۷ تقریر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی۔

۲- فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۲۳۔

یہ تو صرف وہ فتاویٰ ہیں جو امارت شریعہ کے قیام کے بعد آپ نے پھلادری شریف میں رہتے ہوئے دیئے تھے، آپ کے فتاویٰ کی بڑی تعداد وہ تھی جو آپ نے مدرسہ انوار العلوم گیارہویں دیئے تھے، کچھ قیام امارت کے بعد اور زیادہ ترقیام سے پہلے، اسی طرح آپ نے الہ آباد مدرسہ سبحانیہ کی تدریس کے زمانہ ہی سے فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا، تذکرہ نویسوں کے مطابق آپ روزانہ بعد نماز عصر مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف رکھتے اور افتاء کی ذمہ داریاں پوری فرماتے، الہ آباد میں آپ کی شہرت مفتی کی حیثیت سے تھی، لوگ بکثرت ہر طرح کے مسائل کے لئے آپ سے رجوع کرتے تھے، فقہ و فتاویٰ میں آپ نے الہ آباد کے مسلمانوں کا ایسا اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ لوگ اپنے شرعی مسائل میں آپ کے علاوہ کسی سے رجوع کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اس کا منظر وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے اور آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے کہ جب آپ مستقل طور پر الہ آباد سے رخصت ہوئے، تو اعیان و رؤساء شہر کا ایک جم غفیر آپ کو الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن حاضر ہوا، اور سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ ”آج الہ آباد سے فقہ رخصت ہو رہی ہے“، اس سے آپ کی کثرت فتویٰ نویسی کا اندازہ ہوتا ہے، اس وقت تدریس اور فتویٰ نویسی کے علاوہ کوئی دوسرا کام آپ سے متعلق نہیں تھا، اگر اس دور کے فتاویٰ محفوظ ہوتے تو وہ بھی کئی جلدوں پر محیط ہوتے، یہی حال مدرسہ انوار العلوم کے زمانہ قیام کا ہے، اللہ کو منظور نہیں تھا اور نہ فقہ و فتاویٰ کی ایک عظیم الانبریری تیار ہو سکتی تھی، اور دنیا نے صرف آپ کے فتاویٰ نہیں کھوئے ہیں، بلکہ وہ علم کے ایک پورے کتب خانہ سے محروم ہو گئی ہے۔

(۲) قضا یا سجاد

تصحیح و تقدیم: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۱۶۸

یہ حضرت ابوالحسنؒ کے چھ (۶) فیصلوں کا مجموعہ ہے، اور قضا کے باب میں سنگ میل

کا درجہ رکھتا ہے:

(۱) فیصلہ متعلقہ ثبوت نسب و نسخ نکاح

(۲) فیصلہ متعلق خلع۔

(۳) فیصلہ بابت تنازع امامت مسجد ماہین احناف و اہل حدیث۔

(۴) فیصلہ متعلق تقسیم جائیداد و میراث۔

(۵) فیصلہ مراقبہ متعلق مطالبہ خلع۔

(۶) فیصلہ متعلق مالی و کاروباری لین دین۔

ان قضایا پر میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے عصر جدید میں اس موضوع پر سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے قاضی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب قاضی القضاۃ امارت شرعیہ کا تبصرہ نقل کرتا ہوں۔

”ہم مولانا کے چند قضایا (فیصلے) پیش کر رہے ہیں، جو مولانا کی قوت استنباط، استقامت فکر، اور غیر معمولی تفقہ کے آئینہ دار ہیں۔ کسی عورت کو شوہر کی موت کی خبر ملی اور اسے الطینان ہوا کہ یہ خبر صحیح ہے اور اس نے نکاح ثانی کر لیا۔ یہ سادہ سا مقدمہ ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے فیصلہ میں خبر واحد کی حیثیت، اس کا قابل اعتبار ہونا، آیات قرآنی سے استنباط، پھر کوئی خبر ملے تو حکم قرآنی کے مطابق اس کی تحقیق و تفتیش، اور تحقیق کے نتیجہ پر عمل پیرا ہونا، یہ اور اس طرح کے دیگر نکات پر جو بحثیں کی ہیں، وہ اہل علم اور اصحاب فقہ کے لئے بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔

مسجد میں جمعہ کی نماز کی امامت حنفی کرے یا اہل حدیث؟ اس جھگڑے میں بڑا فتنہ ہوتا ہے، کیا مسجد میں کسی ایک فرقہ کے کسی ایک شخص کا مسلسل امامت کرنا اس مسجد پر اس فرقے کے مستقل حق کی دلیل بن سکتی ہے۔ لیکن اگر بانی مسجد مصالح شرعی کو نظر انداز کر کے امام کا تعین کرے تو کیا بانی کے اس تعین کا اعتبار ہو گا یا اس کا حق مصالح شرعی کے ساتھ مشروط ہے؟“

یہ مجموعہ امارت شرعیہ پھلواری شریف سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا، ترتیب کا کام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی نگرانی میں مولانا فہیم اختر ندوی نے کیا ہے۔

(۳) قانونی مسودے صفحات: ۶۳

مختلف مواقع پر حضرت مولانا سجاد کے قلم سے نکلنے والے بعض قانونی مسودات کا مجموعہ، جس کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے زیر نگرانی جناب مولانا محمد ضحان اللہ ندیم صاحب نے مرتب کیا ہے، اس میں بنیادی طور پر پانچ مسودے ہیں:

☆ مسودہ مسلم قانون فسخ نکاح

اس کو مولوی غلام بھیک اور محمد احمد کاظمی نے مرتب کیا تھا، اس میں کئی قانونی اور علمی خامیاں تھیں، حضرت مولانا محمد سجاد نے اس پر ایک علمی تبصرہ تحریر فرمایا، اور ان خامیوں کی نشاندہی فرمائی۔

☆ مسودہ قانون انفساخ نکاح مسلمات

یہ حضرت مولانا سجاد کے قلم سے ہے جس کو آپ نے مولوی غلام بھیک وغیرہ کے مرتب کردہ مسودہ قانون کے باقاعدہ ایک جامع متبادل کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اس مسودہ کی ترجیح کے اسباب و وجوہ پر بھی ایک مستقل تحریر لکھی وہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

☆ مسودہ نظارت امور شرعیہ

اس میں حکومت ہند سے ایک ایسے قانونی ادارہ کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور اس کا تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، اور ان کے مذہبی قوانین اور معاشرتی روایات کے تحفظ کے لئے مخصوص ہو، جس کے تحت امور شرعیہ کی انجام دہی کے لئے ایک بااختیار مسلم حاکم مقرر ہو جو قاضیوں کا تقرر کرے اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کے مذہبی قوانین کی نگرانی بھی کرے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب اس مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”جو لوگ فقہ اسلامی پر نظر رکھتے ہیں وہ اس مطالبہ کے پیچھے مولانا کے اس ذہن و سما کو پڑھ سکتے ہیں، جس کے ذریعہ انہوں نے اس طرح کے مخصوص حالات میں فقہ اسلامی کی ہدایات کو عملی صورت دینے کی کوشش کی۔“

☆ اوقاف پر زرعی ٹیکس

اس میں حضرت مولانا سجاد نے زرعی ٹیکس کے قانون سے اسلامی اوقاف کو خارج کرنے کا مطالبہ کیا ہے، اور اس کو مذہبی مداخلت قرار دیا ہے، مولانا نے اس کی قانونی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی ہے، حضرت ابوالحسین کے اخذ اور مجتہد اذہن کا شاہکار۔

☆ تحفظ موبیشیان کا بل

حکومت ہند کے نافذ کردہ ایک تعزیری بل کے جواب میں ایک قانونی تحریر جس میں حضرت مولانا نے نہایت مدلل طور پر اس بل کے قومی و ملکی نقصانات اور اس سے پیدا ہونے والے منفی اثرات پر روشنی ڈالی ہے، اور جو کچھ لکھا ہے وہ فراست کے آئینہ میں دیکھ کر لکھا ہے، آپ نے جن خدشات کا اظہار اپنی اس تحریر میں کیا تھا، زمانہ مابعد نے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی، جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

یہ مجموعہ امارت شرعیہ سے شائع ہو چکا ہے۔

(۴) حکومت الہی

تصحیح و نقدیم: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۱۳۳

اس کتاب میں اسلامی قانون کی جامعیت وابدیت اور ہر زمانہ میں اسلامی نظام حکومت کی ضرورت پر مدلل بحث کی گئی ہے، اسلام کا اجتماعی نظام حضرت مولانا سجاد کے تفکر کا خاص موضوع تھا، اسی کا ایک جز و حکومت الہی ہے، حکومت الہی یا خلافت اسلامیہ کا ایک مفصل اور مرتب نقشہ حضرت مولانا کے ذہن میں موجود تھا، اور بقول حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمائی جنہوں نے سب سے پہلے اس خاکہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا:

”حضرت مولانا کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ اپنے دماغ کی امانت قلم کے سپرد کر دیں، چنانچہ مولانا نے اس مسئلہ کے متعلق تمام تفصیلات ابتداء تو لوں کی شکل میں یکجا کیں اور پھر اس کو مرتب فرمانا شروع کیا، ابھی زیر نظر ”تمہید“ ہی لکے پھر پائے تھے کہ داعی اہل نے آواز دی، مولانا نے لبیک کہا، اور اس سے جاملے جس کی بادشاہت ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ یہ کتاب دراصل اس تفصیلی نظام کی تمہید ہے جس کو مولانا حکومت الہیہ کا مکمل نظام کے نام سے لکھنا چاہتے تھے، لیکن اس تمہید میں تقریباً وہ تمام مضامین سمٹ آئے ہیں جن کی ابتداء ضرورت تھی، اور جن کے بغیر نہ حکومت الہی کے مکمل نظام کو پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ سمجھا جاسکتا ہے، اور اس لئے یہ تمہید خود بھی ایک قیمتی تالیف بن گئی ہے۔“

آغاز کتاب میں حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کا مقدمہ ہے جس میں کتاب کے مضامین کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے، جو دراصل کاکب کا پہلا باب ہے، اور دوسرا باب جس کو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ باوجود خواہش و آرزو سپرد قریطاس نہ کر سکے، اس کے بارے میں مولانا سیوہارویؒ کہتے ہیں:

”افسوس کہ مولانا مرحوم اس اہم اور عظیم الشان تمہید کے بعد اس دوسرے باب کی تکمیل نہ فرما سکے، جو ایک مکمل دستور اور بے نظیر جماعتی نظام کی شکل میں سامنے آتا اور خلافت راشدہ کے تیس سالہ معنی نظام کی تدوین کا شاہکار بنتا۔“

دوسرے باب کے لئے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے جو نوٹس تیار کئے تھے، وہ مولانا منت

۱۔ حکومت الہی، عرض ۱۵ ص ۱۵۔

۲۔ حکومت الہی، مقدمہ ص ۳۱۔

اللہ رحمائی کے پاس موجود تھے اور مشکل کے باوجود وہ ان کو مرتب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، مگر مولانا رحمائی کو اس کے لئے شدید مہلت نہ مل سکی، اور ان کے بعد یہ قصہ ہی فراموش ہو گیا، اور اب شاید کسی کو نہیں معلوم کہ حضرت مولانا سجاد کے وہ نوٹس کہاں گئے؟

حضرت مولانا سجاد کی گم شدہ غیر مرتب یاداشت کا مرتب عملی نمونہ تھوڑے فرق کے ساتھ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ ہے، حضرت رحمائی رقمطراز ہیں:

”آج مکمل اقتدار حاصل ہو جائے، تو تھوڑے سے اضافہ کے بعد امارت شرعیہ خلافت اسلامیہ کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ بلکہ اس کی جیت ترکیبی ہی ایسی ہے کہ قوت کے حصول کے بعد وہ خلافت اسلامیہ کے سوا اور کوئی چیز بن ہی نہیں سکتی۔“

اس کتاب کی پہلی اشاعت دسمبر ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا منت اللہ رحمائی کے زیرِ اہتمام عمل میں آئی، جس میں نواب عبدالوہاب خان اور مکتبہ سیفیہ مونگیر کی مالی معاونت کا بڑا حصہ شامل رہا، اور دوسری اشاعت ۱۹۹۹ء میں خود امارت شرعیہ پھلواری شریف نے کی۔

(۵) خطبہٴ صدارت

تصحیح و تنقید: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۱۴۳

اجلاسِ جمعیۃ علماء ہند مراد آباد میں پیش کردہ خطبہٴ صدارت، بے حد علمی اور بصیرت افروز ہے، مولانا کے اس خطبہ میں قیامِ جمعیۃ علماء ہند، امارت شرعیہ، ہندو مسلم اتحاد، جیسے ملکی مسائل کے علاوہ خلافتِ ترکی کے تحفظ، حجاز اور جزیرۃ العرب کے مسئلہ، اور حریمِ شریفین و دیگر مقامات مقدسہ کے نظم و انتظام جیسے عالمی مسئلہ سے بھی تفصیلی بحث کی گئی ہے، اور تاریخی و علمی اثر کے ذریعہ ان کو مدلل کیا گیا ہے، اس کے ساتھ اسلامی سیاست کا مفہوم اور حدود، علماء اور اسلامی سیاست۔ فکری اور تاریخی تناظر میں، اقامتِ خلافت کی شرعی حیثیت، امارت شرعیہ کا حکم اور اس کا اجماعی خاکہ، ترکِ موالات کا حکم، تبدلِ احکام شرعی کی حقیقت، غیر مسموں سے اتحاد کا حکم اور اصول وغیرہ بہت سے علمی و فکری مسئلہ و موضوعات کا بھی یہ مرقع ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے علماء، مؤسکین، تنگ نظریوں اور فروعی اختلافات سے بالاتر ہو کر کام کرنے کا پیغام دیا ہے، علماء میں تنظیم و اتحاد کی کس درجہ ضرورت ہے اور ملک و ملت کے لئے وہ کس قدر مفید ہے؟ اس پر روشنی ڈالی ہے، خطبہ کا آخری

حصہ عربی زبان میں ہے اور اس کے مخاطب علماء کرام ہیں۔ خطبہ کی اسی جامعیت سے متاثر ہو کر حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ نے اس کو اسلامی سیاسیات کا انسائیکلو پیڈیا قرار دیا ہے۔ اجوینی بر حقیقت ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی توجہ سے ۱۹۹۹ء میں امارت شرعیہ سے شائع ہوئی۔

(۶) مقالاتِ سجاد صفحات: ۱۲۵

سیاسی، اصلاحی اور تعلیمی مسائل پر حضرت مولانا محمد سجادؒ کے مختلف نایاب مقالات کا مجموعہ جس کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی نگرانی میں مولانا محمد ضحان اللہ ندیم مرحوم نے مرتب کیا، ۱۹۹۹ء میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے شائع کیا۔ اس مجموعہ میں تیرہ مقالات شامل ہیں، پانچ سیاسی نوعیت کے اور آٹھ اصلاحی مقالات ہیں، جن میں بعض بڑے اہم اور حساس موضوعات بھی ہیں۔ سیاسی مقالات درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہیں:

(۱) ہندوستان کا آئندہ دستور اساسی

اس میں حضرت مولانا سجادؒ نے انگریزوں کے بنائے ہوئے اس دستور کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے جو ۱۹۳۶ء میں ملک میں بحیثیت دستور نافذ ہونے والا تھا، اور جس کو سمندر پار برطانیہ میں مرتب کیا گیا تھا، اس دستور کو اس وقت کے تقریباً تمام ہی اصحابِ سیاست نے ناقابلِ قبول قرار دیا تھا، لیکن حضرت مولانا سجادؒ کو یقین تھا کہ یہ دستور ہندوستانیوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ہندوستان میں نافذ ہو کر رہے گا، اس لئے مولاناؒ نے اس دستور کے ایک ایک جزو پر تفصیلی گفتگو کی اور اس کی قانونی کمزوریوں اور ملی نقطہ نظر سے متوقع خدشات کی نشاندہی فرمائی، حضرت مولاناؒ کا یہ مقالہ جریدہ نقیب پھلواری شریف پٹنہ میں شائع ہوا جو اس وقت کا کثیر الاشاعت اخبار تھا، مولاناؒ نے یہ مقالہ لکھ کر ہندوستان کے تمام اہل اسلام کی طرف سے فرض کفایہ انجام دیا، اور اسی کے بعد مختلف جماعتوں نے اپنے اپنے دستور مرتب کئے، مولاناؒ نے بھی جمعیۃ کی طرف سے ایک دستور مرتب کیا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۲) اسلام اور مسلم قومیت کے کیا معنی ہیں؟ گاندھی جی غور کریں۔

یہ گاندھی جی کے ایک مضمون کے رد میں لکھا گیا تھا جو اختلاف رائے کے عنوان سے ۱۱ نومبر ۱۹۳۹ء کے ہریجن اخبار میں شائع ہوا اور اس کا اردو ترجمہ اخبار زمزم میں شائع ہوا، اس مضمون میں گاندھی جی نے اپنے عدم تشدد (انسا) کے نظریہ کو اسلامی اور قرآنی تعلیمات سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، تاکہ وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل قبول ہو سکے،۔۔۔ مولانا نے اس مقالہ میں گاندھی جی کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ان کی ایک ایک دلیل کے تار و پود بکھیر دیئے۔

(۳) گاندھی جی اور کانگریس

گاندھی جی کانگریس کے اہم رکن بلکہ روح روں تھے، لیکن ایسا نہیں تھا کہ اور دوسرے ارکان ان سے کم اہم تھے، لیکن گاندھی جی نے اپنی ہوشمندی سے پارٹی پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لئے کبھی مذہبی نظریات تو کبھی قومی خدمات کے عنوانات سے مختلف چیزوں کی تشہیر کرتے رہتے تھے، اسی ضمن میں ان کے حامیوں نے گاندھی ازم، ہندو ازم اور جناح ازم وغیرہ اصطلاحات استعمال کر کے گاندھی جی کی شخصیت کو ایک نظریاتی شخصیت بنانے کی کوشش کی، اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ کانگریس گاندھی ازم کے راستہ پر چل رہی ہے، اس طرح گاندھی جی اپنے کئی سیاسی حریفوں کو مات دینا چاہتے تھے، حضرت مولانا سجاد نے اصل معاملہ کی نزاکت محسوس کر لی اور اس قسم کی کوششوں کا علمی و سیاسی تعاقب فرمایا، مولانا نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا کہ:

”مسلمان سکھ، پارسی، عیسائی، گاندھی جی کو بیکل مہاتما مانتے تھے نہ آج مانتے ہیں دو کانگریس

میں محض اس لئے شریک ہوئے ہیں کہ وہ برطانوی شہنشاہیت کے خلاف متحدہ محاذ ہے۔“

حضرت مولانا سجاد نے اس مضمون میں مدلل طور پر درج ذیل نکات پر روشنی ڈالی کہ (حضرت

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے الفاظ میں):

”گاندھی جی کے فلسفہ کی بنیادیں کیا ہیں؟ کانگریس میں فکری تضاد کی تفصیل اور اس یقین کا اظہار

نام کانگریسیوں نے گاندھی جی کے فلسفہ کو بطور عقیدہ نہیں، بلکہ وقتی حکمت عملی اور پالیسی کی حیثیت

سے قبول کیا ہے، انسا، نبیہ اور سچائی کے جو اصول گاندھی جی نے اختیار کئے ہیں اور جس طرح ان

کی تشریح کی ہے وہ احتجاجی بن گئے ہیں، اور فطرت انسانی کے خلاف ہیں۔ یہ تحریر آج بھی زندہ

ہے اور گہرے مطالعہ کی مستحق ہے۔“

(۴) فرقہ وارانہ معاملات کا فیصلہ کن اصولوں پر ہونا چاہئے؟

اس میں مختلف فرقوں اور جماعتوں کے درمیان مصالحت اور ہم آہنگی کے اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۵) مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا کی اسکیم پر ایک اہم تبصرہ

مسلم لیگ نے ہندو مسلم اختلافات کے حل کے طور پر ایک اسکیم پاس کی، جس کا نام تھا ”مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا“، حضرت مولانا سجادؒ نے اس اسکیم کو قانونی، سیاسی اور معاشی ہر اعتبار سے ناقابل عمل قرار دیا، اس مضمون میں اس کی پوری تفصیل معقولہ دلائل کے ساتھ موجود ہے، یہ مضمون نقیب پھلواری شریف ۱۲/۱ پریل ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا تھا۔

ان کے علاوہ آٹھ (۸) مقالے اصلاحی ہیں:

(۶) اصلاح تعلیم و نظر مدارس عربیہ

یہ مقالہ جمعیت علماء بہار کے اجلاس کی رپورٹ پر مشتمل ہے اور اس میں مدارس کو فعال اور زیادہ سے زیادہ مفید اور با اثر بنانے کے لئے لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے، اس میں حضرت مولانا کے بعض تعلیمی نظریات بھی آگے ہیں، جن کی معنویت آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے، اس وقت مولانا جمعیت علماء بہار کے ناظم تھے۔

(۷) ضلع پورنیہ کا دورہ۔ مسلمانوں کا جوش و خروش ✖ خوش آئند توقعات

اس مضمون میں حضرت مولانا سجادؒ کے دورہ پورنیہ کی روئیداد اور پورنیہ کے مسلمانوں کی دینی، تعلیمی، معاشی اور اخلاقی صورت حال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(۸) نشہ خوری سے اجتناب فرض ہے۔

اس میں مسکرات کی حرمت و ممانعت پر مدلل گفتگو کی گئی ہے، اس زمانہ میں حکومت بہار نے شراب پر پابندی عائد کی تھی، اسی تناظر میں یہ مضمون لکھا گیا تھا اور حکومت بہار کو مبارکباد بھی پیش کی گئی تھی۔

(۹) تحریک تہزا۔

یوپی میں ایک تہزائی فرقہ پیدا ہوا جو خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کو سب و شتم کرتا تھا، یہ مضمون اسی کے رد میں لکھا گیا تھا۔

(۱۰) غزوہ احد میں بصیرتیں، سمع و طاعت کی تعلیم

غزوہ احد سے انسانیت کو کیا سبق ملتا ہے، اور سمع و طاعت کی کمی سے امت کس طرح

مصابیتوں میں مبتلا ہو جاتی ہے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے بڑے مؤثر انداز میں ان نکات پر روشنی ڈالی ہے۔

(۱۱) تجدیدِ نعمت

اس مقالہ میں حضرت ابوالحسنؒ نے امارت شرعیہ کے قیام کی مختصر رواد و ذکر کی ہے اور اس کو مسلمانانِ بہار کے لئے نعمتِ عظمیٰ قرار دیا ہے۔

(۱۲) زلزلے اور حادثے - ایک تاریخی جائزہ

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۳۳ء کو بہار میں قیامت خیز زلزلہ آیا، جس سے بھیا نک تباہی آئی، حضرت مولانا نے تن من دھن کی بازی لگا کر مصیبت زدگان کی خدمت کی اور اسی کے ساتھ صبر و تسلی کے لئے یہ علمی و تاریخی مقالہ قلمبند فرمایا جس میں سنین کی ترتیب پر تاریخ کے اکیاسی بڑے ہولناک زلزلوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے سامنے بہار کے زلزلہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ پاک نے بڑے زلزلوں سے ہماری حفاظت فرمائی۔

(۱۳) رانچی کا صدارتی خطاب

یہ جمعیت علماء ضلع رانچی کے اجلاس میں بحیثیت صدر اجلاس آپ نے زبانی طور پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، جس میں سورہ فاتحہ کی روشنی میں مسلمانوں کی زندگی کے لئے لائحہ عمل پیش کیا گیا تھا، بعد میں کسی نے اس تقریر کو تحریر کی صورت عطا کی، گو کہ اس میں پوری تقریر نہ آ سکی لیکن اس کا لب لباب ضرور آ گیا ہے۔

(۷) امارت شرعیہ شبہات و جوابات

تصحیح و تصدیق: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صفحات: ۸۷

نظریہ امارت کی بہترین علمی تشریح اور شبہات و اعتراضات کے جوابات حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ بدرالدین پھنوارویؒ اور ہانی امارت شرعیہ حضرت مولانا سجادؒ کے قلم سے۔

یہ کتاب دراصل حضرت مولانا عبدالباری فرنگی مٹنی (جو تحریک خلافت اور جمعیت علماء ہند کے بانیوں میں تھے) کے شبہات کے جواب میں لکھی گئی ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اس کتاب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اس کے ”حرف اول“ میں لکھتے ہیں:

”جب قیام امارت شرعیہ اور نصب امیر کی تحریک چلی تو حضرت فرنگی مٹنی کے ذہن میں

چند شبہات پیدا ہوئے، ان میں ایک اہم بات یہ تھی، کہ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ جس شخص کو اس منصب پر مقرر کیا جائے گا کبھی وہ اقتدار کے سامنے خوف سے مرعوب ہو کر یا کسی لالچ میں آ کر جھک نہ جائے اور امت کا سودا نہ کر لے۔

دوسرا شبہ مولانا کو یہ تھا کہ ان کے نزدیک ہندوستان دارالاستیلاء ہے یعنی ایسا ملک جو حقیقتاً دارالاسلام ہے، لیکن اس پر غیر مسلموں کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو گیا ہو، مولانا اس کے بھی قائل ہیں کہ اس عارضی استیلاء کو دور کرنا ہمارا فرض ہے، لیکن وہ اس کے متلاشی ہیں کہ کیا ایسی صورت میں امیر مقرر کر لینا اور پھر اس کی بیعت کرنا لازم و ضروری ہے اور کیا اس کی نظیر قرن اول میں موجود ہے، مولانا نے اس طرح کی بیعت کے جواز کا تو انکار نہیں کیا لیکن ان کو لزوم میں شک رہا۔

تیسرا سوال ان کے ذہن میں یہ تھا کہ اس طرح جو امیر مقرر کیا جائے گا، اس کی حیثیت کیا ہوگی، آیا وہ امام اعظم ہوگا؟ یا والی (امیر الناحیہ) یا قاضی؟ اگر امام اعظم تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا ٹکراؤ خلیفہ سے ہوگا، اور اس کی کامیابی کی صورت میں فتنہ پیدا ہوگا، اور ناکامی کی صورت میں نیا فرقہ، اور والی و قاضی کے لئے بیعت ہے نہیں، اس لئے اولاً امیر کی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

حضرت فرنگی محلیؒ کے دو خطوط کے جوابات امیر اول مولانا شاہ بدرالدین صاحب نے دیئے ہیں اور تیسرے خط کا تفصیلی جواب مولانا سجاد صاحبؒ نے دیا ہے، ہر دو بزرگوں کے تحقیقی جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کے عام اجتماعی قانون کے تحت مسلمانوں پر نصب امیر واجب ہے، چاہے وہ جہاں بھی ہوں، اور جس حال میں بھی ہوں، بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ مکہ کی اس زندگی میں ہوئی، جب قہر و غلبہ غیروں کو حاصل تھا، مکہ ہو مدینہ دونوں ہی دارالحرب تھے، اور اسے ایک دارما میں یا دو، بہر صورت غیروں کے اقتدار میں رہتے ہوئے کچھ افراد نے ایک فرد کے ہاتھ پر بیعت سمع و طاعت کی، اور یہ بیعت محض اس بات کی نہیں تھی، کہ میں جب مدینہ آؤں گا تو میری مدد کرنا، بلکہ سمع و طاعت اور اسود و احمر کے مقابلے میں جنگ پر بیعت تھی۔

پھر یمن کے علاقہ میں اسود غنسی کا بغاوت کرنا، اور غلبہ و اقتدار حاصل کر لینا دارالاسلام میں استیلاء کی نظیر ہے، اور اس موقع پر صنعاء میں بوقت صبح صادق مسلمانوں کا اجتماع اور حضرت معاذ بن جبلؒ کی امامت و امارت پر اتفاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذن حاصل کئے بغیر مرکز اقتدار سے دور مسلمانوں پر استیلاء کفار کی صورت میں نصب امیر کی دلیل ہے۔

رہا یہ شبہ کہ منتخب امیر وقت کہیں اقتدار وقت کے سامنے جھک نہ جائے، تو یہ قابل لحاظ نہیں

ہے اس لئے کہ اگر اس طرح کے شک و شبہ کا اعتبار کیا جائے تو انتخاب خلیفہ بھی اس طرح کے خطرہ کے پیش نظر صحیح نہیں ہوگا، خاص کر جن حالات میں خلیفہ عثمانی سلطان عبدالمجید کا تقرر منصب خلافت پر عمل میں آیا، وہ خلیفہ کی مقہوریت کا نمونہ ہے۔

اس کتاب میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ امیر شریعت کی حیثیت خلیفہ اعظم کی نہیں بلکہ والی کی ہوگی، اور والی یعنی امیر ناحیہ کبھی خود خلیفہ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے اور ایسی صورت میں اس کا عزل و نصب خلیفہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، اور جب خلیفہ کی طرف سے والی کا تقرر ممکن نہ ہو تو ارباب حل و عقد کی طرف سے والی مقرر کیا جائے گا، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، اسی طرح مسئلہ قاضی کا ہے اصل صورت تو یہ ہے کہ خلیفہ یا والی کی طرف سے قاضی کا تقرر ہو لیکن ایسا کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو ارباب حل و عقد پر لازم ہے کہ وہ قاضی کا انتخاب کریں، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، پس امیر شریعت کی حیثیت والی کی ہے امام اعظم کی نہیں۔“^۱

تقریباً اٹھبتر سال قبل یہ رسالہ مجموعہ مکاتیب بدریہ (لمعات بدریہ) کے ایک جزو کے طور پر شائع ہوا تھا، ۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ یہ مستقل کتابی صورت میں مکتبہ امارت شرعیہ سے شائع ہوا۔

(۸) مکاتیب سجاد صفحات: ۱۰۷

یہ سات مکاتیب کا مجموعہ ہے جن میں ایک مکتوب مولانا حکیم محمد یعسوب ندویؒ کا حضرت مولانا محمد سجادؒ کے نام ہے، باقی چھ مکاتیب حضرت مولانا سجادؒ کے درج ذیل شخصیات کے نام ہیں:

☆ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

☆ جناب محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ

☆ جناب ڈاکٹر محمود صاحب وزیر تعلیم بہار

☆ جناب وائسرائے ہند

☆ نقباء امارت شرعیہ۔

ان مکاتیب کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی نگرانی میں جناب مولانا ضحان اللہ ندیم صاحب نے مرتب کیا اور ۱۹۹۹ء میں ان کا مجموعہ مکتبہ امارت شرعیہ نے شائع کیا۔

۱- امارت شرعیہ شہادت و جوابات ص ۸۵۵ مرتب کردہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف
پٹنہ، ۱۹۹۹ء

(۹) دستور امارت شرعیہ صفحات: ۲۸

نظام امارت شرعیہ کا ایک دستوری خاکہ جس کو بنیادی طور پر خود حضرت مولانا محمد سجاد نے مرتب فرمایا تھا جو آپ کے قانونی دماغ کا شاہکار ہے، مگر یہ دستور مکمل ہو کر آپ کی حیات طیبہ میں شائع نہ ہو سکا، آپ کے بعد مختلف امراء شریعت کے زمانہ میں اس پر بحث و تحقیق ہوئی، لیکن اس کی طباعت کا شرف امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کو حاصل ہوا، ۲۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کی مجلس شوریٰ میں اس کی طباعت کا فیصلہ کیا گیا، اگست ۱۹۹۷ء میں یہ زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔^۱

(۱۰) متفقہ فتویٰ علماء ہند صفحات: ۱۶

ترک مولات پر حضرت مولانا سجاد کا تحریر کردہ فتویٰ جس پر اس وقت کے تقریباً پانچ سو ممتاز علماء نے دستخط کئے تھے، اس کو پہلی مرتبہ منشی مشتاق احمد صاحب نے شہر میرٹھ محلہ کوٹلہ سے باہتمام حافظ محمد سعید ہاشمی تاجر کتب و مالک مطبع ہاشمی میرٹھ شائع کیا، اب یہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول، ص ۲۶۱ تا ۲۸۴ میں بھی شامل ہے۔



۱۔ یہ تمام تفصیلات اسی دستور کے ابتدائیہ سے لی گئی ہیں، القلم امیر شریعت سوس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب (اس وقت کے نائب امیر شریعت)۔

ملی و قومی حالات

(۸)

آٹھواں باب

تحریک خلافت میں
حضرت مولانا ابوالمحاسن کا کردار

پس منظر و پیش منظر

فصل اول

ذہنی انقلاب

مفکر اسلام حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجادؒ کی قومی و ملی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے، مولاناؒ کی زندگی کا تقریباً پچیس سالہ عرصہ انہی خدمات میں صرف ہوا، جس میں زندگی کے ہر نشیب و فراز کا سامنا کیا، حصولِ بیاہ بھی دیکھیں اور محرومیاں بھی، بقول حضرت مولانا سید منت اللہ رحمائیؒ:

”سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں، لوگوں کی زبان سے گالیاں بھی سنیں اور پھر انہی کے ہاتھ سے پھولوں کے ہار بھی پہنے، ایسا بھی ہوا کہ گاؤں والوں نے تقریر نہیں کرنے دی اور گویا نکال دیا، اور یہ بھی دیکھا کہ مولاناؒ کی سواری کے ساتھ دو دو کوس تک گاؤں والے خوشی میں نعرہ لگاتے دوڑتے چلے جا رہے ہیں۔“

تدریس سے ملی قیادت کی طرف

حضرت ابوالحسنؒ قطری طور پر خالص مدرس اور علمی شخصیت کے مالک تھے جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے، آپ میں یہ ذہنی تبدیلی قریب ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء (۱۳۲۶ھ یا ۱۳۲۷ھ) میں شروع ہوئی، جب آپ کا ایک انگریزی داں شاگرد زاہد حسین خان دریا آبادی (الہ آباد کا ایک محلہ) انگریزی اخبارات سے نت نئی خبریں اور دنیا کے واقعات سناتا تھا، اور حضرت مولانا ان کو سن کر تڑپ تڑپ اٹھتے تھے، دل کے اسی اضطراب نے ان کا ذہنی رخ تبدیل کیا اور رفتہ رفتہ وہ کتابی دائرے سے نکل کر ملت کے وسیع میدان میں پہنچ گئے، روز روز ایک ہی سبق کی تکرار سے دلچسپی کم ہوتی چلی گئی، دنیا کے بدلے ہوئے حالات میں مدرسہ کا حصار انہیں تنگ محسوس ہونے لگا، بالآخر ”انہوں نے وہ چیز پالی جس کی انہیں ضرورت تھی، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں اسی کے لئے وہ پیدا کئے گئے تھے“، پہلے ان کے سامنے صرف مدرسہ کے لوگوں کے مسائل تھے، اب ساری قوم بلکہ ساری انسانیت کا درد ان کا درد بن گیا:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ایک جامع مرکز کی تاسیس

چنانچہ اس ذہنی انقلاب کے بعد انہوں نے کیا پہنچ کر ایک ایسے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جو ان کی تعلیمات کا مرکز بھی بنا اور تحریکات کا منبع بھی۔

مولانا منت الدین رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا نے کیا پہنچ کر قومی اور ملکی کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا، علماء کی تنظیم، جمعیتہ علماء کا قیام، تمام مدارس عربی میں ایک اصولی نصاب کا اجراء، امارت شرعیہ کی اسکیم وغیرہ یہ سب چیزیں مولانا کے دماغ نے گجایں میں پیدا کیں۔“

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبد الحکیم اوگانوٹی لکھتے ہیں:

”تقریباً بارہ برس تک مولانا انوار العلوم میں درس دیتے رہے اور اس درمیان میں سیاسیات حاضرہ کا بھی مطالعہ فرماتے رہے۔ چنانچہ تحریک خلافت کے زمانے میں سیاسیات میں داخل ہوئے اور آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا، اس کے بعد ہندوستان اور خصوصاً بہار میں کوئی سیاسی تحریک ایسی نہیں تھی، جس میں آپ شریک نہ ہوئے ہوں، اور اُنکی حصہ نہ لیا ہو۔ بلکہ کامیاب نہ بنایا ہو۔ اور کامیاب بنانے کی کوشش نہ کی ہو۔“

تحریک خلافت نے حضرت ابوالحسن کو مرکزی قائد بنا دیا

اس تحریر کے مطابق مولانا کی باقاعدہ سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے ہوا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ گو کہ مولانا کی ملی خدمات کا سلسلہ انجمن علماء بہار اور پھر دارالقضاء کے قیام سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن آپ کی شخصیت کو شہرت و عمومیت تحریک خلافت سے حاصل ہوئی، تحریک خلافت نے ہندوستان کو مولانا سجاد کی صورت میں ہندوستان کو ایک نیا ملی قائد عطا کیا، تحریک خلافت نے اپنے دور میں جو شہرت و قبولیت حاصل کی وہ اس کے زوال (۱۹۲۴ء) تک کسی تحریک و تنظیم کو حاصل نہ ہو سکی، بلکہ حق یہ ہے کہ تحریک خلافت ہی کے بطن سے جمعیتہ علماء

ہند بھی وجود میں آئی اور امارت شرعیہ بھی، تحریک خلافت کی قبولیت ہی نے ان دونوں عظیم الشان اداروں کو عوام و خواص کا اعتبار و اعتماد بخشا، تحریک خلافت ہی کے پہلو بہ پہلو یہ تحریکیں بھی اپنے وقت اور مقام پر بڑھتی اور پروان چڑھتی رہیں، بلکہ خود کانگریس نے بھی ملک میں عوامی طاقت اسی تحریک کی بدولت حاصل کی، اور اسی تحریک نے گاندھی جی کو پوری قوم کا لیڈر بنایا، حضرت مولانا سجاد بھی ملک گیر قیادت کی سطح پر تحریک خلافت ہی کی دین ہیں، اس لئے آپ کی ملی خدمات اور قومی سرگرمیوں میں تحریک خلافت کا ذکر ترجیحی طور پر پہلے ہونا مناسب ہے۔



۱۔ اسی لئے ہندوئی دور کے اکثر پروگراموں (مثلاً: دہلی، امرتسر، گنیا وغیرہ) میں ہم دیکھتے ہیں کہ جمعیۃ کانگریس کے جلسے خلافت کے اجلاس کے ساتھ ہوا کرتے تھے، خلافت کے نام پر انہوں نے انسان جمع ہو جاتے تھے، بڑے بڑے مرکزی قائدین بھی باسانی شریک ہوتے تھے جس سے جمعیۃ اور کانگریس دونوں کو فائدہ پہنچتا تھا، خلافت کھلی وافرادی قوت بھی حاصل تھی اور مان و مسائل بھی، اسی لئے اکثر بڑے قومی کام قتل خلافت کھلی ہی کر سکتی تھی، اس کا اندازہ حضرت مولانا محمد سجاد کے خطبہ صدارت کے اس اقتباس سے ہوتا ہے:

”میں جانتا تھا کہ یہ کام صرف جمعیۃ علماء سے انجام نہیں پاسکتا ہے، کیونکہ اس میں صرف کثیر کی ضرورت ہے، اور اس کے پاس روپے نہیں ہیں، پھر جمعیۃ سے اس جمویر کے منظور کرانے کا کیا فائدہ؟ اور آئی نہیں کہی کہتا ہوں کہ جمعیۃ کے خزانہ میں روپے نہیں ہیں اس لئے ان امور کے متعلق کوئی تجویز منظور کرنا ہے فائدہ ہے، ان کاموں کی انجام دہی کی طرف ہماری سرکاری خلافت کھلی ڈوچہ سرنی چاہئے، اگر مرکزی خلافت کھلی ہمارے بروہشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو پھر جمعیۃ علماء کو تمام چیزوں کی تالیفات کی تیاری میں سرگرمی سے حصہ لینا چاہئے۔“ (خطبہ صدارت مراد آباد ۱۳، ۱۴، ۱۵)

فصل دوم

خلافت اسلامیہ۔ شرعی تصور اور تاریخ

خلافت مسلمانوں کا ایک مذہبی مسئلہ ہے، یہ اسلامی اجتماعیت کی کلید ہے، اسلام کا یہ سب سے روحانی اور مقدس منصب ہے، جس پر اسلام کے ملی، سیاسی اور روحانی نظام کا انحصار ہے، اسی کو امامت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے، خلیفہ روئے زمین پر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور امت مسلمہ کا امیر ہوتا ہے، وہ دنیا میں وحدت اسلامی کا نقیب اور اسلامی احکام و قوانین کے اجراء کا ذمہ دار ہوتا ہے، پوری امت کی حیات ملی اور نشاط دینی کی نبض اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اس کی ذات سے ساری امت مسلمہ کی موت و حیات وابستہ ہوتی ہے۔^۱ اسی لئے تمام مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی قیام خلافت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا قومی فریضہ ہے، اگر مسلمانوں کی غفلت سے دنیا کے کسی حصہ میں خلافت کا نظام موجود نہ ہو تو تمام امت گناہ گار ہوگی، اور اگر چند لوگوں کی کوششوں سے نظام خلافت قائم ہو جائے تو ساری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو جائے گا، یہ امت اسلامیہ کا جماعی نظریہ ہے جس میں کسی قابل ذکر عالم و فقیہ کا اختلاف نہیں ہے۔^۲

متعدد روایات حدیث میں نظام خلافت کو امت محمدیہ کے لئے نظام نبوت کا متبادل قرار دیا گیا ہے مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

۱۔ ”جمہور فقہاء، امیر المؤمنین کو رسول اللہ ﷺ ہی کا خلیفہ جانشین تصور کرتے ہیں، اور خلیفہ اللہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک خلیفہ اللہ کہنے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کہ خود قرآن کریم میں انسان کو اللہ کا خلیفہ کہا گیا ہے:

۷۶: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ (سورۃ البقرہ: ۳۰)

۷۷: ہُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خُلَافَہٗ فِی الْاَرْضِ (سورۃ فاطر: ۳۹)

(مغنی المحتاج ۲/۲۲۱ و مقدمۃ ابن خلدون ص ۱۹ و أمانی للطالب ۱۱۱/۴)

۲۔ والإمامۃ الکبریٰ فی الاصطلاح: رئاسة عامة فی الدین والدنیا خلافة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسمیت کبریٰ تمییزاً لها عن الإمامۃ الصغری (حاشیۃ ابن عابدین ۱/۳۶۸ و نہایۃ المحتاج ۴/۴۰۹ وروض الطالبین علی تحفۃ المحتاج ۵۳۰/۷)

ہی حل الکافة علی مقتضى النظر الشرعی، فی مصالحهم الآخریة، والدنیویة الراجعة إلیہا۔ فہی فی الحقیقة خلافة عن صاحب الشرع فی حراسة الدین والدنیا (مقدمۃ ابن خلدون، ص ۱۹۱)

۳۔ حاشیۃ الطحطاوی علی الدرۃ ۱/۲۳۸، وجواهر الإکلیل ۱/۲۵۱، و مغنی المحتاج ۴/۲۲۹۹، والأحكام السلطانیۃ للماوردی ص ۳۔

كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وإنه لاني
بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون . قالوا فما تأمرنا؟ قال (فوا بيعة الأول
فالأول أعطوهم حقهم فإن الله سائلهم عما استرعاهم)^۱

ترجمہ: بنی اسرائیل کی دینی و ملی قیادت انبیاء کرام کرتے تھے، ایک نبی کی وفات کے بعد
دوسرے نبی تشریف لے آتے تھے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، البتہ میرے بعد بکثرت
خلفاء ہونگے، صحابہ نے عرض کیا: کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: بالترتیب
ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، اور ان کا حق ادا کرو، اس لئے کہ وہ اللہ پاک کے یہاں اپنی رعیت کے
خیر و شر کے بارے میں جواب دہ ہوں گے۔

اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی تجمیز و تثنین پر مقدم رکھا، وفات نبوی کے بعد صحابہ نے پہلا کام مستفیض بنی سعدہ میں خلیفہ کے
انتخاب کا کیا اور پھر اس کی نگرانی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجمیز و تثنین کا عمل انجام دیا،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت کا پہلا اجماع خلافت کے مسئلہ پر ہوا، اس
منصب کے مستحق فرد کے انتخاب میں گونا گونا گوں اختلاف ہوئے لیکن نصب امام کے مسئلہ پر صحابہ میں کوئی
اختلاف نہیں تھا، تمام ہی شرکاء نے اس کی ضرورت تسلیم کی۔^۲

فتہاء اور اصولیین نے خلیفہ کی شرائط و صفات، اور عزلی و نصب کے مسئلہ پر بہت تفصیل
سے بحثیں کی ہیں، جس کے بارے میں یہاں حاجت نہیں۔^۳

خلافت اسلامیہ کا تاریخی تسلسل

اسلامی تعلیمات کے مطابق امت میں خلافت کا تسلسل ہر دور میں قائم رہا، اور تاریخ کے

- الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۲۷۳ حدیث نمبر: ۳۲۶۸ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله
البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة، ۱۹۸۷-۱۴۰۷
تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: ۵
الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا

۲- الفصل في الملل ۸۷/۲ ومقدمة ابن خلدون ص ۱۱

۳- أئمة: تحفة المحتاج ۵۳۰/۷-۵۳۱ و ۳۰۹/۸-۳۰۸ وأسنی المطالب ۱۰۸/۳ * حاشية الطحطاوي على
الدر ۲۳۸/۱ * حاشية الدسوقي ۲۹۸/۴ وجواهر الإكليل ۲۲۱/۲ * مغني المحتاج ۱۳۰/۲ * شرح
الروض ۱۰۹/۸، ۱۰۹ * حاشية ابن عابدين ۳۸/۱ و ۳۰۵/۲ * الأحكام السلطانية للماوردي ص ۶ مقدمة
ابن خلدون ص ۱۵، بيروت * الإنصاف ۱۱۰/۱۰ * تقرير المصنف في تاريخ الإسلام في عهد حكومة
البرقية الخانات اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔

ایک مختصر عرصہ کا استثنا کر کے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کے کسی حصہ میں خلافت کا نظام قائم نہ رہا ہو، فتنہ تاتار کے زمانہ میں جب ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا تو درمیان میں چند سال اسلامی تاریخ میں ایسے گزرے ہیں جن میں کوئی خلیفہ موجود نہیں تھا، اس سے بے چین ہو کر علامہ ابن تیمیہ اپنے گوشہ علم اور کنج عبادت سے شمشیر بکف میدان میں نکل آئے، اور علامہ ابن کثیرؒ نے سالہا سال تک اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں اس محرومی کا ماتم کیا۔^۱

وقفہ تعطل

اس کی تھوڑی تفصیل حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”آج سے تقریباً پونے سات سو سال (اب پونے آٹھ سو سال اس سئہ کی یہ تحریر آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ۱۳۴۳ھ میں لکھی گئی تھی) پہلے ایسا زمانہ گزرا ہے جس میں تقریباً ساڑھے تین سال تک تمام دنیائے اسلام کے اندر خلافت اسلامیہ کا نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ کیونکہ ۴۲۲ھ میں اندلس سے خلافت بنو امیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس کے بعد دو جگہ خلافت اسما و رسماً تھی، ایک مصر میں خلافت فاطمیہ اور دوسرے بغداد میں خلافت عباسیہ، لیکن ۵۶۷ھ میں جب مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین نے مصر سے فرنگیوں کو مار بھگا یا، تو نور الدین الشہید کے حکم سے عاصد باللہ ابو محمد عبد اللہ آخری خلیفہ فاطمی کا نام پر حیثیت خلیفہ نکال دیا گیا، اور مصر و قاہرہ کے خطبات میں بھی خلیفہ عباسی المستنصر باللہ کا نام پڑھا جانے لگا، چنانچہ اسی صدمہ سے دو سو میں محرم ۵۶۷ھ کو عاصد باللہ نے انماس کا نگو اکھا کر خود کشی کر لی، اور اسی دن سے خلافت فاطمیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا، اس کے بعد دنیا میں صرف ایک بغداد کی خلافت عباسیہ کا نام و نشان باقی رہا، مگر اس کے بعد فتنہ تاتار برپا ہو گیا، اور آخر محرم ۶۵۶ھ ملاکوفان نے مدینۃ الاسلام بغداد کو تاراج کیا، اور قتل و غارت کر کے ۳۰ رجب ۶۵۶ھ کو عباسی خلیفہ المستعصم باللہ کو قتل کر ڈالا، جس کے بعد بغداد کی خلافت عباسیہ کا آخری نمونہ تاج پڑا، ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا، اس وقت سے ۶۵۹ھ تک دنیائے اسلام کے کسی حصہ میں بھی خلافت کا وجود نہیں رہا، آخر جب مصر پر سلطان نور الدین الملقب بالظاہر قابض ہو گیا تو اس نے سلطان العلماء شیخ الاسلام علامہ عبد الدین ابن عبد السلام کے مشورہ کے بعد احمد ابن الخلیفۃ الظاہر باللہ کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر ۹ رجب المرجب ۶۵۹ھ بیعت خلافت ہوئی، اور اس دن تمام دنیائے اسلام کو ایام باہلیت اور فونیست سے ایک طرح کی نجات ملی، اس

۱۔ تحریک خلافت ص ۲۱ مرتبہ قاضی محمد عدیل عباسی، شائع کردہ: ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، ۱۹۷۸ء۔

سے ظاہر ہے کہ تقریباً ساڑھے تین سال تک یعنی ۳۹ محرم ۱۳۵۶ھ سے لے کر ۱۸ رجب ۱۳۵۶ھ

تک اسلامی دنیا بلا خلافت رہی۔^۱

افسوس ۲۵ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت عثمانیہ کی تختیخ سے لے کر آج تک تقریباً چوراس سال سے دنیائے اسلام بغیر کسی خلیفہ کے جی رہی ہے، اور دور دور تک اس کے احیاء کے آثار تک نظر نہیں آتے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔^۲

ہندوستان نے ہر دور میں مرکز خلافت کی قیادت تسلیم کی

جہاں تک ہندوستان کا معاملہ ہے تو گو کہ یہاں نظام خلافت کبھی قائم نہیں ہوا، لیکن یہاں کے اکثر حکمران اپنے اپنے دور میں خلافت اسلامی کے مطیع و فرمانبردار رہے، مرکز خلافت سے وہ اپنی سلطنتوں کی منظوری کے پروانے حاصل کرتے تھے، جمعہ کے خطبوں میں یہاں کے سلاطین عظام کے بجائے خلفاء اسلام کے نام لئے جاتے تھے، اور اس ملک کے بڑے بڑے سلاطین اس کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ہندوستان عہد خلافت راشدہ سے عہد خلافت عثمانیہ تک

اسلام کی دعوت تو یہاں بعض روایات (مثلاً تحفۃ المجاہدین کی روایت) کے مطابق عہد نبوت ہی میں پہنچ گئی تھی، لیکن سندھ میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد باقاعدہ ہندوستان کا رابطہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت راشدہ سے استوار ہوا، جو نہایت مضبوطی کے ساتھ بعد کے خلفاء کے ساتھ بھی قائم رہا، یہاں تک کہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد اسلامی اقتدار ہی کا خاتمہ ہو گیا۔ دربار خلافت سے ہندوستان کے مضبوط تعلقات کے موضوع پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ایک مستقل کتاب 'خلافت اور ہندوستان' کے نام سے ہے، جس میں انہوں نے خلافت راشدہ (عہد حضرت عثمان غنیؓ) سے خلافت بنی امیہ، خلافت بنی عباس، اور خلافت عثمانیہ تک عہد بہ عہد روشنی ڈالی ہے، اسلامی ہند کے ابتدائی عہد حکمرانی سے لے کر سلطان ٹیپو تک ہر دور کے بڑے بڑے حکمرانوں

۱۔ خطبہ صدارت مراد آبادی ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱

نے مرکز خلافت سے اپنی وابستگی قائم رکھی، اور خلیفۃ الاسلام کی اطاعت کو طرہ افتخار تصور کیا، عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس میں مرکز خلافت سے جو نائبین ہندوستانی حکومتوں کے پاس آئے ان کی فہرست بھی علامہ نے نقل کی ہے، اس میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے لے کر خلافت امویہ میں ہشام بن عبدالملک تک اور خلافت عباسیہ میں خلیفہ معتمد باللہ تک کے نائبین کے نام شامل ہیں۔

☆ عرب خلفاء کے نام پر ہندوستان میں مختلف شہر بسائے گئے، سندھ میں خلیفہ منصور کے نام پر ”منصورہ“ شہر آباد کیا گیا، اس زمانہ میں یہاں خلیفہ کے نائب مغلّس عبدی تھے، ان کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی تشریف لائے، خلیفہ مامون کے زمانہ میں شہر ”بیضاء“ آباد کیا گیا، اس وقت خلیفہ کے نائب ہندوستان میں موسیٰ بن یحییٰ تھے۔^۱

☆ بعد کے ادوار میں جب خلافت عباسیہ کمزور ہوئی، تو ہندوستان میں کئی خود مختار سلطنتیں بن گئیں، لیکن اس کے باوجود خلفاء سے تعلق ختم نہیں ہوا، مسلکی لحاظ سے اختلاف ضرور پیدا ہوا لیکن ہر ایک کا رشتہ اپنے اپنے مسک کے لحاظ سے کسی نہ کسی خلیفہ سے قائم رہا، خلافت عباسیہ بدستور اہل سنت کا مرکز تھی، لیکن باطنی شیعہ مصر کے فاطمی سلاطین کو اپنا خلفاء تصور کرتے تھے، بشاری مقدسی چوتھی صدی میں ہندوستان آئے تھے، ان کا بیان ہے کہ پایہ تخت منصورہ میں خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، جب کہ ملتان کے لوگ خلیفہ فاطمی کا خطبہ پڑھتے تھے، اور اسی کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔^۲

عہد غزنوی

جو مسلم حکمران افغانستان کی راہ سے ہندوستان آئے، ان میں سب سے مضبوط اور نامور حکمران سلطان محمود غزنوی تھا، سیاسی اور فوجی لحاظ سے پورے وسط ایشیا میں اس سے بڑی کوئی طاقت نہیں تھی، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا طاقتور مسلمان حکمران تھا، اس زمانہ میں خلافت عباسیہ بزرگوں کی مقدس ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی، لیکن اس کے باوجود محمود غزنوی عباسی خلیفہ قادر باللہ کی اطاعت کو اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا، ہر نئی کامیابی

۱۔ خلافت اور ہندوستان ص ۵۳۲۔

۲۔ واما للتصور فعملیها سلطان من قریش یخطبون للعباسی وقد خطبوا علی عضد الدولة ورایت رسولہم قد وافی الی ابنہ ونحن یشیراز۔ واما بالللتان فیخطبون للفاطمی ولا یحلون ولا یعقدون إلا بأمرہ (أحسن التقاسیم فی معرفة الأقالیم ج ۱ ص ۱۷۵ المؤلف: شمس الدین أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بکر البناء المقدسی المعروف بالبشاری (المتوفی: نحو 380ھ)۔

کا اطلاع نامہ دیوان خلافت میں معمول کے مطابق بھیجا جاتا تھا، کسی نئے ملک پر قبضہ و تصرف کے لئے دربار خلافت سے اجازت حاصل کی جاتی تھی، ایوان خلافت سے اس کو ”مبین الدولہ“ اور ”کھف الدولہ والاسلام“ کے خطابات ملے تھے، اس پر اس کو بہت فخر تھا، سلطان نے گواہان و ترکستان کے تمام ممالک اپنے زور بازو سے حاصل کئے تھے، لیکن وہ اس وقت تک ان ممالک کا جائز بادشاہ نہ ہو سکا جب تک ۴۱۵ھ (۱۰۲۴ء) میں خلیفہ نے اس کے لئے فرمان جاری نہ کر دیا، خود سلطان کا لقب جو محمود غزنوی سے پہلے کسی دوسرے بادشاہ نے اختیار نہیں کیا تھا، یہ بھی خلیفہ کی جانب سے اس کو عطا ہوا تھا۔^۱

غوریوں کا عہد

غزنوی سلاطین کے بعد غوریوں کا دور آیا تو ان کے اکثر سلاطین نے بھی دربار خلافت سے خطابات حاصل کئے، غوری خاندان میں سلطان شہاب الدین غوری بڑے جاہ و جبروت کا بادشاہ تھا، وہ اپنے آپ کو نصرا میر المؤمنین لکھ کر فخر محسوس کرتا تھا،^۲ اسی دور میں دہلی کا قطب مینار اور مسجد قطبی کی تعمیر ہوئی ان پر سلطان کے نام کے کتبے انبی القاب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کے خود مختار سلاطین میں سلطان شمس الدین التمش کا نام سب سے پہلے آتا ہے، جس نے باقاعدہ ہندوستان کی مملکت کو ایک مستقل سلطنت کے قالب میں ڈھال دیا، وہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں تخت نشین ہوا تھا، اور ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں خلیفہ نے اس کو خلعت بھیجا، اس کے یہ معنی تھے کہ ایوان خلافت نے ہندوستان کے استقلال اور خود مختاری کو تسلیم کر لیا، یہ زمانہ خلیفہ ”الناصر لدین اللہ“ کا تھا، شمس الدین التمش کے سکوں پر بھی اس کے نام کے ساتھ ”ناصر امیر المؤمنین“ کندہ ہوتا تھا، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان علاء الدین محمد کے سکوں پر ان کے ناموں کے پہلو بہ پہلو یا تنہا خلیفہ مستنصر باللہ کا نام کندہ کیا جاتا تھا۔

عہد تغلق

عہد تغلق میں محمد شاہ تغلق بھی واضح طور پر اس نظریہ کا علمبردار تھا کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر حکومت درست نہیں، چنانچہ تاریخوں نے جب بغداد میں خلافت عباسیہ کا پیرہن تار تار کر دیا،

۱- خلافت اور ہندوستان ص ۷ تا ۱۰۔

۲- خلافت اور ہندوستان ص ۱۳ بحوالہ حقیقت نامہ ص ۱۱۴، ۱۲۶۔

اور سالہا سال کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ بغداد کی خلافت ختم ہو چکی ہے اور اب خلیفہ عباسی مصر میں متمکن ہے تو اس نے اپنے تمام اعیان سلطنت کے ساتھ مصری خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ایک وفد عرضداشت کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا۔^۱

عہدِ خلجی

۸۳۹ھ (۱۴۳۶ء) میں سلطان محمود خلجی نے مالوہ میں اپنی مستقل سلطنت قائم کی اور اجین کے قریب منڈوکو اپنا دار السلطنت قرار دیا اور چونتیس سال نہایت عدل و انصاف اور شہرت و نیک نامی کے ساتھ حکومت کر کے ۸۷۳ھ (۱۴۶۸ء) میں وفات پائی، اس نے ۸۷۰ھ (۱۴۶۶ء) میں عباسی خلیفہ مستنجد باللہ (مصر) سے خلعت شاہانہ اور فرمان سلطنت سلطان حاصل کئے، پھر خطبہ میں خلیفہ کا نام پڑھا گیا۔^۲

ہندوستان کے عہدِ اسلامی کے سکے اور کتبات

انگلستان کے مشہور مستشرق اڈورڈ تھامس (Edward Thomas) نے ۱۸۷۱ء میں سلاطین ہند کی تاریخ ان کے عہد کے سکوں کے نقوش و کتبات سے مرتب کی ہے، سلاطین اور بادشاہوں کے سکے فراہم کئے، ان کے کتبے پڑھے، ان کتبوں کو پڑھ کر بے انتہا حیرت ہوئی، کہ جو باتیں تاریخ کے کرم خوردہ اور اراق میں بہت کم پائی جاتی ہیں، سونے چاندی کے پتروں میں کس بہتات کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے ہر سکے پر اور ہر کتبہ پر ہندوستان کے سلطان وقت کے نام کے ساتھ برابر خلیفہ زمان کا نام بھی ثبت ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام سلاطین عملاً بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے، کہ وہ بجائے خود مستقل بادشاہ نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت اپنی مملکت میں خلیفہ کے ایک نائب اور قائم مقام کی ہے۔

☆ بلکہ حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ نہ صرف سلاطین دہلی بلکہ اطراف ہند کے وہ بادشاہ بھی جو دہلی کی سلطنت سے ہٹ کر اپنی مستقل خود مختار حکومتیں قائم کرتے تھے وہ ہزاروں کوس دور پڑے ہوئے خلیفہ کی اطاعت سے باہر نہیں تھے، جیسا کہ سلاطین گجرات، مالوہ و مشرق و بنگالہ، بہمنیہ دکن اور جونپور کے سکوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ خلافت اور ہندوستان ص ۱۵، ۱۶ بحوالہ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۲ مصنف ضیاء برنی۔

۲۔ خلافت اور ہندوستان ص ۲۸۔

یہ سکے معز الدین غوری سے لے کر یہ ترتیب ابراہیم شاہ سکندر لودی تک کے ہیں، اس کے بعد تیمور یہ سلطنت شروع ہوتی ہے، اور مصر میں خلفاء عباسیہ کا بھی خاتمہ قریب قریب ہو جاتا ہے، اس کتاب میں ایک سو سات سکوں اور کتبوں کے نقش دیئے گئے ہیں۔^۱

خلافت عثمانیہ کا آغاز

مصر کی خلافت عباسیہ کے خاتمہ کے بعد ترکی میں خلافت عثمانیہ رونما ہوئی، سلطان سلیم نے ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں اپنی خلافت کا اعلان کیا، اس کے بعد تین برس وہ زندہ رہا، ۹۲۶ھ (۱۵۲۰ء) میں اس کا بیٹا سلطان سلیمان اعظم اس کا جانشین ہوا، جس نے اپنے باپ کی مذہبی بلند حوصلگیوں کے خواب کو پورا کیا، دنیائے اسلام کے دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان نے بھی اس کی خلافت اور مذہبی عظمت کو تسلیم کیا، اس کا اثر سب سے پہلے گجرات کے سلاطین پر پڑا جن کے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ سے براہ راست تعلقات تھے۔

گجرات کے ایک محدث عالم محمد بن عمر آصفی الفخانی جن کی آمدورفت مکہ معظمہ رہا کرتی تھی، اور جو سلاطین گجرات کے درباروں میں بھی معزز تھے، انہوں نے عربی میں ظفر الوالہ کے نام سے گجرات کی تاریخ لکھی ہے، اس میں انہوں نے سلطان سلیمان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وكان في وقته سلطان الاسلام على الاطلاق وخليفة الله في الآفاق، وهو سليمان خان۔^۲ — ترجمہ: اس وقت ترکی کا بادشاہ اسلام کا سلطان علی الاطلاق تھا، اور تمام دنیا میں خدا کا خلیفہ تھا، اور وہ سلیمان خان تھا۔

اس سے سلاطین گجرات کے تصور خلافت کا پتہ چلتا ہے۔

ہندوستان عہد خلافت عثمانی میں

دلی کے بادشاہوں نے خلافت عثمانی کی برتری تسلیم کر لی تھی، حالانکہ خاندانی طور پر آل تیمور آل عثمان باہم حریف کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن انصاف بالائے طاعت است و مذہب بالائے سیاست، اس ناگواری کے باوجود شاہان تیمور اس قبلہ اسلام کو ترک نہیں کر سکتے تھے، جہاں آل عثمان کے نام کا خطبہ ہر ہفتہ پڑھا جاتا تھا۔

۱- خلافت اور ہندوستان ص ۵۳۲۹۔

۲- خلافت اور ہندوستان ص ۵۰ بحوالہ ظفر الوالہ ص ۳۱۶۔

باب سے عالمگیر تک

۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں بابر نے ہندوستان کے تخت پر قدم رکھا، اور اس شہنشاہ ہند نے اپنے پہلے فرض کے طور پر ہدایہ و انعامات کے ذریعہ دربار خلافت عثمانی سے اپنا رابطہ استوار کیا۔
 ۹۳۷ھ (۱۵۳۱ء) میں بابر نے وفات پائی اور ہمایوں تخت نشین ہوا، اس کے زمانے میں یہ رابطہ اور مستحکم ہوا، دلی کی شکایتیں قسطنطنیہ کے دربار خلافت میں پہنچتی تھیں، اور فیصے جاری ہوتے تھے، سیدی علی کا سفر نامہ ”مرآۃ المناک“ لاہور سے شائع ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمام اقصائے عالم میں ترکی خلیفہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، اور ہمایوں نے اپنے وزراء کی طرف دیکھ کر کہا تھا کہ:
 ”سنان ترکی بن بادشاہ کہلے کے ہمدار میں، اور سچ زمین پر وہی اس حوت کے تھق میں۔“

ہمایوں کے بعد شیر شاہ سوری (متوفی ۹۵۲ھ م ۱۵۴۵ء) بھی خلافت ترک کا معتقد اور معترف رہا، اکبر، جہانگیر، شاجہاں اور عالمگیر کے زمانوں میں بھی خلافت ترکی کی عظمت مسلسل تسلیم کی گئی، البتہ مسجدوں میں سلاطین ترکی کے نام کا خطبہ نہیں پڑھا جاتا تھا، لیکن عالمگیر کے بعد جب مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہوا اور ملک کے مختلف حصے آزاد ہونے لگے تو پھر خطبوں میں سلاطین ترکی کا نام لیا جانے لگا، ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۲ء) میں دکن کے ایک بزرگ سید قمر الدین اورنگ آبادی حج سے واپسی پر سیلون پہنچے تھے، میر آزاد بنگرامی سبوتہ المرجان میں لکھتے ہیں کہ:
 ”ساعلی مقامات میں ڈچوں کی حکومت ہے، اور اندرون ملک میں ہندو راجہ ہے، یہاں کے مسلمان بادشاہ ہند اور سلطان روم کے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں بلکہ خادمہ اللہ محمد بن الشہین۔“

آخری ادوار میں حیدر علی اور سلطان ٹیپو اور نظام حیدر آباد نے بھی دربار خلافت کے ساتھ اپنی عقیدت برقرار رکھی، حیدر آبادی مکہ مسجد سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی مسجد تک ہر جگہ حضور اظہار سے پہلے سلطان ترکی کا نام لیا جاتا تھا۔

یہ وہ تاریخی تسلسل ہے جس کی بنا پر ہندوستان ہمیشہ دربار خلافت سے وابستہ رہا، ہندوستان کے لوگوں نے ہمیشہ دربار خلافت سے نیک توقعات قائم رکھیں، اس کی ہدایات پر عبادت سمجھ کر عمل کیا، مرکز خلافت پر کوئی افتاد آئی تو اس کے سنے تن من و دھن کی بازی لگادی۔



۱۔ خلافت اور ہندوستان میں ۵۸۷ تا ۱۹۴۷ء تک ص ۳۳

۲۔ خلافت اور ہندوستان میں ۶۰۰ تا ۷۰۰ء

فصل سوم

ہندوستان میں تحریک خلافت کا پس منظر اور آغاز

ہندوستان میں تحریک خلافت بھی انہی نیک جذبات و توقعات کی پیداوار تھی، جو خلافت عثمانیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ یا ترکی کے مرد بیمار کو بچانے کے لئے ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) میں انہی اور ۱۹۲۴ء میں خلافت کے خاتمہ کے ساتھ سرد ہو گئی۔

خلافت عثمانیہ دنیا کی عظیم ترین سلطنت

خلافت عثمانیہ۔ خلافت راشدہ، خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ کے بعد۔ اسلامی تاریخ کی چوتھی سب سے بڑی خلافت تھی جو دنیا کے نقشہ پر تین براعظموں (ایشیا، یورپ اور افریقہ) سے بحر سفید تک پھیلی ہوئی تھی، مختلف براعظموں میں اس کی درج ذیل ریاستیں تھیں (اب یہ خود مختار ممالک ہیں):

ایشیا: حجاز، یمن، بصرہ، بغداد، موصل، صاب، سوریہ (شام)، حدارندگار، قونیہ، انقرہ (انگورہ)، ایڈین، اطمنہ، قسطنطنیہ، دیار بکر، تبلیسل، ارض روم، معمورۃ العزیز، آران، طرابزون
یورپ: ادرنہ، سلاویسک، آغوزو، پانیہ، اشقودرہ، مناسٹر
افریقہ: مصر، طرابلس
بحر سفید: جزائر بحر سفید^۱

اس کا زمانہ حکمرانی ۱۲۸۲ء تا ۱۹۲۴ء (۶۸۱ھ تا ۱۳۴۲ھ) چھ سو بیالیس (۶۴۲) سال ہے، اس دوران سینتیس حکمران مسند آرائے خلافت ہوئے، جن میں پہلے آٹھ حکمران سلطان تھے، خلیفۃ المسلمین نہ تھے، انہیں اسلامی سلطنت کی سربراہی کا اعزاز تو حاصل تھا، خلافت کا روحانی منصب حاصل نہ تھا، نویں حکمران سلطان سلیم اول سے لے کر چھتیسویں حکمران سلطان وحید الدین محمد سادس تک اٹھائیس حکمران سلطان بھی تھے اور خلیفہ بھی، کیونکہ خلافت عباسیہ کے آخری حکمران محمد عباسی نے جو مصر میں تھے ۹۲۴ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں سلطان سلیم کو منصب و اعزاز خلافت کی سپردگی کے

۱۔ تحریک خلافت ص ۳۲ مرتبہ: تاجی محمد عدیل عباسی۔

ساتھ وہ تبرکاتِ نبویہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار، علم اور جبہ مبارک) بطور سند و یادگار دے دیئے تھے، جو کہ خلفائے بنو عباس کے پاس نسل در نسل محفوظ چلے آ رہے تھے، اور سلطان سلیم ان کو قسطنطنیہ لے کر چلے آئے تھے، بلکہ خود آخری عباسی خلیفہ محمد عباسی نے بھی قسطنطنیہ ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی، اس دن سے سلطنت عثمانی کا تاجدار خلیفۃ المسلمین، سلطان الاسلام، اور خادم الحرمین الشریفین کے خطابات سے یاد کیا جانے لگا۔^۱

جب کہ آخری حکمران عبدالجبار آفندی صرف خلیفہ تھے سلطان نہیں تھے، کیونکہ یکم نومبر ۱۹۲۲ء (۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ) کو مصطفیٰ کمال پاشا نے مغربی طاقتوں اور برادری کے ایماء پر ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے ذریعہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کی قرارداد منظور کر کے سلطان محمد وحید الدین سادس کی اٹلی کی طرف ملک بدری کے احکامات جاری کر دیئے تھے، اس لئے اس نامبارک دن سلطنت ختم ہو گئی، البتہ خلافت اب بھی باقی تھی، سلطان وحید الدین کی جلاوطنی کے بعد ان کے پہلے قریبی رشتہ دار ”عبدالجبار آفندی“ کو آخری عثمانی خلیفہ بنایا گیا، مگر ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی کی قومی اسمبلی نے اتاترک مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اسلامی خلافت کے خاتمے کا قانون بھی منظور کر لیا، اس طرح آخری خلیفہ جو سلطان نہ تھے، خلیفہ عبدالجبار دوم کی اپنے محل سے رخصتی اور پہلے سوزر لینڈ پھر فرانس جلاوطنی کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کے بعد خلافت عثمانیہ کی آخری دیوار بھی منہدم ہو گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محقق مورخین کے مطابق ان ۳۷ حکمرانوں میں سے آخری تین محض برائے نام حکمران تھے، اصل طاقت ان خفیہ قوتوں کے ہاتھ میں تھی جو سلطنت اور خلافت کے خاتمے کے درپے تھیں، جنہوں نے جمہوریت کے سحر میں دنیا کو گرفتار کیا ہوا تھا، وہ اچھے وقت کے انتظار میں ان کو برائے نام سامنے رکھ کر باگیں اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھے، تاکہ ان پر کسی قسم کا الزام نہ آئے، اور زوال کی تمام وجوہات خود عثمانی حکمرانوں کی طرف منسوب ہوں۔^۲

دشمن کی آنکھ کا کاٹنا

ترکی کی عظیم الشان اسلامی سلطنت ایک عرصہ سے یورپ و امریکا کی عیسائی سلطنتوں کی آنکھ میں کاٹنا بن کر چھ رہی تھی، کتنی صلیبی جنگیں مسلمانوں کی عظمت کو توڑنے کے لئے پہلے بھی لڑی جا چکی تھیں، انہوں نے آپس میں خفیہ معاہدے کئے کہ ترکی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے

۱۔ تحریکِ خلافت ص ۱۰۴۔

۲۔ ترک تاراج سے ترک واماں تک ص ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲ مرتبہ مفتی ابوالہادی شاہ منصور۔

آپس میں تقسیم کر لیں، اور صفحہ یورپ سے ترک سلطنت کا نام منادیا جائے، ترکی کے بھی حصے کر دیئے جائیں، ایک حصہ سمرنا کا یونان کو دے دیا جائے، اور دوسرا حصہ قسطنطنیہ کا اٹلی کو، کیونکہ ترکوں سے پہلے عیسائی نظام کے دو حصے تھے، ایک حصہ مغربی روم کے ماتحت تھا اور دوسرا حصہ مشرقی قسطنطنیہ کے ماتحت، ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے مشرقی نظام کا خاتمہ کر دیا تھا، اس لئے زار روس، برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکا جن کو اتحادی کہا جاتا تھا، کی خواہش تھی کہ یہ نظام مشرقی پھر قائم ہو۔^۱

ترکی کے خلاف سازشوں کا آغاز

چنانچہ اس کے لئے انہوں نے مختلف محاذوں پر سازشیں شروع کر دیں۔

☆ خلافت عثمانیہ کی مخالفت میں فتنہ پردازی کا آغاز ۱۸۹۶ء (۱۳۱۳ھ) کی جنگ یونان و روم سے ہوا اس وقت برطانیہ کی ہمدردی و اعانت یونان کے ساتھ تھی۔^۲

☆ ۱۹۰۸ء (۱۳۲۶ھ) میں خلافت عثمانیہ میں انقلاب پیش آیا، نوجوان ترکوں کی انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ تدبیریں کامیاب ہوئیں، اور انور پاشا وغیرہ نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے دستوری حکومت کا اعلان کر دیا، نوجوان ترکوں کے اعلان کے چند ہی روز بعد اٹلی نے دولت عثمانیہ کے آخری افریقی مقبوضہ طرابلس الغرب (ٹریپولی) پر حملہ کر دیا، اس حملہ نے ساری دنیائے اسلام میں آگ لگا دی، خصوصیت کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا، جس کا اندازہ علامہ اقبال کے اس قطعہ سے ہوتا ہے:

گر ایں جو مجھ پہ یہ ہنگامہ زمانہ ہوا	زمیں کو چھوڑ کے سوئے فلک روانہ ہوا
فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو	حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو
کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز	کلی کلی ہے تری گرمی نوا سے گداز
نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا	ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا
حضور دہر میں آ سودگی نہیں ملتی	تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں	وفا کی جس میں ہو بودہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آگینہ لایا ہوں	جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

۱- حسن حیات ص ۵۴ مرتبہ: شاہ محمد عثمانی۔

۲- خلافت اور ہندوستان ص ۸۷ تا ۸۶۔

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں
اور علامہ شبلی نے کہا:

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض نیم جاں کب تک
کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو یہ ظلم آرائیاں تا کے، یہ حشر انگیزیاں کب تک
کہاں تک لو گے ہم سے انتقام فتح ابوبی دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک
علامہ اقبال کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہوا:

اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

عالمِ اسلام پتے کی طرح بکھر گیا

☆ ابھی یہ صدمہ وہ بھولنے بھی نہیں پائے تھے کہ ۱۹۱۰ء (۱۳۲۸ھ) میں بلقان کی ریاستوں نے یورپ کی شہ پر دولتِ عثمانیہ کے پوربی حصوں میں بغاوت کردی، اور جنگِ بلقان کا آغاز ہوا، یہ جنگ کے شعلے اگرچہ یورپ میں اٹھ رہے تھے، مگر ہندوستان کے مسلمانوں کا جوش و خروش دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جنگ ہندوستان ہی میں لڑی جا رہی ہے، چند سال کے بعد یہ جنگ اس طرح ختم ہوئی کہ ترکوں کے ہاتھ سے یورپ کا بڑا حصہ نکل گیا۔

جنگِ عظیم کے نتائج

اس کے چار سال کے بعد ۱۹۱۴ء (۱۳۳۲ھ) میں خود یورپی ممالک میں باہم جنگ شروع ہو گئی، روس، جرمنی اور آسٹریا ایک طرف، اور انگلینڈ، فرانس اور اٹلی دوسری طرف، اس جنگ کے چند ماہ بعد ترکی نے نومبر ۱۹۱۴ء (۱۳۳۲ھ) میں جرمنی کے ساتھ مل کر اتحادیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، اب مسلمان جو یورپ کی اس پہلی جنگِ عظیم میں غیر جانبدار تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے، دفعتاً جرمنوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے لگے، اس وقت انگریزی حکومت نے ایک طرف اپنی مسلمان رعایا کی تسکین کی خاطر یہ اعلان کیا کہ اسلام کے مقدس مقامات حملہ سے محفوظ رہیں گے، دوسری طرف انہوں نے اس جنگ کو جیتنے کے لئے عجیب و غریب سازش کی، انہوں نے ترکوں سے عربوں کو الگ کرنے کے لئے شریفِ حسین امیر مکہ کو اپنے ساتھ ملا کر اور ایک عرب شہنشاہی کا خواب دکھا کر جو بحرِ احمر سے لے کر بحرِ روم تک محیط ہوگی، ترکی حکومت سے بغاوت کا اعلان کر دیا، اور اس لالچ میں عرب ترک سے ٹکرائے، نتیجہ یہ ہوا کہ عراق و شام اور فلسطین

اور حجاز دولت عثمانیہ سے الگ ہو کر اتحادیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

ٹھیک اسی وقت انگریز یورپ میں جرمن کے یہودیوں کو فلسطین کی نذر پیش کر کے سارے یورپ کے یہودیوں کو اپنے ساتھ مار رہے تھے، اور آخر یہودیوں نے جرمن کے خلاف سازش کر کے اس کو تباہ کر ڈالا، اور اس کے بدلے میں فلسطین کے یہودی قومی وطن بنائے جانے کا اعلان انگریزی حکومت سے کرایا، یہی وہ ختم ہے جس سے فلسطین میں اسرائیل کی خود مختار حکومت کا نخل تناور ہوا۔

انگریزوں نے شریف حسین سے جس عرب شہنشاہی کا وعدہ کیا تھا اس کا ایسا طرح کیا کہ جی زکی بادشاہی ان کو دی گئی، مگر یہ بادشاہی بہت زیادہ دیر اس کے پاس نہ رہ سکی، اور امیر عبدالعزیز نے حملہ کر کے وہاں سعودی حکومت کی بنیاد ڈال دی۔

شریف کے بڑے صاحبزادے امیر فیصل کو جو کرنل لارنس کے ساتھ ساتھ ترکوں سے جنگ میں سب سے پیش پیش تھے، اور جو لارڈ النبائی کے ہم رکاب بیت المقدس کو ہلال کے قبضے سے نکال کر صلیب کے حوالے کر رہے تھے، شام کا تخت پیش کیا گیا، مگر یہ تخت بھی چند ماہ سے زیادہ بچھا نہ رہ سکا، اور فرانس نے لڑکر ان کو شام سے باہر کر دیا، اس طرح پورا ملک عرب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے زیر اقتدار چلا گیا۔

ترکی کی عظیم الشان سلطنت کا جو حصہ افریقہ میں تھا اٹلی غصب کر چکا تھا، یورپ میں اس کے صوبے آسٹریا، بلغاریہ، سرویا، مانیٹنگرو، اور یونان میں بٹ چکے تھے، البانیہ کی چھوٹی سی ریاست جس میں اسلامی اکثریت تھی، گو خود مختار بن چکی تھی مگر اس وقت وہ اٹلی کی زد میں تھی۔

اتحادی فوجیں اس وقت قسطنطنیہ پر قابض تھیں، ترکی کا سلطان قسطنطنیہ میں اتحادیوں کے بس میں تھا، اور بڑا امر یہ زیر غور تھا کہ ترکی کا بقیہ یورپینی مقبوضہ تھریس کس کو دیا جائے، قسطنطنیہ کس کے پاس رہے؟ اناطولیہ میں سمرنا گویا یونانیوں کو مل ہی چکا تھا، اور بقیہ اناطولیہ کی سپردگی کا مسئلہ درپیش تھا، یونان کا وزیراعظم وینی زیلاس برطانیہ کو اس بات پر آمادہ کر رہا تھا، کہ ترکی کا بڑا حصہ یونان کے حوالے کر دیا جائے، اُدھر ترکی کے صوبہ آرمینیا میں اتحادی بغاوت کر رہے تھے، اور آرمینی سارے اتحادی ملکوں میں ترکوں کے مظالم اور اپنی مظلومی کی داستانیں گھڑ گھڑ کر راتے عامہ کو اپنے ساتھ مار رہے تھے، یہودی توراۃ و انجیل کے حوالوں سے عیسائیوں کو یہ باور کر رہے تھے کہ اخیر زمانہ میں بنی اسرائیل کے فلسطین میں دوبارہ اکٹھے ہونے کی جو پیشین گوئی کی گئی ہے اس کے پورا ہونے کا وقت یہی ہے۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

ان مشکلات کے نرغے میں مصطفیٰ کمال پاشا ترکی کا ہیرو بن کر مٹھی بھر نو جوان ترکوں کے ساتھ اناطولیہ میں ترکی کی بچی کھچی سلطنت کے لئے سرگرم پیکار تھا اور وہ بھی بالآخر اتحادیوں کی سازش کا شکار ہوا، اور اسی کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکی گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون، علامہ اقبال نے اسی کے بارے میں کہا تھا۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ دشمن کی عیاری بھی دیکھ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی عالمی تحریک

(حریت، احیاء خلافت اور مقامات مقدسہ کا تحفظ)

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے سخت اضطراب کا باعث تھی، ہندوستان کے مسلمان بھی بہت زیادہ بے چین تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی عالمی تحریک انہی حالات کی پیداوار ہے، حضرت نے دارالعلوم کی چٹائیوں پر بیٹھ کر مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا کی، پورے ملک سے چندہ کرا کر ترکی کو امداد بھیجوائی، دارالعلوم دیوبند کے بہت سے طلبہ نے اپنی تعلیم روک کر اس کام میں حصہ لیا، اس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ اکثر احادیث جہاد پر تقریر فرمایا کرتے تھے، آپ کا دفاعی نیٹ ورک ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، آپ نے راجستھان میں اسلحہ سازی کا کارخانہ بھی قائم فرمایا تھا، آپ کے سفراء اور نمائندے دنیا کے مختلف ملکوں میں اعلیٰ سطحی سفارتی سرگرمیوں میں مصروف تھے، افغانستان میں آپ کے زیر ہدایت ہندوستان کی ایک متبادل عارضی حکومت بھی قائم کر دی گئی تھی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ، وزیراعظم برکت اللہ بھوپالی، اور وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر حرب معمول اراکین تھے، آپ کی تحریک ریشمی رومال اسی کا حصہ تھی۔^۲

ہندوستان کے دیگر علماء و قائدین بھی اپنے اپنے طور پر سرگرم تھے، آئے دن احتجاجی جلسے

۱۔ بریڈ فرگ (مجموعہ خطوط علامہ سید سلیمان ندوی)۔ جو علامہ نے ۱۹۲۰ء میں یورپ سے ہندوستان کی مختلف شخصیتوں کے نام لکھے تھے۔ ص ۱۲۳ تا ۱۲۴، شائع کردہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۷ء۔

۲۔ تحریک خلافت ص ۳۳ تا ۳۵ اور ۶۳ تا ۶۸۔

جلوس ہونے لگے، انقلاب پسند جماعتیں وجود میں آئیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے الہدال اور ابلاغ کے ذریعہ اور مولانا محمد علی جوہر نے اپنے انگریزی اخبار ”کامریڈ“ کے ذریعہ مسلمانوں کا خون گرمایا، لکھنؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، گیا میں مولانا ابوالحسن محمد سجاد، اور پٹنہ میں مولانا مظہر الحق وغیرہ اس انقلاب کے بڑے علمبردار تھے۔^۱

مجلس خلافت کا قیام

یہی حالات تھے جب ہندوستان میں تحفظ خلافت کی تحریک اٹھی اور مجلس خلافت کا قیام عمل میں آیا۔ معلوم ذرائع کے مطابق اس میں سب سے پیش پیش حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی^۲ اور

۱- تحریک خلافت ص ۳۳-۳۵ اور ۶۳-۶۵۔

۲- حضرت مولانا شاہ قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی ہندوستانی علماء میں انتہائی ممتاز مقبول اور غیر شخصیت کا نام ہے، اسم گرامی: شاہ عبدالباری۔ لقب: امام اعلم، تھ: آپ والدین کی طرف سے نسباً انصاری ایوبی تھے، سلسلہ نسب دونوں جانب سے ملاقطب الدین شہید تنک سات واسطوں سے پہنچتا ہے، حضرت شاہ عبدالباری بن حضرت شاہ مولانا عبدالوہاب بن حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرزاق بن حضرت مولانا شاہ محمد جاس الدین بن ملک العلماء مولانا کمال الدین، امین مولانا نور الحق امین مولانا احمد عبدالحق بن ملا سعید بن ملا قطب شہید بہاولپور۔ آپ کی ولادت با سعادت ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۸۷۸ء روز یک شنبہ وغالباً بوقت شب فرنگی محل لکھنؤ میں طسراٹے لا حیدر کے شرقی در میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، جد امجد نے رسم بسم اللہ کی، حفظ قرآن مجید یکے بعد دیگرے حافظہ جامع صاحب، حافظہ ارث صاحب، اور حافظ عبدالوہاب صاحب کے پاس مکمل کیا، ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) میں حفظ قرآن مکمل ہوا، ابتدا میں پڑھنے کی حرف زیادہ رجحان نہیں رکھتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالہادی بن محمد انصاری فرنگی محلی مدنی سے اکثر علوم کا درس لیا، درمیان میں جب مولانا عبدالہادی صاحب حج کو تشریف لے گئے تو میڈی قصی مع حایہ میر تقی الحسن، اقلیدس عربی، خلاصۃ الحساب اور تفسیر جلالین مولانا غلام احمد بنیالی سے پڑھیں، منطق (ملاحسن) و میرزا ابد رسالہ کے علاوہ (اور فلسفہ، ہیئت و احاطہ) کی تمام درسی کتابیں نیز مسلم، خیالی، میرزا ہد امور عامہ و ہدایہ اخیرین اور صحیح بخاری مکرر حضرت مولانا امین القضاۃ بن محمد وزیر الحسن حیدر آبادی سے پڑھیں جو مولانا ابوالحسن عبدالہادی فرنگی محلی کے تلمیذ رشید اور خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت بحر العلوم کے بعد علمائے فرنگی محل میں جو شہرت ان دونوں بھائیوں کو حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں درسیات سے فراغت ہوئی، اور مولانا عبدالہادی صاحب نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

پڑھنے کے زمانہ سے ہی انتہائی ذہین تھے، ایک نظر ڈالتے ہی کتاب سمجھ میں آ جاتی تھی، اس لئے درسی کتب کے مطالعہ کے بجائے غیر درسی کتب کا مطالعہ بکثرت فرماتے تھے، آپ کے کتب خانہ (جو حضرت مولانا عبدالہادی کے کتب خانہ کے بعد سب سے بڑا کتب خانہ تھا) میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو آپ کی نظر سے نہ گذری ہو یا یہ کہ اس پر کچھ نو اندہ حواشی نہ چڑھائے ہوں۔

کتب تصوف کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، بیعت بچپن ہی میں اپنے جد امجد سے ہو گئے تھے، اور بیعت کے ساتھ ہی پیر و مرشد نے تمام سلاسل کی اجازت ارشاد بھی مرحمت فرمادی تھی، مگر تعلیم مکمل ہونے کے بعد والد ماجد کے پاس تجدید بیعت کی، اور دوبارہ اجازت حاصل ہوئی، سلسلہ قادریہ میں دیگر بزرگوں سے بھی اجازت حاصل ہوئی۔

۱۳۲۲ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت علامہ سعید بن طاہر الوتری المدنی اور شیخ الدلائل علامہ سعید امین رضوانی اور علامہ سید احمد برزنجی مدنی اور بعض خصوص حضرت شیخ المشائخ سید عبدالرحمن بغدادی نقیب الاشراف قدس اللہ سرہ وغیرہ سے سند حدیث اور اجازت سلاسل طریقت حاصل کی۔

آپ کو تمام علوم و فنون میں بحر کامل حاصل تھا، تمام درسی کتب میں یکساں مہارت تھی۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں آپ کی کوششوں سے جب فرنگی محل لکھنؤ میں مدرسہ عالیہ نظامیہ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو آپ نے وہاں پوری تندی سے

→ کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ نے مدرسہ کے تعلیمی انصاب میں حساب الجبر، جاسٹری جغرافیہ اور پرکی جماعتوں میں انگریزی لازم کر دی تھی، مدرسہ کے اخراجات ریاست دکن، ریاست راجپور اور ریاست مان پارہ کی امداد سے پورے ہوتے تھے اس مدرسہ سے بے شمار طلبہ نے استفادہ کیا، ابتداً معقولات کی طرف زیادہ توجہ تھی، لیکن بعد میں آپ کی مشغولیت درس قرآن و حدیث کی طرف ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے گھر پر مثنوی، مولانا روم کا بھی درس دیتے تھے۔ جس میں بڑے بڑے علماء و فضلاء شریک ہوتے تھے، آپ کے فیض علیہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے قرآن کریم کا درس دیتے تھے، جس کا انصاب غالباً پانچ پارہ تھا، اور ہفتہ میں دو دن جمعرات اور جمعہ کو سبق ہوتا تھا، خود بھی انگریزی سے واقف تھے، آپ کے ہاتھ دھڑلہ کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہے، جن میں بڑے بڑے علماء و شائخ اور اصحاب کمال شامل ہیں، (ایک مختصر فہرست خلافت حصرۃ الآفاق میں دی گئی ہے جس میں ۱۰ تا ۸) تمام دینی و دنیاوی امور پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن ہوئے، دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لے جاتے تھے، دارالعلوم معینیہ اجیر شریف سے بھی پیچھے رہا ہوا تھا، آپ نے ان آزمائشی حالات میں جب خطہ ہندوستان پر انگریز قابض ہو چکے تھے، اور خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشیں عروج پر تھیں، اور ان کی سازشیں حجاز مقدس کے حد و تک پہنچ گئی تھیں اس وقت آپ نے (۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۲ھ) میں انجمن خدام کعبہ کی بنیاد رکھی، جس کے خدام الخدام (صدر) آپ تھے اور مولانا شوکت علی اور شیخ مشیر حسین قدوائی معتمد مقرر ہوئے، اس انجمن نے حسد و اوروں کے مخالف اور مقامات مقدسہ کی بے ہمتی کا سختی سے نوٹس لیا، مولانا تھریا پر مبینہ ایک مرتبہ اور بعض دفعہ دوسرے خدام کعبہ کے سلسلے میں دہلی تشریف لے جاتے تھے، آپ تحریک خلافت اور حجت علماء ہند کے بانیوں میں ہیں، آپ نے ان کی حمایت میں بہت سے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی آپ سے بیعت تھے اور آپ کے ہی دربار سے ان کو مولانا کی سند ملی تھی، لیکن جب حجاز میں سعودی تحریک اٹھی اور اباب خلافت نے ان کی حمایت اور شریف حسین کی مخالفت کی تو آپ نے اباب خلافت سے ترک تعلق کر لیا، اور ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں "خدام الحرمین" کے نام سے ایک نئی جمعیت قائم کی، آپ انگریز اور ان کے حامیوں کے زبردست مخالف تھے، اللہ جل شانہ نے آپ کو مقبولیت عامہ عطا فرمائی تھی۔ آپ کا دولت کدہ ایک ملی اور سیاسی مرکز تھا۔ جہاں ہر وقت ہر مسلک و مذہب سے تعلق رکھنے والے عوام و خواص کا اثر و حاکم رہتا تھا۔ جن کی مفت ضیافت آپ کے دسترخوان پر کی جاتی تھی، بہت فیاض اور مہمان نواز تھے۔ آپ کا گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہتا تھا۔ ہر آنے والے کی بڑی توقیر فرماتے تھے، غریب مسلمانوں کی امداد و اعانت آپ کا شیوہ تھا۔ بہت جری اور باوقار تھے، کبھی کسی سے مرغوب نہیں ہوئے، اگر کہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت و وقار کی بات آتی تو جواب دینے والوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ طبیعت پر جلال کا غلبہ تھا، خاص طور پر علماء و شائخ کی بے پناہ عزت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علماء و شائخ کی عزت و توقیر اسلام کی توقیر ہے۔ سفر ہو یا حضر نماز باجماعت کے نہایت پابند تھے، اور اس مقصد سے سفر میں کم از کم دو رفق لازماً ساتھ ہوتے تھے، اور ادوہ خانک اور صوفیانہ اعمال و اشغال پر بھی سختی سے حامل تھے، آپ کے وصال سے فرنگی محل کا ایک عہد ختم ہو گیا، اور علم کا ایک بڑا باب بند ہو گیا۔ آپ علمائے فرنگی محل کے سر تاق تھے، آپ کا وصال سر شنبہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء کو شب میں گیارہ بج کر دس منٹ پر فانی کے جسم میں ہوا۔ دوسرے دن قریب ڈھائی بجے ظہر کے بعد فرنگی محل میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

آپ کا پیرا بھائی ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں ہوا تھا، جس سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے، اور دولت میں اہلیہ کا انتقال ہو گیا، کچھ دنوں کے بعد وہ صاحبزادہ بھی چل بسا، دوسرا عقد غالباً ۱۳۱۸ھ (۱۸۹۹ء) میں ہوا اس سے سترہ ٹھارہ اولاد پیدا ہوئی، لیکن ایک بھی زندہ نہ بچی، صرف دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ (آخری عمر میں) زندہ بچے، ان میں بھی ایک صاحبزادی نے انیس سال کی عمر میں شادی کے بعد دو فرس سال بچوں کو چھوڑ کر اللہ وار کہا، اس طرح وفات کے وقت چھوٹی عمر کی ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ موجود تھے، جن کی شادیاں بعد میں ہو گئیں۔

اولاد و خاندان اور مریدین کے علاوہ بہت سی اہم تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں، جن کی تعداد بڑھ سکتی ہے اور پر بتائی جاتی ہے، حصرۃ الآفاق میں ایک سو دس کتابوں کی فہرست نام بہ نام دی گئی ہے، علاوہ یادداشتوں اور مضامین کا مجموعہ آٹھ جلدیں، اور فتاویٰ کا مجموعہ دو جلدیں، کتب درسیہ پر حواشی و تعلیقات نیز سائنس و کام کے موضوعات پر درساں چوتیس جلدیں، بلکہ منہج حصرۃ الآفاق کا احساس یہ ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے جہاں تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی، آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں: آثار الاول من علماء فرنگی محل ج۱ حصرۃ المسترشد بوضاالمرشد ج۱ تعلیق البخاری علی کتاب الآثار ج۱ ہر سال فی حلتہ الغناء ج۱ سرائی پر نوٹس ج۱ تعلیق البخاری ج۱ مجموعہ فتاویٰ ج۱ ملخص المکتوبات شرح مسلم الثبوت، آثار محمدیہ والا آثار الحصلۃ ج۱ المنہج حسب المذہب الیہ احمد وغیرہ (الاعلام بمن فی الجہد سن الاعلام ج۱ ص ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ج۱ حصرۃ الآفاق بوفاتہ مجمع الاخلاق مولفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محل، مآثر: اثنا عشر العلوم فرنگی محل، بن تصنیف: ۱۹۲۹ء)

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ تھے، مولانا عبدالباری صاحبؒ نے دسمبر ۱۹۱۳ء (محرم الحرام ۱۳۳۲ھ) ہی میں انجمن خدام کعبہ قائم کی تھی، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے غالباً اسی مناسبت سے تحفظ خلافت کی تحریک کے لئے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ سے تبادلہ خیال فرمایا۔

اسی اثناء جناب مشیر حسین صاحب قدوائیؒ جو اس وقت لندن میں مقیم تھے نے بھی اسی مضمون کا خط ہندوستان کی کئی ممتاز شخصیات کو لکھا، جن میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور حضرت مولانا ابوالحسن سجادؒ بھی شامل تھے، بہر حال یہ ایک وقت کی آواز تھی، جس کی معقولیت کو ہر ایک نے تسلیم کیا اور پھر مولانا عبدالباریؒ اور مولانا سجادؒ کے اشتراک باہم سے خلافت کمیٹی کی پہلی بنیاد لکھنؤ میں ڈال دی گئی، شاہ محمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”مولانا ابوالکلام آزاد کے دستخط سے کلکتہ کے ایک جلسہ کی خبر ”مسلم آؤٹ لک لندن“ میں شائع ہوئی ہے اس میں مولانا نے خلافت کمیٹی کے جسوں کی خبروں کا ذکر جس ترتیب سے کیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کا پہلا جلسہ لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد دہلی، امرتسر اور پھر بمبئی میں، بہر حال بمبئی میں یہ جماعت مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہو گئی، اور بیٹھ چھوٹائی اس کے صدر ہوئے اور مولانا محمد علی جوہر نے اس کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لی۔ اور اس تحریک کو چار پانچ لگا دیا، مشیر حسین قدوائی کا خط اور اس بنیاد پر خلافت کمیٹی کے قائم ہونے کا قصہ خود مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ نے گیارہ رسالوں اور العلوم میں کچھ لوگوں کے سامنے بیان کیا تھا، اس مجلس میں راقم الحروف بھی موجود تھا۔“^۳

مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ کا بیان یہ ہے کہ مولانا عبدالباری صاحبؒ اس مقصد کے لئے ”دفاع ملی“ کے نام سے ایک مجلس قائم کرنے کا خیال رکھتے تھے کہ اسی دوران ان کو خبر ملی کہ بمبئی کے چند اہل خیر سبھوں نے ”مجلس خلافت“ کے نام سے ایک انجمن

۱۔ حسرتہ قال: اتفاقاً بوقت مجمع اراخلاق ص ۱۶ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، نشر: دارالعلوم دہلی، تصنیف: ۱۹۲۵ء)

۲۔ شیخ مشیر حسین قدوائیؒ برسرِ ملائیت لاؤتعاقد دارگاہِ یہ (پارہ پنجمی صوبہ اودھ) بڑے صاحبِ علم، باخبر اور ملک کے ممتاز دانشوروں میں تھے، اسلام کے پر جوش سپاہی تھے، ہر بھر فرنگستان کی دیوہوں میں قومی جہاد میں مصروف رہے، یورپ اور دنیا کے اسلام کے بڑے بڑے مشاہیر اور اکابر سے ملاقاتیں اور مراسلتیں رکھتے تھے، وہ اتحاد اسلامی کی تحریک کے بانیوں اور ملک کی سیاسی آزادی کے حامیوں میں تھے، ۱۹۲۰ء میں فیض آباد خلافت کانفرنس کے صدر ہوئے، اس موقع پر انہوں نے جو خطبہ صدارت دیا تھا، وہ ہندوستان میں ترکی اور یورپ کے معاملات کے متعلق پہلا ذرا علم تھا، خردم تک خدمت اسلام میں مصروف رہنے، دو فترات سے شاہی چند یوم پشتران کی آخری انگریزی تصنیف اسلام اور پشتران شائع ہوئی، شہداء کے پرانے رکن تھے، ندوہ کی سرکاری اندوہ کے سلسلے میں ان کی کوششیں بھی شامل تھیں، نماز وغیرہ کے بہت پابند تھے، دل کے پرانے مریض تھے، ۲۳ دسمبر ۱۹۳۳ء کو انسٹے برس کی عمر میں اسی بیماری دل نے آخر کام تمام کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون (یادِ رنگاں ص ۸۰ تصنیف علامہ سید سلیمان ندویؒ، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام برادری، ۲۰۰۳ء)

قائم کی ہے، مولانا نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ آل انڈیا تحریک بن جائے، گو صدر مقام بمبئی ہی رہے، چنانچہ مولانا نے لکھنؤ کے اہل رائے حضرات کے مشورہ کے بعد ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ میں کرنے کا پروگرام بنایا، جس میں پورے ملک سے نمائندہ شخصیتوں کو دعوت دی گئی، کانفرنس کے مصارف کی ذمہ داری مولانا نے اپنے سر لی، مجلس استقبالیہ تشکیل دی گئی، اور جلسہ نہایت شان و شوکت سے منعقد ہوا، اور اسی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کے قیام کی منظوری ہوئی اور صدر مقام بمبئی قرار پایا۔^۱

مجلس خلافت کی تاسیس میں حضرت مولانا سجاد کا کردار

خلافت کمیٹی کی تاسیس میں حضرت مولانا محمد سجاد کا بھی بنیادی اور اولین حصہ تھا، یہ بات آپ کے حلقہ میں بہت معروف تھی، امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواریؒ رقمطراز ہیں:

”جہاں تک مجھے یاد آتا ہے، خلافت کمیٹی جو تمام ہندوستان پر چھا گئی، اور جس نے سلطنت کی بنیاد کو دیا تھا، اس کی ابتداء کرنے والوں میں مولانا عبدالباری صاحب کے ساتھ وہ بھی شریک تھے، خلافت کمیٹی بمبئی میں قائم ہوئی تھی، پھر مولانا لکھنؤ آئے، وہاں قائم ہوئی، پھر صوبہ بہار میں سب سے پہلے گھیا میں آکر قائم کیا، اور اس کا دوسرا جلدس پھلواری میں کیا اس کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں میں قائم ہوئی۔“^۲

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”خلافت کمیٹی کی بنیاد کی پہلی اینٹ جو بمبئی میں رکھی گئی اس میں حضرت ابوالحسن محمد سجاد اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی مٹلی لکھنؤ کا ہاتھ تھا، اس کے بعد جب مولانا بمبئی سے واپس ہوئے تو ہندوستان میں اس کی سب سے پہلی شاخ گھیا میں قائم ہوئی۔“^۳

حضرت مولانا سجاد کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت الدین آجادی رقمطراز ہیں:

”۱۹۱۸ء میں ٹرکی کی شکست اور اس کی سلطنت کی تقسیم نے مسلمانوں کو اتحادیوں کی طرف سے بد دل کر دیا، ہندوستان میں اس کے خلاف احتجاجی جلسے شروع ہو گئے، مولانا نے اس نازک موقع پر جب کہ ملک میں ہنگامی قوانین جاری تھے، بد خوف و خطر اعلان حق کیا، ممالک اسلامیہ کی

۱- حیرۃ الآفاق ص ۴۴۔ تاجیہ جو اس انجمن مؤیدہ اسلام کے ہیئر مین بنے ہوئے اور اسی کے داعیان میں مولانا عبدالباری فرنگی مٹلی نے مولانا کو کٹا مٹھن لٹل کیا تھا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور کچھ تذکرہ آگئے نے کانٹا بٹا، اندر۔

۲- حیات سجاد ص ۶۸۔

۳- تاریخ گورنمنٹ ص ۵۱، ۵۲ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی۔ یہی بات مولانا عبدالصمد رحمانی نے حیات سجاد میں بھی لکھی ہے (ص ۹۲ تا ۹۳)۔

حفاظت، جزیرۃ العرب اور خلافت اسلامیہ کی اہمیت سے لوگوں کو واقف کرایا، ان کے تحفظ و بقا کے لئے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی، ملک میں پوری قوت کے ساتھ خلافت کی تحریک پھیلی، جس سے مسلمانوں میں آزادی اور خود مختاری کے حصول کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا۔^۱

قاضی سید احمد حسین صاحب بیان کرتے ہیں:

”پہلی خلافت کانفرنس کے سلسلہ میں مجھ کو مولانا کے ساتھ خلافت کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا اور وہاں میں نے اپنی دفعہ گاندھی جی کو دیکھا۔“^۲

قاضی عدیل عباسی تحریک خلافت کے آغاز کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جس وقت تحریک خلافت کا آغاز ہوا مسلمانوں میں بہترین دل و دماغ رکھنے والے دانشور موجود تھے مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الہند مولانا محمد حسن، مفتی صفایت اللہ، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا عبد الباقی فرنگی محلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی، مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا سید محمد فاخر الدہلوی، مولانا احمد سعید، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا ابوالقاسم بیعت بناری، مشیر حسین قدوائی، تفر الملک علوی، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مسٹر مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمود آغا، مسٹر اورنگزیل خان وغیرہ۔“^۳

انجمن مؤید الاسلام کے اجلاس میں تجویز خلافت

البتہ اس میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور حضرت مولانا سجاد کا کردار بنیادی تھا، جیسا کہ اوائل فروری ۱۹۱۹ء میں انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل کی رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے، اس اجلاس میں خلافت کے تعلق سے ایک جامع تجویز منظور کی گئی تھی، پہلے اس اجلاس کی رپورٹ قاضی عدیل عباسی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”فروری ۱۹۱۹ء کے اوائل میں انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل میں منعقد ہوا جس میں طے کیا

گیا کہ:

۱۔ حیات سجادہ منقذہ مولانا عظمت اللہ علی آبادی ص ۲۔

۲۔ حیات سجادہ ص ۵۰۔

۳۔ تحریک خلافت ص ۲۰۔

☆ احکامِ اسلامیہ کی رو سے بجز موجودہ سلطانِ ترکی کے کوئی دوسرا خلیفہ نہیں، اور شریعتِ اسلامیہ کی رو سے خلافت کے باب میں امتِ محمدیہ کے سوا غیر مسلم کی رائے بے اثر ہے، مسلمانوں نے جہاں کہیں اس بارے میں آواز بلند کی ہے وہ شریعتِ اسلامیہ کے بالکل مطابق ہے، اور یہ جلسہ اس کی تائید کرتا ہے۔

☆ یہ بھی طے ہوا کہ یہ جلسہ اس تجویز سے اتفاق کرتا ہے کہ ایک فتویٰ احکامِ خلافت سے متعلق حدودِ عرب و ممالکِ اسلامیہ کے علماء کرام سے دستخط کرا کے اور مشیرِ قانون سے مشورہ کر کے گورنر جنرل اور وزیر ہند کی خدمت میں روانہ کیا جائے، اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ جو خیالاتِ اسلامی انجمنوں نے ظاہر کئے ہیں وہ احکامِ شریعت کے بالکل مطابق ہیں، اگر کوئی شخص اس کے خلاف ظاہر کرے تو وہ شریعتِ اسلامیہ کا حکم نہ سمجھا جائے، اور حکومت کو غلط فہمی نہ ہونے پائے، اس جلسہ کی تجویز نمبر ۶ لفظ بہ لفظ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

”یہ جلسہ اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مذہبی رواداری ہماری بنائے طاقت ہے، حضورِ ملکِ معظم کی جو نمٹ سے اظہارِ وفاداری کرتے ہوئے یہ جتنا ہے کہ ممالکِ اسلامیہ کا عموماً اور بلادِ مقدسہ کا جس میں قطنیہ بھی داخل ہے خصوصاً تحتِ خلافت سے وابستہ رہنا مذہبِ اسلامی کی رو سے ایک نہ بدسنے والا حکم ہے، لہذا اس اسلامی حکم کی رو سے مجلسِ ہذا جو نمٹ برطانیہ سے پورے زور کے ساتھ مستعدی ہے کہ وہ اپنا سوخ و اثر صلح کانفرنس میں بائیں غرض استعمال کرے کہ جو ممالک اس جنگ میں سلطانِ معظم سے ملحد ہو گئے ہیں وہ بجنسہ سابقہ حقوق کے ساتھ سلطانِ معظم کو واپس کر دیئے جائیں۔ ورنہ بغیر اس کے صلحِ مسلمانوں کو مطمئن نہیں کر سکتی ہے۔“

رپورٹ اور تجاویز کا اسلوب بتاتا ہے کہ خلافت کے تعلق سے اس اجلاس سے قبل آوازیں اٹھنے لگی تھیں اور شاید اسی موقع پر خلافت کمیٹی کا قیام بھی عمل میں آ گیا تھا۔

واضح رہے کہ یہ وہی اجلاس ہے جس کے داعیان میں مولانا فرنگی محلی نے مولانا محمد سجاد کا نام بھی شامل فرمایا تھا، اور اسی مجلس میں جمعیتِ علماء ہند کا پہلا خاکہ پیش کیا گیا تھا، لیکن اتفاقِ رائے نہ ہونے کے باعث جمعیتِ علماء ہند کی تشکیل نہ ہو سکی تھی اور اس کو اگلی خلافت کانفرنس (دہلی) پر محمول کر دیا گیا تھا، جس کی تفصیل جمعیت کے باب میں آئے گی ان شاء اللہ، اس سے تحریکِ خلافت میں حضرت مولانا سجاد صاحب کے بالکل ابتدائی داعیانہ اور بنیادی کردار کا پتہ چلتا ہے۔

تحریک خلافت کا مرکز اولین فرنگی محل

اسی لئے شروع میں تحریک خلافت کی سرگرمیوں کا عملی و قانونی مرکز فرنگی محل ہی رہا، اور مولانا عبدالباقی صاحب اس کے روح رواں رہے، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر جن کی اصل شناخت بعد میں تحریک خلافت کے ذریعہ ہوئی یہ دونوں بھائی حضرت مولانا عبدالباقی صاحب کے مرید تھے، اور آپ ہی کے دربار سے ان دونوں کو ”مولانا“ کا خطاب بھی ملا تھا اور تحریک خلافت کی ذمہ داریاں بھی، قاضی عدیل عباسی لکھتے ہیں:

”خلافت ترکی کے معاملہ میں فرنگی محل قانون کے اندر جدوجہد کا مرکز تھا۔ مولانا کی فراست نے بادلوں کے مجید ہونے سے پہلے بارش کا اندازہ کر لیا تھا۔ اور نہ ام کعبہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس میں خود مولانا خدام اللہ ام تھے خدام کعبہ نے ملت اسلامیہ ہندو کے ہر فرد میں ایک ولولہ تازہ اور خلافت اسلامیہ اور امانت مقدسہ سے ایک عظیم محبت و عقیدت کا جذبہ پیدا کر دیا تو کیا کہ یہ حرکت و عمل کے لئے نقشِ اول تھا۔ بعدہ تحریک خلافت کے زمانہ میں فرنگی محل مرکز رہا۔ مولانا محمد علی مولانا عبدالباقی کے مرید تھے۔ اور وہیں سے ان کو اور شوکت علی کو مولانا کا اعزازی خطاب عطا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ واقعی مولانا ہو گئے۔ ہر وقت اور ہر پبلک جگہ اور جلسے میں عبا اپنے رہتے تھے۔ نہایت محنتی و اذیتی تھی اور پھر پرنور۔ جب تک مولانا محمد علی نے اپنے بے مثال درود کے ماتحت اپنی صحت کو نذر انداز کر کے تحریک خلافت کا جوہر اپنے کاندھوں پر نہیں لے لیا۔ مولانا عبدالباقی ہی کی ذات تھی جن کا نام نامی ہر جہد آسا تھا۔ تحریک خلافت میں رات اقام کا جو زبردست عمل پیش ہوا اس کی زمین مولانا عبدالباقی کی تھیں جوئی تھی۔“

۱۔ یہ واقعہ ۱۶۴۰ء (جھڑی ۱۱ دہائی ۱۳۳۸ھ) کی بات ہے جب ”ان دونوں بھائیوں کے لئے حضرت مولانا عبدالباقی صاحب نے اپنے مدرسہ ایبٹھامپ کی طرف سے باقاعدہ سند نامیت جاری فرمائی“ اس کا قصہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں:

”جھڑی کی آخری تاریخ میں مولانا محمد علی اور شوکت علی ملحقہ آئے، اور ان کا پرچوش استقبال کیا گیا، مقررہ مراعاتوں کو جھنڈیوں سے راستہ لے لیا تھا، اور انیسویں نے ان کی گاڑی سے چھوڑے کھوں کر خود گاڑی کو تھینچا، وہ سب معمول مولانا کی قیادت و ناکسرا میں داخل ہوئے، وہیں مدرسہ یہ نظام کی جانب سے مولانا کی عیدیں ملی برائیاں کو دی گئیں، اور سبائے مدرسہ کی جانب سے انہیں دیا گیا، و شب و پرتکلف دعوت کی گئی، جس کے کار پیلے سے جناب قسب میاں صاحب کے نام سے جھڑی شہر تقسیم ہو چکے تھے۔“

(مسند الفتاویٰ بوقافہ مجمع الاخلاق) (سوانح حیات مولانا قیام الدین عبدالباقی فرنگی محلی ص ۳۷) مولانا مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی برادر خرد مولانا عبدالباقی فرنگی محلی پیش آنے کر وہ اشاعت العلوم برقی پر تے فرنگی محلی لکھنؤ میں تصنیف: (۱۹۲۲ء)۔

۲۔ تحریک خلافت ص ۳۸، ۳۹۔

بہمنی میں دفتر آل انڈیا خلافت کا قیام

کچھ دنوں بعد ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۰/۲/۱۹۱۹ء کو اہل بہمنی کی خواہش پر خلافت کے مسئلہ پر رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے آل انڈیا خلافت کمیٹی کا دفتر بہمنی میں قائم کر دیا گیا، جس کے صدر سیٹھ چھوٹا اور سیکریٹری حاجی صدیق کھتری منتخب ہوئے۔ بہمنی کے لوگوں نے اس کے اخراجات کی ذمہ داری قبول کی، ظاہر ہے کہ اس موقع پر حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بھی ضرور موجود تھے۔^۱

خلافت کمیٹی کی پہلی شاخ گیا میں

حضرت مولانا محمد سجاد کے تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ بہمنی میں خلافت کمیٹی کا دفتر قائم ہونے کے بعد واپسی پر حضرت مولانا سجاد نے خلافت کمیٹی کی پہلی شاخ بہار کے مشہور شہر گیا میں قائم فرمائی، اس کے بعد پھلواری شریف پٹنہ میں دوسری شاخ قائم کی، لیکن تاریخ اور سن کی صراحت کسی نے نہیں کی ہے، البتہ بعض متاخر حضرات کے مضمون میں اپریل ۱۹۱۹ء (رجب ۱۳۳۷ھ) کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بھی کہ اس موقع پر گیا میں ایک بڑا اجلاس بھی منعقد کیا گیا تھا، جس میں خلافت کمیٹی کے مرکزی رہنما مولانا شوکت علی بھی شریک ہوئے تھے۔^۲

اگر اس تاریخ کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مولانا سجاد نے لکھنؤ کی آل انڈیا مسلم کانفرنس (۱۸ ستمبر ۱۹۱۹ء، مطابق ۲۱/۲۱/الحجہ ۱۳۳۷ھ) سے بھی قبل گیا اور پھلواری شریف میں خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کر دی تھیں، اس سے مولانا کی فکر مندی اور اس میدان میں آپ کی ساقیت کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

بہمنی میں خلافت کمیٹی کا دفتر قائم ہونے کے بعد ملک میں خلافت کے چھوٹے بڑے جلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اس پلیٹ فارم سے مقامات مقدسہ اور خلافت اسلامیہ کے تحفظ کے مطالبات ہونے لگے۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ

”اسی سلسلہ کا ایک عظیم الشان جلسہ ’آل انڈیا مسلم کانفرنس‘ کے نام سے ۲۱/۲۱/الحجہ

۱- حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت شاہ کی مدین چھوڑی۔

۲- مولانا ابوالحسن سجاد دینا سے دفعہ ۲ ص ۲۵۰ (بحوالہ فرید مہبوب منہاں بہار ص ۲۹۶) مضمون مفتی محمد خالد بیوی قاسمی۔

۱۳۳۷ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں طلب کیا گیا، جس میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہر طبقہ خیال کے علماء و وزراء شریک ہوئے، مجمع بہت زیادہ تھا، کانفرنس کی مجلس داعیان میں بھی ملک کے ہر حصہ کو نمائندگی دی گئی تھی، قاضی عدیل عباسی نے سینتیس افراد کے نام ذکر کئے ہیں، کانفرنس کے لئے جواشتہار شائع کیا گیا تھا، اس کا عنوان بہت حساس تھا ”مسلمانوں کی موت و حیات کا مسئلہ۔“ اس کانفرنس کے منتخب صدر جناب ابراہیم ہارون جعفر تھے، لیکن ان کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی، اس لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحب کا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا جو اتفاق رائے سے منظور ہوا۔

بعد نماز ظہر مسٹر ابراہیم ہارون جعفر نے صدارت فرمائی، اور اپنے خطبہ صدارت کا ایک حصہ پڑھا، اور مطبوعہ خطبہ مجلس میں تقسیم کر دیا گیا۔

کانفرنس میں منظور شدہ تجاویز

کانفرنس کا پہلا ریزولیشن خلافت عظمیٰ کے اقتدار کو برقرار رکھنے کی بابت مولانا سید محمد فاخر الد آبادی نے پیش کیا، اور مولانا سید حسن آرزو صاحب نے اس کی تائید کی۔ دوسرا ریزولیشن - جس میں ترکی کے بڑے علاقوں عراق، عرب، فلسطین، شام، آرمینیا وغیرہ کو ترک سلطنت سے علیحدہ کر کے غیر مسلم حکمران طاقتوں کے ماتحت رکھنے پر اظہار ناپسندیدگی کیا گیا تھا اور جزیرۃ العرب کو غیر اسلامی اثرات سے پاک رکھنے پر زور دیا گیا تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اہل حدیث نے پیش کیا، اور شیخ عبداللہ وکیل علی گڑھ نے اس کی تائید کی۔

کل سات تجاویز منظور کی گئیں، جن میں سے ہر ایک کا تعلق خلافت ترکی سے تھا۔ چھٹی تجویز ۱۷ اکتوبر کے دن ترکی کے لئے یوم دعا منانے سے متعلق تھی، اور ساتویں تجویز میں بمبئی کی خلافت کمیٹی کے کام پر اظہار اطمینان کیا گیا تھا اور اس کی شاخیں صوبوں اور مختلف مقامات پر قائم کرنے کی ضرورت بتائی گئی تھی، آخر میں مولانا عبدالباری صاحب نے جناب صدر اور بیرونی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، اور جناب صدر نے چند اختتامی الفاظ میں اہل لکھنؤ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جلسہ کی کامیابی پر اظہار مسرت کیا، اور حصول مقصد کی دعا مانگی۔^۲

۱- مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب (جو اس کانفرنس میں شریک تھے) نے لکھا ہے کہ ”کانفرنس کی صدارت آذربیل بھوگری ”کو کرنی تھی (حیات سجاد ص ۹۲) جب کہ عدیل عباسی نے ابراہیم ہارون جعفر کا نام تحریر کیا ہے (تحریک خلافت ص ۹۳)

۲- تحریک خلافت ص ۹۳ بحوالہ اخبار مشرق گوڈ کھوورزیر اور دت حکیم ابراہیم صاحب، مورخہ ۱۱، ۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء۔

حضرت مولانا سجاد کانفرنس کے اہم قائد

اس کانفرنس کے اہم قائد بن میں حضرت مولانا ابوالفتح بن محمد سجاد بھی تھے، مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب (پنڈ) جو اس کانفرنس کے اہم شرکاء میں تھے، اور جنہوں نے خلافت عظمیٰ سے متعلق پہلی تجویز کی تائید میں تقریر کی تھی، مولانا سجاد صاحب سے ان کی پہلی ملاقات اسی کانفرنس میں ہوئی تھی اور وہ مولانا کی شخصیت اور افکار عالیہ سے بے حد متاثر ہوئے، اس کے بعد ان کو مولانا کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کے بھی کافی مواقع ملے، یہ تعلقات ان کے بقول تقریباً پچیس سال کے عرصہ پر محیط تھے، آرزو صاحب لکھتے ہیں:

”فرض قسمتی سے مجھے کھنوں کے اس سفر میں مولانا سجاد مرحوم کی معیت کا شرف حاصل ہوا، میں نے پہلی ملاقات میں اس دہلے پتلے نچت و کمزور عالم دین سے مل کر یہ محسوس کیا کہ اس کے سینے کے اندر گوشت کا لوتھڑا نہیں، ذہنی آگ کا شعہ ہے، اس کی نظر کی بھیرائی، اس کے دماغ کی بندی اور فہم و فراست، ارتقائے ملک کے سبب صاف اور مدہ انتظام مل اپنے اندر مخفی رکھے ہوئے ہے، لکھنؤ کی دو صحبت یعنی ایک تاریخی صحبت قحیٰ مخصوص مسلمانوں کا ایک بڑا مجمع تھا اور کچھ ایک میری زندگی کا ایک تاریخی دن تھا، مجلس مناسبت کی مجلسوں صحبت میں پتہ چلا کہ مولانا سجاد کی ذہنی کاوشیں کیا ہیں، اور سیاسی معلومات میں وہ کس درجہ ماہر ہیں۔“

خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس دہلی میں

۲۸ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کا پہلا مرکزی اجلاس دہلی میں ہوا، جس کی صدارت مسٹر فضل الحق (بنگال) نے کی، گاندھی جی بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے، ”اس میں خلافت کا اتنا ہیوم تھا کہ چاندنی چوک اور جامع مسجد کی راہ دو گھنٹے میں طے ہوئی، اس اجلاس میں صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام شریک کئے گئے جو تمام صوبوں سے آئے تھے، کچھ ہندو معززین نے بھی شرکت کی، جن کو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، سندھ، رگھون، بنگال، بہار، صوبہ متحدہ وغیرہ سے جو ہندو آئے تھے ان کو مسلمانوں نے خلافت کمیٹیوں کی طرف سے بھیجا تھا، شیعہ حضرات بھی اس میں شریک تھے۔“

تجویز مقاطعہ

اجلاس میں باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی کہ مسلمان انگریز کے جشن فتح میں شریک نہیں ہوں گے اور اگر ان کے مطالبات منظور نہ ہوئے تو وہ حکومت سے عدم تعاون کریں گے، اس اجلاس میں ہندوؤں سے بھی تعاون کی اپیل کی گئی۔

اس میں حضرت مولانا سجاد بھی قائدانہ طور پر شریک تھے، اسی موقعہ پر جمعیت علماء ہند کی بھی باقاعدہ تشکیل ہوئی جس کا پہلے سے ہی عزم کر کے مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالحسن سجاد تشریف لائے تھے، تفصیل جمعیت علماء کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس امرتسر میں

خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس امرتسر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس کے ساتھ ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا شوکت علی نے کی، اجلاس میں حضرت مولانا عبدالباری اور حضرت مولانا محمد سجاد نے بھی قائدانہ شرکت کی، مولانا محمد علی جوہر اجلاس سے کچھ دنوں پہلے ہی رہا ہوئے تھے، وہ بھی شریک ہوئے اور اجلاس میں ایک طویل، جذباتی اور اثر انگیز تقریر فرمائی۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی: ”مولانا محمد علی جوہر کی شرکت گویا تمام مسلمانان ہند کی شرکت تھی، کیونکہ وہ اپنے علم و فضیلت، اسلام نوازی، جرأت و حق گوئی و بے باکی، عظیم ایثار و قربانی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمہ لیڈر بن چکے تھے، بیٹول جیل سے رہائی کے بعد وہ جن جن اسٹیشنوں سے گزرے وہاں ان کا عظیم الشان استقبال کیا گیا۔“^۱

دہلی میں خلافت کانفرنس اور وفد خلافت کی تجویز

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ایک بڑی خلافت کانفرنس ہوئی، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد (مولانا آزاد) کیم جنوری ۱۹۲۰ء کو جیل سے رہا ہوئے تھے، لوکمانیہ تلک اور دیگر کانگریسی لیڈران بھی شریک ہوئے، اور خلافت کے مسئلہ پر سب نے اپنے اتفاق کا اظہار کیا، وائسرائے اور صلح کانفرنس لندن میں وفد بھیجنے کی تجویز منظور ہوئی،

۱- علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰ مرتبہ مولانا مفتی محمد میاں صاحب۔

۲- تحریک خلافت ص ۱۰۲۔

مولانا محمد علی نے وفد کا میموریل تیار کیا جس پر سربراہ آوردہ لوگوں نے دستخط کئے، مولانا آزاد نے انڈیا ونس فریڈم میں لکھا ہے:

”وفدِ انسراے سے ملا۔ میں نے عرضداشت پر دستخط تو کر دیئے تھے مگر وفد کے ساتھ سمجھا نہیں۔

کیونکہ میرا خیال تھا کہ معاملات عرضداشتوں اور وفدوں کی حد سے آگے بڑھ چکے تھے۔“

مولانا آزاد وہی کے بیان کے مطابق انسراے نے میموریل کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ ”اگر مسلمانوں کا کوئی وفد حکومت برطانیہ کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کا نقطہ نگاہ پیش کرنے کے لئے جانا چاہے، تو حکومت وفد کو لندن جانے کی ضروری سہولتیں فراہم کر دے گی، لیکن خود اس نے کچھ کرنے سے معذوری ظاہر کی۔“ ۲

بہر حال مولانا محمد علی کی قیادت میں وفد لندن کے لئے روانہ ہوا، جس میں مولانا سید سلیمان ندوی، سید حسین، ابوالقاسم، اور حسن محمد حیات شامل تھے، وفد نے لندن میں مسٹر فشر کے توسط سے مسٹر لائیڈ جارج سے ملاقات کی، مگر لا حاصل، مولانا محمد علی نے کچھ عوامی جلسے وہاں کئے، پھر یہ حضرات اکتوبر ۱۹۲۰ء کے آغاز میں ہندوستان واپس لوٹ آئے۔ ۳

کلکتہ میں خلافت کانفرنس

فروری ۱۹۲۰ء میں کلکتہ ڈاؤن ہال میں ایک خلافت کانفرنس ہوئی جس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد نے کی، مولانا آزاد نے اس میں خلافت کے موضوع پر ایک مبسوط خطبہ دیا، جو کتابی شکل میں اسی وقت شائع ہو چکا تھا۔ ۴

کراچی میں عظیم الشان خلافت کانفرنس

۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت کانفرنس مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں ہوئی، جس میں حسب معمول کافی جوش و خروش نظر آیا، اکابر علماء و زعماء اسلام کے علاوہ ہندو لیڈر اور عوام بھی کانفرنس میں شریک ہوئے، اسی اجلاس میں انگریزی فوج کی ملازمت کو از روئے اسلام حرام قرار دیا گیا، اور پھر حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدد اور ڈاکٹر سیف الدین کپلو وغیرہ پر مشہور زمانہ مقدمہ

۱- انڈیا ونس فریڈم ص ۸۔

۲- انڈیا ونس فریڈم ص ۹، ۸۔

۳- تحریک خلافت ص ۱۱۹ تا ۱۲۲۔

۴- تحریک خلافت ص ۱۲۷۔

بغاوت چلا، مولانا محمد علی نے دوران مقدمہ جج سے زوردار لفظی مباحثہ کیا، حضرت مدنی بھی اپنے بیان پر قائم رہے، کراچی کے مقدمہ میں تمام ہی ملزموں نے اقبال جرم کر لیا تھا، سب کو سزا ہوئی، لیکن مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی ہندوستان کے ہیرو ہو گئے، اسی زمانے میں یہ شعر کافی مشہور ہوا:

بولیں اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ تیرے ہیں شوکت علی بھی جان بیٹا خلافت پہ دے دو



کامستان

خلافت کمیٹی (جمعیت مرکزیہ الہندیہ للخلافت) کی جانب سے شائع شدہ ایک اشتہار جس میں تحفظ خلافت کے لئے یکم اگست ۱۹۲۰ء مطابق ۱۶ ربیع الحجہ ۱۳۳۸ھ کو ملک گیر پرامن عام ہڑتال اور عدم تعاون کی اپیل کی گئی ہے، اس پر گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، حاجی صدیق کھتری، سیف الدین کچلو، فضل الحسن، مولانا حسرت موہانی قائدین تحریک خلافت کے نام درج ہیں، (مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی عنایت سے یہ اشتہار مجھے حاصل ہوا)

خواتین بھی تحریک میں شامل ہو گئی تھیں، مولانا محمد علی کی والدہ اس میں پیش پیش تھیں، ان کو سارا ملک بی اماں کے نام سے یاد کرتا تھا۔^۱

گیا میں عظیم الشان خلافت کانفرنس

حضرت مولانا سجاد صاحب نے قاضی احمد حسین صاحب کی معاونت سے خلافت کمیٹی کی ایک شاخ گیا شہر میں قائم کی تھی، جو بہار کی پہلی خلافت کمیٹی تھی، مولانا عبدالحکیم اوگا نوئی کے الفاظ میں:

”انوار العلوم کے بعد سب سے اہم اور نمایاں کام گیا میں خلافت کمیٹی کی تاسیس تھی، جو سوہدربہار کی پہلی خلافت کمیٹی تھی، اور ہزاروں ہزار ویپہر کی کوٹھجوا اور خوب چندہ ہوا مجھے یاد ہے کہ غالباً یوم انقرو کے سلسلہ میں ایک چھوٹے سے محلہ سے ڈیڑھ سو روپیہ وصول کر کے دفتر میں داخل کیا تھا۔“^۲

اس شاخ کی طرف سے حضرت مولانا سجاد نے گیا میں ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۲ء کو جمعیت علماء ہند اور کانگریس کے جسوں کے ساتھ عظیم الشان خلافت کانفرنس کا انعقاد فرمایا، جس کی صدارت حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی (۱۳۱۲ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۲۹ء) بہتم دار العلوم دیوبند (زمانہ ابتداء: ۱۳۳۵ھ تا ۱۳۴۸ھ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۹ء) نے فرمائی، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری^۳ مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، گیا کانگریس کے اجلاس کے صدر مسٹری آرو اس تھے، یہ جلسے حضرت مولانا سجاد کی خوش ذوقی، فنکارانہ مہارت، اور انتظامی صلاحیت کی

۱- تحریک خلافت ص ۱۸۳ تا ۱۹۳۔

۲- محمان ص ۲۰۔

۳- مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری کی وراثت دانا پور (پٹنہ) کے محلہ ”شاد نوبلی“ میں ۱۸۵۶ھ (۱۲۷۴ء) میں ہوئی، مورثا کا بانی مکان موضع رانا پور ٹکوسہرہ ضلع پٹنہ ہے، ان کی ابتدائی تعلیم دانا پور اور آرو میں ہوئی، اور لکھنؤ اور حیدرآباد میں تکمیل کو پہنچی۔ آپ کا خاندان اپنے حسب و نسب اور عزم و فضل کی بنا پر ہمیشہ ممتاز رہا، آپ کے والد بزرگوار مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم بڑے صاحب علم تھے، ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا، مولانا حکیم عبدالرؤف صاحب بیسویں صدی کے اوائل میں کالمیہ چلے آئے اور تادم و بین مقیم رہے، ان کا شمار ہندوستان کی خاک سے اٹھنے والے علمی کے چند ممتاز علماء میں ہوتا ہے، آپ کی عظمت کا اعتراف مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالمجید دریا بادی، مولانا حفص الرحمن سید ہروی، مولانا عتیق الرحمن عثمانی اور دوسرے بے شمار کابر علماء نے کیا ہے، ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سالانہ جلسہ میں اسلام اور عدلی مسائل کے عنوان سے انہوں نے جو مقالہ پڑھا تھا، اس کے بارے میں ارباب علم و فضل کی مختلف رائے تھی، کہ اب تک ایسا پڑھنا اور جمع مقالہ نہیں پڑھا گیا تھا، جناب ڈاکٹر حسین سابق صدر جمہوریہ اس وقت جامعہ کے وائس چانسلر تھے، انہوں نے اس مقالہ کو کتابی صورت میں شائع کیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مقالہ کو پڑھا کر مولانا دانا پوری کو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ: آپ کا مقالہ عوام سے زیادہ علماء کے لئے مفید راہ ثابت ہو گا، فن طب و حکمت اور دیگر موضوعات پر پچیس ستر لکھتا ہوں آپ کی شائع ہو چکی ہیں، غیر مطلوبہ بھی بہت زیادہ ہیں، ان میں اسب سے اہم ترین تصنیف ”اسح المسیر“ (دو جلدیں) ہے، مولانا عبدالمجید دریا بادی اور دیگر علماء نیز ستر و در سالوں نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ”اب تک اردو زبان میں سیرت طیبہ پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی“ یہ ایک جامع اور صحیح ترین کتاب ہے۔

آئینہ دار تھی، عداۃ مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں:

”اسی کا اعتراف نہیں، بلکہ اس کا بھی کہ مارے ہندوستان کا سب سے نمایاں اجلاس جمعیت علماء گلیا کا اجلاس تھا، اور جمعیت علماء گلیا کا اجلاس صرف ایک واحد شخصیت (حضرت مولانا سجاد) کی عمومی قوتوں کا مظہر تھا۔“

گلیا کانفرنس کا منظر جمیل

ان پروگراموں کی چشم دید کیفیت حضرت مولانا محمد سجاد کے سیاسی ناقد علامہ راغب احسن صاحب ایم اے جنرل سیکریٹری کلکتہ مسلم لیگ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”حضرت مولانا محمد سجاد کو پہلی دفعہ اور یہ آخری دفعہ بھی تھا، میں نے گلیا کانگریس ۱۹۲۲ء کے موقعہ پر جمعیت علماء ہند کے انجمن الشان پنڈال میں دیکھا تھا، گلیا کانگریس کا اجلاس زیر صدارت مسٹری آرداس ہو رہا تھا، سراج پارٹی کی بنیاد پنڈت موتی لال نہرو داس اور حکیم اجمل خان مل کر ڈال رہے تھے، گلیا میں اس موقعہ پر آل انڈیا خلافت کانفرنس اور جمعیت علماء ہند کی سالانہ کانفرنس بھی ہو رہی تھیں، دسمبر کا مہینہ تھا، کڑا کے کا جاڑا پڑ رہا تھا، کانگریس، خلافت اور جمعیت کے پنڈال دریا نے پھمکنگو کے کنارے شہر سے باہر ریت کے ٹیلوں اور خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں قائم تھے، کانگریس اس وقت بھی سرمایہ دارانہ نوکی مجلس تھی، اس کا پنڈال ہندو طرز تعمیر کا نمونہ تھا، صدر گیٹ، دروازے، اور اس کے ستون بدھ طرز تعمیر کے مطابق بنائے گئے تھے، اس کا ظاہر و باطن کاملاً ہندوانہ تھا، اس کی تعمیر بہ ہزاروں ہزار روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔“

چونکہ کلکتہ میں انجمن اطباء قائم ہوئی تو آپ اس کے صدر منتخب ہوئے، بوسہ اہمال تک آپ اس کے صدر رہے، آپ ہی کی کوششوں سے حکومت بنگال نے انجمن اطباء کے بورڈ آف فیکٹی کو تسلیم کر لیا تھا، آپ سرکاری ملازمت کے قائل نہ تھے، حکومت بہار نے طبیہ کالج کی تجویز منظور کی تو آپ کو پرنسپل کے عہدہ کی پیشکش کی گئی، لیکن آپ نے قبول نہیں کیا، اور پھر آپ ہی کی سفارش پر خلیفہ محمد اور یس صاحب ساکن موضع بہراواں اس عہدہ پر فائز ہوئے آپ انگریزی سامراج کے سخت خلاف تھے، ۱۹۱۶ء سے برابر جنگ آزادی کی کوششوں میں شریک رہے، اس کے لئے قیل بھی گئے، آپ کانگریس کے اہم رکن ہونے کے ساتھ کلکتہ خلافت کمیٹی کے برسوں صدر رہے، آپ نے گلیا خلافت اور جمعیت کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا، وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، ہندوستان کے گوشے گوشے سے آپ کے پاس اشتیاق آیا کرتے تھے، اور آپ نہایت تحقیق کے ساتھ ان کے جوابات دیتے تھے، آپ کی بصارت آخر عمر تک پوری طرح برقرار رہی، ۱۹۶۸ء میں ۱۲۰ اور ۲۴ فروری کی درمیانی شب بارہ بجے کلکتہ میں وفات پائی، مائیک حلہ پشوری گورستان میں مدفون ہیں (تاریخ اطباء بہار ج ۲ ص ۲۰ تا ۷۷ مولفہ: حکیم محمد سراف الحق، ۱۹۸۰ء)

اس کے بالکل برعکس جمعیتِ علماء ہند کا پنڈال اسلامی سادگی، نفاست، اور جدت، اور انڈو سارا سینک (Indo Sara Cenic) عربی ہندی طرزِ تعمیر کی رعنائیوں کا آئینہ دار تھا، اس کے مالیشان صدر پھانک اور داخل و خارج ہونے کے دروازوں پر عربی حروف میں معنی خیز آیات قرآنی درج تھے، مسلمانوں کے علاوہ ہزاروں لاکھوں ہندو روزانہ جمعیتِ علماء کے پنڈال کو آ کر دیکھتے اور تعریف کرتے تھے، جو کلمہ سب کی زبانوں پر عام تھا وہ یہ تھا کہ باوجود سادہ اور کم خرچ ہونے کے جمعیتِ کا پنڈال کانگریس کے پنڈال سے ہزار درجہ زیادہ آرام دہ، زیادہ روشن و فراخ، زیادہ حسین و جمیل، اور زیادہ مالیشان، زیادہ پر شکوہ تھا، اور یہ سب کچھ مولانا سجاد کی اعلیٰ تعمیری صلاحیت کا نتیجہ تھا، مجھے معلوم تھا کہ مولانا نے یہ سارا انتظام انتہائی بے سروسامانی، بے مائیگی، اور پریشانی کے عالم میں اور قلیل ترین وقت یعنی صرف چند دنوں کے اندر کیا تھا، عجیبی جمعیتِ علماء کانفرنس اور خلافت کانفرنس کی اصل روح رواں، دماغ، مدبر، اور مرکزی شخصیت مولانا سجاد کی ذات تھی، مولانا سجاد نے محض چند گئے ہوئے دنوں کے اندر جمعیتِ علماء اور خلافت کانگریس کے متعلق جملہ انتظامات باوجود غربت و افلاس اور بے سروسامانی کے اتنے اعلیٰ پیمانہ اور بہترین بلکہ نادر ترین انداز پر کیا تھا، کہ ہندو مسلم اکابر کی نگاہیں بے اختیار مولانا پر مرکوز ہو رہی تھیں اور سب کی زبانیں اس حقیقت کے اعتراف میں ہم آواز تھیں کہ:

مولانا سجادؒ نے ہندوستان کی تعمیر کی صلاحیت رکھتے ہیں

”عجیب کانگریس نے ملک کی ایک نادر اور حیرت انگیز تنظیمی طاقت کا انکشاف کیا ہے، مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری دانا پوری جمعیتِ علماء ہند کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، آپ نے مولانا سجادؒ کی انتظامی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے کھلے اجلاس میں فرمایا تھا کہ:

مولانا سجادؒ نے مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیمی اور سیاسی کاروائی کا جو ثبوت دیا ہے، وہ اس درجہ بلند ہے کہ سراجِ ملنے کے بعد مولانا کو ہندوستان کا گورنر اور گورنر جنرل بنانا موزوں ہوگا، کیونکہ وہ ایک نئے ہندوستان کے نئے خیالات و اصول کے مطابق تعمیر کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند صدر اجلاس نے جو خود بھی بڑے مقتظم بزرگ تھے اس خراج تحسین کی تائید فرمائی تھی۔ اسی اجلاس گیا کے موقع پر مجھے مولانا مرحوم کی تقریر سننے کا پہلا موقع ملا تھا، اور یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ صاحب بیان نہیں بلکہ صاحبِ عمل بزرگ ہیں۔ مولانا سجادؒ نہ صرف ایک بڑی تنظیمی صلاحیت رکھنے والے بزرگ تھے، بلکہ جدید

(Original) خیالات و افکار رکھنے والے ایک معمار اور خدق بھی تھے، وہ صرف عظیم اور مدبر نہیں تھے۔ بلکہ فکر، مجتہد اور آرتس بھی تھے۔ اور کوئی اول درجہ کامعمار اور آرتس نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ اعلیٰ درجہ کی قوت تخیل اور اعلیٰ درجے کی قوت تحقیق نہ رکھتا ہو، اور گیسے ملی مجاہد اور اس کے متعلقہ انتظامات ان کی اعلیٰ قوت تخیل اور اعلیٰ تحقیق کے مخوفات فکر و عمل تھے، مولانا کی شخصیت میں بیک وقت اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیت اور عملی طاقت کے ساتھ نئے نئے خیالات و تعمیرات کے عدم سے وجود میں لانے کی تحقیقی قوت بھی جمع تھی، وہ نہ صرف حسب موقع نئے خیالات کو قبول کر سکتے تھے، بلکہ نئے خیالات کی آفرینش کی بھی قوت رکھتے تھے، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ اپنے نئے خیالات کے مطابق ایک نئی دنیا کی تعمیر بھی کر سکتے تھے راجداس گیسے کے موقع پر ہر چیز اور ہر انتقام پر مولانا سجاد کی تخلیقی شخصیت اور اجتہادی آرت کا چمکاپ سناٹ نمایاں تھا۔“

احیاء خلافت کی آخری کوششیں

حضرت مولانا سجاد کے ان پروگراموں نے پورے ملک بالخصوص بہار میں انقلاب کی لہر دوڑا دی، مسلمانوں نے خلافت اسلامیہ کے تحفظ و بقا کے لئے تن من و دھن کی بازی لگادی، اور قربانی و سرفروشی کی ایک نئی تاریخ رقم کی، لیکن ہوا وہی جو اللہ پاک کو منظور تھا، ترک ناداں نے خود ہی پسپا ہو کر دشمنوں سے مصالحت کر لی، اور صدیوں کی بنائی ہوئی تاریخی سلطنت اور روحانی منصب کو بیک جنبش قدم منسوخ کر دیا، ۲۵ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو تمشیق خلافت کے عظیم سانحہ کے بعد بھی ہمارے علماء اور قائدین نے خلافت اسلامیہ کے امکانات کے لئے کئی عملی کوششیں کیں، پہلے تو یہ کوشش کی گئی کہ خود مصطفیٰ مآل اس منصب خلافت کے لئے آمادہ ہو جائے، اور خلافت کی جاری روایات و اصول کو دوبارہ قہقہہ کرے، لیکن جب اس سے مایوسی ہو گئی تو ۱۹۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز نے حجاز مقدس میں شریف حسین کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کیا تھا، اور ان سے مسلمانوں کو بڑی امیدیں قائم تھیں کہ وہ حجاز مقدس میں منصب خلافت کے قیام میں امت مسلمہ کی مدد کریں گے، اس لئے کہ مہم کے آغاز میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ ان کو حکومت کی خواہش نہیں ہے، شریف حسین کے نکل جانے کے بعد مسلمان جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں، ۲۴ ستمبر ۱۹۲۴ء

(۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ) کو خلافت کمینی کی تجویز کا جواب ملک عبدالعزیز نے یہ دیا تھا کہ آخری فیصلہ دنیا کے اسلام کے ہاتھ میں ہوگا، جمعیتہ و خلافت نے علامہ سید سلیمان ندوی کی قیادت میں باقاعدہ ایک وفد بھی حج زمقدس روانہ کیا جس کے اراکین میں مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبد القادر قصوری بھی تھے، لیکن یہاں بھی مایوسی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا، ۱۹۲۵ء میں جیسے ہی مکمل حجاز فتح ہوا، ۱۰ جنوری ۱۹۲۶ء (۲۵ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ) کو جناب عبدالعزیز نے اپنے ملک المنجد و انجاز ہونے کا اعلان کر دیا، اور خلافت اسلامیہ کی آخری امید بھی جاتی رہی، ان بعد وانا الیہ راجعون۔^۱

الغائے خلافت کے جھوٹے اعذار

حضرت مولانا سجاد صاحب خلافت کے خاتمہ پر بے حد رنجیدہ تھے، ایک پل کے لئے بھی امت کا بغیر خلیفہ رہنا ان کو گوارا نہ تھا، بعض لوگ مصطفیٰ کمال اور ان کے ہم خیال ترکوں کی طرف سے عذر پیش کرتے تھے اور تاویلات کرتے تھے، مولانا سجاد صاحب کے نزدیک یہ سب تاویلات بارود تھیں، اور ان کی بنا پر مسلمانان ترک یا مسلمانان عالم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے تھے، قیام خلافت مسلمانوں کی عالمی اجتماعی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری سے گریزی کوئی تاویل حضرت مولانا محمد سجاد کے نزدیک قابل قبول نہیں تھی، انہوں نے اپنے خطبہ صدارت مراد آباد میں سب سے پہلے اسی مسئلہ پر گفتگو کی ہے، اور جس تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے اس سے مولانا کی غیرت ایمانی، فکری بلندی، وسعت مطالعہ، قوت مشاہدہ، حالات سے باخبری اور گہری حساسیت کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے انسانی سوچ کی کمزوریوں، بے عملی کے جیسے بہانوں اور مغربی تہذیب کی فکری غلامی میں تراشے گئے نظریات پر جس طرح نشر چلائے ہیں کہ احساس کا حاس

تخریک خلافت سن ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۶ء مسلسل ۸۰ برسوں سے خلافت کمینی کے وقار، اعتبار کوئی کافی مدد پہنچا، خود کمینی اقتدار سے نفوذ نہ رہ سکی، بازار میں تاشروہ قمار کے ساتھ ملک انجیر کی بدسویاؤں کو لے کر خود ارکان کمینی دوسوں میں منقسم ہو گئے، ایک جماعت نہاد شریف کمین کی پر زور طرہ افہامی، ان میں بریلوی اور خاندانوں کے سجادہ نشین خوش خوش تھے، اس میں حضرت مولانا عبدالحی فی فرقہ بھی جنس با وزن شخصیت بھی شامل تھی، جن کا پرے زندہ و ستان پڑا تھا، ان کے ساتھ نور ناصر تھوہانی، مولانا سجاد صاحب بدایونی، مولانا غلام احمد کانپوری، وغیرہ بھی تھے، دوسری طرف مولانا محمد علی نقیر، الملک پور دھری علیق، اذہان وغیرہ تھے، دونوں کا مرکز لکھنؤ تھا، مولانا عبدالحی صاحب کے ہمارے پرانے دشمن تھے، ان میں شیخ مشیر حسین قدوائی اور سید جانب دہوی بھی شریک تھے، اور اب ذرا مٹی تو تھے ہی، ان کو گول نے ایک عظیم الشان جاسد رفوہ ماموں کی، اور ال گول کر سلطان بن عبدالعزیز یزید بن ہشام کی، اور جب اس کے بعد مولانا محمد علی نے وہاں جس کرنا پڑا تو وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ اس بحث و تکرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ اودھ میں دو خلافت کمینیاں قائم ہو گئیں۔

اور پھر زون۔ (تخریک خلافت سن ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء)

شخص تڑپ تڑپ اٹھے گا، تقریباً بیس صفحات میں یہ بحث پھیلی ہوئی ہے، اور اپنے موضوع پر سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ افرحہ اللہ۔
درست کہا کہنے والے نے:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ دشمن کی عیاری بھی دیکھ
لیکن وہ ناامید نہ تھے، اسی ناکامی کے لہو سے بہار میں امارت شرعیہ کا ایک چراغ انہوں نے
جلایا تھا، اور آخرا سی حسرت و جستجو اور امید و آرزو میں اس مرد مجاہد نے اپنی زندگی کی شام کر دی:
اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا



ملی و قومی خدمات

(۹)

نواں باب

جمعیت علماء ہند کا قیام
تصویر، تحریک و تاسیس، پس منظر،
مشکلات اور حقائق

فصل اول

تصور، تحریک اور پس منظر

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ غیر اسلامی ہندوستان میں نصب امیر کو مسلمانوں کا ملی فریضہ تصور فرماتے تھے (اس لئے کہ خلافت اسلامی کے زوال اور حکومت اسلامی کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کی حیات اجتماعی و ملی کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں تھا) مگر اس کے لئے علماء کا اتحاد ضروری تھا، امیر کو علماء کی حمایت حاصل نہ ہو تو اس کو مطلوبہ طاقت اور عوامی حمایت حاصل نہیں ہو سکتی تھی، چنانچہ ۱۹۱۷ء (۱۳۳۶ھ) سے قبل ہی مولانا نے جمعیت علماء ہند کی تاسیس کا پروگرام بنایا، علماء کو خطوط لکھے، اور ملک کے مختلف حصوں کے دورے کئے، اور اس تعلق سے پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات دیئے۔ ان مراسلات و اسفار کے اخراجات آپ کے خصوصی مسٹر شد اور شہر گیا کی متمول شخصیت مولانا قاضی احمد حسین صاحبؒ نے برداشت کئے تھے، مگر علماء کے مسلکی اور فکری اختلافات کی بنا پر کافی دشواریوں کا سامنہ ہوا، مختلف انخیال اور مختلف المشرک علماء کو ایک جگہ جمع کرنا آسان نہیں تھا، علاوہ اکثر علماء سیاست کے نام سے بھی گھبراتے تھے، بعض حلقوں میں تو اس کو شجر ممنوعہ قرار دیا گیا تھا، اور علماء کی شان کے منافی تصور کیا جاتا تھا۔

مولانا شاہ محمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

”مولانا سجاد کی کوششوں اور افہام و تفہیم سے ضرورت تو بہت علماء محسوس کرنے لگے تھے، لیکن قابل عمل نہیں سمجھتے تھے، کبھی چھوٹے چھوٹے اجتماعات مختلف مقامات پر ہوتے رہے، لیکن ان میں بجز منہجی مخفیات اللہ صاحب کے خود علماء دیوبند بھی شریک نہ ہوئے۔“^۱

انجمن علماء بہار کی تاسیس

آخر ایک روز حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے قاضی احمد حسین صاحبؒ سے کہا کہ:

۱- خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں ان رکادوں کی طرف اشارہ کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”آخرین تین سالوں میں انہی مقاصد کو لئے اکثر یہاں تا مصوبوں میں جمعیت علماء قائم ہو گئی، اور وہی فردی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا، کس طرح کا نور ہو گیا؟“ (مکتبہ سجاد ص ۱۳)

۲- حسن حیات ص ۲۲ مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ۔

”علماء ہند کو جمعیت علماء کے قیام پر انشراح نہیں ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ گھیا میں علماء بہار کا جلسہ بلاؤں۔“

قاضی صاحب نے اتفاق کیا، اور اجلاس کے انعقاد میں اپنا پورا تعاون پیش کیا، چنانچہ ۳۰ صفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء کو مدرسہ انوار العلوم گیا کے سالانہ اجلاس کے موقع پر جمعیت علماء بہار کی بنیاد پڑی، اور اس کا صدر مقام مدرسہ انوار العلوم قرار پایا، اس کا ابتدائی نام ’انجمن علماء بہار رکھا گیا۔‘

اس کی ضرورت اور مقاصد کی طرف حضرت مولانا سجاد نے روئیداد میں ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

”۳۰ صفر ۱۳۳۶ھ بوقت شب مدرسہ انوار العلوم میں ان علماء بہار کا جو تقریب جلسہ سالانہ مدرسہ انوار العلوم (گھیا) مجتمع تھے، ایک خاص اجتماع اس غرض سے ہوا کہ مسلمانوں کے مذہبی و ملکی مصائب اور مشکلات حاضرہ کے اباب اور ان کے رفع کرنے کے ذرائع و وسائل پر غور کرے۔“^۱

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”جمعیت کے اغراض و مقاصد میں صرف دو چیز جامع رکھی گئی تھی ایک دعوت اسلامیہ، اور دوسرے حفاظت حقوق ملیہ۔“^۲

اس پس منظر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد کی ”انجمن علماء بہار“ محض مقامی مسائل کے لئے اچانک قائم نہیں کر دی گئی تھی، بلکہ پورے ملک کے دورے کے بعد ملک گیر مقاصد کے

۱۔ کتاب النسخ والتفہیم ص ۴۳ مصنفہ مولانا عبدالصمد رحمانی ج ۲ تاریخ امارت ص ۴۳ مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی ج ۲ حسن حیات ص ۴۵ مرتبہ: شاہ محمد عثمانی ج ۲ حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ گنج الدین پھلواری۔
وضیح رہے کہ انجمن علماء بہار کی تاریخ تاسیس میں ۳۰ صفر ۱۳۳۶ھ کی صراحت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے تاریخ امارت میں کی ہے، اور اس کو حضرت مولانا سجاد کی تیار کردہ روداد پر محمول کیا ہے (جو ادھر کتاب میں نقل کی گئی ہے) انگریزی تاریخ کے لحاظ سے یہ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء ہے، لیکن مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب اور شاہ محمد عثمانی صاحب دونوں بزرگوں نے انگریزی تاریخ اکتوبر ۱۹۱۷ء لکھی ہے، مگر تاریخی تطبیق کے لحاظ سے یہ سچ ہے۔

۲۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے خطبہ صدارت مراد آباد میں جمعیت علماء بہار کا سن قیام دن تاریخ کی صراحت کے بغیر ۱۳۳۵ھ لکھا گیا ہے (خطبہ صدارت ص ۸۲) جو دسمبر ۱۹۱۷ء پر منطبق نہیں ہوتا، اس لئے بظاہر یہ بھی سبقت قلم یا کتابت کی غلطی ہے۔ اس لئے کہ ایک تو یہ روداد کے خلاف ہے، دوسرے اجمال کے بالمقابل تفصیل زیادہ لائق ترجیح ہوتی ہے۔
۳۔ آپ کے شاگرد رشید اور علمی و ملی تحریکات میں آپ کے معتمد اور جانشین مولانا عبدالکلیم صاحب اوکاٹو نے بھی اپنے مضمون میں بلا تعین ماہ و تاریخ ۱۳۳۵ھ لکھا ہے (محاسن سجاد ص ۷) ظاہر ہے کہ یہ بھی سبقت قلم ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ تاریخ امارت ص ۴۳، ۴۴ مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۵۔ تاریخ امارت ص ۴۴ مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی۔

پیش نظر بطور نمونہ قائم کی گئی تھی، جس کا دائرہ کار درست صوبہ بہار تھا، اور قیام کے مقاصد میں ملت کی دینی و سیاسی قیادت، نظام قضا کا قیام اور جمعیت علماء ہند اور امارت شرعیہ ہند کے لئے ذہن سازی بھی شامل تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا سجاد نے سب سے اول دارالقضاء کا نظام اسی انجمن علماء بہار کے ماتحت قائم فرمایا تھا، جس کی شاخیں پورے بہار میں پھیلی ہوئی تھیں۔۔۔ یوں انہی مقہوم کے اعتبار سے انجمن، جمعیت اور تنظیم سب مترادف الفاظ ہیں۔

ندوة العلماء کانپور

بالشبہ اس سے قبل حضرت مولانا محمد علی مونگیری کی تحریک پر کانپور میں ”ندوة العلماء“ کے نام سے علماء ہند کی ایک انجمن قائم ہو چکی تھی، جو غالباً اس ملک میں انگریزی تسلط کے بعد علماء کی پہلی انجمن تھی، ملک میں اس کے کئی پر جوش پروگرام ہو چکے تھے اور اس کے زیر انتظام ایک دارالعلوم بھی لکھنؤ میں جاری ہو چکا تھا، جو اپنی امتیازی خصوصیات کے ساتھ آج تک جاری ہے، لیکن اس انجمن کا مقصد خالص علمی تھا، مسلمانوں کے فنی اور سیاسی مسائل سے اس کو سروکار نہ تھا۔

جمعیت الانصار دیوبند

دیوبند میں جمعیت الانصار کا قیام بھی انہی کوششوں میں سے ایک تھا، لیکن اس کا نصب العین بھی سیاسی نہیں تھا، بلکہ بہت محدود مقاصد کے لئے قائم کیا گیا تھا، دیوبند میں ”ثمرۃ التریبہ“ نامی انجمن ختم ہونے کے بعد یہ جمعیت قائم ہوئی تھی، مولانا حفیظ الرحمن و اصف خلف الرشید مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پور کی اطلاع کے مطابق یہ دراصل فضلاء مدرسہ دیوبند کی ایک انجمن تھی، جس کا مقصد مدرسہ کی تعلیمی خدمات کی تشہیر اور مسلمانوں کو مدرسہ کی امداد کی طرف توجہ دلانا تھا، اس کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی تھے، اس کے اغراض و مقاصد خود مولانا سندھی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

”جمعیت الانصار مدرسہ عربی دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ کی اس مددگار جماعت کا نام ہے جو مخصوص شرائط کی پابند ہو کر مدرسہ کی تدریسی ہر طرح پر حصہ لے یا بالفاظ دیگر سرپرستان مدرسہ دیوبند کے دست و بازو بن کر کام کرے۔ اس جمعیت کی غرض مدرسہ کے مقاصد کی تائید و حمایت اور اس کے پاک اثر کی ترویج و اشاعت ہے، ملکی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“

اس جماعت کے ارکان مدرسہ عالیہ دیوبند کے سابق تعلیم یافتہ حضرات ہیں جن میں سے ہر ایک

کافرض ہے کہ مدرسہ کی تعلیمی، انتظامی اور مالی ترقی میں انتہائی کوشش کرے۔^۱

پھر اس کے پہلے اجلاس مراد آباد منعقدہ ۱۵ تا ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء (۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ) کی پانچویں نشست میں جو سات خالص دینی و تعلیمی تجاویز پاس ہوئیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

”ایسے چھوٹے چھوٹے رسائل بکثرت شائع کرنا جن میں عقائد اسلام کی تعلیم فرقہ آریہ کے جوابات اور وفاداری گورنمنٹ کی ہدایات ہوں۔“^۲

مؤتمر الانصار کا دوسرا اجلاس میرٹھ میں ۶، ۷، ۸ اپریل ۱۹۱۲ء جمعیت الانصار اہل علم و صلاح کی وہ جماعت ہے جس نے دارالعلوم دیوبند کی تکمیل کے ضمن میں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پورا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے، الانصار نے اپنے مقصد کی تکمیل کے ذرائع و وسائل میں مشورہ لینے اور مسلمانوں کے مذہبی مقتداؤں کے اتفاق سے مذہبی تعلیم کا راستہ معین کرنے کے لئے ایک سالانہ جلسہ قرار دیا ہے۔^۳

بعد میں غائب اس میں توسیع کر دی گئی تھی، اور فضلاء دیوبند یا علماء کی کوئی تخصیص باقی نہیں رہی تھی، اور ملت اسلامیہ کی خدمت و نصرت کے لئے ہر شخص کے لئے اس کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کی کوششیں زیادہ بار آور نہ ہو سکیں۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

”افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی سعی و تدبیر بھی سودمند اور کامیاب نہیں ہوئی۔“^۴

انجمن علماء بنگال - تعارف اور پس منظر

اسی طرح بنگال میں مولانا منیر الزماں اسلام آبادی^۵ نے بھی ایک انجمن علماء بنگال قائم کی تھی، جس کے ایک اجلاس (منعقدہ ۱۱، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۵، ۲۶ دسمبر ۱۹۱۷ء) کی صدارت علامہ سید سلیمان ندوی نے کی تھی، اس کا ذکر خود علامہ ندوی نے اپنے خطبہ صدارت کلمتہ

۱- جمعیت علماء پر ایک تاریخی تبصرہ ص ۲۸، ۲۷ بحوالہ ماہنامہ القاسم دیوبند، شمارہ ۹۔

۲- جمعیت علماء پر ایک تاریخی تبصرہ ص ۲۸، ۲۹ بحوالہ ماہنامہ القاسم دیوبند، شمارہ ۹۔

۳- جمعیت علماء پر ایک تاریخی تبصرہ ص ۲۸، ۲۹ بحوالہ ماہنامہ القاسم دیوبند، شمارہ ۸ ص ۳۴۔

۴- خطبات آزاد ص ۱۰۴ تا ۱۰۵: ارشد ہک پبلرز علامہ اقبال روڈ میرپور آزاد کشمیر۔

۵- آپ اسلام آباد (چاٹھام) کے باشندے تھے، بڑے پرجوش انقلابی تھے تحریک پاکستان کے سخت مخالف تھے، اس لئے پاکستان بننے کے بعد وطن نہیں گئے، کلکتہ میں ہی انتقال فرمایا، اخیر وقت تک قومی ولی کام کرتے رہے (جمعیت علماء پر قومی تبصرہ ص ۱۱۸، ۱۱۹) بشکریہ مولانا مفتی عثمان غنی صاحب (باقی احوال کاظم نہ ہو سکا۔

میں کیا ہے، لیکن وہ بھی یہ ایک غیر سیاسی، اور محض تبلیغی و اصلاحی نوعیت کی تنظیم تھی، کیوں کہ بنگال میں تشدد پسندوں کی وجہ سے صوبائی حکومت بہت حساس تھی، اور مولانا منیر الزماں اسلام آبادی تھے تو انقلابی قسم کے آدمی، لیکن ان کو اندیشہ تھا کہ سیاست کی شمولیت سے بہت سے علماء اس میں شریک ہونے سے گھبرائیں گے، اسی لئے انہوں نے انجمن کے مقاصد تبلیغ و اصلاح تک محدود رکھے تھے۔^۱

علاوہ یہ انجمن عیسائی مشنریوں کے حملوں کے دفاع میں قائم ہوئی تھی، اس لئے بھی اس کے مقاصد مذہبی اور دعوتی حدود سے متجاوز نہیں ہو سکے۔^۲

حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے خطبہ صدارت (مراد آباد) میں اس انجمن کا ذکر کیا ہے اور اس کے قیام کے پس منظر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، مولاناؒ کے مطابق انجمن علماء بنگال کے قیام کا پس منظر اس مذہبی ارتداد کا خاتمہ تھا جو عیسائی مشنریوں نے بنگال میں پھیلا رکھا تھا، جب کہ انجمن علماء بہار ایک جامع المقاصد تنظیم کے طور پر قائم ہوئی تھی، اس کے قیام کے مقاصد میں ملت کی دینی و سیاسی قیادت، نظام قضا کا قیام، جمعیت علماء ہند اور امارت شرعیہ ہند کے لئے زمین کی تیاری بھی شامل تھی، اور اس کے پس منظر میں علمی زوال اور مذہبی فتنوں کے علاوہ وہ خونریز جنگیں بھی تھیں جو ملک و بیرون ملک اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف لڑی جا رہی تھیں، حضرت ابوالحسنؒ کے الفاظ میں:

”بنگال میں عیسائی مشنریوں کے حملے نے علماء بنگال کو متنبہ کیا کہ وہ جمعیت علماء بنگال قائم کریں۔ اور پھر

اس کے بعد اندرون ہند و بیرون ہند کے محاذ پر عظیم کو دیکھتے ہوئے علماء بہار کو متنبہ ہوا، لہذا انہوں

نے ۱۳۳۵ھ میں اتالی زندگی کے تمام مقاصد کو پیش نظر کر کے جمعیت علماء بہار قائم کی۔“^۳

اسی لئے انجمن علماء بنگال کا دائرہ کار بہت محدود رہا اور رفتہ رفتہ وہ بے اثر ہو کر ختم ہو گئی، بعد میں مولانا منیر الزماں اسلام آبادی حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے ساتھ جمعیت علماء ہند کی کل ہند تحریک میں شامل ہو گئے اور اس کے بانی قائدین میں شمار کئے گئے۔



۱- خطبہ صدارت اجلاس ۱۰م جمعیت علماء ہند فلکس اسلام سید سلیمان ندوی۔

۲- حیات س ۲۴ مرتبہ شاہ محمد عثمانی۔

۳- خطبہ صدارت حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد ہوقعدہ اجلاس جمعیت علماء مراد آبادی ۸۲۔

۴- خطبہ صدارت حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد ہوقعدہ اجلاس جمعیت علماء مراد آبادی ۸۲۔

فصل دوم

جمعیت علماء بہار - خدمات اور سرگرمیاں

جمعیت علماء بہار - جمعیت علماء ہند کی خشتِ اولین

غرض حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے جس دور میں جمعیت علماء بہار کی داغ بیل ڈالی وہ پورے ہندوستان میں اپنی فکر و نوعیت اور اغراض و مقاصد کے لحاظ سے پہلی ”جمعیت علماء“ تھی، جس کو فکری اور عملی دونوں اعتبار سے جمعیت علماء ہند کی خشتِ اول کہنا زیادہ مناسب ہے، جمعیت علماء ہند کی تعمیر اسی نقشِ اول کی روشنی میں ہوئی ہے۔

یہ اسی جمعیت علماء ہند کی سنگ بنیاد تھی جس کا خواب مولانا ابوالکلام آزادؒ الہلال کے اجراء (۱۹۱۱ء) کے وقت ہی سے دیکھ رہے تھے، اور جس کو جمعیت علماء ہند کے تیسرے اجلاس عام (لاہور) کے خطبہٴ صدارت میں انہوں نے ”عالمِ اسلامی کا پہلا اجتماع علماء“ قرار دیا تھا، دیکھئے خطبہٴ صدارت لاہور میں ان کی تصویر درود:

”آپ کی یہ مقدس و مبارک جمعیت العلماء جس مقصد کی جستجو میں منعقد ہوئی ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ وہی یوسف مقصود ہے جس کے فراق میں ۱۹۱۱ء سے متصل واسطیٰ یوسف کی فعالِ نخی کردہا ہوں، اور جس کے لئے میں نے الہلال مرحوم کے صفحوں کو کبھی اپنے چشمِ غوٹیں کے آنسوؤں سے رنگا ہے، اور کبھی اس کے سوادِ حروف کے اوپر اپنے دل و جگر کے ٹکڑے بچھا دیئے ہیں، ۱۹۱۱ء سے لے کر آج تک یہ مقصد میرے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مطلوب اور میری روح کی عشق و شہیگی کا محبوب رہا ہے، خدا کی کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی اس مقصد کی طلب سے میرا دل خالی ہوا ہو، اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں گذری، جب میں نے اس کی تمنا میں اپنے بسترِ غم و اندوہ پر بے قراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں میں نے اپنی آزادی کی تمام فرصت اسی کے عشق میں بسر کی، اور نظربندی و قید کے چار سال اسی کے فراق میں گائے رہیں اسے بزرگانِ ملت! اگر آج علماء امت کی یہ نہضت مبارکہ جمعیت العلماء کی شکل میں طالع و نظر افروز ہوئی ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ یہ میرے وہ سالہ سوالوں کا جواب ہے، میری تمناؤں اور آرزوؤں کا ظہور ہے۔ میری فریادوں اور التجاؤں کی قبولیت ہے، میرے لئے مانتہِ حبیہ

الانفس وتند الامین اور یقیناً میری امیدوں کے قدیم خواب کی تعبیر ہے ہذا تاویل رویای
من قبل قد جعلہا ربی حقاً

کار زلف توست مشک افشانی اما عاشقان

مصلحت را قہمت برآ ہوسے چیل بستہ اند

حضرات یقیناً میں نے یہ عرض کرنے میں آپ تمام مجمع علم و بصیرت کے آراء و معتقدات کی
ترجمانی کی ہے کہ جمعیت علماء کے اعمال دعوت کے لئے قاعدہ اساسی یہی مسلک ہے اسی مقصد
کو سامنے رکھ کر وہ موجودہ عہد غربت اسلام میں منصب نیابت و شہادت حق کے فرائض انجام
دینے کے لئے مستعد کار ہوئی ہے اور بلا خوف و دہشہاں سکتا ہے کہ مسلک اصلاح دینی کی بنا پر عالم
اسلامی کا یہ سب سے پہلا اجتماع نماء ہے جو اس وسعت و اتحاد اور جمعیت اقوام کے ساتھ مجتمع
ہوا ہے، جو کام اس وقت تک تمام بڑا واسطہ کی طلب و سعی سے بروئے کار نہ آ سکا اور جس کی
توفیق موجودہ عہد کی اسلامی حکومتوں کو بھی نہ ملی، اور تمام مصلحین عہد اس کی تمنائیں اپنے ساتھ
لے گئے، آج وہ آپ کی سعی و ہمت سے فعل و وجود تک پہنچ چکا ہے اور عمل و اقدام کی شاہراہ
آپ کے آگے باز ہے۔“

خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے بھی بہار کے علماء و مشائخ کے نام اپنے ایک مکتوب
میں اس بات کا ذکر کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”فانہا آپ کو معلوم ہو گا جس زمانہ میں جمعیت علماء بہار میں اغراض و مقاصد کو لے کر قائم ہوئی وہ
سر زمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیت تھی۔ اس وقت علماء کرام اس اقدام سے گھبراتے تھے
حتیٰ کہ خود ہمارے صوبہ کے بہتیرے علماء پس و پیش میں مبتلا تھے مگر آپ نے دیکھا کہ آپ
کے اقدام و جرات کا کیا نتیجہ برآمد ہوا کہ آخراً اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام
صوبوں میں جمعیت علماء قائم ہو گئی۔“

حضرت علامہ منظر احسن گیلانی جو ان دنوں خانقاہ رحمانی مولگیر میں مصروف خدمت تھے،
جب حضرت ابوالحسن مولانا سجاد صاحب اس فکر کو لے کر مولگیر تشریف لے گئے تھے، تو اس
منظر کے یحییٰ شاہد تھے، اور پھر خانقاہ رحمانی کی طرف سے جمعیت علماء بہار کے پہلے اجلاس میں
شریک بھی ہوئے تھے، ان کا بیان ہے کہ:

”ابھی (مولگیر میں مولانا گیلانی کے قیام کو) چند مہینے ہوئے تھے کہ وہی استخوان کا لہکن خطیب

۱- خطابات آزاد (مولانا ابوالکلام آزاد) ص ۱۰۹ تا ۱۰۸۔

۲- مکتب سجاد میں ۱۳ شعب و ترویج مولانا محمد علی بن محمد بن علی شہید اردہ رست شریعہ پھلوری شریف پٹنہ ۱۹۹۹ء۔

مونگیر اسی غرض سے آیا ہوا تھا کہ علماء کی منتشر اور پراگندہ جماعت کو ایک نقطہ پر خاص سیاسی خیالات کے ساتھ جمع کیا جائے، اس وقت تک دلی کی جمعیت العلماء کا خواب بھی نہ دیکھا گیا تھا، طے ہوا کہ صوبہ بہار کے علماء کو پہلے ایک نقطہ پر متحد کیا جائے پھر بہتہ رنج اس کا دائرہ بڑھایا جائے۔^۱

اور ایک بڑی یعنی شہادت امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھولپوریؒ کی ہے جن کے ساتھ عرصہ دراز تک حضرت مولانا سجاد کو کام کرنے کا موقع ملا، اور جو سفر و حضر میں بھی حضرت مولانا کے رفیق رہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”جمعیت علماء ہند کے قیام کے لئے ہندوستان کے اکثر صوبوں میں سفر کر کے علماء میں اس کی تبلیغ کی، اور لوگوں کو آمادہ کیا، لیکن عمل کی طرف پہلا قدم مولانا کا تھا، اور پہلا بندہ ہندوستان میں جمعیت کا بنام انجمن علماء بہار شہر بہار میں بزمانہ عرس حضرت مخدوم الملک منعقد ہوا، اس کے بعد جمعیت علماء ہند قائم ہوئی، اور اس کے بعد مختلف صوبوں میں شاخیں قائم ہوئیں، اور پھر علماء نے متعدد ہو کر کام شروع کر دیا، اور الحمد للہ آج ہندوستان کے ہر صوبہ میں جمعیت علماء قائم ہے۔“^۲

پر آشوب دور

یہ دور ملک و ملت کے لئے انتہائی پر آشوب اور نازک تھا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (ولادت: ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء - وفات: ۱۲۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (ولادت: ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء - وفات: ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء) وغیرہ مالٹا میں قید تھے، اور ”علی برادران“ (مولانا محمد علی جوہرؒ) (ولادت: ۱۸۷۸ھ/ ۱۲۹۶ھ - وفات: ۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ) اور مولانا شوکت علیؒ (ولادت: ۱۸۷۳ء/ ۱۲۹۰ء - وفات: ۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ وغیرہ۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ) (ولادت: ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء - وفات: ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) اور بہت سے ہندو مسلم زعماء و قائدین بھی ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت گرفتار اور نظر بند تھے، کیونکہ اتحادیوں (انگریز، اٹلی، یونان، امریکا اور فرانس) کی صف سے روس کے نکل جانے کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو خطرہ ہو گیا تھا کہ ان کے دشمن ترکوں کو قوت حاصل ہو جائے گی۔^۳

انجمن علماء بہار کا پہلا اجلاس - روئیداد اور کاروائیاں

قیام انجمن کے بعد حضرت مولانا سجادؒ نے اس کو عملی صورت دینے کے لئے باقاعدہ ایک اجلاس

۱- دیات سجاد ص ۱۵۱ ارتسامات گیلانیہ۔

۲- دیات سجاد ص ۲۸، ۲۹ مضمون حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھولپوریؒ۔

۳- حسن حیات ص ۳۵ مرتبہ شاہ محمد عثمانی ۶۶ جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۳۶ مرتبہ مولانا حفیظ الرحمن، صفحہ ۲۔

عام منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے مسلمانوں کے مشہور تاریخی شہر بہار شریف کا انتخاب فرمایا، حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد میری قدس سرہ کے عرس کی مناسبت سے ۵، ۶ ر شوال ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۲، ۱۵ جولائی ۱۹۱۸ء کی تاریخ طے کی گئی، حضرت مولانا کی خواہش کے مطابق جناب سید محمد قاسم صاحب متولی صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف نے مدرسہ عزیز یہ بہار شریف میں جلسہ کرنے کی اجازت دی، استقبال کمیٹی کے صدر آپ کے تمیز ارشد مولانا اصغر حسین بہاری مقرر ہوئے، اس کے بعد صوبہ بہار کے تمام ہی مقتدر علماء و مشائخ اور دینی اداروں کو دعوت نامے ارسال کئے گئے، طوطی ہندوستان حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ ۱۲ اس پہلے اجلاس کے صدر قرار پائے۔

۱۔ بہار شریف کا مشہور دینی مدرسہ جو ایک زمانہ میں ملک کے اہم مدارس میں شمار کیا جاتا تھا، قابل اساتذہ وہاں ہوتے تھے، طلبہ کی بڑی تعداد یہاں رہتی تھی، مولانا مسعود عالم ندوی بھی اس مدرسہ کے طالب علم رہ چکے ہیں، حضرت مولانا سجاد گواس مدرسہ سے خصوصی تعلق تھا، صغریٰ وقف اسٹیٹ کے تحت اس مدرسہ کا نام صغریٰ مرحومہ کے شوہر عبدالعزیز صاحب بن فضل امام (متوفی ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء) کی نسبت سے مدرسہ عزیز یہ رکھا گیا، اس کا قیام ۱۸۹۲ء (۱۳۱۰ھ) میں عمل میں آیا، مولانا مبارک کریم صاحب اس کے پہلے صدر مدرس ہوئے، حضرت مولانا فخر الدین صاحب سابق صدر المدین دارالعلوم دیوبند اور حضرت مفتی نظام الدین صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد ناظم ندوی شیخ الادب دارالعلوم ندوۃ العلماء و اساتذہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ و شیخ اباجہ جامعہ عباسیہ بھادل پور اور اس طرح کے بہت سے ممتاز اہل علم نے اس مدرسہ سے استفادہ کیا ہے۔ پہلے اس کی عمارت صغریٰ مرحومہ کی قیام گاہ سے قریب ہی علی پیری میں تھی، صغریٰ مرحومہ کے مکان پر اب وقف اسٹیٹ کا دفتر اور سابقہ عمارت مدرسہ میں جو مولانا گیلانی کے بقول نساہات کا شکار ہو گئی تھی اب فیضان العلوم اسکول قائم ہے۔ مدرسہ کی موجودہ عمارت کی تعمیر کے بعد بھی کچھ سالوں تک قدیم عمارت طلبہ کے دارالاقامہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ موجودہ عمارت محلہ مراد پور میں شاہی مسجد سے متصل ہے (مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ ۶۶، ۶۷ مرتبہ: مولانا ظفر نعمت ندوی استھانوی - حاشیہ

۲۔ شاہ سلیمان پھلواریؒ اپنے وقت کے مشہور عالم، بزرگ اور واعظ تھے، والد کا نام دادو اور دادا کا نام دادو اعظم اللہ تھا، آپ کا آبائی وطن گھگھہ ضلع سارن ہے، آپ کی پیدائش ۱۰ محرم الحرام ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۸۵۹ء کو پھلواری شریف میں اپنے نانا بزرگوار شیخ اصطفا بن وعد اللہ العمری کے گھر میں ہوئی، اور نانیال میں ہی ابتدائی نشوونما پائی، ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے اساتذہ سے حاصل کی، پھر لکھنؤ تشریف لے گئے اور علامہ عبدالحی بن عبدالحکیم لکھنؤی کے حلقہ درس میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں درسیات کی تکمیل کی، فنن طب میں میزان الطب، طب اکبر اور نفیسی بھی علامہ ہی سے پڑھیں، اور حیات قانون، سدیدی وغیرہ حکیم عبدالعزیز صاحب دریا آبادی، اور حکیم مرزا مظہر حسین خان بن حکیم مسیح الدولہ سے پڑھی، پھر دہلی جا کر شیخ محمد زکریا حسین دہلوی سے سند حدیث حاصل کی، شیخ احمد علی سہارن پوری سے بھی اجازت حدیث لی، علم باطن اپنے بہنوئی شیخ علی حبیب جعفری پھلواری سے حاصل کیا، حضرت شاہ فضل رحمان شیخ مراد آبادی سے بھی کسب فیض کیا، اور اجازت حدیث بھی لی، اس کے بعد سفر حجاز کیا، اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اس دوران حرمین شریفین کے مشائخ سے بھی استفادہ کیا، بالخصوص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے بیعت و اجازت حاصل کی۔

ابتداء میں آپ پر حدیث کا غلبہ تھا، اور تقلید کی طرف رجحان نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ حضرت محدث دہلویؒ کی کتاب 'معیار الحق' پر آپ کی تقریر سے اندازہ ہوتا ہے، پھر تصوف کی طرف میلان ہوا اور صوفیانہ اعمال و اشغال کے علاوہ عرس و سماج، اور قیام و میلاد وغیرہ کے دلدادہ ہو گئے، اور آخر تک اسی مشرب کے حل رہے، لیکن وسیع المشرب تھے، اور طبیعت میں اعتدال تھا۔

شاہ صاحب دعوہ و خطابت کے شہنشاہ تھے، مجمع کورانا اور ہنسنانان کی چٹکیوں کا کھیل تھا، زبان میں بے پناہ تاثیر تھی، جملے اور فقرے فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہوتے تھے، عربی زبان و ادب پر بھی پوری دسترس حاصل تھی، مثنوی و مثنوی کے اشعار بڑے اثر انگیز ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، جلسوں اور کانفرنسوں کے روح رواں تھے، ملک میں آپ کے پایہ کے چند ہی مقررین تھے، ندوہ تحریک میں پیش پیش رہے۔ ندوہ کے متعدد اجلاس کی صدارت بھی فرمائی، آپ کی تقاریر سے اس دور کی تمام تحریکات نے فائدہ اٹھایا، کئی تحریکات کی آپ نے سرپرستی بھی فرمائی، سرسید کی تعلیمی تحریک کے زبردست معاون اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے روح رواں تھے، قدیم علماء اور صوفیہ کے خانوادے سے

اکثر علمی اور ملی حلقوں میں اس دعوت کو پذیرائی ملی، مقررہ تاریخ پر یہ اجلاس نہایت ترک و احتشام کے ساتھ مدرسہ عزیز یہ کے وسیع و عریض صحن میں منعقد ہوا جس میں ہر مکتب فکر کے علماء کی نمائندگی شامل تھی، تقریباً پچاس ممتاز علماء و صوفیاء و قائدین ملت نے شرکت کی، عداوہ عوام و خواص کا ایک جم غفیر تھا جو حدنگاہ پھیلے ہوئے شامیانوں کے اندر اور باہر پھیلا ہوا تھا، شاید غلام ہندوستان میں حضرت مخدومؒ کے شہر بہار شریف کی سرزمین پر ایسا اجتماع پہلی بار دیکھنے کو ملتا تھا، حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواردیؒ اپنے صاحبزادے شاہ حسین میاں صاحبؒ کے ساتھ تشریف لائے، اور مسماۃ بی بی صفریؒ مرحومہ وقف اسٹیٹ کے مکان میں جلوہ افروز ہوئے، اس اجلاس میں شاہ حسین میاں صاحبؒ

→ سے بچی اور موٹر آواز آپ ہی کی تھی، جس نے تعلیمی تحریک کو قوت بخشی، اس کے علاوہ انجمن اسلامیہ پٹنہ، انجمن مؤید الاسلام لکھنؤ، اور انجمن خدام الحرمین لکھنؤ کے بھی سرپرست اور روح رواں تھے، بے حد ذہین اور حاضر جواب تھے، آپ کے علم و فضل کا اعتراف آپ کے تمام معاصرین نے کیا ہے، محسن الملک اور وقار الملک جیسی شخصیتوں نے آپ کو راج حسین پیش کیا، بہت سی کتابوں کے آپ مصنف ہیں مثلاً: "شرح السعادة و مسلسلة التکریم" (فارسی) "آداب الناصحین" و "ذکر الحبيب" و "شرح التفسیر" و "شرح المديت" "السلسل باولید" (عربی) "صلاح الدارين فی برکات الحرمین" و "حیات الاحباب عن احسان الاصحاب" و "عین التوحید" (عربی) "چشم الغمض المعارف" (مجموعہ مقالات بر زبان عربی، تین جلدوں میں) "مجموعہ کلام" (بر زبان عربی و فارسی) "۲۰ رسالہ فیور" (بخار کے اسباب و علاج، ۲۰ تجربات سلیمانی وغیرہ۔ وفات ۲۷ مرقمہ مظفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو ہوئی، اورنگی مسجد کے صحن میں آسودۂ خواب ہوئے، آپ کی خانقاہ خانقاہ سلیمانیہ کے نام سے مشہور ہے، آپ کی مفصل سوانح حیات "خاتم سلیمانی" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، (۱) علامہ بمن فی المصنف من الاعلام ج ۸ ص ۸۲۳، ۱۲۳۹، مولفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ "تذکرہ علماء ہندوستان مع تصنیف: اکثر خوشنورانی ص ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، تاریخ اطباء و بہار ج ۱ ص ۱۰، ۱۱، مؤلفہ حکیم اسرار الحق صاحب)

۱۔ صفری وقف اسٹیٹ بہار شریف میں بہت بڑی وقف کی جائیداد ہے، اس کی واقعہ بی بی صفری بنت منوی عبدالمصطفیٰ بڑی عابدہ و زاہدہ، اور بخیرہ خاتون تھیں، ہندوستان میں ایسی اولوا حرم اور خیر خواہ تین کم پیدا ہوئی ہیں، بہار میں ان کی داد و بخش اور فیاضیوں کی بڑی شہرت تھی، بے شمار اہل حاجت اور طلبہ ان کی فیاضیوں سے مستفید ہوئے، اور آج تک ہورہے ہیں، وہ موضع مسوری ضلع مونگیر موجودہ ضلع شیخ پورہ کے ایک شریف خاندان میں پیدا ہوئیں، ان کی شادی موضع مسوری ہی کے ایک امیر کبیر گھرانے میں مولوی عبدالعزیز صاحب سے ہوئی، ان کے بطن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کی شادی موضع ڈیاواں کے ایک محرز خاندان میں ہوئی، لیکن وہ ماں کی حیات ہی میں رحلت کر گئیں، بی بی صفری شوہر کے انتقال کے بعد ایک بڑی جائیداد و منقولہ و غیر منقولہ کی مالک ہوئیں، انہوں نے ۱۸۹۶ء (۱۳۱۳ھ) میں اپنی تمام جائیدادیں جو ضلع پٹنہ، گیا، مونگیر، مظفر پور، بوردہ، بنگالہ وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھیں، اور جن کی آمدنی ایک لاکھ بیس ہزار روپے (آج کے لحاظ سے کروڑوں) سالانہ کے قریب تھی، جس کا نقدی حصہ ان کی حاجت کی امداد کے لئے وقف کرویں، اور اس کا ایک لکھ مقرر کیا، اور شرائط کی تفصیلات طے کر دیں، اپنی زندگی میں خود بحیثیت متولیہ نظام کرتی رہیں، وقف نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ اہل سنت و الجماعہ میں سے تھیں، اور صوفیائے کرام سے خاص عقیدت رکھتی تھیں، ان کا قیام بہار شریف کے محلہ لیسری میں تھا، وہیں ۱۶ مارچ ۱۹۰۹ء (۲۴ مرقمہ مظفر ۱۳۲۷ھ) کو وفات پائی، وقت رحلت ان کی عمر سو سال سے تجاوز بتائی جاتی ہے، بہار شریف کی شاہی جامع مسجد (محلہ پلہ پر) کے احاطہ میں اپنے شوہر کے مزار کے پہلو میں مدفون ہوئیں، اور دونوں کے مزار کے سرہانے مولانا مبارک کریم (سابق سپرنٹنڈنٹ اسلامک اسٹریٹ بہار متوفی ۱۹۵۵ء) کے اشعار تاریخ وفات لوح پر کندہ ہیں۔ لوح مزار کے مطابق انہیں جائیداد وقف کرنے کا مشورہ ان کے داماد بن احمد صاحب نے دیا تھا جن کی الجلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، ان کی زندگی میں ان کے نائب خاندان گوہری کے رئیس شیخ موسیٰ تھے جو ان کی وفات کے بعد اسٹیٹ کے پہلے متولی ہوئے، کتبہ کے اشعار میں خاندان گوہری لکھا گیا ہے، مولانا علامہ شمس الحق عظیم آبادی ڈاؤنی کے خاندان کو بھی ان کے جد امجد شیخ گوہری کے نام پر خاندان گوہری کہا جاتا ہے، محجب نہیں کہ اسی خاندان سے ان کا تعلق ہو۔

نے اپنی پرسوز آواز اور دلگداز ترنم کے ساتھ ایسی نظمیں پڑھیں کہ مجمع پر بے خودی طاری ہو گئی، عرصہ دراز تک لوگ اس صدائے دلنواز کی بازگشت فراموش نہیں کر سکے۔

حضرت شیخ الہند کے مطالبہ رہائی کی تجویز

حضرت شاہ سلیمان پھلواریؒ اس اجلاس میں کلیدی شخصیت کے حامل تھے، مجلس قائمہ میں تجاویز کی منظوری کے وقت ان کو بعض جزئیات سے اختلاف ہوا (بقول علامہ گیلانی) غالباً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی رہائی کے مطالبہ کی تجویز سے ان کو اتفاق نہیں تھا (جوان دنوں مالٹا میں قید تھے)۔ لیکن اس کا سبب کوئی مسلکی اختلاف نہیں بلکہ حکومت وقت کا خوف تھا، دراصل حضرت شیخ الہند حکومت برطانیہ کے نزدیک انتہائی خطرناک بحرین میں شمار کئے جاتے تھے، ان پر ملک سے بغاوت اور غداری کا الزام تھا، ان کا نام لینا بھی اس وقت جرم عظیم تصور کیا جاتا تھا، اسی لئے کسی بڑی سے بڑی سیاسی پارٹی نے بھی اب تک یہ جرأت نہیں کی تھی کہ ان کا نام لے کر رہائی کا مطالبہ کرے، یہاں تک کہ خود کانگریس حضرت شیخ الہند جس کے حامی تھے، اس نے بھی اپنی تجاویز میں حضرت کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔^۲

→ بی بی صاحبہ کا سانحہ ارتحال پورے صوبہ بہار کے لئے ایک بڑا المناک واقعہ تھا، تمام اردو اور انگریزی اخبارات میں اس سانحہ کی خبر علی سرخیوں میں شائع ہوئی، اور لوگوں نے بڑے دلچسپی کے ساتھ اس حادثہ کو پڑھا، ان کی وفات پر ایک شاعر نے یہ قطعات تاریخ کا کہے تھے:

صغریٰ چو کرد رحمت سال رحیل ہاتف گفت از سر قیامت قد قامت القیامت
صغریٰ ز جہاں رفت کہ ہاتف سن فوئش گفت از سر جاں باہم آثار قیامت (۱۳۲۷ھ)

رفت صغریٰ بہارِ خندا ز دہر محسنہ بعد مریم و زہرا
از سر و پائے حزن ہاتف گفت سال رحلت قیامت صغریٰ (۱۹۰۹ء)

آج بھی جب کہ ان کے انتقال پر ایک صدی سے زیادہ کی مدت بیت چکی ہے، یہ چشمہ فیرجہ ری ہے، کئی مدرسے، مسجدیں اور کتب خانے اس کی آمدنی سے چل رہے ہیں، اور کہتے ہی غرباء اور مساکین اس سے مستفید ہو رہے ہیں (تذکرہ نسوان ہند ص ۷۹ تا ۷۷ مؤلفہ: فصیح الدین لکھی، مطبوعہ شمس پریس پٹنہ) نیز بعض معلومات لوح مزار پر کندہ اشعار سے مانع ہو ہیں)

۱۔ محاسن سجاد ص ۲۵، ۲۴ مضمون مولانا اصف حسین بہاریؒ صدر مجلس استقبالیہ اجلاس اول جمعیت علماء بہار رحمتہ و حیات سجاد ص ۱۵ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانیؒ شریک اجلاس بحیثیت نمائندہ خانقاہ رحمانی موگلیہ تاریخ امارت شریعہ ص ۲۳ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۲۔ حسن حیات ص ۵، ۵۰ (حاشیہ) مرتبہ شاہ محمد عثمانی۔ حضرت شیخ الہند پر الزام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے غیر توغیر انہوں نے بھی کٹارہ کشی اختیار کر لی تھی، اس ضمن میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد عثمانیؒ کی کتاب ”انقش حیات“ کا یہ اقتباس بے حد عبرت انگیز ہے: ”ایک وہ زمانہ تھا کہ نہ صرف اجانب بلکہ تلامذہ، مریدین اور عزیز و اقارب کو بھی یقین تھا کہ حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کو پھانسی دے دی جائے گی، ورنہ کم از کم جس دوام اور عبور دریائے شوریٰ میں پایا کریں گے اس لئے مریدوں اور شاگردوں تک نے نہ صرف غلط ارادت اور شاگردی سے انکار کر دیا تھا، بلکہ تعارف سے بھی منکر ہو گئے تھے، خاص خاص لوگ نہ صرف مکان پر آئے ہوئے گھبراتے تھے بلکہ اس محلہ اور کوچہ میں بھی نہیں گزرتے تھے جہاں حضرت کا دولت خانہ تھا اور حضرت کے لئے تحقیر اور ملامت کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔“ (انقش حیات خودنوشت سوانح حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد عثمانیؒ ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ کراچی)

شاہ صاحبؒ انتہائی اخلاص کے ساتھ یہ سمجھتے تھے کہ پہلے ہی اجلاس میں کسی خطرناک تجویز کو شامل کرنا جمعیۃ کے مفاد میں نہ ہوگا، ابھی تنظیم کا نقطہ آغاز ہے، یہ ایک ننھی سی کٹی ہے، خدا نخواستہ کھلنے سے پہلے ہی کچل نہ دی جائے۔

لیکن حضرت مولانا سجادؒ کی نگاہ بہت دور رس تھی، وہ اس تجویز کو ہر حال میں شامل کرنا چاہتے تھے، اس لئے کہ حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان کی نہایت قدآور شخصیت کے مالک تھے، علم حدیث میں ان کا پایہ بے حد بلند تھا، ان کی عظمت کا مشاہدہ انہوں نے دیوبند میں پڑھنے کے زمانے میں کیا تھا، ملک میں ان کے ہزاروں شاگرد اور لاکھوں معتقدین موجود تھے، ان کی رہائی کے مطالبہ کو نظر انداز کرنا پورے حلقہ دیوبند کی حمایت سے محروم رہنے کے مترادف تھا۔

مگر شاہ صاحبؒ کو بھی اپنی رائے پر اصرار تھا، آخر اچانک عین وقت پر اجلاس کی صدارت سے معذرت کر دی، اور معاملہ نازک صورت حال اختیار کر گیا، مولانا گیلانیؒ کا بیان ہے کہ:

”ہم لوگ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی رفاقت میں شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یاد ہے اس وقت کا فقرہ اس سے ذکر کر دیا، علماء اس وقت تک حکومت مسئلہ سے کس درجہ خوف زدہ کر دیئے گئے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی تم لوگوں کو کیا آزاد ہو جو پاہو کو لیکن اولدھم (شاید پنڈے کسی انگریز کمشنر کا نام تھا) کی گرم نگاہوں کا مقابلہ تو مجھے کرنا پڑتا ہے، مگر ہم لوگوں کی منت و سماجت سے شاہ صاحبؒ راضی ہو گئے۔ جلسہ میں تشریف لائے اور خطبہ صدارت بجائے تحریر کے تقریر کے ذریعہ سے پڑھا گیا، خاکسار کے شباب کا زمانہ تھا، جوش و خروش میں خوب دھواں دھار تقریریں کی گئیں۔“

جلسہ بہت کامیاب رہا، حضرت مولانا سجادؒ نے رواد میں اس اجلاس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”انجمن علماء بہار کے پہلے اجلاس کی تاریخ ۵، ۶، ۷ شوال ۱۳۳۶ھ مقرر کی گئی تھی، اخبارات میں کئی جہتے پہلے سے اطلاع شائع ہو چکی تھی۔ پھر مطبوعہ خطوط اور اشتہارات کے ذریعہ صوبہ بہار و اڑیسہ کے علماء کرام کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی، قصہ بہار میں اجلاس اول کے انعقاد کا انتظام کیا گیا تھا، مدرسہ عزیز یہ کے وسیع احاطہ میں شامیانہ نصب کیا گیا تھا، حاضرین کی نشست کے لئے شامیانہ کے نیچے تخت بچھائے گئے تھے، جو بالکل سادگی مگر خوبصورتی کے ساتھ فرش و فرش سے آراستہ کئے گئے تھے، متعدد کمرے اور ایک طویل و عریض ہال علماء کرام کے قیام و آرام کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے، حاضرین کی معقول تعداد سے جگہ معمور ہو جایا کرتی تھی۔“

علماء اور مہمانوں کی پر تکلف ضیافت کا انتظام وقف اسٹیٹ کی جانب سے کیا گیا تھا۔^۱

منظور شدہ تجاویز

اس اجلاس میں کل انیس تجویزیں منظور کی گئیں، ابتدائی چھ نمبرات تک کی تجاویز مولانا عبدالصمد رحمائی نے تاریخ امارت میں نقل کی ہیں جن سے اس اجلاس کی معنویت اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے، تاریخ امارت ہی سے یہ تجاویز پیش ہیں:

۱- انجمن علماء بہار نہایت زور کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ بہار کا طبقہ علماء اپنے مناصب کا احساس کرتے ہوئے جمیع فرائض منصبی کے ادا کے لئے ہمہ تن آمادہ و تیار ہو جائیں، بالخصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قدرتی منصب پر بلا خوف و بلا عار لومۃ لا تم کھڑا ہو جائے، اور اظہار صداقت میں کسی خطرہ کی پروا نہ کرے۔

۲- یہ انجمن ایک قومی بیت المال کے قیام کی تحریک پیش کرتی ہے، جس کی آمدنی دوامی چندہ علماء و غیر علماء اور عام عفیات و غیرہ سے حاصل ہو، اور تکمیل مقاصد انجمن علماء بہار اور دیگر مذہبی و قومی ضرورتوں میں صرف ہو۔

۳- یہ انجمن تجویز کرتی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی پاک زندگانی ہمیشہ با امن اور بے لوث رہی ہے، ان کی نظر بندی سے علماء بہار کو سخت بے چینی ہے، اور حکومت ہند سے چاہتی ہے کہ ان کی آزادی سے تمام مسلمانوں کو مستغنیہ ہونے کا موقعہ دیا جائے۔

۴- انجمن علماء بہار اعلان کرتی ہے کہ انجیہ بقر شعائر اسلام و سنت نبویہ ہے، یہ ہمیشہ حسب دستور برقرار و جاری رہے گی، اور موافقت میں مخالفین اسلام کے دباؤ سے ترک انجیہ بقر پر جو مصالحت کی گئی ہے، وہ بالکل باطل اور ناجائز ہے، اور ایسے عقد مصالحت کا نقض واجب ہے۔

۵- مولانا ابوالکلام، مسٹر محمد علی، مسٹر شوکت علی، و دیگر نظربند ان اسلام کی آزادی کے بھی ہر لوگ مستثنیٰ ہیں، اور اپنے سیاسی اور بالخصوص جدید اصلاحات ہند پر غور و فکر کرنے کے لئے ان کی آزادی بے نہ ضروری خیال کرتے ہیں۔

۶- یہ انجمن متولیان اوقاف صوبہ بہار سے ہائے اذموقفہ کے وقف نامہ کی نقل طلب کرتی ہے اور پھر متولیوں سے دریافت کرتی ہے کہ اس کا عمل درآمد کھٹک ہے یا نہیں؟^۲

ان کے علاوہ اور بھی کئی اہم تجاویز منظور ہوئیں۔^۳

ان تجاویز پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالصمد رحمائی صاحب رقمطراز ہیں:

۱- حیات سجدہ ص ۵۱، ۵۲ مضمون علامہ مناظر حسن گیلانی شریف اجلاس بحیثیت نمائندہ خانقاہ ورحمائی مولائمر۔

۲- تاریخ امارت ص ۷۸، ۷۹۔ ۳- حیات ص ۵۱، ۵۲ مرتبہ شہ محمد عثمانی

”ان چند تجاویز کی ہمہ گیری، اس کالب و لہجہ، اس کا وزن، معاملات پر نفیر، دین و مہیاست کا کھلا امتزاج، بیت المال کا قیام، ایسے تمام مواد سے یہ انداز دیکھا جاسکتا ہے کہ فکر و نظر کی خلوت گاہ میں مولانا ابوالحسن محمد سجاد کا مفکر و مانع کیا کچھ سوچ رہا تھا، اور کس طرح قدرت نے اس نئے دور کے اندر تجدیدی خدمات کے سے تیار کیا تھا۔ نیز یہ کہ آئینی دور کا یہ امام کن بذبات کو لے کر میدان عمل میں اتر ا تھا اور کیا تمنائیں تھیں جو اس کے پہلو میں تڑپ رہی تھیں۔“

انجمن علماء بہار کا دوسرا اجلاس

انجمن علماء بہار کا دوسرا سالانہ اجلاس نسبتاً زیادہ بڑے پیمانہ پر پھلواری شریف پٹنہ میں ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوا، جس کو حضرت شاہ سلیمان پھلواریؒ کی راست سرپرستی حاصل رہی، اس میں ہندوستان کے مشہور خطیب مولانا آزاد سبھانی (متوفی ۲۴ جون ۱۹۵۷ء، م ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ) ۲ بھی تشریف لائے، مولانا سبھانی کی سحر انگیز خطابت نے حاضرین میں نیا جوش و دلولہ بھر دیا، جلسہ نہایت کامیاب رہا اور کوئی شبہ نہیں کہ اس کامیابی میں حضرت شاہ سلیمان پھلواریؒ کی دلچسپی کا بڑا حصہ تھا۔ ۳

تجویز دارالقضاء

اس اجلاس میں بھی کئی اہم تجاویز منظور کی گئیں، جن میں ایک اہم تجویز نمبر ۵ دارالقضاء کے قیام سے متعلق تھی، جو حسب ذیل الفاظ میں باتفاق رائے منظور ہوئی:

”یہ جلسہ انجمن علماء بہار تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی مالی و مذہبی نزاعات کے انفصال کے لئے صوبہ بہار کے تمام اضلاع اور قصبات میں دارالقضاء قائم کیا جائے جس کے قاضی کا انتخاب منجانب ارکان انجمن علماء بہار ہو اور تمام علماء و مشائخ کو چاہئے کہ اپنے حلقہ میں تمام مسلمانوں اور مریدوں کو نہایت شدت کے ساتھ ہدایت کریں کہ وہ اس دارالقضاء کی طرف رجوع کریں۔“

۱۔ تاریخ امارت ص ۳۸، ۴۔

۲۔ اصل نام مولانا عبدالقادر تھا، مگر آزاد سبھانی کے نام سے مشہور ہوئے، آپ کا وطن سکندر پور ضلع بلایہ ہے، یہیں آپ کی ولادت ہوئی، لیکن ساری زندگی کانپور میں گذری، مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مدرس تھے، اپنے وقت کے بلند پایہ عالم دین اور ضلع بلایہ خلیفہ تھے، سیاسی پلیٹ فارموں پر ان کی گھن گرنج مشہور تھی، اخیر زندگی میں گورکھپور میں قیام رہا اور یہیں ۲۴ جون ۱۹۵۷ء (۲۶ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ) میں وفات ہوئی (تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفیع ص ۵۶، ۵۵ مؤلفہ مولانا محمد امیر اردوئی، جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۲۳)

۳۔ محاسن سجاد ص ۲۵ مضمون مولانا اعجاز حسین بہاری، ۷۔ کتاب الفتح والتغریق ص ۴۳ مصنفہ مولانا عبدالصمد رحمانی۔

فصل سوم

بہار جمعیت سے کل ہند جمعیت کی طرف - اقدامات اور مساعی

حضرت مولانا سجاد صاحب جمعیت کو صرف بہار کی حد تک محدود رکھنا نہیں چاہتے تھے، بہار میں نمئی نمونہ اس لئے قائم کیا گیا کہ ملک کے دوسرے حصوں کے لئے باعث ترغیب ہو، وہ اس فکر کی دعوت کئی سال پیشتر سے علماء ہند کو خطوط کے ذریعہ دے رہے تھے، بلکہ اس کے لئے انہوں نے ہندوستان کے اکثر صوبوں کا دورہ بھی کیا تھا، اور اپنی فکر، پس منظر اور آنے والے ہندوستان میں اس کی ضرورت و اہمیت کے داخل بھی پیش کئے تھے، جس کے زیر اثر علماء کی ایک خاصی تعداد فکری طور پر مولانا کی ہم نوا ہو چکی تھی، لیکن بعض جماعتی اور وقتی مفادات و مصالح ان کو آگے بڑھنے سے روکتے تھے، بہار میں جمعیت علماء کے قیام اور اس کے مثبت اثرات کے مشاہدے کے بعد ملک میں ایک نئی ہلچل محسوس کی جانے لگی، اور جو علماء خطوط اور ملاقاتوں کے ذریعہ مولانا کے ہم خیال ہو چکے تھے وہ بھی اس دائرہ کو وسیع کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت مولانا سجاد صاحب نے جمعیت علماء بہار کے پہلے اجلاس کے بعد ہی پھر مختلف صوبوں کے مقتدر علماء کو خطوط اور زبانی پیغامات کے ذریعہ سلسلہ جنبانی شروع کی، بنگال (چاٹ گام) میں مولانا مسٹر الزماں اسلام آبادی (جو پہلے سے بھی اس کا نمئی تجربہ رکھتے تھے)، پنجاب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، کلکتہ میں مولانا محمد اکرم خان ایڈیٹر روزنامہ آزاد بنگلہ اور لکھنؤ میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ سب سے دوبارہ روابط قائم کئے اور خطوط لکھے، تقریباً سب ہی لوگوں نے اتفاق رائے کا اظہار کیا، ان میں سب سے اہم ترین شخصیت حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تھی، ہندوستان میں اس وقت انہی کی ایک شخصیت تھی، جو ہر مکتب فکر و نظر کے علماء اور مشائخ کے لئے مرکز اتفاق بن سکتی تھی، مولانا فرنگی محلی ایک جامع النسبت اور جامع الکمالات شخصیت کے مالک تھے۔

حضرت مولانا عبدالباری کو پیش قدمی کی دعوت

حضرت مولانا سجاد صاحب نے حضرت مولانا عبدالباری صاحب کو بھی ایک خط لکھا تھا، اور وہ مولانا سجاد کے خیالات سے متفق تھے، لیکن اب تک ان کا کوئی تحریری جواب موصول نہیں ہوا تھا،

اس لئے مولانا کو سخت اضطراب تھا، مولانا کا خیال تھا کہ ملکی سطح پر اگر مولانا فرنگی محضی اس تحریک میں پیش قدمی کریں تو جمعیت علماء ہند کے لئے راہ آسان ہو جائے گی، اور اس کے مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔۔۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ:

”قاضی احمد حسین صاحب کسی غرض سے لکھنؤ جا رہے تھے، مولانا سجاد صاحب نے ان سے کہا کہ وہ مولانا عبدالباری فرنگی محضی سے مل کر تبادلہ خیال کریں، اور جمعیت علماء ہند کے قیام کے لئے آگے بڑھنے پر ان کو آمادہ کریں، مولانا نے قاضی صاحب کو بتایا کہ میں نے ان کو اس سلسلے میں ایک خط بھی لکھا ہے، قاضی صاحب لکھنؤ سے واپس ہوئے تو انہوں نے مولانا کو رپورٹ دی، کہ مولانا عبدالباری صاحب بھی ذہنی طور پر بالکل تیار ہیں، اور خود بھی جمعیت علماء ہند کے قیام کے لئے بے چین ہیں، لیکن ان کو ڈر ہے کہ تمام علماء کا اتفاق ممکن نہ ہوگا، قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! تمام علماء اس زمانے میں کسی بات پر متفق ہوئے ہیں، اگر سب متفق ہو جائے تو حنفی، مائلی، شافعی، حنبلی الگ الگ مسئلہ کیوں بنتے؟ شیعہ سنی محاذ کیوں کھلتے؟ بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کی صفیں کیوں بنتیں؟ ابتدائے تاریخ اسلام سے اختلافات تو ہوتے رہے ہیں، اور مکمل اتفاق کبھی نہیں ہوا، اگر اختلافات کو بنیاد بنا کر سمجھ نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے، تو مسلمانوں کا کوئی کام ہی نہیں ہوگا، اور نہ سابق میں کبھی ہو سکتا تھا، اس کا حل تو یہی ہے کہ جتنے لوگ ساتھ دے سکیں ان کو ساتھ لیا جائے۔“

قاضی صاحب کی مدلل گفتگو سے حضرت مولانا عبدالباری صاحب بالکل مطمئن ہو گئے، اور ان کی تائید سے حضرت مولانا سجاد صاحب کی مشکلات آسان ہو گئیں، غالباً اس کے بعد ہی مولانا عبدالباری صاحب نے مولانا سجاد صاحب کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں جمعیت علماء ہند کے قیام سے اتفاق کرتے ہوئے مقام اجلاس نیز داعیان کی فہرست میں مولانا سجاد کا نام شامل کرنے کی اجازت وغیرہ چند امور کے بارے میں انہوں نے مولانا سجاد صاحب سے مشورہ طلب کیا تھا۔

مولانا سجاد کا خط مولانا عبدالباری کے نام

اس خط کے جواب میں حضرت مولانا سجاد صاحب نے ان کو درج ذیل خط تحریر فرمایا:

”از دفتر انجمن علماء ہند بمکان مدرسہ انوار العلوم شہر حیدرآباد“

مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۱۹ء۔

تجویز اجتماع علماء ہند نہایت اہم اور ضروری تجویز ہے، جاریب الیسانی ہونا چاہئے۔ اور اظہار صداقت میں کسی تردد کو سامنے نہ آنے دینا چاہئے عرصہ ہوا کہ ایک مرتبہ اسی کے متعلق جناب سے

بذریعہ عریضہ میں نے عرض بھی کیا تھا مگر اب تو اس وقت سے بڑھ کر حالت نازک ہو گئی ہے
 عرض میں نہایت صدق دل سے خوشی کے ساتھ لیکر کہتا ہوں، اور اجازت دیتا ہوں کہ اس
 ناچیز کا نام داعی کی فہرست میں درج فرمائیں، لیکن مقام جلسہ لمحاظ وسط لکھنؤ زیادہ مناسب ہے
 تاکہ علماء بنگالہ کو بھی شرکت میں سہولت ہو اگر داسرائے بہادر کا قیام جلسے تک دہلی میں
 ہو تو وفد کے فوری پیش ہونے کے لحاظ سے دہلی انسب ہے (ازیادداشت مخطوطہ حضرت
 مولانا عبدالباری فرنگی مٹلی)۔^۱

داعیان کی فہرست میں مولانا سجاد کا نام شامل کرنے کی اجازت لینا تحریک میں مولانا سجاد
 کے کلیدی کردار کی علامت ہے، خود مولانا عبدالباری صاحب کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ مولانا سجاد
 ہندوستان میں اس فکر کے اولین داعی ہیں، جمعیت علماء بہار کے قیام (۱۹۱۷ء) سے قبل ہی مولانا
 سجاد نے علماء اور مشائخ کو اپنے خطوط اور اسفار کے ذریعہ اس جانب توجہ دلائی تھی، پھر مولانا محمد سجاد
 صاحب نے اس جانب عملی پیش رفت بھی کر دی تھی، یہ تمام چیزیں مولانا فرنگی مٹلی کے علم میں تھیں،
 اس لئے جب انہوں نے اس جانب عملی اقدامات کا ارادہ کیا تو اس فکر کے اولین داعی و نقیب سے
 مراجعت فرمائی، اور ان کا نام داعیان کی فہرست میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔

نیز حضرت مولانا سجاد کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالباری کے اقدام و
 تحریک سے بہت پیشتر ہی حضرت مولانا سجاد نے ان کو اس تحریک کی دعوت دی تھی۔ علاوہ دیگر علماء کو
 بھی آپ نے لکھا ہوگا۔ اور مولانا عبدالباری صاحب کا یہ اقدام دراصل اسی کا معنی جواب تھا۔

مقام اجلاس کے بارے میں مولانا سجاد کی رائے

حضرت مولانا سجاد کے خط میں جس وائسرائے بہادر کا ذکر ہے، اس سے مراد غالباً لارڈ مائٹیکو
 چیمفورڈ کی شخصیت ہے، جو ۱۹۱۸ء میں ہندوستان آیا تھا^۲، اور اس کا قیام شاید ۱۹۱۹ء تک ہندوستان
 میں رہا، مولانا عبدالباری نے غالباً لکھا تھا کہ قیام جمعیت کے بعد بصورت وفد وائسرائے سے ملاقات
 بھی مفید ہوگی، اسی لئے مولانا سجاد نے مقام اجلاس کے بارے میں دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر
 اپنی رائے پیش کی کہ:-

”لوگوں کی شرکت اور نمائندگی کے لحاظ سے لکھنؤ مفید ہے اور اگر داسرائے سے فوری ملاقات

۱- جمعیت علماء کا تاریخی تبصرہ ص ۳۷، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶

ضروری ہو تو پھر دہلی زیادہ مناسب ہے۔“

علماء دیوبند کی حمایت کا حصول - حضرت ابوالحسنؒ کی بڑی حکمت عملی

دوسری جانب انجمن علماء بہار کے پہلے ہی اجلاس میں حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز رہائی کی منظوری سے علماء دیوبند کا حلقہ بھی حضرت مولانا سجادؒ سے قریب ہو گیا تھا، بلکہ ان میں قیام جمعیت کے تعلق سے یہ نہ غیرت پیدا ہو گئی تھی، اس باب میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا نام سب سے آگے ہے، وہ اس فکر کے سب سے بڑے مؤید تھے، بلکہ اپنے متعلقین کی ایک ٹیم اس کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے، تا کہ اس پیٹ فارم سے پوری قوت کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی کا مطالبہ کیا جاسکے، جیسا کہ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

”حضرت مفتی صاحب نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں علماء سے ملوں اور ایک مشاورتی اجتماع کی دعوت دے دوں، حضرت مفتی صاحب مولانا عبد الباقی اور مولانا خٹاؤ کو اس معاملہ میں اپنا ہم خیال بنانے کے لئے علماء کو ملحدہ اپنی تنظیم قائم کرنی چاہئے اور ایک وسیع ترجماعت بنانی چاہئے مفتی صاحب کی یہ رائے اس وقت سے تھی جب کہ وہ ۱۹۱۸ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اس کتاب کی تعذیب کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی اور ان کے رفقاء کی بے گناہی ظاہر ہو جائے اور گورنمنٹ پر یہ واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کے دلوں میں منہرت کی کس قدر عظمت و عقیدت ہے اور ان کی نگر بندی سے کس قدر مضطرب ہیں، لہذا حکومت ان کو رہا کرے مسلمانوں کے مجروح جذبات کے لئے تسکین کا سامان بہم پہنچائے، مفتی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت کی رہائی کے لئے علماء کی طرف سے متفقہ مطالبہ ہونا چاہئے اور ایسی ہی ضروریات کے لئے تمام علماء کو اپنی ملحدہ تنظیم قائم کرنی چاہئے۔ یہ خیال ۱۹۱۸ء سے مفتی صاحب کے دماغ میں موجزن تھا اور اکثر اصحاب سے اس کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔“

اس بیان سے ایک طرف حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی کے تعلق سے علماء دیوبند کی حمایت اور اضطراب کا اندازہ ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علماء دیوبند میں اس فکر کے اولین نقیب حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تھے، اور ان کے ذہن میں یہ خیال ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوا۔ اس سے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی گہری بصیرت اور دوراندیشی کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے علماء دیوبند کی اس بے چینی کو قبل از وقت محسوس کیا، اور اس کو اپنی جماعتی حکمت عملی کا حصہ بنایا۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے ذہن میں علماء کی تنظیم کا خیال ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوا، جبکہ حضرت مولانا سجاد صاحب نے قیام جمعیت کی عملی کوششیں ۱۹۱۷ء سے قبل ہی شروع کر دی تھیں، علماء ہند کو دعوت فکری بھی دی تھی اور اس کا عملی نمونہ بھی بہار میں قائم کر دیا تھا، بلکہ حضرت شیخ الہند کی رہائی کی تجویز بھی جمعیت علماء بہار کے پہلے اجلاس (۱۹۱۷ء) ہی میں انہوں نے منظور کرائی تھی، جب کہ حلقہ دیوبند میں اس کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس سے حضرت مولانا سجاد کی ساقیت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کے بیان سے ایک بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے ذہن میں جس جمعیت علماء کا تصور تھا وہ حضرت شیخ الہند کی رہائی جیسے مقصد تک محدود تھا، جب کہ حضرت مولانا سجاد نے جس جمعیت کی تحریک و تاسیس کی تھی وہ اسیران فرنگ کی رہائی کے علاوہ وسیع اہدیان مقاصد پر مبنی تھی، چنانچہ جب جمعیت علماء ہند کی تشکیل ہوئی تو وہ انہی خطوط پر ہوئی جو حضرت مولانا سجاد نے پہلے ہی کھینچ دیئے تھے، اس سے حضرت مولانا سجاد کی فکری جامعیت و ساقیت اور جمعیت علماء ہند کے اصل سرچشمہ فکر کا سراغ ملتا ہے۔

لکھنؤ میں تحریک جمعیت کا پہلا مشاورتی اجلاس

غرض پورے ملک میں جمعیت علماء ہند کے لئے ماحول سازی اور زمین کی تیاری میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے بنیادی اور اولین کردار کا انکار نہیں کیا جاسکتا، ان کے ذہن میں جمعیت علماء کا ایک مکمل خاکہ موجود تھا، جس میں رنگ بھرنے کے لئے علماء کے اتحاد کی ضرورت تھی، اور اس کے لئے سب سے جامع اور معتدل شخصیت کی انہیں تلاش تھی، جو حضرت مولانا عبدالباری صاحب کی صورت میں انہیں مل گئی، چنانچہ مولانا عبدالباری صاحب نے انجمن مؤید اسلام لکھنؤ کی جانب سے ہندوستان کے ممتاز اور معروف علماء و مشائخ کے نام دعوت نامہ جاری فرمایا اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے مشورہ کے مطابق شرکاء کی سہولت کے پیش نظر مقام اجلاس لکھنؤ مقرر کیا گیا، یہ ملکی سطح پر اس

۱۔ مولانا حفیظ الرحمن و صنف اور جناب شاہ محمد عثمانی صاحبان نے مولانا عبدالباری صاحب کا ایک خط (مرقومہ ۲ برآمدی ۱۱۰۷) دلی ۱۳۳۳ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۱۶ء) نام ذاکر انصاری صاحب نقل کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقدمہ اجلاس کے لئے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی رائے دہلی کی تھی، چنانچہ مولانا عبدالباری صاحب نے ذاکر انصاری کو مشورہ کے لئے خط تحریر فرمایا، ذاکر انصاری عبارت درج ذیل ہے:

”۲۔ دلی ۱۱۰۷ مطابق ۳ فروری ۱۹۱۶ء

مکرمی دامہندو اسلام علیکم

مولانا شاہ عبدالعزیز نے مجھے لکھا ہے کہ موجودہ حالت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ علماء کا ایک خاص اجلاس دلی میں ہو جس میں ہم لوگ اور علماء دیوبند اور دیگر علماء بھی شریک ہوں، ان کی نیت خصوصاً اور اتحاد سے اس وقت مناسب رائے مسلمانوں کے لئے قائم کی جائے ایسے وقت جلسہ کا انعقاد تو شاید دشوار ہو مگر مفید ضرور ہوگا، میں نے ان کو لکھا ہے کہ ذاکر صاحب کو میں کہتا ہوں، میرے نزدیک کوئی مقرر رائے کا شخص اگر ایسا جاسد تجویز کر لے تو امید ہے کہ ملایا بش ایک ہوئے، ورنہ دشواری سے خالی نہیں ہے، جیسا مناسب ہو اطلاع کیجئے۔“

(جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۳۷-۳۸ دہلی ۱۳۸۸ھ)

سلسلہ کا پہلا باقاعدہ اجلاس تھا، اس میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور مولانا عبدالقادر بدایونی صاحب وغیرہ ہر مکتب فکر کے مشاہیر علماء و اعیان تشریف لائے، شیعہ علماء بھی شریک ہوئے، حضرت مولانا سجاد صاحب اس پروگرام کے داعیوں میں تھے، جیسا کہ مولانا سجاد صاحب کے مذکورہ بالا خط کے حوالے سے اوپر ذکر کیا گیا۔^۱

مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرکز اتفاق قرار پائے

اس اجلاس میں ایک ناخوشگوار بات یہ پیش آئی کہ فردی اور جماعتی اختلافات کو لیکر صدر جلسہ کے انتخاب میں تھوڑی تلخی پیدا ہوگئی، دیوبندی علماء بریلوی کی صدارت کو اور بریلوی علماء دیوبندی کی صدارت کو منظور کرنے پر آمادہ نہ تھے، بالآخر مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالقادر بدایونی وغیرہ نے خود مولانا عبدالباری صاحب سے صدارت قبول کرنے کی درخواست کی، مولانا نے اپنے داعی ہونے کا عذر پیش کیا، لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ اگر آپ صدارت قبول نہ کریں گے تو اندیشہ ہے کہ جلسہ ناکام ہو جائے، غرض کافی اصرار کے بعد آپ نے صدارت قبول فرمائی، پھر جلسہ ہوا، اور کئی اہم مسائل پر بات ہوئی، لیکن جمعیت علماء ہند کی تشکیل نہ ہو سکی۔^۲

دہلی کی عظیم الشان خلافت کانفرنس اور جمعیت علماء ہند کی تاسیس

لکھنؤ کے اس اجلاس میں گو کہ جمعیت علماء ہند کی تشکیل نہ ہو سکی، لیکن اس نے ملک میں جمعیت کے لئے ماحول بنانے میں بڑا کردار ادا کیا، حضرت مولانا عبدالباری صاحب اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحب وغیرہ اب بھی پر امید تھے، حسن اتفاق ۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں جشن صلح کے موقع پر خلافت کانفرنس ہونے والی تھی، جس میں ہر مکتب فکر و نظر کے افراد بڑی تعداد میں شریک ہو رہے تھے، مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد سجاد صاحب تحریک خلافت کے بنیادی لوگوں میں تھے ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ اس موقع پر الگ سے کوئی نشست کر کے جمعیت علماء ہند کی عملی تشکیل کی کوشش کی جائے گی۔

۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کمیٹی کی پہلی کانفرنس زیر صدارت شیر بنگال جناب فضل الحق صاحب منعقد ہوئی، اس اجلاس میں اس قدر جنوم تھا کہ چاندنی چوک سے جامع مسجد تک

۱- حسن حیات ص ۷۷۔

۲- جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۷۷ روایت مولانا قطب الدین عہد دہلی فرنگی محلی جو علماء حق اور ان کے عہدائے کارنامے ص ۷۷ مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب۔

کاراستہ طے کرنے میں دو گھنٹے صرف ہو جاتے تھے، اجلاس میں تمام صوبوں سے صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام حضرات شریک ہوئے تھے، اس میں گاندھی جی اور کئی غیر مسلم قہدین نے بھی شرکت کی تھی، یہ ہندو مسلم اتحاد کا شاندار مظاہرہ تھا، چنانچہ یہ تحریک خلافت بعد میں تحریک آزادی میں تبدیل ہو گئی۔^۱

درگاہ حضرت حسن رسول نما پر چند علماء امت کا خفیہ اجتماع

اس کانفرنس میں بہار سے صوبائی ذمہ دار کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد سجاد بھی شریک ہوئے، کانفرنس کے اختتام پر چند مخصوص علماء کا خفیہ اجتماع بوقت صبح دہلی کے مشہور بزرگ سید حسن رسول نما^۲ کی درگاہ پر حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے زیر قیادت منعقد ہوا، تمام حاضرین نے جن کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہ تھی جمعیت کے قیام سے اتفاق کیا، جلسہ کا آغاز مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی تحریک اور مولانا منیر الزماں اسلام آبادی وغیرہ کی تائید سے ہوا،^۳ سبھی حضرات نے اپنے اپنے

۱۔ تحریک خلافت ص ۱۰۳ امرتبہ: قاضی عدیل عباسی۔

۲۔ حضرت سید حسن رسول نما قادری اولین بار ہویں صدی ہجری کے مابین بزرگ فقیہ صوفی بزرگ ہیں۔ آپ صوبہ ہریانہ کے ایک گاؤں مارنول میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام جو آپ کی سوانح عمری میں درج ہے "سید کاظم نجفی الاتخوندی" ہے، آپ کے والد گرامی کا نام تاجی حضرت سید اسعد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے، آپ کا شجرہ نسب ۳۱ راکتیں واسطوں سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ آپ حنفی و اشعری سید ہیں۔ حضرت امام فقیہی ہادی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ حضرت جعفر الذکی رحمۃ اللہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ حضرت سلطان الفقراء منصور موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ جاری فرمایا۔ آپ کے خاندان میں یہی طریقہ جاری و ساری ہے۔ آپ کا سلسلہ خریقت چھ واسطوں سے حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے (آزاد اوراق المعارف و کی پیر یا بحوالہ "نوائع المعرفة" سوانح سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ" باب اول)

آپ اولیاء کبار میں سے تھے، آپ کا لقب "رسول نما" اس لئے پڑا کہ آپ کو دربار رسالت میں ایسا تقرب حاصل تھا کہ آپ جس کو چاہتے تھے حضرت سرور کائنات ﷺ کی زیارت سے مشرف کر دیتے تھے، ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ء) میں آپ کا وصال ہوا، قطب روڈ پھانسیج سے ذرا آگے آپ کا مزار مہبط انوار الہی ہے، آپ کے مزار کے سر اہنے سنگ مرمر کی تختی پر بخط نسخ یہ شعر کندہ ہے۔

حسن رسول نما افتخار آل حسین
نویس قرنی ثانی و ثالث حسین

آپ کی درگاہ ایک بڑے وسیع پختہ احاطے کے اندر ہے، جس کا شاندار دروازہ ہے، اس کی تعمیر ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ء) میں بادشاہ عالمگیر کے عہد حکومت میں ہوئی، درگاہ مشقف نہیں ہے، زبر آسمان ہے، بورخام ہے، اجبتہ حاشیہ پختہ بنایا گیا ہے، آپ ہی کے قریب آپ کے صاحبزادے ناصر علی اور پوتوں کی بھی قبریں ہیں اور وہ بھی خام ہیں، ان قبروں کے گرد ایک خوبصورت آہنی کھڑا ہے، درگاہ کے گرد چاروں کونوں پر چار دروازے اور نو نو در کی غلام گردش ہے جو مترف مربع ہے اس کے دروازے پر بخط نسخ یہ مصرعہ تاریخ وفات سنگ مرمر کی تختی پر کندہ ہے: ع رسول نما بار رسول با تے شد۔ کتبہ العبد المذنب یا قوت رفحان عرف عبداللہ ۱۱۰۳ھ۔

اصل درگاہ سے باہر کمپاؤنڈ کے اندر درگاہ کے متوسلین کے مکانات اور قبریں ہیں۔

(واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ ص ۳۵۷، ۵۵۸، مسند بشیر الدین احمد دہلوی ایم، آر، اے، ایس، لندن، اول تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام، شمس مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان و محمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی، ۱۹۱۹ء)

۳۔ جمعیت علماء ہند پر ایک تاریخی تبصرہ، ص ۲۴ مرتبہ مولانا حفیظ الرحمن اصف۔

خیالات پیش کئے، حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ نے بھی ایک مختصر تقریر فرمائی، سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کے الفاظ میں:

”اس تقریر کا ایک ایک لفظ مولاناؒ کے جذبات ایمان کا ترجمان تھا، حاضرین کی تعداد اگرچہ دس بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی، لیکن کوئی آنکھ اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے اثر قبول نہ کیا ہو۔“
آخر میں صدر مجلس حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے تمام حاضرین سے حسب ذیل عہد و پیمان لیا:

”ہم سب دہلی کے مشہور و مقدس بزرگ کے مزار کے سامنے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ مشترک قومی و ملی مسائل میں ہم سب آپس میں متحد و متفق رہیں گے اور فروغی و اختلافی مسائل کی وجہ سے اپنے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہ ہونے دیں گے، نیز قومی و ملی جدوجہد کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی طرف سے ہم پر سختی اور تشدد ہو گا اس کو صبر و رضا کے ساتھ برداشت کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے جماعت کے معاملے میں پوری رازداری اور امانت سے کام لیں گے۔“^۲



درگاہ حضرت سید حسن رسول نما قادری اویسیؒ جس کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر
چند درویشان ملت نے جمعیت علماء ہند قائم کرنے کا عہد و پیمان کیا۔

۱- حیات سجاد ص ۱۰۱، مضمون مولانا احمد سعید دہلوی۔

۲- حسن حیات ص ۸۴، حیات سجاد ص ۱۰۱، ۱۰۲، مضمون مولانا احمد سعید دہلوی۔

مولانا احمد سعید دہلویؒ کا بیان ہے جو خود اس مجلس میں موجود تھے:

”یہ مجلس دو گھنٹے سے زیادہ کی تھی، ایک گھنٹہ بحث و مباحثہ میں خرچ ہوا اور ایک گھنٹہ عہد و پیمان میں صرف ہوا، لیکن اسی جلسہ کا یہ اثر تھا کہ جمعیت علماء ہند قائم ہوئی۔“^۱

درگاہ حضرت حسن رسولؑ نما کے انتخاب کی وجہ

البتہ یہاں ایک سوال کا جواب مجھے کسی تذکرہ و تاریخ میں نہیں ملا کہ دہلی میں مزارات، درگاہوں، مساجد اور تاریخی مقامات کی کمی نہیں تھی، پھر آخر خفیہ میٹنگ اور عہد و پیمان کے لئے درگاہ حسن رسولؑ نما کے انتخاب کی کیا وجہ تھی؟

۱۶۶ اس کا ایک جواب تو یہ ممکن ہے کہ یہ درگاہ عام نظروں سے دور ایک گھنی آبادی کے علاقے میں واقع ہے، اس لئے خفیہ میٹنگ کے لئے اس کو مناسب خیال کیا گیا۔

۱۶۷ لیکن اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حسن رسولؑ نما حضرت سید عبدالصمد خدا نما (متوفی ۱۱۰۹ھ - ۱۶۹۷ء - مقام احمد آباد گجرات) کے خاص دوستوں میں تھے، اور علماء فرنگی محل کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرزاق بے کمر بانسوئیؒ (ولادت: ۱۰۴۸ھ - ۱۶۳۸ء، وفات: ۱۱۳۶ھ - ۱۷۲۲ء - مقام بانسہ شریف ضلع بارہ بنکی یوپی) کو نعمت ولایت حضرت سید عبدالصمد خدا نما سے حاصل ہوئی تھی، اور ان کے واقعات میں موجود ہے کہ جب شاہ سید عبدالرزاق صاحبؒ حضرت سید عبدالصمد خدا نما سے اجازت و خلافت سے سرفراز ہو کر احمد آباد سے رخصت ہونے لگے تو پیر و مرشد نے ان کو ہدایت کی کہ:

”ہمارے دوست حضرت سید حسن رسولؑ نما دہلی میں قیام رکھتے ہیں، ان سے ملتے ہوئے جانا (شاید معرفت کی کوئی منزل وہاں سے وابستہ رہی ہو) اسی حکم کی تعمیل میں حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ گجرات سے مدھے دہلی حضرت سید حسن رسولؑ نما کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور استفادہ باطنی کیا، چلتے وقت حضرت رسولؑ نما نے ارشاد فرمایا کہ جاتے ہو تو آرام سے راتیں نہ بسر کرنا، فقیر کو نہ بدنام کرنا، یہ ارشاد پیر و مرشد کے دوست کادل میں ایسا اثر کیا کہ آخر وقت تک رات کو آرام نہ کیا۔“^۲

۱- حیات سجاد ص ۱۰۱، مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

۲- عرس حضرت بانسہ ص ۱۲ مولفہ معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی، شائع کردہ: قادری بک انجمن نمبر ۸۱ اکتوبر یا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۳۳ھ / ۱۹۲۵ء۔

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ بھی اپنے اسی خاندانی سلسلہ رزاقیہ سے وابستہ تھے، اور پابندی کے ساتھ آستانہ بانسہ پر حاضری دیتے تھے، اور وہاں کے خانقاہی پروگراموں کی سرپرستی بھی فرماتے تھے، جیسا کہ آپ کی کتاب ”عرس حضرت بانسہ“ سے ظاہر ہوتا ہے۔^۱

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اپنی ایک دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں:

”مجھ پر خود نسبت قادر یہ کاغلبہ ہے، جو نقشبندی بھی ہوں اور چشتی ہونے کی نسبت پر فخر کرتا ہوں،

اس وجہ سے حضرت شاہ عبدالرزاق قدس اللہ سرہ العزیز کے سلوک کو مقدم سمجھتا ہوں۔“^۲

اس لئے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کو وہابی میں حضرت حسن رسول ثناء سے جو عقیدت و محبت ہو سکتی تھی اور وہاں قول و قرار پر جو اطمینان ہو سکتا تھا، وہ کہیں اور نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو بھی حضرت مولانا عبدالباری صاحب اور خاندان فرنگی محل سے جو عقیدت و وابستگی تھی اس میں علاوہ دوسری باتوں کے ایک بڑی نسبت الہ آباد کی تھی، انہوں نے تمام علوم و فنون کی تکمیل الہ آباد ہی میں کی تھی، اس لئے وہاں کے اکابر و مشائخ کی خاک پا بھی ان کے لئے سرمہ عقیدت کا درجہ رکھتی تھی، علما فرنگی محل کے جد اعلیٰ حضرت ملا قطب الدین شہید قدس سرہ بہالویؒ (متوفی ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۳ء) حضرت ملا حبیب اللہ الہ آبادیؒ (متوفی ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) کے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بواسطہ حضرت قاضی گھاسی الہ آبادیؒ مرید تھے، ملا قطب الدین کے دو بڑے فرزند ملا سعیدؒ و ملا اسعدؒ اپنے والد بزرگوار کی شہادت سے قبل اپنے والد ہی سے بیعت ہو چکے تھے، لیکن چھوٹے دونوں فرزند ملا نظام الدینؒ اور ملا محمد رضاؒ کم سنی کی وجہ سے داخل سلسلہ نہ ہو سکے تھے، یہ دونوں صاحبزادگان والد کی شہادت کے بعد حضرت سید عبدالرزاق بانسوئیؒ سے وابستہ ہوئے۔^۳

اس پس منظر کی روشنی میں غالباً درگاہ حضرت حسن رسول ثناء کے انتخاب میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی عقیدت و رجحان اور حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی رائے کا دخل رہا ہوگا، کیوں کہ اس خفیہ اجتماع کی قیادت حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ ہی فرما رہے تھے اور ان حضرات کے لئے یہ محض درگاہ نہیں تھی، بلکہ مرکز عقیدت بھی تھی۔

۱- عرس حضرت بانسہ ص ۲۰۱ مؤلفہ: معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: قادری بک، بمبئی نمبر ۸۱ کنور یا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۵ء۔

۲- فیوض حضرت بانسہ (مطبوعہ ص ۱۶) ماخوذ از تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوئی ص ۲۳، ۲۵ مؤلفہ محمد رضا انصاری فرنگی محل لکھنؤ، ۱۹۸۶ء۔

۳- عرس حضرت بانسہ ص ۱۳، ۱۵ مؤلفہ: معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: قادری بک، بمبئی نمبر ۸۱ کنور یا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۵ء۔

تاسیس جمعیت علماء ہند

بہر حال اس خفیہ عہد و بیون کے بعد اسی دن شام میں جمعیت علماء ہند کی باقاعدہ تشکیل کے لئے علماء کا اجتماع ہوا جس کو ہم اس پروگرام کی دوسری نشست کہہ سکتے ہیں، اس میں نسبتاً زیادہ لوگ شریک ہوئے، اس میں تقریباً پچیس علماء شریک ہوئے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱- مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب

۲- مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی مٹھی

۳- مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری

۱- شیر پنجاب، رئیس المناصرین، خلیفہ قادریان، مدیر اخبار میں حدیث و صدر آل اندلیا اس حدیث کا فرس، کشمیری، ہندوؤں کے خاندان منو سے ہیں، آپ کے والد ماجد ۱۸۶۰ھ میں وصال سری نگر سے متعلق ہوئے، مرنے والے وقت میں آپ کے ہاں ۱۸۶۹ھ تک اسلامی حکومت رہی ہے۔

مولانا موصوف، ۲۰ جون ۱۸۶۸ء مطابق صفر ۱۲۸۵ھ میں نظام امرتسر پیدا ہوئے، آپ کی عمر سات سال کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا، چھوڑے دنوں کے بعد والد کا بھی انتقال ہو گیا، آپ کے بڑے بھائی آپ کے کھیل رتبہ، ان کی وفات پر فوری کام کرتے تھے، چودہ سال کی عمر میں فارسی کی ابتدا کی، پندرہ سال کی عمر میں کتبہ اسلام آباد سے پڑھ کر عمرانی کی تعلیم مولانا محمد اللہ امرتسری کے پاس شروع کی، یہ مناظرہ اس کو دور تھا، عیسائی پادری اور آریہ رند سے وغیرہ ہندوؤں کے چپہ پنچہ پر تقریریں اور مناظرے کرتے پھرتے تھے، مولانا موصوف کو بھی دوران تعلیم مناظرے سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔

حدیث کی تعلیم آپ نے مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے حاصل کر کے ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں مدلی، پھر دلی آ کر مدرسہ علماء حضرت میرزا نذیر حسین محدث دہلوی کو ملا، مولانا عبدالمنان صاحب کی سند و احکامات حاصل کی، پھر مدرسہ نظام موم بہار میں چلے گئے، وہاں سے بھی سند حاصل کی، پھر یوہند چلے گئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن کے تلمذ میں رہ کر ان سے معقولات و مقبولات کتب درسیہ کی سند حاصل کی، پھر مدرسہ فیض مام کانپور میں بھی آپ کی دستبرد میں ہوئی، وہاں سے ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ نے بہت سی کتب تصنیف کیں، بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمن (عربی) ۲۔ تفسیر ثانی (اردو) ۳۔ تفسیر بیان الفرقان علی حم البیان ۴۔ تفسیر بامراے ۵۔ مقدمہ رسولی بکواب دگر دار سال ۱۲۰۰ھ خلق پر کاش بکواب بکواب بکواب پر کاش ۶۔ ان کے علاوہ اسلامی و تعلیمی کتب میں عدہ مسئلہ تقلید و اجتہاد کے متعلق لکھے، وہ قادریہ کی رو میں مولانا آریہ منان کے رو میں مولانا عیسائیوں کے رو میں پانچ۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ آپ نے عربیہ تقریر و خطابت کے میدان میں بڑا کام کیا، سکڑوں کامیاب مناظرے کئے، بنائے حاضر جواب، بذریعہ ذہنی و فنی تعلیم تھے، مناظرے کے وقت اس قدر چست فخر سے کہتے تھے، اور ایسے جڑت اور مناسب حاشا اشعار چسپاں کرتے تھے، کہ سامعین عیش و عشرت کرتے تھے۔

قادریوں سے جو مشہور علماء آپ نے ۱۹۰۰ء میں کیا تھا اس کی وجہ سے آپ کا قوم نے فوج قادریان کا خطاب دیا، اس مابیل میں مرزا امام احمد دہلوی نے یہ کہا تھا کہ جو مجھ کو کوہ پے کی زندگی میں بلا کر ہو جائے گا، چنانچہ مرزا ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو پیرہ ڈاکٹر ہو کر نیاک ہو گیا، اور مولانا ثناء اللہ اس کے بعد چلے گئے (۲۰) سال زندہ رہے۔

۱۹۲۶ء میں مولانا موصوف خیر شریک خیر و بفرغ خیر و زیارت مبارک تشریف لے گئے، اہل حدیث کا فرس نے شرکت مناظرے کے لئے جو وفد بھیجا تھا آپ اس کے صدر تھے، وہ رے ارکان و مولانا محمد جونائے مدھی (مدیر اخبار محمدی دہلی) اور مولانا ابوالقاسم سینک بناری تھے۔

انہی اہل حدیث ہفت روزہ آپ نے ۱۹۰۳ء میں جاری کیا تھا، جو چلے گئے (۲۰) سال تک امرتسر سے شکارہ، اور جولائی ۱۹۰۵ء میں مناسبات و تقسیم پنجاب کی نذر ہو گیا۔ ←

۶- مولانا اسد اللہ سندھی

۷- مولانا سید محمد قحرمیاں بے خود والد آبادی (عرف راشد میاں) ۱

→ آپ مدرسہ دارالرشاد کے مشتم تھے اور تاحیات بڑی دیانتداری و خصوص سے اس اہم خدمت کو بحسن و جود انجام دیا، آپ کے اندر اعلیٰ انتظامی قابلیت موجود تھی، اسی وجہ سے حضرت رشید اللہ شاہ صاحب نے اپنی زعمی میں یہ ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی تھی، آپ کے ماتحت بڑے بڑے علمائے کرام مثلاً نور الحق صاحب علوی، مولانا سید میرک شاہ کشمیری وغیرہ نے نہایت اطمینان سے علمی خدمات انجام دیں۔ ذریعہ معاش زمینداری تھی، آپ ایک بڑے زمیندار تھے، آپ کی زمین شاہ آباد میں تھی، ۱۳۰۰ھ/۱۹۲۲ء میں جب آپ کے والد حضرت سید رشید اللہ شاہ وفات پا گئے تو خاندانی اختلافات کے باعث اپنی جائے وراثت گوٹھ پیر جھنڈا سے آپ نے ہجرت فرما کر شاہ آباد میں مستقل سکونت اختیار فرمائی، اور زمینداری کے کام میں مشغول ہو گئے۔

۱۹۳۴ء میں فتح بیت اللہ کی حادثہ صلی کی واپسی کے بعد مدعہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، اس بیماری کا سلسلہ دراز ہو گیا، یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء میں رحلت فرمائی، شاہ آباد میں ہی آپ کا مزار شریف ہے (جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۸۶، ۸۷، بحوالہ مولوی سید وہب اللہ شاہ صاحب گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد سندھ)

۱- مولانا قحرمیاں کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا سید محمد زاہد میاں عرف شاہ حاجی جان ابن شاہ محمد جان قدسی ہے، آپ کی ولادت تقریباً ۱۸۵۶ء میں بمقام والد آباد ہوئی، آپ دائرہ حضرت شاہ اسماعیل کے سجادہ نشین تھے۔

دائرہ شاہ اسماعیل شاہ آباد میں ایک مشہور خانقاہ ہے، جس کی حضرت قطب الاقطاب شیخ محمد الفضل الدہلوی آباد نے قائم کیا تھا، حضرت قطب الدہلوی اصل میں سید پور غازی پور کے باشندے تھے، آپ کی وفات ۱۱۲۴ھ میں ہوئی، آپ کے نواسے شاہ محمد ناصر کے فرزند شاہ محمد اسماعیل تھے، جن کے نام سے دائرہ شاہ محمد اسماعیل مشہور ہے، شاہ محمد اسماعیل کا زمانہ آصف الدولہ شاہ اودھ کا زمانہ ہے۔

مولانا محمد قحرمیاں حضرت شاہ محمد اسماعیل کی اولاد میں ہیں، آپ کی ابتدائی تعلیم خانقاہ میں ہوئی، پھر مولانا شاہ عبید اللہ والیٹی کانپوری سے اور ان کے استاد نواب مولانا مسیح الزماں خاں شاہجہاں پوری (استاذ میر محبوب علی خاں نظام دکن) سے بھی تعلیم حاصل کی، اور مولانا شاہ محمد حسین الدہلوی سے بھی پڑھا، سلوک و طریقت میں اپنے والد ماجد کے موز تھے، اور بوالعالمیہ سلسلہ سے بھی نسبت حاصل تھی، آپ کا مسلک حنفی، اہل سنت و الجماعت تھا، مشرب صوفی چشتی تھے، فنِ طب کی بھی تکمیل کی تھی، طب میں اپنے بڑے بھائی حکیم محمد افضل الدہلوی کے شاگرد تھے، آپ کا باقاعدہ مضب بھی تھا، شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، تنقید و تخلص فرماتے تھے، علم و معرکتے تھے، زبان و ادب میں حضرت شاہ محمد بشیر صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

ملکی و ملی سیاست سے بے حد شغف و اشتہاک تھا، حضرت شاہ حاجی جان (المتوفی ۱۹۱۴ء) کے پہلے ہی عرس کے موقع پر دوران عرس میں پولیس اور فوج نے آکر تلاشی لینے کے لئے دائرہ شاہ اسماعیل کا محاصرہ کر لیا، پیر ٹنڈنٹ پولیس نے حکم سنایا کہ آپ جہاں ہیں وہاں سے کہیں نہیں جاسکتے، گورنمنٹ برطانیہ کو آپ کے متعلق کئی قسم کے شبہات تھے، مثلاً یہ کہ ہندوستان کی انقلابی پارٹی سے آپ تعلق رکھتے تھے، اور بیرونی انقلابیوں شیخ سوسی وغیرہ سے بھی ساز باز رکھتے ہیں، اور اس طرح ہندوستان کو آزاد کرانے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں، تلاشی کے دوران پولیس وی بھی شبہ تھا کہ آپ ہم بناتے ہیں۔

مولانا موصوف جلیا نوالہ باغ کے حادثہ سے بہت متاثر ہوئے اور ملک کے مختلف مقامات پر جا کر تقریریں کیں، ان میں سے ایک تقریر پر دفعہ ۱۰۸ کے ماتحت ۱۹۲۰ء میں گرفتار ہوئے، اور ایک سال قید بمشقت کی سزا دی گئی، کچھ دن والد آباد جیل میں رکھا گیا، پھر عوام کی شورش کے خطرے سے گورنمنٹ نے پیروں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر گورکھ پور جیل میں بھیج دیا تھا، مرضِ دیابت کی وجہ سے آپ کا ایک پاؤں سوکھ گیا تھا، اور چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی تھی، اس کے باوجود بیڑیاں ڈالی گئیں اور جیل کے اندر محبوس ہونے کی صورت میں بھی بیڑیاں رہتی تھیں، ایک مرتبہ مولانا شوکت علی جیل میں مولانا سے ملنے کے لئے گئے تو آپ کو اس حالت میں دیکھ کر زار و قطار روئے۔

گورکھ پور جیل میں آپ نے مندرجہ ذیل اشعار میں نگہبازی فرمایا ہے

۸- مولانا محمد انیس صاحب نگرانی^۱۹- مولانا خواجہ غلام نظام الدین^۲

→ دل آدھ سے جب دور آیا بہت ہی مضطر و رنجور آیا
کھلے تھے ہاتھ تو پابند تھے پاؤں غیب صورت سے کور کچھور آیا
وہاں کے قید خانے سے نکلی کر اسیر و بے خود و مجبور آیا
یہ کلفت ہو مجھے شرت ہو بہو تمہیں بھی ہے یہی منظور آیا
بظاہر تھا پریش حال لیکن شراب ہمیش سے منظور آیا

قطعہ

آگے سے مولانا مسل سے دل شاد ہے قید میں بھی صحنہ و ہر طرح آزاد ہے
بیزاریں مجھ کو پہننے میں ذرا ذلت نہیں باپ دادا کا حراقتہ سنت حجاب ہے
مولانا محمد شی جوہر کے کہنے پر آپ کے فرزند مولانا شاہد میاں نے آپ کو خود کچھ کر دیا منت کیونکہ آپ کو کس لباس کی ضرورت ہے؟
آپ نے جواب میں ہندو چادریں لٹکوا کر دی ہیں:

سوپ کی گلے میں ہم نے ہنسی پائی اس میں کمزری کی ایک تختی پائی
ہاتھوں کو مار بھٹکری کا کچھ لطف پاؤں نے کڑے بھی پائے بیری پائی

اپریل ۱۹۳۱ء (رجب المرجب ۱۳۵۰ھ) میں آپ کو رنجور ہونے لگا اور آپ تک رہا کر دیا گیا۔ آپ سخی زندگی تک تحریکات آزادی میں حصہ لیتے رہے، سو اپنے تعیناتی و مسمیٰ مشغول کو بھی جاری رکھا، آپ باذکار و شجاعت و سادگی کے سمجھے اور ان کے برتنے میں یہ طوطی کا صحنہ، فن تصوف کے ماہر تھے، اور تمام مشائخ کبار اور اہل خانہ کے سلسلہ کے نئے شخصیات میں سے وقت بوقت ضروری سمجھتے تھے، انگریزی تہذیب و معاشرے سے بہت نفرت تھی، جوانی میں فن کشش اور فن ہوت بھی سیکھا تھا، اور اپنے زمانہ کے طاقتور پبلانوں میں شمار ہوتے تھے، ۱۹۲۸ء میں آپ نے حج کیا۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۰ء کو تقریباً چوتھ (۴۰) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور قبر پاک حیدر آباد میں خانقاہ کے سامنے اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

آپ کی شادی شادی صاحب نام مائیں شیرازی پور کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ان سے ایک دختر خور و سال فوت ہوئی، دوسری صاحبزادی شادی شدہ ۱۹۳۲ء کے بعد وفات پا گئیں، ایک صاحبزادی سے مولانا سید محمد شاہد میاں صاحب آپ کے چوتھیں اور مرکز شاہ اصل کے سجادہ نشین ہوئے، آپ بھی ہمیشہ قوی و مل کا مول میں حصہ لیتے رہے، جمعیت علماء ہند کے نائب صدر بھی رہے، قومی تحریکات کے سلسلے میں کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ (بندوبست ہمایون تاریخی تہذیب جس ۱۹۵۸ء و ۱۹۶۰ء میں مولانا شاہد میاں صاحب)

۱- مولانا محمد انیس صاحب نگرانی، شمع مکتوب کے مرتب و لکھے تھے، آپ کے صاحبزادے مولانا محمد انیس صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء قلعہ شریف کے انتہائی تھے، باقی حیات معلوم نہ ہو سکتا (جمعیت علماء ہند تاریخی تبصرہ ص ۹۱)

۲- مولانا خواجہ غلام نظام الدین مفتی مدرسہ عالیہ تارہ یہ ہدایوں میں پیدا ہوئے، والد کا نام خواجہ عبداللہ ولد خواجہ غلام الدین ہے، سلسلہ نسب صدیقی، والد اور مشور شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہیں، آپ کے اجداد بھی مزین الدین دکن و چاند پور و ملکی کے رہنے والے تھے، جہاں کی مسجد کے قریب ایک بزرگ بھی مدفون ہیں، آپ کے چچا بھی تھے، اسے اسی خاندان کی ایک بہت بڑی دیوبندی بھی تھی جو منصف کے نام سے مشہور تھی، جس کے متعلق آپ کے ایک بزرگ کشیدہ نام سے مشہور شاعر تھے، مولانا کی ابتدائی چچا ندیر حسن صاحب کو مکان تھا جس سے متعلق آپ کے عزیز مولوی ابو نعیم و مولوی ابو الہی مولوی اور اعجاز قیام کر رہے تھے، آپ کے والد صاحب اور والد صاحب نے مستقل سکونت ہدایوں میں اختیار فرمائی تھی، آپ نے درس اٹھائی کی تعلیم مولانا عبداللہ صاحب، مولانا ہارون صاحب، دور مولانا صاحب الرحمن صاحب وغیرہ کے پاس حاصل کی، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے تفسیر، ریاضی و میٹریک پڑھی، اس زمانہ میں ہدایوں کا مدرسہ تارہ یہ خانقاہ و مرکز علم کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا، اندر (۱۸) برس کی عمر میں اصلاح انیس کے صدر مقرر ہوئے، جس کے مقاصد میں تحریک نماز اور امر و نہی کی تدفین اور مساجد کی خدمت تھی، یہاں تک کہ انہماک ہو کہ تمام کے امتحان کے بعد فیصل کا امتحان دے گئے، ان اور اہل مسجدیں تھیں یا قبرستان۔

۱۰۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

→ روحانی تعلیم مولانا شاہ عبدالمقصدؒ سے حاصل کی، ان کے وصال کے بعد مولانا شاہ عبد القدر صاحب سے استفادہ کیا، جب ملک میں سیاسی تحریکات تیز ہوئیں تو بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ایک رسالہ ”ترک موالات و طلبہ“ تحریر کیا، مولانا شاہ عبد القدر صاحب کی اعانت سے قادری منزل میں سودیشی کرگرا سکول قائم کیا، شہید وطن اشفاق اللہ خان شاہجہاں پوری سے بھی کامل ربط رکھتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد جب جمعیت علماء میں پھوٹ پڑی اور بنیادی ارکان میں سے کچھ لوگوں نے الگ ہو کر جمعیت علماء کا پتہ قائم کر لی تو اس گروہ میں آپ بھی شامل تھے، پھر مسلم لیگ کا زور ہوا تو اس کے بالمقابل اتحادِ ملکی کے ظہور وار رہے، اور تقسیم کے بعد ہندوؤں میں مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ میں بڑی خدمات انجام دیں۔

سیاسی خدمات کے علاوہ دہلوی مدرسے دارالعلوم تحسین العلوم ہندوؤں اور مدرسہ عربیہ مجملہ کے ذمہ دار رہے، بھوانی ضلع نئی تال کی جامع مسجد اور انجمن خدام اسلام کے بھی وقف بورڈ کی جانب سے صدر مقرر ہوئے، جس کو آپ نے ہی قائم کیا تھا، عین گاہ شمسی ہندوؤں کی امامت کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی، پورے ضلع کا عہدہ نفاذ بھی آپ سے متعلق تھا۔

آخری عمر میں سیاسی ہنگاموں سے دلبرداشتہ ہو گئے تھے، اور خالص روحانیت اور طریقت کے لئے یکسو ہو گئے تھے (جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۹۱ تا ۹۹ یہ خواجہ غلام نظام الدین قادری کی خودنوشت سوانح ہے، جو ۱۵ ستمبر ۱۹۶۶ء کو مولانا واصف صاحب کے اصرار پر تحریر کی گئی، مولانا واصف صاحب نے ان کی پوری تحریر من و عن نقل کر دی ہے، میں نے صرف خلاصہ پر اکتفا کیا ہے، وفات کی خبر نہیں ہے)۔

۱۔ شاہجہاں پوری کے محلہ سب زئی میں ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی ولادت ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام عنایت اللہ اور جد امجد کا نام فیض اللہ تھا (الاعلام بن فیض اللہ صاحب من الاعلام ص ۸ ص ۳۳۲ مطبوعہ بیروت)، والدہ جد بڑے ترقی، پرہیزگار، صالح اور صاحب نسبت بزرگ تھے، جنگی معاش کے باوجود مالی ہمت اور جفا کش تھے، وہ ہمیشہ اپنی خواہش کا اظہار فرماتے تھے کہ میں اپنے بیٹے کو عالم دین بنانا چاہتا ہوں۔

تعلیم و تربیت: پانچ سال کی عمر میں حافظ برکت اللہ صاحب کے پاس مکتب کا آغاز کیا، قرآن مجید کی تکمیل کے بعد اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم اسی شہر کے محلہ درگ زئی میں حافظ نسیم اللہ صاحب سے حاصل کی، اس کے بعد محلہ فطیل شرقی میں مولوی اعجاز حسن خان صاحب کے مدرسہ اعزازیہ میں داخلہ لیا، فارسی ادب کی کتاب ”سکندر نامہ“ دہلوی کی ابتدائی کتب حافظ بدھن خان صاحب کے پاس پڑھیں، جو ایک ماہر فن استاد مانے جاتے تھے، اسی مدرسہ میں حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد مولانا عبیدالحق خان افغانی بھی مدرس تھے، ان سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہوا، مولانا عبیدالحق صاحب جو ہر شایاں انسان تھے، متوسطات کی تعلیم کے بعد انہوں نے مفتی صاحب کے والد گرامی کو مشورہ دیا کہ صاحبزادے کو علمی تعلیم کے لئے دیوبند بھیج دیں، والد صاحب غربت کی وجہ سے اس مشورہ پر عمل نہ کر سکے اور انہوں نے آپ کو مدرسہ شاہی مراد آباد بھیج دیا، اس وقت تک آپ کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی، مراد آباد میں حضرت مولانا عبدالحق میرٹھی (تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی)، مولانا حکیم محمد حسن صاحب اور مولانا محمود حسن سہسوائی وغیرہ سے استفادہ کیا، وہاں اپنے اخراجات نویں بن کر اور بیچ کر نکالتے تھے مراد آباد میں دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے، یہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد منیر صاحب کے عہد انتہام اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے عہد صدارت کا دور تھا، یہاں آپ نے درج ذیل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا فطیل احمد سہارن پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا حکیم محمد حسن صاحب (شیخ الہند کے چھوٹے بھائی)، مولانا مفتی علی اور مولانا غلام رسول صاحب وغیرہ، حدیث کا درس حضرت شیخ الہند سے لیا، تقریباً ۲۴ سال کی عمر میں ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں آپ نے فراغت حاصل کی، دیوبند میں مولانا سید احمد فیض آبادی (برادر اکبر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی) اور مولانا عبدالحق شاہجہاں پوری آپ کے خصوصی رفقاء و احباب میں تھے، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا محمد شفیع دیوبندی (شیخ الحدیث مدرسہ عبدالحق دہلی)، مولانا غیاث الحق اور مولانا امین الدین آپ کے دورہ حدیث کے ساتھیوں میں ہیں۔

روحانی تعلیم آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے حاصل کی۔

مدرسہ تین علم شاہجہاں پور میں تقرر: دیوبند سے فراغت کے بعد آپ وطن لوٹ گئے اور اپنے اساتذہ اور مربی مولانا عبیدالحق خان صاحب کے حکم پر مدرسہ تین علم سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، اس مدرسہ کو مولانا عبیدالحق خان صاحب نے مدرسہ اعزازیہ سے علیحدگی کے بعد قائم کیا تھا، مفتی صاحب اپنے اساتذہ کے حکم پر انتظامی امور میں بھی معاونت کرتے تھے، گو مدرسہ کے مالی وسائل بہت محدود

تھے، تنخواہیں بھی بہت کم تھیں، لیکن مفتی صاحب نے اپنے استاد کے زیر سایہ قیامت کے ساتھ پورے پانچ سال گزارے، پورے اشہاک و اخلاص کے ساتھ مدرسہ کی خدمت انجام دی، یہاں آپ کے علاوہ میں حضرت مولانا عظیمی (استاذ ادب و فقہ دارالعلوم دیوبند) اور مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری (مفتی دارالعلوم دیوبند) کو شہرہ آفاق حیثیت حاصل ہوئی۔

مدرسہ امینیہ دہلی سے وابستگی تدریس سے اہتمام تک: رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ میں استاد مکرم حضرت مولانا عبیدالحق صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے مدرسہ عین العلم سے مستعفی ہو کر اپنے رفیق خاص مولانا امین الدین صاحب کی خواہش پر ۱۳۲۱ھ میں آپ مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے آئے، یہ مدرسہ مولانا امین الدین صاحب نے قائم کیا تھا اور اس کے پہلے صدر مدرس علامہ انور شاہ کشمیری مقرر ہوئے تھے، لیکن کچھ ناگہانی وجوہات کی بنا پر علامہ مدرسہ چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے گئے تھے۔

اسی دور میں مدرسہ امینیہ کی تدریسی خدمت کے ساتھ آپ نے انجمن ہدایت الاسلام کے دفتر میں بطور محاسب (اکاؤنٹنٹ) بھی کام کیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ ملازمت ترک کر دی۔ اس کے بعد ۱۳۲۲ھ میں حافظ زاہد حسن عمروہ کی شرکت میں کتابوں کی تجارت کا کاروبار شروع کیا، لیکن یہ شرکت زیادہ دن نہ چل سکی، اس کے بعد مولوی عبدالغنی صاحب کے ساتھ مل کر یہ کاروبار شروع کیا اور کتب خانہ رحیمہ قائم کیا، یہ کتب خانہ آپ کی وفات کے بعد تک قائم رہا (ضمیمہ کفایت: مفتی ج ۱ ص ۵)۔

رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں مولانا امین الدین صاحب کا انتقال ہوا، اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہند مالانہ سے ہندوستان واپس تشریف لائے تھے، حضرت شیخ الہند نے اپنی موجودگی میں ۹ ریشوال المکرم ۱۳۳۸ھ کو ایک جلسہ میں مولانا امین الدین کی جگہ پر آپ کو مدرسہ کا مقرر فرمایا، اس کے بعد تقریباً چوبیس (۳۴) سال تک مسلسل آپ مدرسہ امینیہ کے منصب اہتمام پر فائز رہے، اور مدرسہ امینیہ کو علمی اعتبار سے اونچ ٹریا تک پہنچا دیا، آپ کے زمانے میں مدرسہ امینیہ دہلی ہی نہیں ملک کے ممتاز مدارس میں شمار کیا جاتا تھا (الاعلامین فی تاریخ الہند من الاعلام ج ۸ ص ۱۳۳۲)۔

مدرسہ عالیہ فقہوری کا اہتمام: اسی طرح مدرسہ عالیہ فقہوری مسجد دہلی کا اہتمام بھی حضرت شیخ الہند نے آپ کے حوالے کیا تھا، آپ کے عہد اہتمام میں مدرسہ عالیہ نے بہت ترقی کی، تعلیمی معیار اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ مولوی فاضل کے امتحان میں اس مدرسہ کے طلبہ ہر سال اول نمبر حاصل کرتے تھے اور پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ کے مستحق قرار پاتے تھے (ضمیمہ کفایت: مفتی ج ۱ ص ۴)۔

ازواج و اولاد: آپ کی پہلی شادی مدرسہ عین العلم کے زمانہ تدریس میں ہوئی تھی، اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے، لیکن دونوں بچپن ہی میں فوت ہو گئے، کچھ عرصہ بعد رفیقہ حیات بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ پھر دوسرا عقد جناب شرف الدین صاحب کی صاحبزادی سے ہوا، ان سے سات اولاد ہوئی، جن میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں بقید حیات رہیں۔

وفات حسرت آیات: آپ کا سائنس وفات ۳۱ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء میں رات کو ساڑھے دس بجے پیش آیا، اور عمر بھر کا تھکا مارا مسافر بڑی خیمہ سو گیا۔ دوسرے دن چھبیز و تکفین عمل میں آئی، نماز جنازہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی نے پڑھائی، جنازہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمی شریک ہوئے، مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار زکائی کے جوار میں دفن ہوئے، مولانا احمد سعید اور صاحبزادہ محترمہ مولانا حفیظ الرحمن واصف نے جسد مبارک کو گود میں اتارا۔ پور مغرب کے وقت جب سورج ڈوب رہا تھا علم دفن کا یہ آفتاب بھی غروب ہو چکا تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

روح مزار پر یہ یاد تارخ آج بھی ثبت ہے: ”ہو گیا گل آدھ دلی کا چراغ“ (۱۳۷۲ھ)۔
تصانیف: مختلف علمی، درسی، فتویٰ نویسی، ملی اور سیاسی مصروفیات کے جھوم میں آپ کو کبھی کبھی کے ساتھ تھنیف و تالیف کے مواقع کم میسر آئے، اس کے باوجود آپ نے کئی اہم کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، مثلاً:

۱۔ کفایت المفتی (آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ)
۲۔ تعلیم الاسلام (چار حصے، اب یہ چاروں حصے ایک ہی جلد میں شائع ہو رہے ہیں) سوال و جواب کی شکل میں، بچوں کے لئے ہے حد منہ کتاب ہے، ہر مدرسہ کے دینیات کے اصاب میں مفتی صاحب کی یہ کتاب لازمی طور پر شامل ہے، کوئی بچہ اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

۳۔ حضرت شیخ الہند کے حالات پر ایک کتاب تحریر فرمائی تھی۔
۴۔ ایک رسالہ کا نام ہے ”مسلمانوں کے مذہبی و قومی اغراض کی حفاظت“ یہ رسالہ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔
۵۔ علاوہ رسائل و جرائد بالخصوص البرہان میں آپ نے بہت سے مضامین و مقالات لکھے۔

(ضمیمہ کفایت: مفتی ج ۱ ص ۵)

۱۱- مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی

۱۲- مولانا حافظ احمد سعید دہلوی

۱- مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے ۱۲۸ھ تا ۱۸۰ھ (تقریباً) میں ہرنامہ سیالکوٹ پیدا ہوئے، "میر" ان کی قوم ہے، تنقلس نہیں ہے، شہر و شاہری سے ان کو کوئی نسبت نہ تھی، آپ کے والد ماجد قریباً درجن صاحب شہر کے اہم اور معزز رئیس تھے، محکمہ اری کا کام کرتے تھے، سیالکوٹ میں خاصی جائداد کے مالک تھے، شروع میں اسکول، بورڈنگ کی تعلیم پائی، مگر ایف اے میں اس تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے بہتر عربی و اسلامی تعلیم میں منہمک ہو گئے، سیالکوٹ میں "دولہ خان" حسن صاحب سنی مسلک کے عالم باعمل تھے، ان سے تعلیم حاصل کی، چچا استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب دیر آبادی سے حدیث پڑھی، اسی دوران میں والدہ نے خواہش ظاہر کی کہ رمضان آ رہا ہے کیا ہی اچھا ہوتا اگر ابراہیم تراویح میں قرآن مجید سنانا، والدہ کی آرزو اور طبعی میلان کی بنا پر فوراً قرآن مجید یاد کرنا شروع کیا، اور حیرت انگیز طور پر صرف ایک ماہ میں یاد کر لیا، پھر دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے حدیث کی سند لی اور کچھ عرصے مدرسہ رحمانیہ دہلی میں مدرس بھی رہے، بعد ازاں (۱۹۳ء سے قبل ہی) سیالکوٹ تشریف لے آئے۔

سنی المسلک ہونے کی وجہ سے آخر حتمی مہنت میں سے بخشش رہتی تھی، اس لئے والد محترم نے سببہ ملت اپنی نماز و غیرہ ادا کرنے اور تعلیم و تدریس کے لئے عظیمہ مسجد بنوا دی جس میں آخر عمر تک شغل تدریس جاری رکھا، عوام کے لئے بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے، عاویہ ازین مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ مل کر بھی اور علیہ بھی بخانیہ اسلام کے ساتھ بہت سے مناظرے کئے۔

شروع میں آپ سیالکوٹ کی نظریات کے خلاف سے جویہ عاویہ ہند سے متعلق رہے، لیکن بعد میں تحریک پاکستان کے ذریعہ سے حامی ہو گئے تھے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد اسی کے قریب ہے، جن میں سے شہادۃ القرآن (مسئلہ حیات مسیح)، واضح الایمان (تفسیر سورۃ فاتحہ)، جہیز الرحمن (تین ابتدائی پروں کی تفسیر) اور سیرۃ المصطفیٰ انتہائی قابل قدر ہیں۔

آپ نے مختلف اوقات میں تین شادیوں کیں مگر اولاد سے محروم رہے۔ جب کہ دوسرے بھائی کثیر العیال تھے، دوسری بھائی تھے۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں سیالکوٹ میں آپ کی وفات ہوئی، اور سیالکوٹ ہی میں دفن کئے گئے (جویہ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۰۵، ۱۰۶ بروایت جناب پروفیسر ساجد میر صاحب سیالکوٹ، مولانا محمد اسماعیل صاحب میر جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان)

۲- بلند پایہ مفسر، مفسر البیان خطیب تھے، اور اسی نسبت سے صحابہ اہل کتب کہلاتے تھے، آپ کی ولادت ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں کوچہ ناہر خان ملتانہ دیوانہ دہلی میں ہوئی، والد ماجد کا اسم گرامی نواب مرزا تھا، وہ زینت المساجد میں امام تھے، اور کتب بھی پڑھاتے تھے، آپ کے دادا خواجہ نواب علی دہلی کے ایک صوفی اور خدو رسیدہ بزرگ تھے، آپ کے مورث اعلیٰ اکبر بادشاہ کے زمانے میں عرب سے کشمیر میں آئے، پھر شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں یہ خاندان کشمیر سے آگرہ آیا، کچھ عرصے وہاں رہ کر دہلی میں منتقل ہوا، آپ کے آباء و اجداد کو فاضل و بار میں رسائی حاصل تھی، اور خواجہ زادہ فاضل کا خطاب عطا ہوا تھا۔

ابتدائی تعلیم مولوی عبدالحمید مصطفیٰ آبادی سے حاصل کی، اور تحصیل حفظ قرآن کی دستار بندی مدرسہ حسینیہ بازار نیامگل دہلی میں ہوئی، مدرسہ حسینیہ میں مناظرہ کی بھی مشق کرائی جاتی تھی، آپ نے حفظ قرآن سے فارغ ہوتے ہی مناظرے کی بھی کچھ مشق شروع کر دی، اسی طرح مولانا ابراہیم دہلوی اور مولانا عبدالرحمن نانچ کا وہ بلا متلئے سنے زمانہ حفظ قرآن سے ہی وہ منہ کھینے لگے۔

آپ کی عمر قریب پانچ برس کی ہوئی تو والد محترم کا انتقال ہو گیا، ثناء ہی اس سے پہلے ہو چکی تھی، والد کے انتقال سے گھر کا سداہم رآپ پری آ گیا، ذریعہ معاش یا تو ترشی کا کام تھا یا عطا کا زمانہ، لیکن آپ نے تعلیم موقوف نہیں کی، عربی کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا قادری محمد یاسین صاحب سکندر بادی ٹمرا پوری سے پڑھیں، پھر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں مدرسہ اسمینیہ (منبری مسجد) میں داخلہ لیا، اور ۱۳۳۶ھ ۹۱۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فارغ التحصیل ہونے سے پہلے بھی آپ بطور معلم مدرسہ میں پڑھاتے تھے، اور بعد میں کافی عرصے تک پڑھاتے رہے، پھر آپ نے کٹرہ بدو محل فراش خانے میں تقریباً چودہ (۱۳) برس تک ترجمہ قرآن بیان فرمایا۔

آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز جمعیت علماء ہند کے قیام سے ہوا، جمعیت علماء ہند کے پہلے ناظم مقرر ہوئے، ۱۹۲۱ء میں آپ پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے، ۲۸ ستمبر ۱۹۳۲ء کو رہا ہوئے، تحریک آزادی کے دور میں آپ کو ٹھہر مرتبہ گرفتار کیا گیا، ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۲ء کی تحریک میں ملی الترتیب دومرتبہ آپ حضرت مفتی اعظم کے ساتھ تحریکات فیل میں اور ملتان فیل میں بھی رہے، آپ ۱۹۳۹ء میں جمعیت علماء ہند کی نظامت سے مستعفی ہو گئے۔

۱۶- مولانا محمد ابراہیم درہنگوی^۱۱۷- مولانا خدابخش مظفرپوری^۲

۱- مرحوم کی متعدد تصنیفات کے علاوہ ہندی زبان میں ترجمہ قرآن بھی ہے، جو کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ صوبہ سندھ میں کئی مساجد کا تحفہ آپ کی کوششوں کی مرہون منت ہے، غرض وہ ہندوستان کے چشم و چراغ تھے حکومت نے ایک ہریج صاحب کو شبہ کی بنیاد پر گرفتار کیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا، آپ نے تحریک خرافات، تحریک جمیہ اور مختلف ملی تحریکات کی قیادت فرمائی، اس دور کی کوئی تحریک آپ سے بے نیاز ہو کر آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، افسوس آج کی نسل اتنی تعلیم غصیت کو رفتہ رفتہ بھولتی جا رہی ہے، آپ پر جلال کا غلبہ تھا، کسی بد بخت نے آپ کو زہر دے دیا تھا اسی کے اثر سے آپ کی وفات ۵ نومبر ۱۹۲۹ء (۳ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ) کو ہوئی، آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ایک بچہ حسن شاہ عین مضمون شباب میں فوت ہو گیا تھا، (آزاد اذکار، المعارف و کی پیڈیا بحوالہ مضمون تاریخ اردلیا حضرت تاج محمود امروٹی، بلا تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ ص ۶۳ مولانا سید اردوی، جمعیت علماء ہند پرتگیزی پبلیکیشنز، ۱۱/۱۲ بحوالہ سر روزہ الجمعیت مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۲۹ء)

۱- محلہ دمد درہنگہ کے رہنے والے تھے، انصاری برادری سے تعلق تھا، آپ کے والد شیخ ظہور الدین صاحب شہر کے ممتاز تاجروں میں تھے، آپ کی ولادت ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۱ء) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر ہی پر مولوی محمد نبی بخش سے حاصل کی، جو فارسی کے اچھے اور مت زاماندہ میں سے تھے، پھر مدرسہ امدادیہ درہنگہ میں داخل ہو کر علوم عربیہ کی تکمیل کی، حدیث کی کتابیں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری سے پڑھیں، جو اس زمانے (۱۳۲۰ھ اور ۱۳۲۸ھ م ۱۹۰۹ء و تقریباً ۱۹۱۰ء) میں وہاں صدر مدرس تھے، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں، ابتدائی سے منطق کے ذوق کا غلبہ تھا، فراغت کے بعد اس کی تکمیل کے لئے نو ٹک تشریف لے گئے، ملت اسلامیہ کی صانع و فلاح اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، بہار کے دورہ میں علی برادران کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، خلافت اور انگورہ کی تحریک میں درہنگہ اور بہار کے دوسرے مقامات میں میٹس بہا خدمات انجام دیں، درہنگہ میونسپل بورڈ کے ممبر اور سٹریٹ بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے شہر و مناسبات میں بہت سے اصلاحی کام انجام دیے، حضرت مولانا محمد سجاد کی معیت و شرکت میں صوبہ بہار میں باہموم اور درہنگہ میں بالخصوص جمعیت علماء اور کانگریس کے لئے کام کرتے رہے، درہنگہ کی سیاسی سرگرمی آپ کے دم سے قائم تھی۔

۲- خرم رنگ یتیم خانہ انجمن اسلامیہ درہنگہ کے بہتم رہے، یہ یتیم خانہ پہلے مدرسہ امدادیہ ہی کے اندر تھا مولانا ابراہیم صاحب ہی نے یتیم خانہ کو غلطہ کر کے مدرسہ کے کچھ کم کی طرف مستقل عمارت کی تعمیر کی، اور اس کو مستقل مدرسہ کی شکل دے دی، اور اس کو بڑی ترقی دی، آپ کی وفات بین عالم جوانی میں ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۰۶ء کو وطن مالوف میں ہوئی، پسند نکان میں دولہ کے اور ایک لڑکی چھوڑے (جمیہ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۳ تا ۱۱۴ بروایت مولوی صغیر احمد صاحب داما، مولانا ابراہیم صاحب محلہ مہراج سنگ درہنگہ و حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدرسہ رحمانیہ سوپوں درہنگہ)

۳- اسم گرامی: خدابخش، والد کا نام: محمد حسن، مظفر پور محلہ، سلام پورہ کے باشندے تھے، من پیدائش ۱۸۶۹ء م ۱۲۸۵ھ ہے، من وفات ۱۹۳۶ء م ۱۳۵۵ھ ہے، رائس برادری سے تعلق تھا، ابتدائی سے لے کر متوسطات تک کی تعلیم جامع العلوم مظفر پور میں حاصل کی، اور اسی زمانہ میں حضرت مولانا نصر کے حلقہ تعلیم و تربیت میں داخل ہوئے، ان کے خانہ ان میں پہلے سے علم دین بالکل نہیں تھا، تھوڑی بہت ہندی اور انگریزی تعلیم ضرور تھی، ان کے بڑے بھائی منشی خدابخش ذاک خانہ کے پوسٹ ماسٹر تھے، غالباً اسی لئے بڑی عمر میں جا کر انہوں نے تعلیم شروع کی، حضرت نصر نے ان کی سرپرستی قبول فرمائی، مظفر پور کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے کانپور تشریف لے گئے، یہاں سے بھی حضرت نصر سے مراسلت جاری رکھی، کانپور کے بعد دیوبند میں داخل ہوئے، اور شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ نومبر ۱۹۰۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، مسکن حنفی امداد سب تھے، عقیدہ بہت چلتا تھا، مزاج میں تھوڑی سختی تھی، آپ نے مظفر پور میں فیض عام کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا، مدرسے کے سلسلے میں اکثر رنگوں اور ملکات وغیرہ کا سفر کرتے تھے، مدرسہ تقریباً بیس سال جاری رہا اور مولانا کی وفات کے بعد بند ہو گیا، آپ نے دو شادیاں کیں، مگر کوئی فریادہ اولاد نہیں ہوئی، یہی سب سے ایک لڑکی اور دوسری سے دو لڑکیاں ہوئیں، بڑی لڑکی کی شادی جناب محمد اسماعیل صاحب محلہ اسلام پور سے ہوئی، باقی دو لڑکیوں کی شادیاں مولانا کے انتقال کے بعد ہوئیں۔

۱۸- مولانا مولیٰ بخش امرتسری

۱۹- مولانا عبدالکلیم گیداوی^۱

۲۰- مولانا محمد اکرام خان کلکتوی^۲

۲۱- مولانا منیر الزماں اسلام آبادی

مولانا کے بڑے داماد جناب اسماعیل صاحب کا بیان ہے کہ مولانا ریاض احمد بتا دیتی فرماتے تھے کہ:

”مولانا خدا بخش میرے ساتھیوں میں تھے، اور مولانا عبدالکلیم پوری سابق صدر مدرس مدرسہ جامع العلوم مظفر پور بعد مدرسہ مدرسہ شمس الہدیٰ اور مولانا بشارت کریم گڑھلوی بھی مولانا کے معاصر و رفیق تھے۔“
جمعیت علماء ہند کے قیام میں آپ نے بنیادی رول ادا کیا تھا، آپ جمعیت علماء ہند کے اولین قائدین اور بانیوں میں تھے۔
(جمعیت علماء پر ایک تاریخی تبصرہ، مؤلفہ مولانا حفیظ الرحمن واصف، مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی ص ۱۱۳، ۱۱۵)
و تذکرہ حضرت آقا مظفر پوری ص ۱۳۱ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

۱- مولانا عبدالکلیم اوگانوی ضلع پٹنہ کے ایک مشہور گھڑوں ”اوگانوں“ کے رہنے والے تھے، نسب شیخ صدیقی اور مسلک حنفی تھے، والد ماجد کا نام مولوی کریم بخش تھا، ولادت موضع شکرانوں ضلع پٹنہ میں ماہ ربیع آخر ۱۳۰۳ھ جنوری ۱۸۸۶ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد تحصیل علم کے لئے موضع گیلانی تشریف لے گئے، اور وہیں حفظ قرآن کی دولت حاصل کی، پھر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب امیر شریعت بہار و اڑیسہ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، معقول و منقول کی تمام اونچی کتابیں حضرت مولانا ہی سے پڑھیں، اور سفر فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ نصرۃ الاسلام، الہ آباد میں مدرس ہو گئے۔
آپ کی شاہی موضع ”اوگانوں“ ضلع پٹنہ میں جو آپ کے مولد سے دو میل کے فاصلے پر ہے، مولوی وزیر الدین صاحب کی ذریعہ نیک اختر سے ہوئی، اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

۱۳۲۹ھ میں جب مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد نے محنت کیا کہ صوبہ بہار میں ایک دینی درس گاہ کی ضرورت ہے، اور مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کی مدرسہ ترک فرما کر گیا تشریف لائے، تو مولانا عبدالکلیم بھی مدرسہ نصرت الاسلام سے مستعفی ہو کر ان کے ہمراہ چلے آئے، اور حضرت الاستاذ کے ساتھ قیام مدرسہ اور دیگر امور میں ہمیشہ دست راست بنے رہے۔

درس نظامی کے جید الاستاذ استاد تھے، تقریر و تحریر کا بھی خاص ذوق تھا، نہایت سلیبی اور مرتب تقریر کرتے تھے، تحریر بھی نہایت غلفت اور رواں نکلتے تھے، انہی علما جنہوں کی بنا پر حضرت مولانا سجاد نے اپنے قائم کردہ مدرسے ”انوار العلوم“ گیا میں ان کو پہلے مدرس بنایا، پھر ان کی انتظامی صلاحیت اور اپنی مصروفیت کی بنا پر مدرسے کا اہتمام بھی ان کے سپرد کر دیا، اور خود نگراں رہے۔ اور بھی مختلف جگہوں پر اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے۔

زندگی بھر جمعیت علماء ہند کے رکن رہے، مدتوں جمعیت علماء بہار کے نائب ناظم رہے۔

ان کا انتقال حضرت مولانا سجاد کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۴۱ء کو بمقام اوگانوں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، پس اندگان میں ایک ایلیہ محترمہ، دو فرزند اور ایک صاحبزادی چھوڑی، آپ کے اہل و عیال پاکستان منتقل ہو گئے تھے (جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۵ تا ۱۱۸ بحوالہ مولانا مقصود عالم صاحب شاگرد مولانا عبدالکلیم صاحب ساکن نادرہ منج گیا، توسط مولوی اصغر حسین صاحب مولانا سنور بزازہ روڈ شہر گیا)

۲- مولانا محمد اکرم خان اپنے وقت کے نہایت ممتاز صحافی تھے، کلکتہ سے دو اخبار نکالتے تھے، اخبار محمدی بزبان بنگلہ، اور اخبار زمانہ بزبان اردو۔ تقسیم کے موقع پر وہ مشرقی پاکستان منتقل ہو گئے تھے (جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۸۱ روایت مولانا محمد عثمان مکی صاحب) باقی حالات کا علم نہ ہو سکا۔

۲۲- مولانا مفتی محمد صادق صاحب کراچی^۱

۲۳- مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی^۲

۲۴- مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی^۳

۱- مفتی محمد صادق صاحب کی ولادت محلہ کٹہہ کراچی میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں ہوئی، اور وفات ۶ ذوال الحکمہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۸ جون ۱۹۵۳ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد مولانا عبداللہ بن عبد الکریم کراچی کے ایک بااثر اور خدا ترس بزرگ تھے، انہوں نے محلہ کٹہہ میں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا، اور کراچی کی مشہور دینی درسگاہ مظہر العلوم ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۵ء میں جاری کی جس کو آگے چل کر حضرت مولانا محمد صادق صاحب نے زبردست ترقی دی۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، مزید تعلیم کے لئے مولانا مولوی احمد الدین چکوالی صاحب مقرر ہوئے، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب پوری، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، اور حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی کے پاس تکمیل تعلیم کی، اور ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم سے وابستہ ہو گئے، حضرت شیخ الہند کی تحریک ریشمی رمال کے آٹھ ہیڈ کوارٹروں میں سے ایک کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی، جب ترکوں کے خلاف انگریزی فوج کی کمک کے لئے کمپین ڈاؤن شٹ کی کمان میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) ہندوستانی فوج بلوچستان کے راستے روانہ ہوئی، تو مولانا موصوف کے فتوے اور اشارے پر میٹل قبائل نے بغاوت کر دی، اس جرم میں مولانا کو ۱۳۳۴ھ، ۱۹۱۴ء میں گرفتار کر لیا گیا، اور تقریباً تین سال بھنی کے قریب ایک مقام ”کاردار“ میں نظر بند رہے۔

آپ نے کراچی میں جمعیت علماء ہند کی شاخ جمعیت علماء کراچی قائم کی، اور اس کے صدر رہے، نیز جمعیت علماء ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن تھے، آپ نے شیعہ سنگھن تحریک کے مقابلے کے لئے کراچی میں ایک تبلیغی مرکز قائم کیا، جہاں سیکڑوں غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر حلقہ گوش اسلام ہوئے۔

جب ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں جمعیت الانصار دیوبند قائم ہوئی تو مولانا عبداللہ سندھی کے سرگرم رفیق کار مولانا محمد صادق اور مولانا احمد علی تھے۔ اس مسلم پارٹیز کانفرنس منعقدہ ۱۶، ۱۷ ستمبر ۱۹۳۵ء نے ایک آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنایا تھا، اس کے ۲۳ ممبروں میں سے ایک ممبر مولانا موصوف بھی تھے۔ قیام پاکستان سے قبل ضلع حیدر آباد سندھ کے ایک قصبہ لواری میں وہاں کے گمراہ بیوروں نے ایک مکروہ رسم کی بنا ڈالی تھی یعنی ۹ مئی کو ہاں جج کے مناسک ادا کرتے تھے اور اس میں شریک ہونے والوں کو حاجی کہا جاتا تھا، مولانا مرحوم نے اس معصومی جج کے خلاف زبردست جہاد کیا، اور اس کے رد میں ایک رسالہ بھی لکھا، جس کا نام ”کلمۃ الحق“ ہے، بالآخر حکومت سندھ نے اس اجتماع پر مستقل پابندی عائد کر دی۔

آپ نے تین نکاح کئے، پہلی سے ایک صاحبزادہ، دوسری سے نو (۹) لڑکیاں اور تیسری سے دو لڑکے اور پانچ (۵) لڑکیاں پیدا ہوئیں (جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۹ تا ۱۲۱ بروایت مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحبزادہ محترم مولانا مرحوم)

۲- مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے والد ماجد کا نام مولوی عبدالحجاز غزنوی اور دادا کا نام مولوی سید عبداللہ غزنوی ہے، امرتسر کے باشندہ تھے، آپ کے دادا مولانا سید عبداللہ علمائے اہل حدیث میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور صاحب کرامات بزرگ تھے، آپ کا خاندان سادات ہے، آباؤ اجداد غزنوی سے امرتسر آکر آباد ہو گئے تھے، اس لئے غزنوی کہلاتے تھے، دادا محترم نے لاہور میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا تھا، اس میں تاحیات خدمت انجام دی، دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہوئی، مولانا کا انتقال غالباً دسمبر ۱۹۶۳ء میں ہوا (جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۲۲ بروایت مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر جماعت اہل حدیث مغربی پاکستان گوجرانوالا)

۳- آپ مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے چچا زاد بھائی تھے، سلسلہ نسب یہ ہے: مولوی اسماعیل ولد مولوی عبدالماجد ولد مولوی عبداللہ غزنوی، آپ امرتسر سے لاہور چلے گئے تھے، ۱۹۳۷ء کے بعد سیاسیات سے الگ ہو گئے تھے، حکومت حجاز سے آخر تک تعلق رہا، آپ کی دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہوئی، انتقال غالباً ۱۹۶۲ء میں ہوا، (جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۲۲ بروایت مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر جماعت اہل حدیث مغربی پاکستان گوجرانوالا)

۲۵ - مولانا آزاد سبحانی

۲۶ - مولانا محمد عبداللہ صاحب^۱

مجلس تاسیس میں حضرت مولانا محمد سجاد کی شرکت کا معاملہ

یہ فہرست (حضرت مولانا محمد سجاد کا استثناء کر کے) سہان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کی مرتب کردہ رپورٹ مختصر حالات انعقاد جمعیت علماء ہند سے لی گئی ہے، مولانا شاہ محمد عثمانی کی کتاب 'حسن حیات' اور مولانا حفیظ الرحمن واصف دہلوی خلف الرشید حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کی کتاب 'جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ' میں بھی یہ فہرست اسی طرح موجود ہے، اور ان حضرات نے بھی یہ فہرست مولانا احمد سعید دہلوی کی مذکورہ بالا کتاب ہی سے لی ہے۔^۲

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس رپورٹ میں شرکاء کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کا نام موجود نہیں ہے، اور اسی بنا پر یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا سجاد صاحب اس اجلاس میں شریک نہیں تھے، جیسا کہ مولانا حفیظ الرحمن واصف لکھتے ہیں کہ:

'مختصر حالات انعقاد میں جن علماء کرام کی موجودگی ظاہر کی گئی ہے ان کی تعداد پچیس ہے لیکن ان کے علاوہ دو حضرات ایسے بھی ہیں جن سے ہم کسی طرح صرف نظر نہیں کر سکتے، ایک مولوی مظہر الدین ایڈیٹر الامان دوسرے حضرت ابوالحاجن مولانا محمد سجاد قدس سرہ (نائب امیر الشریعہ صوبہ بہار)

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب قدس سرہ المتوفی ۱۸ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ بمقام پھلواری شریف گرچہ اس موقع پر دہلی تشریف نہیں لاسکے مولانا عبدالحکیم گیلادی جو ان کے خاص شاگرد اور معتمد رفیق کار تھے، ان کے نمائندے اور قائم مقام کی حیثیت سے خلافت کانفرنس کی شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے تھے اور جمعیت کی تاسیس والے اجتماع میں بھی شریک ہونے تھے لیکن ابتدائی تحلیل میں مولانا سجاد کا عظیم الشان کردار ہے۔'^۳

۱- مختصر حالات انعقاد جمعیت علماء ہند ص ۵ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ناظم اول جمعیت علماء ہند، محبوب المطابع دہلی ۱۳۶۸ھ حسن حیات ص ۳۸ مرتبہ شاہ محمد عثمانی ۱۳۶۸ھ جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۴۴ مرتبہ مولانا حفیظ الرحمن واصف ۱۳۶۸ھ حیات سجاد میں ۱۰۱ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلوی۔ البتہ یہاں یہ ضابطہ ضروری ہے کہ آخر الذکر حیات سجاد کے علاوہ اول الذکر تینوں کتابوں میں شرکاء کی فہرست میں حضرت مولانا سجاد کا نام نہ درج نہیں ہے، بلکہ صرف آپ کے نمائندہ اور کلیم مولانا عبدالحکیم کا نام ذکر کیا گیا ہے، جب کہ خود مولانا احمد سعید دہلوی (مرتب حالات انعقاد جمعیت علماء ہند) نے ہی حیات سجاد میں اپنے مضمون میں مولانا سجاد کی شرکت کا تذکرہ کیا ہے، اس لئے دونوں قسم کے تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے اس فہرست میں مولانا سجاد کا نام بھی شامل کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

۲- جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۴۵ مرتبہ مولانا حفیظ الرحمن واصف

۳- جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۴۹، ۵۰۔

مولانا حفیظ الرحمن واصف صاحب ایک دوسری جگہ اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۹۱۹ء میں جب علماء کے اجتماع بمقام دہلی کا منصوبہ طے پایا، تو حضرت مولانا سجاد صاحب بہار کے سیاسی معاملات میں ایسے الجھے ہوئے تھے کہ ایک دن کے لئے بھی باہر نہیں جاسکتے تھے مجبوراً اپنی جگہ پر مولانا عبد الحکیم صاحب کو اپنا پیام اور مشورہ دے کر بھیجا اس کے بعد آخری دم تک جمعیت علماء ہند کے ہر اہم معاملے میں حضرت مولانا خود شریک ہوتے رہے۔^۱

مولانا واصف صاحب نے اس کی تائید میں سبحان الہند مولانا احمد سعید دہلوی صاحب کا ایک بیان بھی نقل کیا ہے کہ:

”دہلی میں اس وقت خلافت کانفرنس کی شرکت کے سئے اگرچہ بہت علماء آئے تھے مگر ہماری میٹنگ میں صرف اتنے ہی علماء شریک ہوئے، جتنے رپورٹ مطبوعہ میں درج ہیں۔“^۲

حضرت سبحان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کی شہادت

لیکن حضرت سبحان الہند کا یہ بیان خود انہی کے ایک مضمون سے جس کا ذکر اوپر حیات سجاد کے حوالے سے آیا ہے، شک کے دائرہ میں آجاتا ہے، یہ مضمون انہوں نے حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کی وفات پر تحریر فرمایا تھا جس میں انہوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ اسی خلافت کانفرنس میں حضرت مولانا سجاد سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے بلکہ جمعیت کی اس تاسیسی نشست میں حضرت مولانا کی تقریر اور اس کی اثر انگیزی کا بھی حوالہ دیا ہے، کہ کوئی آنکھ اور کوئی دل نہیں تھا جس نے اس تقریر کا اثر قبول نہ کیا ہو، اور غالباً اسی لئے یہ ملاقات ان کے لئے ناقابل فراموش بن گئی تھی، مولانا احمد سعید صاحب رقمطراز ہیں کہ:

”مولانا مرحوم سے سب سے پہلی ملاقات یہاں تک مجھے یاد ہے، خلافت کانفرنس میں ہوئی یہ خلافت کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی اسی خلافت کانفرنس میں بعض اہل علم نے یہ مشورہ کیا کہ ہندوستان کے علماء کی تنظیم ہونی چاہئے، چنانچہ علماء کی ایک مختصر اور مخصوص جماعت کا خفیہ اجتماع دہلی کے مشہور بزرگ سید حسن رسول نما کی درگاہ پر منعقد ہوا اس میں تمام حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے اس جلسہ میں ایک مختصر تقریر فرمائی تھی، اس تقریر کا ایک ایک لفظ مولانا کے بہ بات ایران کا ترجمان تھا، حاضرین کی تعداد اگرچہ دس

۱- جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۶۔

۲- حسن حیات ص ۵۰۔

بارہ آدمیوں سے زیادہ تھی، لیکن کوئی آنکھ اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے اثر قبول نہ کیا ہو۔^۱

اسی طرح جمعیت علماء ہند کے پہلے اجلاس امرتسر کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس کا پہلا جلسہ امرتسر میں خلافت کانفرنس کے ساتھ منعقد ہوا۔ جمعیت کے اس پہلے اجلاس میں

بھی حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد مرحوم شریک ہوئے اور انہوں نے اپنے خیالات کا پھر اعادہ

فرمایا۔“^۲

بالشبہ مولانا احمد سعید دہلوی کو مولانا سجاد کے ساتھ جو گہری وابستگی تھی اور اس دن کی لذت

تقریر کا جس انداز میں انہوں نے ذکر کیا ہے اس کے پیش نظر کم امکان ہے کہ اس بیان میں

مولانا سے سہو ہوا ہو، اسی مضمون میں مولانا احمد سعید صاحب حضرت مولانا سجاد سے اپنی بے پناہ

عقیدت و محبت اور وسیع تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا محمد سجاد مرحوم سے جیسا کہ میں نے عرض کیا، ۱۹۲۰ء سے میرے تعلقات وسیع ہوئے

اور ان تعلقات نے اتنی محبت اور وسعت پیدا کر لی، کہ بلاشبہ اگر ان تعلقات کو باپ بیٹے کے

تعلقات سمجھا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ مولانا محمد سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اور میں بھی

ان کی عزت اور ان کا احترام باپ کی طرح کرتا تھا۔ اور بعض جگہوں میں میں نے ان کی موجودگی

میں ان تعلقات کا اظہار بھی کیا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے خدام میں مجھ سے زیادہ کوئی ان

کا راز دار نہ ہوگا۔ سفر و حضر میں مولانا سے عدا ہاں تبادلہ خیالات کا موقعہ میسر آیا ہے۔“^۳

☆ اس کانفرنس میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے شریک نہ ہونے کی بات اس لئے بھی غلط

معلوم ہوتی ہے کہ یہ پہلی خلافت کانفرنس تھی، جس میں ہر صوبہ کے ذمہ دار شریک ہوئے تھے، اور

تحریک خلافت کی بناء و قیام میں حضرت مولانا سجاد کا جو بنیادی کردار رہا ہے، وہ صوبہ کے ذمہ دار بھی

تھے، اس کے پیش نظر ناممکن ہے کہ وہ اس اہم ترین بنیادی مجلس سے غیر حاضر رہے ہوں۔

☆ جہاں تک مولانا حفیظ الرحمن واصف کے اس خیال کا تعلق ہے کہ ”حضرت مولانا محمد سجاد صاحب

بہار کے سیاسی معاملات میں اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ خود شریف نہ لاسکے۔“ - بظاہر اس خیال میں

کوئی معنویت نظر نہیں آتی کیونکہ اس وقت تک بہار میں نہ امارت شرعیہ قائم ہوئی تھی اور نہ مسلم انڈی

پنڈٹ پارٹی، ان دنوں مولانا کی تمام مصروفیات تحریک خلافت یا انجمن علماء بہار کے

۱- دیات سجاد ص ۱۰۱ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلوی۔

۲- دیات سجاد ص ۱۰۱ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلوی۔

۳- حیات سجاد ص ۱۰۳ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلوی۔

گرومر کوڑ تھیں، ان کی ساری توانائی انہی کی ترقی و توسیع کے لئے صرف ہو رہی تھی، اس لئے یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں کہ دہلی میں انہی دونوں (خلافت کانفرنس اور مجلس تاسیس جمعیت) کے مرکزی پروگرام ہوں اور آپ ان میں شریک نہ ہوں۔

رپورٹ مختصر حالات انعقاد جمعیت علماء ہند پر ایک نظر

جہاں تک اس مطبوعہ رپورٹ کی بات ہے جو مولانا احمد سعید دہلویؒ ہی کے قلم سے مختصر حالات انعقاد جمعیت علماء ہند کے نام سے جمعیت علماء کے ابتدائی دنوں میں شائع ہوئی تھی، تو امکان ہے کہ نام کے اندراج میں سہو ہوا ہو، اس لئے کہ ساری کاروائی خفیہ اور زبانی تھی، یہاں تک کہ دعوت نامہ بھی تحریری نہیں تھا، مولانا حفیظ الرحمن واصفؒ نے خود حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ:

”یہ سب کاروائی زبانی اور ہدایت تھی کوئی تحریری دعوت نامہ نہیں تھا۔ اس عہد و پیمان میں کون کون حضرات شریک تھے اب سب کے نام یاد نہیں ہیں ہاں مولانا عبدالمباری، مولانا منیر الزماں، مولانا آزاد سمیانیؒ کی موجودگی تو یاد ہے۔ احتیاط اس قدر مد نظر تھی کہ کسی صاحب نے اٹھائے گفتگو میں انگریزوں کے خلاف کوئی بات کہی تو مولانا خاتمہ اللہ نے فرمایا، بھئی ذرا آہستہ بولنے دیوار ہم گوشہ دارد۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پہلی میٹنگ کا کوئی تحریری ریکارڈ تیار ہی نہیں کیا گیا تھا، اور مذکورہ بالا مطبوعہ رپورٹ محض حافظہ کی بنیاد پر بعد میں تیار کی گئی تھی، اس لئے سہو و نسیان کا پورا امکان موجود ہے، اور وہ بھی جب کہ اکثر غیر شناسا چہروں سے سامنا ہو، تو نسیان کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے۔

☆ اس رپورٹ کا نقص اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جمعیت علماء ہند کے پہلے اجلاس امرتسر کے شرکاء کی جو فہرست اس میں دی گئی ہے اس میں بھی حضرت مولانا سجاد کا نام موجود نہیں ہے، حالانکہ اسی رپورٹ میں جمعیت علماء ہند کی پہلی مجلس منتظمہ کی فہرست میں صوبہ بہار کی طرف سے حضرت مولانا سجاد کا اسم گرامی شامل کیا گیا ہے، حیرت کی بات ہے کہ جو شخص نہ پہلی مجلس تاسیس میں شریک ہو اور نہ جمعیت کے اجلاس اول میں موجود ہو، مگر اس کا نام جمعیت کی سب سے پہلی، بنیادی اور اہم ترین مرکزی مجلس منتظمہ میں شامل کر لیا جائے؟

یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ رپورٹ نقص اور سہو سے پاک نہیں ہے۔

۱۹۱۹ء رپورٹ کے نقض کا ایک اور مظہر یہ ہے کہ اس میں شرکاء اجلاس امرتسر (بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء جلسہ اول) کی جو فہرست اسماء حاضرین کے عنوان سے دی گئی ہے اس میں خود حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کے ہم وطن حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب جمعی مشہور زمانہ شخصیت کا نام بھی شامل نہیں ہے۔^۱ جب کہ حکیم صاحب امرتسر میں موجود تھے اور آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت بھی کی تھی۔^۲ اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں بھی شریک رہے، اور ان کو حلقہ دہلی سے پہلی مجلس منتظمہ کا رکن منتخب کیا گیا، خود اس رپورٹ میں آگے جلسہ کی کارروائی کی تفصیل کے ضمن میں شق نمبر ۹ کے تحت لکھا گیا ہے:

”مولانا محمد بنایت اللہ صاحب نے اغراض و مقاصد کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ اس کے بعد جناب حاذق الملک حکیم جافو محمد اجمل خان صاحب جلسے میں تشریف لائے اور آپ نے انعقاد جمعیت سے اپنا ولی اتقاقی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جمعیۃ علماء کے انعقاد سے بہت خوش ہوا ہوں۔ (مغرب کے وقت یہ جلسہ ختم ہوا)۔“^۳

یہاں یہ تاویل درست نہ ہوگی کہ حکیم صاحب دیر سے تشریف لائے تھے، اس لئے کہ حکیم صاحب اس دن کے جلسہ کی کارروائی میں شریک رہے، اور یہ رپورٹ تو بعد میں شائع ہوئی، اسماء حاضرین کی فہرست میں حکیم صاحب کا نام اندراج سے رہ جانا یقیناً اس رپورٹ کا ایک نقص ہے جس کو سو اور تسامح ہی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۱۹۱۹ء نیز مرتب رپورٹ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی جب خود وضاحت کے ساتھ دہلی اور امرتسر دونوں جگہوں پر حضرت مولانا سجاد کی شرکت کا اعتراف کرتے ہیں، بلکہ آپ کی تقریروں کے حوالے بھی دیتے ہیں، تو کچھ سی رپورٹ کی غلطی خود اس کے مرتب ہی کے قلم سے ثابت ہو جاتی ہے، اور چونکہ حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا مضمون تاریخی لحاظ سے اس رپورٹ سے متاخر ہے اس لئے اصول کے مطابق یہ اس رپورٹ میں یک گونہ اضافہ اور سابقہ غلطی کی اصلاح تصوری جائے گی۔

۱۹۱۹ء علاوہ اصول تاریخ و روایت کے مطابق کسی شے کا ذکر اور اثبات اس کے بارے میں سکوت پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کہ سکوت میں جس طرح عدم کا احتمال ہے اسی طرح یہ بھی شبہ ہے کہ اندراج سے رہ گیا ہو، عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا، جب کہ اثبات میں اس طرح کا کوئی

۱۔ مکتبہ دارالافتاء جمعیتہ علماء ہند ص ۶۔

۲۔ ملا حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۔

۳۔ مکتبہ دارالافتاء جمعیتہ علماء ہند ص ۱۱۰۔

شبہ نہیں ہوتا۔ گوکہ حضرت مولانا سجاد حسینی اہم ترین شخصیت کا نام اندراج سے رہ جانا بجائے خود حیرت انگیز امر ہے، لیکن بہر حال کہیں نہ کہیں حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے قلم سے سہو ضرور ہوا ہے، لیکن عام اصول رد و قبول اور دیگر تاریخی شواہد کے مطابق وجود کو عدم پر اور ذکر کو عدم ذکر پر ترجیح دی جائے گی۔

جمعیتِ علماء ہند کی تشکیل اور عہدِ یداران کا انتخاب

بہر حال اسی اجتماع میں جمعیتِ علماء ہند کی تشکیل عمل میں آئی اور عہدِ یداران کا بھی عارضی انتخاب ہوا، جمعیت کا صدر دفتر مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا کمرہ مقرر کیا گیا، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ عارضی صدر اور حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ عارضی ناظم بنائے گئے، جمعیت کی دستور سازی کا کام مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا محمد اکرام خان کلکتہ کے سپرد کیا گیا، اور جمعیتِ علماء ہند کا پہلا اجلاس مولانا ابوالوفائے اللہ امرتسری اور مولانا سید محمد داؤد صاحبان کی دعوت پر اسی سال دسمبر کے مہینے میں بمقام امرتسر کرنا منظور کیا گیا جس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلیؒ کا اسم گرامی تجویز کیا گیا، اور جمعیت کے دستور اساسی کا مسودہ تیار کرنے کی ذمہ داری مولانا محمد اکرام خان ایڈیٹر اخبار محمدی کلکتہ اور مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کو دی گئی اور یہ بھی طے ہوا کہ اسی جلسہ میں یہ دستور اساسی بھی غور و خوض کے لئے پیش کیا جائے، ان تجاویز کی منظوری کے ساتھ جمعیتِ علماء ہند کا یہ تاسیسی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔^۱

حسن انتخاب

عہدوں کی یہ تقسیم میرے خیال میں بڑی حکمتوں پر مبنی تھی، جمعیت کے صدر اور ناظم دونوں حلقہ دیوبند سے مقرر کئے گئے، حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ گوکہ اس تحریک کے سب سے قدیم رکن تھے لیکن ان حضرات نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا، غالباً ایک تو حلقہ دیوبند کی قوت عمل اور دائرہ اثر کی بنا پر۔ دیوبند اور تحریک شیخ الہند کا پورا پس منظر ان حضرات کے سامنے تھا، اور تمام تر فردی اختلافات کے باوجود شرکاء مجلس کو یقین تھا کہ اگر علماء دیوبند کسی تحریک کے لئے سرگرم ہو جائیں تو اس کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں، یہ علماء دیوبند کو تحریک سے

۱۔ مختصر حالات انعقاد جمعیتِ علماء ہند ص ۵۲۲ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ناظم اول جمعیتِ علماء ہند، محبوب المطالع دہلی، حسن حیات ص

جوڑنے کی حکمت عملی کا بھی حصہ تھا۔

☆ دوسرا بڑا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دہلی میں دفتر کے لئے کوئی اپنی جگہ نہیں تھی، اور نہ اتنا سرمایہ کہ جس سے دفتر کی جگہ حاصل کی جاسکے، جب کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری ثم دہلویؒ اور حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ دونوں دہلی ہی میں رہتے تھے، اس لئے یہ حضرات اپنی جگہوں پر رہتے ہوئے بغیر کسی بڑے خرچ کے جمعیت کے کاموں کو آگے بڑھا سکتے تھے، چنانچہ مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا کمرہ ایک عرصہ تک جمعیت کے دفتر کے طور پر استعمال ہوتا رہا اور صدر عالی قدر اپنے کمرہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دفتری سرگرمیاں انجام دیتے رہے، مولانا احمد سعید صاحبؒ کو کہ جوان العمر تھے، لیکن صدر صاحب کی نگرانی میں امور نظامت بخوبی انجام دے سکتے تھے، ناظم کا ذہنی طور پر صدر سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ بہت سی تنظیمی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں، مولانا احمد سعید صاحب صدر محترم کے ہم مسلک بھی تھے، اور شاگرد بھی ۲، اس لئے حسن استواری کے ساتھ تنظیم کا کام آگے بڑھ سکتا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مسلسل بیس سال تک دونوں بزرگوں کے عہدوں کی یہ رفاقت برقرار رہی، اور جمعیت تیز رفتار ترقی کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ اس لئے میرے نزدیک اکابر جمعیت کا یہ انتخاب 'حسن انتخاب' کا مصداق تھا۔



۱- کفایت المفتی ج ۱ ص ۸ مطبوعہ کراچی۔

۲- کفایت المفتی ج ۱ ص ۹ مطبوعہ کراچی۔

فصل چہارم

جمعیت علماء ہند - تفکیر سے تاسیس تک

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ اس کا روانہ قدس کے پہلے مسافر

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ایک نظرباب تک کے پس منظر پر ڈال لیں، یہ پورا پس منظر بتاتا ہے کہ جو خواب حضرت مولانا محمد سجادؒ نے ۱۹۱۷ء سے قبل دیکھا تھا اس کی تکمیل جہد مسلسل کے بعد ۱۹۱۹ء میں ہوئی، اور جس ”جمعیت علماء“ کی سنگ بنیاد بہار میں ڈالی گئی تھی، اسی کی توسیع دو سال کے بعد جمعیت علماء ہند کی شکل میں دہلی میں ہوئی، اگر جہد مسلسل کے ساتھ ابتدائی فکر و تخیل اور عملی آغاز کو بھی ہم رشتہ کیا جائے، اور جس طرح حضرت مولانا سجاد صاحب عرصہ تک کل ہند سطح پر اس کے قیام کے لئے کوشاں رہے، لوگوں سے مراسلتیں کیں، ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں کے اسفار کئے، ملک کی اکثر سرکردہ شخصیتوں سے بلا امتیاز مسلک و شرب رابطے کئے، طرح طرح کے سوالات و جوابات کا سامنا کیا، تو حضرت مولانا سجاد جمعیت علماء کے بانیوں کی صف اول میں نہیں بلکہ بانی اول اور محرک اول نظر آتے ہیں، یہ آپ ہی کی شخصیت تھی جن کی قوت انجذاب اور علمی و عملی طاقت نے ملک کے مختلف المشرب اور متنوع الانخیال علماء، مشائخ، دانشوروں، اور اداروں کو ایک مرکز اتفاق پر جمع کر دیا تھا، ورنہ حالات اور مسائل نے شخصیتوں، علمی مراکز، دینی اداروں اور روحانی خانقاہوں کے درمیان اسنے فاصلے پیدا کر دیئے تھے، کہ ان کو پاٹنا، دوریوں کو نزدیکیوں میں تبدیل کرنا اور اختلافات کو ختم کئے بغیر محض کلمہ کی بنیاد پر اتفاق قائم کرنا آسان نہ تھا، یہ حضرت ابوالحسنؒ ہی کی شخصیت تھی جن کو من جانب اللہ یہ توفیق میسر ہوئی، جو اس ہمالیائی چوٹی کو سر کرنے میں کامیاب ہوئے، اور جنہوں نے یہ کانٹوں بھرا تاج اپنے سر پر رکھا، انہوں نے ایک ایک ساتھی کو آواز لگائی اور جب کہیں سے کوئی جواب نہ ملا تو رفقاء سفر کی پرواہ کئے بغیر تنہا اس راہ پر خار پر چل پڑے، اور پھر۔۔۔ کارواں بنا گیا، بقول شاعر:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ ہوتے گئے اور کارواں بنا گیا

جمعیتہ علماء ہند کا اصل بانی کون؟ تحقیق و تنقیح

در اصل یہ سوال پچھلی کئی دہائیوں سے متجسس دماغوں میں گردش کر رہا ہے کہ اس کاروانِ قدس کا اولین علمبردار کون تھا؟ یہ ایک فطری سوال ہے، جو تاریخ کے طالب علم کے سامنے رہ رہ کر کھڑا ہوتا ہے، مولانا حفیظ الرحمن واصف صاحب نے بھی یہ سوال اٹھایا ہے، لکھتے ہیں:

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جمعیتہ کا قیام یا انعقاد جن پچیس علماء کی موجودگی میں ہوا کیا یہ سب کے سب اس کے بانی ہیں، بانی تو دراصل ایک ہی ہوتا ہے یہ بات ناممکن نہ سہی لیکن عام تجربہ اور مشاہدہ کے تو خلاف ہے، کہ ایک خیال اتنے کثیر اشخاص کے دماغ میں بیک وقت پیدا ہو جائے، اور سب کے سب ایک ہی خیال کو لے کر بیک وقت ایک جگہ مجتمع ہو جائیں۔ یہ ایک قدرتی سوال تھا جو راقم الحروف کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا اور اس وقت حضرت والد ماجد وفات پا چکے تھے۔“

ظاہر ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب تو اسی وقت مل سکتا تھا جب ابتدائی دنوں اس کی رپورٹ شائع ہوئی تھی، اس وقت تمام اصحاب معاملہ اور عینی مشاہدین موجود تھے، مگر ان دنوں مصلحت کی چادر اتنی دبیز اور حالات اس قدر نازک تھے کہ کسی ایک شخص کے سر اس اقدام کی ذمہ داری ذاتی نہیں جاسکتی تھی، اس لئے مولانا احمد سعید دہلویؒ کی پہلی مطبوعہ رپورٹ میں اس اقدام کو پوری جماعت کی طرف منسوب کر دیا گیا تاکہ کوئی ایک شخص کسی آزمائش کا شکار نہ ہو اور اجتماعی طاقت کے ساتھ یہ کام آگے بڑھ سکے، یہ مصنعت خود حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے حوالے سے مولانا واصف صاحب نے نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

”مختصر حالات انعقاد — میں کسی شخص واحد کا نام ظاہر نہیں کیا تھا جس اتنا لکھا ہے کہ تمام علماء موجودین نے ایک جگہ منعقد کیا جس میں صرف حضرات علماء ہی شریک ہوئے یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ کسی کی دعوت پر یہ جلسہ منعقد ہوا تھا یا خود بخود ایک ہی جگہ ایک ہی مقصد لے کر سب اکٹھے ہو گئے تھے راقم الحروف نے (مولانا احمد سعید دہلویؒ سے) سوال کیا کہ آپ نے جو انعقاد جمعیتہ کے مختصر حالات شائع کئے تھے اس میں یہ تفصیل کیوں نہیں دی گئی ہے؟ فرمایا، میاں! دکھانا یہی تھا کہ یہ جمعیتہ کسی شخص واحد نے نہیں بنائی بلکہ بہت سے مختلف الخیال علماء نے مل کر اپنی متفقہ رائے سے بنائی ہے، اور بھنی عہد و پیمان والی بات تو ویسے بھی کھولنے والی بات نہیں تھی۔“

۱- جمعیتہ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۰، ۵۱۔

۲- جمعیتہ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۰، ۵۲۔

یعنی رپورٹ کا یہ انداز اس وقت کے حالات کے تناظر میں مصلحتاً محض دکھانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا، ورنہ حقیقت میں اس فکر کا اولین داعی کوئی نہ کوئی شخص واحد ضرور تھا، جس کو اس وقت ظاہر نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن وہ شخصیت کون تھی؟ جس نے ساری زندگی اپنے آپ کو پردہ راز میں رکھا، مولانا واصف صاحب کے الفاظ میں:

”اصل بانی و مؤسس جو کوئی بھی تھا وہ معاملے کی پیچیدگی اور علماء کی نازک مزاجی کو سمجھتا تھا۔ اور وہ اس جماعت کو مسلمانوں کی ایک متحدہ طاقت بنانا چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ جماعت کسی ایک گروہ کی طرف منسوب ہو کر رہ جائے ورنہ دوسرے مکاتیب خیال کے علماء ذوق و حقوق کے ساتھ جماعت میں شامل نہیں ہو گئے، ان وجوہ کی بنا پر بانی نے عمر بھر اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیا، اور اپنے نام کا پردہ پیچھے نہیں کیا، طرف کی یہ گنجائش کیا قابلِ داد نہیں ہے؟“

مشکل یہ ہے کہ جب اس سوال کا جواب دینے والے اصل لوگ موجود تھے تو حالات مناسب نہیں تھے اور جب حالات معمول پر آئے تو وہ لوگ رخصت ہو گئے، اس لئے بعد کے ادوار میں اس سوال کا صحیح جواب نہیں دیا جاسکا، مختلف حلقوں کی جانب سے مختلف قیاسات اور دعویٰ پیش کئے گئے، مثلاً:

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ؟

☆ مولانا واصف صاحب نے بعض رپورٹوں اور بیانات کی بنیاد پر یہ خیال پیش کیا ہے کہ اس جماعت کے اصل داعی اور بانی ان کے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ ہیں۔^۱

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ؟

☆ فرنگی محل حلقہ سے مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور مولانا قطب الدین عبدالوہابی فرنگی محلیؒ کا (بھی تقریباً) دعویٰ یہ ہے کہ:

”حضرت مولانا عبدالباریؒ نے خدام کعبہ، خلافت کبلی اور جمعیت علماء کاسنگ بنیاد رکھا اور یہ ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ جمعیت العلماء اور خدام کعبہ کے بانی اور مؤسس حضرت استاذ ہی تھے۔“^۲

نیز حسرة الافاق میں لکھتے ہیں:

۱- جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۴۔

۲- جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۰، ۵۱، ۵۲۔

۳- جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۲، ۵۳ بحوالہ تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۱۱۱۔

”امرتسرچھ کر مولانا موصوف (حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ) نے ان علماء سے جو تمام ہندوستان سے وہاں جمع ہوئے تھے، مشورہ کیا اور پہلے پہل علماء کی سیاسی انجمن ”جمعیت علماء قائم ہوئی۔“

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری؟

☆ حلقہ اہل حدیث مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ کی ایک تحریر کی بنیاد پر مولانا امرتسری کو اس کا بانی تصور کرتا ہے، مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ کا ایک مضمون اخبار اہل حدیث میں شائع ہوا تھا، اس میں وہ لکھتے ہیں:

”دہلی میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا جس میں میں بھی شریک تھا، بعد فراغت خاص احباب کی مجلس میں میں نے یہ تحریک کی کہ ہمیشہ کے لئے علماء کی ایک جماعت منظم ہونی چاہئے، اس جلسہ میں مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے علاوہ اور کئی اصحاب میرے ہم رائے شریک تھے انہوں نے میری تائید کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیت العلماء کا ایک نام ساڈھانچہ تیار ہو گیا جس کے صدر مولانا کفایت اللہ صاحب اور ناظم مولوی احمد سعید صاحب مقرر ہوئے۔ یہ بھی جمعیت العلماء کی پہلی میٹنگ اور پہلا ریزولوشن جو دراصل آئندہ کے لئے ایک بنیادی پتھر تھا۔“

اس طرح تین حلقوں سے تین مختلف دعاوی سامنے آ گئے، اس کی تطبیق مولانا واصف صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے اپنے حلقے میں یہ تحریک چلائی اور قیام جمعیت کے لئے اس کو ہموار کیا:

”بظاہر ان تینوں بیانوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اور وجہ توافقی ان میں یہ ہے کہ ایک طبقے کو حضرت مولانا عبد الباریؒ نے ہموار کیا، اور ایک طبقہ کو مولانا ثناء اللہ نے منہ کالا اور خلوص ولہیت کے ساتھ سب کو ایک پلیٹ فام پر جمع کر دیا۔“

مولانا واصف صاحبؒ نے تین میں سے صرف دو حلقوں کا ذکر کیا ہے، تیسرا طبقہ حلقہ دیوبند ہے جس کی قیادت ابتدا سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کر رہے تھے، اس طرح مولانا واصف صاحب کے تجزیہ کے مطابق حلقہ وار تین الگ الگ بانی قرار پاتے ہیں، لیکن وہ سوال اب بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ اس مختل کا اولین داعی کون ہے جس نے ان طبقات سے بالاتر ہو کر سب سے پہلے اس فکر کی تخم ریزی کی؟

۱- حیرۃ ال آفاق بوفاء مجمع الاخلاق (سوانح حیات حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ) ص ۲۶ مؤلف جناب مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: اشاعت العلوم برقی پریس فرنگی محل قاصو، بن تصنیف ۱۹۲۹ء۔

۲- جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۳، اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء۔

۳- جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۳۔

مفکر اسلام ابوالحسن حضرت مولانا محمد سجادؒ - بانی اول

انجمن علماء بہار (جمعیت علماء بہار) کے قیام (۱۹۱۷ء) کے پس منظر سے لے کر جمعیت علماء ہند کی تاسیس (۱۹۱۹ء) تک کی جو تفصیل تاریخی حوالوں اور عینی مشاہدین کے بیانات کی روشنی میں پہلے آچکی ہے اس کی روشنی میں حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجادؒ کے اسم گرامی کے علاوہ اس سوال کا کوئی دوسرا جواب نہیں ہو سکتا۔ تاریخی اعتبار سے اس تنظیم کا پہلا تصور، پھر تحریک و دعوت اور پھر پہلا عملی اقدام صرف حضرت مولانا سجادؒ کے یہاں ملتا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے بیان کے مطابق حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب کو یہ خیال پیدا ہوا کہ پہلے ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوا، مولانا قطب الدین عبدالولی فرنگی محلیؒ کے مطابق حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی اس فکر کا سررشتہ اجلاس انجمن مؤید الاسلام لکھنؤ (۱۹۱۸ء) سے ملتا ہے، اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی تحریک اجلاس دہلی (نومبر ۱۹۱۹ء) سے وابستہ ہے۔ جبکہ حضرت مولانا سجادؒ کے یہاں یہ تخیل ۱۹۱۷ء سے بھی قبل سے پایا جاتا ہے، اور ایسا نہیں تھا کہ مولانا کے ذہن میں صرف علماء بہار کی تنظیم کا محدود تصور تھا، بلکہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے کہ مولانا نے ۱۹۱۷ء سے قبل پہلے پورے ملک کا دورہ کیا تھا، علماء اور مشائخ سے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کی تھیں، اور ان کو علماء کی کل ہند تنظیم قائم کرنے کی دعوت دی تھی، اور پھر انجمن علماء بہار کی صورت میں پہلا عملی نمونہ بھی قائم کر دیا تھا، مولانا نے انجمن علماء بہار کے جلسوں میں پورے ملک سے نمائندہ شخصیتوں کو بلایا، اس طرح مولانا کی یہ تحریک پورے ملک میں بہت جلد متعارف ہو گئی اور کل ہند جمعیت کے قیام کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔

پھر جب کل ہند جمعیت علماء ہند کی تاسیس ہوئی تو راجح قول کے مطابق اس جلسہ میں بھی خود بنفس نفیس تشریف لے گئے اور تحریک و عمل میں پیش پیش رہے، اور اگر بالفرض مولانا کی خود شرکت کسی مجبوری کی بنا پر نہ بھی ہو (جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے) تو آپ نے مولانا عبدالکلیم صاحب کو اپنا قائم مقام بنا کر اور پیام دے کر بھیج دیا تھا، علاوہ انجمن علماء بہار کے دیگر ممبران بھی شریک ہوئے تھے حضرت مولانا کی نمائندگی اور ابتدائی تخیل میں تو کسی صاحب علم کو کام نہیں ہے، مولانا و اصف صاحب لکھتے ہیں:

۱- جمعیت علماء ہند تاریخی تبصرہ ص ۵۱۔

۲- جمعیت علماء ہند تاریخی تبصرہ ص ۷۲۔

۳- جمعیت علماء ہند تاریخی تبصرہ ص ۵۳۔ بحوالہ انہار اہل حدیث امرتسر ۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء۔

”حضرت مولانا محمد سجاد قدس سرہ (المتوفی ۱۸ شوال ۱۳۵۹ھ بمقام پھلواری شریف) اگرچہ اس موقع پر وہی تشریف نہیں لاسکے۔ مولانا عبدالحکیم مجاوی جو ان کے خاص شاگرد اور معتمد رفیق کار تھے ان کے نمائندے اور قائم مقام کی حیثیت سے خلافت کانفرنس کی شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے تھے، اور جمعیت کی تائیس والے اجتماع میں بھی شریک ہوئے تھے، لیکن ابتدائی تشکیل میں مولانا سجاد کا بھی عظیم الشان کردار ہے۔“

تاریخی طور پر حضرت مولانا سجاد سے قبل ہندوستان کے کسی بھی خطہ و حلقہ میں اس فکر و دعوت کی بازگشت سنائی نہیں دیتی، پس مولانا سجاد ہی حقیقت میں جمعیت علماء ہند کے اولین داعی و بانی قرار پاتے ہیں۔

مکتوب سجاد سے رہنمائی

اس کی سب سے بڑی سند خود صاحب واقعہ حضرت مولانا محمد سجاد کا وہ مکتوب گرامی ہے جو انہوں نے امارت شرعیہ کی تشکیل و تحریک کے موقع پر علماء و مشائخ بہار کے نام لکھا تھا، جس میں انہوں نے اپنے دل کا درد کھول کر رکھ دیا ہے، مکتوب میں اپنے ماضی کے تجربات سے سبق حاصل کرتے ہوئے قیام جمعیت کے اس مشکل اور دشوار ترین سفر کا حوالہ دیا ہے، جو امارت شرعیہ کی اگلی منزل کے لئے نظیر بن سکتا تھا، مولانا نے اس میں یہ خیال پیش فرمایا ہے کہ جس طرح جمعیت علماء ہند جمعیت علماء بہار کے پس منظر سے نکل کر وجود میں آئی، اسی طرح ان شاء اللہ امارت شرعیہ بہار کے بطن سے آئندہ امارت شرعیہ ہند بھی جنم لے گی، حضرت مولانا کے مکتوب کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے، اور ان سطور کے پس منظر میں ذوق کرپور سے تاریخی منظر نامہ کو دھیان میں رکھئے:

”غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ جس زمانہ میں جمعیت علماء بہار جن اغراض و مقاصد کو لے کر قائم ہوئی، وہ سر زمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیت تھی، اس وقت علماء کرام اقدام سے گھبراتے تھے حتیٰ کہ خود ہمارے صوبہ کے بہترے علماء کرام پس و پیش میں مبتلا تھے، مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے اقدام و جرات کا کیا نتیجہ برآمد ہوا کہ آخر میں اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیت علماء قائم ہو گئی، اور وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا، کس طرح کافور ہو گیا، پس اسی طرح بہت ممکن ہے کہ بلکہ ظن غالب ہے کہ صوبہ بہار میں اسی کام کے انجام پانے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ تمام صوبوں میں امیروں کا انتخاب جلد از جلد عمل میں آئے گا، اور جس طرح جمعیت علماء ہند بعد میں قائم ہوئی اسی طرح امیر الہند بھی

آخر نہایت آسانی کے ساتھ منتخب ہو جائے گا۔^۱

اس مکتوب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحب کے نزدیک جمعیت علماء بہار ہی جمعیت علماء ہند کا نقطہ آغاز تھی، اور ظاہر ہے کہ مولانا سجاد صاحب کے غلط کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ جس شخص نے ہر جگہ اپنے آپ کو مٹایا اور دوسروں کو بڑھایا، اور جس کے صدق و اخلاص کی دشمنوں نے بھی قسمیں کھائیں، ظاہر ہے کہ وہ خلاف واقعہ تنازعہ ادعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔

علماء اور دانشوروں کی شہادتیں

علاوہ اس کی شہادت وقت کے دیگر اکابر اور حالات اور پس منظر سے براہ راست واقفیت رکھنے والے علماء اور دانشوروں نے بھی دی ہے، جن میں اکثر شیعہ نہیں ویدہ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں بعض صراحت کے ساتھ ہے اور بعض اشاراتی زبان میں، مثلاً:

☆ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی جو جمعیت علماء کے پورے پس منظر سے نہ صرف واقف تھے، بلکہ اس کے ابتدائی پروگراموں میں شریک بھی رہے تھے، تحریر فرماتے ہیں:

”اس وقت تک دلی کی جمعیت العلماء کا خواب بھی نہ دیکھا گیا تھا۔ طے ہوا کہ صوبہ بہار کے علماء کو پہلے ایک نقطہ پر متحد کیا جائے، پھر بتدریج اس کا دائرہ بڑھایا جائے۔ دلی میں بہار والی جمعیت، جمعیت العلماء ہند کے نام سے چمکی، اور ایسی چمکی کہ ایک زمانہ تک کم از کم مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا وہ ایسا ممتاز ادارہ رہا جس کا مقابلہ مدت تک کوئی اسلامی سیاسی ادارہ نہ کر سکا، حالانکہ غدقت کانفرنس کا بڑا زور تھا لیکن گیارہ کے میدانوں میں آ کر دنیا نے تماشا کیا کہ جس جمعیت کی بنیاد بہار میں رکھی گئی تھی، وہ بھی ایک خالص ہندو شہر اور بودھ شہر مرکز میں، ایک ایسے روشن چراغ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئی تھی، کہ اس کے سامنے کانگریس کا آفتاب، اور خلافت کا مابتاب بھی شرمانے لگا، اور اس کا اعتراف اپنوں، غیروں سبھوں نے کیا اسی کا اعتراف نہیں، بلکہ اس کا بھی کہ مارے ہندوستان کا سب سے نمایاں اجلاس جمعیت علماء گیارہ کا اجلاس تھا، اور جمعیت علماء گیارہ کا اجلاس صرف ایک واحد شخصیت (حضرت مولانا سجاد) کی عملی قوتوں کا مظہر تھا جس کے معنی یہی ہونے کہ اس وقت مارے ہندوستان کی بڑی نمایاں ہستی حضرت مولانا محمد سجاد کی تھی، جمعیت علماء اس کے بعد بھی بڑھتی رہی، چمکتی رہی، لیکن جانتے والے جانتے ہیں کہ صرف گیارہ کا اجلاس نہیں، بلکہ جمعیت کے چلتے اجلاس ہوتے رہے اس کی بولنے والی روح وہی خاموش زبان تھی، جو زندگی میں بھی خاموش رہنے کے باوجود سب سے زیادہ بولنے والی تھی۔“^۲

۱- مکتوب سجاد دلی ۱۳، ۱۴۔

۲- حیات سجاد ۵۱ تا ۵۵ ارقمات گیارہ۔

مولانا شاہ محمد عثمانی گینا کے رہنے والے تھے، ان کا پورا خاندان حضرت مولانا سجاد صاحب اور جمعیت علماء ہند سے وابستہ تھا، بڑی حد تک انہوں نے اس زمانہ کے منظر کو یاد رکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

”مولانا نے جمعیت علماء ہند کی طرح کل جہد امارت شرعیہ کے قیام کی کوشش کی، اور جس طرح ان کو جمعیت علماء بہار قائم کرنی پڑی، اسی طرح ان کو پسے امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کا نظام قائم کرنا پڑا۔ گویا مولانا ابوالحسن سجاد جمعیت علماء اور امارت شرعیہ دونوں کے بانی ہیں۔ یعنی ان ہی کی فکر کی بنیاد پر دونوں جماعتوں کا مہم جواری“

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی^۲ نے برہان میں حضرت مولانا سجاد کی وفات پر ایک زبردست مضمون لکھا تھا، بہت اہل علم کو اس مضمون کی خبر ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”۱۵ء میں حضرت شیخ انبند اپنے چند خادموں سمیت مدہ معظمہ چلے گئے اور وہاں سے گرفتار کر کے مالانہاں نفر بند کر دیے گئے تو مولانا ابوالحسن نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کر کے علماء و صوفیاء اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلانیں اور ان کو تحریک آزادی میں شریک ہونے پر آمادہ کیا۔ ۱۷ء میں مدرسہ انوار العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ نے جمعیت علماء بہار کی طرح ڈال، آپ کے اتباع میں دوسرے سو بہت سے علماء نے بھی اس طرف توجہ کی اور صوبائی جمعیت العلماء قائم کر کے اپنی تنظیمی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔“^۳

ظاہر ہے کہ جس کی اتباع کی جائے گی وہی اس کا اصل بانی قرار پائے گا۔ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی امارت شرعیہ کے پس منظر کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”آپ کے اولیاء زمانہ قوت فیصلہ نے آپ کے قلب میں اس ارادہ کو راسخ کر دیا کہ علماء کی جمعیت کی طرح بغیر کسی انتظار و تعویث کے امارت کے مسئلہ کی بنیاد بھی پہلے صوبہ بہاری میں رکھی جائے۔“

اور اس سلسلہ کی ایک اہم ترین داخلی شہادت مولانا عظمت اللہ علیج آبادی کی ہے، جس کو خود دفتر جمعیت علماء ہند کی توثیق حاصل ہے، اس لئے کہ مولانا عظمت اللہ علیج آبادی کی کتاب حیات سجاد

۱۔ مولانا نے ہجری ۱۳۶۰-۱۳۵۹ء تک حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد و مفتی شاہ محمد عثمانی۔

۲۔ حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی ولادت ۱۲۰۸ھ (۱۸۲۶ء) آگرہ میں ہوئی، دہلی و مدینہ کے فاضل، نہایت ذہین و فطین عالم اور مشہور متکلف ہیں، مدوۃ مصنفین کے بابوں میں سے ہیں، اس کے سوا آگرہ کے جیشہ سرور نے مجلس شوری دارالعلوم دیوبند کے رئیس تھے، مسیحیوں کی سرکوبی کے شعبہ دینیات کے ناظم ہوئے، پھر صدر شعبہ ہو کر مرغانہ ہوئے، پھر دہلی کو کراچی چلے گئے، دہلی میں ۲۰ مئی ۱۹۸۵ء مطابق ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ میں انتقال فرمایا، آپ کی کتابوں میں صدیق اکبر، امیر توحید، عثمان ذوالنورین، اور عثمان اسلام، مشہور ہیں، (تذکرہ مشاہیر ہند کا روحان رفیع ص ۱۰۹)

۳۔ برہان دہلی، ج ۱، ص ۱۵۰-۱۵۱

۴۔ تاریخ امارت ص ۵۷۔

(مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء ہند نائب امیر شریعت کے مختصر حالات) مولانا عبدالحمید صدیقی ناظم جمعیتہ علماء ہند^۱ کے حسب ارشاد شائع ہوئی تھی، اس کتاب کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ حضرت مولانا سجاد پر لکھی جانے والی دستیاب تحریرات میں یہ سب سے قدیم ترین تحریر ہے، یہ پہلے مضمون کی صورت میں حضرت مولانا سجاد کے وصال کے معاً بعد اخبار دینہ میں شائع ہوئی تھی، بعد میں اس کو کتابی شکل دی گئی، اور خود ناظم جمعیتہ علماء ہند مولانا عبدالحمید صدیقی صاحب نے اسے اہتمام کے ساتھ شائع کرایا، مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ”محاسن سجاد“ اس کے بعد شائع ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ محاسن سجاد میں مولانا عبدالحمید اوگانوئی کے مضمون میں اس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے۔^۲

مولانا عظمت اللہ صاحب ملیح آبادی نے نہ صرف حضرت مولانا محمد سجاد کو جمعیتہ علماء ہند کے بانیوں میں شمار کیا ہے، بلکہ آپ کو واضح الفاظ میں ”بانی اول“ قرار دیا ہے، مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی کے مختصر کتابچے کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

”یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک میں یا خیر خواہی اور وفاداری تھی یا خاموشی تھی یا گوشہ نشینی تھی، مولانا نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا، علماء صوفیاء اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلانیں، لوگ آپ کے مخلصانہ جذبات اور فداکارانہ عمل کو دیکھ کر تحریک حریت میں شریک ہوئے۔ اس وقت تک ہندوستان میں علماء کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا۔ دہمہاء میں جماعتی زندگی کا احساس تھا پوری فضا نے ہندو تنظیم علماء کی تحریک سے خاموش تھی، مولانا کو علماء کی جماعتی زندگی کا خیال آیا اور ۱۹۱۷ء میں مدرسہ انوار العلوم کے سالانہ اجلاس کے موقع پر جمعیتہ العلماء بہار کی طرح ڈالی، اس کے دیکھنا دیکھی دوسرے صوبوں میں بھی جمعیتہ علماء قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی فضا تحریک آزادی کی پکار سے گونج رہی تھی، عام سیاسی حالات جلد بدل رہے تھے، قومی حقوق کے تحفظ اور ملک کی آزادی کا سوال اہمیت اختیار کر رہا تھا، انفرادی اور شخصی رائے کی کوئی حیثیت نہ رہی تھی، ان ہنگامہ خیز حالات اور حریت پرور فضا میں علماء نے اپنی مرکزیت اور اجتماعی زندگی کی ضرورت کو محسوس کیا، مولانا جو اس تحریک کے بانی

۱- مولانا عبدالحمید صدیقی ملیح آبادی لکھنؤ کے رہنے والے تھے، اپنے دور کے مشہور علماء میں تھے، عربی زبان کے ادیب اور اہل زبان کی طرح عربی بولتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب مدرسہ میں جواز کانفرنس ۱۹۲۳ء میں ہوئی تو جمعیتہ علماء ہند کے وفد میں ان کو خاص طور پر شامل کیا گیا، جمعیتہ علماء ہند کے چوٹی کے رہنماؤں میں تھے، اور اس کے ناظم عمومی بھی رہے، بھارت میں خطیب تھے، ایک زمانہ تک مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شعبہ عربی کے استاذ رہے، جنگ آزادی کے دور میں اپنی تقریروں کی بنا پر کئی بار گرفتار کئے گئے، اور جیل گئے، حافظ قرآن تھے اور قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے، ہر سال دہلی کی سنہری مسجد میں تراویح سناتے تھے، سیاسی ہنگامہ آرائیوں نے ان کو معاش کی طرف سے کبھی مطمئن نہیں ہونے دیا، وفات کی تاریخ کا علم نہ ہو سکا (تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفیع ص ۱۶۰ مؤلفہ مولانا نظام الدین امیر اوروی)

۲- محاسن سجاد ص ۲۳، ۲۴۔

اول تھے ان نازک حالات میں جمعیت علماء ہند کے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح ہندوستان کے تمام علماء نے ایک مرکز پر جمع ہو کر ملک و ملت کی خدمت کا تجربہ عہد کیا، ہندوستان کے مسلمانوں کی توجہ عام طور پر اب جمعیت علماء کی طرف ہو گئی۔ لوگ جمعیت علماء کے فیصلوں کے متقرر ہونے لگے۔ ۱۹۲۰ء میں جمعیت علماء ہند کا اجلاس دہلی میں ہوا جس کے صدر حضرت شیخ الہند تھے، اس جلسہ میں ہندوستان بھر سے بہت بڑی تعداد میں علماء شریک ہو گئے تھے۔^۱

نیز اس بات کا برملا اعتراف جمعیت علماء ہند کے اس تاریخی اجلاس میں بھی کیا گیا جس میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، اور جس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد نے کی تھی، اور جس میں جمعیت علماء ہند اور ملک کی ذمہ دار ہستیاں موجود تھیں، اس اجلاس اور تاریخ ساز اجلاس میں صدر مجلس استقبالیہ مولانا سید شاہ حافظ حبیب الحق سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل نالاب پٹنہ نے اپنے خطبہ استقبالیہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

”سب سے پہلے اسی صوبہ کے علماء چونکہ غفلت سے ہوشیار ہوئے، اور جمعیت علماء کی بنیاد ڈالی، کچھ سے ہونے شیرازہ کا استحکام شروع کیا۔ ہماری اصلاح کی طرف مخاطب ہوئے، حالات موجودہ پر غور و فکر کی تدبیریں نکالیں، اس طرح اب امیر شریعت کے لئے بھی سب سے پہلے یہی صوبہ آگے بڑھا، خدا اسے کامیاب کرے۔“^۲

ظاہر ہے کہ بہار میں جمعیت علماء کی بنیاد حضرت مولانا محمد سجاد نے ہی ڈالی تھی، یہ گویا پورے مجمع کی طرف سے حضرت مولانا سجاد کے بانی جمعیت ہونے پر خاموش اجتماعی شہادت تھی۔

مولوی سید مجتبیٰ آرگنائزر محکمہ دیہات سدھار بہار لکھتے ہیں:

”جمعیت علماء ہند کی تاریخ امارت شرعیہ سے اس طرح وابستہ ہے جیسے دو تو آم ہستیاں۔ اور اس رشتہ اتحاد خیال و عمل میں بھی صرف ایک واحد روح سرایت کر رہی تھی۔ ران تمام شمعون ماضیہ میں بس ایک روح بنوہ فرما تھی، اور وہ روح سجادہ تھی۔“^۳

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”یہ مولانا ہی کی قوت جاوہر تھی جو مختلف الحیال علماء اور مختلف الرائے سیاسی رہنماؤں اور قومی کارکنوں کو ایک ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کئے اور ایک شیرازہ میں ہاندھے ہوئی تھی۔“^۴

۱- حیات ابوالفتح بنی، مکتبہ المدینہ، لاہور، ص ۲۵۲۔

۲- حیات ابوالفتح بنی، مکتبہ المدینہ، لاہور، ص ۱۳۵۔

۳- محاسن سجادہ ص ۷۷ بحوالہ جمعیت علماء ہند پر تاریخی تصدیق۔

۴- حیات ابوالفتح بنی، مکتبہ المدینہ، لاہور، ص ۸۵۔

☆ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو انسانوں کی منتشر صلاحیتوں کو سمیٹنے میں کیسا کمال حاصل تھا، اور سب کو لے کر چلنے کی ان میں کیسی صلاحیت تھی؟ اور کس طرح مختلف المزاج اصحاب کمال کو انہوں نے جمعیت سے وابستہ کیا، اور جمعیت کے خلاف کوئی طوفان اٹھا تو مضبوط چٹان بن کر اس کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، جمعیت کے پروگراموں میں شریک ہونے والے مولانا امین احسن اصلاحی سے اس کی تفصیل سنئے:

”دوسری خوبی جو اس محبت میں سمجھ میں آئی، وہ ان کی رواداری اور فیاضی تھی، میں ان کو ایک مخصوص جماعت کا آدمی سمجھتا تھا، لیکن اس ملاقات میں میں نے محسوس کیا کہ ان کے دماغ کی طرح ان کا دل بھی بہت کشادہ ہے، وہ کسی خاص دائرہ کے اندر بند نہیں ہیں، وہ سب کے ساتھ اور سب سے الگ ہیں، ان کی اس خوبی نے میرے دل کو جیت لیا اور میں نے یقین کر لیا کہ اسی چیز کے اندر ان کی تنظیمی قابلیت کارا از منہر ہے۔“

جمعیت علماء کے جو طے گذشتہ چند سالوں کے اندر ہوئے ہیں، ان میں سے بعض میں مولانا کی دعوت پر میں شریک ہوا، ان جلسوں کی مخالفت میں جو ہنگامے اٹھے ان کے تصور سے روٹ گئے کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ تو مخالفین کی خوش تمیزیاں ایسی ہولناک شکل اختیار کر لیتی تھیں، کہ آدمی کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ جائے یا دامن امید، اور ظاہر ہے کہ ان تمام یورشوں کا اصلی نشانہ ہم از کم موبہ بہار میں مولانا کی ذات تھی، مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولانا ان ہنگاموں سے ایک لمحہ کے لئے بھی بے حوصلہ یا بے صبر ہوتے ہوں، ان کا دماغ ہمیشہ پرسکون اور دل ہر حالت میں مطمئن رہتا تھا۔“

☆ اور تکنیکی طور پر ایک بڑی دلیل یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ جب حضرت مولانا سجاد کا وصال (۱۸/شوال المکرم ۱۳۵۹ھ) ہوا تو جمعیت علماء ہند کی طرف سے ایک سے زائد بار تجاویز تعزیت منظور کی گئیں، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جمعیت علماء ہند کی ایٹیل پر پورے ملک میں ۲۸/شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو ’یوم سجاد‘ منایا گیا۔^۲

یہ وہ اہم خصوصیت ہے جو حضرت مولانا سجادؒ کے علاوہ اکابر جمعیت میں سے کسی شخصیت کو حاصل نہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ امتیاز مولانا کے اصل بانی جماعت ہونے کی طرف مشیر ہے۔

۱- محاسن سجاد ص ۵۱، ۵۲۔

۲- اندراج روزنامہ شمع اللہ یث مولانا محمد زکریا کا دھلوئی ماخوذ از مضمون مولانا نور الحسن راشد کا دھلوئی تذکرہ ابوالحسن ص

☆ اور اسی لئے تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ارشاد فرمایا:

”کہ جمعیت علماء کی خدمات دراصل مولانا سجاد کی خدمات ہیں۔“

علماء دیوبند کی نمائندگی

کوئی شبہ نہیں کہ علماء دیوبند نے جمعیت علماء ہند کی سب سے زیادہ طویل مدت تک اور سب سے مؤثر قیادت کی ہے، لیکن ابتدائی دور میں ان کی نمائندگی برائے نام تھی، شروع میں کئی چھوٹے بڑے اجتماعات ہوئے لیکن ان میں سوائے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے علماء دیوبند میں سے کوئی شریک نہیں ہوا، بقول مولانا حفیظ الرحمن واصف صاحب خلف رشید حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی:

”یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس اجتماع میں جمعیت کی تاسیس ہوئی، اس میں دیوبندی گروپ میں کوئی صاحب شامل نہیں ہوئے پھر امرتسر میں جو پہلا اجلاس بصدارت حضرت مولانا عبد الباقی فرنگی محلی منعقد ہوا اس میں بھی کوئی صاحب شریک نہیں ہوئے اس جلسے میں حضرت شیخ الہند کی عدم رہائی پر اضطراب کا اظہار کیا گیا، اور دوسرے کو اس مقصد سے تیار کیا گیا۔“

پھر ۲ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں خاص اجلاس بصدارت حضرت مولانا تاج محمد صاحب سندھی منعقد ہوا۔ جس میں دو مولانا شریک تھے، اس میں مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا عزیز گل صاحب شریک ہوئے، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی باوجودیکہ مان سے واپس آچکے تھے مگر اس جلسہ میں شریک نہ تھے اور مولانا موسوی توحید صاحب شیخ الہند کی خفیہ تحریک میں بھی شریک نہ تھے، (نقش حیات ج دوم ص ۲۱۵) حضرت اقدس کے ساتھ عقیدت و محبت اور ان کی خدمت کی آرزو آپ کی اسیری کا سبب بنی، (سفر نامہ اسیر مالانہ طہوہ اسرار پرکس دہلی ص ۴۱ اور حیات شیخ الہند طہوہ قاسمی ص ۴۹، اور رسالہ شیخ الہند مؤلف مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب ص ۲۴) اس خاص اجلاس میں ترک موالات کی تجویز اور دہلی میں ہونے والے دوسرے اجلاس جمعیت کے لئے حضرت شیخ الہند کی صدارت کی تجویز پاس ہوئی۔

(اخبار زمانہ کلکتہ شمارہ ۵ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء)

غرض کہ حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری سے قبل دیوبندی گروپ کو جمعیت علماء ہند سے کوئی دلچسپی نہ تھی، حالانکہ جمعیت کوئی خفیہ یا باغیانہ تحریک نہ تھی، اور اس کی رکنیت میں کوئی خطرہ نہ

تھا لیکن یہ حضرات حضرت شیخ کی گرفتاری کے بعد سے شاید بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے، جب حضرت رہا ہو کر تشریف لائے، اور اس وقت کے تمام بڑے بڑے ہندو مسلم لیڈروں نے بمبئی میں آپ کا استقبال کیا تو آپ کو ہندوستان کے سیاسی حالات اور تحریک خلافت کا علم ہوا (نقش حیات ج ۲ ص ۲۴) اور جب آپ کو بتایا گیا کہ علماء نے بھی جمعیت علماء ہند کے نام سے اپنی ایک تنظیم قائم کی ہے تو آپ نے بے انتہا مسرت اور قلبی توجہ و شغف کا اظہار فرمایا، اور ارکان جمعیت کی تحسین اور حوصلہ افزائی فرمائی، اور حضرت کے بعض شاگرد جن کی مقبولیت و شہرت کی وجہ سے جمعیت علماء کو خاص تقویت کی امید تھی، جب بالکل یکسوئی اور بے تعلقی کے ساتھ شرکت سے غلجہ اور مجتنب رہے تو آپ کو نہایت حسرت ہوئی، اور غایت افسوس کے ساتھ اپنے ایک ہم نام الدآبادی کی زبان سے گویا یہ فرمایا:

کسی کامیری بزم غم سے اے محمود یوں اٹھ کر
قیامت ہے شریک محفل اغیار ہو جانا

(حیات شیخ الہند مولفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب ص ۱۲۳) ۱۴

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلکتہ کے اجلاس خصوصی سے قبل حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سوائے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے کوئی شریک نہیں ہوتا تھا، حضرت شیخ الہند کی ترغیب اور دوسرے اجلاس عام کی صدارت قبول کرنے کے بعد رفتہ رفتہ جمعیت علماء ہند میں علماء دیوبند کی تعداد بڑھتی چلی گئی، اور پھر وہی غالب ہو گئے۔

ہندوستان کی ملی تحریکات کا فکر شیخ الہند سے رشتہ

البتہ اس موقع پر اس تاریخی حقیقت کا اعتراف بھی کیا جانا چاہئے کہ جمعیت علماء ہند جن عظیم مقاصد کے تحت قائم ہوئی، ان مقاصد پر صرف ہندوستان نہیں بلکہ عالمی سطح پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی مساعی جلیلہ برسوں قبل سے جاری تھیں، حضرت شیخ الہند کی خفیہ تحریک ریشمی رومال کے مقاصد میں خلافت اسلامیہ کا احیاء، مقامات مقدسہ کا تحفظ اور ہندوستان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانا شامل تھا، اور حضرت کی یہ تحریک عالمی پیمانہ کی حامل تھی، اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو خود انگریزوں کے بقول ”سمندر بھی کسی انگریز کو پناہ نہیں دے سکتا تھا“ ۱۵ لیکن قبل از وقت راز فاش ہو جانے کی بنا پر تمام منصوبے بکھر گئے اور اسی جرم کی پاداش میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو گرفتار کر کے

۱- جمعیت علماء ہند کی تاریخ ص ۲۹-۳۰

۲- تحریک خلافت ص ۱۷۷ میں عباسی۔

کالا پانی بھیج دیا گیا۔

اس لحاظ سے فکرِ جمعیت کی جڑوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے فکر و عمل کی حرارت محسوس ہوتی ہے، اسی لئے جب حضرت شیخ الہندؒ کو اسارتِ مالٹا سے واپسی پر قیامِ جمعیت کی اطلاع ملی اور آپ نے اپنے تلامذہ و معتقدین کو جمعیت سے وابستگی کی تلقین فرمائی تو ان حضرات کو محسوس ہوا کہ جمعیتِ علماء ہند بھی گویا فکرِ شیخ الہندؒ ہی کا عکس جھیل ہوا، چنانچہ جمعیتِ علماء ہند گیا کے اجلاس چہارم (جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۲ء) میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندؒ نے اپنے خطبہٴ صدارت میں حضرت شیخ الہندؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

”حضراتِ علماء کرام و امناء اسلام! علماء کے اندر اس حرکت کے بانی مہبانی قافلہ سالار علماء راسخین و سرخیل فقراء زاہدین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ کی ذاتِ بابرکات ربی، ہندوستان میں جس قدر مذہبی سرگرمی ہے اس کے محرکِ اول حضرت مولانا علیہ الرحمۃ تھے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے مولانا کی تحم ریزی کے ثمرات ہیں، اس کے علاوہ مولانا کے فیوضِ علمی و عملی سے دنیا مالا مال ہے، علماء کی کوئی مجلس ایسی نہیں جس میں حضرت مولانا کے تلامیذ و مستفیدین کی بڑی جماعت موجود نہ ہو۔“^۲



۱- جمعیتِ علماء پر تہِ رنجی تبصرہ ص ۴۸، ۴۹، بحوالہ حیاتِ شیخ الہند مولفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب ص ۱۲۳۔

۲- خطبہٴ صدارتِ اجلاسِ جمعیتِ علماء ہند ص ۴۵ مولانا حبیب الرحمن عثمانی، طبع قادی دیوبند۔

فصل پنجم

جمعیت علماء ہند اور حضرت ابوالحسنؒ - منزل بمنزل

جمعیت علماء ہند کا پہلا اجلاس

جمعیت علماء ہند کا پہلا اجلاس مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری اور مولانا سید محمد داؤد کی دعوت پر امرتسر میں ہوا، جس کی پہلی نشست بتاریخ ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء بعد نماز عصر امرتسر اسلامیہ ہائی اسکول کے وسیع ہال میں ہوئی، اس میں تقریباً باون علماء شریک ہوئے، اجلاس کی صدارت حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے فرمائی، جس کی تحریک مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے پیش کی اور اس کی تائید قاضی حبیب اللہ صاحبؒ اور مولانا فاخرالہ آبادیؒ نے کی۔

اور دوسری نشست ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء زیر صدارت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ منعقد ہوئی، جس میں مختلف مسلک و مشرب کے تیس (۳۰) علماء شریک ہوئے اور کئی تجاویز منظور کی گئیں۔

تیسری نشست ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۲۰ء ہوئی اور اس کی صدارت بھی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ہی فرمائی، جس میں چوبیس (۲۴) علماء شریک ہوئے، اس نشست میں جمعیت کا دستور اساسی پیش کیا گیا، اور مجلس منتظمہ کی تشکیل کی گئی۔^۱

اسی موقع پر خلافت کمیٹی کا اجلاس بھی ہوا، جس کی صدارت مولانا شوکت علیؒ نے کی، انڈین نیشنل کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا، جس کی صدارت پنڈت موتی لال نہرو نے کی، اور مسلم لیگ کا اجلاس بھی ہوا، جس کی صدارت مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحبؒ نے کی۔^۲

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحبؒ نے بھی اس میں قائدانہ شرکت فرمائی، اور مجمع کو اپنے افکار عالیہ سے مستفید فرمایا، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ لکھتے ہیں:

”جمعیت علماء کے اس پہلے اجلاس میں بھی حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد مرحوم شریک ہوئے،

۱۔ مختصر حالات انعقاد جمعیت علماء ہند ص ۶ تا ۱۴ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷ مرتبہ مولانا مفتی محمد میاں صاحب۔

۲۔ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷۔

اور انہوں نے اپنے خیالات کا پھر اعادہ فرمایا۔^۱

اس اجلاس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کی رہائی سے متعلق بھی ایک تجویز منظور کی گئی، اسی اجلاس میں جمعیت علماء کا دستور اساسی بھی پیش کیا گیا، طے پایا کہ علماء کی رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے دستور کو شائع کر دیا جائے،^۲ اور آئندہ سال (۱۹۲۰ء) دہلی میں اجلاس عام ہو اور اس میں لوگوں کی آراء کے ساتھ یہ دستور پیش کیا جائے، اسی اجلاس کے موقع پر جمعیت علماء کی ایک مجلس منظمہ تشکیل دی گئی، جس میں مختلف عاقول اور حلقوں کے لحاظ سے درج ذیل حضرات کے اسماء گرامی شامل کئے گئے:

دہلی: - مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، حکیم اجمل خان۔

یوپی: - مولانا عبدالمجید بدایونی، مولانا سید محمد فخران آبادی، مولانا سلامت اللہ، مولانا حسرت موہانی، مولانا مظہر الدین۔

بنگال: - مولانا محمد اکرم خان (کلکتہ)، مولانا منیر الزماں اسلام آبادی (چانگام)

بہار: - مولانا ابوالحاجی محمد سجاد، مولانا رکن الدین صاحب دانا، مولانا خدا بخش مظفر پوری۔

سندھ: - پیر تراب علی، مولانا عبداللہ، مولانا محمد صادق۔

پنجاب: - مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید محمد داؤد، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔

ممبئی: - مولانا عبداللہ، مولانا عبدالمنعم، مولانا سیف الدین، حکیم یوسف اصفہانی۔^۳

اجلاس اول کے بعد ماحول سازی پر خصوصی توجہ

جمعیت علماء ہند کے اجلاس اول کے بعد حضرت مولانا سجاد خاموش نہیں بیٹھ گئے، ابھی بہت کام باقی تھے، اور سب سے اہم کام جمعیت علماء کے تعلق سے ماحول سازی، غلط فہمیوں کا ازالہ اور نفرت و تعصب کا خاتمہ تھا، اور وہ کام حضرت مولانا سجاد ہی کر رہے تھے اور کر سکتے تھے، چنانچہ مولانا عبدالصمد رحمانی نے روئیداد جمعیت کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”جمعیت کا زیادہ وقت اجتماع علماء میں صرف کیا گیا۔ پھر مولانا رونٹھے ہوئے کو منانا اس

- حیات سجاد ۱۰۲، مضمون مولانا احمد سعید دہلوی۔ عجیب بات ہے کہ مولانا احمد سعید دہلوی کی مرتب کردہ مصیبت رپورٹ میں اس موقع پر بھی حضرت مولانا ابوالحاجی محمد سجاد کا نام نہ لکھا گیا ہے، جب کہ شریک مجلس متذکرہ میں آپ کا نام ملتا ہے، علامہ حضرت مولانا سجاد کی وفات پر خود مولانا احمد سعید دہلوی کے لکھے ہوئے مضمون میں مجلس امرتسری میں آپ کی شرکت اور خطاب کا ذکر کیا گیا ہے، اس صرح مولانا ہی کے قلم سے اس کے ہونے کا کافی ہوگی۔ جمعیت علماء ہند کی پہلی مجلس متذکرہ کی تفصیل امرتسری میں ہوئی تھی، اس مجلس کے لئے حضرت مولانا سجاد کے اسم گرامی کا انتخاب آپ کی موجودگی و تقویت دیتا ہے۔

- دو پہل دستور اساسی: مختصر حالات انعقاد جمعیت عامہ ہند میں ص ۱۶ تا ۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔

- مختصر حالات جمعیت علماء ہند میں ص ۱۳ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید۔

غرض کے لئے سفر کرنا، مکالمہ، مراسلہ، مذاکرہ، غرض اہم کانی ذرائع استعمال کئے گئے، جب
جا کر جمعیت علماء ہند ان مواعید پر غالب آئی جو علماء کی مقدس جماعت کے ساتھ مخصوص ہیں۔^۱

کلکتہ میں جمعیت علماء ہند کا اجلاس خاص

دہلی کے اجلاس عام کی تاریخ ۹ تا ۱۹ رجب الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء
مقرر کی گئی تھی، مگر اس سے قبل جمعیت علماء ہند کا ایک خصوصی اجلاس ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۳۸ھ مطابق
۶ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں زیر صدارت حضرت مولانا سید تاج محمود صاحب سندھی منعقد ہوا، جس میں
پورے ملک سے تقریباً دو سو علماء کرام نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا سجاد بھی شریک تھے،^۲ اس
اجلاس سے قریب دو ماہ پیشتر کئی سال کی اسارت کے بعد حضرت شیخ الہند رہا ہو کر ہندوستان واپس
تشریف لائے، آپ بمبئی سے ۷ رذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (۳۰ مئی ۱۹۲۵ء) حجاز کے لئے روانہ
ہوئے تھے، پھر ۲۴ رجب المرجب ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۱۶ء کو مکہ مکرمہ سے گرفتار کئے گئے
، اور تقریباً تین برس سات مہینے کی قید و بند کے بعد رہا ہو کر ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق
۸ جون ۱۹۲۰ء کو ہندوستان واپس تشریف لائے، یعنی ہندوستان سے غیر حاضری کی کل مدت چار
سال دس ماہ رہی۔^۳

مسلمانان ہند بالخصوص آپ کے تلامذہ اور متعلقین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، مگر ہندوستان
بچنے تو ان کے مرض الموت کا آغاز ہو چکا تھا، اس لئے سیاسی کاموں یا پروگراموں میں زیادہ شرکت
کا عمل نہیں فرما سکتے تھے، لیکن جب آپ کو جمعیت علماء ہند کے قیام کی اطلاع ملی تو بڑی مسرت کا اظہار
فرمایا،^۴ اور اپنے تلامذہ کو ہدایت کی کہ وہ اس جماعت میں شریک ہوں، چنانچہ کلکتہ کے اجلاس
میں آپ کے تلامذہ میں مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ، اور مولانا عزیز گل صاحب شریک ہوئے،^۵ اس
سے قبل حضرت کے تلامذہ میں سوائے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے کوئی شریک نہیں ہوتا تھا،
حضرت شیخ الہند کی ترغیب اور دوسرے اجلاس عام کی صدارت قبول کرنے کے بعد رفتہ رفتہ جمعیت

۱- تاریخ اہل بیت ص ۱۵، بحوالہ روئےداد جمعیت بابت ۱۳۳۸ھ-۱۳۳۹ھ۔

۲- منتہی نوری علماء ہند ص ۱۳، شرفی مشتاق احمد میرٹھ، مطبع ہاشمی میرٹھ۔

۳- شیخ الہند ص ۱۰، محمود حسن ایک سیاسی مطالعہ ص ۳۸ مرتبہ اکثر ابو سلمان شاہ جہان پوری، مطبوعہ نریب بک، پورہ ۲۰۱۱ء)؛ آتش حیات آپ
میں حضرت شیخ الاسلام مدنی ص ۲۵۳۔ جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۶۲ بحوالہ روئےداد مدرسہ امینیہ، دہلی ۱۳۳۷ھ تا ۱۳۴۲ھ ص ۷۔

۴- جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۲۸۔

۵- لیکن اس اجلاس میں ترک موالات کی تجویز پر دستخط کرنے والے علماء میں بن حضرات کے نام موجود نہیں ہیں، جس سے یہ کہ انہیں دستخط
کا موقع مل سکا ہو، اس لئے کہ رپورٹ کے مطابق رات کے ایک بجے جب مہر فوں کو کھانے کھانے کی مہم شروع ہوئی تو کئی علماء سے
دستخط نہیں لئے جاسکے (منتہی نوری علماء ہند ص ۱۳، ۱۴؛ شرفی مشتاق احمد میرٹھ، مطبع ہاشمی میرٹھ)۔

علماء میں علماء دیوبند کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔

تجویز ترک موالات

اس اجلاس کی دو تجویزیں بڑی اہم تھیں:

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد بھی پہلی بار جمعیت کے اس اجلاس میں شریک ہوئے، انہوں نے ترک موالات کی حمایت میں تجویز پیش کی، جس کی تائید مولانا عبدالصمد بدایونی، مولانا مظہر الدین، اور مولانا محمد عبدالقیوم عرف نور احمد صاحب نے کی، اور باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی۔ اس کے بعد پانچ سو علماء کے دستخطوں سے ترک موالات کا فتویٰ شائع ہوا، یہ فتویٰ یعنی جواب استفتاء حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد نائب امیر الشریعۃ بہار نے تحریر فرمایا تھا۔^۲

ترک موالات کا منشا یہ تھا کہ سرکاری تقریبات میں حصہ نہ لیا جائے، سرکاری ملازمتیں قبول نہ کی جائیں، خطابات واپس کر دیئے جائیں، سرکاری اسکول اور کالج چھوڑ دیئے جائیں، اور اپنے قومی اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کی جائے، برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، اور کوئی انگریزی چیز استعمال نہ کی جائے۔

اس سے قبل خلافت کانفرنس میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے سرکاری جشن فتح کے مقاطعہ کی تجویز پیش کی تھی، جس کی تائید مولانا شاہ ولایت حسین، حاجی موسیٰ خان شیروانی، مولانا محمد داؤد امرتسری، جناب محمد حسین بیرسر میرٹھ، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، سید محمد چھوٹا بیہمی، قاری عباس حسین ایڈیٹر قوم، اور گاندھی جی نے کی تھی۔

جشن فتح کے بائیکاٹ کے لئے ایک فتویٰ بھی شائع کیا گیا تھا، جو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور اس پر مولانا احمد سعید، محمد انیس نگرانی، خواجہ غلام الدین قادری، مفتی بدایونی، مولانا سید فاخر الہ آبادی، سید کمال الدین احمد جعفری الہ آبادی، محمد قدیر بخش، مولانا سید تاج محمود امرتسری، مولانا محمد ابراہیم انجمن اسلامیہ دربھنڈہ، مولانا خدا بخش مظفر پوری، مولانا محمد سلامت اللہ فرنگی محلی، محمد امام صاحبزادہ پیر صاحب العلم سندھ، اسد اللہ حسینی سندھ، مولانا بخش مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر، ابراہیم سیالکوٹی، مولانا عبدالکبیر اوگانوی مدرس دوم مدرسہ انوار العلوم گیا، مولانا محمد صادق کراچی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، سید محمد اسماعیل غزنوی امرتسر،

۱۔ متحدہ فتویٰ علماء ہند ص ۱۶۱ مفتی مشتاق احمد میرٹھ، النبی باغی میرٹھ، جمعیت علماء ہند، تاریخ تیسری ص ۵۸، ۱۹۰۱ء۔ انبار زمانہ کلکتہ شمارہ ۵۷ ص ۱۹۲ء۔

۲۔ جمعیت علماء ہند، تاریخ تیسری ص ۵۸۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور محمد عبداللہ نے دستخط کئے تھے۔^۱

تجویزِ صدارت اجلاس

(۲) کلکتہ کانفرنس کی دوسری تجویز - جو نمبر کے لحاظ سے تجویز نمبر ۶ تھی - یہ تھی کہ:

”جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ جمعیت کا آئندہ اجلاس دہلی میں منعقد کیا جائے اور اس کی صدارت کے متعلق شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قبلہ سے درخواست کی جائے کہ وہ صدارت منظور فرمائیں۔“

چنانچہ اس تجویز کے مطابق حضرت شیخ الہند سے منظوری حاصل کی گئی۔^۲

جمعیت علماء ہند کا دوسرا اجلاس عام دہلی

جمعیت علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس عام دہلی میں (نورسینج یعنی پل بنگش اور بارہ ہندوراؤ کے درمیان) بتاریخ ۷ تا ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء زیر صدارت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی منعقد ہوا، مجلس استقبالیہ کے صدر حکیم اجمل خان صاحب تھے^۳، اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پورے ملک سے علماء کی نمائندگی شامل تھی، بقول مولانا احمد سعید دہلوی ”ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا، جہاں سے علماء تشریف نہ لائے ہوں۔“^۴ پانچ سو سے زائد علماء شریک ہوئے۔ خود جمعیت کی روداد میں اس اجلاس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

”جمعیت علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس ۷، ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں منعقد ہوا، اور خدا کے فضل و کرم سے جس شان و شوکت اور امن و اطمینان سے ہوا، وہ دیکھنے والوں کے دل خوب جانتے ہو گئے ہندوستان، بنگال، سندھ، صوبہ سرحد، غرض کہ ہر گوشہ ملک کے نمائندے علماء کرام موجود تھے، پانچ سو سے زیادہ صرف حضرات علماء شریک جلسہ ہوئے۔“^۵

حضرت شیخ الہند کا قیام ڈاکٹر شوکت انصاری صاحب کی کوشی پر تھا، حضرت شیخ الہند بہت

۱- جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۹، ۶۰ بحوالہ مسئلہ خلافت و جشن صلح مطبوعہ ایڈمنسٹریٹو پریس دہلی۔

۲- حسن حیات ص ۵۱، ۵۲۔ جمعیت علماء ہند کی دوسرا روداد باب ۱۳۳۸ھ و ۱۳۳۹ھ ص ۲۲، ۲۳، فضل الطالع پریس دہلی، نومبر ۱۹۲۱ء۔

۳- حسن حیات ص ۵۳، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی - ایک سیاسی مطالعہ ص ۵۰ مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، جمعیت علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۶۰۔ (نوٹ) واضح رہے کہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی کتاب ”علماء حق و ران کے مجاہدانہ کارنامے“ (ص ۲۱۵) پر تاریخ اجلاس ۲۱ تا ۱۹ اکتوبر درج ہے، جو سب سے صحیح تاریخ ۲۱ تا ۱۹ نومبر ہے۔

۴- حیات سجاد ص ۱۰۳۔

۵- تاریخ امارت ص ۵۲ بحوالہ تہاویز اجلاس دوم۔

زیادہ بیہ رتھے، اس لئے آپ براہ راست شریک اجلاس نہ ہو سکے اور آپ کی صدارت کی نیابت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے انجام دی، خطبہ صدارت بھی آپ کے ایماء پر مفتی صاحب نے ہی تحریر فرمایا تھا، اور انہوں نے ہی اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔^۱

حضرت شیخ الہند مستقل صدر جمعیت علماء ہند

اس جلسہ میں یہ طے پایا کہ حضرت شیخ الہند جمعیت کے مستقل صدر ہونگے، اور مفتی کفایت اللہ صاحب نائب صدر، اور مولانا احمد سعید صاحب مستقل ناظم۔ لیکن اجلاس کے تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ہی ۷ اربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہند کا انتقال ہو گیا، اور مفتی کفایت اللہ صاحب قائم مقام صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ۶ ستمبر ۱۹۲۱ء (۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ) کو لکھنؤ میں تیسرے سالانہ اجلاس تک کے لئے مجلس منتظمہ نے آپ کو صدر مقرر کر دیا، پھر تیسرے سالانہ اجلاس (مقام لاہور، منعقدہ ۱۸ تا ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء) کو آئندہ کے لئے بھی آپ کی توسیع کر دی گئی، اور آپ ۱۹۲۰ء تک جمعیت علماء ہند کے مسلسل صدر رہے۔^۲

ترک موالات پر متفقہ فتویٰ علماء ہند

اس اجلاس میں برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تجویز بھی منظور ہوئی، جس کو حضرت مولانا ابوالحسن محمد حجازی نے مرتب کیا تھا، مولانا احمد سعید دہلوی لکھتے ہیں:

”عدم تعاون کی تجویز کے سلسلے میں جو فتویٰ مرتب کیا گیا۔ اور جس کا نام آگے چل کر پانچ سو (۵۰۰) علماء کا متفقہ فتویٰ ہوا وہ حضرت مولانا ابوالحسن محمد حجازی صاحب کا مرتب کیا ہوا تھا۔ اس فتویٰ سے مولانا کے اس تحریری کا پتہ چلتا ہے۔ جو مولانا کو قدرت کی جانب سے عطا ہوا تھا۔“^۳

۱۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے نقش حیات میں لکھا ہے کہ خطبہ صدارت حضرت کے حکم پر مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا تھا اور اجلاس میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے پڑھ کر سنایا (نقش حیات ج ۲ ص ۹۰ تا ۹۶ اور اشاعت اردو بازار کراچی)۔

لیکن مولانا حفیظ الرحمن واصف صاحب لکھتے ہیں کہ:

”مفصل روئے کار وائی اجلاس دوم دہلی جمعیت علماء ہند قس غیر مطبوعہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، حضرت شیخ الہند کے مطبوعہ خطبے کے فائل پر بھی لکھا ہے کہ ”مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نائب صدر جمعیت نے پڑھ کر سنایا“ اور مولانا احمد سعید دہلوی نے ۱۳۳۹ھ تا ۱۳۴۲ھ تک ۸ مرتبہ اس کا ذکر ہے، مولانا مدنی سے تسامع ہو گیا ہے، یہ غلط فہمی ثابت ہوئی، کہ ۹ ربیع الاول کے آخری اجلاس میں مولانا شبیر احمد صاحب نے ترک موالات پر ایک طویل مضمون پڑھا کرنا یا تھا۔“ (جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۶۱)

۲۔ حسن حیات ص ۵۳۔

۳۔ دیات حجاز ص ۱۰۲۔

مولانا شاہ محمد عثمانی صاحب کا بیان ہے کہ:

”اس فتویٰ سے عام مسلمان جوش سے بھر گئے، برطانوی مالوں کا مقلعہ ہوا، اسکول اور کالج چھوڑ دیئے گئے، لیکن سرکاری ملازمتوں سے کم لوگ دستبردار ہوئے، جیسا کہ اکبر الہ آبادی نے لکھا ہے:

کوچہ سروں انگلش میں رہے ہم ساکن

ہاؤ وز رہی کی تمنا میں کئے زیرت کے دن

وعظ گاندھی میں بدل سکتے ہیں کیوں کر باطن

عمر ساری تو کئی عشق بیتاں میں مومن

آخری وقت میں کیا ناک مسلمان ہوں گے

سرکاری خطابات بھی بہت کم لوگوں نے واپس کئے، جیسا کہ اکبر نے طنز کیا ہے:

مذہب واپس خیال جنت واپس

مذہب کا وہ حق وہ نذر دعوت واپس

حضرت نے صاف کبہ یا سب کہ میں

کرنے کا نہیں خطاب و خلعت واپس

در اصل بڑے بڑے زمینداروں کے بچے اور بڑے بڑے سرکاری عہدہ دار تحریک سے کم متاثر ہوئے، چنانچہ ہمارا غیور شاعر لکھتا ہے:

بہت ایسے ہیں جو ترک تعاون کے بھی قائل ہیں

مگر اونچے جو ہیں اکثر خوف انگلش کے مال ہیں

یہ لوگ تحریک کی مخالفت کرنے لگے اور کہا کہ یہ ہندوؤں کی سازش ہے اور مولانا لوگ نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال کی تردید اکبر نے یوں کی ہے:

مولانا میں غرض ہے نہ سازش کی ہے گاندھی نے

چلایا ایک رخ کو فقہ مغرب کی آمدھی نے

یعنی مغرب کی مسلم دشمنی اور ایشیا کو غلام بنانے کی کوشش نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کر دیا، سودیشی تحریک پر اکبر یہ کہتے ہیں:

تحریک سودیشی پر مجھے وجد ہے اکبر

کیا خوب یہ نغمہ ہے چہر اریس کی دھن میں

مولانا سجاد کی تقریر بے نظیر

جمعیت علماء ہند کا ایک تاریخی جگہ تاریخ ساز اجلاس تھا، جو ملک کی آزادی اور مسلمانوں کی حیثیت فی کے لئے سنگ میں ثابت ہوا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب جو اجلاس کے روح رواں اور جمعیت کا دماغ تھے ان کی قمری اور نمئی صداقتوں کے جوہر بھی اس موقع پر خوب کھلے، یقیناً اجلاس عام میں بھی آپ نے اظہار خیال فرمایا: ”وگا، نیکن مولانا احمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ”جمعیت علماء کے اس تاریخی اجلاس کی بحیثیت کئی میں بھی مولانا نے ایک تقریر فرمائی تھی اور وہ تقریر اپنی آپ ہی نظیر تھی۔“

امیر الہند کی تجویز

حضرت مولانا سجاد کی کوشش تھی کہ اسی اجلاس میں نصب امیر کا مسئلہ بھی حل کر لیا جائے، اور امیر الہند منتخب کر لیا جائے، وہ اس کو اس اجتماع کا نصب العین بنانا چاہتے تھے، اس لئے کہ آئندہ علماء کی اتنی بڑی تعداد کا جمع ہونا ممکن ہو یا نہ ہو۔ علاوہ حضرت شیخ الہند جیسی ممتاز شخصیت ابھی موجود تھی، ان کی امارت پر اتفاق رائے کا قوی امکان تھا، بعد میں کسی دوسری شخصیت پر یہ اتفاق پیدا ہو سکے یا نہ ہو سکے، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحب نے دیوبند یا دہلی جا کر حضرت شیخ الہند سے ملاقات بھی کی تھی، اور حضرت شیخ الہند انتخاب امیر کی تجویز پر راضی بھی ہو گئے تھے، بلکہ ان کو اس پر اصرار بھی تھا اور انہوں نے بھی اپنی فراست سے اس کو محسوس کر لیا تھا کہ جو آج ہو جائے گا وہ کل نہیں ہو سکے گا، مولانا عبدالصمد رحمانی کہتے ہیں: ”وہ لوگ جو اس ابدس میں شریک تھے، جانتے ہیں، نہ اس وقت حضرت شیخ الہند ایسے نامور تھے کہ نبیات کے بالکل آخری دور سے گزر رہے تھے، نقش و برکت کی بالکل طاقت نہ تھی، لیکن باوجود اس کے ان کو اندازہ تھا کہ اس نمائندہ اجتماع میں جب کہ تمام اسلامی جہد کے ذمہ دار اور باب ص و عقد جمع ہیں، امیر الہند کا انتخاب کر لیا جائے اور یہی چار پانی کو انھا کر جسد گو میں لے جایا جائے پہلے شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا مگر نہ اکت حال کو دیکھ کر شبیب و ذاکر اور خدام و شخصیں کی اس وقت رائے ہوئی کہ حضرت شیخ الہند کی صحت پر انھا کر رکھا جائے، تاکہ پورے المینان اور انشراح صدر کے ساتھ اس کو عمل میں لایا جائے۔“

تیسرے اجلاس میں امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور

اس طرح اس اجلاس میں امیر الہند کا انتخاب نہ ہو سکا یہاں تک کہ ایک ہفتہ کے بعد ہی حضرت شیخ الہند کا انتقال ہو گیا۔

اس کے اگلے سال (۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء مطابق ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ کو بمقام لاہور) مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں جمعیت علماء ہند کا تیسرا اجلاس منعقد ہوا، اس میں حضرت مولانا سجاد کی کوشش سے امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز باتفاق رائے منظور کی گئی، مولانا احمد سعید صاحب رقمطراز ہیں:

”جمعیت علماء نے جو تجویز امارت شرعیہ کے سلسلے میں پاس کی تھی، وہ بھی انہی کی سعی کا نتیجہ تھا۔“

امیر الہند کے انتخاب میں دشواریاں

لیکن امیر الہند کے لئے کسی شخصیت پر اتفاق رائے اس اجلاس میں بھی نہ ہو سکا، اور امارت ہند کا مسئلہ معرض التوا میں چلا گیا، اس کے بعد کی تفصیل خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”انہوں نے (یعنی ارباب حل و عقد جمعیت علماء ہند) اجلاس جمعیت ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور کی، جو زیر صدارت حضرت علامہ ابوالکلام صاحب آزاد منعقد ہوا تھا اور اسی اجلاس میں امیر شریعت کے اصول کو منضبط کرنے اور بعض امور کی تشریحات کے لئے ایک مجلس بنائی گئی اور اسی اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ ایک ماہ بعد فوراً ایک دوسرا خصوصی اجلاس اس مسودہ کی منظوری اور انتخاب امیر الہند کے لئے منعقد کیا جائے مگر جس ہفتہ اجلاس خصوصی تھا وہی وقت حکومت کے جبر و استبداد کے کامل مظاہرہ اور قوم کے دلیرانہ مقابلہ کا تھا، اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اور دوسرے علماء وغیرہ بھی گرفتار ہوئے اور شاید دشمنان اسلام کی طرف سے ہاجبا مختلف عنوانوں سے مشہور کیا گیا کہ اجلاس ملتوی ہو گیا۔ بات بھی لگتی ہوئی تھی، کیونکہ خاص مراکز میں گرفتاریاں عام تھیں، جن اراکین کے کانوں تک التواء کی غلط آواز پہنچی، انہوں نے قرائن پر قیاس کر کے صحیح سمجھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے ارکان نہ پہنچ سکے، جن کی موجودگی میں اجلاس منعقد ہو سکتا، مگر پھر بھی بعض حضرات علماء اکابر و بعض ارکان زعمائے ہند پہنچ گئے تھے، مثلاً شیخ الملک

۱- حضرت مولانا ابوالحسن سجاد - حیات و خدمات (مجموعہ مقالات مولانا سجاد) بیمنار ۱۹۹۹ء پٹنہ) ص ۲۹۳ مضمون مولانا سجاد الحق قاسمی۔

۲- حیات سجاد ص ۱۰۵۔

حکیم اجمل خاں صاحب، مولوی احمد صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ وغیرہ آخراں حضرات کا باہمی مشورہ ہوا اور اس مجلس نے جو ترتیب مشورہ کے لئے مرتب ہوئی تھی مسودہ مرتب کیا۔ بعدہ کچھ ایسے واقعات و حوادث پیش آئے کہ اس مسودہ پر مجلس منتظمہ کو غور کرنے کا موقع نہیں ملا، اس بنا پر جمعیت علماء ہند کے اجلاس اخیر میں یہ غور کیا گیا کہ امارت شرعیہ ہند کے قیام میں چونکہ بہت سے وجوہ متعددہ تعویلت ہے اس لئے جب تک صوبہ دار امارت شرعیہ قائم کی جائے اور اس کے لئے جمعیت علماء ہند نے صوبہ دار جمعیتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تجویز کے ذریعہ سے ان کو ہدایت دی، کہ جلد از جلد صوبہ دار امارت شرعیہ قائم کریں مگر اکثر صوبوں کے ناظمین اس دور میں اپنے صوبہ کے کاموں کے ذمہ دار تھے، اس لئے غالباً اس تجویز پر عمل نہ کر سکے، پھر فروری ۱۹۲۲ء میں بمقام دہلی جلسہ منتظمہ میں مسودہ فرائض و اختیارات امیر شریعت اور نظام نامہ امارت شرعیہ فی الہند طبع کر کے تمام ارکان انتظامیہ جمعیت علماء ہند اور دیگر اہل ارائے کی خدمت میں بھیجنے کی تجویز منظور ہوئی، چنانچہ اس تجویز کے مطابق عمل بھی ہوا۔

شاید اس تعویلت اور تاخیر میں یہ مصلحت ہو کہ اس وقت ہندوستان کے بہت سے ارباب حل و عقد وغیرہ قید خانوں میں محبوس تھے، اس لئے امارت کے قیام و استحکام کے لئے ان اصحاب کے باہر آ جانے کی ضرورت تھی تاکہ تمام یا اکثر ارباب حل و عقد علماء وغیرہ غور و فکر کے بعد ایک مضبوط بنیاد پر اس کو قائم کریں۔^۱

مسودہ فرائض و اختیارات امیر شریعت

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے اپنے خطبہ میں امیر شریعت کے لئے جمعیت علماء ہند کے تیار کردہ جن مسودات کا ذکر کیا ہے، ان میں ”مسودہ فرائض و اختیارات امیر الشریعۃ فی الہند“ کو جمعیت علماء ہند کی ایک سب کمیٹی اور کچھ علماء نے مرتب کیا تھا، سب کمیٹی کے ارکان درج ذیل حضرات تھے:

۱- اجلاس اخیر حضرت مولانا عبدالباری فرنگی پوریؒ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، اور صوبہ دار امارت کے لئے اس میں جو تجویز پاس ہوئی اس کے الفاظ یہ تھے:

”جمعیت علماء ہند کے اجلاس منعقدہ لاہور نے طے کر دیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تنظیم و اقامت محکم شرعیہ و بیت المال کے لئے امیر الہند کا انتخاب کیا جائے، چونکہ امیر الہند کا انتخاب بظاہر اس وقت تک مشغل ہے جب تک صوبہ دار امراء منتخب نہ ہو جائیں، لہذا جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جلد امراء صوبہ کا انتخاب عمل میں آئے، اور ہر صوبہ کی جمعیت کو جو دلاتا ہے کہ جلد از جلد اس غرض کے لئے جمعیت صوبہ کے عام اجلاس کر کے اپنے صوبہ کے واسطے امیر شریعت کا انتخاب کر لے، انتخاب امیر سے قبل اس کے فرائض و اختیارات و قواعد مرتب کر کے جمعیت علماء ہند سے منظور کرائے جائیں۔“

(بتاریخ ۳، ۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱) (تاریخ امارت مرتبہ مولانا عبدالعزیز رحمانی ص ۵۵ حاشیہ)

۲- خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد ص ۱۲۶ تا ۱۲۸۔

- ☆ مولانا مفتی کفایت اللہ صدر جمعیت علماء ہند۔
 - ☆ مولانا سبحان اللہ صاحب
 - ☆ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب
 - ☆ مولانا محمد فاخر الہ آبادی صاحب
 - ☆ مولانا عبد الماجد صاحب
 - ☆ مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب
 - ☆ اور مولانا عبدالحامد صاحب صدیقی نائب ناظم جمعیت علماء ہند۔
- ارکان کمیٹی کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا فرخند علی وغیرہ تیرہ علماء اور بھی شامل تھے، اس مجلس نے ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء (۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ) کو لاہور میں یہ مسودہ تیار کیا، یہ کل چار صفحات پر مشتمل مسودہ ہے، جس میں ایک صفحہ پر شرکاء کے نام اور تین صفحات پر تجاویز ہیں۔

نظام نامہ امیر شریعت

جب کہ مسودہ نظام نامہ امیر الشریعۃ فی الہند کو حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے تنہا مرتب فرمایا تھا، یہ دس صفحات پر مشتمل ہے اور مسودہ فرائض کے مقابلے میں یہ زیادہ مفصل اور جامع ہے۔ ان دونوں مسودات کا مجموعہ اسی زمانہ میں جمعیت علماء ہند نے حمید یہ پریس دہلی سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔

گیامیں جمعیت علماء ہند کا چوتھا اجلاس عام

گیامیں جمعیت علماء ہند کا چوتھا اجلاس عام ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ نومبر ۱۹۲۲ء میں حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد صاحب کی نگرانی میں پوری شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمائی، اور اس وقت کے عام دستور کے مطابق خلافت کانفرنس کے ساتھ ہی جمعیت کانفرنس بھی رکھی گئی۔ اس اجلاس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید مناظر حسن گیلانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

”حالانکہ اس وقت کانفرنسوں کا بڑا زور تھا لیکن گیامیں میدانوں میں آ کر دنیا نے تماشا سمیٹا کہ جس جمعیت کی بنیاد بہار میں رکھی گئی تھی، وہ ایک خاص ہندو شہر اور بودھ صومنا میں تھی، ایسے

روشن چراغ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھی کہ اس کے سامنے کانگریس کا آفتاب اور خلافت کا مہتاب بھی شرمانے لگا، اور اس کا اعتراف اپنے اور غیروں سب نے کیا۔ اسی کا اعتراف نہیں، بلکہ اس کا بھی کہ مارے ہندوستان کا سب سے نمایاں اجلاس ”جمعیت علماء ہند“ کا اجلاس تھا، اور جمعیت علماء ہند کا اجلاس صرف اس واحد شخصیت (حضرت مولانا سجاد) کی عملی قوتوں کا مظہر تھا جس کے معنی یہی ہوئے کہ اس وقت مارے ہندوستان کی بڑی نمایاں ہستی حضرت مولانا محمد سجاد کی تھی، جمعیت علماء ہند اس کے بعد بھی بڑھتی رہی، چمکتی رہی، لیکن جاسنے والے جانتے ہیں کہ گیا کا اجلاس نہیں، بلکہ جمعیت کے جتنے اجلاس ہوتے رہے، اس کی بولنے والی روح اور خاموش زبان وہ تھی، جو زندگی میں بھی خاموش رہنے کے باوجود سب سے زیادہ بولنے والی تھی، اور ان شاء اللہ اس کی خاموش بولیاں ابد تک نہ چپ ہونے والی بولیاں ہیں۔^۱

باقی اجلاس کی کاروائی، منظر کشی اور دیگر تفصیلات جناب رابع احسن صاحب سیکریٹری مسنم لیگ کلکتہ کے حوالے سے تحریک خلافت کے باب میں گزر چکی ہیں۔^۲

اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد کی صدارت

☆ جمعیت علماء ہند کے پانچویں اجلاس عام (۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۲۵ء مراد آباد) کی آپ نے صدارت فرمائی، جمعیت کے اراکین و ذمہ داران اس پر اس قدر مسرور اور جذبہ امتنان سے لبریز تھے کہ اجلاس عام میں باضابطہ آپ کے لیے تجویز شکریہ منظور کی گئی، جو کہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ چنانچہ اجلاس کی تجویز نمبر ۲۹ اس طرح ہے۔

”جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار و اڑیسہ صدر اجلاس جمعیت علمائے ہند مراد آباد کی خدمت میں اپنا مخصوص شکریہ پیش کرتا ہے کہ حضرت ممدوح نے اجلاس کی صدارت و رہنمائی فرما کر اس کو عورت بخشی، حق تعالیٰ مولانا کو اجر جزائیں عطا فرمائے۔“^۳

اسی موقع پر آپ نے اپنا وہ تاریخی خطبہ صدارت پیش فرمایا جس کو کانفرنسوں کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، آپ نے عالمی اور ملکی مسائل، سیاست کی شرعی اور تاریخی حیثیت، سیاست سے علماء کی بے اعتنائی پر تنبیہ اور اس کے اسباب و عوامل، خطرات اور سدباب اور مختلف اداروں اور تحریکات کے لئے منصوبے، تجاویز اور طریق کار پر ایسی مبصرانہ، محققانہ اور ناقدانہ روشنی

۱- حیات سجاد ۵۵-۵۶

۲- محاسن سجاد ۱۰۲-۱۰۳

۳- مولانا ابوالحسن سجاد - حیات و خدمات ص ۲۹۴، ۲۹۵ مضمون مولانا سجاد الحق قاسمی - جگہ تجاویز: ۲۹۰۔

ذالی جس نے علم اور اسلامی سیاست کی انہری میں (مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے الفاظ میں) ایک اصولی انسائیکلو پیڈیا کا اضافہ کیا، اسی موقعہ پر مولانا سجاد نے جمعیت علماء کی ہمہ گیری، اہداف و مقاصد، اور اقدار و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”مجھ کو اس کے بانیین کے اس حسن تدبیر سے بے حد مسرت ہوتی ہے کہ انہوں نے علماء و غیر علماء کی ضیج کو پائنے کے لئے ایک بہتر صورت پیدا کر دی ہے، اس کے علاوہ چونکہ علمائے بانیین نے جمعیت کے مقاصد میں سیاست کو بھی داخل کیا ہے جو ایک مناسب اور ضروری امر تھا، اس لئے بھی ضرورت تھی کہ جو حضرات سیاست مغربیہ سے زائد واقفیت رکھتے ہوں ان کو مشورہ میں شریک کیا جائے، اور سیاست مغربیہ کی چال بازیوں کو سیاسی حضرات سے معلوم کیا جائے۔ اور ادھر سیاسی حضرات علماء و بانیین سے شریعت کے اس اسلحہ کو معلوم کریں جس سے سیاسیات مغربیہ کی چال بازیوں کا فائدہ نہ کیا جاسکتا ہے، یا سیاسیات مغربیہ کے اسلحہ نانو سے جو اسلحہ وہ خود حاصل کریں اس کو علماء شریعت کے سامنے پیش کر کے اس کا قابل استعمال من جہت الشرع ہونا معلوم کریں، اور یہ علماء کی کثرت ہی سے ہو سکتا ہے۔

پس جس طرح سے یہ حقیقت جمعیت کی صورت فوریہ پر تصویب کی مہر لگاتی ہے اسی طرح اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالتی ہے، کہ اگر تاج ہندوستان کی سرزمین میں سب سے زیادہ کسی جمعیت کی ضرورت ہے تو وہ جمعیت علماء ہند کی ہے، اس لئے تمام علماء ہند و وزراء ہند و عوام الناس کا اولین فرض ہے کہ اس کو مضبوط کریں۔ اور اس کی مضبوطی قلوب میں اس کو جگہ دینے اور پھر اس کے خزانہ کو معمور کرنے سے ہو سکتی ہے۔

میرے اس کلام سے یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ میں ہندوستان کی دوسری قومی مجالس کو لغو اور بیکار محض سمجھتا ہوں، بلکہ ان کو بھی میں ایک مفید شے سمجھتا ہوں، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں جمعیت علماء کو باعتبار ضرورت و اہمیت اولیت کا مرتبہ دیتا ہوں اور بقیہ مجالس کو ثانویت و عہدیت

۱۔ جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ خطبہ حضرت مولانا سجاد نے نہایت محنت میں اور کم وقت میں تیار فرمایا تھا، اس کا تذکرہ خطبہ صدارت کے پیش لفظ میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے کیا ہے (ص ۶) دراصل اس اجلاس کی صدارت علامہ سید سلیمان ندوی کو کرنی تھی، لیکن عین وقت پر اچانک علامہ کے وفد جدہ میں شرکت کی بنا پر حضرت مولانا سجاد کو یہ ذمہ داری دی گئی، جب کہ اجلاس میں صرف چند روز باقی تھے، اس بات کا ذکر خود حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی اپنے مضمون میں کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”جمعیت علماء کے اجلاس ملک کے خطبہ میں میرے قلم سے ان کی نسبت یہ الفاظ نکلے تھے، جو پہلے مدتی تھے اب مرثیہ ہے۔ ۱۳۴۳ھ کے اجلاس خاص مراد آباد کے موقع پر بھی مجھے یہ عزت عطا ہوئی تھی، مگر عین وقت پر وفد جدہ کی شرکت نے انکار پر مجبور کیا اور میں خوش ہوں کہ اس کی بدولت ایک خاموش ہستی بولی اور ایک بے زبان کے جوہر دکھانے اور ایک بدمعنی سوز و گداز نے کاغذ کے صفحوں پر اپنے دل کے نکلے بکھیرے۔“ (محسن سجاد ص ۴۲، ۴۳)

کے مراتب میں خیال کرتا ہوں۔“^۱

ادارہ حرمیہ کے سربراہ

۱۹۲۹ء میں انگریزوں کے خلاف کانگریس کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو جمعیت علماء ہند نے بھی اپنے اجلاس مجلس عاملہ (۱۱، ۱۲ اگست ۱۹۲۹ء مراد آباد) میں سول نافرمانی کا پروگرام منظور کیا، اس جرم میں مولانا مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو گرفتار کر لئے گئے اور انہیں چھ ماہ قید با مشقت کی سزا ہوئی^۲۔ پھر جمعیت علماء ہند نے اپنے دسویں اجلاس عام (۳۱ مارچ تا یکم اپریل ۱۹۳۱ء کراچی) میں ایک تجویز کے ذریعہ سول نافرمانی کی تحریک کو جاری رکھنے اور رضا کاروں کی بھرتی کا پروگرام منظور کیا، سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جو لوگ سول نافرمانی کی تحریک میں گرفتار ہوتے تھے، جیل کی سزا کے ساتھ ان کی جائیداد بھی ضبط کر لی جاتی تھی، اور بڑے بڑے جرمانے عائد کئے جاتے تھے، جس کی وصولی کے لئے ان کی جائیدادوں کو نیلام کر دیا جاتا تھا^۳، اس لئے اس بار تحریک چلانا سخت دشوار معلوم ہو رہا تھا، پورے ملک میں اس تحریک کو چلانے کے لئے ایک مستقل نظام کی ضرورت تھی، چنانچہ جمعیت علماء ہند نے اس کے لئے ایک خفیہ ادارہ ادارہ حرمیہ قائم کیا، کانگریس نے اس کے لئے جنگی کونسل قائم کیا تھا، اس نظام کے سربراہ کو جمعیت اور کانگریس دونوں جگہ ڈکٹیٹر کہا جاتا تھا، اور یہ اصطلاح اس لئے اختیار کی گئی تھی، کہ ملک میں سخت بے چینی کے حالات تھے، کانگریس غیر قانونی جماعت قرار دی جا چکی تھی، اس کے تمام مراکز پر چھاپہ ماری کی جا رہی تھی، جمعیت علماء ہند کو کہ غیر قانونی کے دائرے میں نہیں آئی تھی، لیکن کانگریس سے نظریاتی قربت کی بنا پر اس کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا جاتا تھا، اس کے قائدین کی گرفتاریاں بھی جہاں تہاں جاری تھیں، کس کی گرفتاری کب اور کہاں ہو جائے گی، کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا، صدر اور ناظم وغیرہ کے انتخاب کے لئے مجلس عاملہ یا مجلس عمومی کی نشستوں کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا اس زمانہ میں کوئی موقعہ نہیں تھا، اسی لئے ایک سرکلر کے ذریعہ تمام عہدے ختم کر کے ڈکٹیٹر شپ قائم کر دی گئی تھی، اور ڈکٹیٹر ہی نظام چلاتا تھا، اور اس کی ایک خفیہ ترتیب بھی قائم کر دی گئی تھی، مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں پر یہی ترتیب بنائی گئی تھی، تاکہ ایک گرفتار ہو تو اپنی جگہ دوسرے کو نامزد کر دے، یہ بالکل جنگی صورت

۱- خطبہ صدارت مراد آباد ۱۳۶، ۱۳۷۔

۲- کفایت المفتی ج ۱ ص ۵ مطبوعہ کراچی۔

۳- نواز ابوالحسن محمد سجاد- حیات و خدمات س ۱۲۹ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی، ص ۲۹۷ مضمون مولانا ابراہیم الحق قاسمی۔

حال تھی، اس لئے جنگی حکمت عملی سے واقف حضرات ہی کو اس میں شامل کیا گیا تھا، چونکہ ثبوت اور چھاپہ ماری سے بچنے کے لئے یہ تمام کاروائی تحریری ریکارڈ میں نہیں لائی جاتی تھی، اس لئے اس کی حتمی ترتیب معلوم نہیں ہے، البتہ مولانا محمد میاں صاحب نے حافظہ سے بعض ڈکٹیٹروں کے نام بیان کئے ہیں کہ وہ کس نمبر پر تھے؟ مثلاً: مفتی کفایت اللہ صاحب ڈکٹیٹر اول، مولانا سید حسین احمد مدنی ڈکٹیٹر دوم، اور مولانا احمد سعید دہلوی ڈکٹیٹر سوم تھے، اپنے بارے میں انہوں نے بتایا کہ کہ وہ نویں نمبر کے ڈکٹیٹر تھے، البتہ ادارہ حربیہ کے پورے نظم کے کلید بردار اور قائد حضرت مولانا محمد سجاد تھے، مولانا محمد میاں صاحب کے الفاظ میں:

”جمعیتہ علماء ہند کے صدر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب اور ناظم اعلیٰ سحابان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب تھے، مگر وہ ڈاکٹر جس کو بہت سے انجکشن دیئے گئے تھے، ابوالحسن مولانا سجاد صاحب (نائب امیر شریعت صوبہ بہار) تھے، رحمہم اللہ، ادارہ حربیہ کے کلید بردار یہی حضرت تھے۔“

جمعیتہ علماء ہند کے دفتر سے ملحدہ محلہ بلی ماران کی ایک تاریک گلی میں ایک مکان لے لیا گیا تھا حضرت مولانا سجاد صاحب کا قیام اسی مکان میں رہتا تھا جس کا علم دفتر کے لوگوں میں سے بھی غالباً صرف قاضی اکرام الحق صاحب کو تھا جماعت کے جو حضرات اسی ادارہ کی ضرورت سے حضرت موصوف سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، تو قاضی اکرام الحق صاحب ہی ان کے رہبر بنتے تھے۔

مولانا سجاد صاحب کے دست راست اور نفس ناطقہ مولانا حفظ الرحمن بیہاروی تھے، جن کو نظام رضا کاران کا ناظم اعلیٰ یا کمانڈر بنایا گیا تھا، اور ان کا کام یہ تھا کہ ملک میں گھوم پھر کر تحریک کا جائزہ لیں اور اس نظام کو کامیاب بنائیں۔۔۔ اور احقر (مولانا محمد میاں صاحب) کے سے موصوف (حضرت سجاد) کی ہدایت یہ تھی، کہ ہر ہفتہ جمعہ کی صبح کو مراد آباد سے چل کر دہلی پہنچا کرے اور نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں تقریر کرے واپس ہو جایا کرے (اسی ضمن میں مولانا میاں صاحب نے اپنی گرفتاری کا قصہ بھی بیان کیا ہے جس سے مولانا سجاد صاحب کی بصیرت اور حالات سے آگہی کا پتہ چلتا ہے، مولانا میاں صاحب کا خیال ہے کہ اگر حضرت مولانا سجاد کی ہدایات کی پاسداری میں غفلت نہ برتی گئی ہوتی تو وہ گرفتاری سے بچ سکتے تھے)۔

مولانا عبدالصمد رحمانی بھی اس نظم میں حضرت مولانا سجاد کے معاون تھے، پورے ملک سے ہزاروں کی تعداد میں رضا کار آتے تھے، اور نافرمانی کا مظاہرہ کر کے گرفتار ہوتے تھے،

۱- سجادات مولانا حفظ الرحمن ایک سیاسی مطالعہ ص ۱۳۰ تا ۱۳۵، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، شرفیڈبک ڈپو، ۲۰۱۱ء۔

۲- مولانا ابوالحسن محمد سجاد - حیات و خدمات ص ۱۲۹ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس مہم کو سرانجام دیا، بلکہ جب بھی جمعیت علماء نے یہ نظریہ قائم کیا، مولانا محمد سجاد ہی اس کے سربراہ رہے، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود آپ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، آپ کے شریک کار اور اس نظام میں آپ کے دست راست مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی لکھتے ہیں:

”جمعیت علماء ہند نے اس ایکس سار میا سی دور میں ہندوستان کے اندر اسلام کی سرپنڈی اور ملک و وطن کی آزادی کے نئے برٹش حکومت کے مقابلہ میں جب بھی ”دائرہ تربیہ“ قائم کر کے سول نافرمانی کا آغاز کیا، تو ہمیشہ مولانا نے موسوف ہی اس ادارہ کے امیر یا انچارج مقرر ہوئے اور مولانا نے اس بے سرو سامان مجلس کے جھنڈے کے نیچے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے ہزاروں مسلمانوں کی بہترین قیادت انجام دی اور دائرہ تربیہ کے کام کو اس خوبی سے انجام دیا کہ اس سے بہتر اس اہم اور مشکل مہم کو انجام دینا دوسروں کے لئے بہت مشکل تھا۔“

شاردوا ایکٹ کے خلاف احتجاج

☆ ملک میں جب شاردوا ایکٹ (تحدید عمر ازدواج اور سول میرج قانون) نافذ ہوا، جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے شادی کی عمر کی تحدید کی گئی تھی، تو حضرت مولانا سجاد نے الجمعیت اور جریدہ امارت میں اس کے خلاف مضامین لکھے، اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ اگر حکومت ان کا مطالبہ تسلیم نہ کرے تو اس قانون کی نافرمانی کریں، چنانچہ جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس (۱۱، ۱۲ اگست ۱۹۲۹ء مراد آباد) میں اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ اور اس کو مذہب میں مداخلت کے ہم معنی قرار دیا، پھر جمعیت علماء ہند کے نویں اجلاس عام (۲۳ تا ۲۶ مئی ۱۹۳۰ء امر وہہ) میں شاردوا ایکٹ کے خلاف سخت تجویز منظور کی گئی۔^۲

جمعیت علماء کے اس فیصلہ کے بعد حضرت مولانا سجاد صاحب کے ایما پر نیایش قانون شکنی کے عنوان سے ایک ’متحدہ کانفرنس‘ ہوئی، جس میں علی الاعلان قانون شکنی کے مظاہرے کیے گئے، جس میں خود مولانا سجاد بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے، مولانا شاہ محمد عثمانی صاحب نے اس اجلاس کا آنکھوں دیکھا حال نقل کیا ہے کہ:

”چند نوجوان ایسی لڑکیوں سے شادی کرنا چاہتے تھے، جن کی عمریں قانون کی مقرر کردہ حد سے کم

- حیات سجاد ص ۱۵۰ مضمون مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی -

- مولانا محمد سجاد - حیات و خدمات ص ۱۳۲، ۱۳۱ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی ص ۲۹۶، ۲۹۷ مضمون مولانا امجد الحق قاسمی صاحب -

تھیں لیکن وہ تقسیم برکیاں تھیں ان کی دیکھو بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا مولانا نے ان کا کالج
بڑھایا اور مضبوط فارم پر یہ لکھ کر کہ ”ہم نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، کیوں کہ ہم انگریزی
حکومت کو اس کا حق دینا نہیں چاہتے کہ وہ مسلمانوں کے معاملہ میں دخل دے، اور یہ کہ کالج
مولانا محمد سجاد نے بڑھایا ہے۔ حکومت ہند کو بھیج دیا گیا۔“

مدح صحابہ ایچی ٹیشن کی قیادت

۱۹۳۸ء) بھی جمعیت علماء ہند کی اسی پالیسی کا حصہ تھا، جس
میں سول نافرمانی کر کے اہل سنت کی طرف سے گرفتاریاں پیش کی جاتی تھیں، جس کی قیادت
حضرت شیخ الاسلام مدنی اور حضرت ابوالحسن محمد سجاد نے کی۔^۲

مجلس تحفظ ناموس شریعت کے سربراہ

۱۹۳۸ء) شاردہ ایکٹ (تحدید عمر ازدواج اور سول میرٹ قانون) کے پاس ہونے کے بعد جمعیت
علماء ہند نے آئندہ کے خطرات کے انسداد کے لئے ”مجلس تحفظ ناموس شریعت“ قائم کی، اور اس
کا نام حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کو بنایا گیا، آپ نے اس مجلس کے ذریعہ دیگر بہت سے کاموں
کے علاوہ دہلی کی وہ مساجد اور اوقاف کی جائیدادیں جو مرکزی یا صوبائی حکومتوں کے قبضے میں چلی
گئی تھیں، ان کی وائڈاری کی تحریک چلائی، اور سینکڑوں مساجد اور اوقاف کو آزاد کرایا۔
آپ نے مساجد و اوقاف کے متعلق مرکزی اسمبلی میں سوال کرایا تو معلوم ہوا کہ حکومت
ہند کے قبضے میں تقریباً پانچ سو مساجد ہیں، اوقاف کے متعلق کوئی جواب نہیں ملا۔^۳

آزاد ہندوستان کا دستور اساسی

۱۹۳۱ء (۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ) کو جمعیت علماء ہند کی مجلس نامہ کے اجلاس
سہارن پور میں آزاد ہندوستان کے دستور اساسی کا مسودہ ”جمعیت علماء کا قارئین“ کے نام سے پیش
کیا گیا، جس میں تمام مذاہب کی مکمل آزادی، مسلم پرسنل لا کی حفاظت، اور مسلمانوں کے مخصوص

۱- مولانا محمد سجاد حیات و خدمات ص ۱۳۱، ۱۳۲، حیات سجاد ص ۱۳۹، مضمون ”آئینہ حق“، اخبار اہل سنت شریعہ پٹنہ۔
۲- محسن ص ۲۱، مضمون ”آئینہ حق“، اخبار اہل سنت شریعہ پٹنہ، حضرت مفتی محمد رفیع الدین مفتی کی کتاب ”اہل سنت شریعہ دینی جدوجہد کا روشن
باب“، پرنٹنگ سہارن پور، سید ابوالحسن علی ندوی کا مقدمہ ص ۲۳۔
۳- حیات سجاد ص ۱۳۹، ۱۴۰، مضمون ”آئینہ حق“، اخبار اہل سنت شریعہ پٹنہ۔

مقدمات مسلم قاضیوں سے فیصلہ کرائے جانے کی وضاحتیں شامل تھیں، یہ فارمولہ حضرت مولانا سجاد صاحب کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔^۱

سیاسی انتخابات میں شرکت کی تجویز

۱۹۵۰ء جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ترک موالات کا فتویٰ آپ نے ہی مرتب کیا تھا، اس میں مجالس متقنہ کا بھی مقاطعہ کیا گیا تھا اور اس کی روشنی میں پارلیمانی انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت ممنوع تھی۔ لیکن اس کے بعد ایسے ارکان منتخب ہو کر مجالس قانون ساز میں پہنچے جن کو اپنے دین و ملت اور ملک و قوم کی کوئی پروا نہ تھی، اس سے ملت کو سخت نقصانات پہنچے، جس کی وجہ سے کئی لوگ ضرورت محسوس کرنے لگے تھے کہ اس مقاطعہ کا خاتمہ ہونا چاہئے، تاکہ ملک و ملت سے محبت کرنے والے لوگ مجالس متقنہ میں پہنچ سکیں، اس کی پوری روئید مولانا محمد عثمان غنی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب تک جمعیت علماء ہند مقاطعہ کی تجویز واپس نہ لے لے اس وقت تک ہم لوگ کس طرح کسی کی تائید یا حمایت کر سکتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ مجالس متقنہ کے ارکان کی جو روش ہے اس کو دیکھتے ہوئے مقاطعہ کو قائم رکھنا جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، ”اذا اقبلت بلبلیتین فاختر اھونھما“ پر عمل کرنا چاہئے، مثال میں ہم نے قاضی احمد حسین صاحب کے وقف بل کی کامیابی کو بیان کیا کہ صرف مسلمان ارکان کی حکومت پرستی نے اس مفید بل کو ناکام بنا دیا، نیز مرکزی اسمبلی کے بعض ارکان جیسی حرکتیں کر رہے تھے، اس کو عرض کیا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم جریدہ امارت میں لکھو، اگر جمعیت علماء ہند اپنی غاند کردہ پابندی بٹالے تو پھر آئندہ حصہ لیا جائے گا، چنانچہ راقم الحروف نے جریدہ امارت میں مضامین لکھنا شروع کر دیئے، اس کے بعد نقیب میں بھی کچھ مضامین لکھے۔

حضرت مولانا کی عادت تھی، کہ جس معاملہ میں ان کا قلب مطمئن ہو جاتا تھا، پھر اس کو جلد سے جلد انجام دینے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ اس معاملہ میں بھی جب ان کا قلب مطمئن ہو گیا، تو انہوں نے جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس (منعقدہ ۱۴ تا ۱۶ جنوری ۱۹۳۴ء، مراد آباد) میں مجالس متقنہ میں شرکت کی تجویز پیش کر دی جو منظور ہو گئی۔

۱- دیات سجاد ص ۱۵۰ مضمون سورۃ حفظ الرحمن سیو پارٹی، مولانا ابوالحسن سجاد- دیات و خدمات ص ۲۹ مضمون مولانا اسرار الحق قاضی۔

اس کے بعد رجب الاول ۱۳۵۳ھ میں امارت شرعیہ کی مجلس شوریٰ میں بھی حضرت مولانا نے اس تجویز کو منظور کرایا اور اسی تجویز کی بنیاد پر امارت بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی اور امارت شرعیہ نے پہلی بار انتخاب میں حصہ لیا۔^۱

چھپرہ میں حضرت مولانا سجادؒ کے زیر قیادت جمعیت کی صوبائی کانفرنس

اس موقع پر ۱۹۳۸ء (۱۳۵۷ھ) میں چھپرہ میں جمعیت علماء ہند کی صوبائی کانفرنس کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو حضرت مولانا محمد سجادؒ کے زیر قیادت منعقد ہوئی تھی، یہ کانفرنس کئی اعتبار سے بے حد اہمیت کی حامل ہے، حضرت مولانا سجاد صاحب چھپرہ تشریف لائے اور مدرسہ دارالعلوم چھپرہ میں قیام پذیر ہوئے، حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی سابق مفتی دارالعلوم دیوبند ان دنوں اسی مدرسہ میں زیر تعلیم تھے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”۱۹۳۸ء میں جمعیت العلماء ہند کی صوبائی کانفرنس کے سلسلہ میں مولانا محمد سجاد صاحب مدرسہ دارالعلوم چھپرہ میں تشریف فرما تھے۔ اس زمانہ میں مسلم لیگ کا دور شباب تھا اور وہ جمعیت کی صوبائی کانفرنس کے تحت مخالف تھے۔ ہم طلبہ سمجھتے تھے کہ یہ کانفرنس کامیاب شاید نہ ہو سکے گی، ہم لوگ شہر میں اشتہار تقسیم کر کے واپس ہوتے تھے تو حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بلا کر پوچھتے تھے عوام اور مسلم رضا کاروں کا تمہارے ساتھ کیا برتاؤ رہا۔ ہم بتاتے تھے کہ گالیاں دی گئیں، کچھ علماء کرام کے خلاف زبان درازیاں ہوئیں۔ مولانا ان تمام تفصیلات کو غور سے سنتے تھے اور پھر کھٹی کے جملے فرماتے تھے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمت نہ ہارو! کانفرنس کامیاب ہو کر رہے گی، چنانچہ اس سخت مخالفاۓ ماحول میں مولانا کی تدبیروں سے کانفرنس کامیاب رہی، بڑا خوبصورت پنڈال تیار کرایا گیا۔ جمعیت کا جھنڈا کالا سفید اسی وقت تیار کرایا اور اس کو بڑے اچھے انداز میں نمایاں کر کے لہرایا، مخالفین پنڈال اور جھنڈے دیکھنے آتے تھے۔

جس بلڈنگ میں علماء کرام کا قیام تھا وہاں سے لے کر پنڈال تک سڑک کے دونوں طرف لگی کالے جھنڈے لے کر کھڑے رہتے تھے اور مخالف نعرہ لگاتے تھے، یہی حال اس وقت ہوتا تھا جب ہم اسٹیشن سے مہمانوں کو لے کر قیام گاہ پہنچاتے تھے، بڑا سخت وقت تھا، مگر حضرت پر کبھی کوئی اثر نہیں دیکھا۔ ہمارے اساتذہ بھی میدان میں جے ہوئے تھے۔“^۲

۱- حیات سجاد ص ۱۳۲، ۱۳۳ مضمون مولانا عثمان مفتی صاحب۔

۲- مولانا ابوالحاجن سجاد - حیات و خدمات ص ۳۸۶ مضمون حضرت اساتذہ مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی۔

یومِ فلسطین کی تجویز

☆ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد فلسطین کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا، اعذانِ بالفور کے ذریعہ فلسطین میں ایک نئی یہودی مملکت قائم کرنے کا منصوبہ سامنے آیا تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ حساس ہو گیا، ان حالات میں ۳ اگست ۱۹۳۸ء (۶ جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ) کو جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ نے سول نافرمانی کی تجویز منظور کی، جو دراصل حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی تحریک پر پیش کی گئی تھی، مولانا نے امارتِ شرعیہ کی طرف سے بھی پورے صوبے میں اس کے خلاف احتجاجی جلوس نکالنے کی ہدایت جاری فرمائی، جمعہ ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء (۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ) کو یومِ فلسطین منایا گیا۔^۲

نظارتِ امورِ شرعیہ کا مسودہ

☆ جمعیت علماء ہند نے ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں نظارتِ امورِ شرعیہ کا منصوبہ پیش کیا جس میں حکومت سے ایک ناظرِ امورِ اسلامی کے عہدہ کی بحالی کا مطالبہ کیا گیا تھا، یہ تجویز دراصل حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی تھی، اور انہوں نے ہی اس کا مسودہ بھی تیار کیا تھا، بعد میں اس پر غور و خوض کرنے کے لئے جو سب کمیٹی بنائی گئی اس کے روح رواں اور داعی بھی حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ہی تھے، یہ اسکیم مولانا نے دو سال پیشتر ۱۹۳۷ء (۱۳۵۶ھ) ہی میں پیش فرمائی تھی، جیسا کہ قانونی مسودے پر درج تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، جو ۱۹۳۹ء کے اجلاس میں منظور ہوئی، یہ پورا مسودہ مولانا محمد میاں صاحب کی کتاب ”جمعیت علماء کیا ہے؟“ اور حضرت مولانا سجادؒ کے قانونی مسودات کا مجموعہ ”قانونی مسودے“ میں موجود ہے۔^۳

واردہ تعلیمی اسکیم کا جائزہ

☆ اسی اجلاس میں حکومت کی واردہ تعلیمی اسکیم پر بھی غور کیا گیا اور اس کے نقائص کا جائزہ لیتے ہوئے ایک جامع رپورٹ تیار کی گئی، یہ رپورٹ بھی حضرت مولانا محمد سجادؒ ہی نے تیار کی تھی، اور آپ کی فکر و فن کی شاہکار ہے۔^۴

۱- جمعیت علماء کیا ہے؟ ص مرتبہ مولانا سید محمد میاں صاحب، مطبوعہ الجمعۃ بکند پو۔

۲- امارتِ شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۱۱۔

۳- جمعیت علماء کیا ہے؟ (ضمیمہ) حصہ دوم ص ۸۴۵ مرتبہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب، مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی، قانونی مسودے ص ۴۵۴ تا ۴۷۲ جمع و ترتیب حضرت مولانا قاضی مجاہد اسلام ٹاکنی۔

۴- جمعیت علماء کیا ہے؟ حصہ دوم ص ۱۳ تا ۱۷ مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب۔

نہرورپورٹ کا بایکاٹ

☆ لندن پارلیامنٹ میں برطانوی وزیراعظم نے تقریر کی جس میں ہندوستانیوں کی غیرت کو چیلنج کیا گیا کہ اگر ہندوستان آزادی کا مطالبہ کرتا ہے تو چاہئے کہ وہ ایک دستور بنا کر پیش کرے، ہم اس کو منظور کر لیں گے، اس چیلنج کے جواب میں موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ایک کمیٹی بنائی گئی، جس نے ایک دستوری خاکہ مرتب کیا، جو نہرورپورٹ کے نام سے مشہور ہوا، بدقسمتی سے اس رپورٹ میں خالص ہندو ذہنیت کی عکاسی تھی، مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ملحوظ نہیں رکھی گئی تھی، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کے لئے اس کی تائید ممکن نہیں تھی، کانگریس نے نہرورپورٹ پر غور و خوض اور اس کی منظوری کے لئے لکھنؤ میں ۱۹۲۸ء (۱۳۴۶ھ) کے آخر میں آل پارٹیز کانفرنس بلائی، جمعیۃ علماء ہند کو بھی دعوت ملی، جمعیۃ نے اپنا ایک نمائندہ وفد کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ کیا، جس میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا حسرت موہانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا محمد شفیع فرنگی محلی، مولانا محمد عرفان، اور مولانا ریاست حسین شامل تھے، جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک نہرورپورٹ میں گیارہ (۱۱) بنیادی خامیاں تھیں، جن سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی تھی، ارکان وفد نے ان خامیوں کو اجاگر کیا، اور نہرورپورٹ سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا، اس موقع پر حضرت مولانا سجاد صاحب کی آئین شناسی کے جوہر کھل کر سامنے آئے، اور آپ نے جمعیۃ علماء ہند کی مضبوط نمائندگی فرمائی۔^۱

جمعیۃ علماء ہند کی قیادت کا مسئلہ

☆ ہر مشکل وقت میں آپ کی شخصیت جمعیۃ علماء ہند کے لئے مضبوط ڈھال تھی، آپ کی دلیلوں اور حکمت عملی کا کوئی جواب نہیں تھا، ایک موقع پر جمعیۃ علماء ہند میں مسٹر اور مولانا کی جنگ چھڑ گئی، کچھ لوگ چاہتے تھے کہ جمعیۃ پر سے علماء کا غلبہ ختم کیا جائے اور قیادت میں انگریزی دال طبقہ کو بھی شامل کیا جائے، مولانا محمد علی جوہر جو حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے فیض توجہ و ارادت

۱- مولانا ابوالحسن محمد سجاد - حیات و خدمات ص ۲۹۵ مضمون مولانا سراج الحق قاسمی - مولانا سراج الحق صاحب نے کسی وثیقہ وغیرہ کا حوالہ نہیں دیا ہے، لیکن جمعیۃ کے جس موثر منصب (انٹرمیڈیٹ) پر وہ فائز رہ چکے ہیں اس کے پیش نظر یہی امید ہے کہ اس مضمون کو لکھتے وقت ضرور کوئی دستاویزی چیز ان کے پیش نظر رہی ہوگی، اس لئے جماعتی معاملات میں ان کی روایت پر استناد کیا جانا چاہئے۔

سے مسٹر سے مولانا ہو گئے تھے، کچھ لوگ ان کو جمعیت علماء ہند کا صدر بنانا چاہتے تھے، اس موقع پر مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد سجاد اور علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ نے شدت کے ساتھ ان کوششوں کی مخالفت کی، ان حضرات کی ہمیشہ یہ رائے رہی کہ یہ علماء کی جماعت ہے، اس کے کلیدی عہدوں پر صرف علماء فائز ہو سکتے ہیں، حضرت مولانا سجاد صاحب کو اس کی بھاری قیمت بھی چکانی پڑی، ان کے بہت سے قریب ترین لوگ دشمن بن گئے، لیکن مولانا کے پائے استقامت میں فرق نہیں آیا۔^۱

بے لوث خدمات

غرض جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجاد نے بے شمار دینی، ملی و قومی خدمات انجام دیں، اور کبھی کسی صلہ یا ستائش و تحسین کے طلبگار نہیں ہوئے، بے لوث خدمات کا وہ ریکارڈ قائم کیا کہ شاید تنظیموں اور جماعتوں کی تاریخ میں ایک دو ہی ایسی مثال مل سکے گی، ہر طرح کے استحقاق اور لوگوں کے اصرار کے باوجود کبھی اپنے لئے کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا، لیکن کسی عہدہ کے بغیر بھی جماعت کی روح رواں بنے رہے، ذمہ دار قائدین گرفتار ہو جاتے تو ان کی ذمہ داریاں بھی آپ اٹھاتے تھے، کئی بار جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کے فرائض انجام دیئے، مولانا احمد سعید دہلوی جب بھی گرفتار ہو کر جیل گئے تو حضرت مولانا ابوالحسن سجاد ہی قائم مقام ناظم عمومی بنائے گئے۔^۲

بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند

لیکن جمعیت علماء ہند کے بارہویں اجلاس عام (منعقدہ جونپور ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی و یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ مطابق ۷، ۸، ۹ جون ۱۹۴۰ء) میں جمعیت علماء ہند کے جدید دستور العمل کے پیش نظر جب حضرت شیخ الاسلام مدنی صدر منتخب کئے گئے، تو حضرت مدنی نے ناظم عمومی کے عہدہ کے لئے حضرت مولانا سجاد کا نام یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ: ”بھائی! جمعیت علماء کے سارے کام تو مولانا سجاد صاحب کرتے ہی ہیں، ان ہی کو ناظم عمومی بنایا جائے،“ آپ نے ہر چند انکار کیا، امارت شریعہ، جمعیت علماء بہار اور دیگر مصروفیات کا عذر پیش فرمایا، لیکن ورکنگ کمیٹی کے بے حد اصرار پر بالآخر قبول کرنا پڑا، اس کے بعد تا حیات (۱۷ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ نومبر

۱- مولانا ابوالحسن محمد سجاد - حیات و خدمات ص ۱۳۶ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی۔

۲- مولانا ابوالحسن سجاد - حیات و خدمات ص ۲۹۳ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی سابق ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند۔

۱۹۴۰ء) اس عہدہ پر فائز رہے۔^۱

تذکرہ جمعیت علماء ہند کی تصنیف

مگر رسمی نظامت کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد حیات مستعار کے صرف چند ماہ باقی رہ گئے تھے، بمشکل پانچ (۵) ماہ زندہ رہے، اس دوران بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیت کے معمول کی خدمات (اندرونی تنظیم اور بیرونی نشر و اشاعت^۲) کے علاوہ آپ نے بڑا کام یہ کیا کہ (مولانا احمد سعید دہلوی کے الفاظ میں):

”صرف دو دن میں انہوں نے جمعیت علماء کی بیس (۲۰) سالہ زندگی کی ایک مختصر تاریخ لکھ دی۔“

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے اس تاریخی اور دستاویزی کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

”جمعیت علماء کی بیس سالہ تبلیغی، دینی، سیاسی، اجتماعی خدمات اور عملی جدوجہد کا ایک مرقع تالیف فرمایا۔ جو تذکرہ جمعیت علماء ہند کے نام سے معنون کیا گیا۔ اور یہ عجیب بات پیش آتی کہ باوجود اس امر کے کہ اس تذکرہ میں جمعیت علماء ہند کی گذشتہ خدمات کی فہرست مرتب کرنے اور مسلمانان ہند کے سامنے ان خدمات کی تفصیل کو یکجا کر کے ان کی توجہ کو جمعیت علماء ہند کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے سوائے اور کچھ نہ تھا مگر حکومت دہلی اس کو بھی برداشت نہ کر سکی۔ اور فوراً اس کو ضبط کر لیا۔ اور دفتر کی تلاشی لیکر اس کی تمام کاپیاں حاصل کر لیں۔ اور ساتھ ہی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کا وہ محرکہ ال آراء خطبہ صدارت بھی ضبط کر لیا جو جون پور کے اجلاس کی بہترین یادگار ہے۔“^۳

۱- حیات مجاہد ص ۱۵۰ مضمون مولانا حافظ الرحمن سیوہاروی: جمعیت علماء ہند کے اجلاس دہازدہ منعقدہ جون پور کی مختصر رپورٹ، محبوب الہ آبادی برقی پریس دہلی، اس رپورٹ سے صرف تاریخ ملی گئی ہے، اس میں انتخابی نتائج درج نہیں ہیں، البتہ صفحہ اول پر صدر منتخب حضرت شیخ الاسلام مدنی کے جلوس استقبال کا تذکرہ ہے، لیکن حضرت مولانا مجاہد صاحب بحیثیت ناظم عمومی کا ذکر نہیں ہے بلکہ سرورق پر ناظم کی جگہ پر مولانا احمد سعید دہلوی ہی کا نام درج ہے، جو پیسے سے ناظم چلے آ رہے تھے لیکن یہ کہ سالہ کی اشاعت تک حضرت مولانا مجاہد نے یہ ذمہ داری قبول نہ کی ہو اللہ اعلم بالصواب۔

۲- مولانا ابو الحسین مجاہد- حیات و خدمات ص ۲۹۳ مضمون مولانا سراج الحق قاسمی سابق ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند، مولانا ابراہیم صاحب گوکہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جو حضرت مولانا مجاہد صاحب سے برابر اسے روایت نقل کر سکیں، لیکن دو جہ سے میں نے ان کی روایت پر بالواسطہ جوئے کے باوجود اعتماد کیا ہے: ایک تو یہ حضرت مولانا حافظ الرحمن سیوہاروی کے خصوصی متعلقین میں رہے ہیں، جو جمعیت علماء ہند کے بنیادی ستونوں میں شامل تھے، دوسرے اس سے کہ مولانا موسیٰ خود جمعیت علماء ہند کے انتہائی باوقار عہدہ پر عرصہ تک فائز رہ چکے ہیں، اس لئے جماعتی معلومات کے بارے میں ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

۳- یہ مجاہد ملت مولانا حافظ الرحمن سیوہاروی کے الفاظ ہیں (حیات مجاہد ص ۱۵۱)

۴- حیات مجاہد ص ۱۰۹ مضمون حبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی۔

۵- حیات مجاہد ص ۱۵۱ مضمون مولانا حافظ الرحمن سیوہاروی۔

افسوس اس دستاویزی کتاب کی ایک کاپی بھی شاید آج محفوظ نہیں ہے، اگر یہ تذکرہ محفوظ رہتا تو جمعیت علماء ہند کی سب سے مستند تاریخ ہونے کے علاوہ فنِ تاریخ نویسی کا بھی شاہکار ہوتا۔ لیکن قدر اللہ ماشاء۔

البتہ اس کتاب کے بعض اقتباسات حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے نقل کئے ہیں، جن سے اس تذکرہ کے علمی و تاریخی رنگ و آہنگ کا اندازہ ہوتا ہے، بطور نمونہ چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

”اس موقع پر ہم اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کہ ہندوستان میں قیامِ امارت اور نظام شرعی کی ضرورت و اہمیت اس موقع پر محسوس ہونے لگی تھی، جب کہ اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے وقت میں قیامِ امارت کے وجوب کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ اس فتویٰ پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا جب کہ حضرت سید احمد بریلویؒ شہید کو امام و امیر منتخب کیا گیا، لیکن اس انقلابِ عظیم کے بعد حالات ناسازگار ہو گئے، زبان و قلم پر جبروتی مہریں لگا دی گئیں، مگر ہمارے اکابر کے دل و دماغ اس تنگی سے کبھی غافل نہیں رہے اور مقصدِ عظیم کی مبادیات میں مشغول رہ کر اس وقت کا انتظار کرتے رہے، جب کہ حالات سازگار ہوں، اور اسلامی نظامِ جماعتی و شرعی اصول و ضوابط سے قائم کرنا ممکن ہو جائے (چند سطروں کے بعد) اور جب یہ حالت پیدا ہو چکی ہے تو ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور قیامِ امارت فی الہند کی تجویز کو عملی شکل دی جائے۔“

پھر آگے چل کر ص ۳۴ پر ارشاد فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہئے کہ ہندوستانی سیاست اور حکومت خواہ کوئی شکل و صورت اختیار کرے اس کے اندر اسلامی سیاست کی رعایت کو ملحوظ رکھنا، پھر اسلامی اجتماعی اصول و احکام کو بردے کا رونا بنا بغیر اس کے ناممکن ہے، کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند جمعیت علماء ہند اور اس کی شاخوں کو مضبوط بنائیں، اور اس کی ہر آواز پر لبیک کہیں، اور اس کے دفتر اور کاموں کے لئے بقدر وسعت و ہمت مال و زر سے اعانت کرتے رہیں۔ دوسری طرف وہ جمعیت کی امارت کی اسکیم شرعی اور نظامِ سیاسی کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھیں، اور تمام ہندوستان میں اس نظام کو قائم کرنے میں جمعیت علماء ہند کا ہاتھ بٹائیں۔“

۱۔ نظامِ فقہ کا قیام ص ۱۲، ۱۳ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ مسلم پرسنل لا بورڈ دہلی ۲۰۱۶ء، تاریخِ امارت ص ۱۳۵، ۱۳۶ بحوالہ رسالہ ”تذکرہ“ ص ۳۳، ۳۴۔

۲۔ تاریخِ امارت ص ۱۳۶ بحوالہ رسالہ ”تذکرہ“ ص ۳۴۔

واضح رہے کہ اس کتاب پر درج ذیل بزرگوں کے دستخط ثبت تھے:

☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب،
 حبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی، حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقی، اور حضرت مولانا ابوالحسن
 محمد سجاد۔^۱

جمعیت علماء ہند کے لئے نئی منصوبہ بندی

☆ نظامت اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد آپ نے جماعت کے لئے نئی اسکیم اور نئے
 خطوط وضع فرمانے، آپ چاہتے تھے کہ نئے حالات میں طور و طریق بدلنے اور نئے مسائل کے
 لئے نئے نسخوں سے لیس ہونے کی ضرورت ہے، اس کے لئے انہوں نے ایک جامع خاکہ مرتب
 کیا تھا، اور عملی اقدامات شروع ہی کئے تھے، کہ رب العالمین کی طرف سے بلاوا آ گیا، حضرت
 مولانا سجاد کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ علی آبادی رقمطراز ہیں:

”مولانا نے جمعیت علماء ہند کے توسیعی نظام کے سلسلے میں ایک مستقل پروگرام بنایا تھا، وہ عام
 مسلمانوں کو جمعیت علماء سے وابستہ کرنا چاہتے تھے، اس مشغولیت میں مولانا کی بصارت اور عام
 صحت کمزور ہو گئی، مگر ہمت اور ادوار عزیزوں میں رفعت اور باندی ہوتی گئی۔“^۲

آپ کے تلمیذ رشید اور تحریر کی کاموں میں آپ کے شریک مولانا اصغر حسین صاحب سابق
 پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ تحریر فرماتے ہیں:

”امسال (۱۹۴۰ء) حضرت نائب امیر شریعت کو جمعیت علماء ہند نے ناظم اعلیٰ مقرر کیا تھا،
 اور اگرچہ آپ کی ذات اس عہدہ سے پیشتر بھی جمعیت کے لئے روح رواں تھی، لیکن جب ارکان
 جمعیت کے اصرار سے اس عہدہ نظامت کی باگ ہاتھ میں لی تو ایک جدید اسکیم کے ماتحت نئے
 اسلوب سے جمعیت کے چلنے کا کام شروع کر دیا تھا، کہ ایسے نازک وقت میں ایثار و غوم کا یہ
 پیکر مجسم ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گیا۔“^۳

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رقمطراز ہیں:

”جمعیت علماء ہند کی نظامت اعلیٰ کو نبھالے ہوئے ابھی چند ہی مہینے ہوئے تھے اور جمعیت علماء

۱- نظامت کا قیام ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴

کے نظام میں اپنے عہدہ کے پیش نظر تھوڑی ہی قدم بڑھایا تھا کہ پیغام اجل آ پہنچا اور اس مرد حق نے اپنے رفقاء کار کو مائی بے آب کی طرح عزیتا ہوا چھوڑ دیا۔^۱

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ
تم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

جمعیت علماء ہند کے دماغ

☆ اس طرح حضرت مولانا سجاد صاحب جمعیت علماء بہار (۱۹۱۷ء) سے جمعیت علماء ہند (۱۹۱۹ء) تک اور پھر اس کے بعد سے تاحیات (۱۹۴۰ء) تقریباً تیس سالوں تک جمعیت علماء ہند کے روح رواں رہے، بناء سے قیام و استحکام اور زلف و گیسو کی آراستگی تک ہر جزو میں مولانا سجاد کا سوز دماغ اور خون جگر شامل رہا، درحقیقت وہ جمعیت علماء ہند کے دماغ اور مرکز اعصاب تھے، مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”میں ہمیشہ سنا کرتا تھا کہ مولانا جمعیت علماء کے دماغ ہیں۔“^۲

☆ جمعیت علماء ہند کی اکثر تجاویز، منصوبے اور فارمولے حضرت مولانا سجادؒ ہی کے مرتب کردہ ہیں۔^۳
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را



۱- حیات سجاد ص ۱۵۲ مضمون مولانا حفص الرحمن سیوہاروی۔

۲- محاسن سجاد ص ۴۹ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی۔

۳- مولانا ابوالحسن سجاد - حیات و خدمات ص ۲۹۳ مضمون مولانا اسرار الحق ڈاکٹر سائق ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند۔

ملی و قومی خدمات

(۱۰)

دسواں باب

امارتِ شرعیہ

ہندوستان میں وحدتِ اسلامی اور ملی اجتماعیت کا عظیم مرکز
حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کی خدماتِ جلیلہ کا ایک شاہکار باب

فصل اول

امارت شرعیہ تصور، تحریک اور پس منظر

مفکر اسلام ابو الحسن حضرت مولانا محمد حجاوی حیات طیبہ کا سب سے روشن عنوان اور آپ کا عظیم ترین ملی قومی کارنامہ امارت شرعیہ کا قیام ہے، غیر اسلامی اقتدار میں یہ آپ کے ملی اور سیاسی سفر کا نقطہ عروج اور آپ کی تمام تہذیبی و ملی جدوجہد کا لب لباب ہے، غیر اسلامی ہندوستان کے لئے یہ آپ کی پہلی منزل اور ثانوی نصب العین تھا، اصل منصوبہ تو خلافت اسلامیہ کا احیاء، مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی واپسی اور ملت اسلامیہ کو مرکز اسلامی سے مربوط کرنا تھا، لیکن اس ملک میں اس وقت اس سے زیادہ کا حصول ممکن نہیں تھا، ہندوستان سے مسلمانوں کے اجتماعی نظام کا خاتمہ ہو چکا تھا، صدیوں سے جاری اقتدار و روایات ایک ایک کر کے ختم کی جا رہی تھیں اور خود مسلمانوں کے فکر و تمدن کی کاہل پست چھٹی تھی۔

انقلابات دوراں

بقول حضرت مولانا ابو الحسن محمد حجاوی:

”کل جو تخت نشین تھے آج خاک نشین ہیں کل جو آزاد حکمران تھے آج وہ غلام اور بدترین غلام ہیں۔ کل تک جو ہزاروں غریب و فقراء کے دامنوں کو سیم و زر سے بھر دیا کرتے تھے آج وہ خود فقیر بے نوا ہیں کل جن کی عبادت گاہیں آباد و پرفروغ تھیں آج وہ مسان اور ویران ہیں کل جن کی مسجدوں میں نہایت لائق اور دیندار امام و مؤذن مقرر تھے آج اکثر جگہوں میں روٹی کے چند بکڑوں کے لئے محض بے علم اور نالائق لوگ امامت و مؤذنتی کے سئے مزارعے ہیں کل تک جو قومیں مسلمانوں سے آنکھیں بھی برابر نہیں کر سکتی تھیں آج وہ ان کے گھروں کو لوٹتی ہیں قربانی گاہ کو بند کرتی ہیں قبرستان پر قبضہ کر کے ہل چلانے کی فکر کر رہی ہیں جن کی عداوتوں میں غیر اقوام اپنے قضیوں اور جھگڑوں کی دایری کے لئے حاضر ہوتے تھے آج وہ خود غیروں کی نمائندگی دہائی عداوتوں میں نہایت بے غیرتی کے ساتھ نمودار کرنا ضرر ہوتے ہیں کل تک جو غیر اسلامی قوانین کی تمغینہ یا تعمیل کو عالم فتن یا کفر تصور کرتے تھے آج بے جھجک ان پر عمل پیرا ہو رہے ہیں“

علماء امت کی فکر مندی و دردمندی آزمائشیں اور قربانیاں

علماء امت برسوں سے ان زوال پذیر حالات سے فکرمند تھے، مسلمانوں کی انفرادی زندگی کو جو حالات درپیش تھے وہ تو تھے ہی، مسئلہ خود ملت اسلامیہ کی بقا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تحفظ کا تھا، جو قوم برسوں پر اگندہ اور منتشر رہتی ہے وہ فکری اور اخلاقی زوال میں مبتلا ہو جاتی ہے، اقتدار سے محرومی کے بعد فوری تدبیر نہ کی جائے تو ذہنی دیوالیہ پن بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور بہت سے سامنے کے مسائل بھی انسان کو نظر نہیں آتے، اس لئے بقول حضرت مولانا سجاد:

”ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد ہی چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان خود اپنا کوئی امیر منتخب کر کے جماعتی و اجتماعی نظام قائم کر لیتے، تاکہ پراگندگی اور انتشار کی لعنت سے محفوظ رہتے، اور ان خرابیوں سے بھی بچتے جو لازم انتشار ہیں، چنانچہ بعض اکابر علماء ہند نے اس اہم فریضہ کی طرف توجہ بھی کی اور اس کی بابت قوی بھی لکھے، مثلاً:

ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد ہی ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہندوستان کے دارا غریب ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا تھا^۱، اور اپنے فتاویٰ میں اس بات پر زور دیا کہ مسلمان خود اپنا امیر منتخب کریں، جس کی ماتحتی میں وہ تمام ملی اور اجتماعی کام انجام دیے جائیں جو امیر وقاضی کے بغیر رو بہ عمل نہیں آ سکتے ہیں۔^۲

جب کہ ابھی ملک پر انگریزوں کا پوری طرح تسلط نہیں ہو پایا تھا، کچھ بعض چیزیں اب بھی باقی تھیں (لیکن شاہ صاحب نے خطرہ کی گھنٹی محسوس فرمائی تھی کہ یہ سلسلہ کبھی بھی موقوف ہو سکتا ہے۔^۳ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے فتویٰ کے تقریباً چالیس سال کے بعد ۱۸۶۲ء میں

۱- مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۶۔ افادہ ایڈیشن مجمع مکتوبات دہلی، سن طبع ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۶ء۔

۲- مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن طبع مکتوبات دہلی، سن طبع ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۶ء۔

۳- حضرت شاہ صاحب سے زیادہ اس خطرہ کو محسوس کر سکتا تھا، جب کہ خود آپ کے خالوادہ پر مصیبتوں کے بڑے بڑے پہاڑ ٹوٹ چکے تھے، آپ کے والدہ جد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے چچے اتر واکر ہاتھ بیکار کر دیئے گئے تھے، تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کر سکیں، خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو دہلی سے اس طرح نکالا گیا تھا کہ یہ دونوں بزرگ مع مستورات کے ساتھ ہر دن تک پیدل چل کر گئے تھے، اس کے بعد مستورات کو کسی طرح سواری مل گئی تھی، جس سے وہ بچست (مظفر نگر) چلی گئی تھیں، مگر ان دونوں بھائیوں کو سواری پر بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں ملی، شاہ رفیع الدین صاحب پیدل لکھنؤ تشریف لے گئے، اور شاہ عبدالعزیز صاحب جو پور کے لئے روانہ ہوئے، تھم یہ تھا کہ دونوں ساتھ ساتھ تھک تھک، اور نہ سواری پر سفر کریں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو راستہ میں لوٹ گئی، اور ان کی آنکھوں کی دیکھائی متاثر ہو گئی، اس کے علاوہ ان کی جان لینے کی سازش بھی کی گئی، دو مرتبہ ان کو زہر دیا گیا، ایک مرتبہ چھپکلی کا ایشان سارے جسم پر موادا گیا، جس سے آپ کو جذام اور برص ہو گیا، واللہ وان الیہ راجعون (تاریخ امارت ص ۵، ۶، مصنف مولانا عبدالصمد رحمانی۔ ص ۲۱۱ امارت شریعہ پبلشرز شریف پورہ۔ ۱۳۶ھ)

انگریزوں نے پہلے اسلامی تعزیرات منسوخ کر کے تعزیرات ہند کا نفاذ کیا۔ پھر ۱۸۶۳ء میں اسلامی قاضیوں کی تقرری موقوف کر دی۔ اور ۱۸۷۲ء میں اسلامی قانون شہادت بھی منسوخ کر دی گئی۔ (—)

مگر حکومت اسلامیہ کے زوال اور انگریزوں کے تسلط کے بعد فطرتاً جو دین اور کمزوری ان میں پیدا ہو گئی تھی، اس نے تمام بڑے بڑے ذمی ہوش مسلمانوں کو بھی شائش بنادیا۔ اور اس کے بعد پھر ۱۸۵۷ء کے مظالم نے تو بڑے بڑے بہادر مسلمانوں کو بھی پست ہمت کر دیا۔ پھر کیا تھا جو بعض اسلامی ادارے مسلمانوں کے سے خصوصیت سے باقی رکھے گئے تھے، وہ سب بھی ایک ایک کر کے اٹھا دیئے گئے۔ نہ محکمہ فقار ہائے محکمہ صدور الصدور نہ اوقاف کا نظام باقی رکھا گیا۔ نہ حجوں کے ساتھ ”مفتی اسلام“ کا عہدہ، اعراض یہ چند اسلامی چیزیں جو حسب معاہدہ یا حسب وعدہ انگریزوں نے باقی رکھی تھیں، سب کی سب جہنم قلم فقہ کر دی گئیں، اس کے ساتھ باغیروں اور زمیندار یوں کی ضابطی کے بعد جو کچھ دولت پکی کچی تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔“

متعدد علماء اور قلمدان نے امت کی اس ذوقی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کی بڑی کوششیں کیں، جن میں سے بعض کا ذکر حضرت مولانا محمد سجاد کی مرتب کردہ کتاب ”تذکرہ جمعیۃ علماء ہند“ میں بھی کیا گیا ہے جو ۱۹۳۰ء میں بطور اعلامیہ امت کے شائع ہوا تھا اور اس پر حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد کے علاوہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی، اور حضرت مولانا عبدالحیمر صدیقی نے بھی اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے، اس کا یہ اقتباس بہت اہم ہے:

”اس موقع پر ہم اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں قیام امارت اور نظام شرعی کی ضرورت و اہمیت اس موقع پر محسوس ہونے لگی تھی، جب کہ اسلامی حکومت کا پرانہ گل جو رہا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز نے اپنے وقت میں قیام امارت کے وجوب کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ اس فتویٰ پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا، جب کہ حضرت سید احمد بریلوی شہید کو امام و امیر منتخب کیا گیا، لیکن اس انقلاب عظیم کے بعد حالات نامسا زگار ہو گئے، زبان و قلم پر جبروتی مہریں لگا دی گئیں، مگر ہمارے اکابر کے دل و دماغ اس تنگی سے کبھی غافل نہیں رہے اور مقصد عظیم کی مبادیات میں مشغول رہ کر اس وقت کا انتقاد کرتے رہے، جب کہ حالات نامسا زگار

ہوں، اور اسلامی نظام جماعتی و شرعی اصول و ضوابط سے قائم کرنا ممکن ہو جائے (چند سطروں کے بعد) اور جب یہ حالت پیدا ہو چکی ہے تو ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور قیام امارت فی الہند کی تجویز کو عملی شکل دی جائے۔

”مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہئے کہ ہندوستانی سیاست اور حکومت خواہ کوئی شکل و صورت اختیار کرے اس کے اندر اسلامی سیاست کی رعایت کو ملحوظ رکھنا، پھر اسلامی اجتماعی اصول و احکام کو بروئے کار لانا بغیر اس کے ناممکن ہے، کہ ایک طرف مسلمانان ہند جمعیت علماء ہند اور اس کی شاخوں کو مضبوط بنائیں، اور اس کی ہر آواز پر لبیک کہیں، اور اس کے دفتر اور کاموں کے لئے بقدر وسعت و وسعت مال و زر سے اعانت کرتے رہیں۔ دوسری طرف وہ جمعیت کی امارت کی اسکیم شرعی اور نظام سیاسی کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھیں، اور تمام ہندوستان میں اس نظام کو قائم کرنے میں جمعیت علماء ہند کا ہاتھ بنائیں۔“

لیکن اپنوں کی نادانیوں اور دشمن کی عیاریوں کی بنا پر اکثر کوششیں بظاہر بے نتیجہ ثابت ہوئیں، جن کی تفصیلات ہماری تحریکی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔^۲

آئینی دور کا امام اور عصر حاضر کا مجدد

باآخریہ قرعہ قال مفکر اسلام حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد کے نام نکلا، اور آپ نے اس امت کی دینی اجتماعیت کو ایک نیارخ دے کر اس پر امارت شرعیہ کی تائیس فرمائی، حالانکہ جس دور میں آپ نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں، وہ اپنی اتری کی آخری حد و بھی پار کر چکا تھا، اور پانی سر سے بہت اوپر جا چکا تھا، لیکن آپ کی تجدیدی فکر اور جہد مسلسل نے رکاوٹوں کے پہاڑ کاٹ ڈالے اور سنگینیوں کی نوک پر چلتے ہوئے باآخریہ ۱۹ ر شوال المکرم ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶ جون

۱۔ نظام فقہ کا قیام ۱۲، ۱۳ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد عیسیٰ صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ مسلم پرسنل لا بورڈ دہلی ۲۰۱۶ء تاریخ امارت ص ۱۳۵، ۱۳۶ بحوالہ رسالہ ”تذکرہ جمعیت علم ہند“ ص ۳۳، ۳۴۔

۲۔ مثلاً: ہندو حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی کے زیر قیادت سرحد کے علاقہ میں امارت اسلامی (۱۲ ر جمادی الثانیہ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۸۲۰ء تا ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۸۳۱ء) قریب ساڑھے چار سال) قائم کی تھی جس کا اختتام باآوت میں اکابرین امارت اسلامی کی شہادت پر ہوا۔ (سیرت سید احمد شہید، مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

۳۔ ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں امارت اسلامی کا قیام عمل میں آیا جس میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرینی امیر المؤمنین، جتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سپہ سالار فوج، اور فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قاضی شریعت مقرر ہوئے مگر یہ تحریک بھی جلد منتشر ہو گئی (تذکرہ ارشدین ص ۷۷)۔ چوبیسویں صدی کے آغاز میں انہی مقدمہ کے لئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے ایک عالمی تحریک شروع فرمائی، جو بعد میں تحریک ریشمی رول کے نام سے مشہور ہوئی، اس تحریک نے بھی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیا (انقش دیات حضرت شیخ الاسلام و راجہ حسین احمد مدنی ص ۲۳)

۱۹۲۱ء کو غیر مسلم ہندوستان کے صوبہ بہار میں آپ نے اپنی نوعیت کی پہلی امارت شرعیہ کی بنیاد رکھ دی^۱، لیکن حضرت مولانا سجاد گوہ رنجیدہ احساس تھا کہ یہ امارت ہندوستان میں ڈیڑھ سو برس قبل قائم ہونی چاہئے تھا، اسی طرح ان کو اس کا بھی تازہ زندگی افسوس رہا کہ یہ چیز ملک گیر سطح کے بجائے صرف ایک صوبہ کی سطح پر قائم ہو سکی۔^۲



۱- بلاشبہ امارت شرعیہ اپنی نوعیت کی پہلی امارت تھی جو غیر اسلامی ہندوستان میں قائم ہوئی، اس نئے کہ اس سے قبل قیام امارت کی جو بھی کوششیں ہوئیں وہ عربی نوعیت کی تھیں، جب کہ امارت شرعیہ کی نوعیت آئینی تھی، سابقہ کوششیں اصلاً غیر اسلامی اقتدار کے بالمقابل حکومت اسلامیہ کے قیام کے لئے شروع کی گئی تھیں، جس کو ہم امامت عظمیٰ یا خلافت اسلامیہ کہہ سکتے ہیں، جب کہ امارت شرعیہ غیر مسلم اقتدار میں رہتے ہوئے تنظیمی اور اجتماعی وحدت کی ایک شکل تھی، جس کو ہم امامت عظمیٰ نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ولایت شرعیہ کہہ سکتے ہیں۔۔۔ اسی لئے امارت اسلامیہ کے لئے سابقہ کوششوں کی شرعی حیثیت پر کسی جانب سے کوئی حرف سوال نہیں اٹھا، اس لئے کہ وہ ایک معروف تصور تھا جس کو امت صدیوں سے دیکھتی چلی آئی تھی، اور مسلمانوں کے اجتماعی و قومی مزاج سے ہم آہنگ بھی تھا۔۔۔ اس کے برعکس جب حضرت مولانا سجاد نے غیر مسلم نظام حکومت میں امارت شرعیہ کا تخیل پیش فرمایا تو اس کے خلاف چہار جانب سے شبہات و اعتراضات کا طوفان کھڑا ہو گیا، بعض معتبر حلقوں سے بھی سرگوشیاں سنائی دیں، جب کہ شریعت اسلامی میں فقہ الاقلیات کی یہ دفعہ بھی طور پر موجود تھی، لیکن قانونی ذخیرہ میں وہ اس طرح گم ہو چکی تھی کہ صدیوں سے حکمرانی کرنے والی قوم نے کبھی اسے لائق اعتنا نہیں سمجھا، یا یہ کہ غلبہ پسند ذہنیت اس مغلوبانہ نظریہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی، حضرت مولانا سجاد اور ان کے رفقاء کو اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑی تب جا کر یہ نظریہ غیر مسلم ہندوستان میں قابل عمل قرار پاسکا، اسی نئے حضرت مولانا عبدالمصنوع حسانی نے بجا طور پر آپ کو اس آئینی دور کا امام، وقت کا صحیح ناظم اور تیرہویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے (تاریخ امارت ص ۴۳، ۴۴) اللہ پاک آپ کی اور آپ کے رفقاء کی روحوں کو اعلیٰ علین میں جگہ عنایت فرمائے آمین۔

فصل دوم

نظریہ امارت کی شرعی حیثیت - حدود اور معیار

حضرت مولانا سجادؒ نے تحریک امارت شروع کی تو گوکہ ہندوستان میں ان کی فہم کی بنیاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتویٰ پر تھی، جس کا انہوں نے اپنے مضامین اور خطوط میں بار بار اظہار فرمایا، اور اس کی تائید بھی بہت سے اہم علماء کی طرف سے کی گئی، لیکن اس کے باوجود کئی حلقوں سے ان کو سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور انہی مخالفتوں کی بنیاد پر کل ہند سطح پر امارت شرعیہ قائم نہ ہو سکی، اور اس کے قیام میں جس تیزی کے وہ متقاضی تھے، اور اس کو امت پر ایک اہم فرض تصور فرماتے تھے، وہ حساسیت امت کے اکثر حصے میں منقو و تھی، گوکہ اب یہ اختلافات داستان ماضی بن چکے ہیں، اور قلمین امارت کی مضبوط ترجمانی کے نتیجے میں مخالف و اہل کا زور و ثروت چکا ہے، لیکن تاریخی سرمایہ کے طور پر اس کا مختصر تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

نظریہ امارت پر بعض کتابیں

اس موضوع پر سب سے مضبوط اور مستند تحریرات خود بانی امارت شریعہ حضرت مولانا محمد سجادؒ اور امیر شریعت اول حضرت فیاض المسمین شاہ بدر الدین پھلواریؒ کی ہیں، جو حضرت مولانا شاہ قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ کے شبہات کے جواب میں لکھی گئی ہیں، یہ تحریرات پہلے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ سے ’لمعات بدریہ‘ (مجموعہ مکاتیب شاہ بدر الدین) کا جزء بن کر شائع ہوئیں، پھر بعد میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تحقیق و تعین کے ساتھ امارت شریعہ پٹنہ سے مستقل طور پر بھی شائع ہوئیں۔

اس موضوع پر دوسری سب سے مبسوط اور مدلل کتاب حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے ’امیر شریعت پھلواری شریف پٹنہ کی کتاب ’ہندوستان اور مسند امارت‘ ہے، جو انہوں نے خود بانی امارت شریعہ کی ہدایات و افادات کی روشنی میں مرتب کی تھی، لیکن اس کی اشاعت بانی امارت شریعہ کے وصال کے بعد کبھی بار ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے عمل میں آئی۔

اس موضوع پر ایک اور اہم کتاب حضرت امام ستاد مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتی حنفی ہے ”امارت شریعہ دینی جدوجہد کا روشن باب“، گوکہ اس کتاب کا موضوع تاریخ ہے لیکن امارت سے متعلق ضروری نکات بھی زیر بحث آئے ہیں، یہ کتاب پہلی بار ربیع الاول ۱۳۹۴ھ راپر میں ۱۹۷۴ء میں مکتبہ امارت شریعہ پٹنہ سے شائع ہوئی۔

ان کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی علمی تحریرات موجود ہیں، جن سے یہ مسئلہ اب پوری طرح منبج ہو چکا ہے، تطویل سے بچتے ہوئے اس بحث کے ضروری نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

تنظیم و اجتماعیت اسلام میں مطلوب ہے

ﷺ اسلام میں تنظیم و اجتماعیت کی بڑی اہمیت ہے، اسلام مسلمانوں کو منظم دیکھنا چاہتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان روئے زمین کے کسی بھی حصہ پر رہیں، جماعتی زندگی گزاریں، انتشار اور انارکی سے بچیں، اس میں دارالاسلام اور دارالکفر کی تخصیص نہیں ہے، اسلام کی یہ تعلیم اسی طرح امر مطلق ہے جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ایمان، شہادت، نکاح، طلاق، طہارت، نجاست وغیرہ احکام دارالاسلام اور دارالکفر کے حدود سے بالاتر اور روئے زمین کے تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتے ہیں، خواہ وہ حالت غلبہ میں ہوں یا حالت مغلوبیت میں، اگر کسی مقام پر چند مسلمان بھی ہوں تو اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ ایک کو امیر بنالیں، اگر سفر میں بھی چند لوگ ساتھ ہوں تو ان میں بھی ایک کو امیر سفر بنالیا جائے، اور اس کی ماتحتی میں سفر طے کیا جائے، تفرق و انتشار سے بچنا اور مسلمانوں میں ارکان خاندان سے بھی زیادہ اخوت ایمانی قائم کرنا اسلام کا نصب العین ہے، اور اسلام کا یہ نصب العین حالات کے مطابق ہر جگہ قائل عمل ہے، نصرت باہمی اور اتحاد و اتفاق کی اساس یہی ہے۔

اجتماعیت ایک کلی تصور ہے، یعنی جہاں جس طرح کی اجتماعیت ممکن ہو قائم کی جائے گی، جب مسلمان مد مکرمہ میں مغلوبانہ زندگی گزار رہے تھے، اس زمانے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوری: ۱۳)

ترجمہ: دین کو قائم کرو اور باہم اختلاف نہ کرو۔

اور مدینہ منورہ میں جب غلبہ کا دور آیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا فِيهِ (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو، اور انتشار سے بچو۔

دونوں آیات کے مضمون میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جماعتی زندگی ہر حال میں اسلام کو مطلوب ہے، بلکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ نبیوں سے بھی یہ عہد سیا گیا تھا:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔ (اشوری: ۱۳)

اس کی تفسیر میں علامہ غیشا پوری لکھتے ہیں:

{شرع لكم} یتن وأظهر لكم {من الدين ما وصى به} أمر {نوحاً} ثم یتن ذلك فقال: {أن أقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه} والله يبعث الأنبياء كلهم بإقامة الدين وترك الفرقة۔^۱

علامہ دمشقی رقمطراز ہیں:

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ [بعث الأنبياء كلهم بإقامة الدين والألفة والجماعة وترك الفرقة والمخالفة۔^۲

اور بھی کئی مفسرین نے اس مضمون کو نقل کیا ہے۔^۳

اسلام اجتماعیت کے بغیر اور اجتماعیت امارت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی

اسی لئے خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ نے واضح اعلان فرمایا:

لا إسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بإمارة ولا إمارة الا بطاعة۔^۴

۱- الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ج ۱ ص ۸۵۷ المؤلف: أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدی، النیسابوری، الشافعی (المتوفی: 468ھ)

۲- تفسیر الباب فی علوم الکتاب ج ۱۴ ص ۴۷ المؤلف: أبو حفص سراج الدین عمر بن علي بن عادل الحنبلی الدمشقی النعمانی (المتوفی: 775ھ)۔

۳- لباب التأویل فی معانی التنزیل ج ۵ ص ۳۶۰ المؤلف: علاء الدین علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشیخی أبو الحسن، المعروف بالخازن (المتوفی: 741ھ) * مختصر تفسیر البغوی ج ۷ ص ۵۰ المؤلف: عبد الله بن أحمد بن علي الزید الطیبة: الأولى الناشر: دار السلام للنشر والتوزيع - الرياض تاریخ النشر: ۱۴۱۶ھ عدد الصفحات: ۱۰۴۰ عدد الأجزاء: ۱ * معالم التنزیل ج ۷ ص ۱۸۷ المؤلف: محیی السنة، أبو محمد الحسین بن مسعود البغوی (المتوفی: ۵۱۰ھ) * للحقق: حققه وخرج أحادیثه محمد عبد الله النمر - عثمان جمعة ضمیریة - سلیمان مسلم الحرش الناشر: دار طیبة للنشر والتوزيع الطبعة: الرابعة، ۱۴۱۷ھ - ۱۹۹۷م عدد الأجزاء: ۸۔

۴- سنن الدارمی ج ۱ ص ۹۱ حدیث نمبر: ۲۵۱ المؤلف: عبد الله بن عبد الرحمن أبو محمد الدارمی الناشر: دار الکتاب العربی - بیروت الطبعة الأولى، ۱۴۰۷ تحقیق: فواز أحمد زمرلی، خالد السیغ العلمی عدد الأجزاء: 2 الأحادیث مدیلة بأحكام حسین سلیم أسد علیها۔

یعنی اسلام کی بنیاد ہی جماعت پر ہے، اور جماعت کے لئے امارت ضروری ہے، اور امارت بغیر اطاعت کے وجود میں نہیں آ سکتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جماعت کا ایک خاص اصطلاحی مفہوم ہے، چند لوگوں کا محض جمع ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ نظم و امارت کے تحت جمع ہونے کا نام جماعت ہے، قرآن کریم سے بھی یہی روشنی ملتی ہے کہ قیام جماعت کے لئے اولوالامر کی اطاعت ضروری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء: ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اولوالامر ہوں، اگر کسی امر میں تم میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اور بدلہ بھی بہترین ہے۔ ایک حدیث میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ جماعت کے لئے امام لازم ہے:

حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ حَذِيفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يَذْكُرَنِي. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ «نَعَمْ». قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ «نَعَمْ، وَفِيهِ دَخْنٌ». قُلْتُ وَمَا دَخْنُهُ قَالَ «قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُشْكِرُ». قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ «نَعَمْ دُعَاءُ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا». قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا فَقَالَ «هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بِالسَّبْتِ» قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي أَنْ أَذْكُرَ كُنِيَ ذَلِكَ قَالَ «تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ». قُلْتُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ قَالَ «فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا» ۱

۱ - الجامع الصحيح ج ۳ ص ۱۳۱۹ حدیث نمبر ۳۶۱۱: المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة ۱۹۸۷-۱۴۰۷ - تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلموه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: ۱۰ الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

ترجمہ: ابوالحسن خوافی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے فرمایا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امور خیر کے بارے میں سوالات کرتے تھے، اور میں اکثر آنے والے فتنوں اور شر کے بارے میں دریافت کرتا تھا، تا کہ اپنے آپ کو ان سے بچا سکوں، ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جہالت و شر میں مبتلا تھے، پھر اسلام ہمارے پاس خیر لے کر آیا، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آنے والا ہے؟ ارشاد ہوا، ہاں، میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد پھر خیر آئے گا؟ فرمایا، ہاں، اور اس میں کچھ بگاڑ ہوگا، میں نے عرض کیا، کیا بگاڑ ہوگا؟ فرمایا کچھ ایسے لوگ ہونگے جو میرے طریقے کے خلاف چلیں گے، اور میری روش سے الگ روش اختیار کریں گے، تم ان میں اچھی بات بھی پاؤ گے اور بری بات بھی، میں نے عرض کیا، پھر اس اچھائی کے بعد برائی آئے گی؟ آپ نے فرمایا، ہاں، بہت سے داعی پیدا ہونگے جو جہنم کی طرف بلائیں گے، جو ان کی بات مانیں گے جہنم رسید ہونگے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ان کی صفات بیان فرمائیے، ارشاد فرمایا: وہ ہماری ہی قوم کے ہونگے، اور ہماری ہی زبان میں بات کریں گے، میں نے عرض کیا، اگر وہ وقت میری زندگی میں آجائے تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑو، میں نے عرض کیا، اگر مسلمانوں کی جماعت اور امام موجود نہ ہو؟ آپ نے فرمایا، پھر ان تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گروہ کا امیر نہ ہو وہ محض فرقہ ہے جماعت نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس کی موت اس حالت میں آئے کہ اس کی جماعت کا کوئی امام نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی:

عن ابن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه حتى يراجعها قال: ومن مات وليس عليه إمام جماعة فإن موته موتة جاهلية (هذا حديث صحيح على شرط الشيخين وقد حدث به الحجاج بن محمد أيضاً عن الليث ولم يخرجاه تعليق الذهبي في التلخيص: على شرطهما)۔^۱

ایک روایت میں ارشاد نبوی ہے کہ مومن کی کوئی صبح و شام ایسی نہیں گذرے گی جس میں

۱- المستدرک علی الصحیحین ج ۱ ص ۱۵۰ حدیث نمبر: ۲۵۹۹ المؤلف: محمد بن عبد اللہ أبو عبد اللہ الحاکم النیسابوری الناشر: دار الکتب العلمیہ - بیروت الطبعة الأولى، ۱۹۹۰-۱۴۱۱ تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، عدد الأجزاء: 4 مع الكتاب: تعلیقات الذہبی فی التلخیص

اس کا کوئی امیر نہ ہو:

مَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَنَامَ نَوْمًا، وَلَا يَضْبَحَ صَبَاحًا، وَلَا يَمْسِي مَسَاءً إِلَّا وَعَلَيْهِ
أَمِيرٌ۔^۱

اس مضمون کی بے شمار روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے نصب امام اور قیام
امارت کا شرع اور لازمی حکم نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ سفر میں بھی چند لوگ ساتھ ہوں تو حکم ہے کہ ایک
کو امیر چن لیا جائے اور سفر اس کی ماتحتی میں کیا جائے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: «إِذَا
خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ»۔^۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں کے لئے مختلف امراء مقرر فرمائے اور ان کی
اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي
فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ
عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»۔^۳

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت صرف امیر المؤمنین ہی کی نہیں بلکہ نظام امارت کے قیوم
اور بقا کے لئے اصول کے مطابق ہر چھوٹے بڑے امیر کی اطاعت واجب ہے، خواہ وہ امیر سفر ہی
کیوں نہ ہو اور خواہ اس کا تقرر امیر المؤمنین کی جانب سے ہو یا وہ عام مسلمانوں کی طرف سے منتخب
کر دے ہو۔

سمعت أبا أمامة يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب في
حجة الوداع فقال اتقوا الله [ربكم] وصلوا خمسكم وصوموا شهركم وأدوا

- مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۹ حدیث نمبر: ۱۱۲۲۵ المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن
هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241 هـ) الناشر: مؤسسة قرطبة - القاهرة عدد الأجزاء: 6 الأحاديث مذبلة
بأحكام شعيب الأرناؤوط عليها۔

- سنن أبي داود ج ۲ ص ۳۴۰ حدیث نمبر: ۲۶۱۰ المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر:
دار الكتاب العربي - بيروت عدد الأجزاء: 4

- الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۲ ص ۱۳ حدیث نمبر: ۲۸۵۴ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن
الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة - بيروت
الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات

زكاة أموالکم وأطيعوا إذا أمرکم تدخلوا جنة ربکم قال فقلت لأبي أمانة منذ کم سمعت [من رسول الله صلى الله عليه وسلم] هذا الحديث؟ قال سمعته وأنا بن ثلاثين سنة قال أبو عیسی هذا حديث حسن صحيح^۱

نصب امیر کے لئے مملکت کا وجود ضروری نہیں

یہ تصور قطعی درست نہیں کہ قیام جماعت اور نصب امیر کے لئے اسلامی مملکت کا وجود شرط ہے، اس لئے کہ ایک روایت میں ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی جگہ پر رہنے والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے امیر کا انتخاب کریں:

ولا یجمل لثلاثة نفر یكونون بأرض فلاة إلا أمر واحد منهم^۲۔
اس میں کوئی قید نہیں کہ وہ خطہ ارض کہاں واقع ہے، مسلم اقتدار کے علاقے میں یا غیر مسلم اقتدار کے علاقے میں۔ ”ارض فلاة“ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہ حکم جغرافیائی حدود کا پابند نہیں ہے، علاقے کے فرق سے امارت کے معیار اور حدود میں تفاوت ہو سکتا ہے، اور امارت کی مختلف قسموں کی تطبیق میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن نفس امارت کے حکم پر اس کا اثر نہیں پڑے گا، امارت کی ایک صورت ممکن نہ ہو تو جو صورت ممکن ہو اس کو نافذ کرنا لازم ہوگا۔

مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت

جہاں تک خاص مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت کا تعلق ہے تو اس کی مثالیں بھی قرآن وحدیث اور تصریحات فقہاء میں موجود ہیں:

دار الکفر میں بحیثیت امیر حضرت طلوت کا تقرر

☆ اس کی ایک مثال حضرت شمویل (پنجم) کے زیر قیادت حضرت طلوت کا بحیثیت امیر تقرر ہے، قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے:

- الجامع الصحیح سنن الترمذی ج ۲ ص ۵۱۶ حدیث نمبر: ۶۱۶ للؤلؤف: محمد بن عیسیٰ أبو عیسیٰ الترمذی السلسی الناشر: دار احیاء التراث العربی - بیروت تحقیق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: 5 الأحادیث مذيلة بأحكام الألبانی علیها۔

- مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۷۶ حدیث نمبر: ۲۲۴ للؤلؤف: أحمد بن حنبل أبو عبد الله الشیبانی الناشر: مؤسسة قرطبة - القاهرة عدد الأجزاء: 6 الأحادیث مذيلة بأحكام شعيب الأرناؤوط علیها۔

- تفسیر ابوالفتح، مدظن العالی ص ۵۰۳۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَأِ مِنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِلنَّبِيِّ لَهُمْ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَالُنَا أَنْ نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أَخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاؤُنَا فَمَا كُنَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (246) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلَكَةً مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

ترجمہ: کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی اس جماعت کو نہیں دیکھا جس نے اپنے نبی سے فرمائش کی تھی کہ ہمارے لئے کوئی امیر مقرر فرمادیں جن کے زیر قیادت ہم جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے سکیں، نبی نے ارشاد فرمایا: کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم جہاد سے مکر جاذب، انہوں نے کہا: ہم کیوں جہاد سے اعراض کریں گے جب کہ ہمیں اپنے گھروں اور خاندان سے نکال دیا گیا، لیکن جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو چند کو چھوڑ کر اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا، اللہ پاک کو ان ظالموں کی خبر ہے، ان کے نبی نے ان سے کہا کہ طالوت کو تمہارا امیر مقرر کیا گیا ہے، تو انہوں نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارا امیر کیونکر ہو سکتا ہے، امارت کے تو ہم زیادہ حقدار ہیں، اس کے پاس تو مالی وسعت بھی نہیں ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ انتخاب اللہ کی جانب سے ہے، عداوہ طالوت کو عظم و وجاہت کی دولت بھی حاصل ہے، اللہ پاک جسے چاہتے ہیں امارت و حکومت سے سرفراز کرتے ہیں، وہی وسعت و علم والا ہے۔

اللہ کے حکم پر نبی کی طرف سے امیر کا یہ تقرر ایسے حالات میں ہوا جب بنی اسرائیل جالوت جیسے ظالم بادشاہ کے زیر اقتدار انتہائی مغلوبانہ حالات سے دوچار تھے، ان کے بیشتر افراد قید و بند کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے، ان پر جزیہ عائد کر دیا گیا تھا، بنی اسرائیل کے شاہی خاندان کے چار سو چالیس نفوس قید کر لئے گئے تھے، یہاں تک کہ ان کی مذہبی کتاب تورات بھی ان کے ہاتھوں سے چھین لی گئی تھی، ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں چھوڑا گیا تھا جو قومی اور اجتماعی معاملات کے نظم و انتظام کا شعور رکھتا ہو، خاندان نبوت کے تمام لوگ (ایک حاتمہ عورت کو چھوڑ کر جس

سے بعد میں حضرت شمویل پیدا ہوئے (شہید کر دیئے گئے تھے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں:

وہم قوم جالوت كانوا يسكنون ساحل بحر الروم بين مصر وفلسطين
وہم العمالة فظہروا علی ۴۲/أ בני إسرائيل وغلبوا علی كثير من أرضهم
وسبوا كثيرا من ذراریهم وأسروا من أبناء ملوکهم أربعین وأربعمائة غلاماً،
فضربوا علیهم الجزية وأخذوا ثورتهم، ولقي بني إسرائيل منهم بلاء وشدة ولم
یکن لهم نبی یدیر أمرهم، وكان سبط النبوة قد هلكوا، فلم یبق منهم إلا امرأة
حبلی فحبسوها فی بیت رهبة أن تلد جارية فتبدلها بغلام لما ترى من رغبة بني
إسرائيل فی ولدها وجعلت المرأة تدعو الله أن یرزقها غلاماً فولدت غلاماً،
فسمته أشمویل۔^۱

مفسر ابوالسعود العماد بن رقمطراز ہیں:

وذلك أن جالوت رأس العمالة وملكهم وهو جبار من أولاد عمليق بن
عاد كان هو ومن معه من العمالة يسكنون ساحل بحر الروم بين مصر و
فلسطين وظهروا على بني إسرائيل وأخذوا ديارهم وسبوا أولادهم وأسروا من
أبناء ملوکهم أربعمائة وأربعین نفساً وضربوا علیهم الجزية وأخذوا ثورتهم۔^۲
اس طرح دار الکفر میں قیام امارت کے حکم پر خدا اور رسول دونوں کی مہر لگ گئی، پھر قرآن
کریم نے اس واقعہ کو نقل کر کے اس امت کے لئے بھی اس کو قانونی حیثیت عطا کر دی ہے۔

حالت مغلوبی میں بیعت عقبہ

☆ دار الکفر میں نصب امیر کی دوسری نظیر خود عبد نبوی میں بیعت عقبہ ہے، جس میں حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل قبیلہ اوس و خزرج کے چند مسلمانوں سے سمع و طاعت
کی بیعت لی تھی، یہ بیعت دو مرحلوں میں لی گئی تھی، پہلی بیعت کو بیعت عقبہ اولی کہتے ہیں، جس میں

۱- معالم التنزيل ج ۱ ص ۲۹۶ للؤلوف: عی السنت، أبو محمد الحسین بن مسعود البغوي (للتوفی: 510ھ) للحقق
:حققه وخرج أحاديثه محمد عبد الله النمر - عثمان جمعة ضميرية - سليمان مسلم الخرش الناشر: دار طيبة للنشر
والتوزيع الطبعة: الرابعة، 1417ھ - 1997م عدد الأجزاء: 8 مصدر الكتاب: موقع مجمع للكتاب فهد لطباعة
المصحف الشريف۔

۲- إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم ج ۱ ص ۳۰۰ المؤلف: أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن
مصطفى (للتوفی: 982ھ) مصدر الكتاب: موقع التفاسير۔

بارہ افراد شریک تھے، اور دوسری بیعت اس کے ایک سال کے بعد لی گئی جس کو بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے، اس میں اوس و خزرج کے تہتر مرد اور دو عورتیں شامل ہوئیں، بیعتِ عقبہ ثانیہ (ذی الحجہ) ہجرت (ربیع الاول) سے چند ماہ پیشتر لی گئی، کتب سیر و حدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں:

وَلَمْ يَخْتَلَفُوا أَنَّهُمْ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا وَهُمْ الَّذِينَ بَايَعُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَقْبَةِ الْأُولَى وَكَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعَقْبَةِ الثَّانِيَةِ عَامٌ أَوْ نَحْوُهُ وَكَانُوا فِي بَيْعَةِ الْعَقْبَةِ الثَّانِيَةِ ثَلَاثًا وَسَبْعِينَ رَجُلًا فِيهَا ذَكَرُ ابْنِ إِسْحَاقَ وَامْرَأَتَيْنِ وَكَانَتِ الْعَقْبَةُ الثَّانِيَةُ قَبْلَ الْهَجْرَةِ بِأَشْهُرٍ سِيرَةٍ^۱

جب کہ اس وقت مسلمان انتہائی چھوٹی اقلیت میں تھے، عرب کے صرف چند قبائل نے اسلام قبول کیا تھا، اور وہ بھی یکجا نہیں تھے بلکہ مختلف آبادیوں میں پھیلے ہوئے تھے، مثلاً: یمن میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا خاندان اور طفیل بن عمروؓ کا پورا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا، ازوشنوہ کا پورا قبیلہ حضرت ضاد بن ثعلبہؓ کے ہاتھ پر اور غفار کا نصف قبیلہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا تھا، اور ان ہی کے اثر سے قبیلہ اسلم بھی مسلمان ہو گیا تھا جو قبیلہ شفار سے قربت رکھتا تھا، مہاجرین حبش کے واسطے سے اسلام کی آواز غیر قوموں اور ملکوں تک پہنچ چکی تھی، مدینہ منورہ کے قبائل اوس و خزرج کے اکثر گھرانے بھی مسلمان ہو چکے تھے۔^۲

لیکن ہر جگہ ان کے لئے رکاوٹوں کا سامنا تھا، ریگستانِ عرب میں اطمینان کی سانس لینا ان کے لئے مشکل تھا، وہ کلیتہً مغلوبانہ اور محکومانہ زندگی گزار رہے تھے، خود قرآن کریم کا بیان ہے:

وَأَذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ۔^۳

ترجمہ: یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے تھے اور کمزور تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔

بلکہ ہجرت کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہی صورت حال رہی، انتہائی خوف و دہشت کا ماحول

۱- التمهيد لافي لوطا من المعاني والاسانيد ج ۲۳ ص ۲۵۵ للؤلؤف: أبو عمرو يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (لتوفي: 463 هـ) للتحقق: مصطفى بن أحمد العلوي و محمد عبد الكبير البكري الناشر: مؤسسة القرطبة۔

۲- ہندوستان اور مسئلہ امارت معتمد حضرت مولانا عبد الحمید رحمانی ص ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵

تھ جو وہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شب میں اطمینان کے ساتھ آرام نہیں فرما سکتے تھے، ہتھیار بند سپاہی حجرہ شریفہ کے باہر تعینات کئے جاتے تھے، بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا گیا ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم سهر فلما قدم المدينة قال (ليت رجلا من أصحابي صالحا يحر سني الليلة)^۱
اس کی شرافت میں ہے:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في أول ما قدم المدينة يسهر من الليل^۲.

عن أبي بن كعب رضي الله عنه قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه المدينة وأوتهم الأنصار رمتهم العرب عن قوس واحدة كانوا لا يبيتون إلا بالسلاح ولا يصبحون إلا فيه^۳.

لیکن ان حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجتماعی زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی، اور ان سے جمع و طاعت کی بیعت لی، آپ نے ان کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ مارت کے معاملے میں کوئی اختلاف پیدا نہ کریں بلکہ اجتماعی وحدت کا ثبوت دیں:

عن عبادة بن الصامت قال: بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة في المنشط والمكره وأن لا نتنازع الأمر أهله وأن نقوم أو نقول بالحق حيثما كنا لا نخاف في الله لومة لائم^۴.

الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۰۵۷ حديث نمبر: ۲۷۲۹ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة ۱۹۸۷: ۱۴۰۷

۱- السنن الكبرى ج ۵ ص ۶۱ المؤلف: أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303 هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

۲- المستدرک علی الصحيحین ج ۲ ص ۴۳۳ حديث نمبر: ۳۵۱۲ المؤلف: محمد بن عبد الله أبو عبد الله الحاكم النيسابوري الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة الأولى، 1990 - 1411

تحقيق: مصطفى عبد القادر عطاء عدد الأجزاء: 4

۳- الجامع الصحيح المختصر ج ۲ ص ۲۶۳۳ حديث نمبر: ۶۷۷۴ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة ۱۹۸۷: ۱۴۰۷

تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلمه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

عہد نبوت میں دوسرے غیر مسلم علاقوں میں تقرر امیر

☆ دوسرے غیر مسلم علاقوں میں بھی آپ کے ارشاد عالی کے مطابق امراء کا تقرر عمل میں آیا، مثلاً: مہاجرین حبش کے امیر حضرت جعفر طیار مقرر کئے گئے، جب کہ حبشہ دار الکفر تھا، اور وہاں کا بادشاہ نصرانی تھا، سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

☆ دار الکفر میں تقرر امیر کی ایک نظیر خود عہد نبوت میں شام کی سرزمین پر (جو اس وقت تک اسلامی مفتوحات میں شامل نہیں ہوا تھا) غزوہ موتہ کے موقع پر قوم کی طرف سے حضرت خالد بن الولیدؓ کا بحیثیت امیر تقرر ہے، جس پر نبی کریم ﷺ نے کوئی تکیہ نہیں فرمائی،

بلکہ پیرایہ مدح میں آپ نے امت کے سامنے یہ پورا واقعہ بیان فرمایا، صحیح بخاری میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم نعي زيداً وجعفرًا وابن رواحَةَ للناس قبل أن يأتيهم خبرهم فقال (أخذ الراية زيداً فأصيب ثم أخذ جعفرًا فأصيب ثم أخذ ابن رواحَةَ فأصيب). وعيناه تذر فان (حتى أخذ الراية سيف من سيوف الله حتى فتح الله عليهم) ^۱

نسائی شریف میں اس روایت کے ساتھ یہ استدلال بھی نقل کیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے انتخاب سے بھی امارت قائم ہو جاتی ہے:

عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث زيداً وجعفرًا وعبد الله بن رواحَةَ ودفع الراية إلى زيد فأصيبوا جميعاً قال أنس فنعاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الناس قبل أن يجيء الخبر قال أخذ الراية زيداً فأصيب ثم أخذ جعفرًا فأصيب ثم أخذ عبد الله بن رواحَةَ فأصيب ثم أخذ الراية بعد سيف من سيوف الله خالد بن الوليد قال فجعل يحدث الناس وعيناه تذر فان رواه البخاري في الصحيح عن سليمان بن حرب وأحمد بن واقد عن حماد

۱ - الجامع الصحيح المختصر ج ۴ ص ۱۵۵۴ حدیث نمبر: ۴۰۱۴ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

وفیه دلالة على أن الناس إذا لم يكن عليهم أمير ولا خليفة أمير فقام بإمارتهم من هو صالح للأمانة وانقادوا له انعقدت ولايته حيث استحسّن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما فعل خالد بن الوليد من أخذه الراية وتأمره عليهم دون أمر النبي صلى الله عليه وسلم ودون استخلاف من مضى من أمراء النبي صلى الله عليه وسلم إياه والله أعلم^۱

حافظ ابن جریر نے بھی اس حدیث سے یہی استدلال کیا ہے:

ثم أخذ اللواء خالد بن الوليد ولم يكن من الأمراء وهو أمير نفسه ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم انه سيف من سيوفك فأنت تنصره فمن يومئذ سمي سيف الله وفي حديث عبد الله بن جعفر ثم أخذها سيف من سيوف الله خالد بن الوليد ففتح الله عليهم وتقدم حديث الباب في الجهاد من وجه آخر عن أيوب فأخذها خالد بن الوليد من غير إمرة والمراد نفي كونه كان منصوباً عليه وإلا فقد ثبت أنهم اتفقوا عليه^۲

دار الحرب یمامہ میں انتخاب امیر

زمانہ نبوت کے ایک اور واقعہ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے جس کا تذکرہ ابن خلدون وغیرہ نے بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے کہ ”عبدالرسالت کے آخری زمانہ میں جب یمامہ میں اسود غسانی نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور بہت سے لوگ اس کے متبع ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عامل شہید کر دیئے گئے، بہت سے مسلمان ڈر کر وہاں سے بھاگ نکلے، لیکن بہت سے لوگ ایمان کو چھپا کر وہیں رہے، یمامہ دارالاسلام سے دارالحرب ہو گیا، یہاں تک کہ اذانیں بند ہو گئیں اور غلی الاعلان کوئی شخص اللہ کا نام لینے والا نہ رہا، ایک دن انہی پوشیدہ مسلمانوں میں سے کسی نے رات میں مدعی نبوت کو قتل کر دیا، اور صبح کو وہاں موجود مسلمانوں نے حضرت معاذؓ کو اپنا امیر منتخب کیا اور مرتدین سے مقابلہ کیا، اللہ پاک کی نصرت سے وہ کامیاب ہوئے اور یمامہ پھر

^۱ - سنن البیہقی الکبری ج ۸ ص ۱۵۴ حدیث نمبر: ۱۲۳۷۴ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البیہقی الناشر: مكتبة دار الباز - مكة المكرمة، 1994 1414 تحقيق: محمد عبد القادر عطاء عطاء الأجزاء: 10

^۲ - فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۱۳ المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1379 تحقيق: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء: 13-

دارالاسلام میں تبدیل ہو گیا، دربار رسالت میں اس بشارت کو لے کر قاصد بھیجا گیا، مگر وہ ایسے وقت مدینہ منورہ پہنچا جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ کو اختیار فرما چکے تھے، اور حضرت صدیق اکبرؓ مسند خلافت پر متمکن تھے، کسی صحابی سے اس واقعہ پر کوئی تکمیر منقول نہیں ہے، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ دارالحرب میں امیر کا انتخاب اجماعِ صحابہ سے بھی ثابت ہے۔^۱

فقہی تصریحات

عناوہ کتب فقہ میں یہ تصریحات موجود ہیں کہ مسلمانوں کے لئے بے امیر رہنا کسی مقام پر درست نہیں، خواہ وہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

لا يجوز ترك المسلمين سدى ليس عليهم من يدبر أمورهم في دار الإسلام ولا في دار الحرب۔^۲

یہی بات مبسوط میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

ففي القول بما قالوا يؤدى إلى أن يكون الناس سدى لا والي لهم۔^۳
جن علاقوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے، اور وہاں کوئی مسلم حاکم موجود نہ ہو تو وہاں کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اتفاق باہم سے اپنا مسلم امیر منتخب کریں، تاکہ جمعہ و عیدین اور قضا کا نظام متاثر نہ ہو، امیر کوئی قاضی مقرر کرے یا خود کار قضا سنبھالے، یعنی اس حالت میں بھی اجتماعیت کے تحفظ کے لئے نصب امیر کا حکم مرتفع نہیں ہوتا، البتہ فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ جب تک یہ صورت ممکن نہ ہو ان پر لازم ہے کہ باہمی مشورہ سے جمعہ و عیدین کا نظام قائم کریں، اور قاضی کا تعین کریں، تاکہ بہت سے عائلی اور اجتماعی مسائل جن میں قضائے قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، کے حل میں دشواری پیدا نہ ہو، فقہاء نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اتفاق سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے شرعاً اس کا بھی اعتبار ہے اور وہ شرعی قاضی قرار پاتا ہے:

امام سرخسیؒ نے امام کی عدم موجودگی میں قوم کی طرف سے نصب امام کا اعتبار کیا ہے، اور اس کی

۱- ہندوستان اور عمان امارت، صفحہ ۱۱۰، عبدالصمد رحمانی ص ۵۰۔

۲- شرح السیر الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۷

۳- التبسوط للسرخسی ج ۹ ص ۱۳۸، تألیف: شمس الدین أبو بکر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل عبي الدين لليس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۰م۔

نظیر حضرت عثمانؓ کی عدم موجودگی (حالت محاصرہ) میں حضرت علیؓ کی امامت جمع ہے:

لَوْ مَاتَ مَنْ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ بِالنَّاسِ فَاجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ فَصَلَّى بِهِمُ الْجُمُعَةَ
هَلْ يَجْزِيهِمْ؟ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يَجْزِيهِمْ فَقَدْ ذَكَرَ ابْنُ زَيْنَبٍ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ
تَعَالَى أَنَّهُ لَوْ مَاتَ عَامِلٌ إِفْرِيقِيَّةً فَاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى رَجُلٍ فَصَلَّى بِهِمُ الْجُمُعَةَ
أَجْزَأُ لَهُمْ لِأَنَّ عُثْمَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَمَّا حُصِرَ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
فَصَلَّى بِهِمُ الْجُمُعَةَ وَلِأَنَّ الْخَلِيفَةَ إِنَّمَا يَأْمُرُ بِذَلِكَ نَظَرًا مِّنْهُمْ فَإِذَا نَظَرُوا لِأَنْفُسِهِمْ
وَاتَّقُوا عَلَيْهِ كَانَ ذَلِكَ بِمَثَرَةٍ أَمْرٍ الْخَلِيفَةَ إِنَاءً^۱

علامہ ابن ہمام رقمطراز ہیں:

وَإِذَا لَمْ يَكُنْ سُلْطَانٌ وَلَا مَنْ يَجُوزُ التَّقْلِيدُ مِنْهُ كَمَا هُوَ فِي بَعْضِ بِلَادِ الْمُسْلِمِينَ
غَلِبَ عَلَيْهِمُ الْكُفَّارُ كَقَرْطَبَةَ فِي بِلَادِ الْمَغْرِبِ الْآنَ وَبِلَنَسِيَّةِ وَبِلَادِ الْحَبْشَةِ
وَأَقْرَبُ الْمُسْلِمِينَ عِنْدَهُمْ عَلَى مَالٍ يُؤْخِذُ مِنْهُمْ يَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَفَقَّهُوا عَلَى وَاحِدٍ
مِنْهُمْ يَجْعَلُونَهُ وَالْيَافِيوُلَى قَاضِيًا أَوْ يَكُونُ هُوَ الَّذِي يَقْضِي بَيْنَهُمْ وَكَذَا يَنْصَبُوا
لَهُمْ إِمَامًا يَصَلِّي بِهِمُ الْجُمُعَةَ^۲

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا فِي بِلَادِهَا وَلَاءُ الْكُفَّارَةِ (الْكُفَّارِ) فَيَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ إِقَامَةُ الْجُمُعَةِ
وَالْأَعْيَادِ وَيَصِيرُ الْقَاضِي قَاضِيًا بِتَرَاضِي الْمُسْلِمِينَ وَيَجِبُ عَلَيْهِمْ طَلَبُ وَالٍ
مُسْلِمٍ^۳

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا بِلَادُهَا وَلَاءُ كُفَّارٍ فَيَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ إِقَامَةُ الْجُمُعَةِ وَالْأَعْيَادِ
يَصِيرُ الْقَاضِي قَاضِيًا بِتَرَاضِي الْمُسْلِمِينَ فَيَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَلْتَمِسُوا وَالِيًا مُسْلِمًا

۱- المبسوط للسرخسي ج ۲ ص ۲۲ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ-2000م-

۲- شرح فتح القدير ج ۷ ص ۲۶۳ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيوسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر: دار الفكر مكان النشر بيروت-

۳- البحر الرائق شرح كتر الدقائق ج ۶ ص ۲۹۸ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ / سنة الوفاة 970هـ الناشر: دار المعرفة مكان النشر بيروت-

منہم اہد وعزاه مسکین فی شرحہ الی الأصل ونحوہ فی جامع الفصولین مطلب فی حکم تولیۃ القضاء فی بلاد تغلب علیہا الکفار و فی الفتح وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ہو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبۃ الآن ینبج علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منہم یمجلونہ والیا فیولی قاضیا ویكون هو الذی یقضي بینہم و کذا ینصبوا إماما یصلی بہم الجمعة اہد وهذا هو الذی تطمئن النفس إلیہ تأمل ثم إن الظاہر أن البلاد الذی لیست تحت حکم سلطان بل لہم أمیر منہم مستقل بالحکم علیہم بالتغلب أو باتفاقہم علیہ یكون ذلک الأمیر فی حکم السلطان فیصح منہ تولیۃ القاضي علیہم۔^۱

حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

و فی مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوی غلب علی المسلمین ولایۃ الکفار یجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد ویصیر القاضي قاضیا بتراضی المسلمین و ینبج علیہم أن یلتمسوا والیا مسلما ولو مات الخلیفۃ ولہ ولایۃ علی أمور العامة کان ہم أن یقیموا الجمعة لأنہم أقیموا الأمور المسلمین فکانوا علی حاکمہم ما لم یعزلوا حلہی۔^۲

قوت قاہرہ کے بغیر بھی امارت قائم ہو سکتی ہے

ظاہر ہے کہ غیر مسلم اقتدار میں رہنے والے مسلمانوں کی طرف سے جو امیر مقرر ہوگا اسے قوت قاہرہ حاصل نہ ہوگی، یعنی وہ طاقت کے بل پر کوئی حکم نافذ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ سیاسی اور فوجی اقتدار سے محروم ہے، اس کے باوجود علماء اور فقہاء کا قیام امارت پر اصرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امارت کے بھی درجات ہیں، اور اجتماعییت کے تحفظ اور ملی و عائلی مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ امارت کاملہ ہی ضروری نہیں ہے بلکہ بعض حالات میں اس کی جگہ پر امارت ممکنہ بھی کافی ہوتی ہے، یہ بات مذکورہ بالا واقعات و روایات اور فقہی تصریحات کے تناظر میں نکھر کر

۱- حاشیۃ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ أبو حنیفۃ ج ۵ ص ۳۶۹ ابن عابدین، الناشر دار الفکر للطباعة والنشر، سنۃ النشر ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م، مکان النشر بیروت، عدد الأجزاء ۸

۲- حاشیۃ علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح ج ۱ ص ۳۲۸ أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحاوی الحنفی سنۃ الولادة / سنۃ الوفاۃ ۱۲۳۱ھ الناشر للطبعة الکبری الأمیریۃ بیو لاق سنۃ النشر ۱۳۱۸ھ مکان النشر مصر۔

سامنے آتی ہے، بعض علماء نے بڑی صراحت کے ساتھ بھی یہ بات لکھی ہے مثلاً:

غلامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

الفصل الثامن: [وجوب اتخاذ الإمارة] يجب أن يعرف أن ولاية الناس من أعظم واجبات الدين بل لا قيام للدين إلا بها، فإن بني آدم لا تتم مصلحتهم إلا بالاجتماع لحاجة بعضهم إلى بعض، ولا بد لهم عند الاجتماع من رأس، حتى قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إذا خرج ثلاثة في سفر فليؤمروا أحدهم"، رواه أبو داود، من حديث أبي سعيد وأبي هريرة. (2608 أحمد 2-176) وروى الإمام أحمد في المسند عن عبد الله بن عمرو، أن النبي قال: "لا يحل لثلاثة يكونون بفلاة من الأرض إلا أمروا وعليهم أحدهم". (أحمد: 177/2) فأوجب صلى الله عليه وسلم تأمير الواحد في الاجتماع القليل العارض في السفر، تنبيهاً على سائر أنواع الاجتماع، — فالواجب على المسلم أن يجتهد في ذلك بحسب وسعه، فمن ولي ولاية يقصد بها طاعة الله، وإقامة ما يمكنه من دينه، ومصالح المسلمين، وأقام فيها ما يمكنه من ترك المحرمات، لم يؤاخذ بما يعجز عنه، فإن تولية الأبرار خير للأمة من تولية الفجار. ومن كان عاجزاً عن إقامة الدين بالسلطان والجهاد، ففعل ما يقدر عليه، من النصيحة بقلبه، والدعاء للأمة، ومحبة الخير، وفعل ما يقدر عليه من الخير، لم يكلف ما يعجز عنه، فإن قوام الدين الكتاب الهادي.¹

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے اس نظریہ کی تائید میں مختلف مسانک وادوار کے اکابر علماء و مفتیان کے فتاویٰ بھی نقل فرمائے ہیں تفصیل کے لئے ان کی کتاب 'ہندوستان اور مسند امارت' کی طرف رجوع کیا جائے۔²

البتہ خاص ہندوستانی تناظر میں انگریزی تسلط کے بعد نصب امیر اور نظام قضا کے قیام کا پہلا فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے دیا، ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں حضرت شاہ

-السياسة الشرعية في إصلاح الراعى والرعية لابن تيمية رحمه الله القسم الثاني الحدود والحقوق ص 4 ص 21-26 الناشر دار ابن حزم 1424 هـ 2003 م۔

۲- ملاحظہ فرمائیں ص ۶۳ تا ۶۴۔

صاحب نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا^۱، اور اپنے فتاویٰ میں اس بات پر زور دیا کہ مسلمان خود اپنا امیر منتخب کریں، جس کی ماتحتی میں وہ تمام ملی اور اجتماعی امور انجام دیے جائیں جو امیر و قاضی کے بغیر رو بہ عمل نہیں آ سکتے ہیں:

”اقامت جمعہ در دار الحرب اگر از طرف کفار والی مسلمان در مکانے منصوب باشد باذن اود درست است، والا مسلماناں را باید کہ یک کس را کہ امین و متدین باشد رئیس قرار دہند کہ با جازت و حضور اوقات جمعہ و اعیاد و انکاح من لا ولی من اصغار، و حفظ مال غائب، و ایتام و قسمت ترکات متنازع فیہا علی حسب اسہام ہی نمودہ باشد، بے آنکہ در امور ملکی تصرف کند و مداخلت نماید۔“^۲

ترجمہ: اگر دارالحرب میں کفار کی طرف سے کسی مقام پر مسلمان والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی معتبر اور دیندار شخص کو اپنا امیر منتخب کر لیں، اور اس کے حکم سے جن نابالغوں کا کوئی ولی نہ ہو ان کا نکاح کریں، اور غائب و ستی کے اموال کی حفاظت کی جائے، اور حصہ شرعی کے مطابق ان ترکات کی تقسیم کی جائے جن میں نزاع ہو، البتہ یہ امیر ملکی معاملات میں مداخلت سے گریز کرے۔

ملکی معاملات میں مداخلت سے گریز کی تلقین بطور مصلحت کے ہے اس لئے کہ اس دور میں انگریزی استبداد کے بالمقابل یہ ایک پرخطر چیز تھی، لیکن اگر جمہوری حکومتوں میں اظہار رائے کی آزادی میسر ہو اور امیر کی مداخلت سے مسلمانوں کا نفع متوقع ہو تو ملکی اور سیاسی معاملات میں مداخلت میں کچھ حرج نہیں۔^۳

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بعد حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے بھی اسی

۱- حضرت شاہ عبدالعزیز نے دارالحرب کی تعریف اور شرائط نقل کرنے بعد ہندوستان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:
”دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست، و حکم؟ سائے نصاریٰ بے و غندہ جاری است۔“ اگر بعض احکام اسلام را مثل جمعہ و عیدین و ذبح بقر تعرض کنند مکررہ باشد لیکن اصل الاصول اس چیز ہاں وایشاں جہاں و ہر است، زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہم می فرستند۔ ازین شہر تا کلکتہ محل نصاریٰ متحد است۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۶، ۱۷، فارسی ایڈیشن مطبع مجتہائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء)

ترجمہ: اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے، اور نصرائی حکمرانوں کے احکام بے و غندہ جاری ہیں، اگر بعض اسلامی احکام مثلاً جمعہ و عیدین اور ذبح بقر سے یہ لوگ تعرض نہیں کرتے ہیں تو نہ کریں، لیکن اصلاً ان کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، اس لئے کہ جب چاہتے ہیں مسجدوں کو بے تکلف شہید کر دیتے ہیں، دہلی سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل قتل ہی طرح جاری ہے۔

۲- مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن مطبع مجتہائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔

۳- مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی اس قید کی یہی تاویل کی ہے (ہندوستان اور مسئلہ امارت ص ۶۹، ۷۰ حاشیہ کتاب)

مضمون کا فتویٰ جاری کیا تھا۔^۱

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے اضطراری حالات میں امارت شریعہ کی فکر کوئی بدعت یا حضرت مولانا سجادؒ کی ایجاد بندہ نہیں تھی بلکہ یہ شریعت اسلامیہ کی فقہ الاقلیات کا ایک حصہ ہے، جس سے امت مسلمہ نے ہمیشہ ایسے وقت میں استفادہ کیا ہے جب وہ سیاسی اعتبار سے ادبار و تنزل کی شکار ہوئی، اور یہ تنہا ہندوستان کا قصہ نہیں بلکہ تاریخ اسلامی میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں:

اسلامی تاریخ میں مغلوبانہ امارت کے نظام

علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیتہ علماء ہند کلکتہ میں کتب تاریخ سے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں، مثلاً:

☆ سلیمان تاجر نے اپنے تیسری صدی ہجری کے سفرنامہ میں غیر اسلامی ملک چین کے شہر 'خانقو' کا حال لکھا ہے جہاں مسلمان تاجروں (جو زیادہ تر عراق سے آئے تھے) کی نوآبادی تھی، وہاں شاہ چین نے ان کی عید اور جمعہ نیز فصل احکام کے لئے انہی میں سے ایک شخص کو امیر اور فیصل مقرر کر دیا تھا، اور کوئی مسلمان تاجر اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا:

”ان بخانقو و هو مجمع التجار رجلاً مسلماً یولیہ صاحب الصین الحکم بین المسلمین الذین یقصدون الی تلک الناحیۃ یتوخی ملک الصین ذلک و اذا کان فی العید صلی بالمسلمین و خطب و دعا لسلطان المسلمین و ان التجار العراقیین لا ینکرون من ولایتہ شیئاً فی احکام و بیافی کتاب اللہ عز و جل و احکام الاسلام۔“^۲

ترجمہ: شہر خانقو (چین) میں مسلمان تاجروں کا ایک مرکز ہے، ایک مسلمان ہے جس کو شاہ چین ان مسلمانوں کے درمیان فصل احکام کے لئے مقرر کرتا ہے، جو اس ملک میں جاتے ہیں، شاہ چین اس چیز کو پسند کرتا ہے اور عید جب آتی ہے تو والی مسلمانوں کی نمازی امامت کرتا ہے، اور خطبہ پڑھتا ہے، اور بادشاہ اسلام کے لئے دعا کرتا ہے، اور عراقی تاجر مسلم والی کی ولایت کے کسی حکم اور عمل بالحق کا انکار نہیں کرتے اور نہ ان حکموں سے سرتابی کرتے ہیں جو اس والی نے کتاب

۱- مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحقؒ، باب القضاء ج ۲ ص ۱۶۱

۲- ص ۱۳ مشہورہ چین ۱۸۸۱ء بحوالہ خطبہ صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ، اجلاس کلکتہ ص ۵۸۔

الہی اور احکام اسلام کے موافق جاری کیا ہو۔

قدیم فارسی میں والی وقاضی کے لئے ہنرمند (یا ہنرمند) کی اصطلاح

☆ عراقیوں کی فارسی زبان میں والی اور قاضی کو ہنرمند کہا جاتا تھا جو عام استعمال میں ہنرمند بولا جاتا تھا، خود ہندوستان کے مختلف ساحلی شہروں میں جہاں جہاں مسلمان آبادیاں تھیں، غیر اسلامی سلطنتوں میں اسلامی تنظیم و قضا کے ذمہ دار افراد کو ہنرمند کہا جاتا تھا

☆ چوتھی صدی ہجری کے جہاز راں بزرگ ابن شہر یار نے اپنے سفر نامہ ”غرائب الہند“ میں صیمور (مدراس کے قریب) میں عباس بن ہامان سیرانی ہنرمند کا ذکر کیا ہے:

انه كان بصيمور رجل من اهل سيرا ف يقال له العباس ابن هامان وكان هنر من للمسلمين بصيمور ذو وجه البلد والمنصوي اليه من المسلمين (ص ۴۲)

ترجمہ: صیمور میں سیراف کا ایک شخص تھا جس کو عباس بن ہامان کہا جاتا تھا، اور جو وہاں کے مسلمانوں کا ہنرمند تھا، اور شہر کا ذی وجاہت شخص اور وہاں کے پناہ گزین مسلمانوں کا مرکز تھا۔

☆ اسی مقام پر ۳۰۴ھ میں مشہور سیاح مسعودی بھی پہنچا تھا، اس نے اس دور کی صورت حال بیان کرتے ہوئے تحریر کیا:

على الهنرمنة يومئذ ابو سعيد معروف ابن زكريا والهنرمنة يراد به رئيس المسلمين وذلك ان الملك يملك على المسلمين رجلا من رؤسائهم تكون احكامهم مصروفة اليه۔^۱

☆ چھٹی صدی ہجری میں جب کافرانہ تاریخوں نے ایران و خراسان و ترکستان پر قبضہ کر لیا تو وہاں کے علماء وقت نے اپنے لئے مسلم والی کا مطالبہ پیش کیا تھا، جو ہماری کتب فتاویٰ کا ایک باب ہے۔

☆ خود ہندوستان میں سلاطین کے عہد میں صدر جہاں کے نام سے اس قسم کا عہدہ قائم تھا، جس کے ماتحت تمام قضا و محتسب ائمہ ہوتے تھے، تا تاری کافروں کے استیلاء کے زمانہ میں اس عہد کے علماء نے اسی بنا پر مسلمان والی کے پہلو پر زور دیا تھا۔

☆ بولشویک روس کے مسلمان قازان کی مجلس دینیہ اسلامیہ کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔

☆ فلپائن، اسٹریا، ہنگری، بلغیریا، ازیکیوسلیویا، اور یونان میں مسلمان بے حد اقلیت

میں ہیں، تاہم ان کے تمام قومی و مذہبی صیغے مفتی اعظم کے ماتحت منظم اور باقاعدہ ہیں۔

☆ دسمبر (۱۹۲۶ء) کے اخیر ہفتہ کی رپورٹ ہے کہ پولینڈ کے تمام مسلمانوں نے جمع ہو کر تین ارکان کی ایک مجلس ترتیب دی ہے، اور اس میں چند کارکن منتخب کئے گئے ہیں، اور ایک صدر کا انتخاب کیا گیا ہے، تاکہ وہ اس وحدت تنظیمی کے سایہ میں اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھ سکیں۔

خطبہ صدارت اجلاس فقہ جمعیۃ علماء ہند کلکتہ ص ۵۲ تا ۵۸ علامہ سید سیمان ندوی

☆ مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

”فلسطین میں ”مسلم پیریمونس“ (المجلس الاسلامی الاعلیٰ) اسی قسم کی دوسری شکل تھی۔ چند صدی پہلے صقلیہ میں اور آج کل یوگوسلاویہ میں اس قسم کے اسلامی نظام کے اداروں کا کامیاب تجربہ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔“

امارت شرعیہ کا تصور اسلامی تاریخ میں نیا نہیں

مذکورہ مثالیں یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ کسی غیر اسلامی ملک میں امارت شرعیہ کا تصور کا کوئی نیا نہیں ہے کہ اس کو بدعتِ سدیہ قرار دے کر مسترد کر دیا جائے۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی سابق وزیر تعلیم لکھتے ہیں:

”وہ (مولانا سجاد) مسلمانوں کے لئے ایک الگ نظام کے حامی تھے، ہندوستان کا مستقبل ان کی آنکھوں کے سامنے روشن تھا، وہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے عادی نہیں تھے دل کے ساتھ ان کا دماغ بھی روشن تھا، البانیہ، پولینڈ، یوگوسلاویہ کی مثالیں ان کے سامنے تھیں وہ ڈرتے تھے کہ آگے چل کر یہ ملک بھی کہیں مسلمانوں کے لئے ایک بڑا اچھوتا نہ بن جائے۔ اس لئے وہ ہندوستان کی سب سے بڑی قومی سیاسی جماعت کا ساتھ دیکر اس سے اپنی انفرادیت منوانا چاہتے تھے، یہی ان کا مقصد تھا، اور اسی کے لئے وہ پچیس سال سے کچھ اوپر سرگرم کار رہے۔ امارت شرعیہ، جمعیۃ علماء اور دوسری تحریکیں سب اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ تھیں۔“

شریعت میں قیامِ امارت کے لئے قوتِ قاہرہ شرط نہیں ہے

نیز ان فقہی و تاریخی نظائر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ملک میں جو امارت شرعی یا ولایت دینی قائم ہوتی ہے اس میں قوتِ قاہرہ شرط نہیں ہے، اس لئے کہ مقہوریت کے ساتھ

قہریت جمع نہیں ہو سکتی، جب مسلمان غیر اسلامی اقتدار میں خود محکوم و مغلوب ہیں تو ان سے ذالبت کا مطالبہ کرنا ایک بے معنی سی بات ہے، اسلام کا مقصد اس امارت سے جبر و قہر نہیں بلکہ مسلمانوں کی تنظیم ہے، یعنی مسلمان جہاں بھی رہیں اجتماعیت کے ساتھ مربوط رہیں اور یہ تنظیمیت مسلم اقتدار میں قوت و قہر سے حاصل ہوتی ہے جبکہ غیر اسلامی نظام میں دینی اور اخلاقی بنیادوں پر، اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور اس کے اصول و نظریات بھی آفاقی ہیں، روئے زمین کے ہر حصہ میں یہ قابل عمل ہیں، البتہ جہاں جو صورت ممکن ہوگی اس کو اختیار کرنا لازم ہوگا، امارت و ولایت کا اصل مقصد تنظیم ہے، اگر قوت و قہر میسر نہ ہو تو اس کے انتظار میں گو ہر مقصود ضائع نہیں کیا جائے گا، بلکہ وحدت و اجتماعیت کے لئے دوسری ضروری بنیادیں تلاش کی جائیں گی۔^۱

اہلیت امارت کے لئے مطلوبہ معیار

اس باب میں قرآن و حدیث کے مطالعہ سے اسلام کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کے لئے اصل معیار قوت و امانت ہے، جیسا کہ آیات ذیل سے مستفاد ہوتا ہے:

★ إِنَّ خَيْرَ مَنْ اسْتَأْجَزْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ۔ (النقص: ۲۶)

★ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ (یوسف: ۵۳)

★ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُطَاعٌ ثَمَّ أَمِينٍ (الکوثر: ۱۹-۲۱)

قوت سے مراد قوت فیصلہ، انسان کے پاس علم اور قوت ارادی دونوں موجود ہوں تو قوت فیصلہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

۱ تحریک امارت کے خلاف سب سے طاقتور وکیل کے طور پر اس بات کو اٹھایا گیا تھا، حضرت مولانا محمد سجاد کے شریک کار مولانا شاہ سید حسن آرزو صاحب نے اس دور کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے:

”مخالفوں نے امیر بے طاقت کا مسئلہ اپنی دانست میں بہت ہی زور و شور سے اٹھایا تھا، اور وہ سمجھتے تھے کہ اس پردہ میں مولانا اور مولانا کی ساری انکیم ہی کو مار لیں گے، اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا انتشار اور ان کی پریشان حالی مخالفوں کی کامیابی کا سبب ہو سکتی تھی، حالانکہ یہ کوئی بھی بڑا اور اہم مسئلہ نہ تھا، مگر مخالف ہماری پروا نہ کی اور انتشار کے پیش نظر اسی رائی کو پہاڑ بنا رہے تھے، نتیجی اس دور میں امیر بے طاقت ہی کی ضرورت تھی، ظاہر ہے کہ ہماری امارت نہ تو جہاد کی مدعی تھی، نہ سلطنت و خلافت کی، وہ مسلمانوں میں مذہبی تنظیم پیدا کر کے صرف سچ و طاعت کی عادت ڈال دینا چاہتی تھی، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ اگر قوم و جماعت منظم طور پر صرف سچ و طاعت کی عادت کی عادی ہو جائے، تو نہ اسے تلوار کی ضرورت ہونے لگے گی، نہ اس کا دوسرا نام قوت و طاقت ہے، جس کا تاریخی مظاہرہ بدر و جنیں اور ابتدائے اسلام کے ہر ابتدائی دفعی جنگوں میں ہوتا رہا تھا، ہاں خصوصیات باہمی میں دارالقضاء کے فیصلوں کی پابندی جز و لازم چیز تھی، لیکن یہ بھی مخالفوں کی خود ساختہ منطق چند منٹ مقابلہ میں آ سکتی تھی، لیکن اس کا صاف اور سیدھا جواب یہی ہو سکتا تھا، کہ اگر تم امیر کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہو اور اسی سچ و طاعت کے اصول پر اپنا دعویٰ دارالقضاء میں رجوع کرتے ہو، تو انصاف تقیہ کے چند نفاذ فیصلہ میں کوئی بھی دشواری کا امکانی پہلو نظر نہیں آ سکتا، اطاعت امیر کی صحیح تعریف تو یہی ہو سکتی ہے، کہ اس کے شرعی حکم پر کوئی روگردانی نہ کی جائے۔“ (حیات سجاد ص ۹۵، ۹۶)

اور امانت سے مراد خوف خداوندی اور احساس ذمہ داری ہے۔

یہ دونوں باتیں کسی شخص میں موجود ہوں تو اس کو امارت کا اہل قرار دیا جاسکتا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے انہی آیات کریمہ کے تناظر میں ولایت کے لئے مذکورہ بالا دونوں چیزوں کو رکن قرار دیا ہے، اور ان کی یہی تشریح کی ہے جو اوپر ذکر کی گئی:

فإن الولایة لہارکنان: القوة والأمانة۔۔ والقوة فی کل ولایة بحسبھا۔
والقوة فی الحکم بین الناس، ترجع إلی العلم بالعدل الذی دل علیہ الكتاب
والسنة، وإلی القدرة علی تنفیذ الأحکام۔۔ والأمانة ترجع إلی خشية الله،۔
اجتماع القوة والأمانة فی الناس قليل۔^۱

مشہور حنفی فقیہ علامہ ابوالشکور السالمیؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ اگر امام کے پاس قہر و غلبہ باقی نہ رہے تو اس کی امامت ساقط نہیں ہوتی، اس لئے کہ ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قہر و غلبہ حاصل نہیں تھا، اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ بھی آخری دور میں مغلوب ہو گئے تھے لیکن ان کی امامت زائل نہیں ہوئی تھی، نیز حضرت علیؓ کو بھی تمام مسلمانوں پر قوت و غلبہ حاصل نہیں تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوت و غلبہ ولایت کے لئے لازمہ ذات نہیں ہے:

قال بعض الناس بان الامام اذا لم یکن مطاعاً فانه لا یكون اماماً لانه اذا لم یکن له القہر والغلبة لا یكون اماماً لیس كذلك لان طاعة الامام فرض علی الناس فلو لم یطیعوا الامام فالعصیان حصل منهم وعصیانهم لا یضر بالامامة ثم ان لم یکن القہر فذلك یكون من تمرد الناس وتمردهم لا یعزله عن الامامة الا ترى ان النبی ﷺ ما کان مطاعاً فی اول الاسلام وکان لا یمكنه القہر علی اعدائه من طریق العادة والكفرة قد تمردوا عن امداده ونصرة دینہ وقد کان هذا لا یضر ولا یعزله عن النبوة وكذلك الامامة لان الامام خلیفة النبی ﷺ لا عمالة وكذلك علی ﷺ ما کان مطاعاً من جمیع المسلمین ومع ذلك ما صار معزولاً۔^۲

حدیث میں امام ضعیف سے مراد

بعض لوگوں کو اس روایت سے اشتباہ ہوا جو بعض کتب حدیث میں آئی ہے کہ:

۱- السیاسة الشرعية فی إصلاح الراعی والرعية ج ۳ ص ۸، تألیف: أحمد بن عبد الحلیم بن تیمیة الحرانی الناشر: دار ابن حزم ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

۲- تمہید ابوالشکور السالمی ص ۱۸۶ بحوالہ ہندوستان اور مسئلہ امارت مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانی ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

الإمام الضعیف ملعون (الطبرانی عن ابن عمر) أخرجه الطبرانی كما في مجمع الزوائد (5/ 209) وقال الهيثمي: سقط من إسناده رجل بين عبد الكريم بن الحارث وبين ابن عمر، وفيه جماعة لم أعرفهم. وأخرجه أيضًا: الديلمي (1/ 121، رقم 410) ۱

یعنی کمزور امام ملعون ہے۔

☆ لیکن اولیٰ روایت محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے ناقابل اعتبار ہے،
☆ ثانیاً یہاں امام ضعیف سے قوت و غلبہ سے محروم امام نہیں، بلکہ صلاحیت تنفیذ سے محروم شخص مراد ہے، امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کی یہی تشریح کی ہے:

الإمام الضعیف ملعون [هو الضعیف عن إقامة الأحكام الشرعية، فعلیه التخلی (عن الإمامة)] ۲

نیز امام شعرائی نے بھی ”کشف الغمۃ“ میں یہی مطلب بیان کیا ہے:
قال ابن عباس رضی اللہ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ”الامام الضعیف ملعون وهو الذی یضعف من تنفیذ الامور الشرعیة واقامتھا“ ۳

قوت تنفیذ کا مطلب

تنفیذ کا مفہوم صحیح شرعی بنیادوں پر کیا گیا فیصلہ ہے، جس میں قطعیت کے ساتھ حکم صادر کیا گیا ہو، ضروری نہیں کہ طاقت کے زور پر اس کو جاری بھی کیا جائے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

مطلب فی التنفیذ وأما التنفیذ فالأصل فیہ أن یكون حکماً إذا القضاء قوله

۱- جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي ج ۱ ص ۲۰۸ حدیث نمبر: ۱۱۳ المصدر: موقع ملتقى أهل الحديث * مسند الفردوس للديلمی ج ۱ ص ۲۸ حدیث نمبر ۳۱۰ * كتر العمال في سنن الأقوال والأفعال ج ۶ ص ۲۲ حدیث نمبر: ۱۴۶۶۵ للؤلؤف: علاء الدین علی بن حسام الدین المتقی الهندي البرهان فوري (للتوفی: 975ھ) للتحقق: بکری حیاتی - صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة، 1401ھ/ 1981م مصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية۔

۲- الجامع الصغير من حديث البشير النذير للؤلؤف: الإمام جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر بن محمد بن سابق الدين السيوطي ج ۱ ص ۲۶۴ حدیث نمبر: ۳۰۶۸۔

۳- كشف الغمة للشعرائی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۱۶۔

أنفذت عليك القضاء قانونا وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ الشرعي ومعنى رفع اليد حصلت عنده فيه خصومة شرعية^۱ والمراد من النفاذ الصحة ومن عدمه عدمها لا الصحة مع التوقف^۲ متقودا بالدرية^۳ میں ہے:

التنفيذ احكام الحكم الصادر من الحاكم وتقريره على موجب ما حكم به وبه يكون الحكم متفقا عليه^۴

۱۔ نیز تمام کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ اپنے عہد خلافت میں حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے پر قہر نہ تھے، اور نہ اپنا فرمان تمام مسلمانوں پر بزور نافذ کر سکتے تھے، کئی ہم لوگوں نے مانیا ہے آپ سے بیعت نہیں کی تھی، اس کے باوجود آپ خیفہ راشد تھے، بلکہ انہی کمزور حالت میں آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، امام ابن تیمیہؒ صراحت میں:

فالخلافة التامة التي أجمع عليها المسلمون وقوتل بها الكافرون وظهر بها الدين كانت خلافة أبي بكر وعمر وعثمان وخلافة علي اختلف فيها أهل القبلة ولم يكن فيها زيادة قوة للمسلمين ولا قهر ونقص للكافرين ولكن هذا لا يقدح في أن عليا كان خليفة راشدا مهديا ولكن لم يتمكن كما تمكن غيره ولا أطاعته الأمة كما أطاعت غيره فلم يحصل في زمنه من الخلافة التامة العامة ما حصل في زمن الثلاثة مع أنه من الخلفاء الراشدين المهديين^۵

وأما علي فمن حين تولى تخلف عن بيعته قريب من نصف المسلمين من السابقين الأولين من المهاجرين والأنصار وغيرهم ممن قعد عنه فلم يقاتل معه ولا قاتله مثل أسامة بن زيد وابن عمر ومحمد بن مسلمة ومنهم من قاتله ثم كثير من الذين بايعوه رجعوا عنه منهم من كفره واستحل دمه ومنهم من ذهب

- حاشیہ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ أبو حنیفہ ج ۵ ص ۳۵۳ ابن عابدین، الناشر دار الفکر للطباعة والنشر، سنة النشر: ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م، مکان النشر بیروت، عدد الأجزاء ۸۔

۱۔ شرح الاشباہ ج ۱ ص ۱۳۳۔

۲۔ عقود الدرية ج ۱ ص ۳۰۳ بحوالہ ہندوستان اور مسئلہ امارت مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانی دہلی، ص ۱۱۰۔

۳۔ منهاج السنة النبویہ ج ۲ ص ۲۷۷ تألیف: أحمد بن عبد الحلیم بن تیمیة الحرانی ۷۲۸ھ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، المملكة العربية السعودية الأولى، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶م۔

إلى معاوية كعقيل أخيه وأمثاله ۱

تو جب امامت غطفی میں اس کی گنجائش ہے تو امارت شرعیہ میں کیا کلام ہو سکتا ہے، حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد اور شاد فرماتے ہیں:

”خلیفہ عبدالمجید تو بالکل مقبوریت کی حالت میں خلیفہ بنائے گئے، اور خلیفہ سالح نے ان کو قائم مقام بھی نہیں بنایا، پھر بھی سب لوگوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا، علماء اسلام کی رائے تو یہ ہے کہ عدم سے وجود بہر حال بہتر ہے، اور سقوط وجوب کے لئے کافی ہے۔ لہذا کہ علامہ تھنازانی کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ خلیفہ غیر ملای کا وجود سقوط وجوب کے لئے کافی ہے۔“

مولانا عبدالصمد رحمانی نے بھی لکھا ہے کہ:

”پس مسلمانوں کا وہابی دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں استقامت سے باہر نہیں بھی اس کی ولایت کے لئے مادی طاقت شرط اور لازم نہیں قرار دی جاسکتی ہے بلکہ ہر جگہ استقامت ماننے ہوگی، اور وہی مناط کار ہوگی۔“ ۳

امارت شرعیہ کے لئے بیعت کی ضرورت

بعض حضرات کو ایک شبہ یہ ہوا کہ اگر یہ امامت کبریٰ نہیں ہے بلکہ محض ولایت و گورنری یا قضا کے ہم پلہ ہے تو پھر اس کے لئے بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ بیعت تو امامت کبریٰ کے لئے لی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے بیعت دراصل معاہدہ کا نام ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

والمبايعة عبارة عن المعاهدة ۴

اور معاہدہ کے بغیر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، خلیفہ اور امام المسلمین سے قوم بیعت کرتی ہے تو امام شریعت پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہے اور قوم اس کی اطاعت کا، اور اسی معاہدہ کے نتیجہ میں امیر شرعی احکام کا پابند ہوتا ہے اور قوم پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے، اگر یہ معاہدہ وجود میں نہ

۱- منهاج السنة النبوية ج ۱ ص ۱۳۴ تألیف: أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني 728ھ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، للمملكة العربية السعودية الأولى، 1406ھ 1986م۔

۲- امارت شرعیہ کی حیثیت - شبہات و جوابات ص ۳۷۷ حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد علیہ السلام امارت شرعیہ پتھواری شریف پتھ ۱۹۴۹ء

۳- ہندوستان اور مشرق امارت مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانی ص ۱۴۸۔

۴- فتح الباری بشرح صحيح البخاري ج ۱ ص ۲۸ للؤلوف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (النفوف: 852ھ)

آئے تو لزوم بھی پیدا نہیں ہو سکتا، تو جس صورت میں مملکت میں امیر المؤمنین موجود ہو اور والی وقاضی کا تقرر اس کی جانب سے ہو تو ظاہر ہے کہ والی وقاضی سے جداگانہ بیعت کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ جملہ معروفات کے لئے امیر المؤمنین سے پہلے بیعت ہو چکی ہے اس لئے اس کے جملہ تقررات کی تعمیل و اطاعت بھی واجب ہوگی، لیکن جہاں امیر المؤمنین موجود نہ ہو، وہاں وقاضی و والی کی اطاعت کے لئے مستقل معاہدہ و بیعت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بیعت پہلے سے موجود نہیں ہے، اور یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ تراخی مسلمین (جس کا اظہار بیعت سے ہوگا) سے قاضی و والی کا تقرر درست ہے، اس مضمون کی کئی عبارتیں پہلے بھی آچکی ہیں، ایک عبارت شرح مواقف سے یہاں پیش کی جاتی ہے، جو اسلامی عقائد کے موضوع پر مستند کتاب ہے۔

علماء متقدمین میں قاضی عبدالرحمن بن احمد الاجبی اپنی شہرہ آفاق کتاب ”المواقف“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”لانسلم عدم انعقاد القضاء بالبيعة للخلاف فيه، وان سلم فذلك عند وجود الامام لا مكان الرجوع اليه في هذا المهم واما عند عدمه فلا بد من القول بانعقاده بالبيعة تحصيلاً للمصالح المنيعة به ودرءاً للمفاسد المتوقعة دونه اى دون القضاء“^۱

اس طرح کی تصریحات فقہاء حنبلیہ اور شافعیہ کے یہاں بھی موجود ہیں۔^۲

فقہاء حنفیہ میں علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

يجب عليهم ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضياً
او يكون هو الذى يقضى بينهم^۳

اسی حقیقت کو حضرت مولانا ابوالحسن محمد حیدر نے اس طرح بیان فرمایا:

”ظاہر ہے کہ از خود کوئی قاضی بن نہیں اس سے کوئی قاضی نہیں ہو سکتا، اور سلطان اور والی سے تقرر ہوا نہیں، پھر وہ اس کے کوئی صورت ہی نہیں کہ مقامی ارباب مل و عقد کسی شخص کو باتفاق رائے یا بکثرت آراء قاضی بنالیں اور اس کے قضایا کے تسلیم کا عہدہ کر لیں اور یہی بیعت ہے

۱-المواقف فی علم الکلام ص ۳۹۹ طبع عالم الکتب بیروت۔

۲-الحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یحییٰ ص ۳۷۷ الحکام السلطانیۃ ۱۱۰۷ م، ابن النعمان الماورقی (متوفی ۶۵۰ھ) ص ۶۳، ۶۴ مطبوعہ السعادیہ مصر، الفتاویٰ الکبریٰ، ابن جریر کنی الشافعی ج ۲ ص ۳۲۶۔

۳-فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۵ ص ۴۶۱، مطبوعہ دار صادر بیروت۔

اور اس صورت میں لزوم بیعت ظاہر ہے، کیونکہ شرعاً ثبوت ولایت کی تین ہی صورتیں ہیں (اول) تسلط، جس کو شریعت مجبوراً جائز کہتی ہے، (دوم) تقرر از جانب والی اعظم (سوم) بیعت از باب عل و عقد، فقہاء کی بیعت کو جس صورت میں علماء نے لکھا ہے لزوم ہی پر محمول ہے، یعنی امام اعظم کی طرف سے تقرر نہ ہونے کی صورت میں۔ اور جن لوگوں نے جواز عدم جواز کو لکھا ہے وہ دیگر صورت پر محمول ہے یعنی جب کہ امام اعظم کی طرف سے تقرر ہوا ہو۔“

دارالاستیلاء میں امارت کبریٰ کے بارے میں مولانا سجاد کا موقف

بعض بزرگوں کو امارت شریعہ کے معاملے میں اس لئے تاہل تھا کہ انگریزوں نے اسلامی ہندوستان پر قبضہ کر لیا ہے، فی الوقت اس استیلاء کا خاتمہ کرنے کی ضرورت ہے، امامت کبریٰ کے بجائے چھوٹی امارت شریعہ کے قیام کا مطلب تو یہ ہوگا ہم موجودہ نظام حکومت پر راضی ہیں، اور ہم اس جنگ کو موقوف کر دیں جس کو ڈیڑھ سو سال سے ہمارے اسلاف نے اس ملک کو آزاد کرانے کے لئے شروع کر رکھا ہے، مثلاً حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے امیر شریعت اول کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

”نفیر تو اس کو دارالاستیلاء سمجھتا ہے، اور دارالاستیلاء کے ازالہ کو لازم جانتا ہے۔“

یہ اعتراض مختلف حلقوں کی طرف سے اٹھایا گیا تھا، اور سنجیدہ و جارحانہ دونوں لب و لہجہ میں اٹھایا گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض مولانا سجاد کے نظریات سے بے خبری پر مبنی تھا، مولاناؒ سے قریب رہنے والے لوگ پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے اور انہوں نے اس کی شہادت دی ہے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) کہ مولاناؒ بھی بنیادی طور پر حکومت الہی کے قیام کے حامی تھے، اور ان کا اصل نصب العین بھی یہی تھا، جیسا کہ ان کی تحریک خلافت وغیرہ مساعی سے بھی ظاہر ہوتا ہے، لیکن جب تک اس کوشش میں کامیابی نہیں ملتی، محض انتظار فردا میں انتشار و پراگندگی کی زندگی گزارنا وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے، اس لئے کہ اس سے مسلمانوں کی صلاحیتیں اور بھی زیادہ کمزور ہوتی جائیں گی، علاوہ ایک شرعی فریضہ کے ترک کا گناہ بھی لازم آئے گا، ان کی

۱- امارت شریعہ کی شرعی حیثیت - شبہات و جوابات، ص ۵۴ معنفہ حضرت مولانا ابوالحسن محمد حجازی ناشر امارت شریعہ پھولادی شریف پٹنہ ۱۳۱۹ھ۔

۲- امارت شریعہ کی شرعی حیثیت - شبہات و جوابات، ص ۲۰ معنفہ حضرت مولانا ابوالحسن محمد حجازی ناشر امارت شریعہ پھولادی شریف پٹنہ ۱۳۱۹ھ۔

مضبوط رائے تھی کہ امارتِ شرعیہ کے قیام سے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت مضبوط ہوگی، اور حکومت الہیہ کا نصب العین حاصل کرنے میں اس سے مدد ملے گی، اور اگر خدا نخواستہ اس میں کامیابی نہیں ملتی ہے اور ہندو مسلم اتحاد کے نتیجے میں کوئی جمہوری حکومت وجود میں آتی ہے جیسا کہ اس کے آثار نظر آ رہے تھے، جب بھی امارت کی اجتماعی طاقت مسلمانوں کو مستحکم اور باوقار زندگی گزارنے میں معاون ثابت ہوگی، مولاناؒ نے اپنے خطبہٴ صدارت مراد آباد میں اپنا یہ درد اس طرح پیش فرمایا تھا:

”مسلمانوں کے لئے جس چیز کی آج ضرورت ہے اور حصولِ سراج کے بعد بھی ضرورت ہوگی بلکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل کو قریب کرنے کے لئے جو چیز سب سے زائد مفید ہوگی یہی نظامِ اسلام یعنی امارتِ شرعیہ ہے۔“

مولاناؒ کو اپنی اس رائے پر ایسا شرح صدر تھا کہ جیسا سامنے نظر آ رہے دن کے اجالے پر انسان کو یقین ہوتا ہے، مولاناؒ نے خود فرمایا:

”ہمارے بہت سے احباب ممکن ہے کہ میری صاف گوئی سے خفا ہوئے ہوں، مگر میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مسئلہ کے لئے میرے دل میں انشراح پیدا کر کے اس حقیقت کو ویرامی روشن فرما دیا ہے جس طرح کہ سورج کی روشنی۔“^۱



۱- خطبہٴ صدارت اجلاسِ جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۱۳۵۔

۲- خطبہٴ صدارت اجلاسِ جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۱۲۵۔

فصل سوم

تحریکِ امارتِ شرعیہ - قیام، مقاصد اور پس منظر

امارتِ شرعیہ ہند کے قیام سے حضرت مولانا سجاد کا منصوبہ

دراصل حضرت مولانا سجاد صاحبِ امارتِ شرعیہ کے ذریعہ آنے والے ہندوستان میں مسلمانوں کا دینی، ملی اور سیاسی مستقبل محفوظ کرنا چاہتے تھے، ان کا منصوبہ تھا کہ ایک منظم چیز تیار ہو جائے تو اس کو باقاعدہ حکومت کے ذریعہ قانونی حیثیت سے بھی منظور کرائے کی جدوجہد کی جائے، اور مسلمان ایک قانونی اجتماعیت کے زیرِ سایہ اپنی زندگی گزاریں، جس کے فیصلوں کو عدالتوں میں چیلنج نہ کیا جاسکے، اور جو حکومت کی مداخلت اور دستبرد سے محفوظ ہو، سبحان الہند مولانا احمد سعید دہلوی مولانا کی اس فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا محمد سجاد مرحوم کا یہ خیال تھا کہ جب تک ہندو مسلمانوں کی جدوجہد کامیاب ہو اور ہندوستان میں نیشنل گورنمنٹ قائم ہو، اس وقت تک مسلمانوں کا اندرونی نظام اور ان کی شرعی تنظیم مکمل ہو جائے تاکہ نیشنل گورنمنٹ کے زمانے میں مسلمانوں کی معاشرت، ان کا کلچر، ان کی سوشل تہذیب، ان کے اوقاف، ان کا نکاح اور طلاق وغیرہ، ان کی زکوٰۃ، اور ان کا عشریہ تمام باتیں ایک شرعی امیر کے ماتحت ہوں، اور ان تمام امور میں یہ ایک امیر کے ماتحت ہوں، اور اس شرعی تنظیم کو آئندہ ہندوستان کے دستور اساسی میں مسلمانوں کے ایک شرعی حق کی حیثیت سے تسلیم کرایا جائے، تاکہ مسلمانوں کے اندرونی اور اصلاحی معاملات حکومت کی مداخلت سے محفوظ ہو جائیں، یہ ان کی اس حکیم کا مختصر خلاصہ ہے جو میں نے عرض کیا۔ کاش اس مفید اور خالص مذہبی تحریک کو مسلمان سمجھتے۔“

جدید اصطلاحات کے بجائے اسلامی اصطلاحات والا ادارہ

درست ہے کہ یہ اجتماعیت اور تنظیمی مقصد جمعیت علماء ہند اور دیگر مسلم تنظیموں سے بھی حاصل ہو سکتے تھے، لیکن حضرت مولانا طرزِ کہن کے داعی و مبلغ تھے، موجودہ زمانہ کی تمام تنظیموں کی ساخت میں عصرِ جدید اور زیادہ درست لفظ میں مغرب کا رنگ غالب تھا، صدر، نائب صدر، سیکریٹری،

جنرل سیکریٹری، خازن، ارکان تائیدی و ممبران وغیرہ اصطلاحات سے ہماری قدیم اسلامی تاریخ اجتماعیت نا آشنا ہے، یہ سب عہد جدید کی پیداوار ہیں، جب کہ اسلام میں مسلمانوں کی تنظیم و اجتماع کے لئے خلافت اسلامی، حکومت الہیہ، اور امارت شرعیہ جیسے اداروں کا تصور موجود ہے، جہاں امیر شریعت، والی، عامل، قاضی شریعت، ناظم بیت المال، اور نقیب وغیرہ جیسی جامع اور روحانیت و مقصدیت سے بھرپور اصطلاحات موجود ہیں پھر اپنی چیزیں چھوڑ کر عہد جدید کی تقلید کرنا غیرت ایمانی کے خلاف ہے، مولانا چاہتے تھے کہ چھوٹی سطح پر ہو یا بڑی سطح پر مسلمانوں کا ہر اجتماعی کام قرآن وحدیث، اور اسلامی فقہ و تاریخ کے آئینے میں منظم کیا جائے، یہاں تک کہ اسماء و اصطلاحات اور ہیئت ترکیبی بھی وہی اختیار کی جائے جو خیر القرون میں ملتی ہیں، اسی سے اسلامی تہذیب و اقدار کا تحفظ وابستہ ہے اور اسی میں مسلمانوں کے لئے خیر ہے، اور جب ہی اس ملک میں مسلمان اپنے ملی و تاریخی تنقصات کے ساتھ محفوظ رہ سکتا ہے، دیکھئے خطبہ صدارت کے یہ الفاظ:

”میرے نزدیک تنظیم اسلامی کے مصداق کی تحقیق کی وہی شکل ہے جس کو آپ عہد رسالت میں پاتے ہیں، ازاں بعد عہد صحابہ کرام میں بھی آپ بہتر صورت میں اس کو دیکھتے ہیں تنظیم کی اس تشکیل اور تصور کو چھوڑ کر جو صورت بھی آپ اختیار کریں خواہ بظاہر وہ کتنی ہی مرغوب ہو سنت سنہ و طریقہ حسنہ کا ترک ہو گا۔ اور چاہے آپ ان حملہ امور کی انجام دہی کے لئے کوئی دوسری صورت اختراع کر لیں۔ اور آپ کی نظروں میں بہ اعتبار ترتیب آثار و حصول مقاصد کوئی وقت بھی محسوس ہو لیکن آپ اس تاثیر و اثر کو تشکیل و تنظیم شرعی میں مضمر ہے نہیں پا سکتے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ اس وجوب سے بکدوش نہیں ہو سکتے جو آپ پر واجب ہے۔ رہیں اگر تنظیم کے یہی معنی ہیں کہ مسلمانوں اور اسلام کا نظام قائم کرنا تو آپ حضرات یقین فرمائیں کہ اس کی شکل یہی ہے جس کو میں پیش کر رہا ہوں۔“

مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر علماء سے تبادلہ خیال

حضرت مولانا محمد سجاد نے اس موضوع پر بہت سے علماء سے گفتگو کی اور تبادلہ خیال کیا اور اکثر علماء نے آپ کی رائے کی قوت و صداقت کو تسلیم کیا مولانا ابوالکلام آزاد بھی مسلمانوں کی تنظیم کے لئے مسلسل فکر مند تھے، اور اس کے لئے وہ حزب اللہ قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، حضرت مولانا سجاد صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ شریعت میں تنظیم اسلامی کی بنیاد امارت

ہے اس بنیاد پر نظم کرنا بہتر ہوگا، اس بات کا تذکرہ جناب شاہ محمد قاسم عثمانی صاحب نے رانچی میں مولانا آزاد سے کیا جو ان دنوں وہاں نظر بند تھے، تو مولانا آزاد یہ سنتے ہی نفس مسئلہ تک پہنچ گئے، وہ مولانا سجاد کا مقصد سمجھ گئے، انہوں نے مشتقانہ مولانا سجاد صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ حضرت مولانا سجاد صاحب قاضی احمد حسین اور شاہ محمد قاسم عثمانی صاحبان کی معیت میں رانچی تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا آزاد سے ملاقات کی، یہ ملاقات بالکل تخلیہ میں ہوئی تھی، مولانا سجاد نے مولانا آزاد کے مزید اطمینان و انشراح کے لئے متعدد نصوص اور فقہی عبارتوں کے حوالے دکھائے اور بالآخر مولانا آزاد نے حزب اللہ کا ارادہ ترک کر کے امارت شریعہ کی تحریک میں شامل ہونے کا فیصلہ فرمایا۔^۱

مولانا سجاد کے سب سے اخص الخاص شاگرد اور آپ کے افکار و اعمال کے نقیب مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانوئی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جو چیز زیادہ ترقی پزیر تھی، اور سواہن روح بنی ہوئی تھی، وہ مسلمانوں کی غیر اسلامی اور غیر شرعی زندگی تھی، آخر بہت غور و غوض کے بعد امارت شریعہ کی ایک حکم آپ کے ذہن میں آئی، اس سلسلے میں مولانا مرحوم نے رانچی میں حضرت مولانا ابوالکلام صاحب سے جو اس وقت وہاں نظر بند تھے، ملاقات کی، اور اس مسئلہ پر باہمی مشورہ اور تبادلہ خیال ہوا، مولانا عبدالحکیم صاحب فرماتے ہیں اور دیگر سربراہان و رہنماؤں سے بھی ملے اور اسے عام کو تیار کیا۔“^۲

خود حضرت مولانا آزاد نے بھی اپنے خطبہ صدارت لاہور میں حضرت مولانا سجاد سے اپنی ملاقات کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور اس سبقت بالآخر کے لئے علماء بہار کو مبارکباد دی ہے، لکھتے ہیں:

”اسی زمانہ میں میرے عزیز و رفیق مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب رانچی میں مجھ سے ملے تھے اور اسی وقت سچی و تندہی میں مشغول ہو گئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کن لفظوں میں حضرات علمائے بہار کو مبارکباد دی کہ انہوں نے سبقت بالآخر ات کا مقام اعلیٰ حاصل کیا اور جمعیت علماء بہار کے جلسہ میں تین سو کے مجمع علماء نے بالاتفاق اپنا امیر شریعت منتخب کر لیا۔“^۳

مولانا آزاد نے نہ صرف تحریک امارت شریعہ کی حمایت کی بلکہ اسے اپنی بارہ سالہ جدوجہد کا نتیجہ اور تمام اصلاحی اعمال و تحریکات کے لئے اصل اصول اور اساس قرار دیا، جمعیت علماء ہند کے

۱- حیات سجاد ص ۵۷ مضمون قاضی احمد حسین صاحب و ص ۱۳۳، ۱۳۴ مضمون مولانا محمد عثمانی، حیات سجاد ص ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵ حیات قاضی احمد حسین مرحومہ شاہ محمد عثمانی۔

۲- محاسن سجاد ص ۷۷۔

۳- حصہ ۲ ص ۱۲۲۔

تیسرے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے (جب کہ بہار میں امارت شرعیہ کے قیام کو چند ماہ ہوئے تھے) اپنے خطبہ صدارت میں برملا اعلان کیا:

”حضرات! اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں مختصر اس مسئلہ کی نسبت بھی کچھ عرض کر دوں جس کو میں غلطی و جدالِ بصیرۃ آج تمام اعمالِ اصلاحیہ کے سنے بمنزلہ اصل و اساس کے یقین کرتا ہوں، اور کامل بارہ سال کے متصل غور و فکر کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ بغیر اس کے کبھی عقدہ کا حل نہیں ہو سکتا۔ میرا اشارہ مسئلہ نظامِ جماعت اور قیامِ امارت شرعیہ کی جانب ہے۔“

حضرت مولانا سجاد کو احساس تھا کہ ان کے اس طرزِ کہن کی پابندی کو لوگ قدامت پرستی قرار دیں گے اور طرح طرح کے حیلے بہانے اور شبہات و اعتراضات پیدا کریں گے، چنانچہ اپنے خطبہ صدارت مراد آباد میں ارشاد فرمایا:

”حضرات! مجھے معلوم ہے کہ اس دور میں اس قدیم اصولِ نظام پر کیا کیا اعتراضات اور شبہات ہیں اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے شبہات تو صرف علاقے خارجہ کے جذب و کشش سے پیدا ہو گئے ہیں اور بہت سے ترددات ماحول کے واقعات اور اخوانِ زمان کی کیفیاتِ افسیہ سے حادث ہوئے ہیں، ان مترددین اور مشکوکین میں بہت سے ایسے حضرات ہیں کہ ان کے دل دوماں پر خارجی اثرات نے اتنا گہرا اثر جما دیا ہے کہ اب شاید ان کے دل و دماغ میں حقیقی نظامِ اسلام کے تجسس کے لئے بھی کوئی جگہ باقی نہیں ہے۔ اور بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ رچہ و دھبہ کسی حد تک خارجی اثرات سے متاثر ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ وہ اصل نظام کی ممکن صورت کے تجسس میں، اور اگر یقین ہو جائے کہ شرعی اصول سے نظامِ اسلام کی یہی واحد شکل ہے تو یقیناً اس کے آگے جہنمِ نیاز رکھنے کو تیار ہیں۔“

لیکن مولانا آزاد نے ان کی بھرپور حمایت کی اور اپنے خطبہ صدارت لاہور میں فرمایا:

”ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی قومی و اجتماعی کام انجام نہیں پاسکتا جب تک اس میں نظم و انضباط نہ ہو، اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک اس کا کوئی رئیس و قائد مقرر نہ کیا جائے۔ پس ہم تیار ہو جاتے ہیں کہ علموں کے سب سے صدر تلاش کریں، لیکن اگر یہی حقیقتِ شریعت کی ایک اصطلاحِ امامت کے لفظ میں ہمارے سامنے آتی ہے تو ہمیں تعجب و حیرانی ہوتی ہے اور اس کے لئے ہم تیار نہیں ہوتے۔“

۱- خطبات آزاد ص ۱۶۹

۲- خطبہ صدارت اجلاس جمعیتہ غلام ہند مراد آباد ص ۱۳۱

ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہئے کہ ہم ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا دستور العمل بنائیں، شریعت کے کھوکھے ہوئے نظام کو از سر نو قائم و استوار کر دیں اور اس طرح اسلام کی مٹی ہوئی سنتیں زندہ ہو جائیں۔ طریق شرعی اور اس کے نظام و قواعد کے الفاظ کن کر یکا یک متوجش و مضرب الحال ہو جاتے ہیں، یہ کیا مصیبت ہے کہ اگر نیکہ کا لفظ کہنا ہوتا ہے تو آپ اس کا استقبال کریں اور امیر و امام کا لفظ آجائے تو نفرت و انکار اس سے بھر جائیں۔“

دارالکفر میں امارت شرعیہ تنظیم اسلامی کی واحد عبوری صورت

غرض امارت شرعیہ مولانا کی آخری منزل نہیں تھی بلکہ ایک عبوری منزل تھی، غیر اسلامی اقتدار میں اس سے بہتر ممکنہ تنظیمی و اجتماعی صورت اور کوئی موجود نہیں تھی، ان کے نزدیک امارت شرعیہ کی ترجیح بمقابلہ انتشار و پراگندگی وغیرہ شرعی اجتماعیت تھی نہ بمقابلہ خلافت اسلامی۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل حضرت مولانا سجاد کی کتاب ”حکومت الہی“ ہے، جو اسلام کے نظام اجتماع اور فلسفہ اجتماع پر اردو زبان میں اس عہد کی پہلی کتاب تھی، اس کی پہلی اشاعت کی سعادت (۱۹۴۱ء میں) حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی کو حاصل ہوئی، اس کتاب کے عرض نامہ میں مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا کی پوری زندگی بے پناہ جہد و عمل کا نمونہ تھی، جس کا مقصد وحیہ حکومت الہیہ کا قیام تھا، مولانا نے اپنی زندگی میں جو عملی قدم بھی اٹھایا وہ صرف اس لئے کہ اس کے ذریعہ مقصد وحید کی راہ کھستی تھی، بن لوگوں کو مولانا کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے یا انہوں نے مولانا کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں، کہ ان کی زندگی کا مشن حکومت الہیہ کے سوا اور کچھ نہ تھا، مولانا نے اپنی مخصوص بعیرت کے ساتھ جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی، اور جو انہیں کا حصہ تھی، اپنی زندگی کا کافی حصہ اسلام کے اجتماعی نظام اور حکومت الہی اور اس کی تفصیلات پر نمود کرنے میں صرف کیا، اور جن لوگوں کو اس موضوع پر مولانا سے گفتگو کا موقع ملا ہے وہ اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ حکومت الہیہ یا خلافت اسلامیہ کا کس قدر مرتب اور مفصل خاکہ مولانا کے ذہن میں موجود تھا اور چند وختان میں صرف مولانا ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی صحیح روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیم اور ہندوستان میں اس کی اسلامی زندگی کا بہترین خاکہ تیار کیا، اور اسے پوری طرح مرتب کر کے عملی صورت میں امارت

شرعیہ کے نام سے صوبہ بہار میں جاری کیا کہ اگر آج مکمل اقتدار حاصل ہو جائے تو تھوڑے اضافہ کے بعد امارت شرعیہ خلافتِ اسلامیہ کی شکل اختیار کر سکتی ہے، بلکہ اس کی ہیئت ترکیبی ہی ایسی ہے کہ قوت کے حصول کے بعد وہ خلافتِ اسلامیہ کے سوا اور کوئی چیز بن ہی نہیں سکتی۔^۱

اور یہی بات مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے اپنے ایک دوسرے مضمون میں بھی تحریر کی ہے:

”مولانا غنیہ الرحمۃ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا اصل مقصد تو ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام ہے، اس لئے کہ موجودہ تمام طریقہ ہائے حکومت میں اسلامی حکومت ہی کا نظام مکمل ہے لیکن چونکہ یہ حالات موجودہ براہِ راست اسلامی حکومت کے قیام کی راہ میں مشکلات ہیں، اس لئے سر دست کم از کم ایک ایسی مشترکہ حکومت کے قیام کی کوشش کی جائے جہاں مسلمانوں کے لئے مخصوص نظام ہو۔“^۲

اس امر کی شہادت مولانا کے دیگر قریب ترین لوگوں نے بھی دی ہے مثلاً:

مولانا مسعود عالم ندویؒ فرماتے ہیں:

”لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ مولانا سجاد مرحوم یا دوسرے داعیانِ امارت کا یہ آخری نصب العین ہے، حاشا وکلا، اس مخلص مجاہد کے دامن پر اس سے زیادہ بد نما دھبہ اور کوئی نہیں لگایا جاسکتا، مولانا محمد سجاد بھی اسلامی حکومت کی تائیس کے داعی تھے، اور یہی ان کا نصب العین تھا، مسلم نیشنلزم اور کمالِ اناترک جیسی اسلامی حکومت نہیں بلکہ وہ غاص ”الہی حکومت“ (منہاج خلافت راشدہ پر) کے قیام کے داعی تھے۔“^۳

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ لکھتے ہیں:

”مولانا محمد سجاد ہندوستان کے ان چند بہترین میں سے تھے، جو ہندوستان کی ریاست میں حصہ دار بننے کے باوجود حکومتِ الہیہ کے اس نصب العین کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے، جو ان کی جدوجہد کا حقیقی مرکز و محور تھا۔“^۴

مولانا عثمان غنی صاحبِ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا کا مقصد وحد اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے شریعتِ اسلامیہ کی حکومت کا قیام تھا،

۱۔ حکومتِ الہی ص ۱۳، ۱۴ عرض ناشر مولانا منت اللہ رحمانی طبع دوم امارت شرعیہ پبلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔

۲۔ حیاتِ سجاد ص ۱۶۴۔ مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے حضرت سجادؒ کی کتاب ”حکومتِ الہی“ پہلی بار شائع کی تو اس کے مقدمہ میں بھی حضرت کے اس مقصد و حید کو بڑی قوت کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔

۳۔ محاسنِ سجاد ص ۹۶۔ جیسا کہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کی کتاب ”حکومتِ الہی“ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

۴۔ نقیب مولانا سجاد نمبر ص ۷۶۔

اور امارت شریعہ اس کا ایک زینہ ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کی تنظیم اور ان میں وحدت ملی اور عادت سمع و طاعت پیدا کی جاسکے۔ غلاموں اور محکوموں کے سنے اعدائے کلمت اللہ دشواری نہیں بدنام ممکن ہے۔"

قاضی سید احمد حسین صاحب رقمضرازی ہیں :

"مولانا کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے میں نے ایک دفعہ برٹیش تذاکرہ مولانا سے کہا کہ اس صوبہ میں امارت شریعہ قائم کر کے آپ نے اپنا وقت زندوں کے بجائے مردوں میں ضائع کیا، کاش کہ آپ صوبہ سرحد یا کراچیکوئی نئی نمونہ کی اسلامی حکومت قائم کئے ہوتے تاکہ دنیا و آخرت کی اسلامی حکومت انسانیت کے لئے کیسی رحمت ہے؟ تو مولانا نے فرمایا کہ صوبہ سرحد سے کچھ ٹوٹ مجھے لینے کو آئے تھے، اور میں بھی جانے کو تیار تھا لیکن امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدایین صاحب نے جانے نہ دیا۔"

مولانا امین احسن اسحاقی (اعظم گڑھ) بھی مولانا سے بہت قریب رہے ہیں، اور رقمضرازی ہیں :

"مولانا جس انقلاب کے داعی تھے اس کا پروگرام بالکل شرعی اور مذہبی تھا، ان کو پورا اعتماد تھا، کہ اگر مسلمانوں کی تنظیم جمعیتہ علماء کی قیادت میں قائم ہو جائے، تو مسلمان ہندوستان کے اندر ایک ایسا انتظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، جو ہندوستانی قومیت میں شامل ہونے کے باوجود ان کی حفاظت کر سکے گا۔ وہ اس کو مسلمانوں کے لئے آئینہ میں نہیں سمجھتے تھے، مگر اس سے زیادہ کے سنے حالات سازگار نہیں پاتے تھے۔"

موجودہ ہندوستان میں امارت ہی مسلمانوں کے مسائل کا حل ہے

حضرت مولانا جواد صاحب غیر مسلم ہندوستان میں امارت شریعہ کو بہت سے ملی اور اجتماعی مسائل کا حل تصور فرماتے تھے، اور تمام دینی تحریکات کی اصل قرار دیتے تھے، آپ نے مراد آباد کے مجمع کو جس میں علماء، امت اور زعمائے ملت کی بڑی تعداد موجود تھی، مخاطب کر کے ارشاد فرمایا (واضح رہے کہ اس وقت تک بہار میں امارت شریعہ قائم ہو چکی تھی لیکن مولانا کی کوشش تھی کہ ہندوستان پر بھی امارت قائم ہو جائے)

۱- دیوت جلد ۸، ۱۲۸۔

۲- دیوت جلد ۶، ۱۰۰۔

۳- دیوت جلد ۵، ۵۵۔

”ساداتی اکرام و زعمائے ملت! اگر آپ نے ہندوستان میں تنظیم اہل اسلام کی اہمیت کو محسوس فرمایا ہے اور ضرورت بھی محسوس ضرورت غاویہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ دینی حیثیت سے تو آپ سے میں گزارش کروں گا کہ چونکہ تنظیم کی اہلی صورت وہی ہے جس کو جمعیتہ علماء ہند نے ۱۹۲۱ء میں منظور کر لیا ہے، اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آج علماء کرام و زعمائے ملت جبکہ ایک جگہ ہندوستان کے مسائل پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس چیز کو سامنے لانا چاہئے اور غور کرنا چاہئے، اگر آپ نے مراد آباد میں جمع ہو کر اور کچھ نہیں کیا بلکہ صرف اسی امر کے متعلق عمل کرنے کی کوئی شکل پیدا کر لی تو یقین فرمائیے کہ آپ نے سب کچھ کر لیا کیونکہ تمام چیزیں اس کی نسبت فرع ہیں اور دواہل ہے۔“

امت کی تنظیم اطاعت سے وابستہ ہے

حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کو سفر و حضر میں حضرت مولانا سجاد کے ساتھ رہنے کے کافی مواقع ملے تھے، انہوں نے اپنے مضمون میں اس موضوع پر حضرت مولانا کے مجلسی اور عوامی خطابات کے کئی اہم اقتباسات نقل فرمائے ہیں، مثلاً:

”وہ (حضرت مولانا سجاد) ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کو بغیر امیر کے غیر شرعی زندگی سمجھتے تھے کسی اسلامی ملک پر محض کے سادہ کو وہ نہایت خطرے کی گھنٹی دیکھتے تھے، اور اس غیر شرعی زندگی پر وہ قرآن و حدیث سے استدلال کرتے تھے، اور بعض دفعہ اس زندگی کی زربانیال ذکر کرتے کرتے رونے لگتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ ان کی ہچک چاند جاتی تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن جو سوال جم لوگوں سے ہو گا اس کا جواب سمجھ میں نہیں آتا، ہم ہند کے سامنے کس طرح عہدہ برآ ہو گئے، ان کا خیال یہ تھا کہ کفر کے اس بے پناہ غلبہ اور ظلمت کو جس قدر کہ کیا جا سکے کم کرنا چاہئے، اس راستے میں جس قدر قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام ایک تنظیمی مذہب ہے، اس مذہب کی روح ڈھیلن اور شکم چاہتا ہے، اگر مسلمان منتشر رہیں، اور کسی ایک شخص کی اطاعت نہ کریں، اور اپنا کوئی امیر منتخب نہ کریں، تو یہ زندگی غیر شرعی زندگی ہوگی، ہر ایک پیغمبر جو دنیا میں آیا ہے اس نے اپنی ابتدائی تقریر میں دو باتیں لازمی طور پر کہی ہیں، فی تقوانہ و اطیعونہ یعنی اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور یہی اطاعت وہ چیز ہے جس پر قوموں نے مخالفت کی ہے، عام طور سے قومیں

خدا کی قوت و طاقت تسلیم کرنے کو آمادہ ہو جاتی تھیں، لیکن پیغمبر کی اطاعت پر رضامند نہ ہوتی تھیں، پیغمبر کی اطاعت کو وہ اپنی عزت، برتری، اور اپنی سرداری کے منافی سمجھتی تھیں اس وجہ سے کہتے تھے:

ما هذا الا بشر مثلكم يريد ان يتفضل عليكم

یعنی یہ پیغمبر بھی ہم تم جیسا آدمی ہے، یہ اپنی بڑائی منوانا چاہتا ہے اور ہم پر حکومت کرنا چاہتا ہے یہی وہ چیز ہے جو مکہ کے سرداروں کو کھنکھائی اور یہی وہ امر ہے جس نے اہل کتاب کو نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے سے باز رکھا، اسی نقطہ پر قوموں سے مخالفت ہوئی، لیکن پیغمبر اس حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے، اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ خدائی مذہب کی یہ بنیادی چیز ہے، جب تک پیغمبر کی اطاعت پر تیار نہ ہو خدائی مذہب کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اور تنظیمی زندگی بھی میسر نہیں آ سکتی، اس نظریہ کے پیش نظر انہوں نے امارت شریعہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ اس مسئلے پر فقہاء حنفیہ کی تصریحات پیش کرتے تھے، اس پر انہوں نے ایک مفصل فتویٰ بھی مرتب کیا تھا اور جمعیت علماء نے جو تجویز امارت شریعہ کے سلسلے میں پاس کی تھی، وہ بھی انہی کی سعی کا نتیجہ تھی، وہ چاہتے تھے کہ زکوٰۃ اور عشر کا صحیح انتظام ہو سکے اور مسلمانوں کے صدقات و خیرات شرعی طریقہ پر صحیح مصارف پر خرچ ہو سکیں۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی یہ خواہش ایک شرعی خواہش تھی۔ اور ۱۹۴۷ء کے اس انقلاب کے بعد جو ہندوستان میں ظہور پذیر ہوا اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی دولت ان کی عزت اور ان کی شرعی زندگی اور ان کا سیاسی اقتدار ملیا میٹ اور تباہ و برباد ہو گیا، اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ مسلمان مسجدوں کی امامت کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں ایک امیر بھی منتخب کرتے۔

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد علماء کی جماعت میں وہ پہلے عالم تھے، جنہوں نے وقت کی مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کام کو شروع کیا، اس کی حمایت میں آواز بلند کی، اور اگر تمام ہندوستان میں نہیں تو کم از کم ایک صوبہ میں اس کی تشکیل کی اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بتایا کہ کفر کے تسلط اور غلبہ کے بعد مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا یہی طریقہ ہے۔

تحریک امارت میں مخالفتوں کا سامنا

لیکن افسوس کہ حضرت مولانا سجادؒ نے جس قوت و اہمیت کے ساتھ اس نظریہ کو پیش فرمایا اور اس کے دلائل فراہم کئے، اتنی ہی زیادہ شدت کے ساتھ ان کی مخالفت کی گئی، ظاہر ہے

کہ مولانا سجاد شہادت و اعتراضات کے جوابات دے سکتے تھے، مخالفتوں کا جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں تھی، حضرت مولانا نے علماء کرام سے اپنا غم بیان کیا ہے:

”علماء کرام واعیان ملت! مسلمانوں کی حیات اور اجتماعی زندگی بلکہ محض باعزت زندگی کے لئے اگر کوئی چیز ہندوستان میں ضروری اور لازم ہے تو وہ مسلمانوں کا شرعی اصولوں کے ساتھ باغابطہ منظم ہونا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ چیز جتنی ضروری اقدّمواہم ہے، اسی قدر اس کے ساتھ سبے اعتنائی اور لا پرواہی برتی گئی ہے اور آج تک باوجود اوراک و احساس کے وہی غفلت اور وہی جمود ہے۔“

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ اس دور کی مخالفتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہندوستان کے علماء اور غیر علماء تمام مسلمانوں میں یہ شرف صرف مولانا محمد سجاد صاحب کو حاصل ہے کہ انہوں نے یہ احساس کرتے ہوئے کہ اس غیر اسلامی ملک میں مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسلامی ماحول اور اسلامی مآثرات پیدا کرنے کے لئے امداد شرعیہ کے قیام کے بغیر چارہ کار نہیں، بہار کے صوبہ میں اس کی داغ بیل ڈال دی۔ اگرچہ وہاں کے بعض صوفیاء، بعض علماء اور انگریزی داں طبقے نے اپنی ذاتی مصالح کی بنا پر اس کی کافی مخالفت کی۔ اور صوبہ کے ان مسلمانوں نے جو پیٹ فارم پر اسلامی تحریک، اسلامی حکومت کا نام رہتے رہتے ہیں، اگرچہ پیٹم اور مسلسل مخالفتوں سے اس کو بڑی حد تک نقصان پہنچایا، اور اس مقدس تحریک میں مناع الخیر بنے رہے۔“

مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اس قصہ غم کو اور بھی تھوڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:

”مولانا محمد سجادؒ کی اس فائس مذہبی اور شرعی تحریک کی پوری قوت کے ساتھ اپنوں اور پرائیوں نے مخالفت کی، ایک طرف حکومت متسلطہ نے اور دوسری طرف اس ملک کی بد قسمت اکثریت نے اس کو خطرے کی نگاہ سے دیکھا، سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ ملک کے اس تعلیم یافتہ طبقے نے جس کو آج کل سب سے زیادہ مسلمانوں کی نمائندگی کا شوق ہے، اور جو مسلمانوں کی تہذیب اور کلچر کی حفاظت کا مدعی ہے، اس نے بھی اس مذہبی تحریک کو اپنے اقتدار اور اپنی مروجہ لیڈری کے خلاف سمجھا، جو حضرات غیر شرعی قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنے کے مادی ہو چکے تھے، اور صرف نام کے مسلمان بن کر اسلامی قومیت کے حقوق کا غور کرنا جن کا مقصد زندگی ہو چکا تھا، اور جو اسلامی احکام کی پابندی کو اپنی آزادی ضمیر کے مخالف سمجھے ہوئے تھے،

۱- خطبہ صدر امت، اجلاس جمعہ علماء ہند مراد آباد، ۱۳۴۲ھ۔

۲- حیات سجاد، ۱۴۸، ۱۴۹، مضمون مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ۔

انہوں نے اس تحریک کو دقیقاً نوکی اور تیرہ سو سالہ پرانی تحریک کہنا شروع کیا۔ اور مولانا سجادؑ کی یہ کہہ کر مخالفت شروع کی کہ یہ ہم کو روشنی اور آزاد خیالی سے بنا کر پھر ماضی میں پھیلانا چاہتے ہیں، اور ہم کو مولویوں کے اقتدار کے ماتحت کرنا چاہتے ہیں، ان سب مخالفتوں سے زیادہ حیرت انگیز ان علماء کی مخالفت تھی، جن کا یہ فریضہ تھا اور قیام امارت جن کا شرعی اور قانونی فرض تھا ان تمام مخالفت قوتوں اور طاقتوں کی موجودگی میں مولانا محمد سجادؑ نے خدا کے بھروسہ پر اس کام کو شروع کیا۔

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؑ میں جہاں بے شمار خداوندی قابلیتیں موجود تھیں، ان تمام خوبیوں اور قابلیتوں میں ان کی پختہ کامی، عزم بالجزم، مستقل مزاجی، اور ہمت اور ارادے کی طاقت نہ بے لاش ہے و ویری سے بڑی مشکل کا ان تمام قوتوں کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔ دو کام کرنے سے تھکتے نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام طاقتوں کی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔۔۔ اگر علماء میں مداخلت اور منافرت نہ ہوتی، اور صوفیاء میں اربابا من دون اندہ بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک امیر کے ماتحت شرعی زندگی بسر کر رہا ہوتا اور اسلام کی حقیقی برکات سے متمتع ہوتا۔

مولانا سید حسن آرزو نے اس وقت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے کہ:

”مجھے مولانا سجادؑ کی معیت میں اس خدمت کو انجام دینے کا بھی شرف حاصل ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا مرحوم کو اس وقت کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، مگر ہمت و عمل کی اس مشین نے ساری دشواریوں سے مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھ کر پورا کاغذ لکھا اور ہماری ہمتوں کو بندہ اور کامیابی کو سامنے لکھ کر دیا اور مولانا کے سر کامیابی کا سہرا بندھ ہی گیا۔“

حضرت ابوالحسنؑ کے فہمن میں امارت شریعہ کا تصور

یہ تھے وہ مشکل حالات جن میں حضرت مولانا سجادؑ نے تحریک امارت شریعہ کا اپنا سفر پورا کیا، والا تو ایک عرصہ سے امارت شریعہ کا خیال تھا، انہوں نے امارت شریعہ کے قیام سے قبل ہی بعض خاص لوگوں سے بیعت جہاد بھی لی تھی، لیکن یہی وہ تلخ حالات تھے جن کی بنا پر یہ حرف آرزو زبان پر نہیں آ سکتا تھا، جناب قاضی احمد حسین صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

”امارت شریعہ کے قیام کا خیال تو مولانا مرحوم کو بہت پہلے سے تھا، لیکن حالات کی نارساز گاری نہ صرف مطلب کو زبان تک لانے کی اجازت دیتی تھی، نہ ماحول عمل کا متحمل تھا، پھر بھی مجاہدانہ جذبہ

مولانا کو بے قرار رکھتا تھا، چنانچہ جہاد کی بیعت بعض خاص لوگوں سے مولانا نے قیام امارت سے پہلے لی تھی۔^۱

قیام امارت سے قبل بیعت جہاد

یہ خاص لوگ جن کو قیام امارت شرعیہ سے قبل حضرت کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی سعادت حاصل ہوئی ان میں سرفہرست حضرت شاہ ابوطاہر فردوسی اور ان کے رفقاء و احباب تھے، اس بیعت جہاد کی تفصیل خود شاہ ابوطاہر صاحب ہی کی زبانی ملاحظہ کریں:

”ایک واقعہ جو غالباً میرے ساتھ مختص ہے یعنی میرے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اور غالباً قاضی احمد حسین صاحب بھی اس سے واقف نہیں ہیں، حالانکہ صرف ان ہی کی ایک ذات ہے جو مولانا کی ہر تحریک میں ان کی قوت بازو رہی۔ گھیا میں جب مولانا کا قیام ہا سملہ ہر غرس میں تشریف لایا کئے، ایک موقع پر جب کہ آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں ارکان اسلام کے ساتھ جہاد پہ بھی بیعت ہوتی ہے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیعت کے ساتھ اہتمام جہاد بھی کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کیا تو آپ ہی امیر بنیں، میں امیر تسلیم کرتا ہوں، اس گفتگو کے چند دن بعد میں چند احباب کے ساتھ گیارہ مدرسہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے تو امیر تسلیم ہی کر لیا ہے، ہمارے یہ مخلص احباب بیعت جہاد کے لئے حاضر ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے بیعت جہاد لیا، ان میں سے جن لفظوں میں آپ نے بیعت لی ان کے ماثورہ الفاظ یہ ہیں:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعة فی العسر
و الیسر والمنشط والمکره و ان لا انازع الامر ابلہ وان نقول بالحق حیث
کنا ولا نخاف لومة لائم۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد امارت کی تحریک شروع ہوئی اور اللہ نے آپ کو نائب امیر شریعت بنایا۔^۲

جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوم میں امارت فی الہند کی تجویز

آپ کی تحریک امارت کا محور پورا ہندوستان تھا اور آپ اس نظام شرعی کو پورے ملک میں نافذ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے جمعیت علماء ہند کے دوسرے اجلاس (منعقدہ ۷ تا ۹ ربیع

۱- دیات جہاد ص ۷۲ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔

۲- دیات جہاد ص ۷۳ مضمون شاہ ابوطاہر فردوسی۔

الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی، زیر صدارت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی جس میں تقریباً پانچ سو ۵۰۰ علماء شریک تھے (میں آپ نے امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز پیش فرمائی جس کی تائید حضرت شیخ الہند نے بھی کی۔ حضرت شیخ الہند کی وجہ سے حضرت مولانا سجاد بہت پر امید تھے، کہ اس اجلاس میں امیر الہند کا مسئلہ حل ہو جائے گا، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد نے باقاعدہ اس کے لئے دیوبند کا سفر کیا اور حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہو کر اس موضوع پر تبادلہ خیال فرمایا، اور حضرت شیخ الہند اس کے لئے راضی ہو گئے تھے۔^۱

اور واقعہ یہ مسئلہ حل ہو سکتا تھا اگر حضرت شیخ الہند کی حیات مبارکہ میں یہ تحریک پیش کر دی جاتی، حضرت شیخ الہند کی بھی رائے یہی تھی کہ:

”اس نمائندہ اجتماع میں جب کہ تمام اسلامی بند کے ذمہ دار اور ارباب حل و عقد جمع ہیں، امیر الہند کا انتخاب کر لیا جائے، اور میری چارپائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جایا جائے، پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔“^۲

امیر الہند کے انتخاب میں دشواریاں

مگر دشواری یہ تھی کہ ایک تو حضرت شیخ الہند بے حد سلیس تھے، نقل و حرکت سے بھی معذور تھے، اجلاس میں خود شریک بھی نہ ہو سکے، بلکہ دوران اجلاس ڈاکٹر شوکت انصاری صاحب کی کوٹھی پر تشریف فرما رہے۔ دوسری طرف بعض قرائن و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ منصب امارت کے لئے اندراندر کئی شخصیتوں کے نام گردش کر رہے تھے:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

ظاہر ہے کہ ان میں سب سے اہم ترین شخصیت حضرت شیخ الہند کی تھی، بلکہ آپ کی شخصیت اس معاملہ میں نقطہ اتفاق بنا سکتی تھی، اگر آپ کی امارت کا اعلان ہو جاتا تو شاید کسی کو اختلاف نہ ہوتا، خطبات آزاد سے معلوم ہوتا ہے کہ امام الہند کے منصب کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی حضرت شیخ الہند کو راضی کر لیا تھا، گو کہ یہ ان کے اس پروگرام کا حصہ تھا جب مولانا آزاد

- حیات سجدہ ص ۱۳۶، ۱۳۵ مضمون مولانا عثمان فاضل صاحب۔

- تاریخ امارت ص ۵۳ مرتبہ مولانا عبدالحمد تھانی۔

حکومت الہیہ کے قیام کی جدوجہد کر رہے تھے اور اس کے لئے انہوں نے حزب اللہ کی تشکیل کی تھی، یہ ۱۹۱۴ء کی بات ہے، جب کہ ملک میں نہ جمعیۃ علماء ہند کی تحریک شروع ہوئی تھی اور نہ امارت شرعیہ کی، اس موقع پر مولانا آزادؒ نے بہت کوشش کی کہ حضرت شیخ الہندؒ ہجرت میں جلدی نہ کریں اور بحیثیت ”امام الہند“ ہندوستان میں رہ کر حکومت اسلامیہ کے احیاء کی سربراہی فرمائیں: مولانا آزادؒ فرماتے ہیں:

”۱۹۱۴ء کے لیل و نہار قریب الاغتام تھے، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت اس عاجز پر منکشف کی اور مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک یہ عقد و حل نہ ہو گا ہماری کوئی سعی و جستجو بھی کامیاب نہ ہوگی، چنانچہ اسی وقت سے میں سرگرم سعی و تدبیر ہو گیا، حضرت مولانا محمود الحسنؒ سے میری ملاقات بھی دراصل اسی طلب و سعی کا نتیجہ تھی، انہوں نے پہلی ہی صحبت میں کامل اتفاق ظاہر فرمایا تھا اور یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا تھا کہ وہ اس منصب کو قبول کریں گے اور ہندوستان میں نظم جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا جائے گا مگر افوس ہے کہ بعض زود رائے اشخاص کے مشورہ سے مولاناؒ نے اپنا تک سفر حجاز کا ارادہ کر لیا، اور میری کوئی منت و سماعت بھی انہیں سفر سے باز نہ رکھ سکی، اس کے بعد میں نظر بند کر دیا گیا۔“

اس لئے قوی امید تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ کا اسم گرامی سامنے آنے پر کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

ایک بڑا نام مولانا ابوالکلام آزادؒ کا بھی تھا، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے بعد ملک میں سب سے طاقتور نام مولانا آزادؒ ہی کا تھا، ان کو اس مسئلہ پر شرح صدر بھی تھا اور ان پر اتفاق رائے کا بھی امکان تھا حضرت مولانا سجادؒ کے محرم راز قاضی احمد حسین صاحبؒ کی روایت یہ ہے کہ:

”مولانا مرحوم (مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ) نے حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن صاحبؒ کو اس امر پر راضی کر لیا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ امیر الہند ہوں۔ میں اس وقت جیل میں تھا مگر جہاں تک یاد آتا ہے جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے اجلاس میں مولانا سجاد صاحبؒ نے اس تجویز کو پیش کیا، مگر شیخ الہندؒ کی علالت کی وجہ سے جب کہ وہ خطرناک حالت سے گزر رہے تھے، دوسرے اجلاس کے لئے اس کو ملتوی کر دیا گیا۔“

۱- خطبات آزادؒ - ۱۲۔

۲- دیات سجادؒ - ۵، ۶۔

اس کی تائید مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی کی کتاب ”ذکر آزاد“ سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے خود حضرت شیخ الہندؒ سے اس موضوع پر اپنی گفتگو کی روداد نقل کی ہے۔

مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی مولانا آزادؒ کے مقرب ترین لوگوں میں تھے، مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور صوبہ یوپی میں مولانا کی طرف سے بیعت امامت کے مجاز اور خلیفہ تھے، وہ لکھتے ہیں:

”اس زمانے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مرحوم و مغفور مالے کی نظربندی سے بچھٹ کر پہلی دفعہ لکھنؤ تشریف لائے اور فرنگی محل میں ٹھہرے خبر ملی کہ فرنگی محل والے اس کو شش میں ہیں کہ مولانا عبدالباری صاحب کی امامت پر انہیں راضی کر لیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ خود شیخ الہند کے بعض رفیق شیخؒ کے لئے یہ منصب چاہتے ہیں، مجھے تشویش ہوئی، شیخ الہند کے لئے میں انجان نہ تھا، مئی میں اور مکہ میں ملاقاتیں ہو چکی تھیں، اور بڑی شفقت سے پیش آئے تھے، لیکن اب جو مسئلہ درپیش تھا نازک بھی تھا اور اہم بھی، خود شیخ کی ذات سے بھی تعلق رکھتا تھا، اور بڑے سلیقہ کا طالب تھا، میں نے شیخ الہند سے تنہائی میں ملاقات کی، رسمی باتوں کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی امامت کا تذکرہ چھیڑا، شیخؒ نے فرمایا امامت کی ضرورت مسلم ہے، عرض کیا، حضرت سے زیادہ کون اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس منصب کے لئے وہی شخص موزوں ہو سکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ہوشمند، مدبر اور ڈپلومیٹ ہو، مسلمانوں کا امام ایسا شخص ہونا چاہئے، جس کی استقامت کو نہ کوئی تشویش متزلزل کر سکے، نہ کوئی ترسب، مثال کے طور پر میں نے پاپائے روم کا تذکرہ کیا جو ڈپلومیسی میں فرد اور سیاسیات کا شاطر ہوتا ہے۔

شیخ الہندؒ نے اتفاق ظاہر کیا تو عرض کیا آپ کی رائے میں اس وقت امامت کا اہل کون ہے؟ یہ بھی اشارہ کہہ دیا کہ بعض لوگ اس منصب کے لئے خود آپ کا نام لے رہے ہیں، اور آپ محمد اللہ اہل بھی ہیں، شیخ بڑی محسوسیت سے مسکرائے اور فرمایا کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی تصور نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کا امام بنوں، عرض کیا، کچھ لوگ مولانا عبدالباری صاحبؒ کا نام لے رہے ہیں، موصوف کا تقویٰ و استقامت مسلم ہے، مگر مزاج کی کیفیت سے آپ بھی

۱۔ مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی مشہور صاحب قلم تھے، ان کے والد گرامی محترم عبدالحمید خان صاحب حضرت مولانا فضل رحمان رنج مراد آبادی سے بیعت تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے، ندوہ سے فراغت کے بعد معر گئے، جہاں انہیں علامہ رشید رضا مصری سے شرف تلمذ حاصل ہوا، پھر وہاں سے ترکی اور حجاز گئے، ۱۹۱۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی، مولانا نے شروع ہی سے ایک سیاسی طبیعت پائی تھی، اپنے وطن کی آزادی کی جدوجہد میں شامل جان فرو شوں اور سونختہ جانوں کے انگڑ میں پیش پیش رہے، ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۸ء تک مولانا آزادؒ کے شامل ایک جان و قالب بنے رہے، ۱۹۳۸ء کے بعد جب وہ مولانا آزادؒ سے الگ ہوئے تو وہ ہندوستان کے علم و ادب اور صحافت کے افق پر ایک قطبی ستارے کے طور پر نمودار ہوئے اور دیر تک چھائے رہے، کینسر کے مرض میں ۱۹۵۴ء میں وفات پائی، (ذکر آزاد ص ۸)

واقف ہیں شیخؒ نے سادگی سے جواب دیا کہ مولانا عبدالباری کے بہترین آدمی ہونے میں شبہ نہیں مگر منصب کی ذمہ داریاں کچھ اور ہیں۔ غرض کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخؒ نے متانت سے فرمایا: میرا انتخاب بھی یہی ہے، اس وقت مولانا آزاد کے سوا کوئی شخص امام الہند نہیں ہو سکتا ان میں وہ سب اوصاف جمع ہیں جو اس زمانے میں ہندوستان کے امام میں ہونا ضروری ہیں۔ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو چکا تھا، شیخؒ نے غرض یہ کہ اس ٹنگو کو پبلک میں لاکھتا ہوں؟ انہوں نے اجازت دے دی۔^۱

مالا کی قید سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ چونکہ بے حد کمزور اور بیمار ہو گئے تھے اس لئے حضرت کا اپنے بجائے کسی سنجیدہ، متین اور صاحب استقامت عالم دین کو بحیثیت امیر الہند پسند کرنا مستبعد نہیں۔

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ

امامت کی اس دور میں تیسرا بڑا نام حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کا تھا، اور ایک بڑا حلقہ بحیثیت امیر الہند ان کو پسند کرتا تھا، لیکن اختلافات کو دیکھتے ہوئے وہ خود اس سے دستبردار ہو گئے تھے، اور نوگوں کے اطمینان کے لئے ایک تحریر بھی لکھ دی تھی، تاکہ ان کا نام لے کر کوئی فتیہ کھڑا نہ کیا جاسکے، یہ قصہ بھی مولانا عبدالرزاق بیخ آبادی ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”مولانا (عبدالباری صاحب) سے میرے گہرے تعلقات تھے، اور اندیشہ تھا کہ میری اس مہم کا مال معلوم ہوگا تو مجھے نہ جانے کتنا برا سمجھیں گے، مگر جب بات حیت ہوئی، تو خند و پیشانی سے

۱۔ دراصل نظریات مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے مزاج میں حدت و جان کا غلبہ تھا، اور اس کی وجہ سے آپ نے ۱۰۷ھ تک نہایت اللہ فرمائی محلی کے بیان کے مطابق) غالباً کسی نے دیکھا کہ آپ بزم سے واپس آئے اور ایک مزاج سے گفتگو کی لیکن مزاج میں حدت و عداوت پیدا ہوئی، اور ان کی بھی قابل برداشت نہ تھی، نرم چیزیں مزاج میں سالہ نہ تھیں، آپ بہت کم استعمال کرتے تھے، چائے صرف سردی کے موسم میں استعمال فرماتے تھے، سخت بارش میں بھی بے تحفہ بہترین دھوپ کا استعمال کرتے تھے (مسترجع الحقائق ص ۳۰۳) اس کا اثر یہ ہوا کہ صحیبت میں علم اور جان کے باب میں اعتدال برقرار نہ رہا، مولانا نہایت اللہ صاحب کہتے ہیں:

”مولانا میں یہ دونوں صفات (علم اور غلبہ) علیٰ وجہ اعتدال پائے جاتے تھے، غلبہ بھی بوجہ دہوی مزاج ہونے کے بہت زیادہ اور جس وقت حد اعتدال سے زیادہ ہو جاتا تھا، ان کے مقابل علم بھی حد اعتدال سے گزر جاتا تھا، مولانا صاحب چار پانچ بار علم فرماتے تھے تو ایک مرتبہ غلبہ فرماتے، اپنے پیروں و بارہم خود چوری ہوتے جگہ سابق کو پسند ہونے کا حلقہ فرماتے مگر کچھ خوب نہ فرماتے۔“ (مسترجع الحقائق ص ۳۰۳)

ورنہ آپ کی عظمت و جلال و رسم و تقویٰ میں کسی کی عدم ہونا تھا، بلکہ اس طرح مشعل و واقع پر مختلف مشرب کے لوگوں کے لئے آپ کی ذات کرامی نقطہ اتفاق ثابت ہوئی اس کے پیش نظر حضرت شیخ الہندؒ کے بعد امارت ہند کے لئے بھی آپ کی شخصیت مرکز اتفاق بن سکتی تھی۔

۲۔ ذخیرہ زمیں ص ۳۵۱، ۳۵۲ مولانا عبدالرزاق بیخ آبادی، ناشر، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۱۰ء۔

کہنے لگے، مولانا آزاد کے سوا کسی اور کا نام امامت کے لئے نینا قوم سے غداری ہے، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے شیخ الہند سے معاہدہ صاف کر لیا اور میں پہلا آدمی ہوں جو مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔

پھر انہوں نے ایک تحریر بھی مرحمت فرمائی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً ومصلياً ومسلماً مکرماً دام مجدد السلام علیکم

مسند امامت یا شیخ الاسلامی کے متعلق مجھے جمہور کی موافقت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ جو اندیشہ ہے وہ بارہا اس لئے سے ظاہر کر چکا ہوں۔ باوجود اس کے پھر بھی مسلمانوں کی تجویز کو بروپشتم قبول کرنے کے لئے تیار ہوں، خود مجھ سے بارہا اس منصب کے قبول کرنے کی بعض اہل ارائے نے خواہش کی مگر میں نے اپنی عدم اہلیت کے باعث اس امامت کا بار اٹھانا منظور نہیں کیا، نہ آئندہ قبول کرنے کا ارادہ ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب سے دریافت کیا تو وہ بھی اس بارے کے تحت نظر نہیں آتے، مولانا ابوالکلام صاحب اسبق و آئندہ ہیں، ان کی امامت سے بھی مجھے استعکاف نہیں ہے، بروپشتم قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوں، بشرطیکہ تفریق جماعت کا اندیشہ نہ ہو، مولانا تو اہل میں اگر کسی نااہل کو تمام یا اکثر اہل اسلام قبول کریں گے تو مجھے دو گنہ گار سے زیادہ اہمیت گذار دے گا، میرا دل چاہتا ہے کہ یہ تحریک دیکھتا میں اپنی سمت سے جاری کرنا نہیں چاہتا، کسی کو منتخب کر کے اس کے اعمال کا اپنے اوپر بار نہ پانا چاہتا ہوں، مسلمانوں کی جماعت کا تابع ہوں اس سے زائد مجھے اس تحریک سے تعرض نہیں ہے۔ والسلام

بند و فقیر محمد عبد البہادی

(یہ تحریر ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ء (۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ) سے قبل کی ہے، اس لئے کہ مولانا آزاد

کے مکتوب (مرقومہ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ء) میں اس خط کا ذکر ہے)۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوم (۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بمقام نورتنج، زیر صدارت حضرت شیخ الہند) سے قبل ہی بعض حلقوں میں امیر الہند کے انتخاب کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی، اور بہت سے لوگ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو کر بھی آئے تھے، اور اس منصب کے لئے متوقع قداور شخصیات کے درمیان باہم ذہنی اشی و بھی موجود تھا، اس لئے حضرت مولانا سجاد بجا طور پر پر امید تھے کہ اجلاس دوم میں انتخاب امیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا،

اور حضرت شیخ الہند بھی اس قصہ کو اپنی زندگی ہی میں تمام کرنا چاہتے تھے، لیکن جیسا کہ گذرا کہ حضرت شیخ الہند کی عدالت کے عذر کی بنا پر انتخاب امیر کی تجویز ہی اجلاس عام میں پیش نہ کی جاسکی، اور تقریباً ایک ہفتہ کے بعد حضرت شیخ الہند کا انتقال ہو گیا۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کا اختلاف

البتہ بعض شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند کے وصال کے بعد اور جمعیت علماء ہند کے اجلاس سوم لاہور سے قبل جمعیت علماء ہند کا ایک ہنگامی اجلاس جامع مسجد دہلی میں منعقد ہوا تھا، اور اس کا مقصد گو کہ اصلاً انتخاب امیر نہیں تھا لیکن یہ تجویز اس موقع پر اچانک مجمع عام میں زیر بحث آ گئی، اور اس کی حمایت و مخالفت میں تقریریں ہونے لگیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ تحریک اجلاس عام میں پیش کی گئی، تو نفس امارت شریعہ کی تجویز میں تو کوئی دشواری پیش نہیں آئی، لیکن امیر الہند کے انتخاب کے مسئلہ پر اختلاف ہو گیا، بعض حضرات نے کہا کہ اچانک بیعت امارت امت کے لئے مفید نہیں ہوگی، پروفیسر مولانا منتخب الحق قادریؒ (سابق ڈین آف فیکلٹی آف تھیالوجی کراچی یونیورسٹی) نے اپنے استاذ مولانا معین الدین اجمیریؒ (جو اس اجلاس میں شریک تھے) کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”مولانا (معین الدین اجمیریؒ) نے بغیر تاریخ اور دن کے ذکر کے تذکرہ فرمایا کہ کسی کو امام الہند مانسنے کی تجویز زیر غور تھی۔ اس کے لیے پہلے سے خط و کتابت بھی چل رہی تھی بعد ازاں جامع مسجد دہلی میں ایک جلسہ ہوا جس میں تمام علماء ہند جمع ہوئے، اور اس موضوع پر نہایت زوردار تقریریں ہوئیں اور سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ آخر میں مولانا آزادؒ کی تقریر گویا حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ جس سے تمام حاضرین مسحور ہو گئے اور یہ آوازیں بلند ہوئیں کہ ہاتھ بڑھائیے کی جم آپ نے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اس پر میں نے صدر جلسہ سے صرف پانچ منٹ کچھ کہنے کے لئے مانگے جو بہت مشکل سے اس شرط کے ساتھ ملے کہ چھ منٹ کسی صورت نہ ہونے پائے۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ علماء کے اس موقر اجتماع میں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اور صرف اشارہ کافی ہے۔ میں جملہ علماء کی توجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو آپ نے حج سے واپسی پر اس قسم کا پرچا سن رکھی تھی کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا تو ہم فوراً اور دفعۃً فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کریں اور پھر فرمایا کہ کلمۃ بیعت امت کے حق میں کبھی مفید نہیں ہوگی۔ اگر لوگ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے استدلال کریں گے تو بہت

بڑی غلطی کا ارتکاب کریں گے اس لئے کہ حضرت ابو بکرؓ واحد شخصیت میں جن کے لئے اس قسم کی بیعت خالی از مضرت تھی۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسا موجود نہیں ہے۔^۱

میرے اس توجہ دلانے پر جیسے کارنگ ایک دم تبدیل ہو گیا میری تائید میں مولانا انور شاہ صاحب نے ایک نہایت غامض اور دقیق تقریر فرمائی اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی میری تائید کی اگرچہ اس سے پہلے وہ اصل تجویز کی تائید میں تقریر کر چکے تھے۔^۲

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی صاحب کے نام حضرت مولانا معین الدین جمیریؒ کا ایک نایاب خط نقل کیا ہے، اس میں غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور اگلے لمحہ عمل کے بارے میں مناسب مشورہ طلب کیا گیا ہے:

۱- یہ روایت بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَقْرَى رَجُلًا مِنْ الْمُهَاجِرِينَ مِنْهُمْ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَبَيْنَمَا أَنَا فِي مَثْوَاهُ بِعِشَى، وَهُوَ عِنْدَ عَمْرِو بْنِ الْخَطَّابِ فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا، إِذْ رَجَعَ إِلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقَالَ لَوْ رَأَيْتَ رَجُلًا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْيَوْمَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلْ لَكَ فِي فَلَانٍ يَقُولُ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ لَقَدْ بَايَعْتُ فَلَانًا، فَوَاللَّهِ مَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ إِلَّا قُلْتُهُ، فَكُنْتُ. فَغَضِبَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ إِلَيَّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَتَأْتِيَنَّ الْعَشِيَّةَ فِي النَّاسِ، فَمَحَلُّهُمْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَرِيدُونَ أَنْ يَغْضَبُوهُمْ أَمْوَرَهُمْ. قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ لِلرَّسَمِ يَمِصُّ وَخَاعَ النَّاسِ وَغَرَاءَهُمْ، فَإِنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يُغْلِبُونَ عَلَى قُرْبِكَ حِينَ تَقُومُ فِي النَّاسِ، وَأَنَا أَخْشَى أَنْ تَقُومَ فَتَقُولَ مَقَالَةً يَطْبِئُهَا عَنْكَ كُلُّ مَنْطَرٍ، وَأَنْ لَا يَغُوهَا، وَأَنْ لَا يَغْضَبُوها عَلَى مَوَاضِعِهَا، فَأَمُهِلْ حَتَّى تَقْدَمَ لِلدِّينَةِ فَإِنَّهَا دَارُ الْهَجْرَةِ وَالشُّنَّةِ، فَتُخَلِّصُ بِأَهْلِ الْفَقْهِ وَأَشْرَافِ النَّاسِ، فَتَقُولَ مَا قُلْتُ مَشْتَكِكًا، فَيُعَيُّ أَهْلَ الْعِلْمِ مَقَالَتُكَ، وَيَضَعُونَهَا عَلَى مَوَاضِعِهَا. فَقَالَ عُمَرُ أَمَا وَاللَّهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَا قَوْمَ مِنْ بَدَلِكَ أَوَّلَ مَقَامٍ أَقْوَمُهُ بِالْمَدِينَةِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فِي عَقَبِ ذِي الْحِجَّةِ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَجَّلْنَا الرِّوَاخَ حِينَ رَأَيْتُ السَّمَاسَ، حَتَّى أَجِدَ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ وَعَمْرُو بْنَ نُفَيْلٍ جَالِسًا إِلَى رُكْنِ الْمَنِيرِ، فَجَلَسْتُ حَوْلَهُ تَمَسُّ رُكْبَتِي وَرُكْبَتَهُ، فَلَمَّ أَنْشَبَ أَنْ خَرَجَ عَمْرُو بْنُ الْخَطَّابِ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُ مُتْبِعًا قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَعَمْرُو بْنِ نُفَيْلٍ، لَيْسَ لَنَا الْعَشِيَّةُ مَقَالَةً لَمْ يَطْلُهَا مَتَدُ اسْتِخْلَافٍ، فَأَنْكَرَ عَلَيَّ وَقَالَ مَا عَسَيْتَ أَنْ يَقُولَ مَا لَمْ يَقُلْ. قَبْلَهُ فَجَلَسَ عُمَرُ عَلَى الْمَنِيرِ، فَلَمَّا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ قَالَ أَنَا بَعْدُ فَإِنِّي قَاتِلٌ لَكُمْ مَقَالَةً قَدْ قَدَّرَ لِي أَنْ أَقُولَهَا، لَا أَذْرِي لَعَلَّهَا بَيْنَ يَدَيَّ أَجَلِي، فَمَنْ عَقَلَهَا وَوَعَاَهَا فَلْيُخَذَرْ بِهَا حَيْثُ اتَّهَتْ بِهِ رَاجِلَتُهُ، وَمَنْ خَشِيَ أَنْ لَا يَغْلِبَهَا فَلَا أَجَلَ لِأَحَدٍ أَنْ يَكْذِبَ عَلَيَّ ثُمَّ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ قَائِلًا مِنْكُمْ يَقُولُ وَاللَّهِ لَوْ مَاتَ عُمَرُ بَايَعْتُ فَلَانًا، فَلَا يَنْتَرِيزُ امْرُؤٌ أَنْ يَقُولَ إِنَّهَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فَلَنْتُهُ وَهَمْتُ أَلَّا رَأَيْتُهَا قَدْ كَانَتْ كَذَلِكَ وَلَكِنَّ اللَّهَ وَفَى شَرْعًا، وَلَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ تَقْطَعُ الْأَعْنَاقُ إِلَيْهِ مِثْلَ أَبِي بَكْرٍ، مَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يَبْتَاعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغْوَةً أَنْ يَقْتُلَاسَ قَالَ عُمَرُ وَإِنَّا وَاللَّهِ مَا وَجَدْنَا فِيهَا خَضْرَاءَ نَامِنَ أَمْرٍ أَقْوَى مِنْ مَبَايَعَةِ أَبِي بَكْرٍ خَشِينَا إِنْ قَارَفْنَا الْقَوْمَ وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةُ أَنْ يَبَايَعُوا رَجُلًا مِنْهُمْ بَعْدَنَا، فَإِنَّا بَايَعْنَاهُمْ عَلَى مَا لَا تَرْضَى، وَإِنَّا نَخَالِفُهُمْ فَيَكُونُ فُسَادًا، فَمَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَلَى غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يَبْتَاعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغْوَةً أَنْ يَقْتُلَاسَ (الجامع الصحيح ج 6 ص 2503 حديث نمبر: 6442 للؤلؤف: محمد بن اسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عند الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا

از دارالخیر الجمیر

۲۲ ستمبر ۱۹۲۱ء

مرجع انام حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

والانامہ نے عورت کھنٹی، مایق والانامہ چونکہ جواب طلب نہ تھا اس وجہ سے تاریخ مقررہ آں مخدوم کو ذہن میں رکھ کر عریضہ حاضر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ ۱۵ محرم الحرام کے بعد حاضر خدمت ہو کر آں مخدوم کی ہمرکابی میں پنجاب روانہ ہو جاؤ نگار۔ یہی ارادہ اب بھی ہے۔ اطلاع عرض کیا گیا۔ لیکن دہلی کے ہندو جمعیۃ علماء ہند کی شرکت نے اس سفر میں ایک جدید مانع پیش کر دیا کیونکہ اس کی تجویز کے مطابق ۱۸۔۱۷ ستمبر کو جلسہ منتظمہ قرار پایا ہے۔

اس میں ضمیمہ فتنوی و مستدامت پیش ہو گا جس کی طرف جناب مولوی ابوالکلام صاحب کو بیدرجحان ہے۔ کیونکہ ان کو اس مسئلہ سے زیادہ دلچسپی ہے اس وجہ سے خالی الذہن علماء ان کی تقریر سے متاثر ہوئے۔

اگر من جانب فقیر اس کے اتوار کے متعلق مختصر و جامع تقریر ہوتی تو کچھ عجیب نہ تھا کہ خا ضرین علماء اسی وقت اس مسئلہ کو طے کر دیتے۔ اس وجہ سے علماء دہلی کا یہ خیال ہے کہ فقیر خصوصیت کے ساتھ اس ہند میں شریک ہوا ہر جناب مولوی شوکت علی صاحب نزاع رنگون کے متعلق زور دے رہے ہیں کہ فقیر جلد وہاں پہنچ کر ان نزاعات کا تصفیہ کرائے جن کی وجہ سے وہاں کی کیمٹی خلافت کا وجود خطرہ میں ہے۔

اب میں حیران ہوں کہ کہاں جاؤں اور فرقوں سا پہلے اختیار کروں۔ اس کے متعلق امر و زور دہا میں آں مخدوم کی خدمت میں عریضہ حاضر کرنے والا تھا کہ دفعۃً والانامہ نے شرف بخش، مناسب معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں عرض حال کر دیا جائے جو آں مخدوم کی رائے ہوگی اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے بالکل تیار ہوں فقیر۔

فقیر معین الدین کان اللہ

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً تیسرے اجلاس لاہور سے قبل اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ۱۷، ۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کا خصوصی اجلاس بھی منعقد کیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں کیا ہوا اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سوم میں امیر الہند کا مسئلہ

بہر حال حضرت شیخ الہند کے انتقال کے بعد یہ مسئلہ مزید پیچیدہ ہو گیا تھا، اور اختلافات کی خلیج تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی تھی، اگلے سال حضرت مولانا سجاد نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سوم (۱۸ نومبر ۱۹۲۱ء) (مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ) بہ مقام بریدہ لاہال لاہور، زیر صدارت حضرت

مولانا ابوالکلام آزادؒ) میں دوبارہ یہ تحریک پیش فرمائی اور اس مسئلہ کو جلد از جلد حل کرنے پر زور دیا، ان کا خیال تھا کہ جتنی دیر ہوگی بڑی شخصیات اٹھتی جائیں گی اور یہ مسئلہ مزید مشکل ہوتا چلا جائے گا، لیکن وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، اس اجلاس میں بھی امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز سے توافق کیا گیا لیکن امیر الہند کے انتخاب کے مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا۔

بقول مشہور صحافی ملک نصر اللہ عزیز (جو مولانا آزادؒ کے قریب ترین لوگوں میں سمجھے جاتے تھے):

”۱۹۲۱ء میں جمعیت علماء ہند کا جو اجلاس بریڈ لہال لاہور میں ہوا تھا اس موقع پر یہ خبر گم تھی کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کو امام الہند مان کر بیعت کی جائے گی۔ لیکن بعد میں کچھ دن ہوا اور معلوم ہوا کہ اندرون خاندان دیوبندی علماء میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی اور غیر دیوبندی علماء میں سے مولانا معین الدین اجمیری نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی تھی۔“

بالآخر اختلاف کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ انتخاب امیر کے لئے ایک خاص اجلاس طلب کیا جائے، مگر یہ خصوصی اجلاس بھی چند در چند رکاوٹوں کا شکار ہو گیا، اور بہت کم لوگ اس میں شریک ہو سکے، جس کی بنا پر اس مسئلہ کو پھر کسی مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیا گیا، اس کی پوری روداد خود حضرت مولانا سجادؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”انہوں نے اجلاس جمعیت ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور کی، جو زیر صدارت حضرت علامہ ابوالکلام صاحب آزادؒ منعقد ہوا تھا۔ اور اسی اجلاس میں امیر شریعت کے اصول کو منقبذ کرنے اور بعض امور کی تشریحات کے لئے ایک مجلس بنائی گئی۔ اور اسی اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ ایک ماہ بعد فوراً ایک دوسرا خصوصی اجلاس اس مسودہ کی منظوری اور انتخاب امیر الہند کے لئے منعقد کیا جائے، مگر جس ہفتہ اجلاس خصوصی تھا، وہی وقت حکومت کے جبر و استبداد کے کامل مقابلہ اور قوم کے دیر انداز مقابلہ کا تھا، اور مولانا ابوالکلام آزادؒ صاحب اور دوسرے علماء وغیرہ بھی گرفتار ہوئے اور شاید دشمنان اسلام کی طرف سے چابکا مشتقت عنوانوں سے یہ مشہور کیا گیا کہ اجلاس ملتوی ہو گیا بات بھی لگتی ہوئی تھی، کیونکہ خاص خاص مراکز میں گرفتاریاں عام تھیں، جن اراکین کے کانوں تک اتوا کی غلط آواز پہنچی، انہوں نے قرآن پر قیاس کر کے صحیح سمجھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے ارکان نہ پہنچ سکے، جن کی موجودگی میں اجلاس منعقد ہو سکتا ہے، مگر پھر بھی بعض حضرات علمائے اکابر و بعض ارکان زعمائے ہند پہنچ گئے تھے، مثلاً شیخ الملک حکیم، جمل خان صاحب، مولوی احمد صاحب سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ وغیرہ، آخر ان حضرات کا باہمی مشورہ ہوا اور اس مجلس نے جو ترتیب مشورہ کے لئے مرتب ہوئی تھی مسودہ مرتب ہوا لیکن افسوس کہ حالات نے مساعدا ت نہ کی اور عموماً شکل اس نے اختیار نہیں کی۔“

- بناعت شیخ الہند ص ۵۵

۱۔ خطبہ صدارت، اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸۔

پہلے

مُسَوَّدَہ

فرائض و احتیاطات

امیر الشیعۃ فی الہند

جس کو

سب تجویز اجلاس عالم جمعیتہ علماء ہند لاہور مجلس ماتحتی
مرتب کیا

معرضہ

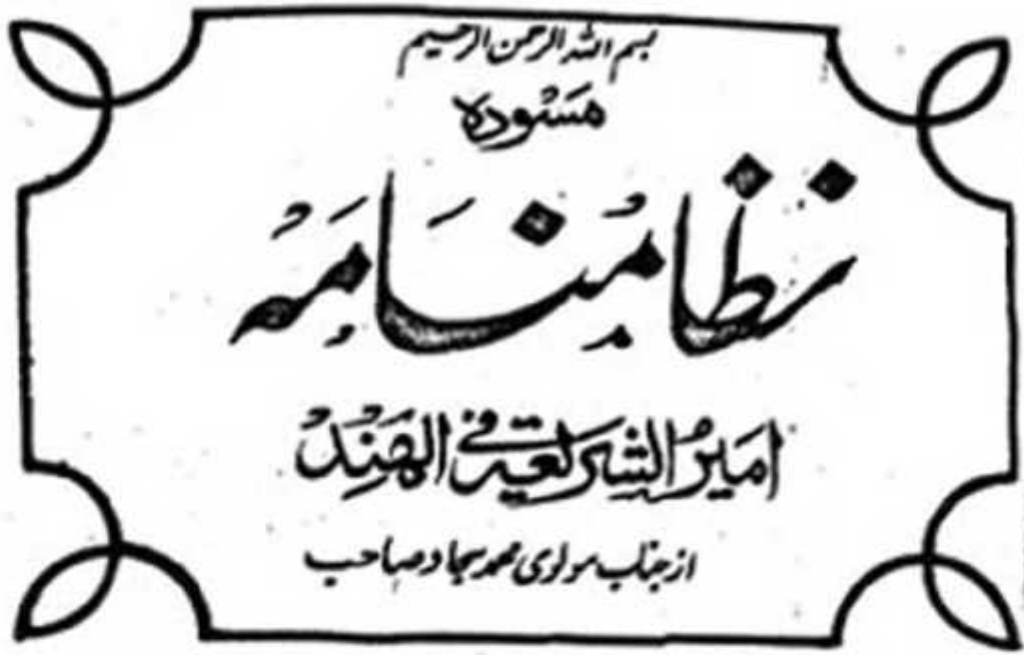
مُفَصَّل نِظْمِ اَمَلِ اَمیرِ شیعۃ

از جناب مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب مجلس کو

مذہبی و عیسوی سید بنی نانکرم جیسے

میشدیں بنی مرین چو کر شایع کیا





تشریح امیر الہند

(۱)

تمام مسلمانان ہند خصوصاً اہل سنت والجماعت کی سیادت و قیادت و تنقید و اجابت احکام شرعیہ و انتظام و انفرام امور مذہبی کے لئے ایک شخص و امد و الیٰ با اختیار و امیر الشریعۃ للہند ہونا ضروری ہے، جس کا نصب امیر الہند ہوگا، اور اس کی تمام مسلمانوں پر پابندی اصول مقررہ پیروی لازم ہوگی، اور اس سے انحراف محضیت لیکن اس کے ہر خیال اور ہر عمل کی اتباع ہر شخص کے لئے ضروری نہیں۔ میر کے لئے حسب ذیل صفات کا ہونا لازمی ہے اور یہی صفات اس کے شرط برجے۔

شرائط امیر الہند

الف۔ مسلم مدعاقل بالغ آزاد ہو۔
ب۔ علم حاصل ہو یعنی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی اور عقائد کا معتد بہ علم رکھتا ہو، انراض و مصلح شریعت اسلامیہ و علم الفقہ سے واقف ہو، اور احکام شرعیہ پر عمل کرنا اس کا شیعہ ہو،

امارت ہند کا مکمل خاکہ تیار

حضرت مولانا سجاد نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر امارت ہند کا ایک جامع خاکہ بھی تیار کر لیا تھا، جس کو جمعیت علماء ہند نے ’مسودہ فرائض و اختیارات امیر الشریعہ فی الہند‘ مع ’مفصل نظام نامہ امیر الشریعہ‘ کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا، یہ سولہ صفحات کا رسالہ ہے جس میں امیر شریعت کے معیار، اہلیت، اصول عزل و نصب اور دیگر قواعد و ضوابط کو بڑی جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، اصطلاحی القاب کی تشریحات بھی کی گئی ہیں، یہ مسودہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ مطابق دسمبر ۱۹۲۱ء میں تیار کیا گیا تھا اور ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں حمید یہ پریس دہلی سے شائع ہوا۔

کل ہند امارت شرعیہ کے قیام میں رکاوٹیں

غرض حضرت مولانا سجاد کی ہر ممکن کوشش کے باوجود کل ہند امارت شرعیہ کا منصوبہ پورا نہ ہو سکا، مولانا نے اس کے بعض اسباب اور رکاوٹوں پر بھی روشنی ڈالی ہے:

اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علماء کے درمیان فروعی اختلافات کی خلیج تھی، حضرت مولانا سجاد کے ایک مکتوب میں اس کی طرف اشارہ ہے:

”وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا۔“

اور انہی اختلافات نے امیر شریعت کے بارے میں یہ غلط تصور پیدا کیا کہ امیر کی اطاعت مسلکی معاملات میں بھی کرنی پڑے گی، اور علمی مسائل میں بھی اس سے اختلاف کی گنجائش نہ ہوگی، اپنے اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”جو چیز ہمارے محترم علماء و مشائخ کو اس امر کی طرف اقدام کرنے سے روکتی ہے اور باوجود اقرار و وجوب و تحقیق ضرورت اس امر کے انجام دینے میں سخت متردد و متفکر بنا دیتی ہے اور مشکلات کا پہاڑ ان کے سامنے کھڑا کر دیتی ہے، وہ صرف ایک خطہ تنہل ہے کہ امیر شریعت کے اختیارات غیر محدود ہوں گے، اتباع و اطاعت کی کوئی حد نہ ہوگی، امیر مطلق العنان ہوگا، اور اس سے امیر جس خیال و مشرب کا ہوگا اسی کے مطابق احکامات نافذ کرے گا جس کی اتباع تمام لوگوں پر شرعیاً واجب ہوگی، ورنہ بصورت عدم اتباع نقض بیعت ہوگی، جو بدترین معصیت ہے اور اگر اپنی تحقیق کے خلاف اس صورت میں اتباع کی جائے تو تمدن کے خلاف، یہی خطرات ہیں جو اس بارے میں اکثر حضرات کے دلوں میں گذرتے ہیں۔“

بیشک اگر امیر ایسا مطلق العنان ہو تو ہر ایک ذی علم اور متدین شخص کے یہ شبہات اپنے مقام پر بہت صحیح ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ امیر کے اختیارات محدود ہونگے وہ نہایت مدبر مصالحت شریعت سے واقف ہوگا، یعنی وہ مسائل متفقہ منصوبہ کو نافذ کرے گا۔

فروغی اور مختلف فیہ مسائل کے اجراء و تنفیذ کو اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا کہ جن کی اجتماعی زندگی میں کوئی احتیاج نہیں ہے۔ مختلف فیہ مسائل کی بحث و تحقیق کو نہیں روکے گا، لیکن جنگ و جدال اور فساد کو رفع کرنے کی ہمیشہ کوشش کرے گا۔

اس کا ہر عمل اور ہر خیال تمام فرق اسلامیہ کے لئے واجب الاتباع نہیں ہوگا، جس عالم کی تحقیق امیر کی تحقیق کے خلاف ہو اور اس بنا پر اس مسئلہ خاص میں امیر کی اتباع نہ کرے۔ تو کوئی حرج نہیں، وہ عالم ہرگز متحق طعن نہیں اور نہ اس کی بیعت ٹوٹ سکتی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کتنے مسائل ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمرؓ کے خلاف تھے، کتنی جزئیات ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمانؓ کے موافق نہ تھے، تو کیا آج تک کسی نے اس کو نقض بیعت سمجھا، یا ان پر طعن کیا صحابہ اور کیا اس فروغی مخالفت کی وجہ سے ان حضرات نے دوسرے اجتماعی احکامات میں امیر کی اتباع و انقیاد سے روگردانی کی؟ ہرگز نہیں۔^۱

☆ حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے خطبہٴ صدارت میں کچھ اور موافق کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً تحریر فرماتے ہیں:

”شاید اس تعویذ اور تاخیر میں یہ معلومت ہو کہ اس وقت ہندوستان کے بہت سے اربابِ حل و عقد، علماء و غیرہ قیہ خانوں میں مجبوس تھے، اس لئے امارت کے قیام و استحکام کے سنے ان اصحاب کے باہر آ جانے کی ضرورت تھی، تاکہ تمام یا اکثر اربابِ حل و عقد علماء و غیر علماء غور و فکر کے بعد ایک مضبوط بنیاد پر اس کو قائم کریں، کیونکہ اس کی بنیاد تو انسانی قلوب کی زمین پر ہوتی ہے نہ کہ مٹی کے ڈھیر یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر، اور اس کا حصار واسخہ خاندان تو صرف حقیقی ایمان ہے نہ کہ توپ و تفنگ، اس لئے کہ قلوب کے انشراح کی ضرورت ہے اور انشراح کا مل شاید کچھ سکون ہی کی حالت میں ہو سکتا ہے بشرطیکہ تدبر و فکر سے کام لیا جائے۔“^۲

صوبہ و امارتیں قائم کرنے کی تجویز منظور

بعد کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”بعدہ کچھ ایسے واقعات و حوادث پیش آئے کہ اس مسودہ پر مجلس منتظمہ کو غور کرنے کا موقع نہیں

۱- مکاتیبِ سجادہ، ص ۱۲۸۱۰۔

۲- خطبہٴ صدارت اجلاسِ جمعیۃ علماء ہند، راولپنڈی، ۱۲۸۰ھ۔

مذاہب بنابر جمعیت علماء ہند کے اجلاسِ اجمیہ میں یہ فور کیا گیا کہ امارت شرعیہ ہند کے قیام میں چونکہ بہ ہمد وجود متعدد تعویض ہے اس لئے جب تک صوبہ دار جمعیوں کو مقاب کرتے ہوئے ایک تجویز کے ذریعہ ان کو ہدایت دی کہ بلداں بلداں صوبہ دار امارت شرعیہ قائم کریں مگر اکثر صوبوں کے ناظمین اس دور میں اپنے صوبہ کے کاموں کے ذمہ دار تھے، اس لئے غالباً اس تجویز پر عمل نہ کر سکے۔^۱

امارت شرعیہ بہار کی بنیاد

اس تجویز کے مطابق ہندوستان کے کسی صوبہ میں تو کوئی پیش رفت نہ ہو سکی، البتہ اس تجویز نے حضرت مولانا سجاد کے لئے کم از کم صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کے قیام کی راہ آسان کر دی، اور اس صرح بہار کو وہ اولیت حاصل ہوئی جو کسی صوبہ کے حصہ میں نہیں آئی، مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب ایم اے بی ایل آرگنائزنگ کمیٹی کے سربراہ بن کر لکھتے ہیں کہ:

”آئندہ مؤرخ کا قلم برسوں ان موٹا گائیوں میں مبتلا رہے گا کہ امارت شرعیہ کا محرک پہلی کون تھا اور ہندوستان میں امارت شرعیہ کا مستقل قیام کیوں وجود پزیر نہ ہو سکا۔ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم کی عظیم شخصیت کے باوجود بھی امارت شرعیہ ہند یہ کا نظام نامہ مستقل لائحہ عمل اختیار نہ کر سکا۔ نیز یہ کہ امام الاعجاز حضرت مولانا کی تحریک قیام امارت شرعیہ صوبہ بہار میں کیونکر بار آور ہوئی، اور خود امام الاعجاز پٹنہ میں جوان کا آج تک معتبر ہے، صوبہ متحدہ میں جہاں لکھنؤ کے فرنگی خاں سے سراج منیر کی جھلک آ رہی تھی، اور دہلی میں جہاں ان کا وطن تھا، اور پنجاب میں جہاں کے مسلمان آج بھی دعوائے قیادت اسلام رکھتے ہیں، امارت شرعیہ کا نظام قائم نہ ہو سکا، اور پھر یہ سبب بھی لائقِ تفتیش ہو گا کہ بہار ایسے صوبے میں جو اس وقت ہند میں بہت ترین صوبہ سمجھا جاتا ہے کن کن روایتوں نے امارت شرعیہ کا نظام قائم کر دیا، جو آج بھی تمام خامیوں کے باوجود حیرت نگاہ بنا ہوا ہے، اور جس نے مسلمانان ہند کے سامنے ہمیشہ مذہبی، سیاسی نقطہ نگاہ پر ایسے عمل کو بار بار تکرار کر کے لائقِ تقلید بنا دیا۔“^۲

بہر حال حضرت مولانا سجاد کے منصوبہ ساز ذہن نے یہ پروگرام بنایا کہ جس طرح جمعیت علماء ہند کے قیام میں برسوں علماء اور قنادین پس و پیش میں مبتلا رہے، لیکن جب ان کے عزیمت و ہمت سے بہار میں جمعیت علماء قائم ہو گئی تو اس نمونے نے پورے ملک میں مہینہ کا کام کیا اور اس کی روشنی میں چند برسوں کے اندر جمعیت علماء ہند بھی قائم ہو گئی، مولانا نے امارت شرعیہ کے لئے بھی یہی خطوط متعین

۱۔ خطبہ صدر اساتذہ جمعہ علماء ہند مآذیاد ۱۲۶ھ، ۱۲۷ھ۔

۲۔ محسن الکریم، ص ۷۷۔

فرمائے، اور بہار میں امارت شرعیہ کے قیام کا عز م فرمایا۔ اس کا اظہار خود انہوں نے اپنے اس مکتوب میں کیا ہے جو آپ نے قیام امارت کے دعوت نامہ کے طور پر علماء و مشائخ بہار کے نام لکھا تھا:

”غالبا آپ کو معلوم ہو گا کہ جس زمانہ میں جمعیت علماء بہار جن اغراض و مقاصد کو لے کر قائم ہوئی وہ سر زمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیت تھی، اس وقت علماء کرام اقدام سے گھبراتے تھے، حتیٰ کہ خود ہمارے صوبہ کے بہتر علماء پس و پیش میں مبتلا تھے، مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے اقدام و جرات کا کیا نتیجہ برآمد ہوا کہ آخر میں اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیت علماء قائم ہو گئی۔ اور وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا کس طرح کافور ہو گیا۔ پس اسی طرح بہت ممکن ہے کہ بلکہ ظن غالب ہے کہ صوبہ بہار میں اسی کام کے انجام پانے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ تمام صوبوں میں امیروں کا انتخاب جلد از جلد عمل میں آئے گا، اور جس طرح جمعیت علماء ہند بعد میں قائم ہوئی، اسی طرح امیر الہند بھی آخر میں نہایت آسانی کے ساتھ منتخب ہو جائے گا۔“

جمعیت علماء بہار کے اجلاس در بھنگہ میں قیام امارت کا فیصلہ

حضرت مولانا سجاد نے پٹنہ پہنچ کر پہلے انفرادی طور پر متعدد علماء و مشائخ سے گفتگو کی اور پھر رجب المرجب ۱۳۳۹ھ مطابق مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیت علماء بہار کی مجلس منتظمہ کی میننگ پھلوری شریف میں طلب کی، اس میننگ میں امارت شرعیہ کے عملی اقدامات کے لئے کئی اہم تجاویز منظور کی گئیں، جن کا حاصل یہ تھا:

”۱۳۳۹ھ (جمعیت علماء بہار کا) اجلاس سوم بمقام در بھنگہ منعقد ہوا اور اس اجلاس کی صدارت کے

لئے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو تکلیف دی جائے اور مولانا عبد الحمید صاحب در بھنگہ (ناظم مدرسہ

حمیدیہ) کی دعوت قبول کی جائے، کہ جمعیت علماء بہار کا تیسرا اجلاس امام در بھنگہ میں ہو۔“

چنانچہ در بھنگہ میں جمعیت علماء بہار کا اجلاس عام بتاریخ ۲۳، ۲۴، ۲۵ شعبان المعظمہ ۱۳۳۹ھ

مطابق ۲، ۳، ۴ مئی ۱۹۲۱ء پورے شان و شکوہ کے ساتھ منعقد ہوا، داعی اجلاس مولانا عبد الحمید صاحب

اور صدر استقبالیہ مولانا مقبول احمد صاحب کی مخلصانہ اور پر جوش تگ و دو کی بدولت جلسہ بہت

کامیاب رہا، البتہ مولانا ابوالکلام آزاد ناگہانی علالت کے سبب تشریف نہ لاسکے، اس لئے باتفاق

رائے جلسہ کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ (جو بعد میں امیر شریعت ثانی ہوئے)

۱- مکاتیب سجاد ۱۳، ۱۴ جمع و ترتیب: مولانا محمد رمضان اللہ ندیم، تصحیح و تصدیق: قاضی محمد ابراہیم اسلام آبادی، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلوری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

نے کی، اس اجلاس میں باتفاق رائے درج ذیل تجویز منظور کی گئی کہ:

”جمعیتہ تجویز کرتی ہے کہ صوبہ بہار و اڑیسہ کے محکمہ شریعہ کے لئے ایک عالم اور مقتدر شخص کا امیر ہونا انتخاب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تمام محکمہ شریعہ کی باگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کے لئے واجب العمل ہو، نیز تمام علماء و مشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت و حفاظت اسلام کے لئے بیعت کریں۔ یہ بیعت جمع و طاعت ہوگی، جو بیعت سلسلہ طریقت کے علاوہ ایک ضروری اور اہم چیز ہے، یہ جمعیتہ متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر محکمہ شریعہ کے لئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا یہ مقام پٹنہ و سہارنپور میں منعقد کیا جائے گا۔“

اجلاس تاسیس امارت کے لئے دعوت نامہ (مکتوب) جاری

اس تجویز کے مطابق انتخاب امیر کے لئے بائگی پور پٹنہ میں جمعیتہ علماء بہار کے ایک اجلاس خاص کی تاریخ ۱۸، ۱۹، ۲۰ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ روز شنبہ و یکشنبہ مطابق ۲۵، ۲۶ جون ۱۹۲۱ء مقرر کی گئی، ایک مضبوط مجلس استقبالیہ کا قیام عمل میں آیا، حضرت مولانا سید شاہ حبیب الحق صاحب سجادہ نشین خانقاہ و نمادیہ منگل تالاب پٹنہ صدر مجلس استقبالیہ، جناب حکیم عبدالحی صاحب پروفیسر طبی کالج پٹنہ ناظم، اور مولانا اعتماد حسین صاحب امم مسجد لون پٹنہ خازن منتخب ہوئے، اور اجلاس خصوصی کی صدارت کے لئے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا اسمہ گرامی منظور ہوا، اور مفکر اسلام حضرت مولانا سجادہ نے بحیثیت ناظم جمعیتہ علماء بہار دفتر جمعیتہ علماء بہار مدرسہ انوار العلوم گئی بہار سے علماء و مشائخ بہار کے نام دعوت نامہ جاری فرمایا، جس میں قیام امارت کی شرعی ذمہ داری اور امیر شریعت کی اہلیت و معیار اور قیام امارت کے سلسلے میں بعض شبہات اور موانع پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی، اس پر ۶ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ (مطابق ۱۳ جون ۱۹۲۱ء) کی تاریخ درج ہے، یہ آٹھ صفحات کا تفصیلی مکتوب ہے جو العدل پریس بائگی پور مراد پور پٹنہ سے شائع ہوا۔ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کی تاریخ امارت میں بھی یہ مکمل مکتوب موجود ہے، بعد میں جب امارت شریعہ پٹنہ سے ”مکاتیب سجادہ“ شائع ہوئی تو اس میں اس مکتوب کو بھی شامل کیا گیا، البتہ مکاتیب سجادہ میں مکتوب کی تاریخ اور مقام کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح مکتوب میں اجلاس جمعیتہ علماء بہار درجہندہ کی تجویز کا حوالہ دیا گیا تھا، وہ بھی مذکور نہیں ہے، نیز حضرت مولانا کے نام کے ساتھ ناظم جمعیتہ علماء بہار کا لاحقہ بھی موجود نہیں ہے، مکاتیب سجادہ میں یہ مکتوب آٹھ کے بجائے دس صفحات میں ہے اور ترتیب کے لحاظ سے پہلا مکتوب یہی ہے۔

حضرت مولانا سجاد کا تاریخی مکتوب

اس مکتوب کا آغاز دعوت نامہ کے مضمون سے ہوا ہے، پھر امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت اور عہد حاضر میں اس کی ضرورت و اہمیت کی طرف قلم کار رخ پھر گیا ہے، اس کے بعد تاریخی پس منظر کے حوالے سے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان پر علمی بحث کی گئی ہے، اس راہ کی دشواریوں کا بھی ذکر ہے، شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے، امیر شریعت کے معیار و اہلیت اور طریق انتخاب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، غرض یہ پورا مکتوب امارت شرعیہ کے مباحث میں علمی شاہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے، اور حضرت مولانا سجاد کے فکر عمیق اور سوز دروں کا عکاس ہے، یہ پورا خط دل کی آنکھوں سے پڑھنے اور آب زریں سے لکھنے کے لائق ہے، اس لئے باوجود طویل ہونے کے اس کو مکمل نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 دفتر جمعیت علماء بہار
 مقام گنیا
 محرم الحرام ۱۳۹۱ھ
 المستطاع علیکم درمہ اثنتی عشرین
 جناب کرمیت علامہ سے بہار کے فیض مولیٰ ابلاس کی شرکت کی دعوت
 نہایت غلام کے ساتھ سے رہاؤں۔ اور جس اہم قدم کی غرض سے غلام
 ابلاس قورہ پایا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے متعلق مختصر اور مفید
 تالیف تیار کروں۔ تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ اور اس مسئلہ
 کے متعلق بہت شکوک و اہام ہیں۔ ذیل پر جائیں۔
 جناب اس مسئلہ کی ضرورت و اہمیت سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ جب مسلمانوں
 کے ہاں پر کفار و منافقین کا تیار و غلبہ ہو جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے غلام
 شرعی کے قیام و بقا کے لئے مسئلہ دلی امیر شریعت (مختار کریمین)
 تقریباً دیر ہو جس کا زمانہ گزر اکنہ مسلمانوں پر یہ فرض ملے گا کہ سب
 بھی جب سے مکہ سے اسلام کا زوال نہ زمین بند ہے۔ لیکن غفلت و سہول
 باہمی تحافت یا عدم مساعادت اسباب کی وجہ سے مسلمانوں میں اس اہم فریضہ کی

حضرت مولانا سجاد کا مکتوب دعوت جو تاسیس امارت شرعیہ کے لئے دفتر جمعیت علماء بہار سے جاری کیا گیا۔
 (صفحہ اول) بشکر یہ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف۔

۸

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام صوبہ کے ہر عالم اور ہر شیخ الوقت کا وقت انتخاب موجود رہنا یا کھن کا اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں فلذا اہل کا انتخاب آپ کے پیش نظر ہے کہ بغیر سب دوئی تمام ارباب مل و عقد انتخاب اہل میں آیا اور اس کی نسبت پر ہمارا ہوا بلکہ تمام اہل مدینہ و بلاد اسلامیہ میں انتخاب کئے جانے کا اعلان بھی نہیں ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ اعلان عام و دعوت خاص کے بعد جس قدر بھی علماء و مشائخ تائید مقررہ پانچ سو ہو کر انتخاب فرمادین گئے بشرط عاودہ بالکل درست ہو گا اور اربعہ حضرات پر تسلیم و انتہا و موجب قبول کیا جائے گا کہ چند جدید علماء کی ایک مجلس شوریٰ ہوگی جن سے مشاورت کے بعد مابہرول شریعت امیر فیصلہ کریگا۔ احکامات جاری و نافذ کریگا جس کی نظیریں قرون اولیٰ کے اندر موجود ہیں۔

مخبر! اب آخرین کمر جناب سے گزارش ہے کہ ان صحیح معروضات کو فور سے ملاحظہ فرمائے اور ہر شرائط و مغیار امارت میں نے عرض کئے ہیں اگر آپ کو اس سے اتفاق ہو تو اسی معیار کے مطابق ہمارے صوبہ میں سے جن حضرات کو آپ اہل سمجھتے ہوں اور بہتر سمجھتے ہوں ہم باقی فرما کر ان سے بھی استمراج کر کے آپ تشریف لائیں اور اس معیار کے علاوہ اس سے کوئی بہتر ملاحظہ حالات حاضرہ بامول شریعت جناب کے خیال میں ائے تو ہر شوال السلام علیہ وسلم تک مجلس اعلیٰ فرمائیں و ما تو فیقی الا باللہ و علیہ توکلت والینیب فقط والسلام علیکم وعلیٰ اہلکم

السلامۃ

س

فادکم ابو الحسن محمد سجاد دکان اللہ لہ ناظم جمعیت علماء ہند

زنجیورہ العدل پریس بکیمبر پور

دفتر جمعیتہ علماء بہار

مقام گیا

حررہ ۶ رثوال الحکم

محترمی! زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کو جمعیتہ علمائے بہار کے غیر معمولی اجلاس کی شرکت کی دعوت نہایت خلوص کے ساتھ دے رہا ہوں اور جس اہم مقصد کی غرض سے خاص اجلاس قرار پایا ہے میں نہایت مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے متعلق مختصر اشرفی حیثیت سے اپنے خیالات ظاہر کر دوں تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے، اور اس مسئلہ کے متعلق جس قدر شکوک و ادوہام میں زائل ہو جائیں۔

جناب اس مسئلہ کی ضرورت و اہمیت سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ جب مسلمانوں کے بلاو پر کفار کا استیلاء وغلبہ ہو جائے تو مسلمانوں پر دواہب ہے کہ اپنے نظام شرعی کے قیام و بقا کے لئے مسلم دانی (امیر محکمہ شرعیہ) منتخب کریں۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس کا زمانہ گزرا کہ مسلمانان ہند پر یہ فرض عائد ہو گیا ہے یعنی جب سے حکومت اسلامیہ کا زوال سر زمین ہند سے ہوا، لیکن غفلت و تسامح، باہمی تحالفت یا عدم مساعدت اسباب کی وجہ سے مسلمانان ہند نے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کی جس کا لازمی نتیجہ وی ہوا جو ہونا تھا۔ کیا آج مسلمانان ہند کی زندگی باہم زہد و تقویٰ حقیقتاً ایک غیر شرعی اور جاہلیت کی زندگی نہیں ہے؟

ہم نے شخصی اور اجتماعی زندگی و نیران کے احکام کی طرف کبھی توجہ نہیں کی، ان سب کی اہمیت کو کبھی مد نظر نہیں رکھا، ہم نے صرف اداکاری فرائض شخصی کو بغیر تنظیم شرعی سعادت عظمیٰ سمجھا اور باعث نجات، جو ایک طرح پر رہبانیت ہے اور معبر بحالیت۔

اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں ہم سے آج تک جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے عند اللہ کوئی عذر موصول نہیں ہے، آپس کی جنگ و جدل، فروعی اختلافات کا ہونا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، یا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے امثال و نظائر کا فقہ ان عذر غیر مقبول ہے، اور عذر قبول نہیں، کمالاً صحیحی۔ کیونکہ اول الذکر شے اختیاری اور خود ساختہ ہے اور ثانی الذکر کے غیر معتبر ہونے کے لئے نظیر سلف موجود کہ امامت عظمیٰ کی شرائط میں بھی حسب ضرورت تنزل اختیار کیا گیا، مگر یہ صورت اختیار نہیں کی گئی کہ بصورت فقہ ان جامع الشرائط اصلی و جوب انعقاد و امامت ماقول ہے، پس جب کہ آج ہم لوگوں کو متنبہ ہو گیا ہے اور توفیق اللہ جل شانہ نے بھی مساعدت کی ہے تو اب فریضہ کی ادائیگی میں ادنیٰ تسامح بھی بدترین جرم ہے، اور بالخصوص یہ نظر حالات موجودہ اور حوادث لاحقہ جو غالباً بہت جلد ظہور پذیر ہوں، اب اس کا موقع بھی باقی نہیں ہے کہ کچھ اور تاخیر کی جائے، بلکہ ہم پر دواہب ہے کہ اس اہم امر کو فوراً انجام دیتے ہوئے اس تیزی سے قدم اٹھائیں کہ برسوں کی مسافت مہینوں اور مہینوں کی

دنوں اور دنوں کی لمحوں میں بے پناہانے ورنہ یاد رکھئے کہ اگر نہ انخواستہ آج بھی ہماری جماعت کے تافس و تفاخر کا پہاڑ فروغی اختلافات کی نتیجے میں اس راہ میں غافل ہوئی تو سر زمین جہنم میں جو آج ہماری حالت ہو رہی ہے اس سے بھی بدتر ہو جائے گی اور ہمارے تمام و مشائخ کی یہ محترم جماعت اپنے طریقہ عمل سے تمام دنیا پر ثابت کر دے گی کہ ان میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور پھر اس جماعت کے سنے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ اصلاح امت و وراثت اپنی، کے دعوؤں سے ہمیشہ کے سنے دستبردار ہو جائے اور جرأت کرے نہایت صفائی کے ساتھ اعلان عام کر دے کہ ہم میں امت کی رہبری کی صلاحیت نہیں، اپنا رہنمائی اور کوشش کرے۔

محترمہ! جناب کو معلوم ہے کہ امت کی ہدایت اور اس کی فلاح و ہیود کا خیال، نظام شرعی کا قیام و بقا وغیرہ کی ساری ذمہ داریاں عند اللہ جس جماعت پر عائد ہوتی ہے؟ علماء کرام و ذی علم مشائخ صوفیائے عظام اور صرف انہیں پر کہ یہی حضرات قد رتلا و من اللہ تعالیٰ علمائوں کے قیام میں رہنمائی کی تمام تر ذمہ داری انہی حضرات کے سر ہے۔ یہی حضرات شہ نادر باب عل و عقدہ ہیں۔ اس لئے اس امر کا کھن و خوبی انجام دینا بھی صرف انہی کا کام ہے۔ اور اس کے سنے جس قدر بھی ایثار و قربانی کی ضرورت ہو اور مشکلات کا سامنا پڑے نہایت دلیری کے ساتھ برداشت کرنی چاہئے اور میرے نزدیک تو یہ مسئلہ نہایت سہل الحصول ہے۔ صرف اپنے ذاتی اغراض اور شخصیت کو قربان کرنا ظنون فاسدہ و اوہام کاسدہ کا دور کرنا کافی ہے۔ پھر بعد اور اپنے دین اسلام کے سنے ایک مقصد و مقصد میں متعلق الخیال و العمل ہونا چاہئے۔ جو چیز ہمارے محترم علماء و مشائخ کو اس امر کی طرف اقدام کرنے سے روکتی ہے اور جو باوجود اقرار و جواب و تحقیق ضرورت اس امر کے انجام دینے میں سخت متردد و متکرب بنا دیتی ہے اور مشکلات کا پہاڑ ان کے سامنے کھڑا کر دیتی ہے وہ صرف ایک غلط فہمی ہے کہ امیر شریعت کے اختیارات غیر محدود ہونگے۔ اتباع و اطاعت کی کوئی حد نہ ہوگی۔ امیر مطلق العنان ہوگا۔ اور اس سنے امیر جس ذیل و مشرب کا ہو گا اسی کے مطابق احکامات نافذ کرے گا۔ جس کی اتباع تمام لوگوں پر شرعا واجب ہوگی ورنہ بصورت عدم اتباع نقض بیعت ہوگی، جو بدترین معصیت ہے اور اگر اپنی تحقیق کے خلاف اس صورت میں اتباع کی جائے تو تدرین کے خلاف۔ یہی خطرات ہیں۔ جو اس بارے میں اکثر حضرات کے دلوں میں گذرتے ہیں۔ بے شک اگر امیر ایسا مطلق العنان ہو تو ہر ایک ذی عقل و تدبیر شخص کے یہ شبہات اپنے مقام پر بہت صحیح ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ:

۱- امیر کے اختیارات محدود ہو گئے۔ وہ نہایت مدبر و مصالح شریعت سے واقف ہو گا یعنی مسائل متفقہ منصوصہ کو نافذ کرے گا۔

۲- مقاصد و مسائل اعلا، کلمۃ اللہ پر ہمیشہ نگاہ رکھے گا۔ اور ان کے متعلق خصوصیت کے ساتھ احکامات نافذ کرتا رہے گا۔

۳- وہ ایسے احکامات نافذ کرے گا جس سے بلا امتیاز فرق تمام امت مسلمہ کی فلاح و بہبود متصور ہو۔

۴- فروعی و مختلف فیہ مسائل کے اجراء اور تنفیذ کو اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا کہ جن کی اجتماعی زندگی میں کوئی احتیاج نہیں ہے۔

۵- مختلف فیہ مسائل کے بحث و محصل کو نہیں روکے گا، لیکن جنگ و جدال اور فساد کو دفع کرنے کی ہمیشہ کوشش کرے گا۔

۶- اس کا ہر عمل اور ہر خیال تمام فرق اسلامیہ کے لئے واجب الاتباع نہیں ہوگا، جس عالم کی تحقیق امیر کی تحقیق کے خلاف ہو اور اس بنا پر اس مسئلہ خاص میں امیر کی اتباع نہ کرے تو کوئی حرج نہیں وہ عالم ہرگز مستحق طعن نہیں، اور نہ اس کی بیعت لوٹ سکتی ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کتنے مسائل ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے خلاف تھے، کتنی جزئیات ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے موافق نہ تھے، تو کیا آج تک کسی نے اس کو نقص بیعت سمجھایا ان پر طعن کیا گیا، اور کیا اس فروعی مخالفت کی وجہ سے ان حضرات نے دوسرے اجتماعی احکامات میں امیر کی اتباع و انقیاد سے روگردانی کی؟ ہرگز نہیں۔ پس آج کس قدر ہماری بد نصیبی ہے کہ ہم ان مسائل کو جانتے ہیں لیکن محض ظنون و ادوہام کی بنا پر ایک اہم الواجبات کی ادائیگی میں پس و پیش کرتے ہیں۔

محترم! اگر ہمارا ایمان ہے ان صلوٰتی وکی و مباحی و ماتی اللہ رب العالمین اور ہم اصلاح و حیات امت کی ذمہ داری اپنے سر سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں اس فریضہ کی ادائیگی میں ہرگز پس و پیش نہ کرنا چاہئے اور اپنی ذات و ایمان پر اعتماد رکھتے ہوئے تو کلا علی اللہ فوراً اس کام کو انجام دینا چاہئے۔ چنانچہ بعد غور و توفیر بحمد اللہ جمعیت علماء بہار اس کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہوئی، اور بتاریخ ۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ بمقام در بھنگہ جمعیت کے تیسرے سالانہ اجلاس میں اس مسئلہ کے متعلق مندرجہ ذیل تجویزیں بالاتفاق منظور ہوئیں۔ (اس کے بعد وہی تجویز نقل کی گئی ہے جو اوپر اجلاس در بھنگہ کے ضمن میں آچکی ہے)

اور اسی لئے بتاریخ ۹، ۸، ۷ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ روز شنبہ و یکشنبہ مطابق ۲۶، ۲۵، ۲۴ جون ۱۹۲۱ء بمقام بانگی پور حسب مشورہ ارکان جمعیت علماء بہار کا ایک غیر معمولی اجلاس ہونا قرار پایا ہے، جناب سے نہایت خصوصیت کے ساتھ گزارش ہے کہ وقت کی نزاکت اور ضرورت کی اہمیت کا خیال فرما کر ضرور بالضرور اس اجلاس میں شرکت کی تکلیف گوارا فرمائیں۔

محترم! اس مسئلہ کے متعلق فطرتاً و سوال پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دیدینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

اول یہ کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں صوبہ بہار ہی سب سے پہلے اس طرف کیوں

قدم اٹھاتا ہے اور امیر الہند کا مسئلہ اولاً کیوں نہیں طے ہوتا ہے؟

دوم یہ کہ موجودہ وقت میں اس صوبہ کے امیر کے لئے کیا شرائط ہونا چاہئے، انتخاب کن اصولوں پر ہوگا؟ امیر کا طریق کار کیا ہوگا؟

اول کا جواب یہ ہے کہ نسب تو یہی تھا کہ سب سے پہلے امیر الہند کا انتخاب ہوتا ہے بعدہ امیر صوبہ کا تعین و تقرر۔ لیکن مسلمانان ہند کی بد قسمتی کو کیا کیجئے کہ وہ ابھی اصل مرکز کے بنائے کو تیار نہیں، ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ کار نہیں کہ صوبہ دار امیروں کا انتخاب کر لیا جائے کیونکہ ہندوستان کا تساہل ہمارے لئے عذر نہیں ہو سکتا، ہندوستان کی معصیت ہمارے عصیاں پر قائم رہنے کی حجت نہیں ہو سکتی۔ کیا جناب کو معلوم نہیں یہ حکم مستقلاً ہر بلد پر عائد ہے اور اس مسئلہ کو فقہاء کرام نے صرف ملک ہی تک محدود نہیں رکھا ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہو گا کہ جس زمانہ میں جمعیت علماء بہار جن اغراض و مقاصد کو لے کر قائم ہوئی، وہ سر زمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیت تھی، اس وقت علماء کرام اقدام سے گہرا تھے تھے۔ حتیٰ کہ خود ہمارے صوبہ کے بہتر علماء نہیں دہلی میں مبتلا تھے مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے اقدام و جرأت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا کہ آخر اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیت علماء قائم ہو گئی، اور وہی فروغی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا، کس طرح کا فوڑ ہو گیا، پس اس طرح بہت ممکن ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ صوبہ بہار میں اس کام کے انجام پانے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ تمام صوبوں میں امیروں کا انتخاب جلد از جلد عمل میں آ جائے گا۔ اور جس طرح جمعیت علماء ہند بعد میں قائم ہوئی اور اسی طرح امیر الہند بھی آخر میں نہایت آسانی کے ساتھ منتخب ہو جائے گا۔

امردوم کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ کام شرعی اور سیاسی نقطہ نظر سے انجام دینا ہے، اس لئے ہر پہلو کا لحاظ ضروری ہے پس اس خط الرجال کے زمانہ میں اغراض و مقاصد شریعت کو مد نظر رکھ کر میرے نزدیک جن شرائط کے ساتھ امیر کا انتخاب ہونا چاہئے، وہ حسب ذیل ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی پسند کریں گے:

۱- عالم باعمل صاحب فتویٰ جس کا علمی حیثیت سے زمرہ علماء میں ایک حد تک وقار و اثر ہو، تاکہ علماء کرام اس کے اقتدار کو تسلیم کریں، اور صاحب بصیرت ہوتا کہ نہایت تدبیر کے ساتھ احکامات نافذ کرے۔

۲- مشائخ طریقت میں بھی صاحب وجاہت ہو، اور اس کے حیطہ اثر میں اپنے صوبہ کے مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت اس حیثیت سے موجود ہو کہ عوام و خواص اس کے اثر سے متاثر ہوں، اور تنظیم شرعی و اجتماعی قوت جلد سے جلد پیدا ہو سکے۔

۳- حق گوئی و حق بینی میں نہایت بے باک ہو اور کسی مادی طاقت سے متاثر و مرعوب ہونے کا بظاہر اندیشہ نہ ہو۔

۴- مسائل حاضرہ میں بھی ایک حد تک صاحب بصیرت ہو اور تدبیر کے ساتھ کام کر رہا ہو۔ تاکہ ہمارا کام نکلن و خوبی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔

۵- لاہروائی اور خودرائی کے مرض سے پاک ہو۔

میرے نزدیک اسی قدر شرائط موجودہ وقت میں مع لحاظ احکام شریعت بہت کافی ہیں۔ بلکہ یہ وہ معیار ہے جس کی بنیاد شاید صوبہ ہذا میں دو ہی ایک آدمی مل سکتے ہیں۔ ورنہ آپ کو معلوم ہے کہ شرائط اجتہاد درجہ مدید سے امام اور مفتی کے لئے بھی (مجبوراً) غیر ضروری قرار پائے ہیں۔

☆ اب رہا اصول انتخاب تو ظاہر ہے کہ یہ کام شرعاً ہر باب حل و عقد کا ہے۔ جس کے مصداق علماء کرام و ذی علم مشائخ ہیں اور یہ حق شرعاً انہیں کو حاصل ہے اس کے بعد عوام کا فرض انقیاد و اتباع ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام صوبہ کے ہر عالم اور ہر شیخ طریقت و گل ارباب حل و عقد کا وقت انتخاب موجود رہنا یا کل کا اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ اول کا انتخاب آپ کے پیش نظر ہے۔ کہ بغیر موجودگی تمام ارباب حل و عقد انتخاب عمل میں آیا اور اس کی صحت پر اجماع ہوا۔ بلکہ تمام اہل مدینہ و بلاد اسلامیہ میں انتخاب کئے جانے کا اعلان بھی نہیں ہوا تھا۔ پس جمعیت کے اعلان عام و دعوت خاص کے بعد جس قدر بھی علماء و مشائخ تاریخ مقررہ پر مجتمع ہو کر انتخاب فرمائیں گے۔ شرعاً وہ بالکل درست ہو گا اور بقیہ حضرات پر تسلیم و انقیاد واجب۔

☆ طریق کار امیر کا یہ ہو گا کہ چند چید و چیدہ علماء کی ایک مجلس شوریٰ ہوگی، جن سے مشاورت کے بعد باصول شریعت امیر فیصلہ کرے گا۔ اور احکامات جاری کرے گا۔ جن کی نفیر میں قرون اولیٰ کے اندر موجود ہیں۔

محترم! اب آخر میں مکرر جناب سے گزارش ہے کہ ان جمیع معروضات کو غور سے مطالعہ فرمائیے، اگر آپ کو اس سے اتفاق ہو تو اسی معیار کے مطابق ہمارے صوبہ میں جن حضرات کو آپ اہل سمجھتے ہوں اور بہتر سمجھتے ہوں۔ مہربانی فرما کر ان سے بھی استعراج کر کے آپ تشریف لائیں، اور اس کے معیار کے علاوہ اس سے کوئی بہتر معیار نظر بہ حالات حاضرہ یا اصول شریعت جناب کے خیال میں آئے تو ۱۴ ارشوال المعظم ۱۳۳۹ھ تک مجھ کو مطلع فرمائیں۔

وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب فقط والسلام مع الاکرام۔

للمتمس

خادم مکرم ابوالحسن محمد سجاد کان اللہ

ناظم جمعیت علماء ہزارہ

ہوا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب کا بیان ہے کہ:

”مولانا کا خط جب مونگیر پہنچا اور آپ کو پڑھ کر سنایا گیا تو آپ بے تاب ہو گئے، اور فوراً اپنے نواسہ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رحمانی کو طلب فرمایا اور جواب لکھوایا اور اپنے دست خاص سے ہاؤ جو ضعف و نقاہت کے دستخط فرمائے، جو دفتر امارت شریعہ میں محفوظ ہے۔“

مکتوب گرامی کے الفاظ یہ ہیں:

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مطبوعہ خط اور اشتہار پہنچا آپ کی جمعیت اسلامی اور ملوثی اور دینی مستعدی سے نہایت مسرت ہوئی۔ آپ کی باتیں تو طبیعت کو ایسا بھاتی ہیں کہ جس سے دل بے چین ہو گیا، مگر میری حالت نے ایسا مجبور کر رکھا ہے، کہ اب میں کسی کام کا نہیں ہوں، ضعف کے سوا کچھ حالت قلبی ایسی ہے، جس نے بالکل پکار کر دیا ہے، جنون کی سی کیفیت ہے، اب بجز اس کے کہ قلب میں اس حالت کو دیکھ کر درد ہو اور بے قراری ہو اور کچھ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے، آمین۔

ان شاء اللہ تعالیٰ جلسہ کے وقت اپنے نواسہ کو بھیج دوں گا اور تو کوئی میرے پاس نہیں ہے، میرے ذہن میں کچھ باتیں آتی ہیں مگر قاصر نہیں رہیں، بکل باقی ہیں، اس لئے میں اس وقت اس کے متعلق کچھ نہیں لکھتا، اگر آپ آجائیں تو اس وقت زبانی گفتگو ہو جائے۔ والسلام

محمد علی

خانقاہ رحمانیہ مونگیر - ۱۱/شوال ۱۳۳۹ھ^۲

حضرت مولانا شاہ بدرالدین پھلواریؒ کا جواب

☆ دوسرا اہم ترین خط خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین بدرالکاملین حضرت مولانا شاہ بدرالدین پھلواریؒ کی طرف سے وصول ہوا،^۱ گو کہ تاریخ ارقام کے لحاظ سے خانقاہ مجیبیہ کا جواب خانقاہ رحمانی سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ شاہ بدرالدین صاحب کے خط پر ۱۰/شوال کی تاریخ درج ہے،

۱- تاریخ امارت ص ۲۷۔

۲- تاریخ امارت ص ۳۷۔

۳- حضرت فیاض المسنین مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری صاحب پھلواری شریف کے اس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، جس کی سیادت و قیادت عہد مظاہر سے آج تک چلی آ رہی ہے، یہ خاندان مدینہ منیبہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے محمود غزنوی کے زمانہ میں غزنی آیا، اور غزنی سے اس خاندان کے کچھ لوگوں نے ہندوستان کا رخ کیا، خاندان کے بعض افراد دیں میں مقیم ہو گئے، اور بعض نے محمد شاہ شرقی کے دربار کا رخ کیا، اور اس کے دربار میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے، جن کی اولاد پھلی شہر میں موجود ہے۔

لیکن مولانا عبدالصمد رحمانی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی، غالباً اجلاس سے ایک دن قبل وصول ہوا، حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب نے ارقام فرمایا:

→ دسویں صدی ہجری کے شروع میں اس خاندان کے سربراہ اور بزرگ سید شاہ سعد اللہ جعفری زبیدی اپنے صاحبزادہ امیر عطاء اللہ (متوفی ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء) کے ساتھ پھلواری شریف آئے، شاہ سعد اللہ کا مزار پین پین ندی کے کنارے منوراسانا پور گاؤں میں "سعد شہید" کے نام سے مشہور ہے، شاہ سعد اللہ کے صاحبزادے امیر عطاء اللہ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد شیر شاہ سوری (متوفی ۹۵۲ھ/۱۵۳۵ء) کے دربار کا رخ کیا، اور وزارت کے منصب پر فائز ہوئے، شیر شاہ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں سلیم شاہ سوری (متوفی ۹۶۰ھ/۱۵۵۳ء) پر شیر شاہ سوری کے دربار سے منسلک رہے، لیکن وہاں دل نہ لگا تو دلی کا رخ کیا، اور شہنشاہ ہمایوں (متوفی ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء) کے دربار میں پہنچے، اور منصب وزارت پر فائز ہوئے، خدا بخش خان اور بنغل انیسویں پٹنہ میں آپ کا ایک مرقع موجود ہے جس کے نیچے "امیر عطاء اللہ جعفری زبیدی وزیر ہمایوں بادشاہ" مرقوم ہے۔

امیر عطاء اللہ غیر عمر میں ترک سلطنت کر کے پھلواری شریف میں مقیم ہو گئے، اور خلیفہ خدا کی رشد ہدایت میں مصروف ہو گئے، اس خاندان کو اللہ پاک نے دینی و دنیاوی ہر عزت و بلندی سے سرفراز کیا، اس کے دہر اوپر دور میں حکومت کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے، اور علوم دینیہ میں محدث، فقیہ اور فروع و عقائد کی دنیا میں غوث، قطب و ابدال کے مناصب و مقامات پر فائز ہوتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت شمس الدین جہید ثانی (متوفی ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۳ء)، محبوب رب العالین حضرت عماد الدین قلندر (متوفی ۱۱۳۲ھ/۱۷۱۳ء)، آفتاب طریقت تاج العارفین محمد سید شاہ محمد حبیب اللہ قادری (متوفی ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء)، ملا وحید الحق ابدال (متوفی ۱۲۰۰ھ/۱۸۸۶ء)، سید العلماء، مولانا احمدی (متوفی ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۷ء)، شیخ العالین محمد وسید شاہ نعمت اللہ قادری (متوفی ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء)، حضرت فردا اولیاء، محمد وسید شاہ ابوالحسن نرد (متوفی ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء)، حضرت مصباح الطاہرین محمد وسید شاہ حبیب شی نرد (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) وغیرہ خاندان جعفری زبیدی کی ایسی آفتاب و ماہتاب ہستیاں گذری ہیں جن کی ضوئیاں پورے برصغیر ہندو پاک پر محیط تھیں (تاریخ اطباء بہار ج ۲ ص ۱۹۳، ۱۹۴، مولا محمد حکیم محمد اسرار الحق)

حضرت شاہ بدر الدین پھلواری کی ولادت ۲ رجب، دکنی الثانیہ یک شنبہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۸۵۲ء کو ہوئی، دہری کتاب میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ شرف الدین اور مولانا شاہ محمد حبیب نصر سے پڑھیں، ۱۰ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۳ جولائی ۱۸۶۶ء کو حضرت حبیب نصر کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، ۲۳ ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۷۳ء کو جملہ سلاسل مجیبہ و جہیدہ کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔

حسن حسین و دیگر کتب حدیث کی سند مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی سے حاصل کی، حزب التحریر کی اجازت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مدنی سے ملی، حضرت حبیب نصر کے خاندان میں آپ سب سے ممتاز ہوئے، اور آپ کے بے پناہ فیوض چاروں ملک عالم میں ظاہر ہوئے، آپ کے زمانے میں خانقاہ بقعہ نور معلوم ہوتی تھی، آپ نے قرآن اور علوم، مسان کی تدریس کا وسیع بیانیہ پر اہتمام کیا، سالہا سال تک مکتوبات صدی کا درس دیا، آپ کے عم و مال کے اعتراف میں حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۵ء میں شمس العلماء کا خطاب اور خلعت و تمذہب پیش کیا، آپ اپنے پڑاؤں میں نہیں ہوئے، مگر اصرار پر رکھ لیا اور پھر ۱۹۱۹ء میں واپس کر دیا، آپ نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں پر جوش حصہ لیا، بہار میں ان تحریکوں کو آپ کی سرپرستی حاصل تھی، ۱۹۱۹ء شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۲۱ء کو پتھر کی مسجد میں ایک عظیم الشان اجلاس میں باحالی جملہ علماء کرام آپ کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور تمام حاضرین نے مجمع و طاعت کی بیعت کی۔

آپ کے علمی مشامین اور مقالات کوئی بارہ سو (۱۲۰۰) صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ قلمی۔
حضرت کی شخصیت مربع خلعت تھی، کامل ۳۳ سال سربراہ آرائے سجادہ رہنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں شب سہ شنبہ ۱۶ صفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۴۳ء میں آپ نے دائمی اجل کو لبیک کہا، اور مقبرہ مجیبہ میں اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ع خدا رحمت کن دایں عاشقان پاک طینت را۔ (ایمان وطن مرتبہ حضرت حکیم شہید صاحب ص ۶۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جامی ملت جناب مولوی محمد سجاد صاحب دامہ کرامت!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں جمعیت علماء بہار کے اس جلسہ میں حاضر ہونے سے معذور ہوں اور اس تحریر کے ذریعہ سے اپنی رائے ظاہر کر دیتا ہوں۔

محکمہ شریعہ کے امیر کے سہمیہ کی رائے میں جو پانچ صفحات ہونی بتائی گئی ہیں، بہت مناسب ہیں، اس صوبہ بہار میں ان صفحات سے موصوف اس وقت جناب مولانا شاہ محمد علی صاحب رحمائی کے سوا دوسرے کسی کو میں نہیں پاتا اس سہمیہ کی رائے ہے کہ اس منصب پر وہی مقرر کئے جائیں اگر نہ ملت مزاج کے عذر سے وہ تشریف نہ لائے ہوں تو ان کا موجود رہنا اس جلسہ میں ضروری نہیں ان کے منتخب ہو جانے کے بعد کوئی شخص ان کی نیابت کرے اور مانعین سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ان کی اطاعت کا قرار لے لے اور اگر علماء و مشائخ حاندین مختلف مکی لوگوں کا نام میں قدردانیت مان لینے کا قرار لے تو یہ کافی ہے اور اگر علماء و مشائخ حاندین مختلف مکی لوگوں کا نام میں تو اختلاف کی حالت میں جس کو اکثر لوگ منتخب کریں میں اکثریتی رائے کو قبول کروں گا و السلام محمد بدر الدین پھلواری

۱۰ ارشوال، جمعہ ۳۳۹ھ

حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ کی تائید

اس موقع پر پھلواری شریف کی شہرہ آفاق شخصیت اور ملک گیر خطیب حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ کا ذکر بھی بطور خاص کیا جانا چاہئے کہ حضرت مولانا سجادؒ کی تحریک امارت کی حمایت کرنے والے اہم علماء و مشائخ کے ہر اول دستہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت بھی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ مولانا سجادؒ کے قدیم سرپرستوں میں تھے، چند سال قبل (۱۹۱۷ء میں) جب مولانا نے جمعیت علماء بہار کی تحریک شروع کی تھی اس وقت بھی سب سے پہلے شاہ صاحبؒ ہی نے مولانا سجادؒ کے سر پر بزرگانہ درست شفقت رکھی تھی، اور بہار شریف کے اجلاس جمعیت میں بنفس نفیس تشریف لائے اس تحریک کو تقویت بخشی تھی، نیز جمعیت کا دوسرا اجلاس بھی پھلواری شریف میں شاہ صاحبؒ کی راست سرپرستی میں انجام پایا تھا، تحریک امارت میں بھی شاہ صاحبؒ نے مولانا سجادؒ کی پرزور تائید فرمائی تھی، لیکن بعد میں (عالمی امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محمد الدین پھلواریؒ کے

دور امارت میں) بعض وجوہات کی بنا پر وہ اس تحریک سے بلکہ خود حضرت مولانا سجادؒ سے بھی علیحدہ ہو گئے تھے، مولانا سجادؒ کے تلمیذ رشید مولانا اصغر حسین بہاریؒ کا بیان ہے:

”جب حضرت اتاذ (مولانا ابوالمحسن محمد سجادؒ) نے امارت شرعیہ بہار کی تمہید اٹھائی تو حضرت شاہ صاحب مرحوم (حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواڑویؒ) نے اس کی تائیس و تعمیر میں ساتھ دیا، لیکن امارت کے دوسرے دور کے بعد خیال نے پٹا کھایا جس کے باعث دونوں بستیوں کے درمیان مخالفت کی غلیج مائل ہو گئی۔“

ان کے علاوہ بہار کے دیگر علماء و مشائخ نے بھی مولانا سجادؒ کی دعوت کا خیر مقدم کیا۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا جواب

حضرت مولانا سجادؒ نے اس موقع پر بہار سے باہر بھی کئی اہم شخصیتوں کو بطور خاص دعوت دی تھی، اور ہر جگہ سے اس اقدام کی تحسین کی گئی، دارالعلوم دیوبند سے درج ذیل جواب موصول ہوا:

باسمہ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

از دارالعلوم دیوبند

مکرم بندہ جناب شاہ حبیب الحق و جناب مولوی سجاد صاحب ازاد لفظکم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا، بے حد مسرت ہوئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعیت علماء بہار کو غیر معمولی کامیابی عنایت فرمائے، خدا کرے کہ کوئی بزرگ متفرع حسب شرائط انتخاب میں آجائیں اور علماء کرام اور مشائخ عظام ان کی اطاعت فرمائیں، اور یہ فریضہ شرعیہ ادا ہو۔ ہم لوگوں میں سے ایک دو شخص ضرور شریک جلسہ ہوتے مگر چونکہ افتتاح تعلیم کا وقت ہے، اور مہتمم و مدرسین اس میں مشغول ہیں، اس لئے حاضری سے معذور ہیں، امید ہے کہ آپ بھی شرکت قلبی کو کافی خیال فرمائیں گے فقط

احقر محمد احمد مدرسہ دیوبند^۲

تاسیس امارت کے لئے جمعیت علماء بہار کا خصوصی اجلاس

بہر حال اس دعوت نامہ کے مطابق ۱۸، ۱۹، ۲۰ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ روز شنبہ و یکشنبہ مطابق

۲۵، ۲۶ جون ۱۹۲۱ء کو پتھر کی مسجد پٹنہ میں جمعیت علماء ہند کا اجلاس خاص زیر صدارت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد منعقد ہوا، جس میں صرف بہار کے نمائندہ علماء کی تعداد ایک سو سے زائد تھی، یوں چار پانچ سو علماء شریک ہوئے، عد مشرکاء اجلاس کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی، بیرونی شخصیتوں میں مولانا آزاد سبھانی اور مولانا سبحان اللہ صاحب مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے، تلاوت قرآن کریم سے مجلس کا آغاز ہوا، صدر استقبالیہ مولانا شاہ حبیب الحق صاحب نے اپنا خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا ”اور نہایت مؤثر اور رد بھرے الفاظ میں انگریزی دور حکومت کے اثرات قبیحہ کو بیان کر کے وقت کے اس اہم فریضہ کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی فرمائی ۲:

خطبہ استقبالیہ

”خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یکا یک رحمت خدا موزون ہوئی اور اپنے محمد گارہندوں کی طرف مخاطب ہو کر لا تقنطوا من رحمة اللہ کی صدا دی، سب سے پہلے اسی صوبہ کے علماء، چونکہ غفلت سے ہوشیار ہوئے اور جمعیت علماء کی بنیاد ڈالی، کلمہ سے ہوئے شیرازہ کا استحکام شروع کیا ہماری اصلاح کی طرف مخاطب ہوئے، حالات موجودہ پر غور و فکر کی تدبیریں نکالیں۔ اسی طرح اب امیر شریعت کے لئے بھی سب سے پہلے یہی صوبہ آگے قدم بڑھاتا ہے۔ خدا اسے کامیاب کرے اور ساتھ ہی ساتھ تمام صوبہ ہند کے اس ارادہ پر قائم ہو کر پہلے امیر صوبہ بنائیں، اور یہ امراء مل کر امیر الہند کا انتخاب کریں۔

تصانیع! اس زمانہ موجودہ میں جس وقت کہ تمامی اقدار آپ کے منیا میٹ ہو گئے، ہر جگہ سے نکالنے کی فکر ہے، بعد ادلیا، نجف اشرف لیا، بیت المقدس لیا، فلسطینیہ کو محصور کیا، مکہ معظمہ کو تباہ کیا، مدینہ منورہ کو برباد کیا، انگور و پیرہائی کا قصد ہے، غنم تنزل میں آگئی، قوالب بنائے کہ ہم کیا کریں، اس زندگی سے توبہ رجھا موت بہتر ہے۔

کیا وہ خدا جس نے اصحاب فیل کو تباہ کیا، نمرود و فرعون کو ناز و جنم دکھایا، جمہ لوگوں کو اس قدر مذلت سے نکال کر کئی اعزاز پر نہیں پہنچا سکتا ہے؟ ضرور پہنچا سکتا ہے، یقینی پہنچا سکتا ہے، لاتھنوا ولا تحزنوا انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ ایمان کو مضبوط کرو، اسلام کے فدائی بن جاؤ، جان و مال کی قربانیاں کرنے کو تیار ہو جاؤ، واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً کے مسداق بن جاؤ، کلمہ سے ہوئے شیرازہ کو باندھ لو۔

دیکھو یہ آیت جو میں نے ابھی پڑھی ہے، اس پر نظر ڈالو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور صاحب امر کی اطاعت کرو، صاحب امر سے

۱- تاریخ اہریت ص ۵، ۶۔

۲- تاریخ اہریت ص ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳

کیا مراد ہے؟ کیا صرف خلافت و حکومت مراد ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد علماء ہیں، بروایت حضرت ابن عباسؓ اور حسن اور رضاؓ کا۔ انہیں کی اخاعت فرض ہے، آپ سب لوگ ان کی اخاعت فرض جان کر سمجھیں۔ ان کے احکام کی بجا آوری پڑ جائیے۔ اور ان کے احکام کو احکام رسولؐ سمجھئے، جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیلؑ اور یہ حضرات ہم لوگوں کی دشواریوں کو آسان کریں، تعصبات و نفاسیت سے غمہ گئی حاصل کریں، خلوص و اتحاد کے دُور سے مضبوط کر ڈالیں، رئیس القوم بخادم مہم کو اپنا معیار بنائیں۔

اے میرے بزرگوار دین کے پیشواؤ! وراثت انبیاء کے مستحقو! انہا العلماء وراثۃ الانبیاء آپ کے سے ہے، انہا بخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ کی شان ہے، فضل العالم علی العابد کفضل علی ادناکم آپ کی شان ہے، قوم آپ کی محتاج ہے، شئی اسلام کے آپ ناخدا ہیں، سیکڑوں برس ہو گئے امیر شریعت نہ ارد ہو گیا، تعصبات و نفاسیت کا زور ہو گیا، ہر شخص کا شخص الگ ہو گیا، مسائل الگ ہو گئے، مسجد میں الگ ہو گئیں، جس کا ہوجی چاہتا ہے کرتا ہے، یہ مسائل دینی، مذہب القضاہ ہے، مذکورۃ ہے، مذہبات ہے، مذہبیت المال ہے۔

کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والے کو قتل کا حکم نہ فرمایا تھا؟ کیا احکام شریعت کے اجراء کی امید غیر اسلامی سلطنت سے کی جاسکتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!

ذرا غور کیجئے احادیث و فقہاء کے اقوال پر تو بد فرمائیے، کیا امیر شریعت کی تقرری صرف حکومت و خلافت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جیسے حکومت گئی، یہ فرض کفایہ بھی، سر سے اتر گیا؟ نہیں جانتا کلا نہیں، امیر شریعت اور شے ہے، سلطنت اور شے ہے، سلطنت ملک کا انتظام کر سکتی ہے، مگر اسلامی مسائل کے لئے سلطنت کو بھی امیر شریعت اور علماء کی ضرورت ہے، بہتر سے فرائض اسلامی ہیں، جن کی ادائیگی بلا امیر شریعت ناممکن ہے، اگر امیر شریعت ہو تا ہر صوبہ کا ایک امیر ہو تا، اس کے ماتحت ہر شہر میں نائبین ہوتے، تمام ہند کا ایک امیر الہند ہو تا، تو خلافت کے معاملے میں اتنی دقتیں اٹھانی پڑتیں؟ اس قدر انجمنیں، اس قدر تحریکیں پیش کرنی پڑتیں؟ ایک امیر الہند کی زبان آپ سب کی زبان ہوتی، جو حکم وہ دیتا آپ سب لوگ اس کے عمل ہوتے، اگر واقعی خلافت کے ساتھ ہمدردی ہے اور امانت مقدسہ کی محبت ہے تو پہلے اپنی جماعت درست کیجئے، شریعت کے اصول پر چلئے، اپنا ایک سردار بنائیے، کوئی کام دنیا کا بلا سردار کے نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے جو ان تک میں سردار ہوتے ہیں، اور آپ اشرف

۱- ابن حدیث و محدثین نے بے اصل قرار دیا ہے، دیکھئے: المقاصد الحسنی فی بیان کثیر من الأحادیث المشہورۃ علی الألسنہ ج ۱ ص 459 المؤلف: شمس الدین أبو الخیر محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوی (المتوفی: 902ھ) للتحقیق: محمد عثمان الخشت الناشر: دار الكتاب العربی - بیروت الطبعة: الأولى، 1405ھ - 1985م عدد الأجزاء: 1۔
* تذکرۃ الموضوعات ج ۱ ص ۲۰ المؤلف: محمد طاہر بن علی الفتنی (المتوفی: 986ھ)

الخطوات کے سردار نہیں؟ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دس آدمی کی جماعت بھی بلا سردار (یعنی امیر) کے نہیں نہیں بھیجا۔ اب آپ لوگ اپنا سردار امیر شریعت مقرر فرمائیے۔“
(اس کے بعد مولانا نے امیر شریعت کے شرائط و معیار کی طرف توجہ دلائی)

اس موقع پر داعی اجلاس حضرت مولانا سجاد صاحب اور صدر اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے جو خطبات پیش فرمائے تھے یقیناً ان سے ہندوستان میں ایک نئی ملی و سیاسی تاریخ کا آغاز ہوا، لیکن یہ خطبات تحریری نہ تھے اس لئے یہ خطبات محفوظ نہ رہ سکے، کاش وہ دستیاب ہوتے تو غیر مسلم ہندوستان کے لئے ہمیں مزید روشنی مل سکتی تھی۔

مجلس شوریٰ وار باب حل و عقد کی خصوصی نشست

سائے گیارہ بجے دن میں صدر اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا خطبہ صدارت ختم ہوا، اس کے بعد مجلس شوریٰ کی تشکیل کی گئی اور نشست برخواست کر دی گئی، پھر چار بجے بعد نماز عصر جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب کے مکان (شیرستان) میں مجلس شوریٰ اور ار باب حل و عقد کی نشست زیر صدارت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد برائے انتخاب امیر شریعت منعقد ہوئی، جس میں روداد کے مطابق ایک سو سے زائد علماء و مشائخ نے شرکت کی، روداد میں تمام کے نام اور پتے بھی درج ہیں، اس خصوصی اجلاس میں سب سے پہلے ناظم جمعیت علماء بہار حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد نے اجلاس کے مقاصد پر روشنی ڈالی، پھر حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا مکتوب پیش فرمایا جس میں تعین امیر کے سلسلے میں انہوں نے ایک تجویز پیش فرمائی تھی، اس دوران مسئلہ امارت پر علماء کے درمیان کافی طویل بحثیں ہوئیں، اور ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا گیا، پٹنہ کے ایک اہل حدیث عالم مولانا کفایت حسین صاحب نے بھی اپنے بعض شبہات پیش کئے، ان کو بھی تشفی بخش جواب دیا گیا، بالآخر طویل بحث و کلام کے بعد یہ مجلس نو بجے شب میں اختتام پذیر ہوئی، اور با اتفاق حاضرین درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

تجاویز انتخاب امیر شریعت و نائب امیر شریعت

۱۔ حضرت مولانا سید شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نشین پھلواری شریف ضلع پٹنہ مدظلہ العالی صوبہ بہار کے لئے امیر شریعت ہوں۔

- ۲- جناب مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت مقرر ہوئے۔
- ۳- (حضرت) امیر (شریعت) کی مشاورت کے لئے علماء بہار میں سے اہل شوری متعین کر دیئے جائیں، جن کی تعداد علماء و نائب امیر کے نو ہو، اور ان کے انتخاب کا حق مولانا عبدالوہاب صاحب (درہنگہ)، مولانا صدیق صاحب اور مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب کو دیا جائے۔
- ۴- حضرت مولانا جناب سید شاہ محمد بدر الدین صاحب قبلہ کے پاس کل ۱۹ ارشوال کو اجلاس کے وقت سے پہلے تجویز انتخاب امیر، نائب امیر، اور نیز ارکان شوری کے اسماء گرامی (مجوزہ اصحاب ثنائیہ) منظوری کے لئے بھیج دیئے جائیں، تاکہ واپسی کے بعد اجلاس عام میں اس کا اعلان کر دیا جائے۔^۱

چنانچہ حسب تجویز علی الصباح (۱۹ ارشوال کو) تمام تجویز کی نقل مع اسماء ارکان شوری حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب کی خدمت عالیہ میں بھیجی گئی اور ان سے منصب امارت قبول کرنے کی درخواست کی گئی، نیز نیابت اور ارکان شوری کے بارے میں رائے عالی دریافت کی گئی۔

حضرت امیر شریعت اول کا مکتوب منظوری

صبح آٹھ بجے تک حضرت امیر شریعت کی طرف سے منظوری آگئی، مکتوب منظوری دفتر امارت میں محفوظ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

وصلی الله تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

جناب مکرم ادا ماکرام! السلام علیکم وعلیٰ من لدنکم

میں نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا آپ کو معلوم ہے اور بیرون جمعہ کے دن اپنی رائے تحریر کر دیا تھا کہ جناب مولوی سید شاہ محمد علی صاحب رحمائی کو میں اس منصب کا اہل جانتا ہوں، آج معلوم ہوا کہ قافل بنام من دیوانہ زندہ جب بالاتفاق آپ لوگوں کی یہی رائے ہے تو اب قبول کرنے کے سوا کیا چارہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے تو افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد نیابت و مجلس شوری کے لئے جن علماء کا انتخاب ہوا اس سے بھی آگاہی ہوئی۔ یہ سب لوگ مناسب منتخب ہوئے ہیں۔ والسلام

محمد بدر الدین پھلوار یا صلح اللہ تعالیٰ حالہ

۱۹ ارشوال یکشنبہ ۱۳۳۹ھ

۱- تاریخ امارت ص ۹۰، ۹۱ مرہون مولانا عبد الصمد رحمائی۔

۲- تاریخ امارت ص ۹۲ مرہون مولانا عبد الصمد رحمائی۔

کاروائی آخری اجلاس عام

۱۹ شوال کو ۹ بجے دوسرا اجلاس شروع ہوا، تلاوت کلام اللہ و نعتیہ نظم کے بعد تھوڑی دیر حضرت مولانا عبد الاحد صاحب نے تقریر فرمائی، اس کے بعد صدر اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا کامل دو گھنٹے تک طویل خطاب ہوا، مولانا آزاد نے شوریٰ کی ساری کاروائی سے لوگوں کو آگاہ فرمایا، اس کے بعد حضرت مولانا سجادؒ نے حضرت شاہ بدر الدین صاحب کا مکتوب منظوری پیش کیا جس کو خود مولانا آزاد نے باواز بلند پڑھ کر سنایا، اور تمام علماء کرام و حاضرین سے درخواست کی کہ اگر آپ حضرات کو اس سے اتفاق ہے تو کھڑے ہو کر نائب کے ہاتھ پر اطاعت فی المعروف کی بیعت کیجئے، تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر حضرت مولانا سجادؒ کے ہاتھ پر نیابتاً بیعت کی، پھر حضرت مولانا سجادؒ نے دارالعلوم دیوبند کا وہ خط مجمع کو پڑھ کر سنایا جس میں اکابر دارالعلوم نے امارت کی پرزور تائید کی تھی بلکہ اجلاس میں اپنی شرکت کی خواہش بھی ظاہر کی تھی۔

بوقت ۸ بجے شب تیسرا اجلاس عام شروع ہوا اور لوگوں کو بالائیکلث شرکت کی اجازت عامہ دے دی گئی، اس کی وجہ سے مجمع اس قدر کثیر ہوا کہ ہال نا کافی پڑ گیا، اکثر لوگوں کو کھڑے ہو کر اجلاس کی ساری کاروائی سنی پڑی، جب کہ بہت سے لوگ اندر بھی داخل نہ ہو سکے اور مایوس لوٹ گئے۔ تلاوت کلام پاک اور نعتیہ نظم کے بعد حکیم عبدالعزیز صاحب اور حکیم رکن الدین

۱۔ حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب عاجز موضع بھوسا، ڈاکخانہ چندن پٹی، ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے، آپ کے والد ماجد حکیم مولوی حاجی سید شاہ عبدالرحمن صاحب مشہور حکیم تھے، انہیں حکیم محمد اسماعیل قندی مصری سے فخر تلمذ حاصل تھا، آپ کے جد امجد حضرت سید فرحت حسین قدس سرہ ایک صاحب باطن بزرگ تھے، جو برصغیر ہند میں شہرت رکھتے تھے۔

حکیم عبدالعزیز صاحب کی ولادت رمضان المبارک ۱۲۸۹ھ (نومبر ۱۸۷۲ء) کو ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب سید الحسنی و الحسنی ہے، اصل وطن دہلی ہے، مگر تقریباً دو ڈھائی سو سال قبل بعض وجوہات سے دہلی چھوڑ دی اور کچھ عرصہ علاقہ چمپرہ میں اقامت پذیر رہے، بعد ازاں بھوسا ضلع مظفر پور منتقل ہو گئے، مختلف اساتذہ سے درسیات بالا ستیاب پڑھی، آخر میں مولانا نعیم صاحب لکھنؤ سے علم حدیث کی سند حاصل کی، پھر اپنے والد ماجد سے طب کی مطولات سیکھا پڑھی، تعلیم کے بعد کچھ دنوں بعض مدارس میں تدریس خدمت انجام دی، پھر مستقل طور پر طب کرنے لگے، اونچے درجہ کے حکیم تھے، آپ نے بعض معرکہ کے علاج کئے اور پیچیدہ اور مشکل امراض میں کامیابی حاصل کی، آپ نے اپنے طبی تجربات ”تجربات عزیز“ کے نام سے کتابی صورت میں مرتب کئے تھے، جس میں ہر مرض کا علاج ہندوستان میں پیدا شدہ جزی بوٹیوں سے جوڑ کیا گیا تھا، ناٹایہ کتاب دار الکتب رفیق الاطباء سے شائع ہوئی، وفات ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء کو ہوئی (تاریخ اطباء بہار، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

صاحب داتا نے تقریریں فرمائیں، اس کے بعد جناب مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی نے امارت شرعیہ کی تاریخ و اہمیت کے موضوع پر انتہائی فصیح و بلیغ اور موثر و مدلل تقریر کی، جس سے مجمع بے حد متاثر ہوا۔

آخر میں حضرت مولانا سجاد کے شکر یہ اور صدر اجلاس کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔^۱

حضرت مولانا سجاد کے ہاتھ پر نیا بتا بیعت امارت

اس طرح اس اجلاس میں باتفاق رائے حضرت بدر الکاملین مولانا شاہ بدر الدین پھلواری کو امیر شریعت اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا، حضرت مولانا محمد سجاد کسی عہدہ کے لئے راضی نہ تھے، لیکن شرکاء کے دباؤ میں آپ نے نائب امیر شریعت کا عہدہ قبول فرمایا۔

۱۔ امیر محمد رفیع الدین نور تلمس داتا ہے، آپ کے استاد مولوی عبداللہ (متوفی ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۰۷ء) سہرام کے بڑے زید اور علم و بزرگوں میں تھے، صاحب نسبت و عبادت تھے، داتا مہدیزادی صاحب سے اجازت و خلافت حاصل تھی، خاص خاص لوگوں کو ہر پہنچ فرماتے تھے، اخلاق و مروت اور سادگی میں سادہ حسین کا نمونہ تھے، آپ پر اہل شہر اور حکام و خاص اعتماد تھا، مولوی رفیقین میں مٹا شی کا کام آپ کے پیر ہوتا اور آپ جو فیمل دینے فریقین اسے منظور کرتے، آپ کا خاندان سہرام کے قریب شرفا، میں شمار کیا جاتا تھا، سلسلۂ نسب حضرت صدر بقا سے ملتا ہے آپ کے مورث اعلیٰ شہان مہدیہ کے دور میں عرب سے آئے اور پہلے جو پور میں مقیم ہوئے، پھر ان کی اولاد مختلف بلاد و ممالک میں پھیل گئی، ان میں شہان مہدیہ کیل قدس سرہ سہرام تشریف لائے، اور ان سے اس نسل کا سلسلہ شروع ہوا، آپ کے واسطے عبدالقادر صاحب سہرام کے ان لوگوں میں سے تھے، جن پر برطانوی حکومت کو خاص اعتماد تھا، آپ سہرام کے کامیاب اور نامور وکیل تھے۔

حکیم رکن الدین صاحب پانچ بھائی تھے آپ تیسرے نمبر پر تھے، آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر پھر سہرام کے شاہی مدرسہ شرفا میں ہوئی، ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے، اور مسکن چھ ماہ رہ کر عربی درسیات کی تکمیل کی، یہاں مولانا محمد فاروقی پر یاد دہانی اور مفتی عبدالصیف صاحب سنبھلی سے استفادہ کیا، پھر میں مولانا فقیر اللہ صاحب قلیڈر شریف فخر المتأخرین حضرت مولانا مہدی کی فکری تلمیذ میں داخل ہوئے اور خصوصی مقام حاصل کیا، ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں فخری امتحان میں اول آئے، دوران تعلیم حلقہ تعلیم بھی دیتے تھے، اندوہ سے فراغت کے بعد مدرسہ شرفا میں مدرس ہوئے، اور وہاں پور دنگ سپرنٹنڈنٹ بھی رہے، انہی ایام میں طب کی تعلیم شروع کی، اور حکیم مہدینوی صاحب اور حکیم سید محمد باقر سے استفادہ کیا، اور پور تلمیذ الطب نیز مہم طب کے اعلیٰ درجات کے امتحانات میں اعلیٰ درجہ امت سے کامیاب ہوئے۔ پھر وطن واپس آئے، اور قریباً چھوٹا بھائی شہان آباد میں اپنے ماموں مولوی شہان و ہسی احمد صاحب آریزی محسنیہ کے طب میں بیٹھے، پھر مراد آباد گئے، اس کے بعد کھانہ چلے گئے، کچھ دنوں کے بعد کشن گنج پور میں طب کو شہر و شاعری کا بھی چھاند اڑا رکھتے تھے، اس موضوع پر "تخلیۃ احسن" آپ کا تحقیقی ادبی سرمایہ ہے، تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا معرک نہیں ہے، منطق و فلسفہ کے موضوع پر آپ کی کتابیں المنطق اور الفلاسفہ کافی مقبول ہوئیں (تاریخ الطبا نے بہار ص ۱۲۹ تا ۱۳۹ مولانا حکیم محمد سہرامی صاحب نے "تخلیۃ احسن" (شہر انے کشن گنج کی منٹھ جارج) ص ۲۲۵ تا ۲۸۲ پر حکیم رکن الدین داتا شائع کردہ: انجمن ترقی اردو کشن گنج، ۱۹۶۰ء)

۲۔ تاریخ امارت ص ۸۳ تا ۸۴ پر مولانا مہد عبدالصمد نے فی بحوالہ مولانا ابوالحسن خصوصی جو یہ علماء بہار۔

اور چونکہ امیر شریعت حضرت مولانا شاہ بدرالدین مجلس میں تشریف نہیں لائے تھے، اور (اپنی سجادگی کی بنا پر) پہلے ہی اس کی معذرت فرمادی تھی، اس لئے بحیثیت نائب حضرت مولانا سجاد صاحب نے حضرت امیر شریعت کی طرف سے شرکاء اجلاس سے بیعت سمع و طاعت لی، خانقاہ مجیبیہ کے ترجمان حضرت مولانا حکیم سید محمد شعیب صاحب پھلواری تحریر فرماتے ہیں:

۱۹ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ میں بانٹی پور محلہ پتھر کی مسجد میں بہ غرض انتخاب امیر الشریعہ علماء کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا اور علماء کے اتفاق سے ہمارے پیر و مرشد مولانا شاہ محمد بدرالدین صاحب لفظنا اللہ و المسلمین بہرکات روحہ و قدس سرہ امیر الشریعہ منتخب ہوئے، حاضرین نے نیلینہ مولوی محمد سجاد صاحب مہتمم مدرسہ انوار العلوم گجیا کے ہاتھ پر بیعت امارت کی جن میں علماء کی کثیر تعداد اس کار خیر میں بہت لگے گئی۔^۱

خود حضرت مولانا سجاد نے بھی اپنے مقالہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

”چنانچہ محمدانہ چند سالوں کی پیہم کوشش و تبادلہ خیالات کے بعد ۱۹ شوال ۱۳۳۹ھ کو وہ مبارک ساعت آئی جس میں علماء کرام و مشائخ عظام اور اعیان بہار کے علاوہ بعض بیرونی علماء کرام کی باہمی مشاورت سے بمقام پٹنہ جمعیت علماء بہار کے اجلاس خصوصی میں امیر شریعت کا متفقہ طور پر انتخاب ہوا، نیلینہ بیعت عامر لی گئی، محکمہ شریعہ کے قیام کا اعلان ہوا، اس طرح پر یہ نعمت عظمیٰ سب سے پہلے تمام ہندوستان کی سرزمین میں صوبہ بہار کو ملی، جو شاید قیام ازل نے بلحاظ اولیت اسی کے لئے ودیعت کی تھی۔“^۲

پہلی مجلس شوریٰ

تجویز میں مجلس شوریٰ کی تشکیل کا اختیار سرکنی کمیٹی (مولانا عبدالوہاب صاحب، درجہ بنگلہ) ۳، مولانا

۱- لغات بدریہ حصہ سوم ص ۲۰۱ بحوالہ مقالہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری پھلواری تذکرہ ابوالحسن۔

۲- مقالات سجاد ص ۱۳۔

۳- حضرت مولانا عبدالوہاب بلاسپور دیو جھاٹ ضلع دربھنگہ میں ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں پیدا ہوئے، مڈل پاس کر کے تجارت میں لگ گئے، ایک رات خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، اس کے بعد دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ مدرسہ عربیہ میں داخلہ لیا، پھر ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۳ء) میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۳ء) میں حضرت شیخ الہندؒ کے پاس دورہ حدیث پڑھا، حضرت شیخ الہندؒ کے خادم خاص رہے، ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں تشکیل فنون کا نصاب مکمل کیا، اور امتیازی ثمرات سے کامیاب ہوئے، روحانی تعلیم حضرت مولانا سید شاہ محمد علی موٹگری سے حاصل کی۔

دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۶ء) میں مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں مدرس ہوئے، پھر جلد ہی شیخ الحدیث اور مہتمم کے عہدے پر فائز ہوئے، درس و تدریس میں مشغول رہے، قرآن و حدیث سے خصوصی شغف تھا، بکثرت علماء نے آپ سے دورہ حدیث پڑھا، تحریک آزادی میں بھی پیش پیش رہے، کئی بار جیل گئے، عطا و خطابت میں شہرت رکھتے تھے، جون ۱۹۳۸ء مطابق رجب المرجب ۱۳۶۷ھ میں وفات پائی، اور علی دنیا ایک گنجینہ عم سے محروم ہو گئی، (مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند ص ۶۶، ۶۷ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتی محی بحوالہ مکتبہ الیاسی ص ۹۰ مرتبہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی)

صدیق صاحب اور مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کو دیا گیا تھا۔

چنانچہ ان حضرات نے درج ذیل نو اصحاب علم کے ناموں کی سفارش کی اور حضرت امیر شریعت نے بحیثیت ارکان شوریٰ ان کو منظوری عنایت فرمائی:

☆ حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواریؒ (جو بعد میں امیر شریعت ثانی ہوئے)

☆ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب (درجہ نگار)

☆ حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ

☆ حضرت مولانا شاہ محمد نور الحسن پھلواریؒ

☆ حضرت مولانا عبدالاحد صاحب^۲

☆ حضرت مولانا فرخند علی سہسراہیؒ

☆ حضرت مولانا کفایت حسین صاحبؒ

☆ حضرت مولانا زین العابدین صاحب (ڈھاکہ، چمپارن)

۱۔ حضرت مولانا نور الحسن پھلواری بن مولانا حکیم محمد محمد بن محی الدین ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء میں پھلواری شریف میں پیدا ہوئے، تعلیم پھلواری شریف میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب سے حاصل کی، روحانی تعلیم اور اجازت و خلافت سلسلہ منسوبہ کے مشہور بزرگ مولانا وحید الحق سے حاصل ہوئی، جید عالم دین اور فقیہ تھے، امارت شریعہ کے پہلے قاضی تھے، قضا کی خدا داد صلاحیت حاصل تھی، بہت سے عہدہ آپ سے کار قضا کی تربیت حاصل کی، ۳ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۵۶ء کو آپ کی وفات ہوئی، پھلواری شریف میں مدفون ہیں۔ (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۵۰۵ مؤلف مولانا ابوالکلام شمس قاسمی)

۲۔ ۱۴ مئی ۱۳۶۶ء کو وفات پائی، ”جالہ“ آپ کا مولد و دفن ہے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اس کے بعد عربی تعلیم کے لئے مدرسہ اسلامیہ درجہ نگار میں داخل ہوئے پھر مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں تعلیم حاصل کی، اور اسی زمانے میں حضرت مولانا نصیر الدین نصر (مظفر پوری) سے بھی خصوصی استفادہ کیا تھا، اس کے بعد حضرت نصرؒ کی ہدایت کے مطابق آپ کانپور تشریف لے گئے، پھر آپ ہی کے ایما پر کانپور سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے،

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی، دوسرے سال کرفنون کی تکمیل کی، ڈیڑھ سال حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں رہے، کچھ دنوں حضرت تھانویؒ کی صحبت میں بھی رہ کر استفادہ کیا، طب آپ نے مولانا حکیم محمد حسن صاحب سے پڑھی اور اسی کو ذریعہ معاش بنایا، مدرسہ احمدیہ مدینہ منورہ میں (جو اس وقت علاقہ کا ممتاز مدرسہ تھا) میں آپ شیخ الحدیث تھے، کچھ دنوں آپ نے کلکتہ میں بھی تعلیمی خدمات انجام دیں، وہاں آپ کو مولانا ابوالکلام آزاد کی رفاقت حاصل ہوئی، امارت شریعہ بہار کے اولین معماروں میں ہیں، علم غیب اور بشریت رسول وغیرہ کے موضوعات پر آپ کے بعض غیر منسلک رسائل بھی قلم افسوس کہ وہ محفوظ نہ رہ سکے (حیات مجاہد مرتبہ مولانا خالد سیف التدرج ج ۱ ص ۲۹ تا ۳۱ طبع ۲۰۰۲ء، ۲۰۰۳ء، حیدر آباد) مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند ج ۲ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفر اندین مفتی دارالعلوم دیوبند ناشر دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء)

☆ حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب (دیورہ) اجمن کو بعد میں مجلس شوریٰ نے پہلا ناظم امارت شریعہ مقرر کیا۔^۲

خانقاہ رحمانی مونگیر کی طرف سے اپنے متوسلین کو ہدایات

انتخاب امیر شریعت کا اجلاس انتہائی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، تمام ہی معتبر اداروں اور موقر علماء و مشائخ نے اس پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا، اور اپنے اپنے حلقے کو امیر شریعت کی اطاعت کی تلقین کی، اس موقع پر حضرت مولانا شاہ محمد علی مونگیری (خانقاہ رحمانی) کی طرف سے جو ہدایت نامہ جاری ہوا اس کا یہ حصہ بے حد اہم اور تاریخی ہے:

”امارت شریعہ کا خاص مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ سے آگاہ کریں، اور اسلام کی عملی زندگی میں روح پھونکیں اس لئے میری دلی خواہش ہے کہ تمام مسلمان خصوصاً ہمارے متوسلین امارت شریعہ کے مقاصد کی تکمیل میں مستعدی سے حصہ لیں، اور اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

اخیر میں یہ فقیر اپنے خاص مجتہدین سے اتنا اور کہتا ہے کہ اس وقت جو امیر شریعت ہیں، انہوں نے میرے کہنے سے اس امارت کو قبول کیا ہے، اب تمام مجتہدین سے یہ اصرار منت کہتا ہوں، کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں، بلکہ اسلام میں اتفاق کی بنیاد قائم کریں، تاکہ صوبہ بہار کا اتفاق تمام ہندوستان کے لئے نظیر ہو جائے، اور اس نازک وقت میں سب مل کر پوری سعی اور توجہ کے ساتھ مخالفین اسلام آریہ وغیرہ جو اسلام کے مٹانے میں نہایت سرگرم ہیں، پوری مستعدی کے ساتھ تحریری اور تقریری ہر ممکن صورت سے ان کا مقابلہ کریں۔“^۳

۱- حضرت مولانا سید عثمان نئی صاحب کا تعلق اسام دیورہ ضلع علی کے خٹواؤں و سادات سے ہے۔ رجب ۱۳۱۳ھ مطابق جنوری ۱۸۹۶ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، اس کے بعد درہن علوم دیوبند تشریف لے گئے، اور فراغت حاصل کی، قیام دیوبند کے زمانہ ہی سے حضرت شیخ الہند اور مولانا عبید اللہ صدیقی و مولانا مدنی کی تحریری سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے تھے، وطن آنے تو حضرت مولانا سید کی سرپرستی میں ان کا یہ جوہر کھل کر سامنے آیا، امارت شریعہ قائم ہوئی تو اس سے وابستہ ہو گئے، اور تا دم آخر اس امارت شریعہ کے لئے وقف رہے، امارت شریعہ کے پہلے باقاعدہ ناظم اور پہلے باقاعدہ مفتی ہوئے، جریدہ امارت کی ترتیب بھی آپ سے متعلق رہی، اپنے ہم وطن مشہور بزرگ حضرت شاہ محمد اسمین عثمانی دیورہ کی سے بیعت تھے، ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۷ء کو پٹنہ میں انتقال فرمایا اور خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (مزید حقائق کے لئے دیکھئے قادی امارت شریعہ اور ’نوٹے ہونے‘ ہارنے ’از شاہ محمد عثمانی‘)

۲- دیات سجاد ص ۱۳۵ مضمون مورخان عثمانی نئی۔

۳- تاریخ امارت ص ۸۶۔

دفتر امارت شرعیہ کا قیام

۹ رذی قعدہ ۱۳۳۹ھ (۱۵ جولائی ۱۹۲۱ء) خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے احاطہ میں دفتر امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، اور حضرت مولانا سجاد کی تحریک پر مجلس شوری نے مولانا محمد عثمان غنی کو پہلا ناظم امارت شرعیہ مقرر کیا۔

جمعیت علماء بہار نے کچھ ماہ قبل اپنی ایک تجویز کے ذریعہ بیت المال اور دارالقضاء قائم کیا تھا قیام امارت کے بعد مجلس شوری نے بیت المال اور دارالقضاء کو حضرت امیر شریعت کی نگرانی میں لے لیا، حضرت مولانا شاہ محمد نور الحسن پھلواری کو امارت شرعیہ کا پہلا ناظم بیت المال اور قاضی شریعت مقرر کیا گیا۔

دفتر امارت شرعیہ اور بیت المال کے قیام کے بعد محررین، مبلغین، عمال اور محتسب مقرر کئے گئے۔^۱

حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ بدر الدین پھلواری کا زمانہ امارت گو بہت مختصر (دو سال چار ماہ) رہا اور ۱۶ صفر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو آپ کا انتقال ہو گیا، لیکن یہ زمانہ امارت کے تعارف و استحکام کے حق میں بہت بابرکت ثابت ہوا، حضرت مولانا سجاد نے امیر شریعت کی طرف سے پورے صوبہ کا دورہ فرمایا، اور تمام مسلمانوں سے نیابت بیعت لی۔

حضرت امیر شریعت اول کا پہلا فرمان

حضرت امیر شریعت اول نے انتخاب کے بعد درج ذیل پہلا فرمان جاری کیا:

”خدا کا شکر ہے کہ صوبہ بہار وادیس کے علماء و مشائخ امارت شرعیہ جیسے اہم مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہو گئے اور محمد اللہ نہایت جوش و عزم راسخ کے ساتھ نکلنے و غلبے اس امر کو متفقہ طور پر انجام دیا اور تمام ہندستان کے لئے ایک مہتمم بالشان نظیر قائم کر دی۔ مگر اس امارت کا بار گراں مجھ ضیعت و ناتواں کے کاندھے پر ڈالا گیا جس کے لئے میں تیار نہ تھا لیکن اب جب کہ حضرات علماء و مشائخ نے اس اہم منصب کے لئے متفقہ طور پر مجھ کو منتخب کیا ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کر لی اور نیز عوام کی ایک کثیر جماعت نے بھی بیعت کر لی تو اب میں نہایت عزم و استقلال کے ساتھ اس اہم منصب کے فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنے دل میں

خاص جوش پاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق پر اعتماد کر کے ہر طرح تیار ہوں لہذا آج میں عام اعلان کرتا ہوں۔ تمام خاص و عام کو متنبہ ہونا چاہیے کہ اس دور پر فتن اور شورش کے زمانہ میں سب سے بڑی سعادت جو تم کو ملی ہے وہ یہی قیام امارت شریعہ ہے اگر تم نے اس کی قدر کی اور اس کی منزلت کو پہچانا اور اپنے عہد و میثاق پر قائم رہے تو پھر انشاء اللہ تمام مناسبات و فائزات کی طرح اڑ جائیں گے۔ صرف ایمان، خوف خدا اور حزم و احتیاط کے ساتھ استقلال کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس امارت کا مقصد کیا ہے، خدمت و حفاظت، بقائے عہد و ناموس دین، اجرائے احکام شریعہ جو بجز اجتماعی قوت کے ممکن نہیں ہے، اور اسی لئے مقاصد و مصالح شریعہ کو پیش نظر رکھ کر میں اسی نوع کے احکام جاری کروں گا جس سے حیات اجتماعی کو تعلق ہو اور وہ ایسے احکام ہوں گے جو مسلمانوں کی کسی جماعت کے خلاف نہ ہوں، ہمارا فرض ہو گا کہ کسی مسلمان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے، چونکہ یہ بیعت ہر شخص کے لئے نہایت ضروری ہے اس لئے قریب کے لوگوں کو یہاں آ کر بیعت کر لینی چاہئے اور دوسرے اضلاع کے لئے میں اپنے نائب کو ایک وفد کے ساتھ بیعت لینے اور تشریح احکام کے لئے عنقریب روانہ کروں گا۔

محمد بدر الدین ۲۰ رثوال المکرم ۱۳۳۹ھ^۱

مولانا عبدالحکیم اوگانوئی تحریر فرماتے ہیں:

”اس کے بعد بہار کے مختلف شہروں میں مولانا سید شاہ ولی الدین اور مولانا مرحوم کی سرکردگی میں امارت کا وفد گشت لگا تار ہوا اور مسلمانوں سے شرعی اور اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد و پیمان اور قول و قرار لیتا ہوا اور دیکھا گیا کہ مسلمانوں نے پوری عقیدت اور خلوص کے ساتھ وفد کا خیر مقدم کیا، اور اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلایا۔“^۲

حضرت امیر شریعت اول کی آخری ہدایت

حضرت امیر شریعت اول نے اپنی وفات سے قبل اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ قمر الدین پھلواروئی کے ہاتھ سے درج ذیل تحریر املا کرائی جس کو ہم ملت کے نام حضرت کی وصیت کہہ سکتے ہیں:

۱- مجموعہ فرامین حصہ اول۔ حضرت امیر شریعت صوبہ بہار و اتر پردیش مدظلہ العالی۔ مرتبہ مولانا ابوالعباس صاحب انجی زکیانی ناظر دارالامارت شرعیہ صوبہ بہار و اتر پردیش، مطبوعہ دفتر امارت شریعہ پھلواروئی شریف۔ ۱۳۰۴ھ۔ امارت شریعہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۸۱ مؤلف حضرت مفتی محمد ظفر الدین مدنی تھی۔

۲- محسن چاندی ص ۸۔

”شمارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم لوگوں کو جو صورت تنظیم تعلیم فرمائی ہے اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی، وہ یہ کہ ہر موقعہ انتظام میں زمام نظم کسی ایک شخص کے اختیار میں دے دیا جائے، اور سب لوگ اس کی امانت کریں، حدیث شریف میں ہے: اذا خرج ثلثۃ فی سفر فلیؤمروا احدهم (تین شخص بھی اگر سفر میں نکلیں تو چاہئے کہ وہ لوگ ایک شخص کو امیر بنالیں) جامع صغیر بر حسن بحوالہ ابن ماجہ۔“

مسئلہ انتخاب امیر شریعت (ثانی)

حضرت امیر شریعت اول کے وصال کے بعد کسی ممکنہ اندیشہ سے بچنے کے لئے بلا تاخیر ’مسئلہ انتخاب امیر شریعت‘ کے عنوان سے حضرت مولانا سجادؒ نے ایک پمفلٹ شائع فرمایا، جس کا مضمون یہ تھا:

”حضرت مولانا سید شاہ حاجی محمد بدر الدین صاحب امیر شریعت قدس سرہ العزیز کی وفات سے جہاں اور قسم کی پریشانیاں مسلمانوں کو لاحق ہوئی ہیں۔ وہاں بہت سے مسلمانوں کو تشویش ہوئی، اور فکر مند ہو گئے کہ اب امارت شرعیہ کے متعلق کیا ہوگا، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ امارت کا وجود نہ کوئی مخفی سیاسی چیز ہے، اور نہ وقتی شے، بلکہ یہ خالص مذہبی اصول و شرعی حکم کے ماتحت مسلمانوں کی حیات و زندگی کے لئے لازمی چیز ہے، اور تمام اہل علم و اشراہ باب عل و عقدہ نے مناسب غور و خوض کے بعد اس چیز کی بنا ڈالی، اور ہندوستان کے ہر صوبہ کے لئے ایک بہترین نمود پیش کیا۔

اگرچہ ابھی وہ تمام مقاصد جو پیش نظر ہیں اور منتہائے امور جو امارت کے ماتحت انجام پانا چاہئے اور مسلمانوں کو جس طرح پر قرون اولیٰ کی طرح متحد ہو کر ایک طاقتور ہستی بن جانا چاہئے، ابھی تک یہ سب نہیں ہوا، اور شاید ابھی ایک مدت تک انتظار کرنا ہوگا۔

اس وقت مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ عام مسلمانوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ جن مقاصد کے لحاظ سے امارت شرعیہ قائم ہوئی ہے، اس کی تکمیل کے لئے امارت شرعیہ ان شاء اللہ برابر قائم رہے گی، اس کے قیام و بقا کی حیثیت سے کوئی تشویش کی وجہ نہیں۔

ہاں ایک مسئلہ جدید انتخاب کا ہے اس کے لئے ایک تاریخ معین ہوگی، تمام ارباب عل و عقدہ کو دعوت دی جائے گی، اور بہت جلد نہایت آزادی کے ساتھ انتخاب عمل میں آئے گا،

چنانچہ تاریخ انتخاب معین کرنے کے پہلے جمعیت علماء بہار کے ارکان منظمہ و دیگر معزز علماء دارالان شوری امارت کو ۱۹ صفر ۱۳۴۳ھ کو طلب کیا گیا ہے جو تاریخ اجلاس جمعیت علماء بہار و طریق انتخاب امیر شریعت باہمی مشورہ سے طے کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ دو ہفتہ کے اندر انتخاب عمل میں آئے گا۔ لیکن اس سے پہلے امارت کا کام جس طرح تھا یہ ستور جاری رہے گا۔ اور جتنے عہدہ دار دارالان تھے وہ سب کے سب بدستور رہیں گے۔ اور نائب نیابت تمام خدمات کو انجام دیتا رہے گا۔ یہی مسئلہ شرعی ہے اور یہی اصول ہے۔

خدا کی ذات سے امید ہے کہ علماء بہار و علماء بہار کو اللہ پاک نے جس طرح پہلے توفیق دی تھی، کہ تمام نفسانیت و خود رانی و خود پرندی چھوڑ کر دین تویم کے اصول و احیاء کے لئے ایک ذات پر متفق ہو کر بیعت الطاعت کر لی تھی، اب بھی ایسا ہی کریں گے، اور بھولے ہوئے بہن کو یاد کرنے کے بعد اب کبھی نہ بھولیں گے، اور اصل مقصد پر نگاہ کر کے جس طرح تمام اختلافات سے غلط ہو کر ایک شخص کو اپنا امیر بنایا تھا وہ ایسا اب بھی کریں گے۔^۱

جمعیت علماء بہار کی مجلس منظمہ کا اجلاس

۱۹ صفر ۱۳۴۳ھ (۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء) بروز جمعہ بوقت ۳ بجے دن حضرت مولانا قاضی سید نور الحسن صاحب کے مکان پر جمعیت علماء بہار کی مجلس منظمہ کا مشترکہ اجلاس انتخاب امیر کے مسئلہ پر غور و خوض کے لئے منعقد ہوا، جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی:

- ☆ مولانا محمد یوسف صاحب رمضان پور
- ☆ مولانا عبدالشکور صاحب بہار شریف
- ☆ مولانا سید شاہ محمد اسماعیل صاحب
- ☆ مولانا ابوالخیرات صاحب سیوان
- ☆ مولانا ریاض احمد صاحب بتیا
- ☆ مولانا خیر الدین صاحب گیا
- ☆ مولانا عبداللطیف صاحب گیا
- ☆ مولانا محمد طہ صاحب بہار شریف
- ☆ مولانا عبدالکریم صاحب گیا

- ☆ مولانا عبدالکیم صاحب گیا
- ☆ مولانا عبدالحمید صاحب درہنگہ
- ☆ مولانا عبدالعزیز صاحب درہنگہ
- ☆ مولانا عبدالوہاب صاحب درہنگہ
- ☆ مولانا محمد یسین صاحب آ رہ
- ☆ مولانا سید شاہ نور الحسن صاحب قاضی پھواری شریف
- ☆ مولانا سید محمد اسحاق صاحب نبیرہ حضرت مولانا سید محمد علی صاحب مونگیر
- ☆ مولانا فرخند علی صاحب سہرام
- ☆ مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت
- ☆ مولانا محمد عثمان غنی صاحب ناظم امارت شریعہ
- ☆ مولانا مقبول احمد صاحب درہنگہ
- ☆ مولانا دیانت حسین صاحب درہنگہ
- ☆ مولانا قمر الدین صاحب درہنگہ
- ☆ مولانا عبدالغفور صاحب آ رہ
- ☆ قاضی احمد حسین صاحب گیا
- ☆ مولانا حسن آرزو صاحب پھلواری شریف
- ☆ مولانا عبدالہادی صاحب پھلواری شریف
- ☆ مولانا عبید اللہ صاحب مجھڑ شریف گیا
- ☆ مولانا عبدالصمد رضانی صاحب مونگیر
- ☆ مولانا احمد اللہ صاحب گیا
- ☆ مولانا سید محمد صاحب گیا

اس اجلاس میں علاوہ دوسری تجویزوں کے حضرت امیر شریعت اول کی وفات کے لئے تجویز تقریر منظور کی گئی، اور انتخاب امیر کے لئے ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (۷، ۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء) کی تاریخ بمقام پھلواری شریف طے کی گئی، جس میں اراکین جمعیۃ علماء بہار کے علاوہ دیگر اہل الرائے کو بھی مدعو کیا جانا منظور ہوا، اور اجلاس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیری

کا اسم گرامی تجویز کیا گیا، مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مولانا قمر الدین پھلواریؒ مقرر ہوئے، مجلس استقبالیہ نے فوراً تمام علماء کرام و اعیان بہار کے نام دعوتی خطوط روانہ کئے، اخبارات میں بھی اعلانات شائع کرائے گئے، حضرت مولانا سجاد کا پمفلٹ مسئلہ انتخاب امیر شریعت کی دوبارہ اشاعت کی گئی، اور بالآخر سب تجویز مجلس منتظمہ جمعیت علماء بہار ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۷، ۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو پھلواری شریف میں امیر شریعت ثانی کے انتخاب کے لئے عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیری (خانقاہ رحمانی) نے منظور فرمائی تھی، لیکن آپ علالت کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے اور آپ کی جگہ پر آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ لطف اللہ نے مسند صدارت کو زینت بخشی، تلاوت و نعت کے بعد مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین پھلواریؒ نے انتہائی قیمتی خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا، جو بہت قیمتی معلومات پر مشتمل تھا، اور بے حد پسند کیا گیا، پھر صدر اجلاس حضرت مولانا سید شاہ لطف اللہ صاحب نے حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ کا خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا، جس میں انتہائی مدلل اور علمی انداز میں مسئلہ امارت پر تفصیلی بحث کی گئی تھی، اس سے پہلے اس مسئلہ پر اتنی مفصل علمی تحریر نہیں آئی تھی۔

اس کے بعد حضرت مولانا سجاد نے ملک سے آئے ہوئے مختلف پیغامات کی خواندگی فرمائی، مثلاً حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی (اس وقت کے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیت علماء ہند وغیرہ، اس اجلاس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بھی تشریف لانے والے تھے، لیکن ریلوے لائن کے خراب ہو جانے کی

۱۔ حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین قادریؒ حضرت مولانا شاہ بدر الدین قادری پھلواریؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے، آپ کی ولادت ۳/ ۳/ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۸/ ۴/ ۱۸۹۵ء میں ہوئی، ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا شاہ محمد الدین سے پڑھیں، پھر چند سال تک مولانا عبدالعزیز انجمنی سے متون طاعت تک کی کتابیں پڑھیں، اثنائے تعلیم مولانا ٹھکری کا انتقال ہو گیا، تو مدرسہ حمید یہ تاحات میں داخل ہوئے، اور وہاں مولانا عبدالحمید ساکن راجو ضلع درہنگہ، اور مولانا مقبول احمد خان صاحب ساکن گورڈ ضلع درہنگہ سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں درسیات کی تحفہ کی فراغت کے بعد ایک بڑے اجلاس میں دستار بندی ہوئی جس میں مدرسہ حمید یہ اور خانقاہ جمیہ کے کار علماء شریک ہوئے، تعلیم باطنی اور اجازت و خلافت اپنے والد ماجد سے حاصل کی، و حج کئے اور شیوخ حرمین سے سند حدیث و اجازت حاصل کی، مدینہ منورہ میں سید عبداللہ بن محمد غازی سے قصیدہ بردہ کی اجازت بھی ۲/ ۳/ ۱۳۵۳ھ (۸/ ۸/ ۱۹۳۵ء) کو حاصل ہوئی، تحصیل علم کے بعد کچھ دنوں درس و تدریس میں مشغول رہے، پھر تصوف میں مشغول ہو گئے، تصوف اور دیگر موضوعات پر کئی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں، ۶، ۷/ ۷/ ۱۳۶۶ھ ۲۶، ۲۷/ ۶/ ۱۹۴۷ء کو اپنے بڑے بھائی کے انتقال کے بعد باطلاق رائے امیر شریعت ثالث منتخب ہوئے، آپ کی وفات ۳۰/ ۳/ ۱۳۷۶ھ ۱۳/ ۳/ ۱۹۵۷ء کو شب جمعہ میں ہوئی، خانقاہ جمیہ کے قبرستان میں مدفون ہیں (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴ بعض تاریخی املاحات کے ساتھ)

وجہ سے شریک نہ ہو سکے، اس کی اطلاع بھی مجمع کو حضرت مولانا سجاد صاحب نے دی، جو تارکی صورت میں دیوبند سے آیا تھا۔

اس کے بعد انتخاب امیر کا عمل شروع ہو گیا اور کافی دیر تک بحث و تمحیص کے بعد امیر شریعت ثانی کی حیثیت سے باتفاق رائے حضرت مولانا سید شاہ محی الدین پھلواروی کا انتخاب عمل میں آیا اور حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد بدستور نائب امیر شریعت کے منصب پر فائز رہے۔

دوسرے دن (۹ ربیع الاول) کو اربعے دن میں اندرون خانقاہ مجیبہ ایک اجلاس عام

۱۔ حضرت مولانا شامی الدین صاحب قادری ۳۰ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ (۱۵ دسمبر ۱۸۷۹ء) کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید شاہ پیر الدین قادری پھلواروی سے اور فارسی مولوی محمد کامل پھلواروی سے حاصل کی، بقیہ درسیات مولانا شاہ مجید الحق پھلواروی اور مولانا محمد عبداللہ نقشبندی رامپوری سے پڑھیں مولانا عبداللہ رامپوری مولانا شاہ حسین صاحب مجددی رامپوری کے ارشد تلامذہ میں تھے، سند فراغ مولانا عبدالرحمن صاحب ناصری (تلمیذ ارشد مولانا عبدالعزیز امرہوی) سے حاصل کی، ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ (۹ جولائی ۱۹۰۰ء) کو بعد نماز ظہر خانقاہ مجیبہ پھلواروی شریف میں ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں آپ کی دستار بندی ہوئی، اس جلسہ میں مولانا عبداللہ رامپوری، مولانا نصیر الدین امجد آبادی، مولانا عبدالوہاب الد آبادی، مولانا عبدالحمید عظیم آبادی، مولانا شاہ حضرت اللہ پھلواروی، اور مولانا شاہ سلیمان پھلواروی مجیبی مقتدر شخصیات نے شرکت کی، بعض شیوخ حرمین سے بھی آپ کی اجازت حدیث حاصل ہوئی، شیخ احمد کی سے مسلمات کی اجازت ملی، بیعت اپنے والد محترم سے ہوئے، اور ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں اجازت و خلافت سے شرف ہوئے، فراغت کے بعد عرصہ تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا، آپ کے تلامذہ میں مولانا شاہ عباس پھلواروی، مولانا ابو البرکات صاحب مینلی پوری، مولانا شاہ قمر الدین صاحب پھلواروی، مولانا شاہ نظام الدین صاحب پھلواروی، مولانا شاہ عزیز صاحب فریدی پھلواروی، مولانا شاہ وارث احمد صاحب مجیبی پھلواروی، اور علامہ سید سلیمان مدنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دینی دلی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہے، صوبہ بہار کی خلافت کھیتی کے آپ صدر تھے، آراء خلافت کا نفرین کی آپ نے صدارت فرمائی، اس موقع پر آپ نے بڑی موثر اور پر جوش صدارتی تقریر فرمائی، اس کے بعد ہی آپ کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا، اور دوسرے مواقع پر بھی تقریر کرنے کے جرم میں وارنٹ جاری ہوئے لیکن اس کی تعمیل بھی نہیں ہوئی۔

جمعیۃ علماء ہند کی تحریک میں بھی شامل رہے، جمعیۃ کے دوسرے اجلاس عام (۱۹۲۰ء) دہلی میں شرکت کی، جمعیۃ علماء بہار کے سالانہ اجلاس درجنگ کی صدارت فرمائی، اور نہایت دلچسپی و عالمانہ خطبہ پڑھا۔ اپنے والد کے بعد ۱۹ صفر المعظم ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء بروز جمعہ خانقاہ مجیبہ کے صاحب سجادہ قرار پائے، اور ۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء) وائیک عظیم الشان اجلاس میں بالاتفاق امیر شریعت بہار و ازیں منتخب ہوئے، جس میں تقریباً چار ہزار علماء، صوفیاء اور دانشوران شریک ہوئے، ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ (۲۶ فروری ۱۹۲۶ء) کو عبادت حج سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ ملک کے ممتاز عالم دین تھے، علوم، تفسیر و فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، فقہ کی جزئیات پر بڑی گہری نگاہ تھی، عربی ادب میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے تھے، آپ کے یادگار جہاد خطبے، کچھ عربی خطوط اور عربی تصدیقے ہیں، (جس کی تفصیل اعیان وطن میں موجود ہے) آپ کی کوئی مستقل تصنیف تو موجود نہیں ہے، لیکن مختلف مواقع پر جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس سے زور و تحریر اور آپ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت سید احمد بن ادریس اویسی شافعی کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ (۲۴ صفحات) ہے، جو کتاب "تلمذ ثنائیہ" اور "دستاویز" کے آخر میں شائع ہو چکا ہے، شعر و شاعری کا بھی نہیں ذوق رکھتے تھے، آپ کے عہد میں امارت شریعہ نے بہت زیادہ ترقی کی، آپ ہی کے عہد میں امارت شریعہ نے سیاسی پارٹی قائم کی، ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ (۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء) مدینہ طہات پائی، (ماخوذ از: اعیان وطن) آثار امارت پھلواروی شریف) ص ۱۰۱ تا ۹۸، مولانا: حضرت مولانا حکیم سید شاہ شعیب نیر پھلواروی، شائع کردہ: دارالاشاعت خانقاہ مجیبہ پھلواروی شریف، پتہ: تاریخ اطباء بہار ص ۲ ص ۲۰۲ تا ۱۹۳، مولانا حکیم ابراہیم دارالامارت شریعہ دینی جہاد جہاد کرشن باب ص ۹۵، ۹۴، حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی، محکم الملک والدین، مولانا حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری)۔

منعقد ہوا، جس میں سب سے پہلے حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے یہ اعلان فرمایا کہ:

”کل کی مجلس جس کو انتخاب امیر شریعت کا حق دیا گیا تھا اس نے مولانا شاہ محمد فی الدین صاحب کو با اتفاق امیر شریعت منتخب کیا۔ اور اطاعت فی المعروف کا عہد واثق کیا۔“

اس اعلان کو سن کر جملہ حاضرین کے چہروں پر بشت پھیل گئی، اس اجلاس میں قریب چار ہزار آدمی شریک تھے، اخیر میں نو منتخب امیر شریعت نے انتہائی پرسوز اور پر اثر خطاب فرمایا اور حاضرین سے جمع و طاعت کا عہد لیا۔

اس اجلاس میں سبحان البند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا حافظ عبدالعلیم صدیقی بھی شریک ہوئے۔ اجلاس میں ان دونوں بزرگوں کی بھی پر جوش اور موثر تقریریں ہوئیں، پھر دعا پر جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔^۱

حضرت امیر شریعت ثانی کے عہد میں امارت شرعیہ کی توسیع و ترقی

حضرت امیر شریعت ثانی کا زمانہ امارت کافی طویل (۳۳ سال سے زائد) رہا، اور اس دوران امارت کو کافی وسعت و ترقی حاصل ہوئی، حضرت مولانا سجاد کو بھی آپ کے ساتھ کام کرنے کی طویل مدت میسر ہوئی، آپ کے زمانہ امارت میں حضرت مولانا تقریباً ۱۵، ۱۶ سال باحیات رہے، اور امارت شرعیہ کو با معروج تک پہنچا دیا۔

امارت شرعیہ کی پالیسی کا اعلان

حضرت امیر شریعت ثانی کے زمانے میں امارت شرعیہ کی آواز بہار کے گاؤں گاؤں تک پہنچانے کے لئے قاضی احمد حسین صاحب کی تحریک اور حضرت مولانا سجاد کی تائید سے دستخطی مہم شروع کی گئی، جس میں امارت شرعیہ کی تائید میں ایک تفصیلی مضمون مرتب کر کے اس پر مختلف مسامک و مشرب کے بیالیس ممتاز علماء سے دستخط کرائے گئے، اور مختصر رسالہ (۱۶ صفحات) کی شکل میں اس کو بڑے پیمانے پر شائع کیا گیا، اس سے امارت شرعیہ کے تعارف اور اس کے نظام کی توسیع و اشاعت میں کافی مدد ملی، اور عوام و خواص کا اعتماد مضبوط ہوا۔^۲

اس رسالہ کا ایک اقتباس (جس سے امارت شرعیہ کی پالیسی ظاہر ہوتی ہے) ملاحظہ فرمائیں:

۱- تاریخ امارت ص ۱۰۱۲-۱۰۱۳

۲- حسن حیات ص ۳۱۶-۳۱۷ یہ پورا مضمون اور علماء کرام کے امضاء پر اس کتاب میں موجود ہیں۔

”ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ یہ امر نہایت قابل افسوس ہے کہ بعض حضرات تو ابتدائی سے اس معاملہ میں متردد رہے مگر یہ امر چنداں قابل تعجب نہیں ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ ایک عرصہ دراز کی متروک العمل شے کے دوبارہ اجراء میں اس قسم کا تھکیل ہونا کوئی مستبعد امر نہیں ہے لیکن اس سے زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ ”خیر نوگ“ امارت شرعیہ“ کو وہابیت کی نشر و اشاعت کا اور بعض حضرات بدعات کی ترویج کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن یہ دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں اور یہ غلطی امارت شرعیہ کے طریقہ کار سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہوئی ہے مختلف فیہ مسائل میں جن کی ضرورت اجتماعی زندگی اور اسلامی تمدن میں نہیں ہے۔ امیر شریعت بحیثیت امیر شریعت انھیں یا اثباتاً کوئی حکم جاری نہیں فرمائیں گے۔ ان مختلف فیہ مسائل میں ہر مسلمان آزاد ہے اپنی تحقیق یا اپنے امامت و شیوخ کی تحقیق کی بنا پر جس مسلک کو چاہے اختیار کرے۔ اس قسم کی آزادی جس طرح مامورین اور تمام مسلمانان بہار کے لئے ہے۔ اسی طرح خود امیر شریعت اور کارکنان امارت کے لئے بھی ہے۔“

نظارت امور شرعیہ

امیر شریعت ثانی ہی کے عہد میں حضرت مولانا محمد سجاد نے امارت شرعیہ کے استحکام و توسیع کی غرض سے مسودہ نظارت امور شرعیہ مرتب فرمایا جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا اسلام کے مکمل اجتماعی نظام کے قیام کی جدوجہد کو جہاں ضرورت سمجھتے تھے، وہاں دوسری طرف کم سے کم جو چیزیں ملتی ہو، اسے زیادہ سے زیادہ کی تمین میں چھوڑنے کو بھی تیار نہ تھے، مسودہ مذکورہ حضرت مولانا کے اس خط کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، جو مولانا نے استصواب رائے کے لئے ذمہ داران کے پاس بھیجا تھا:

دفتر امارت شرعیہ، صوبہ بہار، واڑیہ

پھلواڑی شریف پنشن ۲۵، برف ۱۳۵۷ھ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئلہ خط ملبومہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ یہ خط مختلف سویلوں کے مسلمان وزراء کے نام بھیجا چاہتا ہوں، اس مسودہ میں جس کی پیش کی ضرورت ہو کر کے بھیج دیں، تاکہ دوبارہ آپ کی رائے کی روشنی میں خط مرتب کر کے بھیج دوں۔ اس سلسلہ میں اور بھی مغیہ باتیں ذہن میں آئیں

تو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

میری آنکھ کی روشنی میں مرض کی وجہ سے کئی آگئی ہے، اس وجہ سے ایک حد تک خود لکھنے پڑھنے سے مجبور ہوں۔ والسلام

(مولانا) ابوالحسن محمد سجاد

(نائب امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ)

دفتر امارت شریعہ صوبہ بہار واڑیسہ

پھلواری شریف پٹنہ

مسودہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک ضروری امر کے لئے یہ عریضہ بھیج رہا ہوں امید ہے کہ آپ اس پر غامض توجہ فرمائیں گے۔

آپ کے علم میں ہے کہ ہندوستان میں علماء اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ یہاں کے نظام حکومت میں مسلمانوں کی تعلیم، تربیت، معاشرت، اور قوانین مذہبی کے تحفظ کے لئے ایک مخصوص ادارہ قائم کیا جائے، لیکن ان بار سوخ حضرات کی وجہ سے جن کی نظر میں اس کی اہمیت نہ تھی، یہ مطالبہ وہ قوت حاصل نہ کر سکا، جس کا یہ مستحق تھا، اور انگریزوں کی اس کھلی روش کے بعد جو انہوں نے سو برس کے عرصہ میں ہندوستان سے اسلامی تمدن کے مٹانے میں اختیار کی ہے، یہ توقع رکھنا کہ اس مطالبہ کو وہ آسانی سے قبول کر لیں گے، عبث تھا، لیکن اس مقصد کے حصول کی کوشش حتی الوسع ہملوگوں نے جاری رکھی ہے۔

اب جب کہ موجودہ اصلاحات کے نفاذ نے ہندوستان میں ناقص، لیکن قومی حکومت کی بنیاد رکھ دی ہے، اور بعض امور اب ایک حد تک نمائندگان جمہور کے ہاتھ میں آ گئے ہیں، ان مقاصد کے حصول کی ایک راہ نکل آئی ہے۔

مسلمانوں کا کم از کم مطالبہ یہ تھا، ایک با اختیار حاکم امور شریعہ کی انجام دہی کے لئے مقرر کیا جائے جو قاضی کا تقرر کرے اور مسلمانوں کے تمام امور مذہبی (جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو) کا نگران رہے، اور خصوصیت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کا محافظ ہو، اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے بہتر راہ تو یہ تھی کہ اعلان بنیادی حقوق —

(Fundamental Rights) کے سلسلہ میں ہندوستان کے نظام اساسی میں یہ چیزیں

موجود ہوتیں لیکن افسوس کہ یہ نہ ہو سکا۔

اب موجودہ حالات میں یہ مناسب ہے کہ نظام شرعی کا ایک ایسا خاکہ پیش کیا جائے، جو موجودہ اصلاحات کے ذریعہ آسانی پل سکے، اس سے اصلی مطالبہ تو پورا نہ ہوگا لیکن یہ ہوگا کہ ایک ناقص نقش تیار ہو جائے گا، اور کسی حد تک مسلمانوں کی بعض شکایات و مشکلات کا کچھ ازالہ ہو جائے گا۔ اسکی یہ ہے:

۱- ہر حکومت میں 'ناظر امور اسلامیہ' کا ایک عہدہ رکھا جائے (جو مختلف محکموں کے ڈائریکٹر کے مثل ایک عہدہ ہو اور یہ عہدہ دار کسی مسلمان وزیر کے ماتحت ہو) اور اس کے متعلق حسب ذیل امور ہوں:

(الف) مسلم اوقاف

(ب) تقرر قضاۃ یا تفویض اختیارات قاضی، یا جیوری کے تعین میں مشورہ دینا۔

(ج) ہندوستانی بین الاقوامی معاملات کے متعلق اسلامی بین الاقوامی اصول کے ماتحت حکومت کو مشورہ دینا (اس کی رائے کا ان معاملات میں ایکپیرٹ (ماہر) کی رائے کی حیثیت سے لحاظ رکھا جائے۔

(د) تعلیم کے ہر صیغہ اور درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم یا نگرانی (جیسی صورت حال اور ضرورت ہو) اس کے تحت ہو۔

(و) مسلمانوں کے پرنسپل لاء کے متعلق قانون سازی کی نگرانی اور اس کے متعلق اگر کوئی غلطی ہو رہی ہو یا کسی ذریعہ سے ہو گئی ہو تو حکومت کو اصلاح کا مشورہ دینا۔

(۲) 'ناظر امور اسلامیہ' کے ساتھ ایک مختصر مجلس مشورہ لائق مسلمانوں کی ہو۔

(۳) تمام تقرریاں اور انتخاب موقت ہوں۔

(۴- الف) متذکرہ محکمہ کے ساتھ ساتھ حکومت ایک قانون "فتح نکاح، طلاق و تفریق" وضع و ضمیرہ کے نئے اسلامی اصول کے ماتحت پاس کرائے، جس سے وہ مشکلات دور ہو جائیں، جو موجودہ عہد میں شرعاً قاضی مجتہد کے فقہان سے لاحق ہیں اور ہوں گی۔

(ب) تقرر قاضی کے لئے فی الحال یہ صورت اختیار کی جائے کہ مسلمان منصف اور جج کے تقرر کے معیار میں اس کا لحاظ رکھا جائے، کہ فقہ اسلامی کی براہ راست معلومات ان کو ہوں، یا اقل درجہ اس خاص صنف میں ہندوستانی (اردو) میں ضروری تالیفات مہیا کر دی جائیں، (اور اس کا ڈیپارٹمنٹل امتحان بھی لے لیا جائے) اور تفویض اختیارات کے وقت ہائی کورٹ یا جوڈیشل محکمہ جس کے بھی حدود ہوں، ان ہی حکام کو نکاح،

طلاق اور تفریق وغیرہ کے مقدمات کی سماعت کے اختیارات دیئے جائیں۔

(ج) ان مقدمات کی سماعت کا ضابطہ اسلامی آداب قضا کے مطابق اردو میں تیار کر دیا جائے،

اس طرح تقرقضا کا مسئلہ بغیر کسی مزید مالی بار کے کسی حد تک حل ہو جائے گا۔

ناظر امور اسلامیہ مسلم اوقات کے ساتھ دوسرے امور حکومت انجام دے گا، تو کوئی مزید مالی بار بھی حکومت پر ایسا نہ پڑے گا، جو غیر معمولی ہو۔

ایک اور ضروری امر مسلمانوں کی فوری توجہ کا محتاج ہے، یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تمام تہذیب و تمدن اور معاشرت کی بنیاد سب پر ہے، اب تک انگریزوں نے مسلمانوں کے تمدن کو مٹانے کے لئے طرح طرح کے نظریے پیدا کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ”حکومت مذہبی تعلیم کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی“ اب جب کہ نئی اصلاحات نے صوبوں میں قومی حکومت کی ایک شکل پیدا کر دی ہے، یہ حکومتیں جیسی کچھ بھی ہوں، بہر حال قومی حکومت ہیں، تو ان کو مسلمانوں کے اس جائز و اجنبی مطالبہ سے کہ تعلیم کے ہر درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم کیا جائے، بے اعتنائی نہ برتنی چاہئے، مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ وقت کے تمام مسائل سے اہم ہے، اس لئے حکومت اور قوم کو اس طرف فوراً توجہ کرنی چاہئے، کیونکہ مسلمانوں کے ہر اجتماعی اور انفرادی اعتقاد کی کمزوری کی بنیاد کی مذہبی معلومات اور تربیت کی کمی ہی ہے، اور اس ایک اصلاح سے ان کی بہت سی کمزوریوں کی اصلاح بیک وقت ہو جائے گی، جو حکومت وقت اور ملک سب کے لئے یکساں مفید ہوگی۔

(مولانا) ابوالحسان محمد سجاد (نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ)

کچلواڑی شریف پٹنہ

اس پر حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین صاحبؒ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

”اگر مولانا (سجاد صاحب) کی فکر اور امداد شرعیہ کے نظام کو مختلف صوبے قبول کر لیتے اور امیر الہند کا انتخاب ہو جاتا، اور مسلمانوں کے اس اجتماعی نظام کو ہندوستان کے دستوراسی میں منوالیا جاتا تو یقیناً آج کے حالات کچھ اور ہوتے، اور بار بار پرنسپل لاء میں ترمیم اور دین میں مداخلت کا سوال کھڑا نہ ہوتا۔“^۲



۱- امارت شریفہ دینی جہد و جدوجہد کا روٹن باب ص ۱۰۵ تا ۱۱۱۔

۲- امارت شریفہ دینی جہد و جدوجہد کا روٹن باب ص ۱۱۱۔

فصل چہارم

امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات

حضرت امیر شریعت اول کے عہد میں دفتری نظم و مرتب اور مضبوط ہو گیا تھا، اور بعض شعبہ جات بھی قائم ہو گئے تھے (جیسا کہ اوپر ذکر آیا) حضرت امیر شریعت ثانی کے زمانے میں مزید شعبہ جات قائم ہوئے، اور یہ شعبہ کے لئے الگ الگ رجال کا مقرر ہوئے، اس طرح حضرت مولانا سجادؒ کی حیات مبارکہ میں امارت شرعیہ کے بنیادی طور پر کلّیہً مستقل شعبے قائم ہوئے، جن کے ذریعہ پورے بہار میں دینی، علمی اور ملی سرگرمیاں انجام دی گئیں، ان کے آئینے میں امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا محمد سجادؒ کی خدمات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس سے کہ امارت شرعیہ میں درحقیقت آپ ہی مرکز اعصاب تھے، اور آپ میں منصوبے بنانے اور ان کو عملی قالب میں ڈھالنے کی جو بے نظیر صلاحیت موجود تھی، حضرت امیر شریعت ثانی اس سے پوری طرح باخبر تھے، جس کا اعتراف انہوں نے اپنے ان ارشادات عالیہ میں فرمایا ہے جو حضرت مولانا سجادؒ کی وفات پر قلمبند کئے تھے:

”مفید تحریکات پیدا کرنا یہ ان کو عمل میں لانے کی جو صلاحیت یہ رکھتے تھے، اس صلاحیت

کا دوسرا آدمی نہیں آتا۔“

ان شعبہ جات کا تفصیلی تعارف حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کی کتاب ”تاریخ امارت“ میں موجود ہے، یہاں بطور مشرخیوں ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

دارالقضا

اس کے پہلے قاضی مولانا نور الحسن صاحب بھنواروی مقرر ہوئے، یہ دارالقضا، پہلے انجمن علماء بہار کے ماتحت قائم ہوا تھا، بعد میں اس کو امارت شرعیہ کے تحت کر دیا گیا۔ پھر اس نظم میں

۱۔ آپ کی بیوی پرنی ”سلطانہ پندت پرنی“ تھیں، امارت شرعیہ کی نمائندگی میں قلمبندی تھی، پھر اس نے مستقل اکرار کیا ہے۔
۲۔ حیاتِ محسن، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴،

مزید توسیعات ہوئیں، اور امارت شرعیہ نے اس میدان میں بڑی شہرت و نیک نامی حاصل کی، موجودہ ہندوستان میں اس سے بہتر اور بڑا نظریہ کہیں موجود نہیں ہے، بلکہ اس کو دنیا کے بڑے عدالتی نظاموں میں شمار کیا جاسکتا ہے، اب تک امارت شرعیہ کے دارالقضا سے سات سو تیس ہزار سے زائد مقدمات کے فیصلے ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے زمانے میں قاضی شریعت کے بعض فیصلوں کے خلاف امیر شریعت کی خدمت میں جو اپیلیں دائر کی جاتی تھیں، ان کا جائزہ بحیثیت نائب امیر شریعت حضرت مولانا سجادؒ لیتے تھے، اور پھر اپنا فیصلہ جاری فرماتے تھے، ان میں سے بعض فیصلے ”قضایا سجادؒ“ کے نام سے امارت شرعیہ سے شائع ہو چکے ہیں۔

امارت شرعیہ کے قاضیوں میں حضرت مولانا قاضی نور الحسن پھلواریؒ کے بعد حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ قاضی القضاۃ نے نظام قضا کو بڑی وسعت دی اور نقطہ عروج تک پہنچایا۔

دارالافتاء

☆ دارالافتاء بھی قیام امارت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، جس میں خود حضرت مولانا سجادؒ ہی فتویٰ کا کام بھی کرتے تھے، حضرت مولانا کے فتاویٰ کا مجموعہ ”محاسن الفتاویٰ“ فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول کے نام سے امارت شرعیہ سے شائع ہو چکا ہے، لیکن بعد میں آپ کی مصروفیات کی بنا پر یہ شعبہ مولانا محمد عثمان غنی صاحبؒ کے حوالے کر دیا گیا، اور آپ اس کے پہلے باضابطہ مفتی قرار پائے، بعد کے ادوار میں اس شعبہ سے بڑے اہم علماء وابستہ ہوئے مثلاً: مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، مفتی عباسؒ، مفتی یحییٰ قاسمیؒ، اور مفتی صدر عالم قاسمیؒ وغیرہ۔

شعبہ دعوت و تبلیغ

☆ اس شعبہ نے بدعات و منکرات کے خاتمہ، ارتداد و انحراف کے فتنوں سے تحفظ اور دین حق کی توسیع و اشاعت میں عظیم الشان خدمات انجام دیں، خود حضرت مولانا سجادؒ نے شدھی تحریک اور چمپارن کے علاقے میں گدیوں کے درمیان پھیلے ہوئے ارتداد کا مقابلہ کیا۔^۱

☆ فتنہ راجپال کے انسداد کے لئے حضرت مولانا سجادؒ نے صوبہ کے مختلف مقامات پر جلسے

۱۔ آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ چمپارن میں گدی قوم کے تقریباً چار سو (۴۰۰) افراد اعلیٰ ذبا اندو کا شکار ہو گئے تھے، آپ کو خبر ملی تو خود تشریف لے گئے اور آپ کی کوششوں سے الحمد للہ تمام ہمدین تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، فقہیں حضرت مولانا کی دعوتی خدمات کے شمع میں آئے گی ان شاء اللہ (حیات سجادؒ، ۱۱۲، ۱۱۳)

کرائے۔^۱

اس سلسلے کی مزید تفصیل اسی کتاب میں آگے ”حضرت مولانا کی دعوتی و اصلاحی خدمات“ کے تحت آئے گی ان شاء اللہ۔

شعبہ تنظیم

☆ اس شعبہ کا مقصد ریاست کے ایک ایک فرد کو امارت شرعیہ سے وابستہ کرنا اور ہر بالغ کمانے والے شخص سے سالانہ محصول وصول کرنا ہے، اس کے لئے بعض علاقوں میں خود حضرت مولانا مجاہد صاحبؒ نے بھی دورے فرمائے۔

چمپارن کے مسلمان حضرت مولانا سے بہت مانوس تھے، تقریباً ہر سال اواخر شعبان میں آپ وہاں کا دورہ فرماتے تھے، اور رمضان کا بڑا حصہ وہیں گزارتے تھے، ۱۹۳۲ء کے زلزلہ کے موقع پر بھی جب آپ کے اکلوتے صاحبزادہ کی وفات ہوئی تو آپ چمپارن ہی میں تھے۔ اسی طرح جس ملیریا بخار میں آپ کی وفات ہوئی آپ کے بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق اس کا آغاز بھی چمپارن ہی سے ہوا تھا۔^۲

☆ چمپارن کے علاوہ سارن، پورنیہ اور در بھنگہ وغیرہ کے اسفار بھی آپ نے بکثرت فرمائے، پورنیہ کا سفر نامہ تو بعنوان ”ضلع پورنیہ کا دورہ مسلمانوں کا جوش و خروش خوش آئند توقعات“ خود آپ کے قلم سے موجود ہے، جس میں مسلمانان پورنیہ کی دینی، اخلاقی اور معاشی صورت حال کا آئینہ بھی آ گیا ہے۔^۳

☆ اسی شعبہ کے تحت ہر چھوٹی بڑی آبادی میں مذہبی سربراہ مقرر کئے گئے جن کا اصطلاحی نام نقیب تھا، نقیب امیر شریعت اور عوام کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

۱- حیات مجاہد ص ۱۳۲، ۱۳۳ مضمون مولانا محمد عثمان نجی۔

”راجپال ایک آریہ تھا جس نے رنگیلار سول نامی ایک ناپاک کتاب لکھی تھی، اور حکومت پنجاب نے جب اس پر مقدمہ چلایا تو ہائی کورٹ سے وہ رہا ہو گیا، اس واقعہ سے مسلمانان ہند میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا، اور خطرہ ہوا کہ مسند اور شریعت پر ہندو عناصر کی طرح اپنے حبش کا مظاہرہ کریں گے، اس لئے پورے ہندوستان میں احتجاجی جلسے اور مظاہرے ہوئے، اور حکومت ہند سے قانون میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا۔ ایک مسلمان نے راجپال کو قتل کر دیا اور حکومت ہند نے قانون میں ایسی ترمیم منظور کی کہ دوبارہ اس طرح کی کوئی کتاب شائع نہ کی جاسکے“ (حیات مجاہد ص ۱۳۳ مضمون مولانا عثمان نجی)

۲- حیات مجاہد ص ۱۱۱، ۱۱۲ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب۔

۳- دیکھئے ”مقالات مجاہد ص ۸۲ تا ۱۱۵۔“

شعبہ تعلیم

☆ اس شعبہ کا مقصد ریاست کے مسلمانوں میں تعلیمی شعور پیدا کرنا تھا، اس شعبہ کے تحت مختلف علاقوں میں مدارس و مکاتب اور اسکول قائم کئے، غریب طلبہ کے لئے وظائف کا انتظام کیا گیا۔

☆ چیمپارن کے دیہاتوں میں خود مولانا سجادؒ نے اپنی نگرانی میں مکاتب قائم کئے، خاص مدی قوم کے لئے بھی دو مکاتب قائم کئے گئے، جن کے اخراجات کی مکمل کفالت کی ذمہ داری امارت شرعیہ نے لی۔

☆ ۱۹۲۶ء میں جب قاضی احمد حسین صاحب کونسل کے ممبر تھے، تو ان کی کوششوں سے ایک مسلمان معلم کو گورنمنٹ کی طرف سے بحال کرایا گیا۔^۱

شعبہ تحفظ مسلمین

☆ اس شعبہ کا مقصد مسلمانوں کی جان و مال، دین و ایمان اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے منظم کوششیں کرنا تھا۔

اس شعبہ کے تحت فسادات یا حادثات کے موقع پر مسلمانوں کی امداد کا خصوصی اہتمام کیا گیا، حضرت مولانا سجادؒ کے زمانہ میں ۲ اگست ۱۹۳۷ء (۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ) کو بتیا میں انتہائی بھیانک فساد ہوا، بارہ مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے، بے شمار مکانات نذر آتش کئے گئے، مولاناؒ اس موقع پر بنفس نفیس وہاں تشریف لے گئے، اور انتہائی مشکل اور پرخطر راستوں کا سفر طے کر کے متعلقہ مقامات تک پہنچے، اور مسلسل چھ سات ماہ بتیا میں قیام فرمایا، بڑے بڑے قانون دانوں کی خدمات حاصل کیں اور مظلوموں کو انصاف دلا کر اور ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا کر دم بیا، تفصیل صدر الانقیب حافظ محمد ثانی اور حاجی شیخ عدالت حسین صاحب وغیرہ کے مضامین میں موجود ہے۔^۲

☆ اسمبلی اور کونسل میں جب بھی کوئی ایسا مسودہ قانون آیا جس کا کوئی اثر کسی اسلامی معاملہ پر پڑتا ہو تو سب سے پہلے حضرت مولانا محمد سجادؒ اس کی مخالفت فرماتے تھے۔

مولانا عثمان غنی صاحب کا بیان ہے کہ:

- حیاتِ سجود ۱۵، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴

”راقم الحروف کو خاص تاکید تھی کہ جب کوئی مسودہ قانون یا کسی عدالت کا فیصلہ ایسا ہو جس کی زد کسی اسلامی قانون پر پڑتی ہو تو فوراً اس کی مخالفت میں مضامین لکھو اور جمعیت علماء ہند کو خط کے ذریعہ اطلاع دو۔“

شعبہ نشر و اشاعت

☆ اس کا مقصد ادارہ کا تعارف، ادارہ کے پیغامات کی ترسیل، دینی علوم کی اشاعت اور باہم افرا و وعمال کے درمیان رابطوں کو مضبوط کرنا تھا، اسی شعبہ سے اولاً جریدہ امارت جاری کیا گیا جس کی ادارت حضرت مولانا عثمان غنی صاحب کے حوالے کی گئی، دفتر کے ناظم بھی مولانا عثمان غنی ہی تھے۔^۲

بیت المال

☆ اس کا مقصد امارت کے مالی نظام کو مستحکم کرنا اور اس میں شفافیت پیدا کرنا تھا، حضرت مولانا شاہ قمر الدین پھلواریؒ (جو بعد میں امیر شریعت ثالث بھی ہوئے) پہلے ناظم بیت المال مقرر ہوئے۔ بعد میں جب قاضی احمد حسین صاحب مستقل دفتر امارت شریعہ میں رہنے لگے تو انہوں نے نظام بیت المال کو کافی ترقی دی، قاضی صاحب چاہتے تھے کہ امارت شریعہ کا بیت المال اس معیار کا ہو جس معیار کا سرکاری محکمہ خزانہ ہوتا ہے، اس مقصد کے لئے وہ گیا کے رئیس شاہ مصطفیٰ احمد صاحب کو جو ریاست بھوپال میں اکاؤنٹنٹ جنرل (مہتمم دفتر حضور) تھے، اور لندن سے کامرس کی ڈگری حاصل کی تھی، پھلواری شریف لائے شاہ صاحب نے منشی عیسیٰ صاحب کو ٹریننگ دی۔^۳

شعبہ تربیت سپہ گری

امارت شریعہ کا ایک اہم ترین شعبہ جس کا عموماً تذکرہ نہیں کیا جاتا شعبہ تربیت سپہ گری و فنون حرب تھا، حضرت شاہ ابوطاہر فردوسیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے:

”اور امارت کے ذریعہ سے مسلمانوں کو سپاہیانہ فنون کے سکھانے کا نظم کیا گیا تھا۔“^۴

امیر شریعت کی عدم موجودگی میں بحیثیت امیر شریعت

☆ حضرت امیر شریعت ثانی کو انتخاب کے بعد ہی سفر حج پیش آ گیا، شوریٰ نے طے کیا کہ

۱- حیات مجاہدین ۱۳، ۱۳۸، مضمون مولانا محمد عثمان نجفی۔

۲- حسن حیات ص ۱۴۔

۳- حسن حیات ص ۱۴۹۔

۴- حیات مجاہدین ۲، مضمون شاہ ابوطاہر فردوسیؒ۔

امیر شریعت کی عدم موجودگی میں نائب امیر شریعت حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد امیر شریعت کی حیثیت سے کام کریں گے چنانچہ اس دوران حضرت مولانا سجاد نے امیر شریعت کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔^۱

حضرت مولانا سجاد کی صدارت میں مجلس شوریٰ کا ایک یادگار اجلاس امیر شریعت کی حیثیت کی تحریری وضاحت

اس دور کا ایک بہت قابل ذکر واقعہ مجلس شوریٰ کا وہ اجلاس ہے جو ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ (مطابق ۲ جولائی ۱۹۳۴ء) کو حضرت مولانا سجاد کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، یہ جلسہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں امیر شریعت کی حیثیت کی باقاعدہ تحریری طور پر وضاحت کی گئی تھی، اس کی تفصیل شاہ محمد عثمانی کی کتاب حسن حیات سے پیش ہے:

”امارت شرعیہ مسلمانوں کا ایک مذہبی نظام ہے جو مسلمانوں کے بعض مذہبی امور کو انجام دینے کے لئے قائم ہے، اور جس کا اصول یہ ہے کہ جمعیت علماء کے انتظام سے ایک شخص کا انتخاب ہوتا ہے اور اس صوبہ کے مسلمانوں کا مذہبی سرکار ہوتا ہے، اور اپنی حیات تک مسلمانوں کا مذہبی پیشوا سمجھا جاتا ہے، اس کے ماتحت ایک مجلس شوریٰ بھی ہوتی ہے جس سے وہ اپنے کاموں میں مشورہ لیتا ہے، لیکن وہ مختار مطلق کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے ماتحت ایک مالی سیلف بھی ہے جسے بیت المال کہتے ہیں، اس کا سیکریٹری تمام مالیات کے آمد و خرچ کے لئے امیر اور اس کی مجلس شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہے، اور انہی کی ہدایت کے مطابق تمام کاموں کو انجام دیتا ہے، موجودہ امیر مولانا شاہ محمد الدین سجاد و نیشنل پچواری شریف ہیں۔ اس بیان میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ:

- (۱) امیر شریعت مختار مطلق ہے یعنی وہ جمعیت علماء یا مجلس شوریٰ یا اور کسی ادارہ کا پابند نہیں ہے۔
- (۲) امیر شریعت کا انتخاب جمعیت علماء کے انتظام سے ہوتا ہے، چنانچہ امیر شریعت رابع کے انتخاب تک یہ دستور رہا کہ جمعیت علماء نے ہی امیر شریعت کے انتخاب کے جلسہ کو بلایا جس میں ارکان جمعیت کے علاوہ صوبہ کے دیگر علماء و زعماء کو مدعو کیا گیا، اور اس میں امیر کا انتخاب عمل میں آیا۔

(۳) امیر شریعت تازندگی امیر شریعت رہے گا۔

جب جمعیت علماء نے اپنے مقاصد سے محاکم شرعیہ کے قیام کی دفعہ نکل دی تو یہ سوال اٹھتا رہا ہے کہ اب امارت شرعیہ کا یہی کوئی انتخابی محکمہ بنا دیا جائے، جو فقہاء اور دیگر کارکنان

امارت کی مدد سے امیر کا انتخاب کرا دیا کرے —

قاضی احمد حسین نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ انہوں نے یہ تجویز مولانا ابوالحسن محمد سجاد کے رجحان کو مد نظر رکھ کر مرتب کی تھی۔ مولانا عبد الوہاب صاحب درجنگ نے اس سے اختلاف کیا تھا کہ امیر تازندگی امیر رہے لیکن ثوری نے ان کی رائے کو قبول نہیں کیا مولانا ابوالحسن محمد سجاد نے فرمایا، کہ ایسی کوئی فقیر قوی یا فقی موجد نہیں ہے، کہ مسلمانوں کا امیر چند عرصہ کے لئے بنایا جاتا رہا ہو مولانا عبد الوہاب اس کا جواب دیتے تھے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسا آدھی دو تو اس کو ساری زندگی امیر مان لیا جائے لیکن تم ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تو دو گے نہیں اور کہو گے کہ اس کو ساری زندگی امیر مانو

بہر حال مولانا عبد الوہاب نے رائے شماری میں اپنا اختلاف درج نہیں کرایا۔^۱

امارت شرعیہ میں مالی بحران، اسباب اور حکمت عملی

حضرت مولانا محمد سجاد کے آخری دور حیات میں ایک بار امارت شرعیہ سخت مالی بحران سے دو چار ہوئی، یہاں تک کہ ملازمین کی تنخواہیں بھی مشکل میں پڑ گئیں، اس بحران کی وجہ ملک میں مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت تھی، امارت شرعیہ مسلم لیگ کی پالیسی کو پسند نہیں کرتی تھی، اور مذہبی امور میں بھی مسلم لیگ امیر شریعت کی رائے کو اہمیت دینے کو تیار نہ تھی، اس سیاسی اختلاف کا اثر امارت شرعیہ کی آمدنی پر پڑا، اور سخت مالی بحران پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے امارت کے اخراجات میں تخفیف کرنی پڑی، بعض ملازمین کی تنخواہیں عارضی طور پر بند اور بعض کی کم کردی گئیں،^۲ حالات ایسے سخت تھے کہ امارت شرعیہ کی بقا پر بھی سوالیہ نشان لگنے لگے، اس موقع کے کئی نایاب خطوط حضرت مولانا سجاد کے تحریر کردہ مولانا شاہ محمد عثمانی نے اپنی کتاب 'حسن حیات' میں محفوظ کر دیے ہیں، ان میں سے ایک خط بطور نمونہ پیش ہے جو مولانا عثمان غنی صاحب کے نام ہے، اور جن سے اس وقت کے مشکل

۱- حسن حیات ص ۱۲، ۱۳، ۱۴۔

۲- جہاں تک خود حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد کی اپنی ذات گرامی تھی تو وہ ان معاوضوں سے قطعی بے نیاز تھے، آپ کی خدمت نہ لعلی، سمیل اللہ تھی، جناب ذکریا قاسمی صاحب شہادت دیتے ہیں کہ:

"مولانا مرحوم تقریباً ۲۲، ۲۳ سال تک قومی سرکاریوں میں بلا معاوضہ اور بدون توقع کسی صدر کرم کار سے نہ دن دو دن سمجھا، اور نہ رات کو رات، اپنے بال بچوں اور اعزاء و اقربا کو کیا خود اپنے نفس کے آرام کا بھی مطلق خیال نہ کیا، اگر وہ میں کوئی درود تھ تو قوم کا ہر رتبہ میں کوئی سوا تھا تو اسلام کا۔" (محاسن سجاد ص ۱۵)

البتہ آخر میں جب آپ کی سورتی دشمنیں نظام ہو گئیں تو نالیا امارت شریعہ سے معمولی معاوضہ لینے لگے تھے، اس کا اندازہ علامہ سید سلیمان ندوی کی درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے:

"ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، غربت و محنت کی زندگی تھی، مگر کے خوشحال نہ تھے، امارت سے معاوضہ بہت قلیل لیتے تھے، سفر معمولی سواریوں اور معمولی درجنوں میں کرتے تھے۔" (محاسن سجاد ص ۲۱)

حالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

مکرمی و محرمی زاد طالع

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ اس سال مالی دقت تمام سالوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ جو تمام کارکنوں کو معلوم ہے۔ وظائف کی ادائیگی ناممکن ہی ہو رہی ہے۔ تقاضا بھی شدید ہوتا ہے۔ کوئی صورت امید افزا بھی نہیں ہے۔ اس لئے ان حالات پر آج غور کیا گیا، اخراجات کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور حضور امیر شریعت مدظلہ میں تمام صورت حال کانٹ اور تخفیف کا خاکہ پیش کیا گیا، حضور امیر شریعت نے بھی آج ہی اس پر منظوری دے دی ہے۔ اس لئے آج ہی آپ کو اس کی اطلاع دے دینا بھی ضروری ہوا کیونکہ یکم جمادی الاول سے اس پر عمل درآمد ہو گا۔

اس میں جو تجویز منظور ہوئی ہے یہ بھی ہے کہ آپ کا اور مولانا قاضی سید نور الحسن صاحب کا عہدہ اعزازی باقی رکھتے ہوئے کل وظیفہ ساقط کر دیا گیا، اور چند مبلغین کا وظیفہ موقوف کر کے ان کو یہ حق دیا گیا کہ سفارت کی خدمت با کمیشن انجام دے سکتے ہیں، اور دفتر میں اکثر بقیہ لوگوں کے وظیفہ میں تخفیف کی گئی ہے۔

اس کے باوجود بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اخراجات کے مطابق آمدنی ہوگی یا نہیں، دعا فرمائیے کہ امارت شریعہ کا نظام اور کام جاری و باقی رہے، اور اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دے جن سے مشکلات پر قابو پانا سہل ہو جائے۔ آپ تو خود پورے حالات سے واقف ہیں و السلام
دخلفہ مولانا ابوالحسن محمد سجاد

اکابر نے پیٹ پر پتھر باندھ کر امارت شریعہ کی حفاظت کی

یہ وہ مشکل ترین حالات تھے جن میں امارت شریعہ کے اکابر پیٹ پر پتھر باندھ کر ملت اسلامیہ کی خدمات انجام دے رہے تھے، لیکن دوسری طرف معاندین کے خیمہ میں مسرت کی لہر جاری تھی اور ان کے بعض قدامتدین امارت شریعہ کے خاتمہ تک کی پیش قیاسی کرنے لگے تھے۔ اور شمس ہاشمی صاحب کو ان کے دفاع میں لکھنا پڑا تھا کہ:

”مسلمانان ہند ابھی مدت مدید تک اس امر پر غور کرتے رہیں گے کہ امارت شریعہ کا تصور صحیح ہے یا غلط؟ لیکن فیصلہ امارت شریعہ کے نظام کو محو و منسوخ کرنے کا اگر قوم کبھی بھی دے گی تو وہ دن اس کی مذہبی زندگی کا آخری دن ہو گا، جو تاریخ اسلام میں ایک ”نیا کر بلا“ پیدا کر دے گا،

آخر حضرت امام حسینؑ بھی تو خلاف جمہوری آمادہ کار نظر آئے روث کے اعتبار سے تومید ان کر بد میں ان کے صرف بہتر (۷۲) روٹ تھے اگر آپ کو شبہ ہو تو علامہ اقبالؒ کی سند حاضر ہے:

دشمنال پوریگ سحر الاعدہ دوستان ادہد ز دال ہم عدد

امارت شرعیہ کی سیاسی مخالفت

امارت شرعیہ کے قیام سے قبل جو شبہات و اعتراضات تھے وہ اپنی جگہ تھے (جن میں بعض اہم اعتراضات کا ذکر پہلے آچکا ہے) لیکن امارت شرعیہ کے قیام کے بعد اس کی زیادہ تر مخالفت سیاسی بنیادوں پر کی گئی، جن میں بعض بظاہر اعتدال پسند حضرات بھی شامل ہو گئے تھے، حضرت مولانا محمد حجازی کے تمیز رشید مولانا اصغر حسین بہاروی کا بیان ہے کہ:

”بعض اعتدال پسند دوستوں نے مولانا کو ان تمام غویوں کا حامل تسلیم کرتے ہوئے بتایا کہ ان سے ایک بڑی غلطی ہوئی، کہ امارت شرعیہ کو پارٹی ایکشن میں استعمال کر کے امارت کو صدمہ پہنچایا، کیونکہ امارت ایک ہمہ گیر ادارہ ہے۔ اس کی شان مسلمانوں کی پارٹی بندیوں کی لعنت دور کرنا تھی، نہ کہ خود ایک فریق کی حیثیت اختیار کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ ظاہر نظر میں یہ اعتراض وقوع معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ ایک بڑا مغالطہ ہے، جس کے ہمارے دوست شکار ہو گئے۔ بے شک پارٹی بندیوں اور تفرقہ اندازیوں کو ختم کرنے یا کم سے کم سب پارٹیوں میں ہم آہنگی پیدا کر کے وحدت قائم کرنا امارت کا نصب العین ہے، لیکن ساتھ ہی اسلامی قوانین و شعائر کے احترام کو باقی رکھنا بھی امارت کا اولین فریضہ ہے۔ اور آئین شرع کو اغراض پرستوں کے ہاتھ کھٹکھٹانے سے بچانا آئین مقصد امارت ہے، اب دیکھئے کہ موجودہ حکومت نے نمائندگان عوام کو ملکی قوانین بنانے کا اختیار دے رکھا ہے، مگر بد قسمتی سے مسلمانوں کا نمائندہ کونسلوں میں باکر اسلامی آئین اور مذہبی قوانین ہوں پر مہر تصدیق ثبت کر کے تو بین اسلام کا مظاہرہ پیش کرتا ہے اور جب علماء مذہب کی جمعیت تنبیہ کرتی ہے، تو لبیک کہنے کے بجائے اس کو ٹھکر دیتا ہے، تو کیا آئین اسلام کے استخفاف کے لئے کونسلوں میں ایسے ممبران بھیجنا ضروری نہیں جو اسلامیات کے متعلق علماء دین کے فیصلہ کو شاہراہ عمل قرار دیں اور ایسے افراد کو ممبر ہونے سے روکنا فرض نہیں جو کونسلوں میں پہنچ کر بل کے پاس کرنے میں شریعت کا پاس نہ رکھیں، اب اگر اس سلسلہ میں پارٹی بندی لازم آتی ہے تو امارت اس کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ وہ مطلق العنان امیدوار ہے۔ اس واسطے پارٹی بندیوں کے الزام و جرم سے امارت کا دامن بالکل

پاک ہے۔“^۱

لیکن اللہ پاک نے حضرت مولانا سجاد اور آپ کے رفقاء کی اولوالعزمی کی برکت سے امارت شرعیہ کی حفاظت فرمائی اور حالات رفتہ رفتہ درست ہو گئے اور آج سو (۱۰۰) سال ہونے جا رہے ہیں، امارت شرعیہ کی عظمت کا آفتاب اب بھی نصف النہار پر ہے۔

نعرۂ تکبیر سے جس کے کہتاں مل گئے

نغمۂ شیریں سے جس کے کفر و ایماں مل گئے

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے انہی حالات کے پیش نظر لکھا تھا:

”بہار میں امارت شرعیہ کا قیام ان (مولانا سجاد) کی سب سے بڑی کرامت ہے، زمین شور میں

سنبھل پیدا کرنا اور خیر علاقہ میں لہلہاتی کھیتی کھڑی کر لینا ہر ایک کا کام نہیں۔“^۲

کوئی طاقت اس کوہ عزم و استقلال کو متزلزل نہ کر سکی

امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواریؒ نے حضرت مولانا سجادؒ کی روح کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا جس میں اعتراف حقیقت بھی ہے اور اس دور کی مشکلات کی جھلک بھی:

”اس وقت کہ ہندوستان کے بہترین دماغ انقلاب کی نیم خفیہ تدبیریں سوچ رہے تھے،

مولانا نے وقت کی صحیح شرعی ضرورت کو سمجھا کر اور شرعی تنظیم کے اصول علماء کو یاد دلائے، اور اس

طرح امارت شرعیہ کے قیام کی تحریک تمام ہندوستان میں پھیلانی، اس کے لئے علماء و زعماء ہند

کے پاس متعدد سفر کئے، جہاں تک مجھ کو یاد ہے، سال دو سال تک پیہم مخصوص طور پر اس کے

لئے جدوجہد کرتے رہے، بالآخر علماء صوبہ بہار کے ذریعہ زعماء اور علماء کی ایک بڑی جماعت

کو جمع کر کے اس کی بنیاد ڈالی، اور صوبہ بہار میں امارت شرعیہ قائم کی، بعد کو اس میں اختلافات

بھی پیدا کئے گئے لیکن دنیا کی کوئی طاقت اس کوہ عزم و استقلال کو اپنی جگہ سے متزلزل نہ کر سکی،

اور بحمد اللہ امارت شرعیہ اپنا کام حسب استعداد برار کرتی رہی اور کر رہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ

کرتی رہے گی۔“^۳

۱- محاسن سجاد ص ۲۸۱، ۲۸۲۔

۲- محاسن سجاد ص ۳۹۔

۳- حیات سجاد مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۶۹۔

کل ہند امارت کا خواب پورا نہ ہو سکا

البتہ حضرت مولانا سجادؒ یہ غم اپنے ساتھ لے کر دنیا سے گئے کہ امارت شرعیہ بہار کے قیام کے بعد مولانا قریب انیس سال باحیات رہے لیکن کل ہند امارت کا خواب ان کا پورا نہ ہو سکا، جس کے لئے وہ جمعیت علماء ہند کی طرح پر امید تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ امارت شرعیہ بہار کے قیام کے بعد مولانا کل ہند امارت کے معاملے میں مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہوں، بلکہ آپ کی مسلسل کوششیں اس کے بعد بھی جاری رہیں، مثلاً:

☆ جمعیت علماء ہند کا اجلاس سوم (۱۸ نومبر ۱۹۲۱ء، مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ) کو یہ مقام بریڈالہال لاہور زیر صدارت حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ قیام امارت شرعیہ بہار کے چار ماہ بعد ہوا، آپ کی کوششوں سے اس اجلاس میں بھی امیر الہند کی تجویز پیش کی گئی، جو باہمی اختلافات کی نذر ہو گئی (تفصیل پیچھے مذکور ہے)۔

☆ اس سے قبل ۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء (۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ) کو جمعیت علماء کی مجلس منتظمہ میں بھی یہ تجویز رکھی گئی تھی۔

☆ جمعیت علماء ہند کا چوتھا اجلاس ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۲ء کو خود حضرت مولانا سجادؒ کی نگرانی میں ان کے اپنے شہر ”گیا“ میں منعقد ہوا، اس میں بھی قیام امارت اور انتخاب امیر کی شرعی ضرورت کا اعلان کیا گیا، صدر اجلاس حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

”ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت ہیں، اور ان کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے والی اور امیر مقرر کریں۔ دارالقضاء قائم کر کے قضا اور مفتیین کا تقرر کریں۔ جمعیت علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے، اور جمعیت علماء کے اجلاس لاہور میں یہ طے ہوا تھا کہ ایک سب کمیٹی کا اجلاس ہدایوں میں منعقد کیا جائے جس میں امیر شریعت کے شرائط و فرائض و اختیارات وغیرہ مسائل طے کر لئے جائیں اور اس کے بعد انتخاب امیر کا مسئلہ پیش کیا جائے۔

اس قرارداد کے موافق ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ کو سب کمیٹی کا اجلاس ہوا اور مختلف مسودے پیش ہوئے مگر ابھی تک ان کا نتیجہ مرتب ہو کر مجلس منتظمہ میں پیش نہیں ہوا۔ امید ہے کہ جلد از جلد اس کے قواعد مرتب ہو کر انتخاب امیر کا وقت آجائے گا یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ ہندوستان

کے امیر شریعت کے تحت میں صوبہ دار امیر مقرر ہوں گے۔
میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اول صوبہ جات کے امراء کا انتخاب کیا جائے اور جب
ہم کو صوبہ جات کی حالت سے اطمینان ہو جائے اس وقت امیر عام کا انتخاب ہونا چاہئے۔
علماء و مشائخ اور کبار صوبہ بہار کا مسلمانوں پر بھاری احسان ہے کہ انہوں نے اپنے
صوبہ میں امیر شریعت قائم کر کے مسلمانوں کے لئے ایک سڑک تیار کر دی ہے۔۔۔ رامیہ کرتے
ہیں کہ دوسرے صوبہ کے علماء بھی جلد از جلد صوبہ بہار کی تقلید کریں گے۔“

☆ جمعیت علماء بہار کا چھٹا اجلاس (۱۹۲۵ء، ۱۳۴۳ھ) مراد آباد میں ہوا جس کے صدر عالی
قدر خود حضرت مولانا سجاد تھے، آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں امارت ہند کی ضرورت و اہمیت
پر مفصلاً گفتگو فرمائی اور آخر میں فرمایا:

”آپ کا فرض ہے کہ آج علمائے کرام و زعمائے ملت جب کہ ایک جگہ ہندوستان کے مسائل
پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، تو میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس چیز کو سامنے
لانا چاہئے، اور غور کرنا چاہئے۔ اگر آپ نے مراد آباد میں جمع ہو کر اور کچھ نہیں کیا بلکہ صرف اسی
امر کے متعلق عمل کرنے کی کوئی شکل پیدا کر لی تو یقین فرمائیے کہ آپ نے سب کچھ کر لیا، کیونکہ
تمام چیزیں اس کی نسبت فرع ہیں اور وہ اصل ہے۔“

☆ اس کے بعد جمعیت علماء ہند کے اجلاس کلکتہ (۱۹۲۶ء، ۱۳۴۴ھ) زیر صدارت علامہ
سید سلیمان ندویؒ) میں، نیز اجلاس پشاور (۱۹۲۷ء، ۱۳۴۵ھ) زیر صدارت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ)
میں بھی امارت شریعہ کے مسئلہ کا ذکر آیا، اور ہر بار اسٹیج سے اس کے قیام کی دعوت دی گئی۔

☆ حضرت مولانا سجادؒ کی حیات میں آخری بار یہ تجویز جمعیت علماء ہند کے بارہویں اجلاس
جونہور (۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء) زیر صدارت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) میں
منظور کی گئی، تجویز کے الفاظ تھے:

”تجویز نمبر ۵ انتخاب امیر

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی ترقی اور اقتصادی اصلاح
اور ہر نوع کی فوز و فلاح کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے ماتحت اپنا امیر منتخب

۱۔ خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند (۱۹۲۲ء) گئی حضرت مولانا حبیب الرحمن مدنی ص ۴۰۔

۲۔ خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد ص ۱۳۲، (۱۹۲۵ء)۔

کر کے اس کے ہاتھ پر جمع و طاعت کی بیعت کریں۔ یہ ایک اہم فریضہ ہے جس کی طرف جمعیت علماء ہند ۱۹۲۱ء سے مسلمانوں کو توجہ دلا رہی ہے، بہر حال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے، اور اس کے ایک مخصوص اجلاس منعقدہ بدایوں میں تشکیل امارت شرعیہ کا ایک ابتدائی خاکہ بھی مرتب کر کے شائع کیا گیا تھا، بہر حال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے، البتہ شرعی امیر کا انتخاب ایسے شرعی اصول پر ہو جو زیادہ سے زیادہ ارباب علم و عقد کے نزدیک مقبول و مسلم ہو۔ امیر ایسا شخص ہو جو علوم دینیہ کا ماہر، قومی ضرورتوں سے واقف اور سیاست حاضرہ کا اچھا جاننے والا ہو، اس کے اعمال و اخلاق پسندیدہ اور قابل اعتماد ہوں، وہ مستعد اور جری ہو اور اس کی عمر زندگی ممتاز درجہ رکھتی ہو، جمعیت علماء ہند ضروری سمجھتی ہے کہ اول مسلمانوں کو اس فریضہ کی ضرورت اور اہمیت سے روشناس کرایا جائے، پھر مناسب وقت پر انتخاب امیر کے لئے ایسی مخصوص مؤتمر طلب کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ ارباب علم و عقد کو دعوت دی گئی ہو، اور اس میں امیر الہند کا انتخاب کیا جائے، اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ اور اسی روز بیت المال قائم کیا جائے۔“

لیکن کوئی عملی قدم نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکا، یہاں تک کہ حضرت مولانا سجاد کا وقت موعود آ پہنچا اور ۱۷ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء کو وہ یہ غم اپنے سینے میں دبائے چلے گئے۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت مولانا سجاد کے بعد

حضرت ابوالحسن مولانا محمد سجاد کے وصال کے بعد بعض ریاستوں (مثلاً یوپی) میں امارت شرعیہ کے لئے کچھ کوششیں کی گئیں، لیکن وہ بھی بے نتیجہ رہیں، اس المیہ کو حضرت مولانا کے شریک کار اور محرم اسرار شاہ محمد عثمانی نے اس طرح بیان کیا ہے:

”یوپی میں امارت شرعیہ کے قیام کی کوششیں آزادی سے پہلے ہوئیں، لیکن علماء دین کے اختلاف باہمی کامرکز یوپی کی ریاست رہی، اس لئے مذہبی تنظیم کی اسکیم کامیاب نہ ہو سکی، آزادی کے بعد جمعیت اس قابل ہو گئی تھی کہ وہ امارت شرعیہ قائم کرے، مسلمان جمعیت کے گرد جمع

ہو رہے تھے لیکن سردار پٹیل اور آرائس ایس واسے یہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ مسلمان انقلاب کی تیاریاں کر رہے ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنگہ انہونی باتوں کو مہیب شکل میں پیش کرتے تھے۔ اور ان کا ہوا کھڑا کر دیتے تھے، مولانا حفص الرحمن وغیرہ خائف ہوئے کہ امیر شریعت فی الہند کا انتخاب ہوا تو اس کا مطلب بھی یہی لیا جائے گا، اس لئے امارت کا قیام تو کیا عمل میں آتا جمعیۃ نے یاسر سے ملحدگی کا اعلان کر دیا، اور جمعیۃ کے مقاصد سے محاکمہ شرعیہ کے قیام کی دفعہ نکال دی گئی۔^۱



قومی و ملی خدمات

(II)

گیارہواں باب

ہندوستان میں اسلامی نظام قضا کا نفاذ
حضرت ابوالحسنؒ کے تفکر و تفقہ کا مستقل باب

علماء ہندوستان میں یہ شرف بھی صرف حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد کو حاصل ہے کہ انہوں نے غیر اسلامی ہندوستان میں جب اسلامی نظام قضا کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا، اس کا عملی طور پر احیا کیا، آج اس ملک میں نظام قضا زندہ یا متعارف ہے تو وہ مولانا سجاد کی کوششوں کی دین ہے، اس مردہ نظام کو جس طرح انہوں نے زندہ کیا وہ ان کی شان تجدید کا مظہر ہے، یہ اللہ پاک کی طرف سے مرد موثق کے علاوہ کوئی دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا تھا، قدرت کی طرف سے یہ مولانا کا انتخاب تھا، اور تجربات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ حسن انتخاب تھا۔

دارالقضاء کا اجمالی تذکرہ امارت شرعیہ کے شعبہ جات کے ضمن میں آچکا ہے، اور اس کی مزید تفصیل بھی وہیں ذکر کی جاسکتی تھی لیکن مستقل حیثیت سے اس کو لانے کا سبب یہ ہے کہ حضرت مولانا سجاد کے نظام قضا کی تاریخ امارت شرعیہ سے بھی قدیم ہے، امارت شرعیہ کی تاسیس سے قبل ہی مولانا کا تصور قضا عملی صورت اختیار کر چکا تھا، اور بہار کے مختلف شہروں میں ان کے کئی دارالقضاء وجود میں آچکے تھے، اس لئے یہ نا انصافی ہوگی اگر ہم اس اہم ترین اور اولین خدمت کو امارت شرعیہ کے محض ایک ذیلی شعبہ کے طور پر پیش کریں، یہ حضرت مولانا سجاد کے تفکر و تفقہ کا ایک مستقل باب ہے، یہ ان کی تابناک زندگی کا وہ روشن عنوان ہے جس کی اہمیت وقت کے گزرنے کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔

نظام قضا کی اہمیت

قضا اسلامی معاشرہ کا لازمی عنصر ہے، اس کو فریضہ محکمہ قرار دیا گیا ہے، امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

فإن القضاء فریضة محكمة وسنة متبعة۔^۱

۱- سنن البیہقی الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۵ حدیث نمبر: ۲۰۲۴۷ للؤلؤف: أحمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ أبو بکر البیہقی الناشر: مكتبة دار الباز - مكة المكرمة، 1994 - 1414 تحقيق: محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء: 10۔
* سنن الدارقطني ج ۲ ص ۲۰۶ حدیث نمبر: ۱۵ للؤلؤف: علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1966 - 1386 تحقيق: السيد عبد الله هاشم بياني للذي عدد الأجزاء: 4

ترجمہ: قضا فریضہ محکمہ (غیر منسوخ) ہے، اور ایسی سنت ہے جس کی ہمیشہ اتباع کی جائے گی۔

اسی لئے فقہاء نے بالاتفاق قیام قضا کو واجب قرار دیا ہے:

☆ معین الحکام میں ہے:

لا خلاف بین الامّة ان القيام بالقضاء واجب۔^۱

☆ امام سرخسی لکھتے ہیں:

أعلم بأن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعد الإيمان بالله تعالى وهو من أشرف العبادات۔^۲

☆ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

(أَمَّا) الْأَوَّلُ فَنُصِبَ الْقَاضِي فَرَضٌ؛ لِأَنَّهُ يُنْصَبُ لِإِقَامَةِ أَمْرِ مَفْرُوضٍ، وَهُوَ الْقَضَاءُ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: {يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ} وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِنَبِيِّنَا الْمَكْرَمِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ: {فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ} وَالْقَضَاءُ هُوَ: الْحُكْمُ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ، وَالْحُكْمُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَكَانَ نَصِبُ الْقَاضِي لِإِقَامَةِ الْفَرَضِ، فَكَانَ فَرَضًا ضَرُورَةً۔^۳

☆ فتاویٰ ہند یہ ہیں:

نُصِبَ الْقَاضِي فَرَضٌ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ وَهُوَ مِنْ أَهَمِّ أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ وَأَقْوَى وَأَوْجَبَ عَلَيْهِمْ۔^۴

☆ علامہ موصیٰ لکھتے ہیں:

۱۔ معین الحکام، الباب الاول فی بیان حقيقة القضاء۔ ص ۷ طبع مصطفى البابي الحلبي مصر، ۱۳۹۳ء۔
 ۲۔ الميسوط للسرخسي ج ۱۲ ص ۱۱۳ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين ليس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421ھ-2000م۔
 ۳۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۱۵ ص ۲ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587ھ۔ دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان الطبعة الثانية 1406ھ-1986م محمد عارف بالله القاسمي
 ۴۔ الفتاوى الهندية الفتاوى الهندية في مناهج الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۲۵۰ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق: الناشر دار الفكر سنة النشر 1411ھ - 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6۔

القضاء بالحق من أقوى الفرائض وأشرف العبادات۔^۱

☆ مجمع الأنهر میں ہے:

لهذا قال القضاء بالحق من أقوى الفرائض وأفضل العبادات بعد الإيمان

بالله تعالى۔^۲

امام سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ انبیاء کی بعثت کے مقاصد میں شامل تھا، انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر خلفاء اسلام کے ادوار میں بھی یہ تسلسل جاری رہا:

ولأجله بعث الأنبياء والرسل صلوات الله عليهم وبه اشتغل الخلفاء

الراشدون رضوان الله عليهم۔^۳

قضا کا مفہوم اور معیار - قضا کے لئے قوت تنفیذ شرط نہیں

قضا قانون الہی کے مطابق لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کرنے کا نام ہے:

وَالْقَضَاءُ هُوَ: الْحُكْمُ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ، وَالْحُكْمُ بِمَا أُنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔^۴

اس میں قوت جبر اور پولیس کی شرط نہیں ہے، یہ امر زائد ہے، اگر ہو تو بہتر ہے ورنہ یہ لوازم قضائیں شامل نہیں ہے، بعض حضرات کو عالمگیری وغیرہ کی اس عبارت سے شبہ ہوا جس میں قضا کو قول ملزم قرار دیا گیا ہے:

وَالْقَضَاءُ لُغَةً بِمَعْنَى الْإِلْزَامِ وَبِمَعْنَى الْإِخْتَارِ وَبِمَعْنَى الْفَرَاقِ وَبِمَعْنَى

التَّقْدِيرِ وَفِي الشَّرْعِ قَوْلٌ مُلْزِمٌ يَضُدُّ عَنْ وَلَايَةِ عَامَّةٍ كَذَا فِي خِرَازَةِ الْمُفْتِيِّنَ۔^۵

۱- الاختيار لتعليل المختار ج ۲ ص ۸۷ المؤلف: عبد الله بن محمود بن مودود النوصلي الحنفي دار النشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان - 1426 هـ - 2005 م الطبعة: الثالثة تحقيق: عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء 5

۲- مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ۳ ص ۲۱۱ عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكلبيوني للدعوة بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078 هـ تحقيق خرح آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419 هـ - 1998 م مكان النشر لبنان / بيروت عدد الأجزاء 4

۳- المبسوط للسرخسي ج ۱ ص ۱۱۳ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل عبي الدين ليس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421 هـ - 2000 م

۴- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۷ ص ۲ علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 هـ الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 م مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7

۵- الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۲۴۶ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411 هـ - 1991 م مكان النشر عدد الأجزاء 6

لیکن فقہاء امت نے صراحت کی ہے کہ مادی طاقت الزمہ قضا نہیں ہے، علامہ ابن فرحون لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ رَشِيدٍ: حَقِيقَةُ الْقَضَاءِ الْإِخْبَارُ عَنْ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ عَلَى سَبِيلِ الْإِلْزَامِ. قَالَ غَيْرُهُ: وَمَعْنَى قَوْلِهِمْ قَضَى الْقَاضِي أَيُّ الزَّمِ الْحَقُّ أَهْلُهُ، وَالْذَّلِيلُ عَلَى ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى { فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ } أَيُّ الزَّمْنَاءِ وَحَثْمُنَا بِهِ عَلَيْهِ، وَقَوْلُهُ تَعَالَى { فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ } أَيُّ الزَّمِ بِهِ شَيْئٌ وَاصْنَعْ مَا بَدَا لَكَ.

وَفِي الْمَذْخَلِ لِابْنِ طَلْحَةَ الْأَنْدَلُسِيِّ الْقَضَاءُ مَعْنَاهُ الدُّخُولُ بَيْنَ الْخَالِقِ وَالْخَلْقِ لِيُؤَدِّيَ فِيهِمْ أَوْامِرَهُ وَأَحْكَامَهُ بِوَسِطَةِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ.

قَالَ الْقَرَّافُ فِي حَقِيقَةِ الْحُكْمِ إِنْشَاءُ الزَّامِ أَوْ إِطْلَاقُ وَالْإِلْزَامِ كَمَا إِذَا حَكَمَ بِلُزُومِ الصَّدَاقِ أَوْ التَّفَقُّعِ أَوْ الشَّفْعَةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، فَالْحُكْمُ بِالْإِلْزَامِ هُوَ الْحُكْمُ، وَأَمَّا الْإِلْزَامُ الْحَسِّيُّ مِنَ التَّرْسِيمِ وَالْحَبْسِ فَلَيْسَ بِحُكْمٍ؛ لِأَنَّ الْحَاكِمَ قَدْ يَعْجِزُ عَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ يَكُونُ الْحُكْمُ أَيْضًا بِعَدَمِ الْإِلْزَامِ^۱۔
کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

أَمَّا وَلَايَةُ الْقَضَاءِ فَقَالَ الْقَرَّافُ هَذِهِ الْوَلَايَةُ مَتَنَاوِلَةٌ لِلْحُكْمِ لَا يَتَدْرَجُ فِيهَا غَيْرُهُ. وَقَالَ أَيْضًا فِي مَوْضِعٍ آخَرَ وَلَيْسَ لِلْقَاضِي السِّيَاسَةُ الْعَامَّةُ لَا سِيَّيَا الْحَاكِمِ الَّذِي لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى التَّنْفِيزِ، كَالْحَاكِمِ الضَّعِيفِ الْقُدْرَةِ عَلَى الْمُلُوكِ الْجَبَابِرَةِ فَهُوَ يَنْشِئُ الْإِلْزَامَ عَلَى الْمَلِكِ الْعَظِيمِ وَلَا يَخْطُرُ لَهُ تَنْفِيزُهُ لِتَعَدُّرِ ذَلِكَ عَلَيْهِ، بَلْ الْحَاكِمُ مِنْ حَيْثُ هُوَ حَاكِمٌ لَيْسَ لَهُ إِلَّا الْإِنْشَاءُ، وَأَمَّا قُوَّةُ التَّنْفِيزِ فَأَمْرٌ زَائِدٌ عَلَى كَوْنِهِ حَاكِمًا فَقَدْ يَفْوُضُ إِلَيْهِ التَّنْفِيزُ وَقَدْ لَا يَتَدْرَجُ فِي وَلَايَتِهِ^۲۔
علامہ علی بن فضیل طرابلسی تحریر فرماتے ہیں:

وَقَالَ الْقَرَّافُ: حَقِيقَةُ الْحُكْمِ إِنْشَاءُ الزَّامِ أَوْ إِطْلَاقُ. فَالْإِلْزَامُ: كَمَا إِذَا حَكَمَ بِلُزُومِ الصَّدَاقِ أَوْ التَّفَقُّعِ أَوْ الشَّفْعَةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ. فَالْحُكْمُ بِالْإِلْزَامِ هُوَ الْحُكْمُ

- تبصرة الحکام فی اصول الأقضية ومناهج الأحکام ج ۱ ص ۱۲ المؤلف: إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين البعمری (المتوفى: 799هـ)

۱- تبصرة الحکام فی اصول الأقضية ومناهج الأحکام ج ۱ ص ۲۶ المؤلف: إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين البعمری (المتوفى: 799هـ)

وَأَمَّا الْإِلْزَامُ الْحَسَنِيُّ مِنَ التَّوَسُّعِ وَالْحَبْسِ فَلَيْسَ بِحُكْمٍ؛ لِأَنَّ الْحَاكِمَ قَدْ يَعْجِزُ عَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ يَكُونُ الْحُكْمُ أَيْضًا بَعْدَ الْإِلْزَامِ، وَذَلِكَ إِذَا كَانَ مَا حُكِمَ بِهِ هُوَ عَدَمُ الْإِلْزَامِ وَأَنَّ الْوَاقِعَةَ يَتَعَيَّنُ فِيهَا الْإِبَاحَةُ وَعَدَمُ الْحَبْسِ^۱

۷۔ م مسلمان بوقت ضرورت قاضی کا تقرر کر سکتے ہیں

اسی لئے فقہاء اسلام نے صراحت کی ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے زمان و مکان کی قید نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ کے مسلمان اس فریضہ کے پابند ہیں، خواہ وہ آشرفیت میں ہوں یا اقلیت میں، ان کا اپنا اقتدار ہو جہاں مسلم حکم قاضی کا تقرر کر سکتا ہو، یا کسی غیر اسلامی طاقت کے محکوم ہوں، جہاں مسلم حکمران موجود نہ ہو۔ ایتہ جہاں مسلم حکومت ہو وہاں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قاضی کا تقرر کرے یا حکم (بشرط اہلیت) خود کا قضا انجام دے، اور جہاں اسلامی حکومت موجود نہ ہو، نہ حکومت کی طرف سے نظم قضا کی امید ہو، نہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی اتفاق سے خود قاضی مقرر کریں، اس پر بہت سی فقہی تصریحات موجود ہیں مثلاً:

❧ علامہ ابن ابراہیم کہتے ہیں:

وَإِذَا لَمْ يَكُنْ سُلْطَانٌ وَلَا مَنْ يَجُوزُ التَّقْلِيدُ مِنْهُ كَمَا هُوَ فِي بَعْضِ بِلَادِ الْمُسْلِمِينَ غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْكُفَّارُ كَقَرْطَبَةَ فِي بِلَادِ الْمَغْرِبِ الْآنَ وَبِلَنَسِيَّةِ وَبِلَادِ الْحَبْشَةِ وَأَقْرَوُا الْمُسْلِمِينَ عِنْدَهُمْ عَلَى مَالٍ يُوْخَذُ مِنْهُمْ يَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَّفَقُوا عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَجْعَلُونَهُ وَالْيَا فَيُولِي قَاضِيًا أَوْ يَكُونُ هُوَ الَّذِي يَقْضِي بَيْنَهُمْ وَكَذَا يَنْصِبُوهُمْ إِمَامًا يَصْلِي بِهِمُ الْجُمُعَةَ^۲

البحر الرائق میں ہے:

وَفِي فَتْحِ الْقَدِيرِ مَا يَخَالِفُهُ قَالَ وَإِذَا لَمْ يَكُنْ سُلْطَانٌ وَلَا مَنْ يَجُوزُ التَّقْلِيدُ مِنْهُ كَمَا هُوَ فِي بَعْضِ بِلَادِ الْمُسْلِمِينَ غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْكُفَّارُ فِي بِلَادِ الْمَغْرِبِ كَقَرْطَبَةَ الْآنَ وَبِلَنَسِيَّةِ (وَبِلَادِ الْحَبْشَةِ وَأَقْرَوُا الْمُسْلِمِينَ عِنْدَهُمْ عَلَى مَالٍ يُوْخَذُ مِنْهُمْ يَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَّفَقُوا عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَجْعَلُونَهُ وَالْيَا فَيُولِي قَاضِيًا وَيَكُونُ هُوَ

- معین الحکام فیما یردد بین الخصمین من الأحکام ج ۱ ص ۱۰ المؤلف: عی بن خلیل الطراییسی، أبو الحسن، علاء الدین (المتوفی: ۷۴۴ھ)

۱- شرح فتح القدیر ج ۷ ص ۲۶۳ کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی سنة الولادة / سنة الوفاة 681ھ الناشر دار الفكر مکان النشر بیروت عدد الأجزاء۔

الذی یقضی بینهما (ینصبوا) (ینصبون) إماماً یصلی بهم الجمعة اہ۔ وأما
فی بلاد علیہا ولایة الکفرة (الکفار) فینجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد
ویصیز القاضی قاضیا یتراضی المسلمین ویجب علیہم طلب وال مسلم اہ^۱
عنا من ابن عابدین رقمطرازہیں:

مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیہا الکفار و فی الفتح و إذا لم
یکن سلطان و لا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم
الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا
فیولی قاضیا و یكون هو الذی یقضی بینهما و کذا ینصبوا إماماً یصلی بهم الجمعة
اھ و هذا هو الذی تطمئن النفس إلیہ فلیعتمد نہر۔^۲
طحاوی میں ہے:

و فی مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوی غلب علی المسلمین ولایة الکفار
یجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد و یصیر القاضی قاضیا یتراضی المسلمین
و یجب علیہم أن یلتمسوا والیا مسلما اہ۔^۳

شاہ عبدالعزیز غفرلہ ہندوستان میں نظام قضا کے اولین داعی

یہی وہ ذمہ داری تھی جس نے اسلامی ہند کے سقوط کے بعد علماء اسلام کو بے چین کر دیا،
جس کے ہر اول دستہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ذات گرامی تھی، ہندوستانی علماء میں
سب سے پہلے شاہ صاحبؒ ہی نے برطانوی ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا اور مسلمانوں کو یہاں
بطور خود نظام امارت اور نظام قضا قائم کرنے کی تجویز پیش کی (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)۔^۴
جب کہ ابھی ہندوستان میں نظام قضا بالکل معطل نہیں ہوا تھا، اور مسلم عہد حکومت کے

۱- البحر الرائق شرح کتز الدقائق ج ۶ ص ۲۹۸ زین الدین ابن نجیم الحنفی منة الولادة ۹۲۶ھ / منة الوفاة ۹۷۰ھ الناشر دار المعرفة مکان النشر بیروت۔

۲- حاشیہ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ أبو حنیفہ ج ۵ ص ۳۶۹ ابن عابدین، الناشر دار
الفکر للطباعة والنشر۔ منة النشر ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م۔ مکان النشر بیروت۔ عدد الأجزاء ۸

۳- حاشیہ علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح ج ۱ ص ۳۲۸ أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحاوی الحنفی
منة الولادة / منة الوفاة ۱۲۳۱ھ الناشر المطبعة الکبری الامیریة بیولاق

منة النشر ۱۳۱۸ھ مکان النشر مصر عدد الأجزاء

۴- مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن مطبع مجاہدی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۳ء۔

قاضیوں اور مفتیوں کا سلسلہ برقرار تھا، لیکن آپ نے خطرہ کی گھنٹی محسوس فرمائی تھی کہ یہ سلسلہ کبھی بھی موقوف ہو سکتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے فتویٰ کے تقریباً چالیس سال کے بعد ۱۸۶۲ء (۱۲۷۸ھ) میں انگریزوں نے پہلے اسلامی تعزیرات منسوخ کر کے تعزیرات ہند کا نفاذ کیا، پھر ۱۸۶۴ء (۱۲۸۰ھ) میں اسلامی قاضیوں کی تقرری موقوف کر دی، اور ۱۸۷۲ء (۱۲۸۹ھ) میں اسلامی قانون شہادت بھی منسوخ کر دی گئی۔

فقہ اسلامی کے مذکورہ بالا ضابطہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے اس فتویٰ کے مطابق غیر اسلامی ہندوستان میں سب سے پہلے جتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنے دور میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اول صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کو قاضی مقرر فرمایا، پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بلا لحاظ اختلاف مسلک مختلف مسلک کے پانچ سو سے زیادہ علماء کرام سے نظام قضا کے مسئلہ پر تائیدی دستخط حاصل فرمائے۔

یہ تائیدی تحریرات اور دستخط آج بھی محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہیں۔^۱

حضرت مولانا سجادؒ نے اس فکر کو عملی قالب عطا کیا

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحبؒ نے اسی فکری تسلسل کو آگے بڑھایا، اور غیر مسلم ہندوستان میں امارت شریعہ کے لئے پہلی بار باقاعدہ جدوجہد کا آغاز فرمایا، بقول حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ:

”اس مسئلے کو متاخرین علماء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے پوری قوت کے ساتھ اٹھایا اور شیخ البند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس کی بھرپور تائید کی۔“^۲

حضرت مولانا محمد سجاد اولؒ تحریک خلافت میں پیش پیش رہے، پھر انجمن علماء بہار قائم کی، جس کی توسیع بعد میں جمعیت علماء ہند کے طور پر ہوئی، لیکن ان تمام کوششوں کے پیچھے ان کا نصب العین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مذکورہ فتویٰ کی روشنی میں نظام امارت و قضا کا قیام تھا، مولانا سجاد

۱- اللہم قضا کا قیام مس ۱۰ معتقد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۲ء۔

۲- نظام قضا کا قیام مس ۱۱ معتقد حضرت قسیم اسام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۲ء۔

صاحب نے اپنے متعدد فتاویٰ اور مقالات میں اس فتویٰ کا حوالہ دیا ہے، اور اس کو دلیل راہ کے طور پر اپنے سامنے رکھا ہے (تفصیل پہلے گزر چکی ہے)۔^۱

اس باب میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کی حساسیت اور فکر مندی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب مسرمانیکو وزیر ہندوستان آئے تو ہندوستان کی مختلف تنظیمیں اور سیاسی شخصیات اپنے اپنے مختلف مقاصد کے تحت ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوئیں، لیکن مولانا سجاد نے ان سے ہندوستان میں محکمہ قضا کے قیام کا مطالبہ کیا، مولانا کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ علیہ السلام آبادی لکھتے ہیں:

”جب مسرمانیکو وزیر ہند (۱۹۱۷ء میں) اعلان (حکومت خود اختیار) کے لئے ہندوستان آئے تو ہندوستان کی تمام جماعتوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق عرضداشتیں پیش کیں مگر مولانا نے ان کے پاس محکمہ قضا کے متعلق ایک عرضداشت بھیجی کہ جو نمٹ مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملات اور مقدمات کے فیصلے کے لئے بن میں مسلمان حاکم شرط ہے محکمہ قضا قائم کیا جائے اور اس کو ان مقدمات کے متعلق ڈسٹرکٹ جج کے برابر اختیارات دیئے جائیں۔ مولانا کی اس عرضداشت پر کوئی توجہ نہ کی گئی۔ مگر مولانا اپنے اس مطالبہ سے کسی وقت بھی غافل نہ ہوئے۔“^۲

بالآخر مولانا نے جمعیت علماء ہند کی تاسیس اور امارت شرعیہ کے قیام سے قبل جب وہ مدرسہ انوار العلوم گیا (بہار) میں مہتمم و مدرس تھے، مدرسہ کے سالانہ اجلاس (۳۰ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء) کے موقع پر انجمن علماء بہار کی بنیاد رکھی، جس کا صدر مقام مدرسہ انوار العلوم گیا قرار پایا، تاکہ اس کے ذریعہ دیگر اجتماعی امور کے علاوہ دارالقضاء کے لئے ماحول کو سازگار بنایا جاسکے۔^۳

اندازہ یہ ہے کہ جمعیت علماء ہند کے لئے مولانا کی کوششیں انجمن علماء بہار کے قیام سے قریب دو سال قبل ہی (یعنی تقریباً ۱۹۱۵ء میں) شروع ہو گئی تھیں، جیسا کہ حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلواروی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے: ”جمعیت علماء ہند کے قیام کے لئے ہندوستان کے اکثر صوبوں میں سفر کر کے علماء میں اس کی تبلیغ کی اور لوگوں کو آمادہ کیا لیکن عمل کی طرف پہلا قدم مولانا کا تھا۔ اس طرح امارت شرعیہ کے قیام کی تحریک تمام ہندوستان میں پھیلانی،

۱۔ دیکھئے: مقالات سجاد ۱۳۲ شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواروی شریف پٹنہ، و متفقہ فتاویٰ علماء ہند تحریر کردہ حضرت مولانا ابوالحاجن محمد سجاد ص ۴۴، مطبوعہ ”فتح ہاشمی میرٹھ“ من جابت ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۲۰ء۔

۲۔ حیات سجاد مسند مولانا عظمت اللہ علیہ السلام آبادی ص ۵۰۔

۳۔ کتاب الفتح والتفریق ص ۲۳ معتمد مولانا عبد الصمد رحمانی، تاریخ امارت شرعیہ ص ۳۱ مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانی، حسن دیوت ص ۳۵ مرتبہ: شاہ محمد عثمانی، حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلواروی۔

اس کے لئے علماء و زعماء ہند کے پاس متعدد سفر کئے، جہاں تک مجھ کو یہ دس سال دو سال تک چیم
مخصوص طور پر اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے، بالآخر علماء و صوبہ بہار کے ذریعہ زعماء اور علماء کی
ایک بڑی جماعت کو جمع کر کے اس کی بنیاد ڈالی۔^۱

لیکن جب ان کو محسوس ہوا کہ امارت شرعیہ کے قیام میں فی الوقت کافی دشواریاں ہیں،
اور اس کے لئے ذہنی تشکیل میں تھوڑا وقت لگے گا، اور وہ عجلت میں صرف بہار کی حد تک امارت
شرعیہ قائم کرنا نہیں چاہتے تھے، ان کی آخر آخر تک یہ کوشش رہی کہ کل ہند سطح پر امارت شرعیہ قائم
ہو، جب ہی امارت کی پوری افادیت حاصل ہو سکتی تھی، لیکن مسلمہ معاشرہ کے کئی مسائل کے حل کے لئے
نظام قضا کی فوری ضرورت تھی، جس کو مستقبل بعید پر نا اہلیں جاسکتے تھے، اس لئے ضرورت کو محسوس
کرتے ہوئے آپ نے امارت شرعیہ سے قبل دارالقضاء کی بنیاد ڈال دینے کا عزم کر لیا، لیکن اس کے
لئے بھی مجلس علماء کی ضرورت تھی، جو دارالقضاء کی تجویز منظور کرے، قاضی کا تقرر کرے، اور
دارالقضاء کے کاموں کی نگرانی کرے، عداوہ مسلمانوں کے ملی اور سیاسی مسائل پر بھی نظر رکھے، انہیں
وسیع مقاصد کے پیش نظر آپ نے نئی سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد انجمن علماء بہار کی بنیاد ڈالی۔

امارت شرعیہ کے قیام سے قبل دارالقضاء کا قیام

چنانچہ ایک سال کی جدوجہد کے بعد انجمن علماء بہار کے دوسرے سال ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۲۰ء) پچلاواری شریف پٹنہ میں حضرت مولانا
(۲۵ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۲۰ء) پچلاواری شریف پٹنہ میں حضرت مولانا
نے دوسری کئی تجویزوں کے ساتھ تجویز نمبر پانچ (۵) خاص دارالقضاء کے لئے مرتب فرمائی، جو
حسب ذیل الفاظ میں باتفاق رائے منظور ہوئی:

”یہ جلسہ انجمن علماء بہار تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کے باجمعی مالی و مذہبی معاملات کے انفصال کے
لئے صوبہ بہار کے تمام اضلاع اور قصبہات میں دارالقضاء قائم کیا جائے، جس کے قاضی کا انتخاب
منجانب ارکان انجمن علماء بہار ہو اور تمام علماء و مشائخ کو چاہئے کہ اپنے منقذ میں تمام مسلمانوں اور
مریدوں کو نہایت شدت کے ساتھ ہدایت کریں کہ وہ اس دارالقضاء کی طرف توجہ کریں۔“

پھر اس اجلاس کی مجلس انتظامی میں یہ تجویز منظور کی گئی:

”ارکان اتنی میہ کی یہ مجلس تجویز کرتی ہے کہ حسب تجویز نمبر ۵ اجلاس دوم منعقدہ ۲۵ شعبان

۱۳۳۸ھ میں ایک دارالقضاء پھلواری شریف میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی جناب مولانا نور الحسن صاحب ہوں اور ایک دارالقضاء پٹنہ میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا شاہ عبید اللہ صاحب ہوں، اور ایک دارالقضاء بانکی پور میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا نعمت الدین صاحب ہوں اور ایک دارالقضاء سہرام میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا محمد عمر صاحب ہوں اور ایک دارالقضاء آرد میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا عبدالوہاب صاحب ہوں۔^۱

یہ تمام دارالقضاء انجمن علماء بہار کے زیر نگرانی اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آ گیا تو یہ تمام دارالقضاء امارت شرعیہ کی طرف منتقل ہو گئے، اور امارت شرعیہ کا مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف کا دارالقضاء قرار پایا، اور یہی پورے صوبہ کے مقدمات کی سماعت کرتا رہا، باقی تمام دارالقضاء عملی طور پر آہستہ آہستہ معطل ہو گئے، امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ قمر الدین صاحب پھلواری کے زمانے تک یہی صورت حال رہی، امیر شریعت ثالث کے وصال کے بعد شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ مطابق مارچ ۱۹۵۷ء میں جب امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی (جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے) کا انتخاب عمل میں آیا، تو انہوں نے محکمہ قضا پر خصوصی توجہ مرکوز کی، اور پہلی فرصت میں صوبہ بہار و اڑیسہ کے بڑے شہروں میں دارالقضاء قائم کرنے کا فرمان جاری کیا۔^۲

اس کے بعد سے آج تک اس میں مسلسل توسیعات ہو رہی ہیں، اور ابھی تک بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ اور بنگال چار صوبوں میں پینسٹھ دارالقضاء قائم ہو چکے ہیں جس کی نگرانی خود امارت شرعیہ کرتی ہے، مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف پٹنہ میں واقع ہے، جہاں سے تمام دارالقضاء کو ہدایات جاری کی جاتی ہیں۔

چند آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت بھی پورے ہندوستان میں مرکزی مقامات پر تقریباً ساٹھ دارالقضاء قائم ہیں، جن میں اکثر قضاۃ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار کے تربیت یافتہ ہیں۔

۱۔ کتاب الفتح والتحریق ص ۳۳ تا ۳۷ معتمد: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نائب امیر شریعت ثانی، مع ترتیب و تحقیق حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامی دکنی، ناشر: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، اشاعت ۲۰۰۰ء۔
۲۔ کتاب الفتح والتحریق ص ۳۳ تا ۳۷ معتمد: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نائب امیر شریعت ثانی، مع ترتیب و تحقیق حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامی دکنی، ناشر: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، اشاعت ۲۰۰۰ء۔

دارالقضاء یا جملۃ المسلمین العدول (شرعی پنچایت)؟

اسی دور میں جب کہ بہار میں امارت شرعیہ اور دارالقضاء کا نظام کامیابی کے ساتھ جاری ہو چکا تھا مجبور عورتوں کے مسائل کے حل کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شاہکار کتاب 'الحلیۃ الناجزۃ للحلیۃ العاجزۃ' شائع ہوئی، جو ہندوستان کے علماء حنفیہ اور حجاز مقدس کے علماء مالکیہ سے مراسلت اور تبادلۂ خیالات کے بعد تیار کی گئی تھی، اس کتاب میں امارت اسلامیہ کی عدم موجودگی میں جن مسائل میں قضائے قاضی کی ضرورت ہے ان میں "نظام قضا" کے بجائے مسلک مالکی سے "جملۃ المسلمین العدول" (شرعی پنچایت) کا نظریہ اختیار کیا گیا تھا۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنی یہ کتاب "الحلیۃ الناجزۃ" علماء ہند کے پاس استصواب رائے کے لئے بھیجی تو حضرت مولانا محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار کو بھی اس کا ایک نسخہ ارسال فرمایا، یہ تقریباً ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق اگست ۱۹۳۲ء کی بات ہے، (یعنی امارت شرعیہ کے قیام کے تقریباً تیرہ سال کے بعد) حضرت مولانا محمد سجادؒ نے کتاب کے بنیادی مندرجات سے اتفاق کرتے ہوئے شرعی پنچایت والے نظریہ سے اختلاف کیا، اور اس کے لئے اختصار کے ساتھ دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا:

"اس وقت جزو دوم کا مقدمہ سرسری طور پر دیکھا۔ دارالکفر میں قضائین المسلمین کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے فقہاء حنفیہ مجہم ان نے جو صورت تجویز فرمائی ہیں وہ نہ معلوم کیوں اس رسالہ میں مذکور نہ ہوئیں، یعنی: بصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین اور ان یتفقوا علی واحد یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً الخ۔ اور جب یہ صورت موجود ہے تو پنچایت کی صورت اختیار کرنا بلا ضرورت مسئلہ غیر کا اختیار کرنا ہوگا۔ اس مسئلہ کی ضرورت و اہمیت کے علاوہ پنچایت کی عملی دقتیں بہت زیادہ ہیں اور ان شرائط کی نگہداشت بھی بہت مشکل ہوگی۔"

(۱) حضرت مولانا سجادؒ نے جن نکات کی نشاندہی کی ہے وہ اپنی جگہ بے حد اہم ہیں، دارالقضاء کا نظریہ مسلک حنفی کے مطابق ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسے مواقع پر اصل نظام قضا ہے، جملۃ المسلمین یا شرعی پنچایت کا نظریہ مسلک مالکی سے لیا گیا ہے، اصول کے مطابق جب تک مسلک حنفی پر عمل کرنا ممکن ہو، حنفی مسلمانوں کے لئے کسی دوسرے مسلک پر عمل یا فتویٰ کی گنجائش نہیں ہے، مولانا سجادؒ

۱- الحلیۃ الناجزۃ ص ۷۷ ۷۸ ۷۹ مطبوعہ مکتبہ علمی دیوبند، سن طباعت ۱۹۹۳ء، مکتب سجاد ص ۱۸۰، اشاعت کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ، پٹنہ، سن اشاعت ۱۹۹۹ء

نے انجمن علماء بہار یا امارت شریعہ کی نگرانی میں نظام قضا کا جو برسوں کا میاب تجربہ کیا تھا، اس کی روشنی میں یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ یہ نظریہ قابل عمل نہیں تھا، اس لئے مسلک غیر کو اختیار کیا گیا۔ اس کا اعتراف حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان الفاظ میں فرمایا:

”اس باب میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ امارت اور اس کے تحت محکمہ دارالقضاء کا ملک میں قیام کوئی دشوار امر نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی خاص رکاوٹ ہے، اس کا ایک صوبائی نظام پچاس سال سے صوبہ بہار و اڑیسہ میں قائم ہے۔ صوبہ میں متعدد مقامات پر دارالقضاء قائم ہیں، جہاں امارت کی طرف سے قضا مقرر ہیں، اور ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں مقدمات آ کر فیصلہ ہوتے رہتے ہیں۔“

مسلمان ان دارالقضاؤں میں اپنے ہر طرح کے مقدمات لاتے ہیں، اور آسانی سے انصاف حاصل کرتے ہیں۔ اور سالہا سال کا تجربہ ہے کہ ان دارالقضاؤں کے فیصلے شد و مقدمات بے چون و چرا مسلمانوں میں مانے جاتے ہیں، اس پورے پچاس سال میں غالباً صرف گیارہ مقدمات ہیں جن کی اپیل سرکاری عدالت میں کی گئی، مگر یہ بات خوشی کی ہے کہ سرکاری عدالت نے ان ہی فیصلہ جات کو برقرار رکھا جو قاضیوں نے کئے تھے۔“

(۲) دوسری بات یہ ہے شرعی پنچایت میں عملی طور پر دشواریاں زیادہ ہیں، جس کی تائید حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند و صدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے بھی فرمائی، حضرت حکیم الاسلام اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے شرعی کئی کے نام سے فقہ مالکی کی رد سے جو مل پیش فرمایا ہے، وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے اہم اقدام ہے، لیکن اس میں بڑی دشواری یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تمام ارکان کئی کا اتفاق فیصلہ میں ضروری ہے، اگر یہ اتفاق حاصل نہ ہو سکے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا۔“

قلت: فلو اختلفا فطلق أحدهما ولم يطلق الآخر؟ قال: إذا لا يكون ذلك هناك فراق؛ لأن إلى كل واحد منهما ما إلى صاحبه باجتماعها عليه ۲

اس طرح ایک عجیب انجمن پیدا ہو جاتی ہے اور اصل میں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تنظیم کی صورت نظام قضا کے تحت معاملہ کو بلحاظ لینے کی ایک راہ ہے اگر تنظیم کسی

۱- نظام قضا کا قیام ۱۵، ۱۶ مئی ۱۳۰۵ھ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ثانیؒ کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، واضح رہے کہ حضرت حکیم الاسلام نے ہر سالہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام سے قبل تحریر فرمایا تھا (پیش لفظ کتاب ص ۵)

۲- المدونة الكبرى ج ۲ ص ۲۶۸ المؤلف: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179ھ) المحقق: زكريا عميرات، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

ضابطہ کے نقص کی وجہ سے ناکام ہو جائے، تو اس کا موقع رہتا ہے کہ قاضی اس معاملے کو ہاتھ میں لے کر فیصلہ کر دے، اب موجودہ صورت حال میں تحکیم تو ہو لیکن قضاء نہ ہو تو ایسی صورت میں ضابطہ تحکیم کی ضروری شرائط کے فقدان کی بنا پر تحکیم مسئلہ کے حل سے عاجز رہتی ہے، اور قاضی ہے نہیں جو مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لے، اس طرح وہ (مختصہ) پھر لوٹ آتا ہے جس کے حل کے لئے فقہ مالکی کی طرف عدول کیا گیا تھا۔“

(۳) علاوہ اس کے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہندوستان میں اس فکر کے اولین داعی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی نظامِ قضا ہی کے قائل تھے، اپنے اس فتویٰ میں جس میں انہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کو خود اپنا امیر و قاضی منتخب کرنے کی ہدایت دی ہے، اس کے استدلال میں آپ نے جو فقہی عبارتیں نقل کی ہیں اس میں فتاویٰ عالمگیری کی یہ عبارت بھی شامل ہے:

”بلاد علیہا ولایة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا
بتراضی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیاً مسلمہ کذا فی معراج
الدرایۃ۔“^۲

ہندوستان میں جو حضرات نظامِ قضا کے قائل ہیں وہ بھی اپنے استدلال میں اسی طرح کی عبارتیں پیش کرتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک بھی اس عبارت کا وہی مفہوم ہے جو نظامِ قضا کے قائلین نے سمجھا ہے، اور ان کی رائے میں بھی غیر مسلم ہندوستان میں حنفیہ کا نظامِ قضا ہی زیادہ لائق قبول ہے، اسی لئے ان کا ذہن مسلکِ غیر کی طرف نہیں گیا۔

غیر اسلامی ہندوستان میں تقررِ قاضی کا مسئلہ

☆ رہی یہ بات کہ کیا غیر اسلامی ہندوستان میں مسلمان خود براہِ راست نظام قائم کر سکتے ہیں؟ یا اس کے لئے امیر و حاکم کا وجود ضروری ہے بایں معنی کہ یہ انتظامی مسئلہ ہے، اور انتظام کے لئے پہلے منتظم کا وجود ضروری ہے، تو گو کہ بعض علماء کے نزدیک یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، لیکن خروج عن الخلاف کے لئے اس دشواری کا حل حضرت مولانا سجادؒ نے امیر شریعت کے انتخاب کے ذریعہ دریافت کر لیا تھا، اور اس کے بعد سے آج تک قضیوں کا تقرر بہار یا دیگر ریاستوں میں امیر شریعت

۱- نظامِ قضا کا قیام ص ۱۵، ۱۶ شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسن لا بورڈ۔

۲- فتاویٰ عزیزی فارسی ص ۳۳۔

ہی کے توسط سے ہوتا ہے، اس صورت میں تو نظام قضا کے قابل قبول ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، اور مسک حنفی سے عدول کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ جو حضرات عام مسلمانوں کی طرف سے براہ راست نظام قضا کے قیام کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی تراغی مسلمین سے امیر کے انتخاب کے قائل ہیں، ان کے خیال میں مسلمانوں کی پہلی ضرورت نصب امیر کی ہے اور امیر کے فرائض میں نصب قضا شامل ہے، عہد حاضر میں اس مسئلہ کے مضبوط وکیل مولانا مفتی عبدالقدوس رومی صاحب سابق مفتی شہر آگرہ تحریر فرماتے ہیں:

”بلاکفر میں مسلمانوں پر صرف یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اتفاق رائے سے اپنا کوئی والی و امیر مقرر کر لیں اس کے بعد مسلمانوں کے لئے قاضی کا تقرر تو یہ ذمہ داری اس والی و امیر کی ہے والی کے بغیر محض تراغی مسلمین سے کوئی شخص قاضی شرعی نہیں ہو سکتا۔“

اسی طرح کی بات اسی فکر کے حامل ایک دوسرے عالم دین مولانا افضال الحق جوہر قاسمی نے بھی لکھی ہے:

”مسلم عوام والی تو بنا سکتے ہیں مگر قاضی نہیں منتخب کر سکتے۔“

☆ حالانکہ محققین علماء کی بڑی تعداد اس خیال سے اتفاق نہیں رکھتی کہ مسلمان باہم رضامندی سے نظام قضا قائم نہیں کر سکتے، اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ تقرر قاضی کے دو طریقے ہیں:

قَالَ الْمَازِرِيُّ فِي شَرْحِ التَّلْقِينِ الْقَضَاءُ يَنْعَقِدُ بِأَحَدٍ وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا عَقْدُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ أَحَدِ أَمْرَائِهِ الَّذِينَ جَعَلَ لَهُمُ الْعَقْدُ فِي مِثْلِ هَذَا، وَالثَّانِي عَقْدُ ذَوِي الرَّأْيِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ وَالْعَدَالَةِ لِرَجُلٍ مِنْهُمْ كَمَلَّتْ فِيهِ شُرُوطُ الْقَضَاءِ وَهَذَا حَيْثُ لَا يُمْكِنُهُمْ مَطَالَعَةُ الْإِمَامِ فِي ذَلِكَ وَلَا أَنْ يَسْتَدْعُوا مِنْهُ وَلَا يَتَّهِمُوا، وَيَكُونُ عَقْدُهُمْ لَهُ نِيَابَةٌ عَنِ عَقْدِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَوْ نِيَابَةٌ عَنْ جَعَلَ الْإِمَامُ لَهُ ذَلِكَ لِلضَّرُورَةِ الدَّاعِيَةِ إِلَى ذَلِكَ. ۳

۱- ہندوستان میں شرعی حیثیت ہی کیوں دارالقضا کیوں نہیں؟ ص ۶۰ اقوال: حضرت مفتی عبدالقدوس رومی، جامع مفتی محمد القدوس ضویب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یو پی، ناشر مجمع الفتاویٰ، کتب المند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔

۲- ہندوستان میں شرعی حیثیت ہی کیوں دارالقضا کیوں نہیں؟ ص ۶۸ اقوال: حضرت مفتی عبدالقدوس رومی، جامع مفتی محمد القدوس ضویب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یو پی، ناشر مجمع الفتاویٰ، کتب المند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔

۳- تبصرة الحکام فی اصول الاقضية و مناهج الاحکام ج ۱ ص ۴۱ المؤلف: ابراہیم بن علی بن محمد ابن فرحون، برهان الدین البعمری (المتوفی: 799ھ)

مسلم حکمران کی موجودگی میں عام مسلمان قاضی کا تقرر نہیں کر سکتے

(۱) والی اور امیر کے ذریعہ نامزدگی عمل میں آئے، مسلم والی و امیر کی موجودگی میں (عام حالات میں) عام مسلمانوں کو خود سے قاضی مقرر کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر کیا جائے گا تو غیر معتبر اور غیر شرعی قرار پائے گا اور امیر سے بغاوت متصور ہوگی۔ اور یہی ان عبارتوں کا محمل ہے جن میں کہا گیا ہے کہ محض عام مسلمانوں کی تراضی سے قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس صورت میں عام مسلمانوں کی طرف سے اس پیش قدمی کی کوئی حاجت نہیں ہے (یہ ذمہ داری امیر کی ہے) دراصل کچھ لوگوں کو بعض ان عبارتوں سے غلط فہمی ہوئی جن میں کہا گیا ہے کہ اہل شہر اگر اپنی مرضی سے قاضی مقرر کر لیں تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہوگا:

وَإِذَا اجْتَمَعَ أَهْلُ بَلَدَةٍ عَلَى رَجُلٍ وَجَعَلُوهُ قَاضِيًا يَقْضِي فِيهِمَا بَيْنَهُمْ لَا يَصِيرُ قَاضِيًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَعَقَدُوا مَعَهُ عَقْدَ السَّلْطَنَةِ، أَوْ عَقْدَ الْخَلَافَةِ يَصِيرُ خَلِيفَةً وَسُلْطَانًا كَذَّابًا فِي الْمَحِيطِ^۱

حالانکہ ان عبارتوں کا محمل وہ صورت ہے جب اسلامی حکمران موجود ہو، اور وہ قاضی کا تقرر کر سکتا ہو، ظاہر ہے کہ پھر مسلمانوں کو خود سے قاضی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ایسے موقع پر عام مسلمانوں کو تقرر قاضی کی اجازت دینا فتنہ اور بغاوت کا باعث ہے۔

(۲) لیکن جہاں مسلم حکمران موجود نہ ہو اور نہ ہر دست اس کا انتخاب ممکن ہو، جبکہ نظام قضاء کے فقدان سے مسلمانوں کو بہت سے مسائل میں دشواریوں کا سامنا ہو، تو ایسی ضرورت کی صورت میں خود مسلمان بھی قاضی کا انتخاب کر سکتے ہیں، جس طرح کہ امیر کے نہ ہونے کی صورت میں امیر کا انتخاب کرنے کی ان کو اجازت ہے، اس مضمون کی بہت سی صریح فقہی عبارتیں موجود ہیں۔

علامہ شامیؒ نے بہت تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے:

قوله (ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل وال جائز) أي الظالم وهذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف ما لو ولو اسلطانا بعد موت

۱- الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۲۶۹ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة، الناشر: دار الفكر سنة النشر ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۱م
مكان النشر عدد الأجزاء 6

سلطانہم کما فی البزازیة نہر وتمامہ فیہ قلت و هذا حیث لا ضرورة و إلا فلہم تولیة القاضی أيضا کما یأتی بعدہ۔ و اما بلاد علیہا ولایة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع و الأعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیہم أن یلتمسوا و الیا مسلما منہم اھ و عزاء مسکین فی شرحہ الی الأصل و نحوه فی جامع الفصولین مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیہا الکفار و فی الفتح و إذا لم یکن سلطان و لا من یجوز التقلد منہ کما ہو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبة الآن یمجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ و الیا فیولی قاضیا و یكون هو الذی یقضی بینہم و کذا ینصبوا إماما یصلی بہم الجمعة اھ و هذا هو الذی تطمئن النفس إلیہ فلیعتمد۔^۱

اس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا، دیگر فقہاء نے بھی ضرورت کے وقت عام مسلمانوں کو فقیہ قاضی کی اجازت دی ہے اور اس کو شرعی قاضی قرار دیا ہے۔
فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

اجتمع اهل البلدة و قدموا رجلاً علی القضاء لا یصح لعدم الضرورة و ان مات سلطانہم و اجتمعوا علی سلطنة رجل جاز للضرورة۔^۲
فتاویٰ بزازیہ ہی کی کتاب السیر میں ہے:

و اما البلاد الی علیہا ولایة کفار فیجوز فیہا ایضاً إقامة الجمع و الاعیاد و القاضی قاض بتراضی المسلمین و یجب علیہم طلب و ال مسلم۔^۳
علامہ ابن ہما شخریر فرماتے ہیں:

یجب علیہم ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ و الیا فیولی قاضیا او یكون هو الذی یقضی بینہم۔^۴

- حاشیہ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ أبو حنیفہ ج ۵ ص ۳۶۹ ابن عابدین، الناشر دار الفکر للطباعة و النشر، سنۃ النشر ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م، مکان النشر بیروت، عدد الأجزاء ۸

۲- الفتاویٰ البزازیة علی ہامش الہندیۃ، کتاب ادب القاضی ج ۵ ص ۱۳۰، للطبعة الکبری الامیریۃ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ۔

۳- الفتاویٰ البزازیة علی ہامش الہندیۃ کتاب ادب القاضی ج ۶ ص ۳۱۱، للطبعة الکبری الامیریۃ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ۔

۴- فتح القدیر شرح البدایین ج ۵ ص ۲۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

جامع الفصولین میں ہے:

اهل البلدة لو تباعوا على سلطنة احد يصير سلطانا بخلاف القاضي
لضرورة في الاول لافي الثاني-^۱
طحاویؒ میں ہے:

وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوي غلب على المسلمين ولاية الكفار
يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين
ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما-^۲
علماء متقدمین میں قاضی عبدالرحمن بن احمد البکری اپنی شہرہ آفاق کتاب ”المواقف“ میں
تحریر فرماتے ہیں:

”لانسلم عدم انعقاد القضاء بالبيعة للخلاف فيه، وان سلم فذلك عند
وجود الامام لا مكان الرجوع اليه في هذا المهم واما عند عدمه فلا بد من القول
بانعقاده بالبيعة تحصيل المصالح المنوطة به ودرء المفساد المتوقعة دونه-“^۳
اسی طرح کی تصریحات فقہاء حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں بھی موجود ہیں۔^۴
خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزۃ کی تصنیف کے زمانہ میں علماء مالکیہ کے
سامنے جب یہ سوال رکھا تھا کہ اگر مسلمان غیر مسلم حکومت کے تحت ہوں اور وہاں حکومت کی طرف
سے کوئی قاضی مقرر نہ ہو، تو کیا عام مسلمانوں کی جانب سے قاضی کا تقرر درست ہوگا؟ جب کہ قاضی
کو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہوگی۔

اس کا جواب حرم نبوی کے مالکی عالم شیخ عبداللہ الموتی نے ان الفاظ میں تحریر کیا:

لا مانع من ذلك اذا اضطر الناس الى ذلك ببادل عليه ظاهر كلام اهل
المذهب-^۵

۱- جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۹، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی۔

۲- حاشیہ علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة /
سنة الوفاة 1231 هـ الناشر للطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318 هـ مكان النشر مصر عدد الأجزاء -

۳- المواقف فی علم الکلام ص ۳۹۹ طبع عالم الکتاب بیروت۔

۴- الاحکام السلطانیة للقاضی ابی یعلیٰ ص ۷۳، ۷۴ الاحکام السلطانیة للإمام ابی الحسن الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) ص ۶۳، ۶۴ مطبوعہ
السعادة مصر، الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر مکی البکری الشافعی ج ۲ ص ۳۲۶ طبع المصنوع ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

۵- الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۵۵ مکتبہ رضی دیوبند، ۲۰۰۵ء۔

یعنی اگر لوگوں کو واقعی اس کی ضرورت ہو تو مذہب میں بظاہر اس کی ممانعت نہیں ہے۔
اس سے فقہائے ہدایت کے رجحان پر روشنی پڑتی ہے۔

قوت و اختیار کا اصل سرچشمہ

در اصل ان فقہاء کے پیش نظر یہ بات ہے کہ قوت و اختیار کا اصل سرچشمہ کون ہے؟ عام مسلمان یہ نام و وقت کا امر کا کافی نے اس پر بڑی اصولی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوت و اختیار کا اصل سرچشمہ عام مسلمان ہیں اور حکم کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ انہیں مسلمانوں کے عطا کردہ ہوتے ہیں، اس کے اہمال و تصرفات مسلمانوں کے، جب کی حیثیت سے انجام پاتے ہیں، اسی لئے حکم کی موت یا صحیحی سے اس کے مقرر کردہ وقت و قضا کا معزز و مل نہیں ہوتے۔ ہذا جس جگہ مسلم حکم موجود نہ ہو عام مسلمانوں کا اختیار مسبب نہیں ہوگا اس لئے کہ انہوں نے یہ اختیار کسی کے حوالے نہیں کیا ہے، پس انہیں وقت ضرورت تقریضی کا اختیار بھی حاصل ہوگا جیسے کہ تقرر امیر کا اختیار انہیں حاصل ہے:

وَالْقَاضِي لَا يَعْمَلُ بِوَلَايَةِ الْخَلِيفَةِ وَفِي حَقِّهِ بَلْ بِوَلَايَةِ الْمُسْلِمِينَ وَفِي حَقِّهِمْ، وَإِنَّهَا الْخَلِيفَةُ بِمَثَلَةِ الرَّسُولِ عَنْهُمْ؛ لِهَذَا لَمْ تَلْحَقْهُ الْعَهْدَةُ، كَالرَّسُولِ فِي سَائِرِ الْعُقُودِ وَالْوَكِيلِ فِي النِّكَاحِ، وَإِذَا كَانَ رَسُولًا كَانَ فَعْلُهُ بِمَثَلِهِ فَعَلِ عَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَوَلَايَتِهِمْ بَعْدَ مَوْتِ الْخَلِيفَةِ بَاقِيَةٌ، فَيَنْقُصُ الْقَاضِي عَلَى وَلَايَتِهِ، وَهَذَا بِخِلَافِ الْعَزْلِ، فَإِنَّ الْخَلِيفَةَ إِذَا عَزَلَ الْقَاضِي أَوْ الْوَالِي يَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ، وَلَا يَنْعَزِلُ بِمَوْتِهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَنْعَزِلُ بِعَزْلِ الْخَلِيفَةِ أَيْضًا حَقِيقَةً، بَلْ بِعَزْلِ الْعَامَّةِ؛ لِمَا ذَكَّرْنَا أَنَّ تَوَلِيَّتَهُ بِتَوَلِيَّةِ الْعَامَّةِ، وَالْعَامَّةُ وَلَوْهَ إِلَّا سَتَبَدَّلَ دَلَالَةً؛ لِتَعْلُقِ مَضْلَحَتِهِمْ بِذَلِكَ، فَكَانَتْ وَلَايَتُهُ مِنْهُمْ مَعْنَى فِي الْعَزْلِ أَيْضًا، فَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْعَزْلِ وَالْمَوْتِ.^۱

جمعیت علماء ہند نے ہر دور میں نظم و قضا کی حمایت کی

اسی لئے جمعیت علماء ہند نے ہر دور میں دارالافتاء کی حمایت کی اور اس کے متعدد وجوہوں کے سبب سے قیام دارالافتاء کی دعوت پیش کی گئی، "جمعیت علماء ہند کے سراسر اصول و آئین و ضوابط (جو دہلی کے اجلاس منعقد ۷، ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں منظور

- بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ ص ۱۶ علاء الدین انکاسانی سنۃ الولادة / سنۃ الوفات ۱۹۸۷ء ناشر دار الکتاب العربی سنۃ النشر ۱۳۸۲ھ مکان النشر بیروت عدد الأجزاء ۷۔

ہو کر شائع ہوئے) میں دفعہ ۴ شق داؤ کے تحت اغراض و مقاصد کے ذیل میں شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے فصل خصوصیات کے لئے محکمہ دارالقضاء قائم کرنا بھی داخل ہے۔^۱

یہ اس موقف کی مضبوطی اور ہندوستان جیسے غیر مسلم ملکوں میں مسلک حنفی کے مطابق نظام قضا کے قابل عمل ہونے کی علامت ہے، مثلاً:

☆ جمعیت علماء ہند کے اجلاس چہارم گیا (۱۹۲۲ء) میں صدر اجلاس حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی (متوفی: رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا:

”اسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت ہیں۔ اور ان کو اپنے معاملات

میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے والی اور امیر مقرر کریں۔

دارالقضاء قائم کر کے قضاۃ اور مفتیین کا تقرر کریں، جمعیت علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے۔“^۲

☆ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) نے جمعیت علماء ہند کے اجلاس ہشتم (۱۹۲۷ء) میں اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

”مسلمان جب کہ باہمی اتفاق سے اپنے امیر اور قاضی منتخب کر لیں گے تو ان پر ان کے احکام

اور فیصلوں کا تسلیم کرنا بھی لازم ہو گا اور ان امیر دل اور قاضیوں کو فیصلے دینے کا شرعی حق ہو جائے

گا اور اس طرح مسلمانوں کے شرعی معاملات قضاۃ شرعی کے ماتحت انجام پذیر ہوتے رہیں

گے، جمعیت علمائے ہند نے اپنے گذشتہ اجلاسوں میں بھی اس مسئلہ پر متعدد مرتبہ زور دیا ہے

اور اس نے دارالامارۃ اور دارالقضاء کے اصول و قواعد بنانے کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر

کر کے سودے بھی تیار کرائے ہیں۔“^۳

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں شرعی پنچایت کے بالمقابل نظام قضائی زیادہ مطابق احوال اور لائق قبول ہے، واللہ اعلم بالصواب۔



۱۔ امارت شریعہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۶۲ تالیف: حضرت مفتی محمد رفیع الدین صاحب مفتاحی شائع کردہ مکتبہ امارت شریعہ پبلواری شریف پٹنہ مطبوعہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۴ء۔

۲۔ خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی (۱۹۲۲ء) ص ۴۴۔

۳۔ خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند پشاور، ص ۵۹۔

دینی و دعوتی خدمات

(۱۲)

بارہواں باب

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن محمد سجادؒ کی دعوتی، اصلاحی و فلاحی خدمات

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی مبارک زندگی کا ایک وسیع باب دعوت و اصلاح اور فلاحی خدمات سے متعلق ہے، کئی تذکرہ نگاروں نے آپ کی ان خدمات کا ذکر متفرق طور پر کیا ہے، مگر ان میں پورے ایک دور کی تاریخ دعوت و عزیمت پوشیدہ ہے، ان واقعات میں آج کے حالات کے لئے بھی بڑی عبرتیں پوشیدہ ہیں، منہ سب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ چیزیں خود ان کے ناقلین کی زبانی پیش کی جائیں، تاکہ آپ کی سیرت کا یہ عظیم باب تشدد نہ رہ جائے، اور اس میدان میں بھی آپ کی جو انفرادیت تھی، وہ سامنے آجائے۔

فصل اول

دعوتی خدمات

حضرت مولانا محمد سجادؒ نے اسلام کی دعوت و اشاعت، فتنہ ارتداد کے انسداد اور کفر و شرک کے جراثیم کے خاتمہ کے لئے پوری زندگی جدوجہد کی، دور دراز علاقوں کے اسفار کئے، دشوار گزار راستوں کی مشقتیں برداشت کیں، اور آپ کی بروقت کوششوں کے نتیجے میں ہزاروں لوگ فتنہ ارتداد کی آگ سے محفوظ رہے، سیکڑوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، حضرت مولاناؒ کی زندگی کا یہ انتہائی اہم باب ہے، اور مولاناؒ نے اس میدان میں جو زیریں خدمات انجام دی ہیں، اس وقت کے قائدین میں بہت کم لوگ ہونگے جو اس میدان میں حضرت مولاناؒ کی ہمسری کر سکیں، لیکن آپ کی خدمات کے اس حصہ کو جس اہمیت اور عمومیت کے ساتھ پیش کیا جانا چاہئے تھا نہیں کیا جاسکا، حضرت کے چند خاص اہل تعلق کو چھوڑ کر بہت کم لوگوں نے ان کی زندگی کے اس حصہ سے تعرض کیا ہے، ضرورت ہے کہ آپ کی خدمات کے اس باب کو بھی کافی نمایاں طور پر پیش کیا جائے۔

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اس جذبہ دعوت سے کبھی خالی نہیں رہے، بلکہ ان کی حیات طیبہ میں اسی جذبہ نے سرشاری پیدا کی، اور ان کی سرگرمیوں میں سرفروشی کی نمود اسی جذبہ کی بدولت ہے، یہاں اس موضوع سے متعلق بعض واقعات و روایات پیش کی جا رہی ہیں:

تبلیغ اسلام کی مساعی جمیلہ اور فتنہ ارتداد کا مقابلہ

حضرت مولانا عثمان غنی صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

”تحریک خلافت کے زوال کے بعد ملک میں جو فتنہ و فساد پھیلنا اور شیعہ مسلک کی تحریک شروع ہوئی اور ملک کے مختلف حصوں میں ارتداد کی وبا پھیل گئی، اس کے روکنے میں حضرت مولاناؒ نے امارت شرعیہ کے کارکنوں سے کام لینے کے علاوہ خود بھی حصہ لیا، مکانہ میں خود دورہ کر کے تبلیغی کام انجام دیئے، امارت کے متعدد مبلغین کو وہاں متعین کر کے ان سے دفع ارتداد اور تبلیغ و اصلاح کا کام انجام دلایا۔“

”سو بہ بہار کے گدیوں اور بھانٹوں میں جب ارتداد کی وبا پھیلی تو ضلع چمپارن میں

گدیوں کی اصلاح کے لیے اور ضلع ساران میں بجاتوں کی اصلاح کے لیے خود بھی دورہ کیا، چونکہ گورکھپور کی طرف سے ان اضلاع میں ارتداد کے جراثیم آتے تھے اس سرچشمہ کو بند کرنے کے لیے حضرت مولاناؒ نے گورکھپور کے علاقہ کا دورہ فرمایا اور اصلاحی و تبلیغی جلسے کر کے اور متاثر شدہ افراد کی نفسیات کا لحاظ رکھ کر اصلاحی رسائل شائع فرمائے۔ اس طرح ارتداد کی یہ وبا حضرت مولانا کی سعی جمیل سے اس صوبہ سے ختم ہو گئی اور ان لوگوں کی آئندہ حفاظت اور تعلیم کے لیے متعدد علاقوں میں مسجد تعمیر کرا دی اور اس طرح ہزاروں مسلمان کفر کی آغوش میں جانے اور جہنم کے ایندھن بننے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے۔^۱

☆ اس دور میں ستر ہزار مذہبی مضامین اور پمفلٹ مفت تقسیم کئے گئے۔^۲

فتنہ راج پال کا مقابلہ

☆ ”فتنہ راج پال کے ارتداد کے لیے صوبہ کے مختلف مقامات میں جلسے کرائے۔ راج پال ایک آریہ تھا جس نے ”رنگیلارول“ نامی ایک ناپاک کتاب لکھی تھی اور حکومت پنجاب نے جب اس پر مقدمہ چلایا تو ہائی کورٹ سے وہ رہا ہو گیا۔ اس واقعہ سے تمام مسلمان ہند میں ایک ہیجان پیدا ہوا اور خطرہ ہوا کہ مفہم اور شریہ افراد اسی طرح اپنے خست نفس کا اظہار کرتے رہیں گے۔ اس بنا پر تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے ہوئے اور حکومت ہند سے قانون میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا۔ ایک مسلمان نے راج پال کو قتل کر دیا اور حکومت ہند نے قانون میں ایسی ترمیم کر دی کہ پھر اس طرح کی کوئی کتاب شائع نہ کی جائے۔“^۳

آریہ سماجی فتنہ کا استیصال چار سو مرتدین کا قبول اسلام

حافظ محمد ثانی صاحب رقمطراز ہیں:

☆ ”۱۹۳۶ء میں جب کہ تمام ہندوستان میں فتنہ ارتداد کا زور تھا، ضلع چمپارن میں مسلمان گدی قوم کے تقریباً ۴۰۰ اشخاص مکرو فریب، ظلم و جور کے ساتھ مرتد بنائے گئے تھے۔ امدادت شرمیہ کے مقامی کارکنوں نے دفتر امارت کو اطلاع دی حضرت مولاناؒ خود تشریف لائے اور بعض مقامی کارکن یعنی شیخ عدالت حسین صاحب، حافظ احمد علی صاحب کے ہمراہ دریائے گنڈک پار کر کے چمپارن کے مغربی و جنوبی حصہ سے گزر کر خانقاہ اہرونی حضرت مولانا شاہ عبد اللہ صاحب

۱- حیات سجاد ص ۱۳۶، ۱۳۷ مضمون مولانا عثمان نعمانی صاحب

۲- امارت شرمیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۰۰ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی۔

۳- حیات سجاد ص ۱۳۶، ۱۳۷ مضمون مولانا عثمان نعمانی صاحب

کے یہاں پہنچے، جو یوپی کے علاقہ میں چمپارن کی سرحد سے متصل واقع ہے۔ یوپی کے راجہ تنکو بی کا اس فتنہ کے بڑھانے میں زبردست ہاتھ تھا اور اسی کا اثر یوپی اور چمپارن کے گدیوں پر پڑ رہا تھا۔ مولانا مرحوم نے حضرت شاہ صاحب موصوف کی کوششوں سے مسلمانوں کے ایک جلسہ عام کا اعلان کر دیا جس میں گورکھپور سے مولوی سبحان اللہ صاحب اور مولانا آزاد بھائی بھی تشریف فرما تھے۔ زبردست تبلیغی تقریریں ہوئیں۔ غریب گدیوں کی ہمت افزائی ہوئی۔ راجہ مذکور مرعوب ہوا اور فتنہ ارتداد کا سد باب ہوا اور تھوڑے دنوں میں یوپی اور چمپارن کے مرتدین ایک ایک کر کے ملتے جگوش اسلام ہو گئے۔^۱

حاجی عدالت حسین صاحب نے ارتداد کے اسباب اور پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

”علاقہ چمپارن میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات میں گدیوں کی شدھی کا انداد وہ درختاں خدمت ہے، جو تاریخ کے اہم اور نمایاں واقعات میں لکھا جائے گا۔ چمپارن میں پچیس سال سے آریہ سماج مخفی طور پر کوشش کر رہے تھے کہ چمپارن کے بائیس ہزار گدیوں کی شدھی کر لی جائے۔ کیوں کہ گدیوں کی یہ قوم باوجود اپنے کو مسلمان کہنے کے سیرت و صورت، نشت و برنست، خور و نوش، طرز بود و ماند میں یکسر ہندو انداز پر تھے۔ ان کے مردوں کے نام مہادیو، شیورتی، رام بھاس، بھو تول کے پسمندیاں، بھگنیاں، بیتا، ورتتی وغیرہ تھے، سر پر ٹیک رکھتے تھے، مونچھیں بڑی بڑی رکھتے تھے، ڈاڑھیاں بالکل صاف رہتی تھیں، مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے میں ان کو احترام تھا۔ نماز، روزہ سے نا آشنا۔ دہی، درگا، بھوانی، بلہتی کے معتقد اور ناگ پوجا وغیرہ کے عادی تھے۔ ان ہی حالات نے آریوں کو آمادہ کر لیا، اور وہ شدھی کے پرچار میں تن من دھن سے مصروف ہو گئے، اور ان کے پرچار اور مبلغ کو نکلنے کو نکلنے میں پہنچ کر مخفی طور پر کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ آ پہنچا کہ یہ طے ہوا کہ فلاں دن۔ پنچر دا امتحان پر جو بیتا سے تین کوس پر ہے، ان سب کی شدھی کی جائے، اور اس کے لیے بنارس، گورکھپور، اجودھیا وغیرہ سے بڑے بڑے سوامی مدھو کیے گئے۔

امارت شریعہ کے کارکن حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ جن کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس امر میں خصوصی ہدایات حاصل تھیں۔ چنانچہ عین موقع پر صدر انقیب امارت شریعہ حافظ محمد ثانی صاحب، اور مولانا ابومحمد صاحب مبلغ امارت شریعہ وغیرہ مسلمانان ہتیا کے ایک پورے اجتماع کے ساتھ پہنچے۔ حالات اس درجہ خطرناک ہو گئے کہ پولیس مع فورس کے نگرانی کے لیے آگئی۔ بلکہ خطرہ کی شکل میں آکھڑا ہوا۔ مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات اور تربیت بروقت کام آگئی۔ اور ظہر کی نماز کے بعد سے تقریریں شروع ہو گئیں۔ آریوں نے بھی تقریریں شروع کیں، مگر اسلامی تقریروں کا

اتنا اچھا اثر ہوا کہ تمام گدی آریوں سے متفر ہو کر اپنی چوٹی اور نیک کٹوانے لگے، اور بڑے افعال سے تاب ہوئے۔ باہر کے آئے ہوئے گدی بھی جو شہی کرانے کے لیے لائے گئے تھے صحیح معنوں میں شدہ (یعنی پاک ہو کر) وہ بھی تاب ہو گئے۔ آریہ مبلغ ناکام ہو کر بھاگ نکلے۔“

پچیس ہزار مرتدین اور تین ہزار غیر مسلموں کا قبول اسلام

حضرت مولانا عثمان غنی صاحب نقل کرتے ہیں کہ:

☆ ”حضرت مولانا اور امارت شریعہ کے کارکنوں کی تبلیغ و اصلاح سے کم سے کم تین ہزار اشخاص کفر کے صف سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کم سے کم پچیس ہزار افراد ارتداد کی لعنت سے محفوظ ہو گئے۔ ہزاروں مسلمانوں نے مراسم شرک سے نجات پائی، ہزاروں مسلمان عقائد فاسدہ سے تاب ہوئے۔“

سیکڑوں دولت گھرانے حلقہ بگوش اسلام

حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

☆ ”موضع چوڑوا تھا کہ گھبران میں تقریباً چار سو گھرانے جراثم پیشہ مگر ڈوم زیر نگرانی سولن آرمی ہیں۔ امارت شریعہ کے مبلغین و کارکنوں کی کوششوں سے تقریباً ایک سو گھرانے بخوشی مسلمان ہو گئے۔ سولن آرمی کے انگریز منجر نے غریب مسلمانوں پر قسم قسم کے مظالم ڈھانا شروع کیا مگر وہ لوگ صبر و استقامت کے ساتھ آج تک اسلام پر ثابت قدم ہیں۔ ۲۶ء میں قاضی احمد حسین صاحب جو اس زمانہ میں کونسل کے ممبر تھے ان کی کوششوں سے ایک مسلمان معلم کو گورنمنٹ نے بحال کیا جو آج تک تعلیم دے رہے ہیں۔ کانگریسی حکومت کے زمانہ میں میں نے ان نو مسلموں کے متعلق گورنمنٹ سے بارہا متعدد سوالات کیے جس کے بعد خود پرائمری مہر صاحب ہم لوگوں کے ساتھ چوڑوا تشریف لے گئے۔ تحقیقات کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ سولن آرمی کی نگرانی سے ان لوگوں کو نکال کر اچھوت اور مسلمانوں کے مستند اداروں کی نگرانی میں دے دیا جائے، ابھی تک یہ معاملہ ناتمام ہی رہا۔ کانگریسی حکومت مستعفی ہو گئی۔“

اس کارروائی کی تفصیلی رپورٹ حاجی عدالت حسین صاحب نے اس طرح نقل کی ہے:

”چمپارن میں جراثم پیشہ ڈوموں کو پورے ضلع سے جمع کر کے گورنمنٹ نے چوڑوا سمنٹ تھا کہ

۱- حیات سجاد ۱۲۲، ۱۲۳، مضمون حاجی عدالت حسین صاحب

۲- حیات سجاد ۱۲۶، مضمون مولانا عثمان غنی صاحب

۳- حیات سجاد ۱۱۲، مضمون حافظ محمد ثانی صاحب

جہاں اور ہری نگر تھانہ رام نگر میں رکھا تھا۔ اور اصلاح کے لیے ان کو سلوٹن آرمی کے حوالہ کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم یہ ہوا کہ ان کو کرشنن بنایا جا رہا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آریہ سماجیوں نے بھی ریشہ دوانی شروع کر دی ہے۔ حضرت نائب امیر شریعت اس صورت حال سے بہت متاثر ہوئے۔ اور مجھ کو ہدایات دے کر ارشاد فرمایا کہ وہاں جا کر ان کی اصلاح کرو۔ اور اسلام کی تبلیغ کرو۔ جب ارشاد میں اور مولانا حفیظ الحسن صاحب مبلغ امارت شریعیہ ہری نگر مسلمانیت گئے۔ اور حسب ہدایات حضرت مولانا تبلیغ شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ بہت بہتر نکلا۔ اور ان کی کثیر تعداد اسلام میں حلقہ بگوش ہو گئی۔ اور چنگو اتوار کے سلسلہ میں جو دو تین دن کے بعد ہونے والا تھا ان لوگوں نے حسب دستور قدیم سور (خنزیر) شراب، گانجا وغیرہ جمع کیا تھا۔ ان سب سامان کو برباد کر دیا۔ سور بنگل میں چھوڑ دیے گئے۔ شراب اور گانجا کو نالیوں کے نذر کیا گیا۔

یہ خبر تمام بجلی کی طرح پہنچ گئی۔ اور متمول بندہ بڑے بڑے سوامی کے ساتھ زراپاشی کے لیے رہا۔ یہ لے کر پہنچ گئے اور لالچ دے کر شادی کی ترغیب دینے لگے۔

لیکن اسلام کی سادگی اور معاشرتی مساوات ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ آپ لوگ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے لیے تیار ہیں؟ ہم کو جنھوں نے لکھ پڑھایا ہے۔ ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ ایک بستر پر سوتے ہیں۔ ایک مسجد میں ایک ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ کوئی فرق اور امتیاز میرے ساتھ نہیں رہتے ہیں۔

جب اس سے وہ مایوس ہو گئے تو تھانہ کی طرف رجوع کیا۔ وہاں سے سب انپکٹر کو مع چند کانسبل کے لے کر وہاں پہنچے۔ جہاں ہم لوگ نئی مسجد بنا کر قیام کیے ہوئے تھے۔ الزام یہ دکھایا کہ آپ لوگوں نے خلاف قانون مسلمانیت کو بدنام کرنا کیا ہے۔ ہم لوگوں کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ہم لوگوں کا کوئی آدمی مسلمانیت میں ابھی تک نہیں گیا ہے۔ جو میرے پاس آ کر اسلام قبول کرنا ہے، ہم لوگ اس کو اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور مسلمان بناتے ہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

جب انپکٹر صاحب جانے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ چند منٹ ٹھہر جائیے۔ مسلمانیت کے مرد و عورت کی ایک جماعت خصل کرنے کے لیے دریا لگی ہے۔ ابھی آ کر آپ کے سامنے اسلام قبول کرے گی۔ آپ بھی اس کو دیکھیں۔ تاکہ رپورٹ میں سبوت ہو، اتنے میں تمیں آدمی آ گئے۔ بن کو مولانا محمد حفیظ الحسن صاحب مبلغ امارت شریعیہ نے لکھ پڑھایا، اور ان لوگوں نے اپنی چوٹی اور مونچھ کے بال اپنے ہاتھ سے کاٹ کر وہاں دکھائے۔ جہاں اور بھی یہ شعار کفر پہلے سے رکھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد موضع کولہوا چوڑوا (جو مسلمانوں کی بستی ہے اور مسلمانیت کے قریب واقع ہے) آ گئے اور وہاں کی مسجد میں قیام کیا۔ جرائم پیشہ ڈوم وہاں بھی پہنچتے رہے۔ اور مسلمان ہوتے

رہے۔ چند دنوں میں سٹلمنٹ کا تقریباً نصف حصہ مسلمان ہو گیا۔ اس جرم میں کہ ان لوگوں نے اسلام کیوں قبول کیا۔ آئینی اور غیر آئینی طریقہ پر مصیبت میں مبتلا کیے گئے، مگر محمد نہ وہ لوگ اپنے اسلام میں پختہ ثابت ہوئے، اور ان کے استقلالِ ایمانی میں کوئی لغزش نہیں ہوئی، اور پورے صبر و استقامت کے ساتھ یہ لوگ آج تک اسلام پر ثابت قدم ہیں۔

ان حالات سے مایوس ہو کر شہمی کے پرچارک آریہ سماجی جویکڑوں کی تعداد میں چمپارن میں متعین کیے گئے تھے۔ مرکز کے عتاب میں آ کر موقوف کیے گئے اور سلوٹن آری کے پادری کا درجہ توڑ دیا گیا اور وہاں سے تبدیل کر دیے گئے۔

ضلع سارن (چھپرہ) میں فتنہ ارتداد کا خاتمہ

”شہمی تحریک کے زیر اثر ضلع سارن (چھپرہ) کے دو بھٹا مرتد ہو گئے تھے، امارت شرعیہ کو جیسے ہی اس کی اطلاع ملی، ذمہ دار حضرات اور مبلغین وہاں پہنچے اور ان حضرات کی کوششوں سے یہ مرتدین دوبارہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے، اور دوسرے بھٹا بھی اس لعنت سے محفوظ ہو گئے۔“^۱

ریاست گورکھپور میں شہمی تحریک کا استیصال

حاجی عدالت حسین صاحب نے ریاست گورکھپور کے علاقہ ”راجہ تمکوہی“ میں ارتداد و اصلاح کا ایک چشم دید واقعہ نقل کیا ہے، جو حضرت مولانا سجاد کی عزیمت و تجدید کا شاہکار ہے:

”اسی سلسلہ کی دوسری کڑی راجہ تمکوہی علاقہ گورکھپور کی ریاست کا ہے۔ جب حضرت نائب امیر شریعت کو یہ اطلاع ملی کہ اس علاقہ کے گدیوں کی شہمی کی جارہی ہے، اور ان کے گھر کے صحن میں بانس کا جھنڈا گاڑ کر گھردالوں کو گائے کے دہی، دودھ، گھی میں گوبر اور پیشاب ملا کر ان کو پلایا جاتا ہے، اور اس طرح ان کو شہدہ کیا جاتا ہے۔ اور بانس کی جوڑ میں ایک رسم ”نک دریا“ کرائی جاتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ مولانا شاہ عبداللہ صاحب اہرونی کا خٹہ پہنچا کہ فلاں تاریخ کو میری مسجد شہید کی جائے گی اور میرا مکان مسمار کیا جائے گا۔ نیز میری جان کا بھی خطرہ ہے۔ تو حضرت مولانا بیتاب ہو گئے۔ اور فوراً یہ انتقام کیا کہ نو جوان گدیوں کے تقریباً چالیس افراد کو جو رضا کار بنائے گئے تھے، ان کے صدر عبدالکحیم گدی کے ساتھ مقدمہ انجیش بنا کر اور ہدایات دے کر آگے روانہ کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا اپنے ساتھ مجھ کو لے کر اور مولانا عبدالرزاق صاحب مبلغ امارت شرعیہ اور

۱- حیاتِ سجاد ص ۱۲۹ تا ۱۳۰ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب۔

۲- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۰۸ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب نقانی

حافظ محمد نعیم اور حافظ علی احمد عرف پٹو صاحب انصاری روانہ ہوئے۔ راستہ پر خطر تھا دو جگہ زور یاے
 ٹھنڈک اور ایک جگہ زور یاہانسی کو عبور کرنا تھا۔ یکہ کی سواری تھی۔ حافظ پٹو صاحب رہنمائی کر رہے
 تھے۔ غلطی سے بے گھاٹ راہ پر یکہ لگ گیا۔ حضرت نائب امیر شریعت کا یکہ پہلے دلدل میں جا پڑا،
 اور قریب ڈوبنے کے پہنچ گیا اس کے بعد میرا یکہ جس پر مبلغ صاحب بھی تھے دلدل میں جا تار ہا اور
 وہ بھی ڈوبنے کے قریب ہو گیا مبلغ صاحب اور حافظ محمد نعیم صاحب گھبرا کر پہنچ رہے تھے کہ حضرت فوراً
 خشکی پر تشریف لے آئے۔ مگر مولانا باطینان بیٹھے ہوئے تھے اور 'فی الباساء والضراء'
 والی آیت تلاوت فرما رہے تھے، کہ یکا یک تائید غیبی ہوئی۔ اور تینوں یکے جو ہم لوگوں کی سواری
 میں تھے، مع سوار کے راستہ پر لگ گئے۔ اور سب لوگ بال بال بچ گئے۔

اس کے بعد جب زور یاہانسی پر پہنچے تو مغرب کا وقت ہو چلا تھا کشتی سے دریا عبور کر کے
 مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ اب یہاں سے شاہ عبداللہ صاحب کامران تقریباً چومیل کے فاصلہ پر
 تھا۔ عجب اضطراب انگیز مصیبت تھی، مگر حضرت نائب امیر شریعت باطینان تمام ہم لوگوں کو تسلی
 دیتے ہوئے اور رہنمائی فرماتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ دس بجے
 شب کو شاہ صاحب موصوف کے مکان پر پہنچ گئے۔

رضا کاروں کی جماعت پہلے پہنچ چکی تھی۔ اس سے حضرت مولانا کی تشریف آوری کی
 خبر دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ ضلع سارن اور ضلع گورکھپور کے ذمہ دار حضرات اور علماء اور غریب
 عوام اس خبر کو سن کر کچھ آپکے تھے، اور زیادہ تر آپ کی تشریف آوری کے بعد پہنچے گدیوں کی
 جماعت سے (جن میں چالیس رضا کاروں کو بھیجا گیا تھا) اور تقریباً اس علاقہ میں ان کی آبادی
 چھیالیس ہزار ہے۔ بہت بڑی جماعت کثیر تعداد میں پہنچی۔ اور تملہ آوروگوں کی (جو گھات میں
 وقت کا انتظار کر رہے تھے) ان حالات کو دیکھ کر حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔ ریاست نے اپنی حدود
 ریاست میں حملہ کی ممانعت کر دی تھی۔ جس سے ٹھنڈک کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ مگر قدرت نے یہ راہ
 پیدا کی کہ مسٹر ملیکشن صاحب مالک کوٹھی جڑی نے حضرت نائب امیر شریعت کی تشریف آوری
 کی خبر سے متاثر ہو کر جیلہ کے لیے اپنی زمین دی۔ اور اسی کے ساتھ جیلہ کے تمام سامان شاملیانہ
 اور خیمہ وغیرہ کا خود مسٹر موصوف نے نظم کیا، اور بڑے پیمانہ پر جیلہ ہوا۔ شرکاء جیلہ میں مولوی سبحان
 اللہ صاحب رئیس اعظم کو رکھپور اور مولانا آزاد سبحانی صاحب اور مولانا جمیل احمد صاحب علی گنج بھی
 تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء کرام تھے، جن کے نام مجھ کو یاد نہیں ہیں۔ جیلہ کا افتتاح
 مولوی سبحان اللہ صاحب نے کیا، اور اپنی پر جوش تقریر سے حاضرین کے دلوں کو گرمادیا، اور حق
 و باطل کی آویزش اور صداقت و حقانیت کی برتری اور کامرانی پر ایسی مدلل تقریر کی کہ شہر کے

خطرات کے تمام تار و پود بکھر گئے۔ اس کے بعد حضرت نائب امیر شریعت نے نہایت بلیغ اور پر معنی خطبہ صدارت ارشاد فرمایا اور اسی کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ چمپارن کے گدیوں اور جرائم پیشہ ذوموں کے پیر یہاں موجود ہیں۔ آپ لوگ ان کی باتوں کو نہیں۔ جلسہ سے شور اٹھا کہ ہم لوگ ان کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت نائب صاحب کے حکم سے میں جلسہ میں پیش ہوا۔ اور گدیوں کی ابتدائی حالت کی تاریخ جو ہندی میں حضرت نائب امیر شریعت کے ملاحظہ کے بعد طبع کرا کے اپنے ساتھ لیتا گیا تھا، بڑھ کر سنایا، جس سے گدیوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا، اور آریوں کی فریب کاریوں اور دیسہ کاریوں سے ان کے دلوں میں اپنے ہندو ہونے کے متعلق جو تردد پیدا ہو گیا تھا وہ ایک قلم کا فور ہو گیا، اور ان کے دل اس یقین سے معمور ہو گئے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں۔ خاتمہ پر میں نے گدیوں کے ذمہ دار پیر ہونے کی حیثیت سے اعلان کیا کہ اس کے بعد اگر کوئی زبردستی آپ کے گھروں میں دھجکا گڑنے آئے یا پینچ گپ کا انتقام کرے۔ یا نیک دریا کی رسم کرانا چاہے اور آپ کو اس پر مجبور کرے۔ تو آپ پوری قوت سے اس کا مقابلہ کریں اور جان دینے اور جان لینے کے بھی خطرہ کا کچھ خیال نہ کریں اور صاف کہہ دیں کہ میرے پیر کا یہی حکم ہے۔

اس کے بعد دو روز تک جلسہ ہوتا رہا۔ علماء کرام کی اصلاحی اور تبلیغی تقریریں ہوتی رہیں۔ ان ہی حالات میں معلوم ہوا کہ راجہ صاحب اول ہی روز موٹر سے بنارس روانہ ہو گئے، اور آریہ سماج کے سوامی شہر سنگھ جو بڑے جنگجو مشہور تھے، وہ بھی روانہ ہو گئے، اور کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی، یہ سب برکات حضرت نائب امیر شریعت کی رہنمائی اور حسن تدبیر اور تدبیر کی تھیں۔ جو بروقت کام آئیں، اور اس طرح یہ مورچہ کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

ہزاری باغ میں فتنہ ارتداد کا خاتمہ

”اسی دور میں شدمی تحریک سے متاثر ہو کر ضلع ہزاری باغ کے پانچ سو مسلمان بھی مرتد ہو گئے تھے، امارت شرعیہ کو اطلاع ہوئی، تو فوراً مرداران اور مبلغین وہاں پہنچے اور ان میں اسلام کی تبلیغ کی، اور مرتد ہونے والوں کو دوبارہ ملحقہ اسلام میں داخل کیا، اور کفر و شرک سے توبہ کرائی۔“

سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام

ان دفاعی کوششوں کے ساتھ ایک بڑا کام حضرت مولانا نے یہ کیا کہ سرکاری اسکولوں کے

۱- حیات مجاہدین ۱۲ تا ۱۷ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب۔

۲- امارت شرعیہ دینی جہد و جہاد کا روشن باب ص ۲۰۳ مرحومہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی

نصاب کا جائزہ لیا، اور جہاں مذہبی تعلیم کی جگہ پر گیتنا یا بائبل وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی مسلم بچوں کے لئے اس کی جگہ پر اسلام کی دینی تعلیم کا انتظام فرمایا، مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب کا بیان ہے کہ:

”اس سلسلہ کی ایک اصلاح مولاناؒ نے چمپارن ضلع کے ابتدائی اسکولوں اور پاٹ ٹالوں میں کی، جہاں مسلمان بچوں کو ہندی کی تعلیم دی جاتی تھی اور بجائے قرآن کے گیتا پڑھایا جاتا تھا، مولاناؒ نے دفترِ تعلیمات سے کافی مراسلات کئے اور ابتدائی مکاتب کا معائنہ کر کے من و عن حالات حکام بالا کو پہنچائے۔ متعصب افسرانِ ماتحت کو بدلوایا اور مسلمان بچوں کی تعلیم مذہبی کا انتظام کرایا اور بکثرت اردو داں مسلمان معلم مقرر کرائے۔“^۱



فصل دوم

اصلاحی خدمات

حضرت مولانا کی اصلاحی خدمات کا دائرہ بھی بے حد وسیع ہے، یوں تو پورے ملک میں آپ کا فیض پہنچا، ملک میں کہیں بھی مسلمان پریشان ہوئے، آپ سر بکفن وہاں پہنچے، لیکن خاص طور پر بہار کو آپ کے اصلاحی فیوض سے مستفید ہونے کا زیادہ موقع ملا، آپ نے بہار کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا، بعض علاقوں میں اپنے نمائندوں کو بھیج کر معاشرتی اصلاحات کے فرائض ادا کئے، بہت سے غلط رسم و رواج کا خاتمہ کیا، فاسد عقائد اور باطل توہمات سے معاشرہ کو نجات دلائی، ناخواندہ معاشرہ کو جہالت کے دلدل سے باہر نکالا، اللہ پاک حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے، آپ نے اللہ کی مدد سے پورے پورے خطہ کی تصویر بدل ڈالی، علم کو فروغ دیا، علماء اور مشائخ سے ان کا رابطہ مضبوط کیا، اور سلف صالحین کی یاد تازہ فرمادی فجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین۔

چمپارن سے خصوصی تعلق

بہار میں بھی خطہ چمپارن آپ کی اصلاحی مساعی کا خصوصی میدان رہا ہے، سب سے زیادہ چمپارن کے لوگوں نے آپ کے روحانی اور اخلاقی کمالات سے استفادہ کیا، چمپارن کو حضرت مولانا سجاد کی زندگی میں وہی اہمیت حاصل ہے جو مشہور داعی و مبلغ حضرت مولانا محمد انیس کاندھلوی بانی جماعت تبلیغ کے یہاں میوات کو ہے، بقول حاجی عدالت حسین صاحب:

”چمپارن کو یہ خصوصی شرف حاصل ہے کہ قیام امدت شرعیہ کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد

صاحب نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے باضابطہ پہلا دورہ چمپارن کا فرمایا، اور اس احقر کو

اس کا شرف حاصل رہا۔“

بہار میں حضرت مولانا کی قدردانی کا جتنا حق اہل چمپارن نے ادا کیا دوسرے علاقوں میں کم نظر آتا ہے، چمپارن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کی مٹی میں بہت نمی اور قبول حق کی بڑی

صلاحیت ہے، چمپارن کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جو حضرت مولانا سے فیض یاب نہ ہوا ہو، وطن مالوف اور پھنواری شریف کا استثناء کر کے سب سے زیادہ طویل قیام آپ کا اسی خطہ میں رہا۔

چمپارن کا دینی و تاریخی پس منظر

مولانا حافظ محمد ثانی صاحب چمپارن کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ ضلع سابق ایام میں ظلمت و جہالت کا گہوارہ اور شعاعِ علم سے یکسر محروم تھا مگر ۱۸۵۷ء کے بعد خدا نے پاک کی توفیق اور مہربانیوں سے علمائے حقانین مثلاً حضرت مولانا جعفر علی صاحب و حضرت مولانا سر فرار علی صاحب غفائے کرام غازی اعظم حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ نے ہدایات و ارشاد کے لیے اس ضلع کو منتخب فرمایا۔ اس کے بعد یوپی کے ایک باخدا بزرگ حضرت مولانا احسان اللہ صاحب نے اس ضلع میں سلسلہ تبلیغ و ہدایت جاری رکھا، ان ہی مقدس بزرگوں کے فیوض و برکات سے مسلم آبادیوں میں مسجدیں تعمیر ہوئیں اور مدرسہ حفظہ کلام پاک کی بنیاد ایک غیر معروف ہستی سمرائیں ڈالی گئی جس میں آج بھی تقریباً ایک صد طلبہ قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔ اور یہ مدرسہ باوجود غیر مستقل ذرائع آمدنی کے ان طلبہ کے طعام و قیام و دیگر ضروری اخراجات کا کفیل ہے اس کے بعد ان ہی بزرگوں کے معتقدین نے مختلف مقامات میں مدارس عموم و دینیہ کی بنیاد ڈالی۔ ایک اور خصوصیت اس ضلع کی یہ تھی کہ اس ضلع کے مسلم باشندے زیادہ تر غریب اور کچھ متوسط الحال تھے کسی مسلم زمین دار اور دولت مند سرمایہ دار کا وجود نہیں تھا۔ اور عموم فرنگ اور تہذیب جدید کے مسموم جراثیم سے بالکل محفوظ و مامون تھا حضرت نائب امیر شریعت کی دور میں نگاہوں نے ایک نظر ڈالتے ہی یہ اندازہ لگایا کہ اس صوبہ میں یہی ایک ضلع ہے جہاں کے لوگوں میں احکام شریعت بددلیلیں و حجت قبول کرنے کی صلاحیت ہے سرمایہ داروں کی جنگ سرمایہ داری، متفرقین اکابر کا مکروہیلہ، شیدایان عموم فرنگ کا جمل مرکب، فریفتہ کان تہذیب جدید کی سازشیں، حق و صداقت کی دعوت و تبلیغ میں سدا رہائیں ہیں، ان ہی اسباب کی بنا پر امارت شرعیہ جیسے اہم ترین فریضہ کی دعوت و تبلیغ کے لیے حضرت مولانا نے اس ضلع کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی، چنانچہ یہ ضلع حضرت مولانا کے تبلیغی دور کی دعوت اور اعلیٰ دینی خدمات پر جس قدر بھی فخر کرے کم ہے چمپارن کی مسلم آبادی کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں ہے جو مولانا کے ارشادات و ہدایات کے فیضان سے محروم ہو۔“

اہل چمپارن کا حضرت مولانا سے بے پناہ عشق و محبت

اہل چمپارن کو مولانا کے ساتھ عشق کی حد تک تعلق تھا، چمپارن ہی کے رہنے والے حافظ محمد ثانی صاحب بیان فرماتے ہیں:

”ہم لوگوں پر مولانا کی ایک خاص شفقت کی نظر رہتی تھی۔ مولانا کی صحبت اور وعظ و پند میں وہ کشش تھی کہ ہم لوگ اپنی تمام اہم ضروریات کو بالائے طاق رکھ کر ان کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے اور نکات قرآنی سے قوت روحانی حاصل کیا کرتے تھے۔ مولانا تجرعلی، سیاست فہمی، ایثار و اخلاص عمل و جذبہ عمل، عجز و انکساری، سادگی و جفاکشی، صبر و استقامت، توکل و قناعت و دیگر صفات عالیہ سے ایسے متصف تھے کہ یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ خدا نے قدوس نے اپنے خاص بندوں کو خاص صفات و دیعت فرما کر کسی خاص اہم فریضہ کی انجام دہی کے لیے بھیجا تھا۔“

چمپارن میں والہانہ استقبال کا ایک منظر

جناب حاجی عدالت حسین صاحب (چمپارنی) نے چمپارن کے ایک دورہ کی جو منظر کشی کی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:

”جس وقت حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید شاہ محمد الدین صاحب مدظلہ (موجودہ حضور امیر شریعت) ساٹھی انڈیشن پر پہنچے پورا انڈیشن اس علاقہ کے مسلمانوں سے بھرا تھا اور جگہ کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف انسانوں کا جنگل معلوم ہوتا تھا۔ حافظ دین محمد صاحب چٹپنیا کی پندرہ سو روپیہ کی نئی حکمرم گاڑی، جس میں پانچ سو روپیہ کا گھوڑا لگا ہوا تھا انڈیشن پر موجود تھی جب دونوں بزرگ پیچھے تو ارادت مندوں کے والہانہ جذبات کا یہ حال تھا کہ باوجود سخت انکار اور ممانعت کے لوگوں نے گھوڑے کو الگ کر دیا اور جوش ارادت میں موضع سمری شیخ عبدالحمید صاحب کے مکان تک پہنچ کر لے گئے۔

یہاں سے شیخ گلاب صاحب مجاہد چمپارن کی دعوت پر پانہ بردوا تشریف لے گئے شیخ صاحب نے اس طرح وفد کا استقبال کیا کہ تین میل آگے سے کیلے کے ستون نصب کر کے جھنڈیوں سے آراستہ کیا تھا۔ اور مسلمانوں کے عام اژدحام کے ساتھ ساتھ علاقے کے ہندو دروہاء بھی ہاتھی اور گھوڑے پر سوار شریک جلوس تھے۔ پولیس بھی نگرانی کے خیال سے مع فورس کے ساتھ تھی، دن کو شیخ صاحب کے ہاں کھانا کھایا گئیا رات کو موضع وہونی میں حافظ محمد اسحق صاحب

کے زیر اہتمام عظیم الشان جلسہ ہوا۔ حضرت نائب امیر شریعت اور دیگر علماء نے تقریریں کیں، جن میں حضرت مولانا ریاض احمد صاحب اخصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ شب کو حافظ محمد آصف صاحب کے مکان پر بند کمرے میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مخصوص حضرات کو خصوصی طور پر طلب فرمایا اور حالات حاضرہ کے متعلق خصوصی مشورے دیئے۔^{۲۱}

اصلاحی جدوجہد بھی عبادت ہے

حضرت مولانا کو بھی اہل چمپارن سے خصوصی لگاؤ تھا، ان کے جذبات صدق و خلوص کی آپ نے بڑی قدر فرمائی، دل و جان سے ان کو گلے لگایا اور ان کی دینی و دنیاوی ضروریات کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، حضرت مولانا فرماتے تھے کہ لوگوں کی اصلاح بھی عبادت ہے، اور مشقت کے ساتھ کی جانے والی عبادت کا اجر دو چند ہو جاتا ہے، حافظ محمد ثانی صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا بیٹھ بیٹھ کی چٹلائی دھوپ اور ملتی تپش میں بیل گاڑی پر بھی نہایت خوشی کے ساتھ صبح سے شام تک سفر کرتے اور چھتری تک نہیں لگاتے۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا بہتر ہوتا کہ حضور کا دورہ اب سے بعد رمضان شریف یا قبل رمضان ہوتا کہ ہم لوگ روزہ میں تکالیف سفر سے نجات پاتے مولانا نے تبسم آمیز لہجہ میں فرمایا کہ رمضان شریف میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے۔ اصلاح قوم بہت بڑی عبادت ہے جس کو ہم لوگ اس متبرک مہینہ میں ادا کرتے ہیں۔“^{۲۲}

عقد بیوگان کی سنت کا احیا

جناب حاجی عدالت حسین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:

۱۔ حضرت مولانا ریاض احمد چمپارن کے ممتاز عالم، زندہ دل، اور صاحب نسبت بزرگ گذرے ہیں جو زندہ دل اور حساس قلب رکھتے تھے، بیٹاشیر سے دس (۱۰) کلومیٹر جنوب میں واقع ایک گاؤں موضع سنت پور (تھو نہ نوتن) میں آپ کی پیدائش ہوئی، یہی آپ کا آبائی وطن ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ تپو میں مولانا نیک محمد سے حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے رام پور شریف لے گئے، اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر مدرسہ عزیز بہار شریف اور مدرسہ اعدادیہ لہر یا رائے درجنگہ میں بھی بالترتیب مدرس رہے، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند شریف لے گئے، اور وہاں استاذ تفسیر ہوئے، امیر شریعت ثالث کے انتخابی اجلاس میں بحیثیت صدر استنبالیہ خطبہ صدارت پڑھا، اسی طرح امیر شریعت رابع کے انتخاب کے لئے جمعیۃ علماء بہار کے اجلاس خصوصی کی بھی صدارت فرمائی، امارت شریعہ کے رکن شرفی بھی رہے، آپ کے مکتبہ کا مجموعہ ”مکتبہ رب ریاضیہ“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، آپ کا انتقال ۱۹۶۲ء (۱۳۸۲ھ) میں بتایا گیا ہوا، اور موضع سنت پور میں مدفون ہوئے، آپ کے علاوہ اور خلفاء میں حضرت امیر شریعت خامس مولانا عبدالرحمن صاحب و بڑی شہرت حاصل ہوئی، اور آپ کا روح فی سلسلہ بھی ان ہی کے ذریعہ کافی وسیع ہوا (تذکرہ علماء بہار، ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰،

”اس علاقہ کی جہالت کی وجہ سے شادی میں ہندو اندھیرا عام شروع تھا۔ اسی بنا پر عقد ثانی کرنا سخت معیوب تھا، اور اس کا اظہار کرنے والا انتہا درجہ کا معتوب ہوتا تھا چہاں میں یہ مردہ سنت حضرت نائب امیر شریعت کی وجہ سے زندہ ہوئی۔ اور شیخ شمس الدین صاحب کا نکاح جو موضع سبیا کے سربراہ وردہ لوگوں میں سے ہیں ان کی بیوہ بھادوچ سے کیا گیا۔ اس کا اثر پورے علاقہ پر یہ ہوا کہ وہ تمام کراہیت جو قدیم سے اس سنت کی انجام دہی میں حائل تھی وہ مفقود ہو گئی۔ اور پورے علاقہ میں عقد ثانی کا اجرا ہو گیا۔ اور آج تک ہوتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک بری رسم یہ بھی تھی کہ چھوٹے بھائی کی بیوہ بی بی سے عقد کرنا نہایت ہی برا سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی وجہ سے اس کی بھی اصلاح ہوئی، بعض کا نکاح چھوٹے بھائی کی بیوہ بی بی سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کر دیا۔“

شادی بیاہ میں اسراف بیجا کی اصلاح

”اسی سلسلہ کی ایک کڑی شادی میں اسراف بیجا اور غیر ضروری تزک و اعتناء اور لہو و لعب بھی تھا۔ جس کے لیے مسلمان سودی قرضہ لیتے تھے، اور اپنی جائیداد مرہون اور فروخت کر دیتے تھے، اور اس طرح یہ شادی خانہ آبادی ساتھ ساتھ خانہ بادی بھی ہو جاتی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی سے یہ اسراف بیجا بھی بند ہو گیا۔ اب عموماً لڑکا والے طعام ولیمہ کرتے ہیں۔ اور لڑکی والے حسب لیاقت جہیز دیتے ہیں۔

☆ شیخ فیض اللہ صاحب رئیس لکھی کے لڑکے کی شادی شیخ محی الدین صاحب سبیا کی لڑکی سے جس اسلامی مادگی کے ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ہوئی، وہ چہاں میں کی تاریخ میں یادگار واقعہ رہے گا حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ لڑکے کو مع چند خاص اصحاب کے سادہ لباس میں لے کر سبیا پہنچے، عصر اور مغرب کے درمیان حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عقد پڑھایا۔ اس کے بعد حاضرین نے چائے پی، اور اسی دن لڑکی بیل گاڑی کی سواری سے رخصت کر دی گئی۔ حالانکہ طرفین کے لوگ اللہ کے فضل و کرم سے اپنے گاؤں کے رئیس ہونے کے علاوہ دونوں حضرات کے پاس متعدد ہاتھی، گھوڑے، ٹمٹم، موجود تھے۔“

مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا خاتمہ

☆ بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کے درمیان پشتینی جھگڑے چلے آ رہے تھے، ایک دوسرے کے خلاف مقدمات کی کثرت تھی، حضرت مولاناؒ کی کوششوں سے یہ جھگڑے ختم ہوئے، اور مقدمات

۱- حیات سجاد ص ۱۳۰ مضمون حاجی عدالت حسین صاحبؒ

۲- حیات سجاد ص ۱۳۱ مضمون حاجی عدالت حسین صاحبؒ

اتھا کمر سب گلے گلے مل گئے، اس طرح سینکڑوں گھرانے حضرت مولانا کے فیوضِ عالیہ سے باہم شیر و شکر ہو گئے۔^۱

مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح

مسلمانوں کے عقائد و اعمال پر حضرت مولانا کی گہری نگاہ تھی، اور آپ کے فیضِ توجہ سے ہزاروں لوگوں نے اپنے غلط عقائد و اعمال سے توبہ کی، اور سچے پکے مسلمان بن گئے، حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی تحریر فرماتے ہیں:

”نہیں وقت امارت شریعہ کی بنیاد رکھی گئی تھی، دورِ دراز دیہاتوں میں بہت سے مسلمان ایسے تھے، جن میں غیر اسلامی اور مشرکانہ رسوم پھیلی تھیں، صحیح اسلامی عقائد ان تک پہنچانے والا کوئی نہیں تھا، امارت شریعہ نے اپنے مختص مبلغین کے ذریعہ ان مسلمانوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا، مشرکانہ ائمہ و مراسم سے توبہ کرائی، اور اسلامی عقائد و اخلاق سے انہیں آشنایا، تشریعا بارہ ہزار شہروں، دیہاتوں اور مسلم آبادیوں کا اجتماعی یا انفرادی دورہ کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ہزار ہا ہزار مسلمانوں کے عقائد درست ہو گئے۔“

اس دور میں نماز پڑھنے کا شوق مسلمانوں میں بہت کم تھا، امارت شریعہ نے مسلمانوں کو اس بنیادی عبادت کی اہمیت بتائی، اور مسجدوں کے آباد کرنے کی ترغیب دی، بلکہ بہت سی جگہوں میں مسجدیں بھی تعمیر کرائی گئیں، اس کا بہت خوشگوار اثر ہوا، اور انہیں ہزار ایک سو پینتیس مسلمانوں نے باضابطہ ترک نماز سے توبہ کی، اور پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کا عہد کیا، اسی طرح چھ ہزار آنسو پتھن مسلمانوں نے جو مشرکانہ رسوم میں مبتلا تھے باضابطہ کارکنانِ امارت کے ہاتھوں پر توبہ کی، کچھ مسلمان جو گھروں میں سورتیاں رکھتے تھے انہیں، کمال کر پھونکا، کچھ ایسے بھی تھے جو اس وقت سروں پر چڑھیاں رکھتے تھے، انہوں نے چوٹیاں کٹوائیں، اس وقت کی رپورٹ میں ایسے مسلمانوں کی تعداد چھ ہزار پانچ سو آنسو درج مندی ہے۔

بیمار کے بعض علاقوں میں شراب اور تازی پینے کا بہت رواج تھا، مسلمان بھی اس نشہ خوری میں مبتلا تھے، امارت شریعہ کے مبلغین اور کارکنوں نے ان علاقوں میں پہنچ کر ایسے مسلمانوں سے توبہ کرائی، اور اس سے نفرت ذہنوں میں بٹھائی، ابتدائی دن راتوں میں ایسے توبہ کرنے والوں کی تعداد چوبیس ہزار تین سو پونہ تھی، ایسے پچھڑے ہوئے علاقوں میں امارت

۱- امارت شریعہ، دینی جہاد کا روشن باب ۵۵، مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی۔

شرعیہ نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے بکثرت مکاتب و مدارس کھولے۔^۱

دیہی علاقے شہر سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں

حضرت مولانا سجاد اپنی اصلاحات میں شہر سے زیادہ دیہاتوں پر توجہ دینے کے قائل تھے، شاہ محمد ثانی صاحب^۲ بیان کرتے ہیں:

”مولانا شہروں سے زیادہ دیہاتوں پر توجہ دیتے تھے کیونکہ ملک کی پچھتر فیصدی آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے دوسرے یہ کہ شہروں میں کثرت سے جلسے ہوتے رہتے ہیں، علماء اور زعماء کی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ دیہاتوں کے دشوار گزار راستوں کو طے کرنے کی کم ہی لوگ ہمت کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ دیہاتوں میں جو اثر ہو جاتا ہے وہ دیر پا ہوتا ہے، مولانا کی طاقت کا راز بھی یہی تھا جس سے مولانا اپنے حریفوں کو شکست دے سکے، مولانا اپنی صحت کی پروا نہ کر کے کثرت سے دیہاتوں کا دورہ کرتے تھے۔“^۲



۱- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۱۹۸، ۱۹۹ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی۔

۲- نولے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

فصل سوم

امدادی و فلاحی خدمات

فلاحی خدمات سے مراد وہ مجاہدانہ خدمات ہیں جو حضرت مولانا سجادؒ نے قدرتی آفات اور فرقہ وارانہ فسادات کے مواقع پر انسانی امداد، قیام امن، بقائے باہم، اور بالخصوص مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ، مصیبت زدوں کی امداد، مقدمات کی پیروی، حکومت سے گفت و شنید اور تحفظ ایمان و قیام اجتماعیت کے لئے مکاتب و مدارس اور مساجد کی تعمیر وغیرہ کے ضمن میں انجام دی ہیں، مولاناؒ نے اس محاذ پر بھی جو عظیم خدمات انجام دی ہیں، وہ اب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں، لیکن افسوس ان میں سے بہت کم کو محفوظ کیا جا سکا، یہاں بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۹۳۴ء کے زلزلے میں حضرت مولانا سجادؒ کی بے نظیر امدادی خدمات

☆ بہار میں ۱۹۳۴ء میں جو بھیہ ناک زلزلہ آیا اس موقع پر حضرت مولانا سجادؒ نے بنفس نفیس جو زریں خدمات انجام دیں اس کی مثال امدادی تاریخ میں بہت کم ملے گی، اس کی کچھ تفصیل حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحیؒ نے نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

”۱۵/ جنوری ۱۹۳۴ء مطابق ۲۸/ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ یومِ دو شنبہ کو بہار میں بڑا خوفناک اور بے رحمت ناک زلزلہ آیا اور یہ زلزلہ اپنے ساتھ بڑی تباہی و بربادی لایا، جزاروں مکانات مسمار ہو گئے، اور نہ معلوم کتنے انسان ان مکانوں کی چستوں اور دیواروں کے نیچے دب کر مر گئے۔ زمین شق ہو گئی، اور پانی کے چشمے پھوٹ پڑے، اس وقت انسانوں کی سراسیمگی کا عجب عالم تھا، جسوی طور پر اضلاع موگیر، ورہنگہ، مظفر پور، بیچپران، اور سارن، بہت متاثر ہوئے۔“

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ نے اس موقع پر بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں، آج اس کی مثال شاید مل سکے، نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد سجاد صاحب اس خدمت کے لئے وقف ہو کر رہ گئے تھے، اور آپ کے ساتھ امارت کے سارے کارکنان اور اپنی خواد کام کر رہے تھے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں امارت کے آدمی پہنچے، اور لوگوں کو سہارا دیا، اس دور میں بیت انمال امارت شرعیہ سے ایک لاکھ روپے مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم ہوئے، علماء، ملت نے اپنے سروں پر مٹی اٹھائی، غریبوں کے گھر بنوائے، اس حادثے میں جو بچے یتیم ہو گئے تھے، ان

کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔^۱

تعاون باہمی کی انوکھی اسکیم

”بعض دیہاتوں میں تعاون باہمی کی اسکیم رائج کی گئی، اس کی صورت یہ ہوتی تھی، کہ ایک آبادی کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، اور ہر حصہ والے سے کہا جاتا تھا کہ یہ سب مل کر یکے بعد دیگرے ایک ایک شخص کا مکان تعمیر کریں اور ہر شخص اپنی وسعت بھر اس میں حصہ لے، خود نائب امیر شریعت بھی اس میں عام باشندگان کے ساتھ حصہ لیتے تھے، اور مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ خرچ میں بہت سارے مکانات تعمیر ہو گئے، اور کوئی غریب ایسا باقی نہ رہے پلایا جس کا گھر نہ بن گیا ہو۔“^۲

فسادات کے موقع پر امدادی خدمات

☆ مولانا عثمان مہنی صاحب بیان کرتے ہیں:

”صوبہ میں جتنے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ان میں جہاں کہیں مسلمانوں کی مظلومیت ثابت ہوئی، حضرت مولانا نے امارت شریعیہ کی جانب سے مظلومین کی مناسب امانت کی۔ اضلاع درہمکندہ مظفر پور کے بعض دیہاتوں میں بقرعیہ کے موقع پر فسادات ہوئے جن میں مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور لوٹا گیا۔ وہاں بھی حضرت مولانا خود تشریف لے گئے اور امارت شریعیہ کے کارکنوں کے ذریعہ مقدمہ میں امانت کی، صوبہ کے دوسرے مقامات کے فسادات میں بھی مسلمانوں کی امانت کی گئی۔“

☆ کانگریسی حکومت کے زمانہ میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، اس کی خود تحقیقات کی یا امارت شریعیہ کے کارکنوں کے ذریعہ تحقیقات کرائی اور مظلوم مسلمانوں کی مالی یا قانونی امداد کرائی۔

☆ نیا گاؤں ضلع مظفر پور کے فسادات میں مظلوم مسلمانوں کے لیے پٹنہ کے ایک مشہور بیرسٹر کو حکومت کی طرف سے مقرر کرایا جنھوں نے پٹنہ اور ہائی کورٹ میں بھی کام کیا۔

☆ حمیا کے فساد کی تحقیقات کے لیے راقم الحروف کو بھیجا، اور پھر ایک دو روز کے لیے خود تشریف لے جا کر مفید مشورے دیے اور سچی و کوشش کر کے مسلمانوں کو تادان دلایا۔^۳

۱- امارت شریعیہ دینی جہد و جد کا روشن باب ص ۲۱۲ تا ۲۱۵ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مدنی

۲- امارت شریعیہ دینی جہد و جد کا روشن باب ص ۲۱۲ تا ۲۱۵ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مدنی

۳- حیات سجاد ص ۱۳۸، ۱۳۹ مضمون مولانا عثمان مہنی صاحب

چمپارن کا گوشہ گوشہ فسادات کی لپیٹ میں

”اسی طرح سوگوئی، چنپا، اختہ کے شدید بولے اور ضلع چمپارن کے گوشہ گوشہ کے بڑی فسادات میں (جوان دون بکثرت ہو رہے تھے) حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمات کی اس طرح نگرانی فرمائی کہ کارکنان امارت شریعہ چمپارن ہر روز پر کامیاب رہے۔“

بتیا میں فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر مسلمانوں کی امداد

بتیا میں فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر حضرت مولانا کی امدادی خدمات کی رپورٹ حافظ محمد ثانی صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”۲۱ اگست ۳۷ء کو بتیا میں ایک گہری سازش کے تحت جو مشہور فرقہ وارانہ فساد برپا کیا گیا تھا اور ہندوؤں نے غریب مسلمانوں پر بن بن مصائب کا پہاڑ ڈھایا تھا اس سے تمام ہندوستان واقف ہے۔ ہندو مسلمان جن میں زیادہ تر بوز سے ضیعت تھے بے رحمی اور انتہائی ظلم کے ساتھ شہید کیے گئے اور بیکڑوں مجروح ہوئے۔ بے شمار مکانات نظر آتش کیے گئے اور لوٹے گئے۔ خدا کے پاک کلام اور مسجد کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ ایک ایسا بولناک اور روح فرسا واقعہ تھا کہ تمام شہر پر سنا، چھپایا ہوا تھا اور مسلمان بسبب غربت اور فلاکت کے بدحواس اور پریشان تھے۔ حکام کے طرز تفہیش ویرانہ زمین کی انتھک کوششوں سے صاف ظاہر تھا کہ اب مقدمات میں مسلمانوں کی پر مزید مصیبت نازل ہوگی اور ہندو بال بال بے دریغ بچ جائیں گے اور مظلوم قید و بند اور دار و سن کے شکار ہوں گے۔ دوسرے دن صبح کی ٹرین سے منشی سخاوت حسین صاحب عامل امارت شریعہ کی معرفت ایک دھکی مولوی شفیع داؤدی ناظم خلافت کئی صوبہ بہار کو اور دوسرا خط حضرت نائب امیر شریعت صوبہ بہار مولانا سید ابوالحسن محمد سجاد صاحب کی خدمت میں لکھا اور اردو اخبارات اور خطوط کے ذریعہ صوبہ بہار کے مشہور ممتاز قانون دان حضرات سے مظلومین کی امداد و اعانت کی اپیل کی مگر افسوس کہ جواب میں ہر طرف سے خاموشی ہی خاموشی رہی۔ عزیز ملت نے ایسے فسادات میں مسلمانوں ہی پر الزام لگاتے ہوئے امداد سے بے تعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ خط آج تک دفتر میں محفوظ ہے۔ ۳۱ اگست کو صبح کی ٹرین سے مولوی شفیع داؤدی صاحب تشریف لائے اور دردناک مناظر کا معائنہ فرما کر بہت متاثر ہوئے، چوں کہ شفیع صاحب ابھی تک کانگریس کے ہم نوا تھے۔ اس لیے انہوں نے بتیا کے کانگریسی ہندو اور مسلمان نیکروں کو جمع کر کے فرمایا کہ بہت ممکن ہے کہ آپ لوگ بھی مقدمات کے سلسلہ میں گرفتار ہو جائیں، اس لیے ضروری ہے کہ اپنا اپنا بیان مجھے لکھا دیں تاکہ آپ لوگوں کی غیبت میں ہم اور بابو راجندر پر شاد بتیا آئیں اور

آپ لوگوں کے بیان سے فائدہ اٹھائیں، میں اپنا بیان دینے کو مستعد تھا مگر چمپارن کے سب سے بڑے صلح کن اور ست واہنہا کے ہجاری ہندو لیڈر نے فوری بیان دینے سے انکار کیا اور اپنے ہم مذہب ہندو فرقہ سے مشورہ کرنے کے بعد بیان دینے پر ٹھایا، شفیع صاحب ان کی ذہنیت کو دیکھ کر بالکل مایوس ہو گئے اور فوراً واپسی کا اظہار کیا، ابھی وہ واپس نہ ہوئے تھے کہ ہم مسلمانوں کے دینی مقتد اور سچے ہمدرد وہی خواہ حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب انار اللہ مرقدہ کی مقدس ہستی مظلوم و مصیبت زدہ مسلمانوں کے لیے سایہ رحمت بن کر رونق افروز ہوئی۔ شفیع صاحب یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ اب مولانا تشریف لائے، میری ضرورت نہیں ہے، مگر شفیع صاحب نے مظفر پور پہنچ کر بتایا کہ عبرت ناک واقعہ کو پچھتر پر غم مسلمان وکلاء سے بیان کیا۔ بیان کن کر مولوی عبدالودود صاحب وکیل و مولوی سید مجتبیٰ صاحب وکیل اور مولوی زاہد حسن صاحب مختار بہ سواری موٹر برسات کے ایام میں مظفر پور سے بتیا تک اسی میل کی دشوار گزار مسافت طے کرتے ہوئے پانچھے حضرت مولانا پہلے ہی سے مستحقاً بتیا میں قیام گزریں ہو چکے تھے۔ وہ لوگ ان سے ملے اور دو ایک روزہ کر مقدمات کے متعلق ضروری اور مفید ہدایات دے کر مظفر پور تشریف لے گئے۔ مولانا نے مظلومین کی اعانت و حفاظت و ظالموں کی سرکوبی کے لیے بہترین نظم کیا، ایک ڈیفنس کئی بنائی اور ایک باضابطہ دفتر کھول دیا، جس میں روزانہ صبح سے بارہ بجے شب تک محررین و ٹائپسٹ اپنے فرائض متعلقہ کو انجام دینے لگے، مالیات کا بہترین نظم تھا جس سے مظلومین کی امداد اور دیگر ضروری اخراجات میں کوئی دشواری کبھی پیش نہیں آئی، اس زمانہ میں کونسل کا اجلاس رانیجی میں ہو رہا تھا، شیخ عدالت حسین صاحب و مولوی مجتبیٰ صاحب وکیل کو ضروری ہدایات کے ماتحت وہاں مولانا نے بھیجا۔ تاکہ مسلمان ممبروں کے ذریعہ صوبائی گورنمنٹ کی توجہ مظلومین کی طرف منعطف کرائیں۔ مقدمات کی تحقیقات کی نگرانی کی گئی۔ مسلمانوں کو تادان دلانے کی زبردست سعی میں کامیابی ہوئی۔ مقدمات کے اچھا رج مولوی سید مجتبیٰ صاحب وکیل مظفر پوری بنائے گئے جنھوں نے نہایت ہی ایثار و قربانی کے ساتھ تحقیقاتی منزل سے لے کر سیشن کورٹ تک اپنا فریضہ نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ مولانا کا قیام چھ سات ماہ مسلسل بتیا میں رہا اور انھوں نے سب سے پہلے واقعات کے متعلق اپنی خداداد قابلیتوں سے ایک مبسوط و مدلل بیان اردو، انگریزی اخبارات میں شائع کرایا اور حکام بالا کو بھیجا۔ اس سے گورنمنٹ متوجہ ہوئی اور ہندوستان کے مسلمان متاثر ہوئے۔ گورنمنٹ کے آفسران ہوم ممبر اور گورنر تک بتیا آئے اور ظالموں کے انتہائی ظلم و عدوان کا جائزہ منظر اور مظلومین کی لاپاری اور بے کسی کا درد انگیز تماشا دیکھ کر واپس گئے۔ گورنمنٹ افسروں کے طرز تحقیقات میں تبدیلی ہوئی اور ہندوستان کے اہل دروادر محیر مسلمانوں نے مظلومین کی امداد کے لیے مالی اعانت شروع کر دی جن میں جناب سرفخر الدین مرحوم و حاجی عبدالرحمن صاحب وکیل مرحوم کے ساڑھے سات سو کی رقم سب

سے پہلے پہنچی اور مظلومین و فاقہ کشوں کی فوری امداد میں خرچ ہوئی۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ ابتدائی ایام میں طویل مقدمات کے کثیر اخراجات کا تصور غریب و مفلک مسلمانوں کے لیے باعث پریشانی و حیرانی تھا مگر محمد اللہ مولانا کے بیان کے بعد ان کی مقدس ذات کی برکت سے روپیوں کی بارش شروع ہوئی اور تقریباً بارہ ہزار روپے جمع ہو کر خرچ ہوئے۔ یہ مولانا کی بہت بڑی کرامت تھی، مقدمات کی تحقیقاتی منزل میں مسٹر حاجی محمد یونس صاحب، مسٹر سید اصغر یوسف صاحب، بیرسٹر ان پٹنہ و مولوی عبدالودود صاحب وکیل مظفر پور بھی دو ایک روز کے لیے تشریف لائے تھے اور کام کیا تھا اور سیشن کورٹ میں مسٹر سید بشیر الدین صاحب، بیرسٹر پٹنہ نے تقریباً ایک ماہ مسلسل قلیل معاوضہ پر اپنی اعلیٰ قانونی قابلیت کا ثبوت دیا، ان تمام ہمد و جہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیشن کورٹ سے پانچ مسلمانوں کو ایک سال سے پانچ سال تک سزائے قیہ ہوئی اور ہائی کورٹ سے یہ بصورت جرمانہ تبدیل ہوئی اور مسلمان قید خانہ سے باہر آئے۔ تقریباً پندرہ ہندوؤں کو چار سال سے دس سال تک کی سزا ہوئی۔ اڈیشنل پولیس کا خرچہ ہندو اور مسلمان دونوں فریق سے وصول ہوا۔ پچاس ہزار کی رقم ہندوؤں سے وصول کر کے بصورت معاوضہ نقصانات مسلمانوں کو دلایا گیا۔ ان ہولناک جرائم کی انگریزی عدالت سے یہ سزا ہوئی۔

مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”بتیا شہر میں ایک محمد میر شکار ٹولی کہلاتا ہے۔ باختلاف روایت چالیس پچاس ہزار ہندوؤں کا مسلح جلوس اس محلہ کی تنگ سڑکوں سے گزرنے لگا جہاں ایک چھوٹی سی مسجد میں تیس چالیس مسلمان نماز عصر ادا کرنے کو جمع ہوئے تھے، مسلمانوں نے غدر کیا کہ وہ راستہ نہ تھا، آبادی محلہ کی خالص مسلمانوں کی تھی، سرداران جلوس نے اس مزاحمت کا جواب مسلح حملوں سے دیا، مسجد بری طرح بے حرمت کی گئی، تمام محلہ جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا اور شہر میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان عام بلوہ ہو گیا، ہتھیار عام طور پر استعمال ہوئے۔ بندو قیں چل گئیں، سینکڑوں مکانات اور دکان لٹ گئیں، مسلمان بہت زیادہ مقتول ہوئے، ایک بندو بھی مارا گیا اور وہ سب کچھ ہوا جو ایسے بلووں میں ہوا کرتا ہے۔“

بتیا کے مسلمان عموماً جاٹل، غریب اور مزدور پیشہ ہیں۔ ان کا پرسان حال اور پیروی کار کوئی نہ تھا، یہی نطل حریت اور رہبر عالم اسلام مسلمانان بتیا کے لئے ملجا و مامن بن کر پہنچا۔ مدرسہ اسلامیہ بتیا میں امارت شرمیہ کے آزموہ کار نقیب و رئیس حافظ محمد ثانی صاحب و شیخ عدالت حسین کی مدد سے مولانا نے پیروی مقدمات کا دفتر کھول ڈالا۔ بہترین قانون دان حضرات باہر سے بلوائے گئے اور تقریباً ایک سال تک تمام مقدمات کی پیروی کی گئی۔ دنیا جانتی ہے کہ بلوے کے ایسے خوفناک مقدمات کیا ہوتے ہیں، قانون کی چیرہ دستیایں کس طرح لوگوں کو پریشان کرتی

میں، تمام شہر اور مضافات ایک عجیب مصیبت میں مبتلا تھے اور مولانا سجادؒ ان کے ہر مرض کی دو-تین سو (۳۰۰) سے زیادہ مسلمان مایوس تھے جن پر تمام سنگین دفعات عائد کئے گئے تھے، مگر بالآخر ایک ایک مسلمان رہا ہو کر رہا، کچھ ہندو سزایاب ہوئے، سرغنہ ہندوؤں کو سخت سزائیں ہوئیں مسلمانوں کو تقریباً پچاس ہزار تادان حکومت سے دلوائے راقم الحروف تقریباً ایک سال تک مولاناؒ کے ہمراہ قانونی مشیر رہا۔^۱

موضع بیلا بلاس پور کا فساد

حاجی عدالت حسین صاحب چند اور فسادات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”موضع بیلا بلاس پور میں جب مفہ ہندوؤں نے عید الاضحیٰ کے موقع پر فساد کیا، اور مسجد کو اور چند مسلمانوں کے مکان کو توڑا، اور مسلمانوں کو مجروح کیا۔ تو حضرت نائب امیر شریعت مجھ کو اور مولوی محمد ثانی صاحب کو لے کر یہاں تشریف لائے، اور مظلوم مسلمانوں کی بر طرح کی ہمدردی کی اور ان کے مقدمہ کی کامل پیروی کی۔ اور اس کے لیے حملہ مبادیات کو بہم کیا، اور مسلمان کامیاب ہوئے اور ہندو سزایاب ہوئے۔“^۲

ویشالی اور سستی پور میں فسادزدگان کی امداد

☆ ویشالی ضلع کے پاتے پور تھانہ کے موضع سمروارہ گائے کی قربانی کو لے کر فساد بھڑک اٹھا اور شارعلی نامی ایک غریب مسلمان شہید ہو گیا، بہت سے غریب مسلمانوں کے گھر جلا دیئے گئے۔

☆ اسی علاقہ کے قریب سستی پور ضلع کے ایک دیہات سوسونا میں بھی بقر عید کے موقع پر فساد رونما ہوا، جس میں ہندوؤں نے کئی مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ لیا، یہ دونوں مقدمے بھی کامیابی کے ساتھ لڑے گئے، اور قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا، اس میں حضرت مولانا سجادؒ کی جدوجہد کا بڑا دخل تھا۔^۳

مدارس و مکاتب کا قیام اور مساجد کی تعمیر

حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

”مولاناؒ کے حسب ایماء و یہا توں میں متعدد مکاتب کا اجرا ہوا اور آج تک دو مکاتب خاص گدڑی

۱- محاسن سجادؒ ص ۹، ۸۰، مضمون مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب۔

۲- حیات سجادؒ ص ۱۲۹، ۱۳۰ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب۔

۳- حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ - حیات و خدمات، مضمون جناب انوار الحسن واطلی (حاجی پور ضلع ویشالی) ص ۳۴۳۔

قوم کے لیے امارت شریعہ کے زیر نگرانی قائم ہیں، اور امارت شریعہ اخراجات کی کفیل ہے۔ حضرت مولانا بی کی کوششوں سے جناب مولوی شاہ معظی احمد صاحب رئیس جیانی نے موضع سریاؤبیہ گدیانی میں ایک پختہ مسجد بخرچ مبلغ ساڑھے سات سو روپیہ بنوادی اور موضع بھٹوانولہ گدیانی میں ایک مسجد خاص شخص نے بنوائی، اب اس قوم کے بعض لوگ اسے تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں جو اپنی قوم میں تبلیغ و ہدایت کا فریضہ انجام دے سکیں۔^۱

حاجی عدالت حسین صاحب بیان کرتے ہیں:

”موضع سریا میں ایک پختہ مسجد، موضع بھٹوانولہ میں پختہ کچراپوش مسجد اور موضع کرنیاں میں خام دیوار کی مسجد اور بہت سی جگہوں میں خس پوش مسجدیں تیار کرائی گئیں اور موقع موقع سے مکتب کھولے گئے، اور گدیوں کے بہت سے لڑکوں کو بتیائے مدرسہ میں داخل کیا گیا، ان کے نام بدل دیے گئے آج بھٹند تعالیٰ بہت سے گدی کے نوجوان تعلیم یافتہ مکتب اور اسکولوں میں ملازمت پر ہیں۔“^۲

موپلا مسلمانوں کی مالی امداد

”ملک کی آزادی کے لئے موپلا مسلمانوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، اور یہ لوگ اس آزادی کی لڑائی میں بڑی تعداد میں شہید ہوئے، حکومت برطانیہ نے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے، جب انگریزی دور حکومت میں ان کا برا حال ہو گیا، اور ان کی بیوائیں اور بچے فاقوں سے دم توڑنے لگے، تو امارت شریعہ نے اپنے یہاں ان کی امداد کے لئے ایک فنڈ کھولا اور اس کے ذریعہ ان کی کافی مدد کی اور ہزاروں روپے بھجوائے۔“^۳

حکومت عثمانیہ کی امداد

حضرت مولانا کی امدادی خدمات کا دائرہ کسی ایک ریاست تک محدود نہیں تھا بلکہ پورے ملک بلکہ بیرون ملک تک اس کا دائرہ وسیع تھا، حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین صاحب رفقہ فرماتے ہیں:

۱- دیات حجاز ۱۲۴ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب

۲- دیات حجاز ۱۱۴ مضمون مفتی محمد ثانی صاحب

۳- امارت شریعہ دینی جہد و جہاد کو روشن باب ۲۰۹، ۲۱۰ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب رفقہ

”خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کے تحفظ و بقا کے سلسلے میں بھی امارت نے کافی حصہ لیا، بلکہ قائدانہ حصہ لیا، ترک حکومت کو دنیا کی طاقتیں کچل دینا چاہتی تھیں، یہ وقت اس کے لئے بڑا نازک تھا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اس معاملہ میں پیش پیش رہے، اور پورے ملک سے ترکی کے لئے امداد کی اپیل کی، امارت شرمیہ نے اپنے صوبوں سے اس وقت بڑی گرانقدر رقم بطور امداد بھیجی۔“

مسلمانان فلسطین کی حمایت

مفتی محمد ظفر الدین صاحبؒ ہی کا بیان ہے کہ:

”۱۹۳۰ء میں بالفور اسکیم سے فلسطین کے عرب مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا وہ اب عیاں ہو چکا ہے، ابھی اسرائیلی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے قائم کرنے کے لئے یہ بالفور اسکیم تیار ہوئی تھی، ہندوستان میں اس کے خلاف سخت احتجاج ہوا صوبہ بہار و اڑیسہ کے بھی تمام شہروں اور قصبہ میں امارت شرمیہ کی ہدایت پر احتجاجی جلوس نکالے گئے، اور جلسے کئے گئے، جس میں تمام مسلمانوں نے جوش و خروش سے حصہ لیا تھا۔

۱۹۳۶ء میں جب یہ خبر آئی کہ حکومت برطانیہ فلسطین کو تقسیم کرنا چاہتی ہے، تو امارت شرمیہ نے اعلان کیا کہ پورے صوبہ میں ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۳۶ء یوم جمعہ کو یوم فلسطین منائیں، اور حکومت برطانیہ کے اس رویہ کے خلاف احتجاج کریں، اور ساتھ ہی مسلمانان فلسطین کے لئے دعا کریں، چنانچہ تمام مسلمانوں نے اس اپیل پر لبیک کہا اور یوم فلسطین منایا، یہ فاکسار کی طالب علمی کا زمانہ تھا، اور مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں داخل تھا، مجھے یاد ہے کہ اس دن دعا کے لئے جو مضمون تیار کیا گیا تھا وہ اتنا محترم حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مدظلہ موجودہ نائب امیر شریعت نے لکھا تھا، اور فاکسار نے صاف کیا تھا۔

پھر ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء یوم جمعہ کو بھی حکومت وقت کے خلاف احتجاج کیا گیا، اور عرب فلسطین کی حمایت میں تقریریں کی گئیں، چھپرہ شہر میں اس تحریک کے بنیادی کارکنوں میں فاکسار بھی شریک تھا۔“

۱- امارت شرمیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۱۰ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی
۲- امارت شرمیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۱۱، ۲۱۰ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی

یہ تو چند واقعات ہیں جو حضرت مولانا کے بعض تذکرہ نگاروں نے نقل کئے ہیں، ان کے علاوہ آپ کا فیض اور کہاں کہاں اور کس کس انداز میں پہنچا تاریخ و تذکرہ کے صفحے اس کے ذکر سے خاموش ہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ اس کا دائرہ ان واقعات کے حدود سے کہیں زیادہ ہے جو محفوظ رہ گئے ہیں، فرحما اللہ۔

کوئی بزم ہو، کوئی انجمن، یہ شعرا اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی تھی وہاں اک چراغ جلا دیا



سیاسی و قومی خدمات

(۱۳)

تیرہواں باب

حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد کی سیاسی زندگی

افکار و نظریات، خدمات و امتیازات اور مسائل و تعلقات
غیر اسلامی ہندوستان میں اسلامی سیاست کا نقش اولین

فصل اول

اسلامی سیاست - حکم شرعی اور خط و خال

مفکر اسلام ابوالحسن حضرت مولانا محمد سجادؒ کی زندگی کا اہم ترین باب ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں ان کی عمیق فکری بصیرت اور عملی سیاست میں ان کی مضبوط حصہ داری ہے، غیر اسلامی ہندوستان میں مولانا سجادؒ واحد ایسے سیاست دان تھے جو عالم ربانی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست اسلامی اور سیاست حاضرہ کے رموز اور نزاکتوں کا بھی گہرا علم اور پختہ عملی تجربہ رکھتے تھے، آپ نے اقلیت میں ہونے کے باوجود انتخابی سیاست میں مثالی کامیابی حاصل کی، اور اپنے طاقتور حریفوں کو کبھی شکست سے دوچار کیا، جنہوں نے دیکر کفر میں اسلامی سیاست کا خوبصورت معیار پیش فرمایا ”نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری“ الحاد و مادیت کی شب تاریک میں روحانیت کا چراغ روشن کیا، تخت شاہی پر فقیری کی مثال تازہ کی، شرار بولہبی کا فقر بوزری سے مقابلہ کیا، خود غرضی و جاہ پرستی کے بالمقابل دنیا کو صدق و راستی کا درس دیا، ایسے دور میں جب علماء کے طبقہ میں (عام طور پر) سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ لیا گیا تھا، حضرت مولانا سجادؒ نے ہندوستانی سیاست کو نئی سمت اور نئی باکپین عطا کی، سیاست میں غیر اسلامی عناصر کے حلول کی وجہ سے جس طرح اس کی شبیہ خراب کردی گئی تھی آپ نے تعمیری سیاست کو فروغ دے کر مثبت مقاصد کے لئے سیاست کا استعمال کیا۔

قرآن کے نزدیک سیاست وسیلہ خیر ہے

حضرت مولانا سجادؒ کا نقطہ نظر تھا، کہ کسی چیز کا غلط استعمال اس کو غلط ثابت نہیں کرتا، سیاست اسلام میں ممنوع نہیں ہے، بلکہ مقاصد اسلام کے حصول میں معاون ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ، الَّذِينَ إِِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

ترجمہ: اللہ پاک ان لوگوں کی ضرورت مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کریں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے، اور وہ لوگ جن کی مدد اللہ کرے گا اگر ہم ان کو زمین پر قابض بنادیں تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے منع کریں گے اور تمام کاموں کا انجام و مال اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

ظاہر ہے کہ تمکین فی الارض (حکمرانی) سیاست ہی کا ایک جزو ہے، اس آیت کریمہ میں قرآن نے تمکین کو اقامت دین کے لئے معاون قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا سجاد کے الفاظ میں:

”اگر تمکین فی الارض کی سعی مسلمانوں کے لئے غیر محمود ہے تو پھر آیت تمکین اور آیت اختلاف کا کیا منشا ہے۔“

سیاست بھی کار نبوت کا حصہ ہے

سیاست انبیاء کے طریق کار کا حصہ رہی ہے، بنی اسرائیل میں امتوں کی دینی قیادت کے ساتھ سیاسی قیادت بھی انبیاء ہی کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَءِيلَ تَسْوَ سُنْهُمْ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ۔^۱
حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ پیغمبروں نے سیاسی حکمرانی کی جو تاریخ رقم کی اس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے:

☆ حضرت یوسفؑ کے بارے میں ارشاد ہے:

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نَصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۃ یوسف: ۵۶)
☆ حضرت داؤدؑ کے بارے میں فرمایا گیا:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ (س: ۲۶)

۱- خطبہ صدارت مراد آبادی ۵۰۔

۲- الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۲۷۳ حدیث نمبر: ۳۲۶۸ للؤلؤف: محمد بن إسماعیل أبو عبد الله البخاری الجمعی الناشر: دار ابن کثیر، البیامة - بیروت الطبعة الثالثة، 1407-1987 تحقیق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6۔

☆ حضرت موسیٰ نے فرعون سے بنی اسرائیل کی حوالگی کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا:

أَنْ أَدُوْا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ إِنْ لَكُمْ رَمْلٌ أَمِينٌ۔ (سورۃ الدخان: ۱۸)

ترجمہ: اے فرعون اور فرعون کی حکومت کے ارباب حل و عقد! خدا کے بندوں کو میرے حوالے کر دو، کیونکہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں، اور میں ہی ان خدا کے بندوں کا امین ہوں، ان کی نگرانی کا میں مستحق ہوں۔

☆ حضرت یوسف بھی اپنی مرضی سے حکومت میں حصہ دار ہوئے تھے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ اَسْتَخْلِصُهُ لِتَقْصِيْ فَلَِمَا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ * قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔ (سورۃ یوسف ۵۴، ۵۵)

☆ حضرت سلیمان نے بھی رب العالمین سے خودیہ حکومت طلب فرمائی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ ص: ۳۵)

علماء اس وراثت کے اولین حقدار ہیں

احادیث میں علماء امت کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے، تو انبیاء کی اس میراث سے ان کے لئے مفر کہاں ہے؟

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِظِّ وَافِرٍ^۱۔

حقیقی سیاست

در اصل موجودہ حالات میں سیاست کا اصل تصور لوگوں کے ذہنوں سے دھندلا گیا ہے، سیاست مکر و فریب، کذب و ظلم اور موقع پرستی کا نام نہیں ہے، سیاست رعایا کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے انتظام مملکت کا نام ہے، یہی سیاست عادلہ ہے، اور انبیاء کی سیاست اسی قسم کی تھی، اگر کسی سیاست میں انسانی حقوق اور خدا کی حدود کی رعایت ملحوظ نہ رہ سکے تو وہ سیاست ظالمہ

۱- الجامع الصحیح سنن الترمذی ج ۵ ص ۴۸ حدیث نمبر: ۲۶۸۲ للؤلؤف: محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ الترمذی السلمی الناشر: دار احیاء التراث العربی - بیروت تحقیق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: ۳ سنن أبي داود ج ۳ ص ۲۵۴ حدیث نمبر: ۳۶۳۳ للؤلؤف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي - بیروت عدد الأجزاء: ۴ مصدر الكتاب: وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي۔

ہے، انبیاء اور علماء کی سیاست کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، عداوت شئی نے اس پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے:

فالسّياسة استصلاح الخلق بإرشادهم إلى الطريق المنجي في الدنيا والآخرة فهي من الأنبياء على الخاصة والعامة في ظاهرهم وباطنهم ومن السلاطين والملوك على كل منهم في ظاهره لا غير ومن العلماء ورثة الأنبياء على الخاصة في باطنهم لا غير كما في المفردات وغيرها اه ومثله في الدر المنقى قلت وهذا تعريف للسياسة العامة الصادقة على جميع ما شرعه الله تعالى لعباده من الأحكام الشرعية وتستعمل أخص من ذلك مما فيه زجر وتأديب ولو بالقتل كما قالوا في اللوطي والسارق والخناق إذا تكررتهم ذلك حل قتلهم سياسة وكما مر في المبتدع ولذا عرفها بعضهم بأنها تغليظ جناية لها حكم شرعي حسما لمادة الفساد وقوله لها حكم شرعي معناه أنها داخلة تحت قواعد الشرع وإن لم ينص عليها بخصوصها فإن مدار الشريعة بعد قواعد الإيمان على حسم مواد الفساد لبقاء العالم ولذا قال في البحر وظاهر كلامهم أن السياسة هي فعل شيء من الحاكم لمصلحة يراها وإن لم يرد بذلك الفعل دليل جزئي اه وفي حاشية مسكين عن الحموي السياسة شرع مغلظ وهي نوعان سياسة ظالمة فالشريعة تحرّمها وسياسة عادلة تخرج الحق من الظالم وتدفع كثير من المظالم وتردع أهل الفساد وتوصل إلى المقاصد الشرعية فالشريعة توجب المصير إليها والاعتماد في إظهار الحق عليها وهي باب واسع فمن أراد تفصيلها فعليه بمراجعة كتاب معين الأحكام للقاضي علاء الدين الأسود الطرابلسي الحنفي اه-^۱

ابن فرحون کہتے ہیں:

وَالسِّيَاسَةُ نَوْعَانِ: سِيَاسَةٌ ظَالِمَةٌ فَالشَّرْعُ يَحْرِمُهَا وَسِيَاسَةٌ عَادِلَةٌ تَخْرِجُ الْحَقَّ مِنَ الظَّالِمِ وَتَدْفَعُ كَثِيرًا مِنَ الْمَظَالِمِ، وَتَرْدَعُ أَهْلَ الْفَسَادِ وَيَتَوَصَّلُ بِهَا إِلَى الْمَقَاصِدِ الشَّرْعِيَّةِ، فَالشَّرْعِيَّةُ تُوجِبُ الْمَصْدَرِ إِلَيْهِ وَالْإِعْتِمَادُ فِي إِظْهَارِ الْحَقِّ عَلَيْهَا وَهِيَ

۱- حاشیہ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ ابو حنیفہ ج ۳ ص ۱۵ ابن عابدین، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر، سنة النشر 1421 هـ - 2000 م، مکان النشر بیروت، عدد الأجزاء 8

بَابٌ وَاسِعٌ تَضِلُّ فِيهِ الْأَفْهَامُ وَتَزِلُّ فِيهِ الْأَقْدَامُ، وَإِهْمَالُهُ يَضْيَعُ الْحَقُوقَ وَيَعْطِلُ الْحُدُودَ، وَيَجْزِي أَهْلَ الْفُسَادِ وَيُعِينُ أَهْلَ الْعِنَادِ وَالتَّوَشُّعُ فِيهِ يَفْتَحُ أَبْوَابَ الْمَظَالِمِ الشَّنِيعَةِ، وَيُوجِبُ سَفْكَ الدِّمَاءِ وَأَخْذَ الْأَمْوَالِ بِغَيْرِ الشَّرِيعَةِ، وَبِهَذَا سَلَكَ فِيهِ طَائِفَةٌ مَسَلَكَ التَّقْرِيطِ الْمَذْمُومِ، فَقَطَعُوا النَّظَرَ عَنْ هَذَا الْبَابِ إِلَّا فِيهِ أَقْلٌ ظَنًّا مِنْهُمْ أَنَّ تَعَاطِي ذَلِكَ مُنَافٍ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ، فَسَدُّوا مِنْ طُرُقِ الْحَقِّ سَبِيلًا وَاضِحَةً، وَعَدَلُوا إِلَى طَرِيقِ الْعِنَادِ فَاضِحَةً، لِأَنَّ فِي انْكَارِ السِّيَاسَةِ الشَّرْعِيَّةِ وَالنَّضُوصِ الشَّرِيفَةِ تَغْلِيظًا لِلْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ. وَطَائِفَةٌ سَلَكَ هَذَا الْبَابَ مَسَلَكَ الْإِفْرَاطِ، فَتَعَدَّوْا حُدُودَ اللَّهِ تَعَالَى وَخَرَجُوا عَنْ قَانُونِ الشَّرْعِ إِلَى أَنْوَاعٍ مِنَ الظُّلْمِ وَالْبِدْعِ وَالسِّيَاسَةِ، وَتَوَهَّمُوا أَنَّ السِّيَاسَةَ الشَّرْعِيَّةَ قَاصِرَةٌ عَنْ سِيَاسَةِ الْخَلْقِ وَمُضْلِحَةُ الْأُمَّةِ، وَهُوَ جَهْلٌ وَغَلَطٌ فَاجِسٌ.^۱

علامہ طرابلسی رقمطراز ہیں:

اعْلَمْ أَنَّ السِّيَاسَةَ شَرْعٌ مُغْلَظٌ. وَالسِّيَاسَةُ نَوْعَانِ: سِيَاسَةُ ظَالِمَةٍ فَالشَّرْعِيَّةُ تَحْرِمُهَا. وَسِيَاسَةُ عَادِلَةٍ تَخْرِجُ الْحَقَّ مِنَ الظَّالِمِ وَتُدْفَعُ كَثِيرًا مِنَ الْمَظَالِمِ وَتُرَدِّعُ أَهْلَ الْفُسَادِ، وَيَتَوَصَّلُ بِهَا إِلَى الْمَقَاصِدِ الشَّرْعِيَّةِ لِلْعِبَادِ. فَالشَّرْعِيَّةُ يَجِبُ الْمَصِيرُ إِلَيْهَا وَالْإِعْتِمَادُ فِي إِظْهَارِ الْحَقِّ عَلَيْهَا، وَهِيَ بَابٌ وَاسِعٌ تَضِلُّ فِيهِ الْأَفْهَامُ وَتَزِلُّ فِيهِ الْأَقْدَامُ، وَإِهْمَالُهُ يَضْيَعُ الْحَقُوقَ وَيَعْطِلُ الْحُدُودَ وَيَجْزِي أَهْلَ الْفُسَادِ وَيُعِينُ أَهْلَ الْعِنَادِ، وَالتَّوَشُّعُ فِيهِ يَفْتَحُ أَبْوَابَ الْمَظَالِمِ الشَّنِيعَةِ وَيُوجِبُ سَفْكَ الدِّمَاءِ وَأَخْذَ الْأَمْوَالِ الْغَيْرِ الشَّرْعِيَّةِ، وَلِهَذَا سَلَكَ فِيهِ طَائِفَةٌ مَسَلَكَ التَّقْرِيطِ الْمَذْمُومِ فَقَطَعُوا النَّظَرَ عَنْ هَذَا الْبَابِ إِلَّا فِيهِ أَقْلٌ ظَنًّا مِنْهُمْ أَنَّ تَعَاطِي ذَلِكَ مُنَافٍ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ، فَسَدُّوا مِنْ طُرُقِ الْحَقِّ سَبِيلًا وَاضِحَةً، وَعَدَلُوا إِلَى طَرِيقِ الْعِنَادِ فَاضِحَةً، لِأَنَّ فِي انْكَارِ السِّيَاسَةِ الشَّرْعِيَّةِ رَدًّا لِلنَّضُوصِ الشَّرْعِيَّةِ وَتَغْلِيظًا لِلْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ. وَطَائِفَةٌ سَلَكَ فِي هَذَا الْبَابِ مَسَلَكَ الْإِفْرَاطِ فَتَعَدَّوْا حُدُودَ اللَّهِ وَخَرَجُوا عَنْ قَانُونِ الشَّرْعِ إِلَى أَنْوَاعٍ مِنَ الظُّلْمِ وَالْبِدْعِ السِّيَاسِيَّةِ،

۱- تبصرة الحکام فی أصول الأفضیة ومناهیة الأحکام ج ۲ ص ۲۵۵ المؤلف: إبراهیم بن علی بن محمد، ابن فرحون، برهان الدین البعمری (المتوفی: 799ھ)

وَتَوْهَمُوا أَنَّ السِّيَاسَةَ الشَّرْعِيَّةَ قَاصِرَةٌ عَنْ سِيَاسَةِ الْحَقِّ وَمَصْلَحَةِ الْأُمَّةِ، وَهُوَ جَهْلٌ وَغَلَطٌ فَاجِسٌ، فَقَدْ قَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ} [فَدْخَلَ فِي هَذَا جَمِيعُ مَصَالِحِ الْعِبَادِ الدِّيْنِيَّةِ وَالْدُنْيَوِيَّةِ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ] ۱

سیاست کی جامع تعریف

حضرت مولانا ابوالحسن محمد حجازی نے اپنے خطبہ صدارت مراد آباد میں اس موضوع پر اتنی مفصل، مدلل اور منطقیات سے لبریز گفتگو کی ہے کہ وہ بجا طور پر حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے الفاظ میں 'اسلامی سیاست کی بہترین انسائیکلو پیڈیا' ہے۔ ۲

حضرت مولانا حجازی سیاست کی مختلف تعریفات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”یہ تو وہ تعریفات ہیں جو ہمارے علمائے ملت نے بیان کی ہیں، اس کے بعد مغربی حکماء نے اس مسئلہ پر خوب خوب موٹے گھاس کی ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ باوجود سخت قیل و قال کے سیاست کی حقیقت پر ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے، اگرچہ عبارات مختلف میں تعریفات میں مبادی، مدارک کو شامل کر لیا گیا ہے اور آخر میں جو تعریف سب سے بہتر لگتی ہے اس کا غلام یہ ہے کہ اقوام و حکومتوں کے اندرونی احوال اور باہمی تعلقات کے اسلوب اور مصالح کا علم اور ان کی نگہداشت کا نام سیاست ہے، مغربی حکماء کے ان تمام مباحث کو فضلاء مصر نے عربی تراجم کے ذریعہ ہم تک پہنچا دیا ہے، جو مبادی علم السیاسة کے نام سے موسوم ہے، لیکن آپ غور فرمائیں کہ ہمارے علمائے کرام نے ایک جملہ میں سیاست کی ایسی مکمل تعریف کر دی ہے کہ سیاست کلی و جزئی، سیاست شخصی، سیاست بلدی و ملکی، الغرض تمام اقسام سیاست اس کے تحت داخل ہیں، ایسی جامع تعریف اب تک مغربی حکماء کے ان اقوال میں مجھ کو نہیں ملی جو ہم تک پہنچے ہیں۔“ ۳

ان تعریفات کی روشنی میں حقیقی سیاست خارج از دین نہیں بلکہ عین دین ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور بہت سے صحابہ کرام نے سیاست میں حصہ لیا، اور دنیا امن و انصاف سے معمور ہو گئی جس کی تفصیلات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔

۱ - معین الحکام فیما یردد بین الخصمین من الأحکام ج ۲ ص ۳۳۳ المؤلف: علی بن خلیل الطرابلسی، ابو الحسن، علاء الدین (الوفی: ۸۴۴ھ)

۲ - حیات حجازی ۱۳۹ مضمون ۱۱۱ حفظ الرحمن سیوہاروی۔

۳ - خطبہ صدارت مراد آباد ص ۲۹۔

خیر القرون میں سیاسی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی

خلفاء راشدین کی مجلس شوریٰ میں علماء کی تعداد غالب تھی، حضرت میمون بن مہران عہد صدیقی اور عبدالقروقی میں قانون سازی اور نفاذ قانون کے طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِنْ أُعْيَاهُ ذَلِكَ دَعَاؤُ وَسِ الْمُسْلِمِينَ وَعُلَمَاءُ هُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَإِذَا اجْتَمَعَ رَأَيْهُمْ عَلَى الْأَمْرِ قَضَى بِهِ قَالَ جَعَفَرُ وَحَدَّثَنِي مَيْمُونٌ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فَإِنْ أُعْيَاهُ أَنْ يَجِدَ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ نَظَرَهُ لَمْ يَكُنْ لِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيهِ قَضَاءٌ فَإِنْ وَجَدَ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَدْ قَضَى فِيهِ بِقَضَاءٍ قَضَى بِهِ وَإِلَّا دَعَاؤُ وَسِ الْمُسْلِمِينَ وَعُلَمَاءُ هُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَإِذَا اجْتَمَعُوا عَلَى الْأَمْرِ قَضَى بَيْنَهُمْ.^۱

حضرت عمر کے دور میں مہاجرین اور ان کی رائے کو ترجیحی حیثیت حاصل تھی:

قال ابن عباس فقال عمر ادع لي المهاجرين الأولين فدمعاهم فاستشارهم.^۲
 غرض اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں علماء کی بڑی تعداد سیاست میں شریک ہوتی تھی، اور اس کو علماء و مشائخ کے لئے معیوب تصور نہیں کیا جاتا تھا، البتہ بعد کے زمانے میں سیاست میں علماء کی شرح کم ہونے لگی، لیکن اس کو شجر ممنوعہ بھی نہیں سمجھا گیا، بلکہ بڑے اکابر علماء ہمیشہ اس سے وابستہ رہے، حضرت مولانا محمد سجاد تحریر فرماتے ہیں:

”ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے علماء ایک طرف علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے علمبردار ہیں، تو دوسری طرف وزارت خرد اور داندلیہ اور وزارت مانیہ کے قہمان کو بھی منہمکے ہوئے ہیں، اگر ایک وقت فقہانیت کی مسند پر جلوہ گر ہیں تو دوسرے وقت بین السلاطین سفارت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، تیسرے وقت دشمنان اسلام سے جہاد بالیمن بھی کر رہے ہیں۔“^۳

۱- السنن الکبریٰ فی ذیلہ الجوہر النقی ج ۱۰ ص ۱۱۲ حدیث: ۲۰۸۳۸ المؤلف: أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی البیہقی مؤلف الجوہر النقی: علاء الدین علی بن عثمان اللاز دینی الشہیر بابن الترمذی المحقق، الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامیة الکائنہ فی اہند بیلدہ حیدرآباد الطبعۃ: الطبعۃ: الأولى۔ 1344ھ عدد الأجزاء: 10۔

۲- الجامع الصحیح المختصر ج ۵ ص ۲۱۲۳ حدیث نمبر: ۵۳۹۴ المؤلف: محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ البخاری الجعفی الناشر: دار ابن کثیر، البیامہ - بیروت الطبعۃ الثالثہ: 1987 - 1407

تحقیق: د. مصطفیٰ دیب البغا أستاذ الحدیث وعلومہ فی کلیة الشریعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6
- تہذیب و تصانیف ابوالحسن - ۵۲۔

عہد قدیم کے چند ممتاز سیاسی علماء

حضرت مولانا سجاد نے بطور نمونہ چند ممتاز علماء کا ذکر کیا ہے جن کے قدم سیاست میں بہت راسخ تھے۔^۱

علامہ ابوالقاسم محمود بن المظفر المروزی

(۱۱۱۰ھ بمادی الثانیہ ۴۶۶ھ وفات رمضان المبارک ۵۳۰ھ قبر شریف چاب قاب نامہ بانکر)

بڑے عالم فقیہ، محدث صوفی اور ذاکر و شاعر تھے، فقہ کی تعلیم علامہ ابوالمظفر بن السمعانی، قاضی ابوالیسر محمد بن محمد بن الحسین البرزوی اور علماء ماوراء النہر سے حاصل کی، آپ کے ہاتھ میں قلمدان وزارت تھی اور الوزیر الکبیر کے لقب سے معروف تھے، آپ پر علم و ذکر کا ایسا غلبہ تھا کہ بوقت وزارت بھی اس سے غافل نہیں ہوتے تھے۔^۲

علامہ عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ الحسنی الطاہری ابو محمد ضیاء الدین الکاری

(متوفی ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء)

بڑے عالم اور فقیہ تھے، امام ابوالقاسم بن البرزوی کے تلامذہ میں ہیں، ایک زمانہ تک حلب میں فقہ کی تعلیم دی، اور علم فقہ میں بڑی شہرت حاصل کی، اسی دوران سلطان اسد الدین شیرکوه سے ان کا تعلق قائم ہوا اور عہدہ امارت پر فائز ہوئے، شیرکوه کی وفات کے بعد سلطان صلاح الدین کے قیام حکومت میں بھرپور تعاون کیا، سلطان صلاح الدین آپ کی صلاحیت و خدمات کے بے حد معتقد و معترف تھے، انہوں نے آپ کو امیر الامراء کے منصب پر فائز کیا، وہ آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا، آخر میں آپ دولت صاحبہ کے اکبر الامراء ہو گئے تھے فوجی لباس پہنتے تھے اور فتہاء جیسا عمامہ باندھتے تھے، عکا کے قریب حمیہ کے مقام پر عیسائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔^۳

۱- خطبہ صدارت مراد آباد ۵۲ تا ۵۴- حضرت مولانا سجاد نے صرف ایرانی مذکرہ پر اکتفا کیا ہے، اس حقیقے نے ان کو قبول کرتے ہوئے جن کی دولت و فائز اور ضروری خواہش سے ان کو شامل کر دیا ہے، اعلاؤ ایک احکام کا بھی اضافہ کیا ہے۔

۲- التحبیر فی المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۸۶ للمؤلف: عبد الکرم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی المروزی، ابو سعد (للتوفی: ۵۶۲ھ) المحقق: منیرہ ناجی سالم الناشر: رئاسة دیوان الاوقاف - بغداد الطبعة: الأولى، ۱۳۹۵ھ - ۱۹۷۵م عدد الاجزاء: 2

۳- الاعلام ج ۵ ص ۱۰۷ المؤلف: خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس، الزرکلی الدمشقی (للتوفی: ۱۳۹۶ھ) الناشر: دار العلم للملایین الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقیم الكتاب موافق للمطبوع، و تراجمه مضافة لخدمة التراجم (اکثر من 14000 ترجمة)]

قاضی القضاة نقی الدین عبدالرحمن بن عبدالوہاب العلای المصری الشافعی
(متوفی ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۶ء)

مدرسہ تشریعیہ کے بلند پایہ استاذ، دارالقضاة کے مدیر اور مملکت مصر کے وزیر تھے، بعد میں وزارت سے مستعفی ہو کر تدریس میں مشغول ہو گئے تھے، ابن بنت الاعز کے نام سے مشہور ہوئے۔^۱

ظہیر الدین محمد بن الحسین ابوشجاع الروذر اوری

(۴۳۷ھ ۴۸۸ھ مطابق ۱۰۴۵ء-۱۰۹۵ء)

اونچے علماء وادباء میں تھے، اھواز میں ولادت ہوئی، مقتدی العباسی کے عہد حکومت میں وزیر رہے، اپنے عہد وزارت میں اپنے حسن کارکردگی سے بڑی نیک نامی حاصل کی، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مدینہ پاک میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔^۲

علامہ محمد بن الحسین الانصاری

بڑے عالم و فقیہ، زاہد و متقی اور صاحب کرامات تھے، اصول اور فقہ کا درس دیتے تھے، زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کسی کا نذرانہ بھی جلدی قبول نہ کرتے تھے، ان کی سیاسی حیثیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب سلطان مصر ملک کامل اور اس کے بھائی والی دمشق موسیٰ الاشرف کے درمیان نزاع پیدا ہوا تو دونوں کے درمیان مفاہمت کے لئے سلطان مصر کے سفیر کی حیثیت سے علامہ موصوف مصر سے دمشق تشریف لے گئے۔^۳

قاضی القضاة علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن خلف

حافظ ذکی الدین کے تلامذہ میں ہیں، بے حد ذکی و ذہین اور صاحب رائے تھے، سلاطین وقت کی نظروں میں ان کی بڑی وقعت تھی، خطابت، وزارت و نظارت کے مناصب جلیلہ

۱- الاعلام ج ۳ ص ۳۱۵ المؤلف: خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس، الزرکلی دمشقی (المتوفی: ۱۳۹۶ھ) الناشر: دار العلم للملایین الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، و تراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000 ترجمة)]

۲- الاعلام ج ۲ ص ۱۰۱ المؤلف: خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس، الزرکلی دمشقی (المتوفی: ۱۳۹۶ھ) الناشر: دار العلم للملایین الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، و تراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000 ترجمة)]

۳- خطبة صدرت مرآة آداب ص ۵۳، ۵۴.

پر فکری ہوئے۔^۱ وغیرہ

غرض تاریخ میں ایسے بہت سے علماء کی مثالیں موجود ہیں، جنہوں نے علمی مقام و مرتبہ کے باوجود سیاست میں بھی مقام بلند حاصل کیا، اور سیاست کے پلیٹ فارم سے دین و ملت کی شاندار خدمات انجام دیں۔

امام غزالی کے قول کا مطلب

بعض حضرات کو امام غزالی وغیرہ کی بعض عبارتوں سے غلط فہمی ہوئی جن میں کہا گیا ہے کہ انبیاء کی سیاست عوام و خواص سب پر نافذ ہوتی ہے، جبکہ بادشاہوں کی سیاست صرف ظاہر پر چلتی ہے اور علماء کی سیاست خواص کے باطن تک محدود رہتی ہے:

والسیاسة في استصلاح الخلق وإرشادهم إلى الطريق المستقيم المنجي في الدنيا والآخرة على أربع مراتب: الأولى - وهي العليا: سياسة الأنبياء عليهم السلام وحكمهم على الخاصة والعامة جميعاً في ظاهرهم وباطنهم. والثانية: الخلفاء والملوك والسلاطين وحكمهم على الخاصة والعامة جميعاً ولكن على ظاهرهم لا على باطنهم. والثالثة: العلماء بالله عز وجل وبدينه الذين هم ورثة الأنبياء، وحكمهم على باطن الخاصة فقط۔^۲

اس سے بظاہر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے ظاہری اعمال و احوال کی نگہداشت علماء کے حیطہ اقتدار سے باہر ہے، لیکن حضرت مولانا سجاد نے اس شبہ کو غلط اور اصطلاحات سے ناواقفیت پر مبنی قرار دیا ہے، یہاں 'العلماء' سے مطلق اہل علم مراد نہیں ہیں بلکہ وہ اصطلاحی علماء مراد ہیں جو امور دینی سے انگ تھلگ صرف علم دین کی اشاعت اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں، اشتغال فی العلم کی بنا پر عرف میں ایسے ہی لوگوں کو علماء کہا جاتا ہے، اس لئے کہ جو لوگ جس شخص سے وابستہ ہوتے ہیں گو کہ وہ مختلف النوع صلاحیتوں اور گونا گوں کمالات کے حامل ہوں لیکن اپنے شغل کی نسبت ہی سے شہرت پاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے علماء کا دائرہ کار اپنے طالبین، تلامذہ اور خواص متعلقین سے عموماً متجوڑ نہیں ہوتا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان میں سیاسی اہلیت نہیں ہوتی یا کہ ان کو سیاست میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔^۳

۱- خطبہ صدرت مرآۃ باطن ۵۲۔

۲- [حیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۲ المؤلف: محمد بن محمد أبو حامد الغزالی (المتوفی: ۵۰۵ھ)]

۳- خطبہ صدرت مرآۃ باطن ۵۲ تا ۵۳۔

ابن خلدون کی عبارت کا محمل

بعض لوگوں کو علامہ ابن خلدون کے اس قول سے بھی شبہ ہوا ہے:

العلماء من بين البشر ابعد عن السياسة^۱

کہ انسانی جماعت میں علماء کا طبقہ سیاست سے سب سے زیادہ دور ہے۔

مگر حضرت مولانا سجاد صاحب فرماتے ہیں کہ:

”ابن خلدون کے کلام میں لفظ علماء سے علماء اسلام، عالمین شریعت مراد نہیں ہے، بلکہ انہوں

نے علماء کا لفظ عام لوگوں کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے، اور یہ امر خود ان کے بیان تقریر سے واضح

ہے، ان کی مراد علماء سے بہرہ تعلیم یافتہ شخص ہے، جس نے علوم عقیدہ اور حکمیہ کو حاصل کیا،

اور منطق فلسفہ وغیرہ میں اس کا توغل رہا اور وہ افکار ذہنیہ کا عادی ہو گیا، تو وہ سیاست سے بہت

بعید ہے اور ان کے کلام میں سیاست بھی عام ہے، جو عادل اور ظالمہ دونوں کو شامل ہے، اس لئے

ابن خلدون کی عبارت ہمارے مقصد کے لئے کسی طرح مضرب نہیں ہے۔“^۲

حضرت مولانا سجاد نے ابن خلدون کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ پوری عبارت اس

طرح ہے:

الفصل الرابع والثلاثون في ان العلماء من بين البشر ابعد عن السياسة ومذاهبها والسبب في ذلك أنهم معتادون النظر الفكري والغوص على المعاني وانتزاعها من المحسوسات وتجريدها في الذهن أمورا كلية عامة ليحكم عليها بأمر العموم لا بخصوص مادة ولا شخص ولا جيل ولا أمة ولا صنف من الناس ويطبقون من بعد ذلك الكلي على الخارجيات وأيضا يقيسون الامور على أشباهها وأمثالها بما اعتادوه من القياس الفقهي فلا تزال أحكامهم وأنظارهم كلها في الذهن ولا تصير إلى المطابقة إلا بعد الفراغ من البحث والنظر ولا تصير بالجملة إلى المطابقة وإنما يتفرع ما في الخارج عما في الذهن من ذلك كالأحكام الشرعية فإنها فروع عما في المحفوظ من أدلة الكتاب والسنة

۱- تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۵۴۲ المؤلف: عبد الرحمن بن محمد، ابن خلدون (المتوفى: ۸۰۸ھ) دار احیاء التراث العربی بیروت - لبنان

۲- خطبہ صدارت مراد آباد ص ۵۷۔

فتطلب مطابقة ما في الخارج لها عكس الانظار في العلوم العقلية التي تطلب في صحتها مطابقتها لما في الخارج فهم متعودون في سائر انظارهم الامور الذهنية والانظار الفكرية لا يعرفون سواها والسياسة يحتاج صاحبها إلى مراعاة ما في الخارج وما يلحقها من الاحوال ويتبعها فإنها خفية۔^۱

سیاست سے علماء کی علیحدگی کے اسباب

حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں ان بنیادی اسباب و علل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جن کی بنا پر علماء کے قدم سیاست کے میدان میں پیچھے ہوتے چلے گئے، مولانا رقمطراز ہیں:

”علماء کرام کو قرون اولیٰ کے بعد کن امور نے اقدام فی السیاسة سے روکا؟ اور کیا اس تاخیر میں:

☆ صرف حوادث اور واقعات کا اقد ہے۔

☆ یا ان احادیث و اخبار کا اثر ہے، جن میں ان امور پر اقدام اور دخول کے شانہ و مہالک

بیان کئے گئے ہیں جس سے مقصود یہ تھا کہ نہایت حزم و احتیاط اور تدبیر و تفکر کے ساتھ کام کیا جائے، نہ کہ سرسے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

☆ یا اخبار فتن کی تاثیر ہے جس سے مقصود یہ تھا کہ امت محمدیہ ہر وقت ہوشیار رہے اور نہایت

صبر و ہمت کے ساتھ عریضت کی راہ اختیار کر کے فتن کے سد باب کی فکر کرے نہ یہ کہ عریضت نشینی اختیار کر کے ابواب فتن کو وسیع تر ہونے کے لئے چھوڑ دے۔

☆ یا مسائل رخصت و عریضت کے غلط طریقہ استعمال کو دخل ہے اس قدر عمومیت اور کلیت

کا مرتبہ دیا گیا کہ عریضت کا وجود صرف کتابوں کے اوراق میں رہ گیا۔“^۲

سیاست سے علماء کی علیحدگی کے نقصانات - علم اور تاریخ کے تناظر میں

حضرت مولانا سجادؒ کو اس خلا کا بہت احساس تھا کہ سیاست میں علماء کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے علماء کے ساتھ خود امت مسلمہ کا بھی بڑا نقصان ہوا، انہوں نے ایک جگہ اپنا درد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱- تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۵۴۲ المؤلف: عبد الرحمن بن محمد، ابن خلدون (المتوفی: ۸۰۸ھ) دار احیاء التراث العربی بیروت - لبنان

۲- خطبہ صدارت مراد آء دس ۵۸، ۵۷۔

”یہ صحیح ہے کہ سیاست مدن کے متعلق بہت سے اصولی اور فروعی احکام کو علماء کرام و فقہائے عظام نے آداب قضا اور کتاب السیر اور کتاب البیوع وغیرہ میں جمع کر دیا ہے، اور علم الکلام کی فصل امامت میں بھی کسی قدر اصولی بحث کی گئی ہے۔ مگر کیا میری شکایت غلط ہے کہ جس طرح کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ اور نکاح و طلاق کے ابواب میں بابل کی کھال نکالی گئی ہے، نظام الاسلام کے اصول و فروع میں اس تفصیل سے کام نہیں لیا گیا۔ یہ کتنی بڑی بد قسمتی ہے کہ تمام مسائل پر تو مستقلاً متعدد تصانیف موجود ہیں، لیکن کیا نظام الاسلام پر بھی کوئی کامل و مکمل تالیف موجود ہے؟ — اس کے ثبوت کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ اگرچہ بعض حکمائے اسلام نے چند چھوٹے چھوٹے رسالے سیاسیات پر لکھے، اور بعض متاخرین نے بھی تمدنی و سیاسی مسائل کے بعض مسئلوں کے متعلق کتابیں لکھیں مگر یہ تمام کتابیں نظام اسلام کے اصول و فروع پر محیط نہیں ہیں، اور ان سے پورے نظام اسلام پر ہرگز روشنی نہیں پڑتی ہے۔

جہاں تک ہماری معلومات میں میں نہایت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ قاضی القضاۃ علامہ ابوالحسن ماوردی (متوفی ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء) اول در بزرگ میں جنہوں نے پورے نظام اسلام کو کسی قدر بسط و تفصیل کے ساتھ یکجا کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے جزاۃ اللہ عنی وعن جمیع المسلمین۔

اس کے بعد علامہ رشید رضا مدیر المنار مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں اس کے متعلق المنار کے صفحات میں مضامین لکھتے رہے اور اخیر میں اپنے تمام مضامین کو ایک مرتب شکل میں جمع کر کے کتابی صورت میں منتقل کر دیا جو اختلافیہ کے نام سے گزشتہ سال شائع ہو چکی ہے۔

شکر اللہ معیہ۔

مگر میں نے جہاں تک غور کیا ہے یہ دونوں کتابیں بھی ناکافی ہیں بلکہ کسی قدر قابل تنقید بھی ہیں، ان کے علاوہ محض دیگر فضلاء نے مرنے بھی کتابیں لکھی ہیں، مگر ان تالیفات کے اندر بھی اثرات خارجیہ کا اثر بہت نمایاں ہے۔

ضرورت ہے کہ اس سے زائد بسط و تفصیل سے کام لیا جائے بلکہ تمام احکام کے مآخذ و مدارک بیان کرتے ہوئے ان کے حکم کو بھی بتایا جائے۔ اصول نظام اسلام کے علاوہ اب اس کی بھی ضرورت ہے کہ نظام اسلام اور موجود نظام ہائے جمہوریت دنیا کے مابین مایہ الافتراق امور کو نہایت وضاحت سے ظاہر کیا جائے، اور پھر نظام اسلام کے تفوق کو نمایاں طور پر واضح کر دیا جائے، اگر سیاست مدن، اجتماعی زندگی، اصول نظام پر اس بسط و تفصیل کے ساتھ کتابیں ہوتیں، جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں اور ان کے نشر و اشاعت کی کوشش کی جاتی بلکہ ان کی تعلیم پر بھی خصوصیت کے ساتھ قوت صرف کی جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ تعلیمی حکومتوں کے مذکورہ الصدر و جراثیم نکال دینا ہمارے نوجوانوں کے دماغ کے اندر اس قدر نفوذ نہیں کرتے اور خود اسلامی حکومتوں نے غیر اسلامی اصول کو اختیار کر کے ازمنہ ماضیہ اور حال میں جتنے

مقاصد پر پائے گئے ہیں، غالباً ان سب کا اگر سد باب نہ ہوتا تو کمر ازم کی ضرورت نہ ہوتی۔
 علمائے ربانین اور فضلاء عظام ماہرین شریعت نے عملی حیثیت سے اتنا حصہ نہیں
 نیا جتنی کہ ضرورت تھی، اگر یہ حضرات عملاً حصہ لیتے رہتے اور اپنے اوقات کا معتد بہ حصہ اس
 پر فاروادی میں گذارتے، تو امید یہ تھی کہ اس نے مفاسد پیدا نہیں ہوتے اور شریعت اسلامیہ کے
 اصول و فروع کی اتنی بے حرمتی نہ ہوتی، اور مسلمانوں کی بے عزتی جو وقوع میں آئی ہے نہ ہوتی،
 جس کے تصور سے آج بدن پر رزہ آتا ہے اور روٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کے ٹکڑے
 ہونے لگتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ علمائے کرام اور فضلاء عظام کی سیاست مدان سے عملی دلچسپی کی
 کمی کوئی آج کی بات نہیں ہے، بلکہ میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں
 کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد سے اس باب میں کمی شروع ہوئی ہے
 اور رفتہ رفتہ اس کمی میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا ہے۔“

حضرت مولانا سجاد کا دور

غرض حضرت مولانا سجاد کو اس کا بے حد رنج تھا کہ علماء نے سیاسی قیادت کا محاذ ترک کر کے
 پوری امت مسلمہ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور اس طرح ملکی اور قومی سیاست صحیح منہج سے
 دور ہوتی چلی گئی، اور اسلامی سیاست کی جگہ مغربی سیاست کے قدم مضبوط ہوتے چلے گئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا سجاد مرحوم کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی، کہ علماء سیاست میں بھی قوم کی رہبری کا فرض

انجام دیں۔“

مولانا شاہ سید حسن آرزو لکھتے ہیں:

”مولانا کا صاف اور حقیقی فطریہ یہ تھا کہ مذہب اور سیاست مسلمانوں کے دونوں معاملات میں
 علماء اسلام کو عموماً اور امارت بہار کو خصوصاً نہ صرف مداخلت کرنے کا حق ہے بلکہ اس کی نگرانی
 کا فرض ان ہی پر عائد ہوتا ہے۔ مولانا مذہب و سیاست کی باگ علماء اور بالخصوص امارت کے
 مضبوط ہاتھوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔“



۱- خطبہ صدارت مراۃ آباد میں ۳۰ تا ۳۱۔

۲- محاسن سجاد میں ۳۹ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی

۳- حیات سجاد میں ۹۶، ۹۵ مضمون مولانا سید شاہ حسن آرزو۔

فصل دوم

حضرت مولانا سجادؒ کی بے نظیر سیاسی بصیرت اور عملی اقدامات

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی سیاست اور اس کی تاریخ پر حضرت مولانا سجادؒ کی کتنی بڑی نگاہ تھی، مولانا سجادؒ ہندوستانی علماء میں واحد ایسے عالم دین تھے جو بے انتہا تبحر علمی کے ساتھ کامل درجہ کا سیاسی شعور بھی رکھتے تھے، جس کی پشت پر ان کے پاس مضبوط علمی دلائل بھی تھے اور پختہ عملی تجربات بھی، انہوں نے جن مخدعانہ جذبات کے ساتھ اپنے سیاسی سفر کا آغاز فرمایا، اور جس قوت کے ساتھ انہوں نے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو بالخصوص جماعت علماء و ملکی سیاست میں حصہ داری کی دعوت دی، اگر مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا، دیتا تو اس ملک کی سیاست کا نقشہ مختلف ہوتا، لیکن ان کی دعوت ایک ویرانہ کی صدا بن کر رہ گئی، مولانا نے اس ملک کو سیاسی نظریات بھی دیئے اور ان کو عملی رنگ بھی دیا، ان کی سیاسی صلاحیت پر ایک دنیا نے اعتماد کیا، آپ کی سیاسی اصابت رائے پر موافق و مخالف سب یقین رکھتے تھے۔

مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب کا بیان ہے کہ:

”مجھے مولانا سے مدقوں بعض امور اور بعض مسائل میں سخت ترین اختلاف رہا اور باوجود متعدد گفتگوؤں کے مولانا کی منطق میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن ان کی ٹیک نیتی اور اپنے سے بہت زیادہ قابل اعتماد سیاست دانی پر مجھ کو سہ کر کے جوئے مولانا کے اس اجتہاد پر وقت کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے اپنی شکست اور نا فہمی کا اقرار ہے کہ مولانا جیتے اور میں ہار رہا۔“

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

”۱۳۷۱ء سے آخر ۱۳۹۱ء تک اسلامی جنبہ کی سیاست میں جو بحرانی دور گذرا، جس میں ہر خیال کے کارکنوں کا دماغی توازن بگڑ چکا تھا اس وقت جو چند چیدہ حضرات اس رویہ میں بیٹے سے محفوظ رہے، ان میں ایک ممتاز جستی حضرت مولانا مہر جو مکی تھے، میں اس دور میں ان کے خیالات سے اگرچہ

گیلانی یعنی سوئی صدی تو متفق نہ تھا، بلکہ صرف قریب تر تھا لیکن اگر کسی کی رائے کو اپنے شرح صدر کے بغیر ماننا ہوتا تو حضرت مرحوم کی رائے کو یقیناً اس کا مستحق سمجھتا تھا۔^۱

علماء و قائدین کے اعترافات

اس دور میں جس کو بھی حضرت اقدس ابوالمحسنؒ سے ملنے اور آپ کا طرز عمل دیکھنے کا موقع ملا وہ آپ کی شخصیت اور سیاسی حکمت عملی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، بڑی بڑی شخصیتوں نے آپ کی سیاسی عظمت کا لوہا مانا اور فکری عبقریت کا اعتراف کیا، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے الفاظ میں:

”انگوں نے تعظیم دی، پچھلوں نے تکریم کی، اور اب جو دیکھتا ہوں کہ قدم کسی سے پیچھے نہیں، منزلت کے دربار میں ان کی کرسی کسی سے نیچے نہیں — امتیاز ناقصوں میں نہیں کاملوں میں پایا، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء — چمک جگنو کی نہیں جو ہر اندھیرے گھپ میں روشنی پیدا کر سکتی ہے، نور ماہتاب کا جو جگمگاتے ستاروں کو ماند کر دیتا ہے۔“^۲

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ لکھتے ہیں کہ:

”حضرت مولاناؒ کو جس طرح علوم عقلی و نقلی میں کمال حاصل تھا، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ سیاسی، اجتماعی مسائل میں بھی ان کو یہ طوئی حاصل تھا، ہندو مسلم یونیتی کا نفرنس لکھنؤ، الہ آباد میں انہوں نے جس بصیرت کا ثبوت دیا ہے اس کا اعتراف شرکائے کانفرنس ہندو مسلم دونوں نے کیا، اور بعض سیاسی مبصرین نے خود مجھ سے کہا، کہ یہ شخص جب بات کرنا شروع کرتا ہے تو لکنت اور عجز گفتگو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے، کہ خواہ مخواہ ایسے اہم مسائل میں کیوں دخل دیتا ہے، لیکن جب بات پوری کر لیتا ہے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس شخص کا دماغ معاملات کی گہرائی تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے اور تہہ کی بات نکال کر لے آتا ہے۔ مراد آباد میں جب جمعیت علماء ہند کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا اور مولانا نے بحیثیت صدر خطبہ صدارت منایا تو زمیندار، انقلاب اور دوسرے اسلامی اخبارات نے خطبہ صدارت پر ریویو کرتے ہوئے یہ لکھا تھا، کہ مولانا سجاد کی صورت اور گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ایسا شخص بھی اسلامی سیاسیات بلکہ سیاست حاضرہ کا اس قدر مبصر اور عمیق النظر ہو سکتا ہے، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ مولانا کا یہ خطبہ صدارت سیاسیات اسلامی کی بہترین انسانی کلوہیڈیا ہے۔“^۳

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں:

۱- محاسن مجاہد ص ۵۹ مضمون مولانا منظور نسائی۔

۲- محاسن مجاہد ص (۱) مضمون مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ۔

۳- حیات مجاہد ص ۱۳۹ مضمون مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ۔

”سیاسی مہارت جو ان کو حاصل تھی اس کا تجربہ تو مجھ سے زیادہ ان لوگوں کو ہوتا رہا جن کی عمر گزری تھی اسی دشت کی سیاحتی میں۔“^۱

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ اپنے تجربات اور قلبی تاثرات ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”میں نے پہلی بار یہ اندازہ کیا کہ یہ شخص اپنی شان کا نرا عالم ہے، اسی دن میرے قلب پر ان کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا، اور میں ان کو دور حاضر میں کم از کم طبقہ علماء میں اسلامی سیاست کا اعلیٰ ماہر سمجھنے لگا، میں صاف کہتا ہوں کہ پھر اس کے بعد سے آج تک اس باب میں ملحقہ علماء میں سے کسی کی بھی عظمت و جلالت کا اس درجہ قائل نہ ہو سکا۔ ہندوستان کے سیاسی مسائل میں بھی بس اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی ضروریات ہی آپ کے غور و فکر کا مرکز اور محور تھے۔

اس تحریک الاحزاب کے زمانہ میں ہمارے علمی اور دینی حلقوں میں بھی جو رشتے مثلاً ہم استاذی، ہم شفیعی، یا کسی ایک خاص سلسلہ میں انسلاب وغیرہ جو عموماً اتحاد و ارتباط میں مؤثر سمجھے جاتے ہیں، مجھے حضرت ممدوح سے کوئی ایک بھی ان میں سے حاصل نہ تھا، لیکن ان کے اخلاص، ورع و تقویٰ، دین کی بے لوث قدائیت، اور سب سے زیادہ سیاسیات میں ان کے پختہ اسلامی انداز فکر نے مجھے ان سے اس قدر وابستہ کر دیا تھا کہ اپنے جن محترم بزرگوں سے مجھے اس قسم کی نسبتیں بھی حاصل ہیں، ان کے ساتھ بھی مجھے اس سے زیادہ وابستگی نہیں ہے۔

واللہ العظیم اگر میرے بس میں ہوتا تو میں سیاسی کام کرنے والے کم از کم نو جوان علماء کے لئے تو فرض قرار دیتا کہ وہ پہلے کچھ دنوں حضرت مرحوم کی زیر نگرانی ٹریننگ حاصل کریں۔“^۲

جناب محمد یونس صاحب سابق وزیر اعظم بہار اپنے مشاہدات کی روداد بیان کرتے ہیں:

”مولانا مرحوم کی یہ عجیب خصوصیت تھی کہ وہ وقت کے تقاضا کو خوب سمجھتے تھے، اور بروقت اس کا حل بھی نکال لیتے تھے، مولانا مرحوم کے ساتھ قومی، سیاسی، دستوری، اور آئینی ہر طرح کے کام کرنے کا مجھ کو شرف حاصل رہا اور مولانا کے ذہن رسا کے متعلق مجھ کو عملی ہر قسم کے معاملہ میں اس کا اندازہ کرنے کا موقع ملا ہے، کہ وہ کس طرح معاملہ کی روح اور اس کی سیاست کو سمجھ جاتے تھے، اور اگر سیاسی اور آئینی معاملہ کے متعلق یہ کہوں کہ مولانا مرحوم کی شخصیت باوجود اس کے کہ موجودہ سیاسی لٹریچر کی زبان سے وہ نا آشنا تھے، اور آئین ہند کے دفاتر و اسفار کے مطالعہ سے وہ بالکل دور تھے، وہ اس قدر قریب سے اس کو دیکھتے تھے، کہ اس کے جوار میں رہنے والا ششدر ہو جاتا تھا، تو میری یہ شہادت قیاس و تخمین نہیں ہوگی، بلکہ عملی تجربہ ہوگا جس کی بنیاد

۱- حیات سجاد ص ۵۸، ۵۷ اور مقامات گیلانیہ۔

۲- محاسن سجاد ص ۵۷، ۵۸، ۶۲ مضمون مولانا منظور نعمانی۔

واقعات پر ہوگی، اور ایسے واقعات پر ہوگی جس کے دامن میں میری سعی بھی تھی۔^۱

مولانا شاہ سید حسن آرزو صاحب اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

”میں نے پہلی ہی ملاقات میں اس دہلے پتلے نجف و کمزور عالم دین سے مل کر یہ محسوس کیا کہ اس کے جسم کے اندر گوشت کالو تھڑا نہیں، دھکتی آگ کا شعلہ ہے، اس کی نظر کی گہرائی، اس کے دماغ کی بلندی، اور فہم و فراست، ارتقائے ملک کے لئے عاف اور سیدھا نظام عمل اپنے اندر مخفی رکھے ہوئے ہے، لکھنؤ کی وہ صحبت یقینی ایک تاریخی صحبت تھی، کہ مخصوص مسلمانوں کا ایک مجمع تھا، اور کم از کم میری زندگی کا ایک تاریخی دن تھا مجلس مضامین کی مخصوص صحبت میں پتہ چلا کہ مولانا سجاد کی دینی پہنچ کیا ہے، اور سیاسی معلومات میں وہ کس درجہ ماہر ہیں۔“^۲

امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

”مولانا کی سیاسی زندگی پر جو بھی قلم اٹھائے گا وہ یہ ٹکھنے پر مجبور ہے کہ مولانا نے کامیاب اور شاندار سیاسی زندگی گزاری، ایک طرف مولانا نے امارت شرعیہ قائم کر کے اس اہم ترین مسئلہ کو حل کیا کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں زندگی کس طرح گزارنی چاہئے، دوسری طرف مولانا نے اسمبلی اور کونسل پر قبضہ کر کے وزارت قائم کی اور سیاسی اقتدار وقت اپنے ہاتھ میں لی، اور بتایا کہ طاقت وقت کا کیا مصرف ہے اور دنیا کس طرح چلائی جاتی ہے؟ مجھے بہت سے رہبروں اور رہنماؤں سے شرف ملاقات حاصل ہے، لیکن وہ مولانا کی طرح مذہب کی لگن، قوم و ملک کا جنون، کام کا سودا، اور پھر اس سلسلہ میں پوری طرح خود فراموشی میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی۔“^۳

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

”سیاست و تمدن اور تاریخ کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، خاص طور پر قانونی و دستوری باریکیوں اور ہندوستان کے دستور اور سیاسی نظاموں سے وہ گہری دلچسپی رکھتے تھے اور ان کا انہوں نے بظرف غور مطالعہ کیا تھا۔۔۔ جب کوئی مشورہ ہوتا تو سب کی نگاہیں مولانا مرحوم کی طرف اٹھتی رہتیں اور ان کی رائے فیصلہ کن سمجھی جاتی۔“^۴

حضرت مولانا سجاد کے سیاسی مخالف اور مسلم لیگی رہنما علامہ راغب احسن صاحب جبریل سکریٹری مسلم لیگ کھٹکتہ نے حضرت مولانا کی سیاسی شخصیت و عظمت کا نہایت بند الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

۱- حیات سجاد ص ۸۷ مضمون جناب محمد یونس صاحب۔

۲- حیات سجاد ص ۹۲ مضمون شاہ سید حسن آرزو صاحب۔

۳- حیات سجاد ص ۱۶ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۴- پرانے چراغ ص ۳۳ ص ۱۳۹ مشافہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

”مولانا سجادِ جدید اسلامی ہند کی صف اول کے رجالِ دین و سیاست میں ممتاز و درجہ رکھتے تھے۔ وہ ان چند واقعی لائق ترین سیاستین میں تھے۔ جن کو تحریکِ خلافت نے پردہ گمنامی سے ابھار کر ہندوستانی سیاست کی صف اول میں کھڑا کیا تھا، پھر وہ تحریکِ خلافت کے رہنماؤں میں اپنی اصابتِ رائے، سیاستِ دانی، معاملہ فہمی، نکتہ دہی، ذہانت، عملی صلاحیت، تنظیمی طاقت، کاروائی، کارپردازی، عزم و استقلال کے ساتھ ایک نصب العین کے لئے مسلسل یکسوئی سے محنت کرنے کی قابلیت، حالات و ضروریات کے مطابق زمانہ کے ساتھ چلنے اور ساتھ دینے کی اہلیت اور اپنے مقاصد کے لئے معیار و اصول سے فروتر لوگوں اور چیزوں سے مصالحت کر لینے کی قوت کے لئے ممتاز تھے۔“

مولانا سجادِ علمائے ہند میں نہ صرف سب سے زیادہ سیاسیات ماضیہ کے ماہر تھے بلکہ سب سے بڑے عملی سیاست کار بھی تھے۔ سیاسیات مغرب کے متعلق نہ صرف ان کا علم دوسرے مولویوں سے زیادہ بہتر تھا، بلکہ وہ ان سے زیادہ موجودہ سیاسی ادارات سے کام لینے کی قابلیت رکھتے تھے اور غالباً مسلمانانِ ہندوستان میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا تنظیمی صلاحیت کا انسان نہیں تھا۔ اگر قوم ان کا ساتھ دیتی تو جیسا کہ مولانا دانا پوریؒ نے فرمایا تھا کہ وہ ایک نئے ہندوستان اور کم از کم ایک جدید اسلامی ہندوستان کی تعمیر میں ایک اول درجہ کے معمار کا پارٹنر ضرور ادا کرتے۔

مولانا سجادِ ہندوستان کے تمام علماء میں سب سے زیادہ عملی سیاست اور دنیاوی معاملات کو سمجھنے اور ان کے برتنے والے کارواں مدیر تھے، وہ انگریزی نہیں جانتے تھے، لیکن انگریزی سیاست و دستور اور مغربی تمدن و قانون کو خوب سمجھتے تھے اور ان کی ماہرانہ سیاسیات دانی اور سیاسیات کاری کا یہ بہترین اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ انہوں نے بہت سے انگریزی دالِ سیاست دانوں کو شکست دے دی تھی۔“

نظری سیاست سے عملی سیاست کی طرف

حضرت مولانا سجاد کا خیال تھا کہ ہر قوم یا جماعت کی ترقی کے لئے سیاسی اور آئینی طاقت کا حصول ناگزیر ہے، خصوصاً اس آئینی دور میں تو اس کے بغیر کسی جماعت کا زندہ رہنا ہی مشکل ہے، اس طرح مولانا نے نہ صرف یہ کہ اپنے سیاسی افکار و نظریات سے دنیا کو متاثر کیا بلکہ آگے بڑھ کر اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، وہ صرف خیالی دنیا کے بادشاہ نہیں تھے بلکہ اپنے خیالات کو عملی قالب میں ڈھالنے کا ہنر بھی جانتے تھے، وہ خالص عملی آدمی تھے، وہ زمینی سطح پر کام کرنا پسند کرتے تھے۔

۱- محسن سجاد، ص ۱۰۹۴-۹۵ مضمون جنابِ راغب احسن صاحب۔

۲- محسن سجاد، ص ۱۶۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

اور جس چیز کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے، خود ان کے قدم اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔

آپ کی عملی سیاست کا آغاز کب ہوا؟ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ:

”یوں تو مولاناؒ میں سیاسی خیالات کی نشوونما ۱۹۰۸ء و ۱۹۰۹ء ہی سے ہو رہی تھی۔ لیکن ۱۹۱۵ء سے وہ

زمانہ شروع ہو گیا۔ جہاں سے مورخ مولاناؒ کی سیاسی خدمات کا باب شروع کر سکتا ہے۔“

ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ

حضرت مولانا سجادؒ نے ملک کے آئینی پس منظر اور بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں مسلمانوں کی ایک ایسی سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا، جو ملک کی کامل آزادی کی حامی ہو اور مسلمانوں کے دینی و قومی تشخصات کی محافظ بھی۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ حضرت مولانا سجادؒ کے اس اہم ترین تاریخی فیصلہ کے پس منظر اور آپ کی سیاسی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”وہ (حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ) موجودہ قسود اور استبدادیت کو زیادہ سے زیادہ کمزور کرنے کی فکر میں تھے، ایک جانب ان کی توجہ تعمیر کی طرف مائل تھی، اور زندگی کا دوسرا پہلو ان نظامہائے حکومت کی تخریب پر منعطف تھا، ان کے سامنے ۱۸۵۷ء کی پوری تاریخ تھی، اسلامی حکومت کی تباہی، مسلمانوں کی بربادی کا تمام نقشہ ان کی آنکھوں میں تھا، پٹنہ کی وہابی تحریک اور اس کی ناکامی کا بھی ان کو علم تھا، سرحدی علاقہ میں حضرت شہیدؒ کی پچی پچی جماعت کا جو شہر ہوا اس کو وہ جانتے تھے حضرت شیخ الہندؒ کی آخری ہنسنت اور مولانا عبید اللہ رحمہ کی جلاوطنی اور رشتگی رومال کی تحریک کا انجام بھی ان کو معلوم تھا، وہ ان تمام تحریکات کی ناکامی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اس ملک میں نظام حکومت کی تخریب تنہا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں ہو سکتی، نظام حکومت کی تخریب جب ہی ہو سکتی ہے جب دونوں قومیوں میں مل کر اس کام کو کریں، اور دونوں قوموں پر پورا پورا اشتراک عمل ہو یہ رائے انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر قائم کی تھی۔“

سیاسی جماعت کے قیام کا پس منظر تجویز مقاطعہ کی واپسی

اس سیاسی جماعت کے قیام کا پس منظر مولانا محمد عثمان غنی اول ناظم امارت شرعیہ (جو اس تحریک میں روز اول سے شامل تھے) کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

۱- دیات سجاد ۱۵، مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۲- دیات سجاد ۱۰، ۱۱، ۱۲، مضمون مولانا احمد سعید دہلوی۔

”جمعیت علماء ہند نے ترک موالات کے سلسلہ میں مجالس مقتندہ کا بھی مقاصد کیا تھا، لیکن انتخاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی نشستوں سے مسلمان کھڑے ہوتے تھے اور منتخب ہو کر مجالس مقتندہ میں جاتے تھے۔ اور بعض لوگ وہاں پہنچ کر صرف اپنے مفاد کے پیش نظر کام کرتے تھے، دینی اور جماعتی مفاد کو فراموش کر جاتے تھے۔ صوبہ کی کونسل اور مرکزی اسمبلی میں ایسے بہت سے واقعات پیش آئے۔ راقم اعروف نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ مجالس مقتندہ کے ارکان میں طرح منتخب ہو کر جاتے ہیں وہ دین و ملت اور ملک و قوم کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے مسلمان ارکان پر آئندہ کوئی پابندی عائد کرنی چاہئے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب تک جمعیت علماء ہند مقاصد کی تجویز کو دہرائیں گے اس وقت تک بعد لوگ کس طرح کسی کی تائید یا حمایت کر سکتے ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ مجالس مقتندہ کے ارکان کی جو روش ہے اس کو دیکھتے ہوئے مقاصد کو قائم رکھنا جائز قرار نہیں دیا جائے گا (اذا ابتلی ببلیتین فاختراھونھما) پر عمل کرنا چاہئے مثال میں ہم نے قاضی احمد حسین صاحب کے وقت میں کی ناکامیابی کو بیان کیا کہ صرف مسلمان ارکان کی حکومت پرستی نے اس مفید میں کو ناکامیاب کیا، نیز مرکزی اسمبلی کے بعض ارکان جیسی حرکتیں کر رہے تھے، اس کو عرض کیا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم بریدہ امارت میں نکھو اگر جمعیت علماء ہند اپنی عائد کردہ پابندی منالے تو پھر آئندہ حصہ لیا جائے گا، چنانچہ راقم اعروف نے بریدہ امارت میں مضامین لکھنا شروع کر دیئے، اس کے بعد نقیب میں بھی کچھ مضامین لکھے۔

حضرت مولانا کی عادت تھی کہ جس معاملہ میں ان کا قلب مطمئن ہو جاتا تھا پھر اس کو جلد سے جلد انجام دینے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی جب ان کا قلب مطمئن ہو گیا کہ مجالس مقتندہ کے انتخاب میں ہمارے حصہ لینے سے کسی حد تک دینی فائدہ کی توقع ہے اور امارت شریعہ کے مقاصد کے لئے ہماری شرکت مفید ہو سکتی ہے۔ تو انہوں نے جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ (منعقدہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۲ء مراد آباد) مجالس مقتندہ (اسمبلی) کے انتخاب میں حصہ لینے کی تجویز پیش کر دی، جو منظور ہو گئی، اس کے بعد امارت شریعہ کی مجلس شوریٰ (ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق جون ۱۹۳۲ء) میں اسی مضمون کی تجویز پیش کی، جس کو مجلس شوریٰ نے منظور کیا، تمبیہ کے بعد اصل تجویز کے الفاظ یہ ہیں:

”امارت شریعہ اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اگر صوبہ بہار واڈیسہ میں کوئی مجلس اس اصول کے ماتحت قائم ہوئی اور اس کے دستور اساسی و قواعد امارت شریعہ کے نزدیک قابل اعتماد ہوئے، اور اس نے خصوصیت کے ساتھ اپنے دستور اساسی میں اس امر کو داخل کیا کہ مجلس (پارٹی) تمام ایسے امور میں جن کا تعلق مسلمانوں کے مذہب سے ہو یا ان کے مذہبی معاملات پر اس کا اثر پڑتا ہو، امارت شریعہ کی ہدایت و رہنمائی کی پابند ہوگی، تو امارت شریعہ کی پوری

ہمدردی و تائید اس مجلس کے ساتھ ہوگی لیکن اگر یہ قسمتی سے اس نازک دور میں بھی مسلمانوں کی کوئی مجلس اس قسم کی قائم نہ ہوئی، یا اس کے دستور و قواعد پر امارت شریعیہ کا اعتماد نہ ہوا تو امارت شریعیہ ان ہی مقاصد و اغراض کے ماتحت اپنے صوبہ کے مسلمان امیدواروں کے سے ایک عہدہ نامہ مرتب کر کے شائع کر دے گی، تاکہ جو امیدوار اس پر دستخط کر کے امارت شریعیہ کے دفتر میں بھیجیں ان پر غور کر کے امارت شریعیہ کی مختصر مجلس (بمکملی) جن امیدواروں کے انتخاب کو ترجیح دے گی، امارت شریعیہ کی پوری ہمدردی و تائید اس کے ساتھ ہوگی۔

اسی تجویز کی بنیاد پر امارت شریعیہ بورڈ کی تفصیلی عمل میں آئی، جس کے ذمہ آئندہ اسمبلی الیکشن کی فکر، امیدواروں کا انتخاب اور ان کی حمایت کرنا تھا۔^۱

گوکہ بعض لوگوں کو امارت شریعیہ کا یہ فیصلہ ناگوار گذرا، لیکن حضرت مولانا نے پورے خلوص کے ساتھ اس کام و کامیابی کی منزل تک پہنچایا، آپ کے تلمیذ رشید مولانا اصف حسین صاحب بہارٹی سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ لکھتے ہیں کہ:

”بعض اعتدال پسند دوستوں نے مولانا کو ان تمام خوبیوں کا حامل تسلیم کرتے ہوئے بتایا کہ ان سے ایک بڑی غلطی ہوئی کہ امارت شریعیہ کو پارٹی الیکشن میں استعمال کر کے امارت کو صدمہ پہنچایا کیونکہ امارت ایک اہم غیر ادارہ ہے اس کی شان مسلمانوں کی پارٹی بندیوں کی لعنت دور کرنا تھی نہ کہ خود ایک فریق کی حیثیت اختیار کرنا اس میں شک نہیں کہ ظاہر میں یہ اعتراض واقع معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بڑا مغالطہ ہے جس کے ہمارے دوست شکار ہو گئے ہیں چٹک پارٹی بندیوں اور تفریق اندازیوں کو ختم کر کے یا کم سے کم سب پارٹیوں میں ہم آہنگی پیدا کر کے وحدت قائم کرنا امارت کا نصب العین ہے لیکن ساتھ ہی اسلامی قوانین و شعائر کے احترام کو باقی رکھنا بھی امارت کا اولین فریضہ ہے۔ اور آئین شریعہ کو اغراض پرستوں کے ہاتھ چلونا ہونے سے بچانا آئین مقصد امارت ہے۔ اب دیکھئے کہ موجودہ حکومت نے نمائندگان عوام کو ملکی قوانین بنانے کا اختیار دے رکھا ہے، مگر یہ قسمتی سے مسلمانوں کا نمائندہ کونسلوں میں جا کر اسلامی آئین، مذہبی قوانین کے خلاف بلوں پر ممبر تصدیق ثبت کر کے تو بین اسلام کا مظاہرہ پیش کرتا ہے اور جب علمائے مذہب کی جمعیت تنبیہ کرتی ہے تو لبیک کہنے کے بجائے اس کو ٹھکرادیتا ہے تو کیا آئین اسلام کے استحقاق کے لئے کونسلوں میں ایسے ممبران بھیجنا ضروری نہیں جو اسلامیات کے متعلق علماء دین کے فیصلہ کو شاہراہ عمل قرار دیں؟ اور ایسے افراد کو ممبر ہونے سے روکنا فرض نہیں جو کونسلوں میں پہنچ کر بنوں کے پاس کرنے میں شریعت کا پاس نہ رکھیں؟ اب اگر اس سلسلہ میں پارٹی بندی لازم آتی ہے تو امارت اس کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ وہ مطلق العنان امیدوار ذمہ دار ہے اس واسطے پارٹی بندیوں کے الزام و جرم سے امارت کا دامن بالکل پاک ہے۔“^۲

۱- حیات تجاویز ۱۲۲ تا ۱۲۷ مضمون مولانا عثمان قلی۔

۲- محسن سچو جس ۲۸ مضمون مولانا اصف حسین صاحب۔

بدلے ہوئے حالات

تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے دوران ملک میں انگریزوں کے خلاف جو اتحاد اور محبت کا ماحول بنا تھا، اور مسلمان اور ہندو شیعہ و شکر بن گئے تھے، ان تحریکات کے ختم ہو جانے کے بعد وہ ماحول کمزور پڑنے لگا تھا، نفرت و تنگ نظری کا تعفن پھر فضا میں پھیلنے لگا تھا، اور ماحول کے اس بگاڑ میں کانگریس کی غلط پالیسیوں کا بھی بڑا دخل تھا، کانگریس کی منفی پالیسیوں نے مسلمانوں کے جذبات مجروح کیے تھے، یہاں تک کہ انتخابات کے موقع پر بھی کانگریس نے مسلم حلقوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے پورے ملک کے مسلمان کانگریس کے خلاف ہو گئے تھے، مسلم لیگ نے اس کو مزید ہوا دی اور ملک کے اکثر مسلمان کانگریس مخالف گروہوں میں بہہ گئے، بہار میں مسلم لیگ کی یونٹ اتنی مضبوط نہیں تھی، اس لئے بہار کا ماحول کانگریس کے خلاف اتنا گرم نہیں تھا۔

مسلم یونٹی بورڈ کا قیام

مانٹیکو چی مسفورڈ ایوارڈ کے مطابق جب ہندوستان کے لئے نیا دستور نافذ ہوا، جس کے ذریعہ کونسلوں میں منتخب ہندو مسلمان آ سکتے تھے تو مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے انتخاب کا مسئلہ کھڑا ہوا، چنانچہ مرکزی اسمبلی چناؤ (۱۹۳۴ء) کے موقع پر یوپی اور بہار کانگریس کے مسلم رہنماؤں نے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے خلافت، لیگ اور جمعیت العلماء کے قدیم رہنماؤں کی مدد سے ”مسلم یونٹی بورڈ“ قائم کیا، اور محبان وطن اور آزادی ہند کے خواہاں مسلمانوں کو الیکشن کے لئے کھڑا کیا، اس بورڈ کے قیام اور انتخاب کی حکمت عملی میں حضرت مولانا سجاد کا بنیادی کردار تھا۔ اس بورڈ میں حضرت مولانا کی مرکزی اہمیت کا اندازہ مولانا مسعود عالم ندوی صاحب کی اس رپورٹ سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے مشاہدے کی بنیاد پر لکھی ہے:

”مسلم یونٹی بورڈ کے جلسے غالباً ۱۹۳۲ء کے اواخر میں ہوئے اور اس سلسلہ میں مولاناؒ کا کھنٹھ میں ہفتوں قیام رہا۔ اس دوران راقم برابر حاضر ہوتا۔ اور ان کے افادات سے اپنی کم مانگی دور کرنے کی کوشش کرتا، مولاناؒ کی نوازش سے راقم یونٹی بورڈ کی مجلس مضامین میں برابر شریک ہو سکا، اور حقیقت میں یہی یونٹی بورڈ کے جلسے تھے جہاں مولاناؒ کے سیاسی تدبر کا لوہا موافق و مخالف سب ماننے پر مجبور ہوئے، یوں کہنے کو تو جمعیت کی پوری مجلس انتظامی موجود تھی، بورڈ میں اس کے

۱- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۱۸، مصنف: جناب قتی رحیم صاحب، شائع کردہ: خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری

نمائندے بھی موجود تھے، ہر دماغ ایک تھا اور سب جسم محض کی حیثیت رکھتے تھے۔“

امارت شریعہ کی 'مجلس انتخابات' کا قیام

امارت شریعہ کی مذکورہ بالا تجویز کے مطابق ایک سب کمیٹی "مجلس انتخابات" قائم کی گئی، وہ درج ذیل افراد پر مشتمل تھی:

- صدر : مولانا لطف اللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر
- نائب صدر : مولانا شاہ قمر الدین صاحب (جو بعد میں امیر شریعت ثالث ہوئے)
- سیکرٹری : قاضی احمد حسین صاحب۔
- جوائنٹ سیکریٹریز : (۱) مولانا سید منت اللہ رحمانی (جو بعد میں امیر شریعت رابع ہوئے)
- (۲) شرف الدین صاحب رییس باڑھ۔
- (۳) سعید الحق صاحب وکیل در بھنگہ
- ارکان : (۱) حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد
- (۲) مولوی مجتبیٰ صاحب مظفر پور
- (۳) محمد اسماعیل صاحب وکیل چھپرا
- (۴) مولانا عبد الوہاب صاحب صدر جمعیت علماء بہار
- (۵) مولانا نور الحسن صاحب قاضی شریعت بہار
- (۶) مولانا حافظ محمد ثانی صاحب صدر انقیب بتیا چپرا رن
- (۷) شیخ عدالت حسین صاحب رئیس انقباء دیوارج^۲

امیدواروں کا اعلان

اس مجلس نے حسب ذیل حضرات کو مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے لئے نامزد کیا:

- (۱) مولوی بدیع الزماں صاحب وکیل کشن گنج
- (۲) مولوی عبد الحمید صاحب وکیل در بھنگہ
- (۳) مولوی محمد نعمان صاحب پٹنڈویزن

۱- محاسن سجادہ ص ۷۰ مضمون مولانا مسعود عالم ندوی۔

۲- حسن حیات مرتبہ شاہ محمد عثمانی ص ۷۴، ۷۵۔

حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلواری نے ان نامزدگیوں کی تصویب فرماتے ہوئے حسب ذیل نوٹ تحریر فرمایا:

”جن لوگوں کو اسمبلی کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ ان کا انتخاب مناسب ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دعوت حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں اجازت دیتا ہوں کہ مجلس کی طرف سے اس اعلان کو شائع کیا جائے۔“

دستخط محمد محی الدین پھلواری امیر شریعت ثانی

انتخابات کے نتائج

حضرت مولانا سجاد کی کامیاب حکمت عملی کی بدولت مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں بہار کے تین امیدواروں میں سے دو (یعنی مولوی بدیع الزماں وکیل کشن پنچ، اور مولوی محمد نعمانی پنڈ) تو بلا مقابلہ منتخب ہو گئے، صرف تربہت کی نشست پر مقابلہ ہوا، امارت کے امیدوار جناب عبدالحمید خان صاحب تھے، اور ان کے مقابلے میں جناب مولوی شفیق داؤدی صاحب انتہائی با اثر شخصیت کے مالک تھے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا بیان ہے کہ:

”ذاتی حیثیت میں ان دو امیدواروں میں کوئی نسبت ہی نہ تھی، مولوی شفیق کے مقابلے میں مولوی عبدالحمید کی کوئی شخصیت ہی نہ تھی۔ پھر بھی مولانا کے تدبیر نے اس انتخاب کو بہت اہم بنادیا، اگرچہ امارت کو تقریباً ایک سو ووٹ سے ناکامی ہوئی، مگر وہ نتیجہ تھا اپنی غلطیوں کا۔ کاش مولانا کی ہدایتوں پر عمل کیا جاتا تو یہاں بھی کامیابی قدم چومتی۔“

لیکن حضرت مولانا نے ہار نہیں مانی، مولوی سید مختار صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

”مولانا سجاد نے الگن کو خلاف قانون قرار دینے کے لئے مقدمہ دائر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الگن ریلوے کی تحقیقات مولوی شفیق داؤدی کی موافقت میں ہونے کے باوجود وائسرائے نے انتخاب کو مسترد کر دیا۔“

نتائج کے اعلان کے بعد امارت شرعیہ کے ساتھ کانگریس کا رویہ

مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج سے یوپی اور بہار میں نئی امنگوں اور نئی توقعات کا آغاز ہوا، کانگریس کو بھی مسلم حلقوں کے تئیں سنجیدگی سے توجہ دینے کی فکر پیدا ہوئی، خاص طور پر بہار میں

۱- حسن حیات مرتبہ شاہ محمد عتیقی ص ۵۷، ۵۸۔

۲- محاسن ص ۱۶۲، ۱۶۳، مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۳- محاسن ص ۵۷، مضمون مولوی سید مختار صاحب۔

امارت شرعیہ کے اثرات کا اس کو پورا اندازہ ہو گیا، لیکن کانگریس نے اس سے سبق حاصل نہیں کیا، اور اس نے صوبائی الیکشن کے موقع پر امارت شرعیہ کو نظر انداز کر کے مسلم لیگ کے تعاون سے انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا، حالانکہ بہار میں مسلم لیگ کے بہت زیادہ اثرات نہیں تھے، بلکہ تحریک خلافت کی مخالفت کر کے مسلم لیگ نے بہار کے مسلمانوں کو جو جذبہ باقی صدمہ پہنچایا تھا، اس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان مسٹر محمد علی جناح اور مسلم لیگ دونوں سے بدظن ہو گئے تھے، اس کے باوجود امارت شرعیہ نے تحریک خلافت میں پر جوش حصہ لے کر مسلمانان بہار پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔^۱

نئے حالات میں امارت شرعیہ کا اہم فیصلہ

دوسری طرف کانگریس سے انتخابی اتحاد کے بعد مسٹر جناح نے بہار میں مسلم لیگ کو تنظیمی طور پر مضبوط کرنے کا ارادہ کیا، اور ریاست کی بعض نمائندہ شخصیتوں کو اپنے پارلیا منٹری بورڈ میں شامل کیا، مثلاً: حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب^۲، حضرت مولانا محمد تباہ صاحب^۳، قاضی احمد حسین صاحب^۴، مولوی عمید الخفیظ ایڈووکیٹ، اور شاہ مسعود احمد وغیرہ۔ لیکن ان حضرات نے بہار کے مسلمانوں کا سیاسی مزاج اور رجحان دیکھتے ہوئے مسلم لیگ کے لئے ہم چاہنا مناسب نہیں سمجھا۔^۵ حضرت مولانا تباہ کی ان حالات پر گہری نظر تھی، آپ نے امارت شرعیہ کے سربراہوں کی ایک بیٹھک طلب کی اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ:

(۱) امارت شرعیہ مسلمانوں کی سربراہی کے لئے خود آگے بڑھے اور انتخابی مہم کو سر کرنے کے لئے ایک نئی پارٹی تشکیل دی جائے۔

(۲) اگر کوئی مجلس امارت شرعیہ کے ضابطوں اور اصولوں کے مطابق تشکیل دی جائے تو امارت شرعیہ اس کی حمایت کرے گی۔^۶



۱- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ۳۱۸، مسئلہ: جناب فقیر احمد صاحب اشاعت کردہ، خدائے بخش اور فضل پبلک انجیریٹی پرنٹرز، ۱۹۹۸ء، مولانا سری آف ایڈم، مولانا، ۲۲۰۰ چاندنی محلہ، ۲۰۱۹ء

۲- مفتی صاحب کو کہ بہار کے مسلمانوں کی مجلس امارت شرعیہ کے لئے جیسا کہ ملاحظہ ہو، یہ کام شامل کیا گیا۔

۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ۳۱۸، مسئلہ: جناب فقیر احمد صاحب اشاعت کردہ، خدائے بخش اور فضل پبلک انجیریٹی پرنٹرز، ۱۹۹۸ء

۴- مولانا ابوالحسن علی محمد صاحب دیات، ص ۲۵۹، ۲۶۰، مضمون: جناب فقیر احمد صاحب اشاعت کردہ، خدائے بخش اور فضل پبلک انجیریٹی پرنٹرز، ۲۰۱۹ء

۵- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ۳۱۸، مسئلہ: جناب فقیر احمد صاحب اشاعت کردہ، خدائے بخش اور فضل پبلک انجیریٹی پرنٹرز، ۲۰۱۹ء

پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس

پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس ۱۲، ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء مطابق ۲۵، ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ کو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں جمعیت علماء ہند کے جنرل سیکریٹری سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کے زیر صدارت منعقد ہوئی، یہ پہلی کانفرنس بے حد کامیاب ہوئی، موسلا دھار بارش، سیلاب کی بنا پر ریلوے لائن خراب ہونے اور گاڑیوں کی آمد و رفت بند ہونے کے باوجود تمام اضلاع سے کثیر تعداد میں مندوبین شریک ہوئے، انجمن اسلامیہ ہال اندرو باہر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، کچھ لوگ چھتوں پر بھی تھے، جب کہ بہت سے لوگ بارش میں کھڑے چھتریاں لے کر پروگرام سن رہے تھے پارٹی کے صدر حضرت مولانا سجاد نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا، لوگوں نے نہایت توجہ سے سنا، پھر دیگر مقررین نے اظہار خیال کیا، اخیر میں صدر اجلاس مولانا احمد سعید دہلوی ناظم جمعیت علماء ہند نے اپنی تقریر میں ملکی و ملی سیاست اور تحریک حریت (۱۹۳۰ء-۱۹۳۲ء) پر روشنی ڈالی، اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے قیام پر اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا:

”صوبہ بہار کے مسلمان لائق تہریک و تہنیت ہیں، کہ ان کے صوبہ میں امارت شرعیہ قائم ہے جو مسلمانوں کا بہترین مذہبی ادارہ ہے، اگر اسمبلی اور کونسل میں جانے والے مسلمان یہ عہدہ کر کے جائیں، کہ وہ مذہبی معاملات میں امارت شرعیہ سے استعوا ب رائے کے بعد عمل کریں گے، تو ان کو یقین رکھنا چاہئے، کہ وہ اپنی اقلیت کے باوجود محفوظ و صون رہیں گے۔“

اسی اجلاس کے موقع پر پارٹی کے عہدیداران اور مجلس عاملہ وغیرہ کا انتخاب عمل میں آیا، جو حسب ذیل ہے:

- صدر: حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد
 نائبین صدر: (۱) مولوی بدر الحسن صاحب ایم ایل اے مظفر پور
 (۲) خان بہادر مولانا عبدالعزیز صاحب سنبھال پرگنہ
 (۳) نواب سید علی سجاد صاحب پٹنہ۔

۱- جناب قتی رحیم صاحب نے ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء کی تاریخ لکھی ہے، اور اسی کو یوم تہیں قرار دیا ہے (تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۲۲۰) لیکن صیہ کہ اوپر عرض کیا گیا کہ پارٹی کی تاسیس پہلے ہو چکی تھی۔

۲- مولانا ابوالحسن محمد سجاد حیات و خدمات ص ۳۵۲، ۳۵۳ مضمون مولانا سہیل اختر قاسمی، بحوالہ: نقیب ۵ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء۔

(۴) مولانا غلام احمد صاحب گریڈ ہیہ، ہزاری باغ

مسٹر سید محمود بیرسٹر پٹنہ

جنرل سیکریٹری:

(۱) حاجی شیخ شرف الدین حسن صاحب باڑھ۔

جوائنٹ سیکریٹری:

(۲) مرزا ابابکر حسین صاحب مختار سستی پور

(۳) مولوی عبد المجید صاحب وکیل بھاگلپور

(۴) حکیم سید محمد الیاس صاحب رانچی

حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی مونگیر

اسسٹنٹ سیکریٹری:

(۱) مولوی جسٹس خلیل احمد صاحب پٹنہ

خازن:

(۲) مولوی محمد اسماعیل صاحب تاجر پٹنہ

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مونگیر

پروپیگنڈہ سکرٹری:

اسسٹنٹ پروپیگنڈہ سکرٹری: مولوی ولی الحق صاحب شاہو بیگہوی

اراکین مجلس عاملہ:

(۱) حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد (۲) مسٹر محمد محمود بیرسٹر (۳) مولانا محمد عثمان غنی ناظم

امارت شرعیہ (۴) قاضی احمد حسین (۵) مولوی سید عبد الحفیظ صاحب ایڈوکیٹ (۶) مولوی عبد القدوس

صاحب وکیل پٹنہ (۷) مولوی سید جعفر امام صاحب وکیل پٹنہ (۸) مولانا محمد یسین صاحب (۹) ڈاکٹر

سید عبد الحفیظ صاحب فردوسی (۱۰) مولوی بدر الحسن صاحب وکیل مظفر پور (۱۱) حاجی شیخ شرف

الدین حسن صاحب باڑھ (۱۲) مولوی محمد اسماعیل خان صاحب تاجر (۱۳) مولانا منت اللہ

صاحب رحمانی (۱۴) مولوی سید قدیر الحسن صاحب وکیل (۱۵) مولانا عبد الودود صاحب در بھنگہ

(۱۶) حافظ محمد ثانی صاحب (۱۷) مولانا عبد الصمد رحمانی (۱۸) مولوی جسٹس خلیل احمد صاحب

ایڈوکیٹ (۱۹) مسٹر محمد یونس صاحب بار ایٹ لاء (۲۰) مولوی حاجی اختر حسین خان صاحب

(۲۱) مسٹر سید تجمل حسین صاحب بیرسٹر۔^۱

اسی موقعہ پر مجلس عاملہ کے سامنے پارٹی کا دستور (منی فیسٹو) پیش کیا گیا اس کا مسودہ حضرت

مولانا سجاد کی ہدایات کے مطابق قاضی احمد حسین صاحب نے تیار کیا تھا، پھر حضرت مولانا سجاد کی

۱۔ حسن حیات مرتبہ شاہ محمد عثمانی ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱

نظر ثانی کے بعد اس کو آخری شکل دی گئی، مجلس میں پورے تین گھنٹے تک بحث و تمحیص اور غور و خوض کے بعد اس کے اطراف و جہات کو منفتح کیا گیا اور پارٹی کے دستور کی حیثیت سے اس کو منظور کیا گیا، اس دستور سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پارٹی کتنے جامع اور بلند مقاصد کے تحت قائم کی گئی تھی، اور اسلامی نظریہ سیاست سے وہ کس قدر ہم آہنگ تھی۔

بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا دستور (مینی فیسٹو)

باب اول: مبادیات

- دفعہ ۱: صوبہ بہار کی اس سیاسی جماعت کا نام ”بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی“ ہوگا۔
 دفعہ ۲: اس جماعت کا دائرہ عمل صوبہ بہار کے تمام اضلاع پر محیط ہوگا۔
 دفعہ ۳: اس جماعت کا صدر دفتر پٹنہ میں رہے گا۔

باب دوم: بنیادی اغراض و مقاصد

- دفعہ نمبر ۴: مسلمانوں میں عام بیداری اور سیاسی احساس پیدا کرنے کی سعی کرنا۔
 دفعہ نمبر ۵: مسلمانوں کے تمام سیاسی و اقتصادی، معاشرتی و مذہبی حقوق کی حفاظت اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا۔
 دفعہ نمبر ۶: مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور مالی ترقی کی سعی کرنا۔
 دفعہ نمبر ۷: قوم و وطن کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرنے کی حسب استطاعت سعی کرنا۔
 دفعہ ۸: (الف) اسلامی اور وطنی مفاد کے حصول کے لئے دیگر قوموں سے اشتراک عمل کرنا۔
 (ب) اور جب تک باہمی مفاہمت سے مسلمانوں کے تمام قومی و مذہبی حقوق کی حفاظت کے لئے قابل اطمینان اصولوں پر اتفاق نہ ہو جائے، ان حقوق کی حفاظت کرنا، جو مسلمانوں کے لئے جدید انڈیا ایکٹ میں مندرج ہیں۔
 دفعہ ۹: صوبہ کے تمام بیکار اور بے روزگار مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنے اور ان کی بے روزگاری کو دور کرنے کی ہر ممکن طریق سے کوشش کرنا۔
 دفعہ ۱۰: مسلمانوں میں دینی اور دنیاوی تعلیم کو وسیع تر کرنے اور ایسی تعلیم جاری کرنے کی سعی کرنا جو بیکاری اور بے روزگاری کا سبب نہ بنے۔

- دفعہ ۱۱: اپنی مادری زبان اردو اور رسم الخط کو ذریعہ تعلیم علوم و فنون قرار دیئے جانے کی سعی کرنا۔
- دفعہ ۱۲: عدالتی اور دیگر سرکاری محکموں میں اردو زبان اور رسم الخط رائج کرانے کی سعی کرنا، سیاسی مسائل اور دیگر اہم امور کی اشاعت عامہ کے لئے اردو میں رسائل و کتب شائع کرنا۔
- دفعہ ۱۳: (الف) اس امر کی کوشش کرنا کہ نظام حکومت کی مشنری خاص بڑے بڑے عہدہ داروں پر کم سے کم خرچ ہوتا کہ صوبہ کی سرکاری آمدنی کا روپیہ قوم و ملت کی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبودی میں زیادہ صرف ہو۔
- (ب) اور جب کبھی پارٹی مجلس متقنہ میں اپنے منتخب شدہ ارکان کے لئے سرکاری عہدوں کا قبول کرنا تجویز کرے اور حکومت سرکاری عہدہ داروں کو بڑی بڑی تنخواہوں میں تخفیف منظور نہ کرے، تو اس پارٹی کا سرکاری عہدہ دار اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ایک مناسب رقم لے کر بقیہ رقم اپنی قوم کی تعلیمی و اقتصادی مفاد پر خرچ کرنے کے لئے پارٹی کو دے گا، جو مجلس عاملہ کے مشورہ پر خرچ ہوگا۔
- دفعہ ۱۴: اسلامی اصول اور تاریخی روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیگر قوموں کے ساتھ حسن سلوک و رواداری برتتے کہ ہوئے ملکی نظام حکومت میں مسلمانوں کی مخصوص ملی و قومی ضروریات کی تحصیل و تکمیل کے لئے جدوجہد کرنا۔
- دفعہ ۱۵: سیاسیات میں مسلمانوں کے تمام فرقوں اور نسلی و نسبی قبائل کو متحد رکھنے کی سعی کرنا۔
- دفعہ ۱۶: کاشتکاروں، مزدوروں، تاجروں اور دیگر اقتصادی طبقات کی فلاح و بہبود کی ہر ممکن طریق سے سعی کرنا۔
- دفعہ ۱۷: حکومت کے کسی شعبہ میں خاص کر مجالس متقنہ میں جب کبھی ایسے معاملات پیش آجائیں جن کا مذہب سے تعلق ہو تو اس قسم کے تمام معاملات کو امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ میں بھیجنا تا کہ صوبہ کے تمام اسلامی فرقوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہر فرقہ کے مستند عالم دین سے استصواب رائے کے بعد وہ جو کچھ مشورہ دے اس کے مطابق عمل کرنا یا خود امارت شرعیہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مستند علماء دین کے استصواب رائے کے بعد کسی مسودہ قانون کو پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرے، اور وہ پارٹی کو اس کی طرف توجہ دلائے تو ایسے مسودہ قانون کو مجالس متقنہ سے منظور کرانے کی سعی کرنا۔
- تشریحی نوٹ: اگر کسی مسودہ قانون کے متعلق فرق اسلامیہ کے مذہبی مسائل میں اختلاف ہو تو اس

فرقہ کے مستند عالم دین اپنے فرقہ کی طرف سے جو رائے دیں گے اس کی اطلاع امارت شرعیہ پارٹی کو دے گی، تاکہ قانون میں ہر فرقہ کی رعایت ہو جائے، اور کوئی ایسا قانون نہ بن جائے جو کسی فرقہ کے مذہب کے خلاف اس فرقہ پر نافذ ہو جائے۔

باب سوم: پارٹی کی رکنیت اور اس کی تشکیل

دفعہ ۱۸: اس پارٹی کا ہر وہ شخص ممبر ہو سکتا ہے جو:

- (الف) مرد مسلمان ہو
- (ب) عاقل و بالغ ہو
- (ج) صوبہ بہار کا باشندہ ہو
- (د) اور پارٹی کے تمام اغراض و مقاصد سے متفق ہو
- (س) دو آئند سالانہ فیس رکنیت ادا کرتے ہو۔

جنرل کمیٹی

دفعہ ۱۹: پارٹی کی ایک مرکزی مجلس ہوگی، جس کا نام جنرل کمیٹی ہوگا، اور اس کے ارکان کی تعداد ستر ہوگی، جس کی تشکیل حسب ذیل طریق پر ہوگی۔

- (الف) ہر ضلع بارہ نمائندے جنرل کمیٹی کے لئے منتخب کرے گا۔
- (ب) صوبہ کے پانچ انتخابی شہری حلقوں کو جداگانہ حق نمائندگی مثل اضلاع کے حاصل ہوگا۔

(ج) جن اضلاع میں ایک سے زیادہ انتخابی حلقے ہوں گے اس ضلع کے بارہ نمائندوں کو اسی ضلع کے حلقوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، چونکہ شہری حلقوں کی نمائندگی علیحدہ دے دی گئی ہے، اس لئے اس تقسیم میں دوبارہ حق نمائندگی نہیں دے جائے گی، اور جہاں دو اضلاع مل کر ایک ہی انتخابی حلقہ بنا ہوتو وہاں دونوں اضلاع کو مل کر بارہ اراکین کی نمائندگی دی جائے گی۔

(د) جنرل کمیٹی اپنے جلسہ میں تیس (۳۰) اشخاص کو خود منتخب کرے گی۔

دفعہ ۲۰: جنرل کمیٹی کے حسب ذیل عہدہ دار ہوں گے: صدر ایک، نائبین صدر چار، جنرل سیکریٹری ایک، جوائنٹ سیکریٹری چار، خازن ایک۔

ان عہدہ داروں کا انتخاب جنرل کمیٹی میں ہوگا۔

دفعہ ۲۱: جنرل کمیٹی کا ایک تنخواہ دار نائب سیکریٹری ہوگا۔

دفعہ ۲۲: جنرل کمیٹی کے تمام ارکان اور عہدہ داروں کو سالانہ تین روپے چندہ ادا کرنا لازمی ہوگا۔

دفعہ ۲۳: اس پارٹی کی ایک مجلس عاملہ ہوگی، جس کے ارکان کی تعداد پینتیس (۳۵) ہوگی،

اور ان کا انتخاب جنرل کمیٹی کے جلسہ میں ہوگا۔

دفعہ ۲۴: جنرل کمیٹی کے جو عہدہ دار ہوں گے وہی مجلس عاملہ کے بھی عہدہ دار ہوں گے۔

دفعہ ۲۵: جنرل کمیٹی کے منتخب شدہ ارکان کی تعداد جب پچھتر تک ہو جائے گی، تو یہ تعداد جدید جنرل

کمیٹی کے انعقاد کے لئے کافی ہوگی، اور جب تک پچھتر کی تعداد پوری نہ ہوگی، سابق کمیٹی

بدستور قائم رہے گی اور اس کی تمام کارروائی حسب قواعد و ضوابط جائز متصور ہوگی۔

دفعہ ۲۶: جنرل کمیٹی کی پہلی تشکیل کے لئے دفعہ ۱۹ کی پابندی لازمی نہ ہوگی، لیکن جب اس

پارٹی کی شاخیں صوبہ کے تمام یا اکثر اضلاع میں قائم ہو جائیں تو جنرل سیکریٹری

کا فرض ہوگا کہ وہ تمام اضلاع کی شاخوں میں نمائندوں کے انتخاب کے لئے ایک تاریخ

مقرر کرے، اور ان شاخوں کے سیکریٹریوں کو اس کی اطلاع دے دے کہ وہ حسب

دفعہ ۱۹ نمائندوں کے نام منتخب کر کے صدر دفتر میں کسی معینہ تاریخ تک بھیج دیں۔

دفعہ ۲۷: (الف) جب ۷۵ نمائندوں کے نام حسب دفعہ ۲۵ صدر دفتر میں آجائیں تو سیکریٹری

کا فرض ہوگا کہ دو ماہ کے اندر جنرل کمیٹی کا ایک جلسہ طلب کرے جس میں قدیم

اور جدید ارکان مدعو ہوں اور قدیم ارکان اپنا جلسہ کر کے جدید کمیٹی کی تشکیل کریں

اور اس کمیٹی کے بعد تمام کام اس کے سپرد کر دیں۔

(ب) جنرل سیکریٹری جو حسب دفعہ ۱۹ بنے گی، اس کی مدت ایک سال کی ہوگی،

لیکن ملک کے حالات اور سیاسی مصالحوں کی بنا پر کمیٹی کی مدت میں ایک سال تک توسیع

بھی ہوسکتی ہے۔

دفعہ ۲۸: (الف) جنرل کمیٹی کے جلسہ کا نصاب (کورم) پچاس ہوگا، جب کہ وہ حسب دفعہ

۱۹ قائم ہوئی ہوگی اور عارضی کمیٹی جو حسب دفعہ ۲۶ قائم ہو اس کا نصاب بارہ ہوگا۔

(ب) مجلس عاملہ کے جلسہ کا نصاب (کورم) نو (۹) ہوگا۔

دفعہ ۲۹: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے جلسوں کا انعقاد جب باضابطہ تکمیل نصاب کے بعد شروع

ہو جائے تو جب تک اور جتنے دنوں تک اجلاس ہوتا رہے، اس میں نصاب کی تکمیل ضروری نہیں ہوگی۔

دفعہ ۳۰: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے باضابطہ مدعو جلسہ میں نصاب (کورم) اگر پورا نہ ہو تو اس وقت مقررہ پر یہ جلسہ منعقد نہ ہوگا لیکن اگر سکرٹری نے اس دعوت میں یہ اطلاع بھی ممبروں کو دے دی ہو کہ اگر نصاب (کورم) پورا نہ ہوگا تو جلسہ وقت مقررہ پر دوسرے روز فلاں جگہ ہوگا، تو دوسرے روز یہ ملتوی شدہ جلسہ اسی جگہ ہوگا جس میں نصاب کی تکمیل ضروری نہ ہوگی۔

دفعہ ۳۱: جنرل کمیٹی اور اس کے ماتحت کمیٹیوں کے تمام جلسوں میں بصورت اختلاف آراء کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا۔

دفعہ ۳۲: تمام کمیٹیوں کے ہر رکن کی ایک رائے شمار ہوگی، بصورت اختلاف رائے صدر کی رائے دورایوں کے برابر ہوگی۔

باب چہارم: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے فرائض و اختیارات

دفعہ ۳۳: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ پارٹی کے اغراض و مقصد مصرحہ باب دوم کے ماتحت تجاویز پر وگرام منظور کر سکتی ہے۔

دفعہ ۳۴: مجلس عاملہ کی جدید تشکیل جنرل کمیٹی اپنے باضابطہ اجلاس میں کرے گی۔

دفعہ ۳۵: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ وہ دیگر سب کمیٹیاں حسب ضرورت بنائیں اور اس کے حدود و اختیارات و فرائض کی تعیین کریں۔

دفعہ ۳۶: مجلس عاملہ کی تجاویز و پروگرام میں جنرل کمیٹی ترمیم و تہنیخ کر سکے گی۔

دفعہ ۳۷: مجلس عاملہ کا فرض ہوگا کہ وہ جنرل کمیٹی کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب کارروائی کرے، نیز اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی سعی کرے۔

دفعہ ۳۸: پارٹی کی مالیات کا حساب و کتاب کی نگرانی جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے ذمہ ہوگی۔

دفعہ ۳۹: مجلس عاملہ دستور ہذا کے باب دوم کے کسی دفعہ میں کسی تغیر و تبدل کی مجاز نہیں ہوگی لیکن دیگر ابواب کے دفعات میں حسب ضرورت تغیر و تبدل کر سکتی ہے۔

دفعہ ۴۰: جنرل کمیٹی عہدہ داروں کو کسی وجہ معقول سے معزول اور منتخب کر سکتی ہے، اسی طرح کسی

رکن کو بھی۔

دفعہ ۴۱: جنرل کمیٹی اپنے ارکان اور عہدہ داران کا استعفیٰ قبول یا واپس کر سکتی ہے۔
دفعہ ۴۲: جنرل کمیٹی میں جب کوئی جگہ کسی ممبر کی کسی وجہ سے خالی ہو جائے، یا کسی ضلع کی کمیٹی سے نمائندوں کے نام صدر دفتر میں موصول نہ ہوں تو کمیٹی خالی جگہوں کے لئے اور اس ضلع کے نمائندوں کے لئے ممبر منتخب کرے گی۔

دفعہ ۴۳: حسب دفعہ ۱۹ ضمن (د) کے ماتحت جب بیس نمائندوں کا انتخاب کرے گی، تو اس وقت یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ دس نمائندے کاشتکاروں اور مزدوروں کی انجمن سے مسلمان نمائندے کو طلب کرے اگر وہ اپنے نمائندے نہ بھیجیں تو جنرل کمیٹی کو اختیار ہے کہ دس کاشتکاروں اور مزدوروں کو از خود منتخب کرے۔

دفعہ ۴۴: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ اپنے باضابطہ جلسوں میں گذشتہ جیسوں کی کارروائی کی تصدیق و تصحیح کرے گی، اور ان کو اختیار ہوگا کہ اپنے منظور شدہ تجویز و پروگرام میں ترمیم و تہجیح کریں۔
دفعہ ۴۵: مجلس عاملہ کو اپنے ممبر یا عہدہ داروں کے استعفیٰ کے قبول اور واپس کرنے کا اختیار ہوگا، و نیز یہ کہ جو جگہ مجلس عاملہ میں کسی وجہ سے خالی ہو جائے اس کی جگہ دوسرے ممبر اور عہدہ دار منتخب کرے۔

دفعہ ۴۶: مجلس عاملہ کا فرض ہوگا کہ جنرل کمیٹی کے پاس شدہ تجاویز کو کامیاب کرے، و نیز یہ کہ پارٹی کے اغراض و مقاصد اور جنرل کمیٹی کی طے شدہ پالیسی و تجاویز کے ماتحت تجاویز اور پروگرام منظور کر کے مناسب کارروائی کرے۔

دفعہ ۴۷: مجلس عاملہ کو ماتحت مجالس کی شکایات و نزاعات سنے تا و فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا، و نیز یہ کہ صدر دفتر کے ملازمین کے تقرر و معزولی اور ان کی شکایات کی سماعت و فیصلہ کا حق ہوگا۔

دفعہ ۴۸: اگر کوئی رکن پارٹی کے اصول و ضوابط یا طے شدہ تجاویز یا پالیسی کی ایسی خلاف ورزی کرے جس سے پارٹی کے وقار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مجلس عاملہ کو یہ حق ہوگا کہ اگر افہام و تفہیم کے بعد بھی وہ ممبر اپنی حرکت سے باز نہیں آئے تو اس کا نام ممبری سے خارج کر دے۔

دفعہ ۴۹: اگر کسی ممبر کو مجلس عاملہ یا جنرل کمیٹی کے عہدہ داروں سے یا پارٹی کے ممبر سے کوئی شکایت ہو اور وہ ان دو مجالس یا کسی ایک میں پیش کر دے تو وہ اس شکایت کی سماعت

کرے گی، اور بیان شکایات اور اس کے جواب کے وقت دونوں فریق مجلس میں موجود رہیں گے، لیکن مجلس وقت بحث باہم اور فیصلہ ہر فریق کو مجلس سے علیحدہ رہنے کی ہدایت کرے گی اور یہی طریقہ ہر دو مجالس اس وقت اختیار کریں گی جب کسی ممبر کو دوسرے ممبر سے شکایت ہو۔

دفعہ ۵۰: جب پارٹی مجلس متقنہ میں اپنے نمائندوں کو بھیجنا طے کرے اور جو تجویز یا پالیسی جنرل کمیٹی یا مجلس عاملہ منظور کرے یا کوئی عہد نامہ تیار کرے یا کوئی پابندی نمائندوں پر عائد کرے تو انہیں اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

دفعہ ۵۱: مجلس عاملہ اور جنرل کمیٹی جب مناسب سمجھے سال میں ایک مرتبہ صوبہ کے کسی ضلع میں ایک کانفرنس کا انعقاد کرے، جس میں صوبہ کی جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے ممبروں و عہدہ داروں کے علاوہ حسب ذیل ممبران و اشخاص بھی شریک ہو سکتے ہیں، اور یہ کانفرنس پر اوپنل انڈی پنڈنٹ کانفرنس کے نام سے موسوم ہوگی۔

(الف) اضلاع کے عام ممبران (ب) ہر ضلع کمیٹی کے ارکان و عہدہ دار۔

(ج) وہ اشخاص جن کو مجلس عاملہ یا اس کے عہدہ دار خصوصیت سے مدعو کریں۔

(د) عام مسلمان یا دیگر قوموں کے افراد بہ حیثیت وزیر۔

دفعہ ۵۲: (الف) جب کبھی انڈی پنڈنٹ کانفرنس حسب دفعہ ۵۱ منعقد ہوگی، تو کانفرنس کے اجلاس عام میں تمام شرکائے اجلاس کو ہر تجویز پر بحث کرنے کا اختیار ہوگا، سوائے ان اشخاص کے جو دفعہ ۵۱ ضمن (د) کے ماتحت شریک ہوں اور وقت رائے شماری تمام شرکائے اجلاس کو رائے دینے کا حق ہوگا سوائے ان لوگوں کے جو حسب دفعہ ۵۱ ضمن ج، د، و شریک اجلاس ہوں۔

(ب) کانفرنس کو اختیار ہوگا کہ مجلس عاملہ یا جنرل کمیٹی کی تجاویز کو مسترد یا اس میں ترمیم کرے، یا کوئی دوسرا پروگرام مرتب کرے، اسی طرح جنرل کمیٹی کو بھی مجلس عاملہ کی تجاویز میں ترمیم یا رد کا اختیار ہوگا۔

دفعہ ۵۳: کانفرنس کے انتظامات اور اس کی کارروائی کے لئے مجلس عاملہ جو قواعد بنائے گی اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

دفعہ ۵۴: سالانہ کانفرنس بالعموم سال میں ایک دفعہ اور جنرل کمیٹی کی مجلس بالعموم سال میں

دو مرتبہ ہوگی، اور مجلس عاملہ کا جلسہ کم سے کم ہر تین ماہ میں ایک مرتبہ لیکن غیر معمولی حالات میں مجلس عاملہ، جنرل کمیٹی اور کانفرنس کا اجلاس اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔
 دفعہ ۵۵: اگر جنرل کمیٹی یا مجلس عاملہ کا جلسہ معمولی صدر و سکریٹری طلب نہ کریں تو جنرل کمیٹی کے دس ممبران اور مجلس عاملہ کے پانچ ممبران کے دستخطوں سے جلسہ طلب ہو سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ پہلے یہ دستخط کرنے والے ممبران صدر و سکریٹری کو بذریعہ جلسہ طلب کرنے کی فرمائش کریں، اور اس فرمائش کے باوجود صدر و سکریٹری جلسہ طلب نہ کریں تو مذکورہ صدر تعداد میں ممبران اپنے دستخطوں سے جلسہ طلب کر سکتے ہیں۔
 اسی طرح غیر معمولی حالات میں بھی ممبروں کو اسی قاعدہ کے مطابق خاص جلسہ طلب کرنے کا اختیار ہوگا۔

دفعہ ۵۶: کانفرنس کے صدر کا انتخاب مجلس عاملہ کرے گی اور کانفرنس کی صدارت کے لئے ضروری نہیں کہ اسی صوبہ کا کوئی آدمی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ پارٹی کے اغراض و مقاصد سے متفق ہو۔
 دفعہ ۵۷: اضلاع کی ماتحت مجالس کے قواعد و ضوابط کی منظوری اور ان مجالس کے الحاق کو توڑنے کا حق مجلس عاملہ کو ہوگا۔

باب پنجم: عہدہ داروں کے فرائض و اختیارات

دفعہ ۵۸: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے جلسوں کی صدارت منتخب شدہ صدر کرے گا، اور صدر کی عدم موجودگی میں کوئی نائب صدر کرے گا، بشرطیکہ جلسہ میں ایک بھی نائب صدر موجود ہو، اگر چند نائب صدر ہوں، تو جس نائب صدر کی صدارت پر کثرت رائے ہو وہی صدر جلسہ قرار پائے گا۔

دفعہ ۵۹: صدر یا قائم مقام صدر کا فرض ہوگا کہ جلسہ میں ضبط و نظم کو قائم رکھیں۔

دفعہ ۶۰: صدر کو اختیار ہوگا کہ ایجنڈا کے غور طلب امور میں سے جس امر کو چاہیں بحث و فیصلہ کے لئے پہلے اختیار کرے یعنی ایجنڈا کی ترتیب لازمی نہیں ہوگی، لیکن یہ ضرور ہے کہ ایجنڈا کے امور ان امور پر مقدم ہونگے جو صدر کی اجازت سے پیش ہوں گے۔

دفعہ ۶۱: صدر و سکریٹری کو اختیار ہوگا کہ پارٹی کے مقاصد اور پالیسی کے ماتحت اعلانات شائع اور سرکلر جاری کرے۔

- دفعہ ۶۲: صدر کو سکرٹری اور کارکنان دفتر کے کاموں کی نگرانی کا حق ہوگا۔
- دفعہ ۶۳: سکرٹری کو اختیار ہوگا کہ خزانہ سے کوئی رقم اپنے دستخط سے ان حدود کے اندر برآمد کرے جو مجلس عاملہ نے معین کر دیا ہو۔
- دفعہ ۶۴: صدر کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی غیر موجودگی میں کسی ایک نائب کو اپنے کل اختیارات یا بعض تفویض کرے، اور جب صدر بغیر تفویض اختیارات دو تین ماہ کے لئے صوبہ سے باہر جائے تو باجرت مجلس عاملہ کوئی نائب صدر صدارت کے فرائض و اختیارات کو استعمال کر سکتا ہے۔
- دفعہ ۶۵: جنرل سکرٹری کے حسب ذیل فرائض و اختیارات ہوں گے:
- (الف) دفتر کی تنظیم و ترتیب اور دستور ہذا کے اصولوں اور طے شدہ تجاویز و پالیسی کے ماتحت ضروری مراسلات جاری کرنا، لیکن کسی اعلان عام یا اہم سرگھر کے لئے ضروری ہے کہ اس کی منظوری صدر سے حاصل کرنی جائے۔
- (ب) جنرل کمیٹی، مجلس عامہ اور کانفرنس کے اجلاسوں کی کاروائیوں کو منضبط کرنا اور ان کو رجسٹروں میں محفوظ رکھنا اور کارکنان صدر دفتر و ماتحت مجالس کے کاموں و دفاتروں کی نگرانی کرنا ہے۔
- (ج) آمد و خرچ کا حساب و کتاب صاف رکھنا۔
- (د) پچاس روپیہ تک کے مائزموں کا تقرر یا برطرف کرنا، لیکن اس سے زیادہ کے لئے صدر کی تحریری اجازت ضروری ہوگی، اور بہر صورت ہر تقرری اور برطرفی کو مجلس عاملہ یا جنرل کمیٹی میں پیش کرنا ہوگا۔
- (ه) شش ماہی میزانیہ اور آخر سال میں کل آمد و خرچ کا گوشوارہ مجلس عاملہ میں پیش کرنا۔
- (و) پارٹی کے جملہ رقوم کو خازن کے پاس جمع کر کے دستخط حاصل کرنا۔
- (ز) دفتری اور دیگر اخراجات کے لئے سو روپیہ کی رقوم جنرل سکرٹری اپنی تحویل میں رکھ سکتا ہے۔
- (ح) میزانیہ کے علاوہ غیر معمولی اخراجات پچاس روپیہ تک بہ اختیار خود اور سو روپیہ تک باجرت صدر جنرل سکرٹری کر سکتا ہے۔

(ط) اضلاع کی کسی کمیٹی کی تنظیم اور اس کی نگرانی کے لئے پارٹی کے مقصد کے نشر و اشاعت کے لئے دورہ کرنا۔

دفعہ ۶۶: جو اینٹ سکریٹری جنرل سکریٹری کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہوں گے، اور اگر جنرل سکریٹری کسی کو قائم مقامی کے بغیر صوبہ سے باہر ایک ماہ یا اس سے زائد کے لئے چلا جائے جائے تو صدر جس کو قائم مقام کر دے گا وہ جنرل سکریٹری کے اختیارات کو استعمال کرے گا، اور سکریٹری جو کہ جس جو اینٹ سکریٹری کے سپرد کرے وہ اس کو انجام دے گا۔

دفعہ ۶۷: خازن کا فرض ہوگا کہ پارٹی کی تمام رقم جو اس کی تحویل میں دی جائیں اور برآمد ہوں مفصل حساب ایک مستقل کتاب میں رکھے۔

دفعہ ۶۸: خازن کا فرض ہوگا کہ سکریٹری کے تحریری مطالبہ پر کوئی رقم خزانہ سے واپس کرے اور ان تجاویز کو پیش نظر رکھے جو مالیات کے جمع و برآمد کے متعلق مجلس عامہ منظور کرے۔

باب ششم: مالیات

دفعہ ۶۹: پارٹی کے حسب ذیل ذرائع آمدنی ہونگے۔

(الف) ممبران جنرل کمیٹی و مجلس عاملہ کی فیس رکنیت۔

(ب) ضلع کی کمیٹیوں کی معرفت جو رقم وصول ہوں۔

(ج) عطیات جو ممبروں اور ہمدردوں سے وصول ہوں۔

(د) سیاسی اقتصادی اصلاحی کتب کی اشاعت سے جو رقم وصول ہوں۔

(ه) اور وہ تمام رقم جو مجلس کی تجاویز کے ماتحت پارٹی کے فنڈ میں محسوب ہو سکتی ہے۔

دفعہ ۷۰: پارٹی فنڈ کا تمام روپیہ اس دستور کے قواعد اور مجلس عاملہ کی تجاویز کے ماتحت خرچ ہوگا۔

دفعہ ۷۱: پارٹی کے لئے رقم دینے والوں کو پختہ رسید دینا لازم ہوگا جس پر پارٹی کی ممبر اور جنرل سکریٹری کی دستخط ہوں گی۔

باب ہفتم: ضلع کمیٹیوں کے فرائض و اختیارات

دفعہ ۷۲: ضلع کی مجلس اور کمیٹیوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دستور کی روشنی میں اپنے لئے قواعد وضع ابھ

- وضع کریں، بایں شرط کہ کوئی قاعدہ و ضابطہ دستور ہذا کے کسی دفعہ کے خلاف نہ ہو۔
- دفعہ ۷۳: تمام ضلع وار کمیٹیوں اور ماتحت مجالس کا فرض ہوگا کہ جنرل کمیٹی، مجلس عاملہ اور کانفرنس کے اجلاس کے جملہ منظور شدہ تجاویز کا احترام کریں، اور تمام عملی تجاویز کو اپنے حلقہ میں کامیاب کرنے کی پوری سعی بلیغ کریں۔
- دفعہ ۷۴: تمام ضلع کمیٹیوں کا فرض ہوگا کہ عام ممبروں کے نام و پتہ کی فہرست اور ان کے قریاس رکنیت کو تا انتخاب ثانی محفوظ رکھیں۔
- دفعہ ۷۵: تمام ضلع کے ماتحت مجالس کا فرض ہوگا کہ اپنی جملہ آمدنی کا ایک چوتھائی جنرل کمیٹی کے صدر دفتر میں ہر سہ ماہی کے اندر روانہ کریں۔
- دفعہ ۷۶: ہر ضلع کی کمیٹیوں کا فرض ہوگا کہ:
- (الف) صدر دفتر کے ہر مقرر کے مطابق عمل کریں۔
- (ب) اور جو تجویز و پروگرام صدر دفتر سے شائع ہوا ہے حلقہ کے عام مسلمانوں خاص کر پرانی کے تمام ممبروں میں اس کو مقبول بنانے کی سعی کریں۔
- دفعہ ۷۷: ضلع کی کمیٹیوں کا فرض ہوگا کہ اگر وہ اپنے لئے کوئی قاعدہ و ضابطہ وضع کریں تو اس پر عمل درآمد سے پہلے پارٹی کے صدر اور مجلس عاملہ سے اس کی منظوری حاصل کریں۔
- دفعہ ۷۸: ضلع کی کمیٹیاں اپنے جلسوں میں تجاویز و عملی پروگرام منظور کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ پارٹی کے مقصد و پالیسی اور جنرل کمیٹی و مجلس عاملہ کی تجاویز و پروگرام کے خلاف نہ ہوں اور شرط یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے سے پہلے صدر دفتر کو اس کی اطلاع دی جائے۔
- دفعہ ۷۹: ضلع کمیٹیوں کے ماتحت تھانہ کمیٹی اور تھانہ کمیٹی کے ماتحت مواضعات کی حلقہ کمیٹیاں ہوں گی جن کی تنظیم و نگرانی ضلع کمیٹیوں کے ذمہ ہوگی۔
- دفعہ ۸۰: ہر ماتحت کمیٹی اپنے عہدہ دار (سکریٹری، صدر، خازن) اپنے ممبروں میں سے خود منتخب کرے گی۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام قواعد و ضوابط مفکر اسلام حضرت مولانا سجاد کے ذہن رسا کی دین ہیں، ان سے آپ کی دوراندیشی اور سیاسی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

پارٹی کی طرف سے انتخابات میں شرکت کا اعلان

اس کانفرنس میں ملی، قومی اور بین الاقوامی مسائل پر کئی اہم تجویز بھی منظور کی گئیں، چونکہ ۱۹۳۶ء ہی سے بہار میں مجلس قانون ساز کے عام انتخابات کی تیاریاں ہونے لگی تھیں، اس لئے اس کانفرنس میں یہ تجویز بھی بڑے زور و شور سے پاس ہوئی، کہ ہونے والے انتخابات میں مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی بھی ایکشن میں حصہ لے گی، تجویز کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

”ہر گاہ کہ مجلس مقننہ جو جو رمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت قائم ہوئی، ان کے ذریعہ باشندگان ملک کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً اہم تعمیراتی خدمت ان کی ضروریات و حاجات کے غلط سے ناممکن ہے۔ اور اس کے ساتھ اس امر کا بھی اندیشہ ہے، کہ مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی ان مجالس کے لئے حریت پرور اور حق پسند مسلمانوں کو امیدوار کھڑا نہ کرے تو ایک طرف ایسے مسلمان جو رجعت پسند ہیں، ان مجالس میں پہنچ کر نہ صرف یہ کہ انگریزوں کے ہاتھ منبھو کر کے باعث ہو گئے، بلکہ ملک کے غریب طبقہ کو خصوصاً نقصان ہوگا، اور دوسری طرف عام مسلمین کو یہ عقیم صدمہ لاحق ہوگا، اس لئے بہار پر انشل مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ ان دوہری مضرتوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی کرپڈ اور پالیسی کے نکت پر لائق امیدوار مجالس مقننہ کے لئے کھڑے کئے جائیں اور یہ کانفرنس پارٹی کی مرکزی مجلس ماملہ کو مکمل اختیار دیتی ہے کہ انتخابی منشور تیار کر کے شائع کرے، اور شرابانہ امیدوار وغیرہ مرتب کر کے انتخاب کے لئے ہر مناسب وجہ کاروائی کرے۔“

حضرت مولانا مانت اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

”انتخابات میں حصہ لینے سے مولانا کا ایک مقصد یہ بھی تھا، کہ رفتہ رفتہ آئینی طریقہ پر مذکورہ بالا مقاصد کی طرف قدم بڑھایا جائے، اور مرکزی و صوبائی مجالس قانون ساز سے ایسے قوانین مرتب کرائے جائیں، جو صحیح اسلامی اصول پر مرتب کئے گئے ہوں، اور جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پارٹی کا منشور مام اور پارٹی کانفرنس کا خطبہ استقبالیہ)۔“

پارٹی کی مجلس عامہ کا اجلاس

مذکورہ کانفرنس کے چند دنوں کے بعد ۱۷ ستمبر ۱۹۳۶ء (کلمہ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ) کو پارٹی کی مجلس عامہ منعقد ہوئی، جس نے پارٹی کا (مذکورہ بالا) دستور منشور کیا اور انتخابات کے تعلق

۱- مولانا ابوالخاسن محمد سجاد حیات و خدمات ص ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳

سے چند اہم تجاویز بھی منظور کیں۔ بعد ازاں انتخابی منشور اور عہد نامہ برائے امیدوار بھی مرتب کئے گئے۔

ملاحظہ ہو کاروائی مجلس عاملہ انڈی پنڈنٹ پارٹی:

”آج بتاریخ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۶ء بوقت ساڑھے گیارہ بجے دن بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے دفتر واقع مراد پور بانچی پور پنڈنٹ مجلس عاملہ کا اجلاس مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کی صدارت میں منعقد ہوا، حسب ذیل اراکین عاملہ شریک تھے:

(۱) مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ (۲) حاجی شرف الدین حسن باڑہ (۳) مسز محمد محمود پیرسٹر (۴) ڈاکٹر سید عبدالحفیظ فردوسی (۵) مسز محمد یونس پیرسٹر (۶) مولوی ظلیل احمد وکیل (۷) قاضی احمد حسین (۸) محمد حسین پیرسٹر (۹) مولانا سید منت اللہ (۱۰) حافظ محمد ثانی (۱۱) مولانا محمد حسین (۱۲) مولانا محمد عثمان غنی (۱۳) مولانا عبد الصمد رحمانی (۱۴) مولوی محمد حفیظ ایڈووکیٹ۔

تجاویز

تجویز نمبر ۱:- مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بناتا ہے اور اس کو اختیار دیتا ہے، کہ وہ مینی فیسلٹو کو ان اہم الفاظ کی روشنی میں جن کو مجلس عاملہ نے بحث کر کے ضبط کیا ہے، پھر سے مرتب کر کے مجلس عاملہ کی طرف سے شائع کر دے۔

ارکان کمیٹی برائے مرتب کردن منشور برائے انتخابات

(۱) مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ (۲) قاضی احمد حسین (۳) مولوی ظلیل احمد وکیل (۴) مولانا عبد الصمد رحمانی۔

تجویز نمبر ۲:- مجلس عاملہ کا یہ جلسہ طے کرتا ہے، کہ انتخابی اعلان اردو اور انگریزی اخبار میں شائع کر دیا جائے، اور مستفاد بھی رسالہ کی شکل میں شائع کیا جائے۔

تجویز نمبر ۳:- مجلس عاملہ کا یہ جلسہ عہد نامہ درخواست امیدواران کو منظور کرتا ہے، اور فیس امیدواری اسمبلی کے لئے مبلغ ۵ روپے، کانس کے لئے مبلغ پچاس روپے اور کانس آف اسٹیٹ کے لئے ایک سو روپے پارٹی فنڈ کے لئے مقرر کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۴:- مجلس عاملہ کا یہ جلسہ درخواست امیدواری کی آخری تاریخ ۲۰ اکتوبر مقرر کرتا ہے، اور طے کرتا ہے کہ تمام درخواستیں جنرل سیکریٹری مسز محمد محمود پیرسٹر کے نام صدر دفتر بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی مراد پور پنڈنٹ کے پتہ پر بھیجی جائیں، اور حسب ذیل حضرات کی کمیٹی بناتا ہے، اور انہیں ہدایت کرتا ہے، کہ وہ ضلع اور ضلعوں کی کمیٹیوں سے مشورہ کر کے لائق شخص کو نامزد کریں۔

(۱) مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ (۲) مولوی ظلیل احمد صاحب وکیل (۳) ڈاکٹر عبدالحفیظ فردوسی (۴) حکیم نور اللہ صاحب (۵) مولوی محمد اسماعیل خان صاحب (۶) مولانا عبدالودود صاحب

(۷) مولانا محمد عثمان غنی صاحب -

تجویز نمبر ۵: - مجلس عاملہ کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ڈویژن کانفرنس کے سے ضلع کٹنی سے ڈیڑھ ہفتہ کی جائے۔

تجویز نمبر ۶: - مجلس عاملہ کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ چاروں ڈویژن کے کاموں کی نگرانی اور پارٹی کی پالیسی کو مقبول عام بنانے کے لئے چار مقرر کا تقرر کیا جائے۔ اور اس کا بار نمائندوں پر ڈالا جائے۔

بہار مسلم لیٹ پیٹڈنٹ پارٹی کا انتخابی منشور عام

اس موقع پر پارٹی کا جو انتخابی منشور عام جاری کیا گیا وہ بھی بہت جامع، وطن سے محبت اور اسلام پسندی کے جذبات پر مبنی تھا، جس میں جہالت، غربت، بے روزگاری اور بد امنی کے خاتمہ، قدیم تمدنی اقدار و روایات اور بنیادی حقوق کے تحفظ اور تعلیمی و اقتصادی وسائل کے فروغ کو ضروری اہداف کا درجہ دیا گیا تھا:

”اس ملک میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد جب ایک ایسی اجنبی حکومت قائم ہو گئی، جس کی بنیاد ہندوستان کے فائدہ پر نہیں بلکہ انگلستان کی بدیشی حکومت کے سیاسی و اقتصادی فوائد پر رکھی گئی اور ملک کے دوسرے باشندوں کی طرح مسلمان بھی محکومانہ زندگی بسر کرنے پر قانع ہو گئے، تو اس کا نتیجہ وہی ہوا جو قدرتا ہوا کرتا ہے، کہ نہ دولت رہی نہ علم و ہنر، وہ ہندوستان جہاں کے کارخانوں میں ولایت کے جہاز بنتے تھے، جس کے کپڑے کی صنعت اس درجہ پر تھی کہ تقریباً تمام دنیا کی منڈیاں ہندوستانی کپڑوں سے پٹی ہوئی تھیں، جن کی بدولت انھوں ہندوستانیوں کی روٹی کا سوال حل ہوتا تھا، جس کے عطر و مس لے اور دیگر اشیائے لطیفہ کی مانگ ساری دنیا میں تھی، انگریزی حکومت کی ناقص حکمت عملی کی بدولت تباہ ہو گیا، اور ہندوستان فلاکت زدوں کی سستی ہو کر رہ گیا ہے۔“

افلاس

آج سرانملک افلاس اور غربت کی مصیبت میں مبتلا ہے، مسلمانوں کا افلاس اور ان کی تنگ دستی اس حد تک پہنچ گئی ہے، کہ تقریباً نوے فی صدی مسلمان نان شبینہ کے محتاج ہیں، تن ڈھانکنے کے لئے پھٹے پرانے کپڑے بھی میسر نہیں آتے اور بقیہ دس فی صدی اگرچہ اس درجہ محتاج نہیں مگر روٹی اور کپڑے انہیں بھی اطمینان قلب کے ساتھ نہیں ملتے، رات دن اسی فکر میں سرگرداں و پریشان رہنے پر بھی آسانی عزت و آبرو کا نباہنا مشکل تر ہو گیا ہے، زمینداروں کے چہرے اداس،

کاشتکاروں کے زرد اور بدن الاغرو خشک ہو گئے ہیں، غرض ہندوستان کی معاشی حالت بد سے بدتر ہے اور معیشت کی تمام راہیں بند ہیں۔

جہالت

نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی دولت و صنعت ہی غارت ہو گئی، بلکہ جہالت بھی عام ہو گئی، قدیم علوم و معارف جس سے انسانوں کے دماغ میں روشنی پیدا ہوتی ہے، اخلاق بلند و برتر ہوتے ہیں، اس کے تمام ذرائع ناپید ہو گئے ہیں، نہ وہ مدارس رہے نہ مسجدوں اور خانقاہوں میں لوجہ اللہ درس دینے والے، نہ ہر گاؤں میں قدیم مکاتب کا دستور رہا، جہاں غریب و امیر کے بچے بغیر کسی امتیاز کے مفت تعلیم پاتے تھے، اور جن کے ذریعہ جہالت عامہ کا خاتمہ ہو سکتا تھا، انگریزی حکومت نے اپنے استحکام کے لئے انگریزی زبان کے ذریعہ علوم کی تعلیم کا طریقہ جاری کر کے ملک کو مزید تباہی میں مبتلا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مسلمانوں نے باپ دادا کی بچی کھچی جائیداد کو بیچ بیچ کر اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلائی، لیکن یہ انگریزی خوانی بھی آخر وبال جان ثابت ہوئی، قدیم آداب تہذیب اور سادہ زندگی رخصت، روح کی پاکیزگی فنا ہو چکی تھی، پیٹ پالنے کا سہارا صرف ایک انگریزی تعلیم رہ گئی تھی، مگر اس کا بھی اب یہ حال ہے کہ ہمارے ہزاروں نوجوان بی اے ایم اے در بدر خاک چھاننے کے بعد بھی بیکاری اور بے روزگاری کی مصیبت عظمیٰ میں مبتلا ہیں جس سے نجات پانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اسلامی تمدن کی تباہی

انگریزی نظام حکومت اور اس کی پالیسی سے مسلمانوں کی دنیاوی زندگی تو ہر طرح تباہ و برباد ہو ہی گئی، لیکن سب سے بڑی مصیبت جو نازل ہوئی، وہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن و معاشرت اور اسلامی کلچر (شعار) کے تحفظ و بقا کا بھی کوئی ذریعہ باقی نہ رہا، انگریزی عدالتوں ہائی کورٹوں کے غیر مسلم ججوں کی فہم و ادراک کے سانچوں میں اسلامی قانون کو ڈھال کر اینگلو محمدن لا بنا دیا گیا، جس کو اسلامی احکام کی تخریب و تہنیک ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے آج بد قسمتی سے مسلمان اس اینگلو محمدن لاء کو اسلامی قانون سمجھ کر اس کی اتباع پر مجبور ہیں۔

دارالقضاء کا انہدام

مسلمانوں کے باہمی تمدنی و مذہبی معاملات کے انصرام و انفصال کے لئے اسلامی قانون کے مطابق دارالقضاء کا قیام ایک نہایت ضروری امر ہے، انگریزی حکومت نے اسلامی محکمہ

قضا کو توڑ کر درالافتضاء کو با اکل منہدم کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان خالص مذہبی حیثیت سے بازاروں، مصائب میں مبتلا ہیں، دنیا و آخرت تباہ و برباد ہے، دنیا کی ذلیل ترین زندگی بسر کرنے کے ساتھ صرف ایک محکمہ قضا نہ ہونے سے بے شمار مسلمانوں کو زبردستی جہنم میں بھیجے گا۔ سامان مہیا کر دیا گیا کیونکہ بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا فیصلہ کسی حال میں غیر مسلم عدالتوں سے جائز نہیں۔

مجالس مقننہ کا فساد

ان تمام مصائب دینی و دنیوی کے علاوہ انگریزی نظام حکومت کا ایک فساد انگیز کارنامہ یہ ہے کہ قانون سازی کے لئے ایسی اسمبلیاں اور کانسیس مشنری کہ تمام قوموں کے ملک میں قائم کر دی گئی ہیں جن میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق قانون بنتے ہیں، اور بنائے جاسکتے ہیں۔

نکاح، دیو، طلاق، حج کا سفر، دیو، مقامات مقدسہ کا قبرستان، دیو، عبادت گاہ، اوقاف ہوں یا وراثت، کوئی ایک چیز بھی ان مشنری کے مجلس قانون ساز کے احاطہ اختیار سے باہر ہو اور تمام قوانین کی منظوری محض اکثریت کی رائے پر موقوف ہے، جس طرح وہ چاہیں قانون بنائیں، مسلمانوں کے خالص مذہبی حکام تک میں تفتیش و ترمیم ہو سکتی ہے، اور اس قسم کی فساد انگیز کاروائیوں کے انسداد کا کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہ حکومت کے دستور ۱۹۱۹ء میں موجود ہے اور نہ جدید انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں، بلکہ اس آخری دستور نے مسلمانوں کے لئے مزید خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔

مسلمانوں کی ذمہ داری

غلامی پر قناعت

اور اس قسم کے تمام دین و دنیا کی تباہی و بربادی کی ذمہ داری بڑی حد تک مسلمانوں کے سر پر عائد ہوتی ہے، کہ انہوں نے ایک طرف اجنبی حکومت کی غلامی پر قناعت کر لی، جس کے سامنے انگریزوں کا منشا و سب سے مقدم ہے، اور اس کے خود ساختہ قوانین کی بازچوں و چڑا طاعات کرتے رہے، غریب کاشتکاروں و مزدوروں، کاریگروں کو حکومت کے نظام اور طریق کار سے ناواقف اور اصول کشمش حیات و رموز زندگی سے بے خبر رکھا۔

نظام ملت سے غفلت

اور دوسری طرف نظام ملت کی طرف سے غفلت برتی گئی جو اسلامی زندگی کا لازمی جزو ہے، جس کو تمام مسلمانوں کی قومی و مذہبی زندگی کا مرکز ہونا چاہئے، اور حق یہ ہے کہ مسلمانوں کی اسلامی زندگی

اور مذہبی تحفظ کا بھی ایک واحد ذریعہ عقلاً و نقلاً ہے، مگر ہمارے بہت سے مسلمان لیڈروں نے بد قسمتی سے شاید یہ سمجھ رکھا ہے، کہ مسلمانوں کی دنیا اسمبلی و کانسل کی ممبریوں اور سرکاری نوکریوں سے بن جائے گی، باقی رہا مذہب تو وہ اللہ کا دین ہے وہی اس کا محافظ ہے اس کی ہمیں فکر کرنے کی کیا حاجت۔

تمام مصائب کا علاج

الغرض مسلمانوں کے دین و دنیا کی تباہی کے حقیقتاً دو سبب ہیں، ایک اجنبی حکومت کی محکومی دوسرے نظام ملت کی طرف سے غفلت اس لئے مسلمانوں کے تمام طبقات کا شکار ہوں یا مزدور، کاریگر ہوں یا بے روزگار ان کی حالت سدھرنے کے لئے ضروری ہے کہ اجنبی حکومت کی غلامی سے نجات حاصل کی جائے، تاکہ ملک کی دولت اسی ملک کے باشندوں پر مناسب طریقہ سے تقسیم ہو اور اس ملک کا روپیہ حتی الامکان باہر جانے نہ پائے۔

اسی کے ساتھ مسلمانوں کی قومی خصوصیات اور مذہبی تحفظ کے لئے اسلامی نظام ملت کو جس کا دوسرا نام امارت شرعیہ ہے مضبوط و استوار کیا جائے، تاکہ ان اقیموالدین و الاتقوا فیہ کے فرض سے سبکدوشی حاصل ہو اور اس کی رہنمائی میں تمام مسلمان مذہبی فرقہ بندیوں اور نسلی و قبائلی ٹولی بندیوں سے بالاتر ہو کر متحدہ طاقت کے ساتھ مذہبی احکام و قوانین کے احترام کو قائم کر سکیں، کیونکہ مسلمانوں کی جماعتی زندگی کے قیام کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ جب کسی ملک میں اسلامی حکومت موجود نہ ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایک لائق اعتماد شخص کو امیر منتخب کریں اور تمام مذہبی امور میں جو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہو اس میں اس کی اطاعت کریں۔

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی اہمیت

ان ہی دو اہم مقاصد کے حصول کے لئے عرصہ زائد ایک سال سے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی صوبہ بہار میں قائم ہوئی ہے، اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے کھوئی ہوئی آزادی اور ضائع شدہ دولت و علم اور برباد شدہ نظام ملت کا حصول ہمت و جرأت کے ساتھ ممکن ہے، اور اس کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں کے تمام طبقات امیر غریب کا شکار و مزدور بغیر کسی مذہبی اور نسلی تفریق کے مسلم انڈی پنڈنٹ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں اس طرح مسلمانوں کی عزت و آبرورہ سکتی ہے نہ کہ کسی انگریزی اصلاحات اور ریفارمر کے ذریعہ۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی عدم مقبولیت

بلکہ اس پارٹی کو یقین ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء غلامی کا ایک بوچھل طوق

ہے، جس سے غریب مسلمان مزید مصیبتوں میں مبتلا ہو جائیں گے، اور اس ایکٹ کے ماتحت جو حکومت قائم ہوگی، اس سے ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً کسی فائدہ کی توقع نہیں ہے، اور اسی وجہ سے بہار مسلم انڈی پنڈنٹ کانفرنس نے ایک مفصل تجویز میں اس کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے اس کی عدم قبولیت کا اعلان کر دیا ہے۔

آزاد دستور حکومت کی تشکیل

اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہی دستور حکومت قابل قبول ہو سکتا ہے، جس کو ہندوستانی اقوام کے مختلف نمائندے باہمی مفاہمت سے تیار کریں، جس کی بنیاد کامل جمہوریت پر ہو اور یہ کہ دستور میں تمام اقلیتوں کے حقوق کی کافی ضمانت ہو اسی کے ساتھ مسلمانوں کے لئے خصوصیت سے دستور میں یہ ضمانت ہو کہ اسلامی احکام میں جمہوری حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی، اور یہ مسلمانوں کے باہمی معاملات کے انفصال و انصرام کے لئے مستقل نظام احکام اسلام کے مطابق قائم کیا جائے گا، جس کی جمہوری حکومت ذمہ دار ہوگی۔

مجالس مقننہ کی نمائندگی

اس پارٹی کو یقین ہے کہ جب تک آزادی حاصل نہیں ہوتی، اور آزاد دستور حکومت تیار نہیں ہوتا، ان تمام مصائب کو دور کرنا جس میں اہل ملک عموماً اور مسلمان خصوصاً برطانوی حکومت کی وجہ سے مبتلا ہو گئے ہیں ناممکن ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی یقین ہے کہ برطانوی حکومت کی قائم کردہ مجلس مقننہ کے ذریعہ آزادی حاصل نہیں ہو سکتی ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انگریزی حکومت رجعت پسند نمائندوں کے ذریعہ غلامی کی مدت کو طویل کر سکتی ہے اور غریب کاشتکاروں اور مزدوروں اور کاریگروں کو زیادہ تباہی میں مبتلا کیا جاسکتا ہے، ان تمام مضرتوں سے اہل ملک اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ مسلم انڈی پنڈنٹ کے ٹکٹ پر لائق و قابل اور باہمت مسلمانوں کو مجلس مقننہ میں بھیجا جائے۔

نمائندوں کی حکمت عملی

ہمارے نمائندے اپنی حکمت عملی سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو ان نقصانات سے بچانے کی سعی کریں گے جو غیر مسلم و مسلم رجعت پسندوں یا انگریزوں کی پالیسی سے پہنچنے کا اندیشہ ہے، بلکہ سعی کریں گے کہ:

۱: ان تشددانہ قوانین کو منسوخ کرایا جائے، جو شخص حریت یا پریس کی آزادی میں حائل ہیں۔

- ۲: ان قوانین کو منسوخ کرایا جائے، جن سے مذہب اسلام میں مداخلت ہوگئی ہے، اور ان مسودات قانون کی مخالفت کی جائے، جن سے اسلامی یا قومی مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔
- ۳: اس وقت تک کمیونل ایوارڈ کی مخالفت کی جائے، جب تک کہ باہمی مفاہمت سے اس کا نعم تبدیل حاصل نہ ہو جائے۔
- ۴: رعایا پر سے ٹیکسوں کا بار کم ہو۔
- ۵: دینی تعلیم سرکاری اثرات سے آزاد ہو کر جمہور مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے،
- ۶: نمبر و آب پاشی کے متعلق ایسی اسکیم تیار ہو جو کاشتکاروں کے لئے امکانی آسانی پیدا کرے۔
- ۷: ہندوستانی (اردو) زبان و رسم الخط تمام محکموں میں جاری ہو۔
- ۸: بے ضرورت عظیم الشان فوج اور بے پناہ فوجی اخراجات کا بار ہندوستان پر سے کم کیا جائے۔
- ۹: نظام حکومت میں خاص کر بڑے بڑے عہدے داروں پر کم سے کم خرچ ہو، تاکہ صوبہ کی سرکاری آمدنی کا روپیہ قوم و ملک کی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود پر زیادہ سے زیادہ خرچ ہو، اور اگر اس تخفیف کو حکومت نے منظور نہیں کیا اور پارٹی کے ہاتھ میں آئے، تو اس پارٹی کا سرکاری عہدہ دار اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ایک مناسب رقم لے کر بقیہ رقم اپنی قوم کے تعلیمی اقتصادی مفاد پر خرچ کرنے کے لئے پارٹی کو دے دے گا۔
- ۱۰: بہار مسلم انڈی پنڈنٹ کانفرنس کے تجویز کردہ بیچ سالہ پروگرام کو کامیاب کرنے کی سعی کریں گے یعنی:
 - (الف) جبری تعلیم اور مدارس شیعہ جاری کئے جائیں گے۔
 - (ب) انصاف و طریق تعلیم میں انقلاب پیدا ہو اور ہندوستانی (اردو) زبان ذریعہ تعلیم ہو۔
 - (ج) انصاف تعلیم سے تمام غلط تاریخی کتابیں خارج ہوں۔
 - (د) اعلیٰ تعلیم کے اخراجات میں تخفیف ہو۔
 - (ه) ہر ضلع میں صنعتی تعلیم کے لئے اسکول جاری ہوں۔
 - (و) بہار کے تمام اضلاع خاص کر ترہت میں سیلاب کی روک تھام کا کافی سامان کیا جائے۔
 - (ز) سو کی مصیبت سے ملک کو نجات ہو۔
 - (ح) کسانوں، مزدوروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش منسب قوانین کے ذریعہ دور ہو اور قانون لگان میں مفید اور ضروری ترمیم ہوں۔

غرض ہمارے نمائندے ایسی تجاویز پیش کر کے منظور کرانے کی کوشش کریں گے جن پر عمل کرنے سے ملک و قوم کی اقتصادی، اخلاقی، اور تعلیمی حالت درست ہو سکتی ہے، اور اس قسم کی مفید عام کاروائیوں میں گورنر کی رکاوٹ پیدا کرنے سے نہ صرف یہ کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا بدترین اور ناقابل قبول ہونا دنیا پر ظاہر ہو جائے گا، بلکہ اس حکمت عملی کے سوا اس کی تبدیلی کی اور کوئی بہتر تدبیر نہیں ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں سے اپیل

مگر ان سب امور کے لئے ضرورت ہے کہ تمام مسلمان ان چیزوں کو خود سمجھیں دوسروں کو سمجھائیں، اور عوام کی نمائندہ جماعت مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی ہی کے امیدواروں کو ووٹ دے کر مجلس قانون ساز میں بھیجیں اور رجعت پسندوں، حکومت کی جماعتوں یا افراد کے غلط پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوں اور ووٹ محض قوم و ملت کے مفاد کے لئے استعمال کریں، شخصی یا خاندانی تعلقات کے لئے ہرگز ووٹ نہ دیں۔

اس لئے بہار مسلم انڈی پنڈنٹ کی مجلس عاملہ تمام مسلمان ووٹروں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس پارٹی کے امیدواروں کو ووٹ دے کر مجلس قانون ساز میں اپنا نمائندہ بنائیں۔^۱

عہد نامہ برائے امیدوار

پارٹی کی طرف سے ایک عہد نامہ بھی تیار کیا گیا جس میں ہر امیدوار سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ پارٹی کی پالیسی، ڈسپلن، اور اغراض و مقاصد کا پابند رہے گا، عہد نامہ کے الفاظ یہ تھے:

” (۱) میں مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے دستور اساسی کے اغراض و مقاصد سے کامل اتفاق کرتا ہوں

بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا نفرنس کی تجاویز کو تسلیم کرتا ہوں۔

۲- اگر مجھ کو اس پارٹی کی طرف سے لیجسلیٹو یا بہار اسمبلی یا کونسل آف ایٹ میں منتخب کیا گیا،

تو میں پارٹی کی پالیسی کی اتباع کروں گا اور پارٹی وچلن کو برابر قائم رکھوں گا۔

(۳) اگر پارٹی نے مجھ کو امیدداری کے لئے نامزد نہیں کیا تو میں پارٹی کے نامزد کردہ

امیدوار کا مقابلہ نہیں کروں گا۔

(۴) مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی مجلس عامہ کی شرائط امیدداری کو تسلیم کرتا ہوں اور اپنے کو اس

کا اہل سمجھتے ہوئے مبلغ — فیس امیدداری جنرل سکرٹری بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے

پاس روانہ کرتا ہوں، جو پارٹی فنڈ میں داخل ہوگا اور میں — مسلم حلقہ — ڈویژن ضلع سے

امیدوار ہوں، مجھ کو اور میرے احباب کو اس حلقہ سے مسلم انڈی پنڈنٹ کے نکلت پر کامیابی کی پوری توقع ہے۔ دستخط امیدوار پتہ رتاریخ

دستخط صدر ابوالحسن محمد سجاد^۱۔

پارٹی میگزین 'الہلال' کا اجراء

پارٹی کے قیام کے ساتھ ہی ایک نمائندہ رسالہ کی ضرورت بھی محسوس کی جانے لگی جو پارٹی کے سیاسی نظریات اور خدمات کی ترجمانی کرے، اس مقصد سے 'الہلال' جاری کیا گیا، اور اس کا صدر دفتر پٹنہ رکھا گیا، بحیثیت مدیر رسالہ 'مولانا زکریا فاطمی ندوی' مقرر کئے گئے، مجلس ادارت میں مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا عبدالاحد فاطمی وغیرہ اصحاب قلم شامل تھے، یہ رسالہ حضرت مولانا کی زندگی میں نکلتا رہا، لیکن مولانا مسعود عالم ندوی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حضرت مولانا کی وفات کے بعد اس رسالہ کی اشاعت ملتوی ہو گئی۔^۲

اب تک اس رسالہ کے کسی شمارہ کی زیارت کا شرف مجھے حاصل نہیں ہو سکا ہے لیکن بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ غالباً اس کے کچھ نسخے طبیبہ کالج گیا کی لائبریری میں موجود ہیں۔^۳ غالباً 'الہلال' کے بند ہو جانے کے بعد حضرت مولانا کے بعض مجاہدین نے 'الہلال' بک ایجنسی کے نام سے ایک دارالاشاعت کی بنیاد ڈالی تھی، جس کی ایک بڑی غرض حضرت مولانا کے احوال و آثار اور علوم و معارف کی توسیع و اشاعت تھی،^۴ لیکن زمانہ مابعد میں اس ایجنسی کی کسی کارگزاری کا پتہ نہ چل سکا، سچ کہا کہنے والے نے:

یہ حالت ہو گئی ہے ایک ساتھی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہے

(مولانا محمد علی جوہر)

امیدواروں کا انتخاب

”پارٹی کے قیام کے بعد مشکل مرحلہ امیدواروں کے انتخاب کا تھا، مولانا منت اللہ رحمانی کا بیان ہے کہ:

۱- حسن حیات ص ۷۹، مولانا ابوالحسن محمد سجاد حیات و خدمات ص ۵۵، ۵۶، ۵۷، بحوالہ نقیب ص ۲۰۰، دسمبر ۱۹۳۶ء۔

۲- تقریب (فیش لفظ) محسن سجاد ص ۵ تا ۸، مولانا مسعود عالم ندوی مرتب محسن سجاد۔

۳- یہ اطلاع مجھے مولانا طلحہ نعمت ندوی استخوانوی صاحب نے کسی سے سن کر دی ہے۔

۴- تقریب (فیش لفظ) محسن سجاد ص ۱۱، مولانا مسعود عالم ندوی مرتب "محسن سجاد"۔

”مولانا کو سب سے زیادہ دشواری اسی میں پیش آئی، مولانا علیہ الرحمۃ کو ضرورت تھی ایسے امیدواروں کی جن کے دلوں میں ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کا جذبہ، مسلمانوں کا سچا درد، اور مذہبی عقائد و احکام پر پورا اعتماد ہو، ساتھ ہی ساتھ اتنا سرمایہ بھی ہو کہ انتخاب کے تمام اخراجات کو برداشت کر سکیں، ظاہر ہے کہ یہ معیار کتنا دشوار تھا، ان مجبوریوں کے ساتھ پارٹی کے امیدواروں کا انتخاب محل میں آیا، میں اکثر مولانا سے کہا کرتا تھا کہ آپ نے ایک گاڑی میں مختلف سٹل کے گھوڑے لگا دیے ہیں، اب وہ گاڑی چلے گی کیوں کر؟ مولانا مجھے سمجھاتے اور فرماتے ”اچھا، ان امیدواروں کو صلہ کر کے ان لوگوں کے نام بتاؤ جو مناسب بھی ہوں اور انتخابات میں مقابلہ بھی کر سکیں۔“ میرے پاس اس کا کیا جواب ہو سکتا تھا، ظاہر ہے، لیکن دنیا سے دیکھا کہ مولانا نے اپنے غور و تدبر سے پناہ وقت عمل اور زبردست شخصیت سے پارٹی کا شیرازہ بکمرے نہ دیا، اور ان سے وہ کام کرائے جو دوسرے کسی صوبہ میں نہ ہو سکے۔“

دیگر مسلم پارٹیوں سے مفاہمت اور اتحاد کی کوششیں

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

”انتخابات شروع ہوئے تو مسلم لیگ پینڈت پارٹی کا نائبہ مولوی شفیع داؤدی کی بہادر احرار پارٹی، مسلم پید عہد احرار صاحب کی بہادر یونائیٹڈ پارٹی، کانگریس پارٹی، مسلم لیگ اور آزاد امیدواروں سے ہوا اور

۱۔ حیات مجاہدین ۱۹۳، مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

۲۔ جناب پیر سید شفیع داؤدی صاحب ۱۸۸۸ء (۱۳۰۵ھ) میں پیر کے ایک خوش حال گھر (۱) (بوقلیم) اور قلم و قریب میں ایک عرصہ سے ممتاز رہے اور بہت کچھ لکھ کر لکھی، ان کی قیادت اور قریبی رہبری کا شمس بھی چلا رہا تھا (میں پیدا ہونے پر آپ کے دادا صاحب اس پر سے سداقت کے لئے شہید ہو گئے، اور قریب کے ماہی سربراہ بھی، جبکہ والد محترم سر کسٹمیشن زمینداروں میں سے تھے، ۱۹۰۰ء میں انھیں لکھنؤ گئے، جہاں پونہر دہلی آف پیس سے پینٹل انجینئرنگ اور مل مل میں سے ورنٹ رکیز، انجینئر میں آپ نے تقریباً سات سال کا عرصہ گزارا، یہاں سینئر کیمبرج کے بعد University Of Leeds سے Tanning Engineering اور پھر Middle Temple London سے Bar at Law (ایسٹری) کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۱۰ء میں بڑی بہادر سے لکھنؤ کے دست و حسن و حسن پکچر، انجینئر جانے سے قبل ہی آپ کی شادی جاویدہ خانم الدین صاحب کی بڑی صاحبزادی صغریٰ خاتون سے ہو گئی تھی۔ انجینئر سے واپسی کے بعد آپ کو جدی محنت کی ایک پرنٹنگ مشین میں ملازمت مل گئی، اور آپ نے ملازمت شروع کر دی، اس وقت ملک میں آزادی کی تحریک شہاب پر تھی، آپ بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، نتیجتاً ملازمت ترک کر کے واپس آ گئے، پہلے نظریہ پر ہیں وہاں شروع کی، جو کہ اس وقت اسلامک ورک تھا، پھر جب درہنگہ اسلامک کورس بنا تو یہاں وہاں لگے۔

وہ میرا گھر تھے، وہاں کی ایک بڑی ڈگری حاصل تھی، وہ چاہتے تو اس کے ذریعہ بڑی دولت کما سکتے تھے مگر انہوں نے اسے خدمت کا ذریعہ بنایا، ان کے عقیدے میں اللہ نے ان کو بڑی شہرت عطا کی، یہ بات تو امر کی حد تک مشہور ہے کہ آپ غلامی نہیں لیتے تھے، مدنی و مدعا علیہ کے درمیان صلح کی تحریک کرتے تھے، انہوں کی پیروی و معاونت بھی کرتے تھے، آپ نے انصاف کے ساتھ بھی نا انصافی نہیں کی، بلکہ آپ کے نزدیک ایسا ندرت اور انصاف کے ساتھ سمجھنا تو جرم کے مترادف تھا۔

اس وقت درہنگہ ضلع ہونے کی وجہ سے سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بھی تھا، چنانچہ آپ و کانت کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے تھے، آزادی کی لڑائی میں آپ اس جہادی سے شریک ہوئے کہ وہ اپنی شان و شوکت سب بھول گئے، خان بہادر کا خطاب و انیس کر یا بغیر ملکی سامان کا استعمال ترک کر دیا اور اپنی کوششیں زندگی بنایا، جسے اخیر ہم تک تو مہر کہ ہے۔

→ شروع میں خلافت تحریک سے بڑے، خلافت کمیٹی درجہنگہ کے نائب سکریٹری، سکریٹری اور پھر صدر بھی رہے، احرار پارٹی سے بھی آپ کا تعلق رہا، اس کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور پوری گرم جوشی کے ساتھ اس کی سرگرمیاں انجام دیتے رہے، آپ مسلم لیگ کے ریاستی نائب صدر اور درجہنگہ ضلع کے صدر کے عہدوں پر فائز رہے، ملک کی آزادی اور تقسیم کے بعد ۱۹۴۸ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے اور اخیر وقت تک اس سے تعلق باقی رہا، پٹنہ کے پرنسپل عزیز، پرنسپل یونس وغیرہ سے رفاقت اسی تحریک آزادی کے حوالہ سے قائم ہوئی۔ سیاست کے حوالے سے آپ کی ایک بڑی خدمت جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی یہ ہے کہ ۱۹۳۱ء میں جب آپ گورنر کاؤنسل کے رکن تھے، آپ کے ذریعہ بنیاداری قانون سے متعلق ایک ایکٹ Non Official Amendment Bill پیش ہوا، یہ قانون غریبوں کے حق میں تھا، اس وقت مہاراج و دھیراج درجہنگہ نے آپ کو اس بل کو پیش کرنے سے روکنے کی پوری کوشش کی، آپ کی خدمت میں اپنے مخصوص قاصد کے ذریعہ سونے کی تھالی میں دعوت نامہ بھیجا، مگر آپ نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان کے تحائف واپس کر دیے، یہ آپ کے کردار کی بلندی کی ایک مثال ہے۔ سادگی کا یہ حال تھا کہ تقریباً ۳۵ برسوں تک درجہنگہ میں کرایہ کے ایک مکان میں رہے، پارٹی کے ریاستی نائب صدر سے لے کر وزارت تک کی کرسی پر متمکن رہے، مگر شہر میں ایک گز زمین نہیں خرید سکے، جو تنخواہ ملتی تھی مہینہ کے اخیر تک ختم ہو جاتی تھی، اس میں رشتہ داروں کی کفالت اور محتاجوں کی امداد کا بڑا حصہ ہوا کرتا تھا، کبھی بینک میں کھانا نہیں کھلوا دیا، کوئی رقم جمع نہیں کی، وراثت میں ملی زمین کے علاوہ کوئی ملکیت حاصل نہیں کی، آخری وقت میں صرف چھ سو (۶۰۰) روپے جیب میں تھے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

وینداری کا یہ عالم تھا کہ خالص عصری تعلیم یافتہ اور ولایت سے پڑھ کر آئے تھے، مگر بقول مولانا ممتاز علی مظاہری صاحب: ”مشرع تھے، شکل سے مولوی لگتے تھے، داڑھی رکھتے تھے۔“

۱۹۲۰ء میں گاندھی جی سے ملاقات ہوئی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیرمین منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں گورنر کاؤنسل کے ممبر کی حیثیت سے بنائی داری قانون میں غیر سرکاری ترمیمی بل پیش کیا۔ ۱۹۳۲ء میں مہاراجہ درجہنگہ نے درجہنگہ میڈیکل اسکول (جواب ڈی ایم ای ایچ کے نام سے کالج ہے) قائم کیا، آپ بھی اس کے بنیادی ممبر بنائے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں مسلم ہائی اسکول درجہنگہ کے قیام میں شامل رہے، اور اس کے بانی سکریٹری منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۳ء وائس چیرمین درجہنگہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی حیثیت سے گاؤں کے لئے نڈل اسکول منظور کروایا۔

۱۹۳۴ء میں درجہنگہ زلزلہ کے متاثرین کی امداد اور بازار آباد کاری میں بڑے پیمانہ پر رضا کارانہ خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۵ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ سے سسوار کے لئے سرکاری ہاسٹل منظور کروایا۔ ۱۹۳۸ء میں اپنے ہزاروں کارکنوں کے ساتھ مسلم لیگ چھوڑ کر انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے۔

۱۹۵۲ء میں ہینی پٹی سے کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی انتخاب میں کامیابی حاصل کی اور وزیر تعمیرات عامہ بنائے گئے۔ آپ نے اپنی وزارت سے عوامی ترقی کے بہت سے کام کروائے، وسائل کی کمی کے باوجود مڑکوں کا جال بچھایا، بہت سے پل بنوائے، بہار کی بہت سی سڑکیں آپ کی رہنمائی میں، جن میں بطور خاص درجہنگہ، شکر، جھنجھار پور، پھلپور، کٹھنہ، لوکھا، درجہنگہ۔ بنے مگر اور بیکال۔ ہینی پٹی شاہراہیں شامل ہیں، آپ کی ان کوششوں سے بہار میں آمدورفت کی جو سہولت ہوئی اسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ اعلیٰ علم سے تعلق، ان کے ساتھ حسن سلوک، اور وضع داری میں مشہور تھے۔ امانت کا اتنا خیال تھا کہ اپنے ذاتی کاموں کے لئے سرکاری سواری استعمال نہیں کرتے تھے۔

۱۱ فروری ۱۹۵۵ء (۱۸ جمادی الثانیہ ۱۳۷۴ء) کو پٹنہ میں اپنی سرکاری رہائش گاہ پر زندگی کی آخری سانس لی۔

ملی و تعلیمی اداروں کے قیام میں شرکت: ۱۹۳۲ء میں مسلم ہائی اسکول درجہنگہ کے بانی سکریٹری ۱۹۳۵ء میں صدر اور پھر صدر جے درجہنگہ میڈیکل اسکول کے ممبر ۱۹۳۷ء میں چند عوامی متعلقہ جے سی ایم کالج کے قیام میں شرکت ۱۹۳۸ء میں خاندان درجہنگہ کے رکن۔ سیاسی عہدے اور مناصب: ۱۹۳۱ء احرار پارٹی کے نائب ریاستی صدر، ۱۹۳۲ء خلافت کمیٹی درجہنگہ کے صدر، ۱۹۳۳ء مسلم لیگ کے صدر اور ریاستی مسلم لیگ کے نائب صدر، ۱۹۳۴ء ڈسٹرکٹ بورڈ درجہنگہ کے وائس چیرمین، ۱۹۳۵ء ممبر اسمبلی، وزیر تعمیرات عامہ، بہار، تربیت کیشنز بورڈ کے ممبر (سب ڈپٹی کلکٹر کی بحالی کے لئے)۔ آپ کی طرف منسوب ادارے: ۱۹۳۷ء شفیق مسلم ہائی اسکول درجہنگہ، ۱۹۳۸ء شفیق اردو لائبریری یکہ، ۱۹۳۹ء شفیق روڈ ہینی پٹی

(ماخوذ از: یکہ و اطراف اور یہاں کی دو نامور شخصیات ص ۲۶۵ تا ۲۸۳) تالیف: مولانا منور سلطان ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، شائع کردہ: شفیق اردو لائبریری یکہ، ضلع جھونسی، بہار، ۲۰۱۳ء۔ بحوالہ: ”درجہنگہ میں اردو مؤلفہ جناب ظہیر نوشتاد صاحب جے مدرسہ امدادیہ درجہنگہ، تاریخ کے آئینہ میں جے مجلہ شفیق، جولائی ۲۰۰۱ء جے مہار علم و ارتقاء شفیق مسلم ہائی اسکول، از عطاء الرحمن رضوی“

۳- حیات سجاد ص ۱۶۵، ۱۶۶، مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب — مسلم لیگ کا تذکرہ حضرت مولانا رحمانی کے مضمون میں آیا ہے، لیکن جیسا کہ آگے آئے گا صحیح بات یہ ہے کہ بہار میں مسلم لیگ اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کر سکی تھی۔

یہ سیاسی پارٹیاں پہلے سے موجود تھیں، جو پہلے سے اپنی اپنی سطح پر ملک و ملت کی خدمات انجام دے رہی تھیں، ان کی افادیت سے انکار نہیں ہے لیکن اس وقت کے حالات کے مطابق دو بنیادی چیزیں ان کے اہداف اور مقاصد میں شامل نہیں تھیں:

☆ ملک کی کامل آزادی کا تصور

☆ علماء کی دینی قیادت کو تسلیم کرنا۔

جب کہ یہ دونوں چیزیں دین کے تحفظ، ملک کے مستقبل اور مسلمانوں کے تشخص کے لئے بے حد اہمیت رکھتی تھیں، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے تمام مسلم سیاسی پارٹیوں کو ان مقاصد کے لئے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن جب آپ کو ان پارٹیوں کی طرف سے مخلصانہ اقدامات کی کمی کا احساس ہوا تو خود امارت شرعی کے زیر نگرانی انہی مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لئے ”بہار مسلم انڈیپنڈنٹس پارٹی“ قائم کی، اس لئے یہ محض سیاسی جماعتوں میں ایک جماعت کا اضافہ نہیں تھا بلکہ ملک کی آزادی اور دین کے تحفظ کے لئے ایک فکری انقلاب کا آغاز تھا، تاکہ دوسری پارٹیاں بھی اپنے بنیادی منشور میں ان چیزوں کو شامل کریں، اسی لئے پارٹی کی تاسیس کے بعد بھی مولانا کا موقف یہ رہا کہ اگر کوئی سیاسی پارٹی ان اغراض و اہداف کو تسلیم کر لے تو وہ اس کے ساتھ اتحاد بلکہ تحلیل تک کے لئے راضی ہو جائیں گے، جیسا کہ مسٹر سید عبدالعزیز (سابق وزیر تعلیم حکومت بہار) کے

۱۔ بیرسٹر سید عبدالعزیز کا شمار آل انڈیا مسلم لیگ بہار کے اہم رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پہلے عوامی اجلاس کے جو دبیر ۱۹۳۸ء کو پٹنہ میں منعقد ہوا، کے تمام اثراہات برداشت کیے تھے۔ بیرسٹر عبدالعزیز ۱۸۸۴ء (۱۲۹۹ھ) کو پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید حافظ حسن ایک بلند پایہ شیعہ تھے۔ آپ کے والدین کا اہل بیچن میں ہی ہو گیا تھا۔ آپ نے اسکو کی تعلیم سہلس شرف الدین کے گھر میں رہ کر حاصل کی جو آپ کے قریبی مزاج بھی تھے۔ بعد ازاں پٹنہ اسکو میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد جیت و ہنس کالج بڑی باغ سے انٹر میڈیٹ کیا، انٹر میڈیٹ کے بعد آپ کو بیرسٹری کے لیے لندن بھیج دیا گیا۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران آپ نے مقامی اخباروں میں مضامین لکھے، جس کی وجہ سے انھیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۹۱۱ء (۱۳۲۹ھ) میں آپ نے لندن سے بیرسٹری کی سند حاصل کی اور ۱۹۱۲ء (۱۳۳۰ھ) میں وطن واپس آئے۔ بیرسٹر سید عبدالعزیز نے وکالت کا آغاز کلکتہ ہائی کورٹ سے کیا جہاں آپ کمرسید میں امام اور سید حسن امام کے ساتھ وکالت کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں ہندو مسلم فساد ہوا اور مسلمان کلکتہ کو بہت بڑی تعداد میں گرفتار کر لیا گیا ان کے مقدمات کی پیروی کے لیے مسلمانوں کی نظر انتخاب بیرسٹر عبدالعزیز پر پڑی۔ ان کی قانونی صلاحیتوں کے پیش نظر حکومت برصغیر نے وکالت کی سازش کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں ۱۹۳۲ء میں ان کی خدمات حاصل کیں۔ مسلمانان بہار نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے ہمیشہ بڑی کوشش کیں۔ لیکن جب شدھی اور سنگٹھن تحریک شروع ہوئی اور بہار میں ہندو مت سبھیوں نے مسلمانان برقع پوش اور قوس کی زندگی اچھڑا دی تو مسلمانان بہار نے ”انجمن محمدیہ“ قائم کی، جس کے صدر سر سید علی امام منتخب کیے گئے اور نائب صدارت کے لیے بیرسٹر عبدالعزیز کا انتخاب عمل میں آیا۔ آپ نے آئریزی اور اردو میں ”پروگریس“ اور ”پیام“ کے نام سے دو اخبار جاری کیے ان اخبارات کے ذریعے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی تلخ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ آپ اپنی آمدنی سے آٹھ کے مرہٹوں کا ہر ساں کیس بھی لگاتے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۳ء تک قائم رہا۔ مرہٹوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہ تھی۔

ساتھ مولانا کی مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے، جن سے بعض سیاسی اختلافات کے باوجود مولانا کے ذاتی تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے۔

مسٹر سید عبدالعزیز صاحب نے جولائی ۱۹۳۵ء میں یونائیٹڈ پارٹی قسّم کی تھی، حضرت مولانا سجاد نے اس کے ایک سال کے بعد اگست ۱۹۳۶ء میں بہار مسسّم انڈی پنڈنڈنٹ پارٹی کی بنیاد رکھی، مسٹر سید عبدالعزیز کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مولانا کو خط لکھا اور ملاقاتیں بھی کیں، جن کا مقصد دونوں پارٹیوں کو متحدہ پارٹی میں تبدیل کرنا تھا، اس موضوع کے دو خطوط (دونوں قائدین کا ایک ایک خط) دو سیاسی دستاویز کے نام سے مولانا عثمان غنی ناظم امارت شریعہ کی فرمائش

→ میرزا عبدالعزیز نے وفات کے ساتھ ساتھ سیاہی میں بھی ہمیشہ دلچسپی لی اور بہار صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں دو (۲) مرتبہ کامیابی حاصل کی۔ آپ اس صوبے کے وزیر زراعت اور وزیر تعلیم بھی مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۵ء کے انتخابات کے بعد برصغیر کے مسلمانوں نے برصوبے میں قومی طور پر سیاہی میں جتنیں تقبیل دے دیں۔ میرزا عبدالعزیز نے بھی ایک پارٹی قائم کی جس کا نام یونائیٹڈ پارٹی تھا۔ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کی تنظیم کے بے قائد انضمامی جذبہ نے تو اس موقع پر میرزا عبدالعزیز نے اپنی پارٹی و آل انڈیا مسلم لیگ میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔

میرزا عبدالعزیز آل انڈیا مسلم لیگ کی چینی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور میرزا مسٹر لیگ کے صدر بھی منتخب ہوئے تھے۔ آل انڈیا مسٹر اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا پہلا جلسہ محمد علی پور ٹکٹ میں ۳ دسمبر ۱۹۳۸ء (۲۳ شوال ۱۳۵۷ھ) کو منعقد ہوا تھا اس موقع پر قائد اعظم نے میرزا عبدالعزیز کو انجمن کی افتخاری تقریب میں شرکت کے لیے خصوصی طور پر دعوت نامہ ارسال کیا۔ دسمبر ۱۹۳۸ء کے قریبی ختم کے میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سنا اجلاس پنڈ (بہار) میں منعقد ہوا اور آپ مجلس استقبالیہ کے صدر منتخب ہوئے۔ اپنی افتخاری تقریر میں انھوں نے محمد علی جناح کو "قائد اعظم" کے خطاب سے نوازا۔ پنجاب کے ایک مسلمان رخصا کار میاں فیروز الدین نے مسٹر جناح کے پنڈال میں داخل ہوتے وقت "قائد اعظم زندہ ہو" کا نعرہ بلند کیا جو بعد میں سارے ہندوستان میں مشہور ہو گیا۔ پنڈال کے اجلاس میں آل انڈیا خواتین مسسّم لیگ کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ پنڈال کے سنا اجلاس کے بعد میرزا عبدالعزیز نے پنڈال میں ایک جامعہ علم طالب کیا جس کی صدر رت سے دار اورنگ زیب خان (سابق وزیر اعلیٰ بہار) نے کی۔ نواب بہادر یار جنگ آفس میں طرز پر دعوتیں لیا تھا اس جلسہ میں ریاضی مسسّم لیگ کی بنیاد پڑی اور نواب بہادر یار جنگ آل انڈیا ریاضی مسسّم لیگ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۴۰ء میں میرزا عبدالعزیز کی قانون دانی سے متاثر ہو کر کھمبہ راہ دادوکن نے آپ کو بحیثیت صدر ولیمہ (وزیر قانون) اور بہار حیدر آباد مقرر کیا۔ حیدر آباد میں آپ نے ریاست کی بے مثال خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۵ء میں میرزا عبدالعزیز بہار لوگوں کے مسائل سے متعلق ہو گئے۔ کھمبہ حیدر آباد لوگوں نے آپ کی تاحیات عطیعت مقرر کر دی۔ ملاقات کے زمانے میں آپ کا قیام کھمبہ میں تھا۔ جہاں قائد اعظم بھی ملاقات کے لیے آتے تھے۔ اس حقیقت سے بہت کمزور آگاہ ہیں کہ جس زمانے میں میرزا عبدالعزیز ریاست حیدر آباد لوگوں میں وزیر قانون تھے انھوں نے مسسّم لیگ کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے نظام حیدر آباد لوگوں سے ہیں (۲۰) اکھروں کو قائد اعظم کو دوئے اور کھمبہ میں خود آپ نے کلام کی جانب سے قائد اعظم کو چیک پیش کیا تھا اور مسسّم لیگ نے اس رقم کو انتخاب پر خرچ کیا اور ہندوستان کی سیاسی زندگی میں کامیاب و کامران ہوئی۔ کھمبہ میں جب ان کے مرض میں افات نہیں ہوا تو آپ پنڈال میں آ گئے۔ اس زمانے میں بہار میں ہندو مسسّم نہادوں نے فسادات کے واقعات میرزا عبدالعزیز نے جینی لٹاپچوں میں تحریر کیا ہے جس کا نام "دی بہار ریپبلکن" ہے۔ یہ کتابچہ پاکستان کی آزادی میں اس دور کو خوش ثابت ہونے والی کتابت کی پارلیمنٹ کے طالب کرنے پر جب قائد اعظم محمد علی جناح مسٹر کاندھلی اور دیگر کانگریسی اور مسلم لیگی زعماء، پاکستان تحریک سے گئے تو قائد اعظم میرزا عبدالعزیز کے تحریر کردہ کتابچے "دی بہار ریپبلکن" کو بھی اپنے ساتھ لے گئے جن کو پڑھ کر برٹنوی پارلیمنٹ کے اراکین نے انتہائی متاثر ہوئے اور اس طرح پاکستان کے قیام میں ان کتابچوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ میرزا عبدالعزیز نے ۱۹۳۸ء (۲۳ شوال ۱۳۵۷ھ) کو پنڈال (بہار) میں وفات پائی (الوقتہ کراچی شہر: ۲۶-۲۷ ذی القعدہ ۱۳۵۸ھ)۔ ۳۰ نومبر ۲۰۱۷ء (۲۰ نومبر ۱۳۹۶ھ) میں ان کی

پر حضرت مولانا کی حیات ہی میں (۸ ستمبر ۱۹۳۶ء کو) شائع ہوئے تھے، جناب عبدالعزیز صاحب نے ۲ اگست ۱۹۳۶ء (۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ) کو یہ خط (۵ صفحات) تحریر کیا تھا، اور حضرت مولانا کا تفصیلی جواب چھپا سٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اور وقفہ وقفہ سے تقریباً دس دن (۳ تا ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲ اگست تا یکم ستمبر ۱۹۳۶ء) اس جواب کو تیار کرنے میں صرف ہوئے۔^۱

اس تفصیلی خط کے مطالعہ سے حضرت مولانا کی وسعت قلبی اور سیاسی دوراندیشی کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا نے نہ صرف یہ کہ جناب عبدالعزیز صاحب کی پیشکش کا پر تپاک خیر مقدم کیا، بلکہ اس ضمن میں اپنی گزشتہ کوششوں کا بھی ذکر فرمایا، مولانا نے اس مکتوب میں تاریخ بہ تاریخ اتحاد کی اپنی نو (۹) کوششوں کا تذکرہ کیا ہے، مولانا کا مکتوب اس پیرا گراف پر ختم ہوتا ہے:

”آپ یقین فرمائیے کہ ہم لوگوں کے سامنے صرف ملک و ملت کا مفاد اور مذہب کی حفاظت ہے، اور اس کے لئے جن اصولوں کی پابندی ہمارے خیال میں ضروری ہے، جب ان میں دونوں پارٹیاں متحد ہوتی ہیں، اسی کے ساتھ پارٹی کی تشکیل بھی اس طرح پر ہوتی ہے جس سے نمایاں طور پر ہو کہ جمہوری اصول پر صرف عام مسلمانوں کی یہ پارٹی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی بنجیدہ آدمی کو اتحاد کی اسکیم پر یا اس پارٹی پر جو اس اسکیم کے ماتحت بنے کوئی اعتراض ہو، ۲۱ اگست کو جناب کا خط ملنے کے بعد ۲۲ اگست ۱۹۳۶ء سے جواب لکھ رہا ہوں مگر مسلسل وقت اس کام میں صرف کرنے سے معذور رہا اس لئے آج کی تاریخ اس سے فراغت ہوئی۔“^۲

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا کی سیاسی جماعت کسی تحزب و گروہ بندی پر مبنی نہیں تھی اور نہ پارٹیوں میں یہ ایک پارٹی کا اضافہ تھا، بلکہ اس کی بنیاد بلند دینی، ملی اور قومی اقدار و مقاصد پر تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا نے انتخابات کے اعلان کے بعد بھی ان کوششوں کا اعادہ فرمایا، اور دیگر مسلم پارٹیوں سے سلسلہ جنبانی کی، تاکہ ووٹ منتشر اور ضائع ہونے سے محفوظ رہے، لیکن اس میں آپ کو کامیابی نہ مل سکی، اور بالآخر آپ کی پارٹی نے تنہا الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا۔

انتخابی مہم کی کمان

حضرت مولانا سجاد نے خود انتخابی مہم کا بیڑہ اٹھایا، آپ کے عداوہ پارٹی کی طرف سے مولانا احمد سعید دہلوی، ناظم جمعیت علماء ہند، مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا عثمان غنی صاحب، ناظم امارت شرعیہ، اور مولانا منت الہد رحمانی وغیرہ نے پورے صوبے کا طوقانی دورہ کیا، تقریریں کیں

۱- واضح رہے کہ مکتبہ سجاد (شائع کردہ امارت شرعیہ چلواری شریف ہند) میں یہ مکتوب شامل نہیں ہے۔

۲- دوسری دستاویز ص ۷۲ کے شائع کردہ حربہ فرمائش حضرت مولانا عثمان غنی صاحب۔

اور لوگوں کو مطمئن کیا کہ عوام کی اصل نمائندہ جماعت مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی ہے، اس لئے عوام اس پارٹی کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں، اور رجعت پسندوں، سرکاری جماعتوں اور افراد کے غلط پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوں، ووٹ کا استعمال قومی مفادات میں کریں، شخصی یا عارضی مفادات کے لئے اپنا ووٹ ضائع نہ کریں۔

پارٹی کی حمایت میں حضرت شیخ الاسلام مدنی کی اپیل

ملک کی بعض مذہبی جماعتوں نے بھی مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی حمایت میں اپنے بیانات جاری کئے، بالخصوص جمعیت علماء ہند نے عملی اور قوی ہر لحاظ سے پوری شرکت کی، جمعیت علماء ہند کے ناظم عمومی حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ تو کاروان انتخاب میں خود عملاً شریک رہے، اسی طرح جمعیت علماء ہند کے اہم رکن حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی ایک زوردار اپیل اپنی طرف سے جاری فرمائی، جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”صوبہ بہار میں اسمبلی اور کونسل کا انتخاب عنقریب ۲۲ جنوری کو ہوگا۔ اس سے تمام مسلمانان صوبہ بہار سے اپنی بصیرت اور تجربہ کی بناء پر محض ملک و ملت اور مذہب کے مفاد کے لئے ہر فرد سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ صرف مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے نمائندوں کے لئے اپنی تمام جدوجہد اور امداد عمل میں لائیں۔ یہی وہ پارٹی ہے جو کہ معفات مذکورہ بالا کے ساتھ متصف ہے۔ اس جماعت نے امداد شریعہ صوبہ بہار کی (جس کی اطاعت مسلمانان صوبہ بہار پر واجب ہے) رہنمائی قبول کی ہے۔ بنابر یہ کسی مسلمان کو ورنہ اس پارٹی کے نمائندوں کو ووٹ نہ دینا اور دوسری جماعتوں کے نمائندوں کی یا شخصی طور پر کھڑے ہونے والوں کی امداد کرنا ملک اور مذہب سے بے وفائی اور غداري ہے بلکہ ملک اور مذہب سے صریح دشمنی ہوگی۔

تنگ اسلاف
حسین احمد غفرلہ“

انتخابی نتائج اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی شاندار کارکردگی

انتخابی مہم کے دوران گو کہ حضرت مولانا سجاد گوخت دشواریوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، اور مخالفین نے آپ کے خلاف ہر قسم کے سیاسی جھٹکنڈے استعمال کئے، لیکن آپ کے صدق و خلوص اور اثر و رسوخ اور امارت و جمعیت کے دیگر قائدین کی شبانہ روز جدوجہد کے نتیجے میں پارٹی نے توقع

سے زیادہ کامیابیاں حاصل کیں، الیکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو ماہرین سیاست بھی انگشت بدنداں رہ گئے، مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی نے تقریباً اسی فی صد کامیابی حاصل کی تھی، اور مسلم ارکان میں سب سے زیادہ مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ارکان کو کامیابی ملی، جب کہ غیر مسلم ارکان میں سب سے زیادہ کانگریس کے ارکان کامیاب ہوئے، مسلمانوں کے لئے چالیس سیٹیں مخصوص تھیں، ان میں سے ایک سیٹ پر جو عورت کے لئے مخصوص تھی آزاد امیدوار کی حیثیت سے لیڈی انیس امان نے جیت درج کی، اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے تین بیس امیدواروں میں سے بیس امیدوار کامیاب ہوئے۔

یونائیٹڈ پارٹی کے مایوس کن نتائج

☆ مسٹر عبدالعزیز صاحب کی یونائیٹڈ پارٹی تینتیس میں سے صرف پانچ جگہوں پر کامیاب ہوئی، اٹھائیس سیٹوں پر ناکام ہوئی، اور سات امیدواروں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں، جب کہ مسٹر عبدالعزیز صاحب اس وقت بہار حکومت میں وزیر تعلیم تھے جس کی بنا پر یونائیٹڈ پارٹی کو حکومت کی تائید اور امداد بھی حاصل رہی، خود وزیر موصوف نے اپنے نمائندوں کی کامیابی کے لئے دورے کئے اور وہ سب کچھ کیا جو ممکن تھا۔ شاید الیکشن میں اسی پسپائی کا نتیجہ تھا کہ وہ پارٹی لیڈر ہونے کے باوجود اسمبلی سے مستعفی ہو گئے، بعد میں وہ سیاست سے ہی کنارہ کش ہو گئے۔^۲

احرار پارٹی کا حشر

☆ بیرسٹر شفیع داؤدی صاحب کی احرار پارٹی نے اپنی سرگرمی ترہت ڈویژن تک ہی محدود رکھی تھی، اور کوئی دس بارہ امیدوار کھڑے کئے تھے، ان کا ترہت میں بڑا اثر تھا، لیکن بمشکل صرف تین سیٹوں پر کامیابی مل سکی، خود پارٹی لیڈر بیرسٹر شفیع داؤدی بھی الیکشن ہار گئے اور اپنی سیٹ بھی نہ بچا سکے، بعد میں وہ سیاست ہی سے کنارہ کش ہو گئے اور مظفر پور جا کر دوکالت کرنے لگے۔^۲

بہار میں مسلم لیگ انتخاب سے باہر

☆ مسلم لیگ نے بہار اور صوبہ مرحد میں ایک بھی امیدوار کھڑا نہیں کیا تھا، اس لئے کہ وہ اس پوزیشن ہی میں نہیں تھی کہ اپنا کوئی امیدوار ان جگہوں پر کھڑا کر سکے، ۱۹۲۰ء کے بعد تحریک

۱- حیات سجاد مضمون مولانا عثمان غنی صاحب ص ۱۲۲۔

۲- حیات سجاد مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب ص ۱۶۶۔ مضمون مولانا حفص الرحمن سیوہاروی ص ۱۵۳۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۵، ۳۳۳۔ سمر تہ قتی رحیم صاحب۔

۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۵، ۳۳۳۔ سمر تہ قتی رحیم صاحب۔

اور مہاجتی لوٹ پر روک اگانے کے متعلق مسلم لیگ اور کانگریس دونوں سے زیادہ ترقی پسندانہ
ریالیا ت تھے۔^۱

ایک دلچسپ قصہ

اس موقع پر ایک دلچسپ قصہ پیش آیا جس کو جناب شاہ محمد عثمانی صاحب نے نقل کیا ہے:
”مولانا نے انتخابات کے موقع پر حکومت برطانیہ کے خلاف ہر جگہ سخت تقریریں کیں اور حکومت
کو مذہب دشمن قرار دیا۔ جب الائی پارٹی کامیاب ہوئی تو مسز عزیز نے مقدمہ دائر کروایا کہ
مذہبی جذبات کو بھڑکا کر کامیابی حاصل کی ہے، مسز عزیز کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا لیکن وہ
جانتے تھے کہ مولانا عدالت میں اس سے انکار نہیں کریں گے۔ اس سے مسز عزیز وغیرہ نے
بہت مشکل سے مولانا کو اس پر راضی کیا کہ وہ عدالت میں حاضر نہ ہوں۔ چنانچہ جب تک عدالت
میں مقدمہ کی کاروائی جاری رہی، مولانا پینہ سے باہر رہے۔ یہاں تک کہ ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے
مسز عزیز کا مقدمہ خارج ہو گیا۔ ورنہ مولانا اگر عدالت میں حاضر ہوتے تو جی بوسے، اگرچہ مخالف
کے پاس ثبوت نہ تھا۔“^۲

انتخاب میں پارٹی کے یا اس کی حمایت سے کامیاب ہونے والے ممبران کی فہرست درج
ذیل ہے:

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے کامیاب امیدوار

نمبر شمار	نام	حلقہ	فاضل ووٹ کی تعداد	بکس کارنگ
۱	مسٹر محمد یونس	مغربی پینہ	۵۸۳	لال
۲	ماجی شرف الدین حسن	مشرقی پینہ	۵۲۰	لال
۳	چوہدری شرافت حسین	شاہ آباد	۸۳۶	لال
۴	مولوی عبدالکبیل وکیل	ترہت ڈویژن	۱۴۹۹	سبز
۵	مولوی مبدالحجید وکیل	جنوبی چمپارن	۱۸۰	لال
۶	حافظ محمد ثانی	بقیہ چمپارن	۲۶۸۷	زر

۱۔ حضرت مولانا ابوالحسن محمد جوہر، حیات و خدمات، ص ۲۶۱، مضمون جناب فضل علی عظیم آبادی بخوار فریڈ مونیٹ، ان پورہ، دئی ۲۳ ص ۲۸۲۔
۲۔ تحریک آزادی ہند، نئے صدیاں، ۱۹۴۲ء، ص ۳۲۲، پتی رنیمبر۔

۳۔ ۷۰ کے ہونے تاریخ ۱۷ جولائی ۱۹۴۲ء

انتخابات کے بعد پارٹی کے کامیاب ممبران کا اجلاس

حضرت مولانا محمد سجاد کی تقریر دلپذیر

انتخابات کے نتائج آنے کے بعد حضرت مولانا سجاد نے پارٹی کے کامیاب ممبران کا ایک اجلاس طلب فرمایا، اس اجلاس میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی بھی شریک تھے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ:

”اس جلسہ میں مولانا نے جو تقریر کی وہ ان کے مخصوص تدویر و فراست کی ماحصل تھی، آپ نے اپنے نظریہ کے مطابق ہندوستان کی آنے والی حکومت کے اصول بتائے اور ممبروں کو ان کا طریق کار سمجھایا۔

مولانا نے اس وقت اپنے تمام ممبروں کو دو مشورے دیے، ایک اندرونی اور دوسرا بیرونی، اندرونی مشورہ یہ تھا کہ ہر ممبر کسی ایک خاص شعبہ کا ذمہ دار ہو، وہ اس شعبہ کی تمام معلومات حاصل کرے، اور اس پر پوری طرح تیار ہو۔

بیرونی کام یہ تھا کہ کوئی ممبر اپنے حلقہ انتخاب سے غافل نہ ہو، وہ اپنے حلقہ میں یا خود کام کرے یا اس کے اخراجات برداشت کرے، افہوس ہے کہ پارٹی کے ممبران مولانا کے ان مفید مشوروں پر کار بند نہ ہو سکے ورنہ آج اسمبلی کے اندر پارٹی کا مقام بہت بلند ہوتا۔

مشترکہ حکومت کے قیام کی تجویز منظور - کانگریس کا رد عمل

”اسی جلسہ میں مولانا کی مرتب کی ہوئی ایک تجویز بھی منظور ہوئی تھی جس میں اپنے مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کا اعلان کیا گیا تھا۔ مولانا مشترکہ وزارت کے قیام کے حامی تھے، لیکن کانگریس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، غالباً اس وقت کانگریس کا نظریہ اکثریت والے حوہوں میں غاص اپنی پارٹی کی گورنمنٹ قائم کرنا تھا، اس سے اتحادی حکومت سازی کے وہ خلاف رہی، چنانچہ کانگریس صدر پنڈت جواہر لال نہرو، اور اس کے سینئر لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کی مخالفت میں بیانات شائع کئے۔“

کانگریس کے اہم لیڈر ڈاکٹر راجندر پرساد (جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے بہار، اڑیسہ اور آسام کے انچارج تھے) نے ۱۱ فروری کو بیان دیا کہ:

”کانگریس اسمبلیوں میں کسی دوسری پارٹی یا گروپ کے ساتھ تعاون نہیں کرے گی۔“

۱- حیات سجاد ص ۱۶۸، ۱۶۹ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

۲- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۴ قتی رحیم صاحب۔

۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۵ قتی رحیم صاحب۔

مولانا عثمان غنی صاحب نے درست لکھا ہے:

”کانگریس کی غیر متوقع کامیابی نے بعض بڑے کانگریسیوں کا دماغی توازن بگاڑ دیا اور انہوں نے اپنے بیانات میں کہنا شروع کر دیا کہ ہم وزارت بنانے میں کسی دوسری پارٹی سے اشتراک نہیں کر سکتے، حالانکہ وہی لوگ انتخاب سے قبل اپنی اور بعض دوسری پارٹیوں کے اشتراک سے وزارت بنانے کا اظہار کرتے تھے۔“

نظری و عملی سیاست کا فرق - حضرت ابوالحسنؑ کی سیاسی پیش قیاسی

لیکن حضرت مولانا کا شروع سے خیال تھا جس پر وہ ہمیشہ قائم رہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کو اپنے مقاصد کے پیش نظر مشترکہ اہداف پر اتفاق کرنا چاہئے، اس طرح زیادہ بہتر، بامعنی اور مستحکم حکومت وجود میں آ سکتی ہے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ایک مرتبہ مولانا نے اپنا یہ خیال ایک مشہور رہنما کے سامنے پیش کیا، مولانا نے فرمایا ”نظری اور عملی سیاست کے فرق کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے، مختلف ملکوں کی پارلیمنٹری تاریخ کو دیکھئے، مختلف الحیال جماعتیں ایک متحدہ حکیم بنا کر مشترکہ وزارتیں مرتب کرتی ہیں، اور کامیابی کے ساتھ چلاتی ہیں، ہاں! ایسے مسائل بھی پیش آ جاتے ہیں جن پر اتفاق نہیں ہوتا، تو پھر وزارتیں ٹوٹ جاتی ہیں، اور ان کی جگہ نئی بنتی ہیں۔۔۔ مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ آج تو کانگریس گریز کرتی ہے، لیکن اگر کانگریس کو موقع ملا تو وہ اقلیت والے صوبوں میں مشترکہ وزارتیں ضرور مرتب کرے گی۔ چنانچہ ہم نے مولاناؑ کی زندگی ہی میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرحد اور آسام میں مولاناؑ کا خیال حرف بحرف صحیح ثابت ہوا، خود یہاں کی صوبائی کانگریس کئی کئی مجلس عاملہ کے ذمہ دار رہیں نے ۱۹۳۹ء میں مولاناؑ کے سامنے انڈی پینڈنٹ پارٹی کی شرکت سے وزارت مرتب کرنے کی تجویز پیش کی، جسے مولاناؑ نے بعض وجوہ کی بنا پر قبول نہ فرمایا۔ یہی ہے ”عملی و نظری سیاست کا فرق۔“

کانگریس کا حکومت سازی سے انکار - پارٹی کے لئے لمحہ فکریہ

بہر حال ایک نومولود پارٹی نے جیسی شاندار کامیابی حاصل کی وہ حضرت مولانا سجادؒ اور امارت شرعیہ پر مسلمانوں کے پختہ اعتماد کا مظہر تھی، پارٹی نئی تھی لیکن مولانا سجادؒ اور امارت شرعیہ کی

۱- حیات سجاد ۱۳۳ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔

۲- حیات سجاد ۱۶۹، ۱۷۰ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

خدمات جلیلہ سے ایک دنیا واقف تھی، امارت شریعہ کی حمایت اور حضرت مولانا سجادؒ کی رہبری نے پارٹی کو پہلے قدم پر ہی نقطہ ارتقاء تک پہنچا دیا تھا۔ مجلس قانون ساز میں کانگریس کے بعد مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو دوسرا مقام حاصل ہوا، اصولی طور پر بڑی پارٹی ہونے کے ناطے کانگریس کو حکومت بنانی چاہئے تھی، اس لئے کہ ۱۹۳۷ء کے صوبائی اسمبلی انتخاب میں بہار اسمبلی کی کل ایک سو باون سیٹوں میں سے کانگریس کو کل اٹھانوے سیٹیں ملی تھیں، کانگریس کے پارٹی لیڈر بابو سری کرشن سنہا تھے، گورنر نے ان کو وزارت سازی کی دعوت دی، لیکن انہوں نے مرکزی کانگریس کمیٹی کی ہدایت پر گورنر سے اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال نہ کرنے کی یقین دہانی کا مطالبہ کیا اور گورنر کے انکار پر وزارت کی تشکیل سے معذرت کر دی۔ کانگریس کے انکار کے بعد قدرتی طور پر یہ حق مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو حاصل ہونا تھا، اس کی تھوڑی تفصیل حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مولانا سجادؒ کے نزدیک کانگریس کا انکار درست نہیں تھا

”صورت حال یہ تھی کہ کانگریس نے ۱۹۳۷ء سے پہلے اپنے جلسوں میں اور ورکنگ کمیٹی نے اپنی تجویزوں میں صاف اعلان کر دیا تھا کہ دستور جدید ناقص اور قابل استرداد ہے، لیکن کانگریس نے چند صوبوں میں اکثریت حاصل کرتے ہی یہ اعلان کیا کہ اگر گورنر اپنے اختیارات خصوصی کو استعمال نہ کرنے کا یقین دلا دیں تو کانگریس وزارت مرتب کرنے کے لئے تیار ہے۔“

مولانا کا خیال تھا کہ کانگریس کی یہ شرط صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اگر گورنر کانگریس کی شرط تسلیم کر لیتے ہیں تو یہ قانون قابل عمل ہو جاتا ہے، حالانکہ کانگریس کے نقطہ نگاہ سے یہ قانون قطعی ناقص عمل تھا اس قانون سے کانگریس کا جو سب سے بڑا اصولی اختلاف تھا وہ گورنر کی مداخلت یا عدم مداخلت کا تھا۔ وہ یہ تھا کہ قانون بنانے کا حق ہندوستان کے لئے والوں کو حاصل تھا، نہ برطانوی پارلیامنٹ کو، اس سے کہ بہر حال وہ قانون قابل استرداد ہی تھا۔

مولانا کے خیال میں ایسی انقلابی جماعتوں کے لئے جو کانسوں میں قانون مسترد کرنے کی غرض سے پہنچی ہوں وہی عملی صورتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ اس قانون کے خلاف غیر آئینی جدوجہد شروع کر دی جائے، اور دوسرے یہ کہ وزارت مرتب کر کے عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے، اور اس طرح اس قانون کے مسترد کرنے کا سامان فراہم کیا جائے۔ چنانچہ انہی خیالات کی بنا پر مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی نے

وزارت قبول کی، لیکن وزارت قبول کرتے وقت ہی پارٹی نے ایک تجویز کے ذریعہ یہ بات صاف کر دی کہ اصولی طور پر اس صوبے میں وزارت کانگریس کو مرتب کرنی چاہئے تھی، چونکہ کانگریس اور گورنر کی جنگ ہے اور فی الحال کانگریس کوئی جدوجہد بھی نہیں کرتی ہے، اس لئے یہ پارٹی اس صوبے میں وزارت بنا کر اور عوام کی خدمت کر کے قانون کے آئینی طور پر مسترد کرانے کے موافق اہم کرے گی، ساتھ ہی ساتھ پارٹی کی دلی خواہش ہے کہ کانگریس اور گورنر کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے۔^۱

حکومت سازی پر تبادلہ خیال کے لئے پارٹی کا اجلاس طلب

کانگریس کے انکار کے بعد گورنر نے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دی، دعوت ملنے کے بعد اس موضوع پر تبادلہ خیال اور غور و فکر کے لئے ایک نشست خانقاہ مجیبہ پھلواری شریف میں ہوئی، ۳ مارچ ۱۹۳۷ء (۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ) کو حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین صاحب پھلواری نے پارٹی کے جملہ منتخب ممبران اور مجلس عاملہ کے ارکان کو خانقاہ مجیبہ میں مدعو فرمایا، تمام حضرات نوبہ صبح حاضر ہوئے، دس بجے دن میں حضرت امیر شریعت کے سامنے حضرت نائب شریعت اور پارٹی صدر حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے تمام ارکان منتخب اور مجلس عاملہ کے ممبران کا تعارف کرایا، اس کے بعد حضرت امیر شریعت نے ارکان کو کاموں سے متعلق ایک مختصر سی ہدایت فرمائی، اس کے بعد تمام حضرات نے کھانا تناول کیا، اور بانگی پور پنڈلوٹ گئے۔

پھر دو بجے دن میں حاجی شرف الدین حسن صاحب کی کوٹھی پر مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا، اس کے بعد چار بجے بعد نماز عصر مجلس عاملہ اور منتخب ارکان کی مشترکہ نشست ہوئی، کچھ کاروائیوں کے بعد نشست چائے اور نماز مغرب کے لئے ملتوی ہو گئی، بعد نماز مغرب پھر جلسہ شروع ہوا، اور بحث و تجویز کے بعد پارٹی لیڈر وغیرہ کا انتخاب ہوا، حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے:

پارٹی لیڈر: مسٹر حاجی محمد یونس صاحب بیرنٹر

ڈپٹی لیڈر: مولوی رفیع الدین صاحب رضوی ایڈوکیٹ

چیف وہپ: قاضی سید محمد الیاس صاحب

وہپ: مولوی سید محمد طاہر صاحب ایڈوکیٹ

انتخاب کے بعد صدر پارٹی حضرت مولانا سجاد صاحب نے ایک مختصر تقریر فرمائی، اور جلسہ تقریباً نو بجے شب میں ختم ہوا۔^۱

حکومت سازی کے مسئلہ پر ممبران میں اختلاف رائے

نائبان نشستوں میں حکومت سازی کا مسئلہ طے نہیں ہو سکا، اس لئے مزید غور و فکر کے لئے مجلس ملتوی کر دی گئی، اس کے بعد اس موضوع پر آخری بحث و گفتگو کے لئے ۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء کو پارٹی کی مجلس عاملہ اور مجلس مفتنہ کا اجلاس مسٹر محمد محمود صاحب کی کوٹھی پر باایا گیا^۲، یہ اجلاس بھی حضرت مولانا سجاد کی سربراہی میں منعقد ہوا، پارٹی کے اندر اس مسئلے میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا:

☆ بعض حضرات کا خیال تھا کہ بڑی پارٹی (کانگریس) سے الگ ہو کر کوئی چھوٹی پارٹی پائیدار وزارت قائم نہیں کر سکتی، اس لئے کہ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کی اکثریت ہے، اور گورنر دستور کے مطابق زیادہ سے زیادہ چھ ماہ میں اسمبلی کا اجلاس بلانے پر مجبور ہے، اس لئے چھ ماہ کے بعد یہ وزارت ٹوٹ جائے گی، کیونکہ اس کو اکثریت کا اعتماد حاصل نہ ہو سکے گا اور کانگریس بے اعتمادی کی تجویز باسانی منظور کر لے گی۔^۳

☆ کچھ لوگوں کے اختلاف کی وجہ یہ بھی تھی کہ جب ایک حریت پسند پارٹی (کانگریس) نے حکومت بنانے سے انکار کر دیا ہے تو دوسری حریت پسند پارٹی (مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی) کے لئے بھی وزارت قبول کرنا مناسب نہیں ہوگا، ان دونوں پارٹیوں کو آزاویٰ کامل کے مطالبہ کی بنا پر ہم مسلک تصور کیا جاتا تھا، اور دونوں کے قائدین کے درمیان کوئی بڑا اختلاف موجود نہیں تھا^۴، اس لئے حکومت سازی سے کانگریس کے انکار کے بعد انڈی پنڈنٹ پارٹی کا اس کو قبول کرنا مناسب نہیں ہے۔

☆ لیکن دوسری جانب ممبران کی ایک بڑی تعداد وزارت قبول کرنے کی حامی تھی اور یہ رجحان ان میں خود کانگریس کے رد عمل سے پیدا ہوا تھا، الیکشن میں غیر متوقع کامیابی ملنے کے بعد کانگریسی رہنماؤں نے مسلمانوں سے بے نیازی کا جو رویہ اختیار کر لیا تھا اسے دیکھ کر مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے رہنما مایوس ہو گئے تھے، اور بہار میں مخلوط حکومت بننے کی کوئی امید باقی نہ رہ گئی تھی۔

۱- حسن حیات ص ۸۰ تا ۸۳، ذکر یونس مرتضیٰ رحیم صاحب ص ۵۳، شائع کردہ: بھیر سنگھ یونس میموریل کمیٹی، یونس کمپن، ایس پی ورما روز پبلش، اشاعت دوم مئی ۲۰۱۲ء بحوالہ نقیب ص ۳۱۲ تا ۱۹۳ء، تحریر آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۲ تا ۳۲۴ نقیب رحیم صاحب۔

۲- حسن حیات ص ۸۰۔

۳- حسن حیات ص ۸۰، ۷۹۔

۴- تحریر آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۶، ۳۲۵ بحوالہ اپنی کہانی "آزادی کا سفر" چندر پرشاد، ۱۹۴۰ء، ۹۳۔

حضرت مولانا سجاد کی ذاتی رائے

دوسری طرف کانگریس اور گورنر کے اختلاف سے ریاست میں جو تعطل کی صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس کی بنا پر حضرت مولانا سجاد اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کے دیگر بڑے رہنماؤں کو یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا، کہ کہیں ملک کی آزادی کی منزل دور نہ چلی جائے، اور قوم لا حاصل تک و دو سے مایوس ہو کر بیٹھ نہ جائے، حضرت مولانا سجاد نے اپنے ایک بیان میں ان خدشات کا خود اظہار فرمایا ہے:

”قابل غور امر یہ ہے کہ اس تعطل کے مظاہرے سے بحالت موجودہ ملک کی آزادی کی طرف کوئی تدم آگے بڑھے گا؟ اس سے عوام الناس کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ غربت و افلاس سے ملک کے باشندوں کو نجات ملے گی؟ یا اس میں کوئی تخفیف ہوگی؟

میں سمجھتا ہوں کہ یہ رائے ایسی نہیں تھی جن پر توجہ نہیں کی جاتی، اسی طرح بعض بعض ممبروں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا، کہ اگر کانگریس نے مجالس متقنہ کو تو ذکر بار بار الیکشن لڑانے کا کھیل کھیلنا شروع کیا، تو ممکن ہے کہ ہندو اکثریت کے نقطہ نگاہ سے کوئی نقصان نہ امر نہ ہو، مگر مسلمانوں کی قومی حالت کے اعتبار سے یہ کھیل ان کے لئے ناقابل برداشت ہے، مسلمانوں کی اقتصادی حالت ایسی نہیں ہے کہ سال میں ایک دو بار یہ کھیل کھیل کر یں، اگر کانگریس نے یہ روش اختیار کی، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا، کہ کوئی مسلمان اپنی طاقت پر الیکشن میں کھڑا نہیں ہوگا، اسبلی کے دلداد سے مجبور ہو کر دوسروں کے سہارے الیکشن میں کھڑے ہونگے اور اس طرح ان کی جماعتی حیثیت فنا ہو جائے گی۔“

مجلس عاملہ کے ایک اہم رکن قاضی احمد حسین صاحب کا بھی یہی خیال تھا ان کا کہنا تھا کہ:

”کانگریس کو یہ تجربہ کرنا چاہئے کہ عوام کی مرضی اور عوام کے مفاد میں اس کی وزارت کام کر سکے گی یا نہیں۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہو اور گورنروں نے وزارت کے کاموں میں مداخلت کی تو اس کے لئے راہ کھلی ہوئی ہے، وہ اس وقت وزارتوں سے استعفیٰ دے سکتی ہے، لیکن جبکہ کانگریس نے اس خطرہ کی بنا پر کہ گورنر مداخلت کریں گے، وزارت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، تو کانگریس کی حامی جماعتوں کو وزارت قبول کر کے یہ تجربہ کرنا چاہئے، کہ گورنروں کے کاموں میں مداخلت سے پرہیز کرتے ہیں یا نہیں، کانگریس کو سوچنے کا وقت اور موقعہ دینا چاہئے، اور برطانیہ نواز مطلقوں کو اس کا موقعہ نہیں دینا چاہئے، کہ وہ حکومت کی کریسیوں پر قبضہ کریں، قاضی صاحب کو امید تھی کہ کانگریس اور گورنر کے درمیان جو رسہ کشی ہے وہ ختم ہو جائے گی، اور کانگریس

وزارتوں کی ذمہ داریاں اٹھالے گی، اور اسے اٹھالینا چاہئے۔“^۱

مجلس عاملہ میں آزادانہ بحث و مباحثہ کے بعد رائے شماری

بہر حال مجلس عاملہ میں اس موضوع پر کھل کر گفتگو ہوئی، اجلاس کی پوری کاروائی شاہ محمد عثمانی صاحب کی کتاب 'حسن حیات' سے پیش ہے:

”۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء کو مجلس عاملہ انڈی پینڈنٹ پارٹی کی ملتوی شدہ میٹنگ کی دوسری نشست مسٹر محمد محمود صاحب کی کوٹھی میں ہوئی، حضرات ذیل شریک تھے:

- ۱- حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد (صدر) - ۲- حافظ محمد تانی
- ۳- حاجی اختر حسین خان - ۴- مولانا سید منت اللہ
- ۵- مسٹر محمد محمود - ۶- مسٹر تجمل حسین
- ۷- حاجی شرف الدین حسن - ۸- مولوی سید محمد حفیظ ایڈووکیٹ
- ۹- قاضی احمد حسین - ۱۰- مولانا محمد یسین
- ۱۱- مولانا عبدالودود - ۱۲- مولوی خلیل احمد وکیل
- ۱۳- مولوی جعفر امام

سب سے پہلے مسٹر محمد یونس نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہندو ممبران اسمبلی کی کافی تعداد ان کی حمایت کرے گی، اس پر خلیل احمد صاحب نے کہا کہ ہندو ہرگز ساتھ نہیں دیں گے، یہ مسٹر یونس صاحب کا صرف ایک خیال ہے، اس کے بعد بحث شروع ہوئی، آخر میں قاضی احمد حسین صاحب نے حسب ذیل تجویز پیش کی:

”کانگریس کے انکار وزارت اور ملک و ملت کے مفاد اور اس پارٹی کے کریڈٹ اور پروگرام وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر اور تمام احوال پر غور کر کے مجلس عاملہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ:

(الف) کانگریس کے لیڈر اور گورنر کا باہم متفق نہ ہونا غالباً غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جس سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے، کہ عوام کے منتخب شدہ نمائندگان اگر آفس قبول کرنے سے انکار کر دیں تو یقیناً بحالت موجودہ گورنر کو اس کا موقعہ دیتے ہیں، کہ وہ شخصی حکمران ہونے کی حیثیت خود اختیار کر لیں، جس سے ملک و عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ اندیشہ ہے کہ

نقصان پہنچے، اس کے ساتھ وہ مقصد بھی کلیۃً مفقود ہو جاتا ہے، جس کے لئے کانگریس آفس قبول کرنے کو تیار تھی۔

(ب) اور یہ طے کرتی ہے کہ آفس قبول کیا جائے تاکہ قوم پرورانہ پروگرام کو حتیٰ الوسع کامیاب بنانے کی کوشش کی جائے اور اسمبلی کے ذریعہ غریب کسانوں، مزدوروں، دیہی کاریگروں اور تاجروں کو جو کچھ نفع پہنچانا ممکن ہو اس کی راہ پیدا کی جائے۔

مجلس عاملہ کو امید ہے کہ کانسیٹیویشن کے اندر قوم پرورانہ پروگرام کے لئے جو کچھ کام ہو سکتا ہے، عام حالات میں گورنر اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال کر کے رکاوٹ پیدا نہ کریں گے اور ایسی صورت میں تجربہ کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ وہ غلط فہمی دور ہو جائے گی، جو کانگریس اور گورنر کے مابین پیدا ہو گئی ہے، اور وہ وقت ملک کے لئے نہایت خوش آئند ہوگا۔“

اس کے بعد جلسہ دوسرے روز کے لئے ملتوی ہونے والا تھا کہ مسٹر یونس جو صدر جلسہ سے اجازت لے کر گورنر سے ملنے گئے تھے، واپس آئے، اور انہوں نے بتایا کہ گورنر نے کہا ہے کہ نواب عبدالوہاب صاحب اور گورسہائے لال کو وزارت میں ضرور رکھا جائے، ورنہ وہ کسی دوسرے صاحب کے ذمہ وزارت بنانے کا کام کر دیں گے، اس چیز سے قاضی احمد حسین صاحب اور بعض دوسرے ممبران مجلس عاملہ میں گورنر کے خلاف ناراضی پیدا ہوئی، دوسری طرف یہ واقعہ بھی ہو گیا کہ پنشن کے کچھ نوجوانوں نے انگریزی حکومت کے خلاف کوئی جلوس نکالا تھا نا اہل یا بوم جلیانوالہ باغ کے سلسلہ میں تھا، ان کو گرفتار کر لیا گیا، اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کی سفارش کے باوجود ان کو رہا نہیں کیا گیا، اس طرح یہ بات صاف ہو گئی کہ گورنر وزارت کو آزادانہ کام نہیں کرنے دیں گے، اس طرح کانگریس کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور کانگریس کے ذمہ داروں کو یہ تجربہ کرنے دیئے کی بات ختم ہو گئی کہ کانگریس وزارتوں کے کاموں میں گورنر حاکم نہیں ہونگے اس لئے جب ۲۱ اپریل ۱۹۳۷ء کو پارٹی کی مجلس عاملہ اور نمائندگان اسمبلی و کانسل کا مشترکہ جلسہ ۹ بجے دن کو پارٹی کے دفتر میں منعقد ہوا، تو قاضی احمد حسین صاحب نے وزارت قبول کرنے کی مخالفت کی، اس جلسہ میں ارکان عاملہ کے علاوہ حسب ذیل حضرات نے شرکت کی تھی۔

- ۱- مسٹر سید تقی امام صاحب
- ۲- چودھری شرافت حسین صاحب
- ۳- مولوی اسلام الدین صاحب

- ۴- مولوی محمد طاہر صاحب
- ۵- مولوی عبدالجلیل صاحب ۶- مولوی ابوالاحد محمد نور صاحب
- ۷- مولوی عبدالحمید صاحب
- ۸- مولوی محمد یعقوب صاحب
- ۹- مولوی رفیع الدین رضوی صاحب ڈپٹی لیڈر انڈی پینڈنٹ پارٹی
- ۱۰- چودھری نظیر الحسن صاحب
- ۱۱- مولوی شفیق الحق صاحب

اس موقع پر مسٹر محمد محمود صاحب نے وہ تجویز پیش کی جو قاضی احمد حسین نے مرتب کی تھی اور مجلس عاملہ میں پیش کی تھی، اور مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر جس کے وہ مخالف ہو چکے تھے، مولانا عثمان غنی صاحب نے اس تجویز کی تائید کی، لیکن رفیع الدین رضوی اور قاضی احمد حسین صاحب کی تقریریں سننے کے بعد مولانا عثمان غنی صاحب غیر جانبدار ہو گئے۔ رفیع الدین رضوی نے تجویز کے خلاف ایک طویل تقریر کی انہوں نے کہا کہ ”عہدہ قبول کرنا غیر دانشمندانہ ہوگا، قاضی احمد حسین نے کہا کہ:

”مجلس عاملہ میں میں نے رائے دی تھی کہ عہدہ قبول کرنا چاہئے مگر اس چند روز کے تجربہ نے ہمیں بتایا کہ ہماری کابینہ قطعاً بے بس ہوگی، یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو گرفتاریاں ہوئیں مگر آج تک ان کو رہا نہیں کیا گیا، دوسرے گورنر کو اس پر بھی اصرار ہے کہ ان کا کوئی آدمی بھی کابینہ میں رہے گا، وہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر مسٹر یونس نے ان کے آدمی کو قبول نہیں کیا تو وزارت کی تشکیل کی ذمہ داری دوسرے لوگوں کے سپرد کریں گے اس لئے میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عہدہ قبول نہ کیا جائے جس کی ابتدا یہ ہے اس کی انتہا نہ پوچھ۔“

اس کے بعد اور لوگوں نے بھی تقریریں کیں۔

آخر میں صدر پارٹی حضرت مولانا سجاد کے ایماء پر رائے شماری کی گئی تو ایک ووٹ کی اکثریت سے وزارت قبول کرنے کا فیصلہ کیا گیا، تجویز کی حمایت میں حسب ذیل حضرات نے ووٹ دیئے:

- ۱- مسٹر محمد محمود بیرسٹر جنرل سکریٹری
- ۲- چودھری شرافت حسین
- ۳- ابوالاحد محمد نور
- ۴- مولوی اسلام الدین
- ۵- مولوی عبدالجلیل
- ۶- چودھری نظیر الحسن

- ۷- مولوی شفیق الحق صاحب
۸- مولوی طاہر
۹- نواب تھل حسین
۱۰- مسٹر محمد یونس
۱۱- مولوی جعفر امام صاحب
۱۲- مولوی قدیر الحسن صاحب

جب کہ مندرجہ ذیل حضرات نے وزارت قبول کرنے کی مخالفت کی:

- ۱- حافظ محمد ثانی
۲- قاضی احمد حسین
۳- سید تقی امام صاحب
۴- ظلیل احمد صاحب
۵- بدر الحسن صاحب وکیل
۶- مولوی اسماعیل خان صاحب
۷- مولوی شرف الدین صاحب باڑھ
۸- مولوی رفیع الدین رضوی ڈپٹی سیکرٹری پنڈنٹ پارٹی
۹- مولوی محمد یعقوب صاحب
۱۰- سید محمد حفیظ صاحب وکیل
۱۱- مولوی عبدالحمید صاحب

مولانا عثمان غنی صاحب اور مولانا حسین صاحب غیر جانبدار رہے، مولانا مننت اللہ صاحب جلسہ میں موجود نہیں تھے، اس طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ امارت شرعیہ کے کسی کارکن نے اس موقع پر کھن کر وزارت قبول کرنے کی حمایت نہیں کی، پھر بھی چونکہ حاضرین کی ایک ووٹ کی اکثریت سے وزارت قبول کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی اس لئے امارت کے کارکنوں نے وزارت کو کامیاب بنانے میں پوری مدد کی۔^۱

البتہ خود حضرت مولانا سجاد صاحب کی ذاتی رائے وزارت قبول کرنے کے حق میں پہلے سے ہی تھی۔^۲



۱- حسن حیات ص ۸۰ تا ۸۲۔

۲- محسن جمیل ص ۱۰۱ مضمون مولانا مننت اللہ رضائی ۷۷ حیات سہ ماہی ۱۳۳۳ مضمون مولانا محمد عثمان غنی۔

فصل چہارم

حکومت سازی کی تجویز منظور

جناب بیرسٹر محمد یونس صاحب کی بحیثیت وزیراعظم حلف برداری

کیم اپریل ۱۹۳۷ء (۱۹ محرم ۱۳۵۶ھ) کو جناب بیرسٹر محمد یونس صاحب نے وزارت

۱۔ جناب محمد یونس صاحب کی ولادت ۲۷ مئی ۱۸۸۳ء (۸ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ) کو گڑھ میں ایک روایت کے مطابق اپنے آہنی گاہک "غیر" میں اور دوسری روایت کے مطابق "نہال" سلیم پور پہلا "میں ہوئی، مہاجر اپنڈہ طبع کے نوبت پور تھا نہ میں پڈنڈہ شیر کے جنوب مغرب میں کوئی محلہ میل کی دوری پر پین پین ندی کے ٹھیک کنارے پر اس کے مغرب جانب واقع ہے، اس وقت یہ ایک کورہ دیہات تھا، جہاں کوئی کچی یا کچی ہڈیاں نکلتی جاتی تھیں، نہ کوئی اسکول تھا، نہ اسپتال اور نہ ڈاک خانہ، بلکہ یہ پور علاقہ ہی انتہائی پسماندہ تھا، لیکن علمی اور ثقافتی اعتبار سے نہ صرف گڑھ بلکہ پورے صوبہ بہار کا اسے دماغ تصور کیا جاتا تھا، اس علاقہ کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بڑی بڑی نامور بھتیجیاں پیدا ہوئیں (مسٹر محمد یونس بارانٹ لا رائیک تھارف، ان کا مریض تھی رنیم ص ۹۳۶ میں ان بستیوں اور وہاں پیدا ہونے والی نامور شخصیتوں کی تفصیل موجود ہے، ملاحظہ کریں۔) واضح رہے کہ کامریض تھی رنیم صاحب بھی اسی دیار کے مہاجر اسے چار میل کے فاصلہ پر شام میں واقع بہار نواں گاؤں کے رہنے والے ہیں (جہاں سے تہذیب و ثقافت، علم و ادب، درس و تدریس، اور روحانیت و اخلاق کے سوتے پھونکتے تھے، یہاں تک کہ آج بھی جب کہ یہ علاقہ مسلمانوں سے گویا خالی ہو چکا ہے، اور ان کی بھتیجیاں ویران اور کھنڈر پزی ہیں، بہار کی عنوان زندگی پر ان کے علمی و ثقافتی و سماجی اور سیاسی کاموں کی چھاپ بہت واضح اور روشن ہے، انجیلی صدی کے نصف آخر میں حقیقی بڑی تعداد میں اونچے پایے کے علماء، فضلا، ادیب و شاعر، خطیب و واعظ، کھلاء، قانون دان، دانشور اور سیاسی مدبرینز دور سے اعتبار سے عظیم بھتیجیاں اس علاقے میں پیدا ہوئیں اس کی مثال ملک کے کسی دوسرے خطہ میں شاید ہی مل سکے۔

۲۔ بچپن میں ہر طرف بھری ہوئی تھیں داستان میری

اسلام کی صمیمی تہذیب سے اس علاقہ کے غیر مسلم بھی کافی فیضیاب تھے۔

جناب یونس صاحب کی پرورش و پرورش و پرورش موضع بہار میں ہوئی، ان کے والد کا نام مولوی می حسن تھا، ان کی گرامی اور اپنے چچے میں کا صواب بیرسٹر تھے، کافی جانداز، بٹائی اور خوب نام پیدا کیا، ان کے والد کے تھے، بڑے محمد پور سے اور چھوٹے محمد یونس، یونس صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر کتب میں حاصل کی، اور اردو، فارسی اور عربی میں اچھی صلاحیت پیدا کر لی، پڈنڈہ کا نیت سے میٹرک پاس کیا، اور میٹرک پاس کرنے کے بعد پڈنڈہ کالج میں داخلہ لے کر انیف اسے میں پڑھنے گئے۔

۳۔ اچھا بھلا صاحب نے بڑے لڑکے محمد پور سے کویر سبزی پڑھنے کے لئے لندن بھیج دیا، یونس صاحب نے بھی لندن جانے کی ضد کی، لیکن والدراضی نہیں ہوئے، ۱۹۰۲ء میں یونس صاحب کی شادی مرزا پور کے وکیل مولوی عبدالجبار صاحب کی لڑکی سے ہوئی، چنانچہ گھر پر کسی وکیل کے لئے بغیر والد کی مرضی کے خلاف صرف اہلیہ کو بھر دے کر اور نالبا انیس سے روپیہ لے کر یونس صاحب ۱۹۰۳ء میں لندن کے لئے روانہ ہو گئے، اپنی ضد پر قائم رہے اور والد محترم کو فرج پور آنے پر مجبور کیا، ۱۹۰۶ء میں انہوں نے بیرسٹری پاس کی، لندن کے دوران قیام انہوں نے یورپ کے کئی ملکوں کی سیاحت کی اور بارہا ملک متحدہ امریکہ کی یہ کی، ۲ مارچ ۱۹۰۶ء کو لندن سے واپس لوٹے اور کثرت ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے کے لئے اپنا نام درج کرایا، مگر چند ہی مہینوں میں وہاں سے پڈنڈہ آکر لو رورٹ میں پریکٹس کرنے گئے جہاں ان کی پریکٹس خوب چمکی۔

طالب علمی کی زندگی میں پڈنڈہ میں یونس صاحب کو اسپورٹس سے خاصی دلچسپی تھی، مگر لندن میں انہوں نے مختلف ممالک کی سیاحت اور مباحثہ کی مجلسوں سے زیادہ دلچسپی لی، پڈنڈہ میں پریکٹس شروع کرنے پر وکالت کے ساتھ مختلف سماجی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا، بارہ برسوں تک وہ بہار ہائی کورٹ میں ایسیوی ایشن کے سکریٹری رہے۔

→ انٹی نیوٹ کی موجودہ عمارت خاص طور پر ان کی سعی و کوشش کی مرہونِ محنت ہے، بہار اسٹوڈنٹس یونین کے کئی برسوں تک صدر رہے، جو بقول ڈاکٹر راجندر پرشاد ایک زمانہ میں سیاسی مسائل پر بحث و فکر کے لئے بہار یوں کا واحد ادارہ تھا، پندرہ بیٹی میونسپلٹی کے لئے تین بار چنے گئے، اور اچھی خدمات انجام دیں، ابتدا میں کانگریس کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، ۱۹۰۸ء کے لاہور سیشن میں پہلی بار بلی گیٹ کی حیثیت سے شریک ہوئے، لیکن گاندھی جی کی عدم تعاون کی پالیسی سے اختلاف کے باعث ڈاکٹر پیٹمانند سنہا، اور سر علی امام وغیرہ کی طرح کانگریس سے الگ ہو گئے، ۱۹۱۶ء میں بھی بار امپیریل کونسل کے ممبر منتخب ہوئے، پھر بہار وائسہ کونسل کے انتخاب میں ۱۹۲۱ء میں حصہ لیا، کامیاب ہوئے، اور ۱۹۲۲ء تک اس کے ممبر رہے، ۱۹۳۲ء میں پھر بہار کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۳۶ء تک اس کے ممبر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۳۳ء میں انہوں نے فریضہ حج ادا کیا، اور اس سفر کے دوران مقامات مقدسہ کی زیارت بھی کی، ساتھ ہی مشرق وسطیٰ عرب اور شمالی افریقہ کے مسلم ممالک کی سیاحت کی۔

یونس صاحب کے والد خود مینڈرائٹس تھے، انہوں نے زیادہ تر جائیداد کاشت کی صورت میں بنائی اور بڑی اچھی بھتی کرواتے تھے، یونس صاحب کو جزمین والد صاحب سے ملی ان پر یہ جدید طریقہ سے بہت اچھی بھتی کرتے تھے، وہ ایک ماہر کاشتکار کے ساتھ پٹنہ ہائی کورٹ کے چوٹی کے جیڑٹر اور مختیار پور بہار ریلوے کے مالک بھی تھے، ایک انگریزی پریس بھی ان کا تھا، اور ایک ڈیلی انگلش اخبار پٹنہ انگریز کے مالک بھی تھے، ان کا گرانڈ ہوٹل پٹنہ کا سب سے پرانا اور سب سے پرانا انگریزی وضع کا ہوٹل تھا، ویسے تو کئی ہوٹلوں کے ڈائریکٹر تھے، لیکن اورینٹ بینک کے نام سے اپنا ایک بینک قائم کیا، ایک انشورنس کمپنی بھی ان کی تھی، اسی ایک گرانڈ ہوٹل میں ان کی رہائش گاہ بھی تھی، اور جیڑٹری کا چیمبر بھی تھا، پریس بھی تھا، اور اخبار بینک، انشورنس کمپنی اور لائٹ ریلوے کا دفتر بھی، اور کمال یہ کہ ان سب کی نگرانی خود ہی کرتے تھے۔

مسٹر یونس اپنے وقت میں بہار کے سب سے بڑے جیڑٹروں میں تھے، اور کافی محنت سے کام کرتے تھے، انہوں کا مطالعہ کافی وسیع تھا، حضرت مولانا محمد جواد صاحب نے انڈی پینڈنٹ پارٹی بنائی تو اس پارٹی کو مضبوط بنانے اور برسرِ اقتدار لانے میں مسٹر یونس کے عوامی رابطہ نے بڑا کام کیا۔ ۱۹۳۷ء میں صوبہ بہار کے پیپے وزیر اعظم ہوئے، بناوٹ اور تقسیم سے دور صاف گوئی کے عادی تھے، اس لئے سنے حکمرانوں سے نہیں جی۔ ۱۹۳۶ء کے فسادات، ملک کی تقسیم اور بہار کے مسلمانوں کی تباہی کا ان کے دل و دماغ اور صحت پر برا اثر پڑا، پھر بھی فساد زدگان کی ریلیف کا کام غصوں اور مستعدی کے ساتھ انجام دیا، ہر آڑے وقت میں جمیع علماء ہند اور امارت شریعہ اور عام مسلمانوں کے کام آئے، اسی درمیان ۱۹۳۶ء میں ان کے بڑے لڑکے نسیم یونس کا انتقال ہو گیا، بوہڑا بیٹے کی موت کا صدمہ جانکاہ ثابت ہوا، اور جنس و دیگر آزمائشوں سے بھی دو چار ہونا پڑا، شذان کے بختیار پور ریلوے کے مسئلے میں الجھا کر ان کو نظر بند کر دیا گیا، اس کا قصہ یہ تھا کہ بختیار پور ریلوے کے وہ مالک تھے، کچھ لوگوں نے یہ ہنگامہ کیا کہ اس ریلوے کا انتظام اچھا نہیں ہے، ڈسٹرکٹ بورڈ کو چاہئے کہ اس کو اپنے قبضہ میں کر کے نظام درست کرے، چنانچہ ڈسٹرکٹ بورڈ نے زبردستی اس پر قبضہ کر لیا، اور جب اس کے آدمی حساب لینے کے لئے مسٹر یونس صاحب کے پاس گئے تو مسٹر یونس نے حساب دینے سے انکار کر دیا، اس پر طرفین میں کچھ تیز و تڑش باتیں ہوئیں، چنانچہ یونس صاحب کے خلاف فوجداری مقدمہ دائر کر دیا گیا، پھر ڈاکٹر کی اس رپورٹ پر کہ ان کو اپنے مکان سے منتقل کیا گیا، تو ان کی زندگی کو خطرہ ہو سکتا ہے، ان کو گھر ہی پر نظر بند کر دیا گیا، شاہ محمد عثمانی صاحب اپنے سابقہ حقائق کے پیش نظر ان سے ملنے گئے تو انہوں نے عثمانی صاحب کو ایک درخواست اور مسلح پولیس کے پہرہ کی تصویریں دیں اور کہا کہ آپ جو اہل لال تک میری یہ درخواست پہنچاویں، عثمانی صاحب وہ کاغذات لے کر وہاں پہنچے تو حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سے معلوم ہوا کہ جواب لال آج ہی انڈونیشیا جا رہے ہیں، اس لئے ان سے ملاقات و مشاورت ہے، مولانا حفظ الرحمن صاحب کے ساتھ و ہر دار ٹیبل سے ملے ہر دار ٹیبل نے وہ کاغذات لے لئے اور کہا کہ پڑھ لوں تو کوئی کاروائی کروں گا ہر دار ٹیبل کے بعد میں مولانا حفظ الرحمن صاحب کو اطلاع دی کہ انہوں نے ایک نوٹ بہرہ گورنمنٹ کو بھیجا ہے، اس کے بعد سے مسٹر یونس سے پولیس کا پہرہ اٹھ گیا، تاہم ہائی کورٹ اور پھر ہیریم کورٹ میں وہ مقدمہ لڑتے رہے، اور وہ کیس جیت بھی گئے، لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے نے ریلوے کی قیمت لے کر اس سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

ان حادثات سے جیڑٹری یونس صاحب کی صحت بے حد متاثر ہوئی، اور وہ علاج کے لئے لندن چلے گئے، اور اسی دیارِ غیر میں ۱۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲۴ شوال الحکم ۱۳۷۵ھ) کو اس دارفانی سے عالم جاودانی کے لئے رخصت ہو گئے، خواجہ کمال الدین کی تعمیر کردہ ورکنگ مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی، اور وہاں سے تین تیس دور بروک ووڈ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اولاد میں صرف دو لڑکے نسیم یونس اور یعقوب یونس ہوئے، دونوں تعلیم یافتہ تھے، بڑے لڑکے نسیم یونس باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے، چھوٹے صاحبزادے یعقوب یونس جلد تک زندہ رہے (مسٹر محمد یونس بار ایٹ لاء ایک تعارف از کامریڈ فقیر رحیم ص ۵ تا ۱۵) انہوں نے ہوئے تاریخ ۱۳۷۵ تا ۱۳۷۶ھ

عظمیٰ کا حلف لیا اور بہار کے پہلے وزیراعظم (فرسٹ پریمیر آف بہار) کی حیثیت حاصل کی۔^۱
 بہر حال مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی حکومت میں دیگر وزراء کے ساتھ گورنر کی خواہش کے مطابق اس کے کامیاب ممبران کے علاوہ جناب عبدالوہاب خان صاحب، بابو گرسہائے لال،
 اور کمارا جیت پرشاد نگھ دیو بھی شامل تھے۔^۲
 سر سلطان احمد ایڈوکیٹ جنرل بنائے گئے۔^۳

کانگریس کا رد عمل

کانگریس پارٹی کو یہ ہرگز توقع نہیں تھی کہ انڈی پنڈنٹ پارٹی اتنی عجلت کا مظاہرہ کرے گی اور اس کے علی الرغم وزارت سازی کے لئے آمادہ ہو جائے گی، اس لئے کہ سیاسی حلقوں میں انڈی پنڈنٹ پارٹی کانگریس کی اتحادی پارٹی تصور کی جاتی تھی، انڈی پنڈنٹ پارٹی کے حکومت سازی کے فیصلہ سے کانگریس کو حیرت بھی ہوئی اور ناراضگی بھی، کانگریسی قائدین نے اس کو مولانا تاجدار اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کی بڑی سیاسی بھول قرار دیا، بہار، اڑیسہ اور آسام کے الیکشن انچارج ڈاکٹر راجندر پرشاد (جو بعد میں آزاد ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ بنے) اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

”بہار صوبہ میں یہ کام گورنر نے مسز محمد یونس کے سپرد کیا یہ حضرت مسلم انڈی پنڈنٹ کی طرف سے چنے گئے تھے، جس کے خاص معاون تھے مولانا ابوالحسن محمد سجاد جو جمعیت العلماء کے خاص رہنما تھے۔ سمجھا جاتا تھا کہ اس (محمد یونس) کے ساتھ ان کی پوری ہمدردی ہے۔ چناؤ میں بھی اگرچہ ان سے صلح نہیں تو کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوا تھا۔ کتنے ہی کانگریسی مسلمانوں نے ان کی پارٹی میں اس نئے نام لکھا یا تھا کہ وہ اس طرح آسانی سے چنے جاسکیں گے۔ خاص کر جب وہ یہ سمجھتے تھے کہ کانگریس کی پالیسی سے مولانا سجاد بڑی حد تک متفق ہیں۔ مگر اس موقع پر مولانا چو کے، انہوں نے اپنی پارٹی میں طے کیا کہ وہ وزارت بنائیں۔ معلوم نہیں وہاں کیا ہوا؟ طرح طرح کی باتیں اس زمانے میں ہوا میں تھیں۔“^۴

۱- حسن حیات ص ۸۰ تا ۸۲، انقلاب ۳ مارچ ۱۹۳۷ء، تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۲، تقی رحیم صاحب، صوبہ بہار کے پہلے وزیراعظم پیر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ص ۷ مرتبہ: جناب، ہفت نامہ فلسفی، شائع کردہ: سید نذیر ورنائز، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء۔ واضح رہے کہ ہفت نامہ فلسفی صاحب، آیت عرصہ تک حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل رہے، جیسا کہ انہوں نے انتساب کتاب میں خود اس کا اظہار کیا ہے (ص ۳)۔

۲- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۲، تقی رحیم صاحب۔

۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۶، تقی رحیم صاحب۔

۴- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۶، اپنی کہانی ”ازاد گورنر راجندر پرشاد“ ص ۷۹۲، ۷۹۳۔

یہ مولانا کی سیاسی بھول ہو یا نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے لئے خود کانگریس کا اپنا رویہ بھی ذمہ دار تھا، کانگریس کے طرز عمل نے مسلمانوں کو سخت مایوس کر دیا تھا، ورنہ مولانا نے پارٹی کی پہلی میٹنگ میں ہی میں کانگریس کو مخلوط حکومت بنانے میں اپنے تعاون کا اشارہ دیا تھا، لیکن کانگریس نے اپنی غیر متوقع فتح کے غرور میں اس کو مسترد کر دیا تھا۔^۱

بہار میں انڈی پنڈنٹ پارٹی کی مثالی اور تاریخ ساز حکومت

بہار کی حکومت گو کہ بظاہر وزیراعظم مسٹر محمد یونس بیرسٹر کے ہاتھ میں تھی مگر حقیقت میں اس کے روح رواں اور پالیسی ساز پارٹی کے پارلیمنٹری بورڈ کے صدر حضرت مولانا محمد سجاد کی ذات گرامی تھی۔^۲

مسٹر یونس صاحب نے حضرت مولانا کی سربراہی میں شاندار حکومت چلائی، اور خیر القرون کی یاد تازہ کر دی، ان کا دروازہ رات و دن ہر عام و خاص کے لئے کھلا رہتا تھا، کسی سے ملنے سے کبھی انکار نہیں کیا، ہر ایک سے ملتے اور اس کے لئے ضروری ہدایات دیتے، تقریباً پورے صوبہ اور صوبہ کے اندر دور افتادہ دیہاتوں تک کے انہوں نے دورے کئے، اور لوگوں کے مسائل خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اور سنے، مسٹر یونس کو ان تمام مشکلات کا سامنا ہوا جو کسی غریب ریاست کے ذمہ دار کو ہو سکتا تھا۔ کسانوں کی شکایتیں بھی تھیں، گنے کی کاشت کا مسئلہ تھا، سیلاب کا قہر تھا، فرقہ وارانہ فسادات کی مصیبت تھی، ہندی اردو کا جھگڑا تھا، وغیرہ انہوں نے ہر مسئلہ کو جماعتی یا مذہبی تصورات سے بالاتر ہو کر حل کرنے کی کوشش کی۔^۳

قیدیوں کی رہائی

یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو کانگریس نے ہڑتال کا اعلان کیا ہوا تھا، اس سلسلے میں پرتشدد مظاہروں کا سلسلہ رات ہی سے شروع ہو گیا تھا، مسٹر یونس صاحب کی کوٹھی کے سامنے بھی مظاہرے ہوئے، جو ابھی تک وزیراعظم نہیں بنے تھے لیکن پارٹی لیڈر ہونے کی بنیاد پر متوقع وزیراعظم تھے، بہار پولیس نے مظاہرہ کئے بعض قائدین کو گرفتار کر لیا تھا، مسٹر یونس صاحب نے زمام حکومت ہاتھ

۱- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۵۔

۲- حیات سجاد ص ۱۵۲ مضمون مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی۔

۳- صوبہ بہار کے پہلے وزیراعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس مرتبہ اصغر امام قاضی ص ۱۲۔

میں لیتے ہی تمام قیدیوں کو غیر مشروط رہائی عطا کی، ۳۱ مارچ کی شب میں یہ لوگ گرفتار ہوئے تھے اور کیم اپریل کی صبح کو رہا کر دیئے گئے، اور باقی قیدیوں کے متعلق تفصیلات طلب کیں، تاکہ ان پر غور کر کے مناسب فیصلہ کیا جائے۔^۱

اس دور میں فرقہ وارانہ مزین پر اکثر جگہ مقدمے نہیں چلائے گئے، بلکہ ان میں اکثر لوگوں کو غیر مشروط طور پر چھوڑ دیا گیا، تاکہ ان کی رہائی سے امن و سکون کی فضا پیدا ہو اور فریقین کے درمیان سمجھوتہ میں آسانی ہو، آپ نے اپنے چار ماہ کے عرصہ حکومت میں سات دہشت انگیز قیدیوں کو غیر مشروط رہائی دی، جب مسٹر یونس جیل انسپکٹ کرنے گئے تو وہاں کئی گھنٹے رہے، اور ہر پولیٹیکل قیدی سے خود اکیلے میں باتیں کیں، اور اس کی شکایتیں دور کرنے کی کوشش کی۔^۲

فرقہ وارانہ ہم آہنگی

یونس حکومت نے فرقہ وارانہ کشیدگی پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا، ایسا نہیں تھا کہ ان کے زمانہ میں فسادات نہیں ہوئے، لیکن ان کے اثر اور مستعدی کی بدولت اسے زیادہ پھیلنے اور شدت پکڑنے کا موقع نہ ملا، جہاں کہیں فساد کی خبر آئی، خود بنفس نفیس موقعہ واردات پر پہنچے، اور خوش اسلوبی کے ساتھ فریقین میں سمجھوتہ کرایا۔^۳

اورنگ آباد فساد کے موقعہ پر وزیراعظم مسٹر یونس کا مثالی کردار

اورنگ آباد کے فساد کے موقعہ پر مسٹر یونس صاحب نے اسلامی سیاست اور رواداری کا جو نمونہ پیش کیا، اس کی کوئی مثال موجودہ دور کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، زمام حکومت سنبھالے ہوئے ابھی دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اورنگ آباد میں ہندو مسلم فساد بھڑک اٹھا، جس کی جڑیں پچھلے سات آٹھ ماہ سے جڑی ہوئی تھیں، یہ خبر ملتے ہی ۲۲ اپریل ۱۹۳۷ء (۱۰ صفر ۱۳۵۶ھ) کو یکایک آٹھ بجے دن میں وہ اورنگ آباد پہنچ گئے، اور ہندو مسلمان دونوں فریقوں سے مل کر باہم تصفیہ کروایا، ۲۵ اپریل کو مورقی کا قصہ ختم ہو گیا، اور مورقی بھسان ہو گئی، مسجد کو جو نقصان پہنچا تھا، اس کی بھی مرمت کرائی گئی، پچھلے کئی ماہ سے بہت سے بے قصور مسلمان اسی سلسلے میں جیل میں

۱۔ بہار کے پہلے وزیراعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک ٹکس م ۱۴، ۱۵ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔

۲۔ بہار کے پہلے وزیراعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک ٹکس م ۱۴، ۱۵ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔

۳۔ بہار کے پہلے وزیراعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک ٹکس م ۱۵ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔

بند تھے اور ان سے دس دس ہزار کی ضمانت طلب کی گئی تھی، ان کی رہائی کا فیصلہ کیا انہوں نے اورنگ آباد کی جامع مسجد میں مسلمانوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

”مذہب اسلام کی بنیاد پر بحیثیت وزیراعظم میرا فرض ہے کہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں طور پر جوہر و تقہ سے یکساں رکھوں۔“

وہ دن بھر معامات کو سمجھانے میں مصروف رہے، ظہر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی، اور اپنے سامنے سڑک سے پر امن طور پر مورتی کا جلوس گزار دیا، جس میں ہزاروں مسلح ہندو شریک تھے، خود چار گھنٹے جلوس کے ہمراہ رہ کر اس کی نگرانی کی، یہ آسمان کا منہ نہیں تھا، جب کہ مقامی حکام نے اس کی مخالفت کی تھی، لیکن ان کے قدم متزلزل نہیں ہوئے، ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ سارے جو کھم حضرت مولانا محمد سجاد کی ہدایات پر مول لئے تھے، مولانا کی حسن تربیت کے نتیجے میں بیرسٹر یونس صاحب نظم و ضبط کے فوائد ثابت ہوئے، اور اپنی معاملہ نمئی اور تدبیر کار یکارؤ قائم کیا، جس کی تعریف لندن پارلیامنٹ میں وزیر ہندارڈ ڈسلینڈ نے بھی کی، خود اورنگ آباد کے ہندو مسلمانوں نے ان کی حسن خدمت پر ایک مشترکہ بیان جاری کیا، جس پر وہاں کے تمام ممتاز اور معروف لوگوں نے دستخط کئے، اس بیان کا مضمون یہ تھا:

ہندو مسلمانوں کا مشترکہ نذرانہ تشکر

”بہم لوگ اورنگ آباد کے تمام باشندے (ہندو مسلمان) جناب وزیر اعظم بہار (مسٹر محمد یونس) کے بے حد ممنون ہیں۔ اور انتہائی مسرت اور غصوں دل کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ جن دو چوہوں کی بنیاد اورنگ آباد کی فضا مکمل تھی۔ اور جس سے آئندہ فساد کا اندیشہ تھا ان کا ناپ تھم ہو گیا۔“

- (۱) چرماٹ مارو سے اندیشہ فساد کے سبب کالی، مورتی کا بھسٹا نہیں ہوا تھا۔
- (۲) چند بے گناہ مسلمان جیل میں تھے، الحمد للہ آپ نے محکم وغوثی دونوں سبب دور کر دیے
- بکلی ہزار بندہ قتل کے مجمع نے مورتی اٹھائی اور غلوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ بھسٹاں کی رسم ادا کی اور مسلمان ماعوذین بد شرطنہ ہا کر دیئے گئے۔ اب فقہا بالکل صاف ہے، اور اورنگ آباد کے بندہ و اور مسلمان بھٹائی میں، اور آپ کی ترقی اقبال اور درازی عمر کے لئے دعا گو ہیں۔"

و ستخط کنندگان

ہذا رائے صاحب کشمی ہذا وکیل حکیم محمد فاضل خان ہذا راہبامند پرشاد ہذا کدہار ناتھ
ہذا خلیل الرحمن وکیل ہذا ابونصر خان ہذا شاہ علی خان ہذا رامیشور پرشاد وکیل ہذا بابو مادھو پرشاد

وکیل ☆ سید حسن خان جعفری ☆ غلام رسول خان خان (مانک خاکسار موٹر سروس) ☆ محمد محی الدین فاضل ☆ محمد عبدالودود وکیل ☆ سید شاہ غیاث الدین ☆ انزراکن سنگھ وکیل ☆ سید وسیم الحق ☆ منشی روصان علی ☆ کامیشور پرشاد ☆ شیوپر شاہ میٹن وکیل ☆ عبدالغفور خان ☆ فیاض الدین خان زمیندار ☆ سیتارام سنبھا وکیل ☆ غلام رسول خان (ممبر یونین) ☆ محمد ایوب عثمان ☆ حمید اللہ خان ☆ غلام مخدوم عبدالحی (تاجر) ☆ منشی دوست محمد۔

پھر اورنگ آباد کے ہندو مسلمانوں نے مل کر وزیراعظم صاحب کو اپنے یہاں دعوتیں دیں، جس میں وزیراعظم صاحب نے بطور خاص شرکت کی۔^۱

اس واقعہ سے جہاں حضرت مولانا سجاد کی مثالی اور پر امن حکومت کا نقشہ ذہن میں گھوم جاتا ہے وہیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اگر نیک دل اور صاحب عزم ہو تو ملک میں بد امنی و فساد کی جڑیں کبھی نہیں پنپ سکتی ہیں۔

لوکل باڈیز کی واپسی

عوامی نمائندہ حکومت کا منشا یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حکومت خود اختیاری کی تعلیم دی جائے، اور اسی تعلیم اور تجربہ کے لئے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹیوں کا وجود تمام شہروں میں ہوتا ہے، جناب محمد یونس صاحب نے زمام حکومت سنبھالتے ہی وہ لوکل باڈیز جنہیں گزشتہ انگریزی حکومت نے بحق سرکار ضبط کر لیا تھا، ان کا انتظام و انصرام پھر عوام کے نمائندوں کے سپرد ہونے کا اعلان کر دیا، اور جن مقامات کی میونسپلٹیاں ضبط تھیں وہ آزاد کر دی گئیں، چنانچہ ان میں سے تمام میونسپلٹیوں کے عام انتخابات ہوئے اور عوام کے نمائندے ان میونسپلٹیوں میں منتخب ہو کر آئے اور وہ میونسپلٹیوں کو عوام کے نمائندہ کی حیثیت سے چلانے لگے۔

جن مقامات کی میونسپلٹیاں آزاد کی گئیں تھیں وہ حسب ذیل ہیں:

- | | |
|-------------------------|---------------------------------------|
| (۱) گیا میونسپلٹی | (۲) باڑھ میونسپلٹی |
| (۳) بھاگلپور میونسپلٹی | (۴) دیو گھر میونسپلٹی |
| (۵) مادھو پور میونسپلٹی | (۶) بھاگلپور ڈسٹرکٹ بورڈ ^۲ |

۱۔ صوبہ بہار کے پہلے وزیراعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ۱۵ تا ۱۸ مرتبہ جناب اصغر امام قسطنٹی۔

۲۔ صوبہ بہار کے پہلے وزیراعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ۱۸ مرتبہ جناب اصغر امام قسطنٹی۔

مسلم انڈینڈسٹریٹ حکومت کی بعض تاریخ ساز خدمات

اس طرح حضرت مولانا سجاد نے سقوط اسلامی ہند کے بعد پہلی مرتبہ ایک ایسے نظام حکومت کی شروعات کی جس کی بنیاد امن و انصاف اور آپسی بھائی چارہ پر تھی، پھر ایک عرصہ سے مذہب و ہال صوبہ بہار نے کروٹ لی اور امن و امان اور پیداواری ترقی کی طرف اس نے سفر شروع کیا، اس حکومت میں بہت سی تاریخ ساز خدمات انجام دی گئیں، کم وقت میں بہت زیادہ کام کئے گئے، کئی اہم قوانین منظور کئے گئے جن کی اہمیت بالخصوص مسلمانوں اور سنانوں کے نقطہ نظر سے بہت زیادہ تھی، مثلاً:

سرکاری دفاتر میں اردو زبان کا اجراء

(۱) سرکاری دفاتر میں اردو زبان جاری گئی، عدالتوں میں اردو رسم الخط کے استعمال کے متعلق حسب ذیل سرکاری اعلان اس وزارت نے جاری کیا۔

”کافی غور و خوض کے بعد وزارت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ اردو تحریر کے استعمال کی اجازت پٹنہ کمشنری سے باہر بھی کیوں نہ دی جائے اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یہاں جون 1937 سے تمام عدالتوں اور دفاتروں میں اردو تحریر مستقل بنیاد پر جاری کر دی جائے۔“

حکومت کے اس فیصلہ پر دیگر لوگوں کے ساتھ قاضی عبدالودود بیر سرنے بھی مبارک باد پیش کی۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

”پہلی خدمت سرکاری دفاتر میں اردو زبان کا اجراء ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس میں مولانا کی کن کن کوششوں کو دخل ہے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اگر مولانا مرحوم اس کے لئے کوشاں نہ ہوتے تو آج بھی یہاں اردو کے ساتھ اچوت ہی بیسار سوک ہوتا۔“

کسانوں کے لگان میں تخفیف

(۲) حضرت مولانا رحمانی لکھتے ہیں:

”پارٹی کی دوسری اہم ترین خدمت جس سے صوبہ کے تمام کسان آج تک مستفید ہو رہے ہیں، وہ دفعہ ۱۱۲ کی ترمیم ہے، جس سے کسانوں کو کئی طرح سے تخفیف لگان کا فائدہ پہنچا آج کانگریسی

- دیات سجاد مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی ص ۲۷ مضمون حضرت مولانا محمد عثمان فی ص ۱۳۳۔ مضمون حضرت مولانا سجاد رحمانی ص ۱۵۲۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۶ قلمی رنیمر

حضرات کسانوں کی بھلائی اور فلاح و ہیود کا دم بھرتے پھرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کا نام ہے الہی
پینڈنٹ پارٹی کا اور یہ سب کچھ مولانا محمد موسیٰ کے اشارہ پر ہوا تھا۔"

۵) کو وزیراعظم جناب یونس صاحب نے حکومت سے استعفا دے دیا، لیکن گورنر کی درخواست پر ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء مطابق ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ تک حکومت کا کام سنبھالے رہے اس طرح مسٹر یونس کی حکومت (یکم اپریل ۱۹۳۷ء تا ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء) کل ایک سو دس دن چل سکی یعنی قریب چار ماہ، اس کے بعد بہار حکومت کی کمان کانگریس پارٹی کے پاس منتقل ہو گئی، کانگریس کے پارٹی لیڈر بابو سری کرشن سنہا نے ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو وزیراعظم کا حلف لیا، اور اسی دن ان کے ساتھ بی انوگرہ بابو، ڈاکٹر سید محمود اور جگ لال چودھری نے بھی ان کی کابینہ کے وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھایا، رام دیا لوسنگھ اسمبلی اسپیکر اور پروفیسر عبدالباری ڈپٹی اسپیکر، مولوی سعید الحق پارلیمنٹری سکریٹری، اور سر سلطان احمد کے استعفا کے بعد بابو بلند یو سہائے ایڈووکیٹ جنرل بنائے گئے۔^۱

کانگریس کا مایوس کن رویہ

کانگریسی حکومت نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی سیاسی سرگرمیوں پر روک لگانے والے پہلے احکام واپس لے لئے، بہار سیفی ایکٹ کے تحت نظر بند لوگوں کو جن کی تعداد ۲۷ تھی فوراً رہا کر دیا گیا، ۹۲ ضبط شدہ کتابوں پر سے پابندی اٹھالی گئی، اخبارات اور اداروں پر عائد پابندی بھی ہٹائی گئی، اس کے ساتھ ہی لوکل باڈیز اور سرکاری اداروں کی عمارتوں پر قومی جھنڈا (کانگریسی جھنڈا) لہرانے پر جو روک تھمی، اسے بھی ختم کر دیا گیا، جس کو لے کر مسلم حلقوں کی طرف سے بڑے اعتراضات ہوئے اور بڑی ناگوار صورت حال پیدا ہو گئی۔^۲

کانگریس نے اپنے عہد حکومت میں مسلسل ایسا رویہ اختیار کیا، جس سے عام مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے، بالخصوص بہار کے مسلمانوں نے کانگریس کے لئے جو قربانیاں پیش کی تھیں، اور ان کو کانگریس سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں، مسلمانوں نے ابتدا سے ہی کانگریس کی حمایت کی تھی، بہار میں کانگریس تنظیم کی بنیاد ہی مسلمانوں نے کھڑی کی، بہار کو بنگال سے الگ کر کے ایک نئے صوبہ کی تعمیر و تشکیل میں بھی مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا، ہوم رول، تحریک خلافت اور عدم تعاون سے صداقت آشرم کی تعمیر تک ہر مرحلہ میں مسلمانوں نے کانگریس کی قیادت کی، وغیرہ، اس لئے ان کا حق کسی طرح بھی ہندوؤں سے کم نہیں تھا، اسی لئے مولانا آزاد

۱- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵

بھی چاہتے تھے کہ کانگریس اپنے قومی کردار کو اجاگر کرنے کے لئے بمبئی کا وزیراعظم مسٹر نریمان کو (جو ایک پارسی تھے) اور بہار کا وزیراعظم ڈاکٹر سید محمود صاحب کو بنائے، بہار میں ڈاکٹر راجندر بابو کو چھوڑ کر کوئی اس درجہ کا قدامتور لیڈر بھی نہیں تھا، ڈاکٹر صاحب بھی اپنے کو اس کا حقدار سمجھتے تھے، لیکن خود مولانا آزاد کے بقول سردار ولہ بھائی ٹیل اور ڈاکٹر راجندر پر شاد نے اس مسئلہ کو فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے دیکھا اور ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں مولانا کو پنڈت نہرو سے بہت امیدیں تھیں، لیکن اس مسئلہ پر ان سے بھی ناامیدی ہوئی، اور آخر بہار میں ڈاکٹر سید محمود صاحب کی جگہ بابو سری کرشن کو پارٹی لیڈر اور پھر وزیراعظم بنایا گیا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب اس سے اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ وہ بحیثیت ممبر کا بینہ میں شرکت کے لئے ہرگز رضامند نہ تھے، لیکن جواہر لال نہرو کے دباؤ میں شامل ہو گئے۔^۲

سر سلطان احمد کی جگہ پر بابو بلند یو سہائے کو ایڈوکیٹ جنرل بنانے کا فیصلہ بھی اسی ذہنیت پر مبنی تھا اور یہی سوچ ملک میں مسلم لیگ کے عروج اور پھر ملک کی تقسیم کا سبب بنی۔^۳

کانگریسی حکومت میں شمولیت سے انڈی پنڈنٹ پارٹی کا انکار

کانگریس نے حکومت سنبھالنے کے بعد مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو حکومت میں شامل کرنے کی کوشش کی، اور غالباً ایک وزیر اور دو پارلیمنٹری سکریریوں کی بھی پیشکش کی گئی تھی، لیکن کانگریس کے سابقہ رویہ سے مسلمان بہت رنجیدہ تھے علاوہ اور بھی کئی مصالح تھے جن کی بنا پر حضرت مولانا سجاد نے شرکت کو قبول نہیں فرمایا۔^۴

لیکن اقتدار میں شامل نہ ہونے کے باوجود بھی مولانا اور ان کی پارٹی کا ممکنہ تعاون کانگریسی حکومت کو حاصل رہا اور مولانا نے ملک و ملت کے مفاد میں بہت سے اہم فیصلے اس حکومت کے ذریعہ بھی کرائے۔ لیکن خود کانگریس کا رویہ درست نہیں تھا، جس سے ملک کی سیاسی صورت حال پر منفی اثرات پڑے۔

جناب تقی رحیم مرحوم، سی پی آئی (ایم ایل) کے سابق ممتاز رہنما اپنی کتاب "تحریک آزادی

۱- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۳ تقی رحیم صاحب بحوالہ انڈیا انس فریم از مولانا ابوالکلام آزاد (مکمل نہیں صفحات کے اضافہ کے ساتھ) ص ۱۸۲۱۔

۲- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۳ تقی رحیم صاحب بحوالہ "اپنی کہانی" از ڈاکٹر راجندر پر شاد ص ۸۱۵۔

۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۳ تقی رحیم صاحب

۴- حیات سجاد ص ۱۳۳ مضمون مولانا محمد عثمان نقی صاحب۔

میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ میں مسلم انڈی پنڈنٹ کی وزارت سے علاحدگی کے بعد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”انڈی پنڈنٹ پارٹی کے اپوزیشن بیچ پر بیٹھنے کا اچھا اثر بہار کی عوامی زندگی پر نہیں پڑا، کیونکہ مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والی سب سے بڑی پارٹی ہونے کی حیثیت سے ہندو اور مسلمان دونوں اس کی پارلیمانی سرگرمیوں اور عام سیاسی کاروائیوں کو اپنے اپنے ڈھنگ سے فرقہ وارانہ رنگ میں دیکھنے لگے۔ مسلمان اپنی اس سب سے بڑی پارٹی کو جس کے رہنما جنگ آزادی میں کانگریس کے حلیف بلکہ برابر کا شریک تھے، اقتدار سے محروم دیکھ کر بے یقینی اور احساس کمتری کا شکار ہو گئے، جب کہ کانگریس کے عام کارکن خود کو کمرانوں کی برادری کا اور دوسروں کو غیر برادری کا فرد سمجھنے لگے، یہاں تک کہ کانگریسی خیال کے جو مسلمان رہنما مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے، انہیں بھی کانگریس اور کانگریسی حکومت کا مخالف سمجھ لیا گیا، اور سرکاری حلقوں میں ان کا اثر کم ہو گیا، جس کا اتنا ناخوشگوار اثر ان کے دل و دماغ پر پڑا کہ قوم پرستی کی اپنی پرانی سیاست پر سے ان کا یقین ہی اٹھ گیا، بہار کی عوامی اور سیاسی زندگی پر مسلمانوں کا بدبہ اور اثر جو کانگریس کے ابتدائی دور سے چلا آ رہا تھا، اسے اکھڑتا دیکھ کر عام مسلمان انتہائی اضطراب اور ہیجان میں مبتلا ہو گئے، اور اپنی روایتی سیاست سے بے یقین ہو کر نیا سیاسی سہارا ڈھونڈنے لگے، جس کی وجہ سے مسلم لیگ کو چننے اور اپنی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع خود بخود فراہم ہو گیا۔“

اس طرح کانگریس کے منفی اور غیر روایتی سلوک نے بالواسطہ طور پر مسلم انڈی پنڈنٹ کو کمزور اور مسلم لیگ کو مضبوط کرنے کا کام کیا۔



مضبوط منصوبہ بندی اور راسخ عزم و ہمت

☆ مولانا کا تیسرا سیاسی امتیاز ان کی حکمت عملی، مضبوط منصوبہ بندی، اور راسخ عزم و ہمت ہے

، اس کا اعتراف آپ کے سیاسی ناقد جناب راجب احسن صاحب کی زبان سے سنئے:

”مولانا مرحوم جس بات کا عزم کر لیتے تھے اور جو بات ان کے ذہن میں جم جاتی تھی۔۔۔ اس کے لئے اپنے غیر معمولی دماغ اور جسم کی ساری قوتوں کے ساتھ وقف ہو جاتے تھے اور جی جان سے اس کے پیچھے پڑ جاتے اور ہر طریقہ سے اس کو کامیاب کرنے کے لئے ممکن سے ممکن تدبیر سے دریغ نہیں کرتے تھے، وہ اپنے مخالفین کے کیمپ میں پھوٹ ڈالنے اور ان کی قوتوں کو پاش پاش کر دینے کی ہر ممکن صورت اختیار کرتے تھے۔ مولانا کبھی شکست قبول نہیں کرتے تھے اور کبھی شکست کو معاف بھی نہیں کرتے تھے، وہ کبھی نہ تھکنے والے کارکن تھے اور باوجود لیڈر ہونے کے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے معمولی سے معمولی اور حقیر سے حقیر کام کرنے میں بھی مار محسوس نہیں کرتے تھے، وہ ایک بڑے کام کا نقشہ بہت سنجیدگی اور غور و فکر کے بعد بناتے تھے اور اس کو عمل میں لانے کے لئے بہت دور سے آتے تھے اور بہت طویل اور وسیع تیاری کے ساتھ تدبیریں کرتے تھے، وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے تھے اور خواہ حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں اور سامان اور معاون کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں اور ان کو کتنی ہی بار ناکامی کیوں نہ ہوتی ہو، وہ بڑے بڑے کام کا عزم کرتے، اس کے لئے نقشہ بناتے اور اس کو پورا کرنے کے لئے ہر چیز کی بازی لگا دیتے تھے۔ مولانا بلا کے لڑنے والے، مستقل مزاج، ثابت قدم، جنگجو سپاہی تھے، وہ دشمن کو زیر کرنے کے لئے کسی تدبیر کسی طریقہ اور کسی ذریعہ کو ترک نہیں کرتے تھے۔“

وسیع علم اور جدید و قدیم فنون جنگ سے واقفیت

☆ حضرت مولانا کے سیاسی امتیازات کا چوتھا بڑا عنصر آپ کا وسیع علم اور جدید و قدیم فنون حرب

میں آپ کی مہارت تھی، جن کے ذریعہ آپ اپنے بڑے سے بڑے حریف کو مات دے سکتے تھے

، جناب راجب احسن صاحب ہی نے لکھا ہے:

”ان کا دماغ لامحدود تدابیر کا محدود خزانہ اور حکمت عملیوں کا کارخانہ تھا۔ یہی باعث تھا کہ مولانا

مغربی پروپیگنڈا کے فن میں اپنے بہت سے حریفوں سے زیادہ ماہر ثابت ہوئے تھے۔

مولانا سجاد ہندوستان کے طبقہ علماء میں واحد شخص تھے جس نے ملکی دستور و قانون،

مجلس آئین ساز، نیابتی اور انتخابی ادارات اور جمہوریت مغرب کے مسائل کا عملی مطالعہ کیا تھا اور

جنہوں نے ان کو اپنے آئندہ اور مقصدِ اصلی کو حاصل کرنے کے لئے بطور آلہ کار استعمال کرنے کی کوشش کی۔^۱

بے نظیر انتظامی و تعمیری صلاحیت

حضرت مولانا کا ایک بڑا امتیاز یہ بھی تھا کہ وہ بے نظیر انتظامی صلاحیت کے مالک تھے، وہ نئے حالات میں نئی تعمیر کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، اور اس باب میں پورے ملک میں ان کو انفرادیت حاصل تھی، جنابِ راغب احسن صاحب نے مولانا عبدالرؤف دانا پوری صاحب اصح السیر و صدر مجلس استقبالیہ اجلاس جمعیتہ علماء گیارہ کے یہ قیمتی الفاظ نقل کئے ہیں:

”مولانا سجادؒ نے مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیمی اور سیاسی کاروائی کا جو ثبوت دیا ہے وہ اس درجہ بلند ہے کہ سوارج ملنے کے بعد مولانا کو ہندوستان کا گورنر اور گورنر جنرل بنانا موزوں ہوگا کیونکہ وہ ایک نئے ہندوستان کے نئے خیالات و اصول کے مطابق تعمیر کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔“^۲

صدق و خلوص پر مبنی اور تصنع سے پاک سیاست

مولانا کا ایک بڑا امتیاز یہ تھا کہ ان کا عمل صدق و خلوص پر مبنی اور سیاسی تصنعات سے پاک ہوتا تھا، وہ ایک انتھک محنت کرنے والے سپاہی تھے، وہ اپنے ساتھیوں سے کام لینا جانتے تھے اور ان پر پورا اعتماد کرتے تھے، یہ وہ وصف ہے جس سے اُس دور میں بھی اکثر سیاسی لیڈران خالی تھے، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں:

”اس عویصیت کے ساتھ وہ انتھک کام کرنے والے تھے، میں نے ان کو کبھی خالی الذہن یا غیر مشغول نہیں پایا، وہ سوچتے یا کام کرتے، سستاتے کبھی نہیں تھے، وہ ایک ایسی دریا کے مانند تھے جس میں موج و طغیانی کی سرجوشی تو نہ ہو لیکن روانی کا پورا جوش و خروش موجود ہو جو بغیر دم لئے ہر آن و ہر لمحہ چٹانوں سے ٹکراتا، پتھروں سے لاسا، جھاڑیوں سے الجھتا، ارواں دواں۔ ان کے پیٹک اشغال نہ فیشن کے طور پر تھے نہ حصولِ سروری و سعادت کی طمع میں، وہ جس مسئلہ کو اٹھاتے وہ زندگی اور موت کا سوال بن کر ان سے چٹ جاتا، اس لئے وہ کسی کام کو بے دلی (Disheartedly) کے ساتھ کر کے اپنے نفس کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے، بلکہ مجبور تھے کہ اس کے لئے اپنے فکر و عمل کی تمام قوتیں میدان میں ڈال دیں، سوتے جاگتے بس وہی مسئلہ ان کے سامنے ہوتا اور ان کی

۱- محسن سجادؒ ص ۹۵ مضمون جنابِ راغب احسن صاحب۔

۲- محسن سجادؒ ص ۱۰۳ مضمون جنابِ راغب احسن صاحب۔

ساری راحت و طمانیت اس کے انہماک کے اندر سمٹ آتی، وہ اپنے پبلک اشغال سے تھک کر رات کو کوئی امن کا گوشہ تلاش کرتے، نہ دوسری غیر پبلک دلچسپیوں کو ان کے ساتھ شریک کر کے ان کی حرمت کو بڑھاتے، اس اعتبار سے ان کا مزاج ایک سیاسی لیڈر سے بالکل مختلف تھا، ان کی دُھن میں عاشق کی دُھن کی شان تھی۔ اور چونکہ وہ ایک زبردست عالم تھے اس لئے یقیناً یہ چیزیں انہوں نے پیغمبرانِ عظام کے اسوۂ حسنہ سے اند کی تھیں، میں نے یہ چیز وقت کے بڑے سے بڑے لیڈروں میں بھی نہیں پائی۔

مولاناؒ کے اخلاق میں ایک عجیب چیز ان کی محبت بھی تھی، جو تصنع اور بناوٹ کے ہر شائبہ سے بالکل پاک تھی، اس محبت کا اظہار نہ تو وہ لفظوں سے کرتے نہ سیاسی لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کی مصنوعی اداؤں سے، وہ سرتاپا عمل تھے، اس لئے ان کی محبت عملی تھی، میں جب کبھی ان سے ملا مجھے محسوس ہوا کہ ان کی محبت کے فیضان میں نہا گیا ہوں، حالانکہ وہ زبان سے تو کچھ کہتے نہیں تھے اور اگر کچھ کہتے تھے تو میں نہ تو اس کے سننے کی کوشش کرتا نہ سمجھنے کی، وہ اپنے ساتھیوں پر پورا اعتماد کرتے تھے اور قابلِ طبیعتوں کے جوہر نمایاں کرنے کے لئے استاد کی طرح شفیع اور باپ کی طرح فیاض تھے۔“

مولانا شاہ سید حسن آرزو لکھتے ہیں:

”مولانا سجادؒ وقت کو ضائع کرنا بدترین گناہ جانتے تھے، ان کا کوئی منٹ بھی کام سے خالی نہیں جاتا۔ کچھ نہیں تو دوسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے اخبار کے بندل ہی باندھ رہے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں، وہ راتوں کی نیند میں بھی جمع کے کاموں کا پروگرام ہی مرتب کرتے ہوں گے۔“^۲

سیاست کا مثبت مقاصد کے لئے استعمال - اسلامی سیاست کے لئے جدوجہد

☆ اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ سیاست کو مثبت مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے قائل تھے، وہ سیاست کو اسلام کا خادم تصور کرتے تھے، اور جس سیاست سے اسلامی کا زکوٰۃ نقصان پہنچے ان کے نزدیک وہ ایک منفی اور قابلِ رد سیاست تھی، حکومت بہار کے سابق وزیر اور مولانا کے اہم سیاسی شریک کارڈاکٹر سید محمد محمود صاحب رقمطراز ہیں:

”ہندوستان کا مستقبل ان کی آنکھوں کے سامنے روشن تھا، وہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے عادی نہیں تھے، دل کے ساتھ ان کا دماغ بھی روشن تھا، البانیہ، پولینڈ، یوگوسلاویہ کی مثالیں

۱- محاسن سجاد، ص ۳۹ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی۔

۲- حیات سجاد، ص ۹۱ مضمون مولانا سید شاہ حسن آرزو

ان کے سامنے تھیں۔ وہ ڈرتے تھے کہ آگے چل کر یہ ملک بھی نہیں مسلمانوں کے لئے ایک بڑا راجپوتانہ بن جائے، اس لئے وہ ہندوستان کی سب سے بڑی قومی سیاسی جماعت کا ساتھ دے کر اس سے اپنی انفرادیت منوانا چاہتے تھے، یہی ان کا مقصد تھا، اور اسی کے سنے وہ پچیس سال سے کچھ اوپر شب و روز سرگرم کار رہے۔ وہ کسی مسئلہ پر انفرادی حیثیت سے غور نہیں کرتے تھے، ان کے سامنے ایک مرکب مجموعہ (Composite Wholf) ہوتا تھا۔^۱

جناب محمد یونس صاحب سابق وزیر اعظم بہار لکھتے ہیں:

”بہر پوری بصیرت کے ساتھ یہ جانتے ہیں، کہ مولانا مرحوم نے سیاست میں حصہ لیا تو وہ بھی مذہب کے لئے، الیکشن میں حصہ لیا تو وہ بھی مذہب کے سنے، کانسل اور اسمبلی کے مباحثات میں حصہ لیا تو وہ بھی مذہب کے لئے، اور یہ سب باتیں ایسی ہیں، جو انڈی پنڈٹ پارٹی کے منشور اور اس کے خطبہ استقبالیہ وغیرہ کے واقعہ کار پر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہیں۔ ان کی ہر حرکت و عمل، ان کی ہر فکر و تا عمل کا مرکزی نقطہ مذہب رہتا تھا، وہ جب کسی مجلس کے دستور و اصول یا تجویز و بیان یا درمیانی وسائل اور پروگرام پر گفتگو کرتے یا رائے زنی فرماتے تو ان کے سامنے اسلامی اصول رہتے تھے، اسلامی احکام رہتے تھے، اسلامی قوانین رہتے تھے، اسلامی مفاد رہتے تھے، مسلمانوں کی فلاح و بہتری رہتی تھی، چاہے وہ مجلس کانگریس ہو یا مسلم لیگ ہو، یا کوئی اور جماعت ہو، ان کے سامنے پارٹی بازی کی گندگی کبھی نہیں رہتی تھی، وہ پارٹی بازی کے ماتحت کسی مسئلہ کو نہ سوچتے تھے، نہ سوچنا چاہتے تھے، نہ پارٹی بازی کی اس ذہنیت کو وہ درست سمجھتے تھے، بلکہ وہ پارٹی ہی کو اسلامی اصول و احکام کے ماتحت سوچتے تھے، جو اسلامی مفاد کے مطابق اور اسلامی مفاد کے ہم آہنگ ہوتی تھی، اس کی ہم آہنگی میں ان کو کبھی باک نہیں ہوتا تھا، اور جو مجلس اپنی پارٹی کے اصول پر مجبور ہو کر ہر طرح کی غلط اور صحیح چیزوں کو اختیار کرتی تھیں، تو مولانا مرحوم اپنے نقطہ نظر کی بنا پر صاف لفظوں میں غلط کو غلط کہہ دیتے تھے، اور صحیح کو صحیح فرما دیتے۔“^۲

مولانا اسلامی سیاست پر کامل یقین رکھتے تھے، اور سیاست کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے قائل تھے اس ضمن میں علامہ منظر احسن گیلانی کا یہ اقتباس بہت اہم ہے:

”میرا سوال کہ مسلمانوں کو بادشاہی دلانے کے ساتھ اگر بادشاہوں کو مسلمان یا مسلمانوں کو تاجربنانے کے ساتھ تاجروں کو مسلمان، یا مسلمانوں کو کاشکار بنانے کے ساتھ کاشکاروں کو مسلمان بنانے کی بھی کوشش کوئی طبقہ کرتا تو جو پہلی بات کا حاصل ہے وہی تو چھٹی بات کا نتیجہ ہے، اس سوال

۱- محسن سجاد ص ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳

کے جواب میں میری اس مسئلہ کے ساتھ خاص دلچسپی کو پا کر مولانا اس راہ میں جو کچھ کرتے تھے اکثر اس کی رپورٹ سنا دیتے۔ فرماتے اخبار میں اس کی اشاعت مناسب نہیں، فقہ کا اندیشہ ہے، مولانا مرحوم نے اس سلسلہ میں کیا کیا کیا کیا کرنا چاہتے تھے اس کی تفصیل تو ان کے رفقاء کا رہی جان سکتے ہیں، میں نے اس کا ذکر اس لئے بھی کر دیا کہ جس پر کفر نوازی کا الزام تھا، ان کو سنانا چاہتا ہوں، ایسے کفر شکنوں میں کفر نوازی کی گنجائش ہو یا نکل سکتی ہے، حالکم کیف تحکمون۔“

مولانا عثمان غنی تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا کو جن لوگوں نے سیاسی مجالس میں دیکھا ہے، خواہ وہ مجلس خاص مسلمانوں کی ہو، یا مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی مشترک ہو، جب موقعہ ہوا تو انہوں نے کسی نہ کسی اسلامی مقصد کو پیش کر دیا، اس مقصد کو پیش کرتے ہوئے کبھی وہ لومۃ لایم کی پردہ نہیں کرتے تھے، وہ فرقہ پرور اور تاریک خیال ملاکے جانے سے نہیں ڈرتے تھے، اسمبلی اور کونسل میں جب بھی کوئی ایسا مسودہ قانون آیا جس کا کوئی اثر کسی اسلامی معاملہ پر پڑتا ہو تو سب سے پہلے اس کی مخالفت فرماتے تھے۔ راقم الحروف کو خاص تاہم یہ تھی کہ جب کوئی مسودہ قانون یا کسی عدالت کا فیصلہ ایسا ہو جس کی زد کسی اسلامی قانون پر پڑتی ہے تو فوراً اس کی مخالفت میں مضامین لکھو اور جمعیت علماء ہند کو خطا کے ذریعہ اطلاع دو۔“

حضرت مولانا کے سیاسی مخالف جناب راغب احسن صاحب آپ کے اس وصف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مولانا سجاد اسلامی سیاسیات، اسلام کے اصول شریعت و اصول قانون و دستور، اسلام کے اصول سلطنت و عدالت، اسلام کے اصول تعلقات بین الاقوامی اور اسلام کے نظام اقتصادیات و معاشیات کو تمام مغربی و مشرقی ناموں سے بہتر اور بالا تر مانتے تھے اور اپنے بیانات و تحریرات میں یہ واضح کر چکے تھے کہ وہ اس کو اپنا آئینہ میل یقین کرتے تھے اور ساری دنیا کے لئے اس کو رہنما مانتے تھے، وہ انگریز کے عطا کردہ اصلاحات اور مجالس آئین ساز کو ناقص قرار دیتے تھے۔“

قانون انفساخ نکاح

مثال کے طور پر مولانا محمد عثمان غنی صاحب لکھتے ہیں:

۱- دیات سجاد مضمون، علامہ ناظم احسن گیلانی ص ۶۱۔

۲- دیات سجاد مضمون، علامہ عثمان غنی ص ۱۳۵۔

۳- محاسن سجاد ص ۹۵ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

”نکاح، طلاق، تفریق زوجین اور فسخ نکاح وغیرہ کے معاملات میں عدالتوں سے غیر شرعی فیصلوں کا نفاذ ہوتا تھا اور ان کے سبب سے مسلمان بڑی مصیبتوں اور غور میں مصیبتوں کے ساتھ مصیبتوں میں مبتلا رہتی تھیں، امارت شرعیہ کے دارالقضاء سے جو فیصلے ہوتے، وہ شریعت کے مطابق ہوتے اور اس سے مسلمانوں کی مصیبتوں اور مصیبتوں کا ازالہ ہوتا، لیکن اس کا فائدہ محدود ہوتا تھا اور مصیبت عام تھی جس کے ازالہ کی سعی ہر مسلمان پر فرض تھی، اور اس کے ذریعہ حضرت مولانا بھی خود اپنے مضامین کے ذریعہ اسمبلی کے ارکان کو توجہ دلاتے تھے، اور کبھی راقم الحروف کو لکھنے کا حکم فرماتے تھے، چنانچہ اس طرح کے مضامین جریدہ امارت اور نقیب میں برابر شائع ہوتے ہیں، لیکن جب کسی نے مفید مقصد مسودہ قانون پیش نہیں کیا تو حضرت مولانا نے خود انفساخ نکاح مسلم کا مسودہ قانون مرتب کر کے نقیب میں شائع کرایا، اور جمعیت علماء ہند کو توجہ دلائی، چنانچہ پھر جمعیت علماء ہند نے ایک مسودہ قانون انفساخ نکاح مسلم مرتب کیا، اور ارکان اسمبلی کو پیش کرنے کی ہدایت کی، لیکن یہ مسودہ قانون جب قانون بن کر منظور ہوا تو اس میں ایسی ترمیم کر دی گئی تھی جس سے یہ قانون مسلمانوں کے لئے شرعاً غیر مفید ہو گیا۔

حضرت مولانا کے حسب ہدایت میں نے اس کے خلاف مضامین لکھے، خود حضرت مولانا نے جمعیت علماء ہند کو اس میں ترمیم کرانے کی طرف توجہ دلائی اور جمعیت علماء ہند نے اس قانون کی مذمت اور اس میں ترمیم کی تجویز پیش کی، اور بالآخر ایک ممبر نے پھر اس میں ترمیم کی تجویز مرکزی اسمبلی میں پیش کر دی۔۔۔ غرض حضرت مولانا کا مقصد مجالس مقننہ کے انتخاب میں حصہ لینے سے غیر شرعی قوانین کی تسخیر اور شرعی معاملات کی تنفیذ کی سعی تھی، اور اس سے انہوں نے کسی وقت بھی غفلت نہیں برتی۔“

واردہا تعلیمی اسکیم کی مخالفت

☆ واردہا تعلیمی اسکیم کی جس قدر مولانا نے مخالفت فرمائی اور ان کی نگرانی میں امارت شرعیہ نے انجام دی وہ کسی نے نہیں کی، اس کی تفصیل امارت شرعیہ کی مطبوعہ رپورٹ میں موجود ہے، جو مولانا عثمان غنی صاحب نے مرتب کی تھی۔^۲

اس کی تھوڑی تفصیل شاہ محمد عثمانی صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

”کہ انگریزوں نے ہندوستان میں سیکولر طرز کی تعلیم گاہیں قائم کیں جن میں مذہبی تعلیم نہیں ہوتی تھی، سرکاری ملازمتیں اسی طرز کے اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغین کو ملتی تھیں، علمائے دین نے ان سرکاری تعلیمی اداروں کے متوازی دینی تعلیم گاہیں قائم کیں، وسائل کی کمی

۱- حیات مجاہد ص ۱۴۴ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔

۲- حیات مجاہد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔

کی وجہ سے انگریزی زبان اور سائنس و ٹکنالوجی کو ان تعلیم گاہوں میں نہیں رکھا، یہ تعلیم گاہیں عام مسلمانوں کے چندوں سے چلتی رہیں۔ جن مسلمانوں کو دینی تعلیم کا شوق ہوتا وہ ان آزاد دینی مدارس میں تعلیم پاتے جن سے نکل کر ان کے لئے اپنے معاشی مسائل کا حل کرنا مشکل ہو جاتا اور جن کو مذہبی تعلیم کا شوق نہ ہوتا وہ ان سیکولر اسکولوں میں داخل ہوتے جن سے نکل کر ملازمتوں کے ذریعہ وہ اپنے معاشی مسائل حل کر لیتے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کا رواج ان اسکولوں میں بھی بہت کم تھا۔ بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم بھی نہ دیتے اور ان کو اسکولوں میں داخل کر دیتے۔ میں نے ہائی اسکول کے ایسے مسلمان طلبہ کو دیکھا جو یہ بتا رہے تھے کہ قرآن کس کی کتاب ہے؟ اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے پیغمبر ہیں یا نہیں؟ جب مولانا سجاد کو ایسے واقعات معلوم ہوئے تو انہوں نے سوچا کہ اسکولوں میں لازمی ابتدائی تعلیم کا نظم ہونا چاہیے۔ کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں تو گاندھی جی نے ڈاکٹر ذاکر صاحب کی صدارت میں ابتدائی تعلیم کی ایک کمیٹی بنائی، اس نے جو رپورٹ دی اس کو واردہا اسکیم کہتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا سجاد نے مسلمانوں کے لئے لازمی بنیادی تعلیم کی آواز بلند کی۔ خود ڈاکٹر ذاکر صاحب کو اس پر انشراح نہ ہوا، لوگ یہ کہتے تھے کہ مذہبی اختلافات کی موجودگی میں بنیادی مذہبی تعلیم کا نصاب تیار کرنا مشکل ہے۔ ذاکر صاحب سرے سے اس کے خلاف تھے کہ مذہبی تعلیم حکومت کے ہاتھوں میں ہو، بلکہ وہ تو سب ہی طرح کی تعلیم کو حکومت کے اثر سے آزاد رکھنے کے حامی تھے۔ مولانا سجاد کہتے تھے کہ وہ ایسا نصاب تیار کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں جس سے مسلمانوں کے کسی فرقہ کو اختلاف نہیں ہوگا۔ باقی رہا مذہبی تعلیم کا حکومت کے ہاتھوں میں ہونا تو وہ بھی اس کو پسند نہیں کرتے ہیں، لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ مسلمانوں پر دنیا داری اس درجہ غالب ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم دے بغیر اسکولوں میں داخل کر دیتے ہیں، چنانچہ مولانا نے ہتھیار نہیں رکھا اور انہوں نے سب سے پہلے اپنی جماعت جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ سے یہ مطالبہ منظور کرایا۔ اس کے بعد یہ مطالبہ گاندھی جی کے سامنے رکھا گیا، گاندھی جی کو اس سے اختلاف نہ تھا کہ مسلمان چاہتے ہیں تو ان کے بچوں کی مذہبی تعلیم کا نظم حکومت کرے، لیکن شاید ان کے سامنے مشکل یہ تھی کہ اگر ایسا ہو تو ہندوؤں کی طرف سے بھی ایسا مطالبہ ہوگا اور اگر ان کا مطالبہ بھی منظور کیا گیا تو ملک میں تو ہمت کا زور ہو جائے گا۔“

مولانا سجاد کی بعض سیاسی پیش گوئیاں - اور زندہ جاوید نظریات

☆ اور ایک بڑی خصوصیت جو ان کو تمام معاصر سیاست دانوں پر امتیاز عطا کرتی ہے یہ تھی کہ ان کی سیاست ایک زندہ سیاست تھی، ان کے سیاسی افکار و نظریات کی حیاتیات ان کی وفات کے

برسوں بعد بھی آج قائم ہے، دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کی معنویت اس قدر تروتازہ ہے کہ آج کے حالات میں وہ سیاسی پیش گوئیاں معلوم ہوتی ہیں، وہ حالات و واقعات کو حال کی آنکھوں سے نہیں بلکہ مستقبل کی دور بین نگاہوں سے دیکھتے تھے، معروف مؤرخ و مبصر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ مستعار لیتے ہوئے جو انہوں نے خود حضرت مولانا سجادؒ ہی کے لئے کہے تھے:

”وہ بدلتے ہوئے ہندوستان کو اپنی چشم بصیرت سے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس وقت چشم بصارت سے بھی نہیں دیکھ پارہے ہیں۔ وہ اقبال کی زبان میں اس وقت زبان حال سے گویا تھے:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

موجہ رت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے آپ کے بعض سیاسی نظریات نقل فرمائے ہیں، جن کو ان کی سیاسی پیش گوئیاں بھی کہا جاسکتا ہے، اور جو ان کی بے نظیر سیاسی بصیرت کی آئینہ دار ہیں۔ اس کے کچھ نمونے یہاں پیش کئے جاتے ہیں مثلاً:

حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحیؒ نے آپ کی ایک تقریر کے کچھ اقتباسات نقل فرمائے ہیں، جن میں آپ کے بعض سیاسی نظریات و تجربات کی تصویریں موجود ہیں، مفتی صاحب تقریر کا پس منظر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اہلاس کے دن قریب آئے تو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ خود تشریف لے آئے اور مدرسہ میں قیام فرمایا۔ مولاناؒ کی آمد ہم طلبہ کے لئے بڑی نعمت تھی، اب مولاناؒ کو قریب سے دیکھا اور ان کی خدمت حمہ میں آئی۔ بہت سے خواص آپ سے ملنے آتے تھے، ہندوستان کی آزادی پر روشنی ڈالتے تھے، ہم طلبہ ان کی باتوں کو پورے غور سے سنتے تھے۔“

انگریزوں نے منصوبہ بند طور پر بعض غیر مسلموں کو کھڑا کیا

(۱) ہندوستان کے غیر مسلموں کے لئے بھی سوال ہوا کرتے تھے۔ حضرت نائب امیر شریعتؒ بتاتے تھے کہ اس ملک پر ہم مسلمانوں کی حکمرانی تھی، انگریزوں نے اس ملک کو ہم سے چھینا ہے

۱- امارت شریعتی، جدو جہد کا روشن باب ص ۲۳ مرتبہ: حضرت مفتی ظفر الدین صاحب، مقدمہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ۔
۲- حضرت مولانا محمد سجاد- حیات و خدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعہ مقالات مولانا سجاد سیدنا رپنڈ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفر الدین- غنائی۔

اور حکومت کے قدم جما نے کے لئے بہت سارے علماء کرام اور دوسرے ممتاز مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام کیا ہے، اس لئے ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ انگریزوں کو یہاں سے نکالیں اور ملک کو آزاد کرائیں، غیر مسلم بھائیوں کو بھی ہم نے اس جنگ آزادی میں شریک کیا، خلافت کی تحریک جس وقت یہاں عروج پر تھی، انگریزوں نے جانے کے لئے بوریا بستر باندھ لیا تھا وائسرائے ہند نے غیر مسلم لیڈروں کو بلا کر سمجھایا کہ ہم گئے اور مسلمان پھر حکمران بن گئے، تم غلام کے غلام ہی رہو گے، اس لئے تم مسلمانوں اور ہندوؤں میں تفریق پیدا کرو اور حکمران بننے کی تیاری میں لگ جاؤ چنانچہ شدھی سنگٹھن کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور انگریزوں کے بندھے ہوئے بستر کھل گئے، اس طرح انگریزوں کو کچھ دن حکومت کا موقع مل گیا۔^۱

مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے فسادات ہونگے

(۲) مولانا مرحوم نے ایک مجلس میں یہ بھی بتایا کہ آزادی جب قریب آئے گی تو ہندو مسلم زبردست فساد ہوگا تا کہ مسلمان ہندوؤں سے مرعوب اور خوف زدہ ہو جائیں، اگر اس وقت مسلمان منظم نہیں ہوئے تو پٹ جائیں گے۔^۲

چھوٹی چھوٹی مسلم آبادیاں ایک جگہ آباد ہو جائیں

(۳) یہی وجہ ہے کہ میں مسلمان زمین داروں سے کہتا ہوں کہ تم بکھرے ہوئے مسلمانوں کو یکجا کر لو اور چھوٹی چھوٹی مسلم آبادی کو اپنے یہاں بلا لو، اس طرح تمہاری بھی حفاظت ہو جائے گی اور ان غریب مسلمانوں کی بھی، مگر میری یہ باتیں کسی کی سمجھ میں ابھی نہیں آ رہی ہیں، مگر وقت آنے پر دیکھو گے کہ یہ پچھتائیں گے اور ان کا بہت بڑا جانی و مالی نقصان ہوگا۔

چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ۱۹۳۶ء میں ہندو مسلم سخت فساد برپا ہوا، چھپرہ شہر سے شروع ہوا اور پٹنہ کے دیہاتوں میں پھیل گیا اخبار نقیب کی رپورٹ کے مطابق فساد میں چالیس ہزار مسلمان شہید ہوئے اور سینکڑوں مسلمان بستیاں ویران ہو گئیں اور ان کا نام نشان مٹ گیا۔^۳

۱- حضرت مولانا محمد سجاد- حیات و خدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعہ مقالات مولانا سجاد سید زین الدین پٹنہ ۱۹۹۰ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتی۔

۲- حضرت مولانا محمد سجاد- حیات و خدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعہ مقالات مولانا سجاد سید زین الدین پٹنہ ۱۹۹۰ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتی۔

۳- حضرت مولانا محمد سجاد- حیات و خدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعہ مقالات مولانا سجاد سید زین الدین پٹنہ ۱۹۹۰ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتی۔

مولانا تیس سال آگے کا پلان بناتے تھے

(۴) اس سے ہم نے سمجھا کہ حضرت مولانا بڑے دور اندیش اور معاملہ فہم تھے اور تیس سال بعد جو کچھ ہونے والا تھا اس کو پہلے سمجھتے تھے مولانا اپنی مجلس میں فرماتے تھے کہ انگریزوں کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے تیس سال پہلے سے اس کا پلان تیار کرتے ہیں اس لئے ہم لوگوں کو تیس سال آگے کے مسائل کو سامنے رکھ کر اقدام کرنا چاہئے۔ اس وقت مولانا کی بہت ساری باتیں ذہن اور دماغ میں گونج رہی ہیں مگر اس وقت ان سب کا بیان مناسب نہیں ہوگا اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں افسوس یہ ہے کہ مولانا کا آزادی سے بہت پہلے انتقال ہو گیا۔^۱

آزادی کے وقت اگر مولانا زندہ ہوتے

(۵) یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کی نظر ان تمام چیزوں پر تھی جو آئندہ آزاد ہندوستان میں ہونے والا تھا اور جن کو آپ اور ہم آزادی کے بعد کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اگر مولانا آزادی کے وقت زندہ ہوتے تو ان حالات کے لئے ضرور کوئی تدبیر سوچتے اور مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا نہ ہونے پاتا۔^۲

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کا بھی یہی احساس تھا، مولانا شاہ محمد عثمانی نقل فرماتے ہیں:

”مولانا حفظ الرحمن صاحب فرماتے تھے کہ افسوس آزادی سے بہت پہلے مولانا سجاد کا انتقال ہو گیا ورنہ وہ مسلمانوں کے مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیتے اگر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی حل نہ نکالتے تو بہار کا مسئلہ ضرور حل کر لیتے، نہ صرف مولانا حفظ الرحمن بلکہ تمام علماء مولانا کی صلاحیتوں کے بے حد معترف تھے۔“^۳

کچھ انگریزی داں علماء پارلیا منٹ اور اسمبلیوں میں پہنچیں

(۶) حضرت مولانا کی رائے تھی اور اس کی پرزور دعوت دیتے تھے کہ علماء کا ایک طبقہ ایسا ہونا چاہئے جو انگریزی وغیرہ سے واقف ہو اور وہ پارلیمانی سیاست میں حصہ لے اور پارلیا منٹ

۱ - حضرت مولانا محمد سجاد - حیات و خدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعہ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتی۔

۲ - حضرت مولانا محمد سجاد - حیات و خدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعہ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتی۔

۳ - نوٹے ہوئے تاریخ سے ۱۰۲ از شاہ محمد عثمانی۔

اور اسمبلیوں میں اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کرے، یہ کام غیر علماء سے نہیں ہو سکتا، اگر ایسا نہیں ہو تو مسلمانوں کا سخت قومی نقصان ہوگا، حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب نے آپ کی ایک تقریر کا یہ اقتباس نقل کیا ہے کہ:

”مولانا نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ کچھ دین مولویوں کو انگریزی پڑھنا چاہئے، تاکہ اسمبلی اور پارلیامنٹ میں ان کو سمجھا جائے، جہاں قانون سازی ہوگی، اگر ایسا نہ ہو تو مسلمان بڑے خسارے میں رہیں گے۔ انگریزی دال کی نظریہ شرعی مسائل و احکام پر ہوتی ہے، اور نہ وہ اس راہ میں مضبوط ہوتے ہیں، وہ صحیح نمائندگی نہیں کر پاتے ہیں۔ وہ دنیاوی رویہ بہہ جاتے ہیں۔“

مولانا کے اس نظریہ کی صداقت و معنویت آج واضح طور پر محسوس ہوتی ہے، پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس طرح آزادانہ قانون سازی ہو رہی ہے، اگر انگریزی زبان و بیان سے آشنا، علوم جدیدہ سے واقف اور عصری سیاست کی سمجھ رکھنے والے علماء کی ایک جماعت وہاں موجود ہوتی تو اس فتنہ کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا،۔۔ مگر افسوس! حضرت مولانا سجاد نے آج سے تقریباً سو سال قبل جس خطرہ کی وارننگ دی تھی وہ آج ہمارے سامنے ہے، اب بھی ہمارے لئے موقع ہے کہ ہم آئندہ کی تیاری کریں ورنہ آنے والا وقت (الامان والحفیظ) اس سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔ پھر تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ الیس منکم رجل رشید

سمجھوتہ کے بغیر کسی غیر مسلم پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا مناسب نہیں

(۷) مولانا کا ایک نظریہ بھی تھا کہ کسی غیر مسلم پارٹی کے ٹکٹ پر مکمل سمجھوتہ اور اطمینان کے بغیر مسلمان امیدوار کو الیکشن نہیں لڑنا چاہئے، ورنہ امیدوار عموماً اپنے قومی و مذہبی مسائل کے لئے پارٹی مفادات کے سامنے مجبور رہے گا، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے اپنا تجربہ لکھا ہے کہ:

”کانگریس کے قبول وزارت کے بعد ہم لوگوں کو مولانا کے اس عقیدہ کی صحت کا کافی ثبوت ملا کہ مکمل سمجھوتہ کے بغیر مسلمانوں کو کانگریس ٹکٹ پر اسمبلی نہ جانا چاہئے۔“

جداگانہ معاشرتوں کے لئے جداگانہ قوانین

(۸) مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

- حضرت مولانا محمد علی صاحب دیوبند نے ص ۳۸۶ (مجموعہ مقالات، دورانیہ، دہلی، ۱۹۵۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب کی۔

- دیوبند، ص ۲۱۱ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

”مولانا کا یہ بھی نظریہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کی دو جدا گانہ معاشرتیں ہیں، اس لئے ان کی اصلاح بھی جدا گانہ قوانین کے ذریعہ ہونی چاہئے، مولانا اس بات کے لئے برابر کوشاں رہے کہ یہ اصول اسمبلی میں رواج پا جائے، مولانا کا یہ بھی خیال تھا کہ اصولاً ایک فرقہ کے معاشرتی قانون میں دوسرے فرقہ کے رکن کو ووٹ دینے کا بھی حق نہ ہونا چاہئے۔“

ہندوستان کی آزادی کا نظریہ

(۹) حضرت مولانا سجاد صاحب ہندوستان کی آزادی کا مل کے اولین داعی و محرک تھے، جس وقت دوسری جماعتیں ملک کی آزادی کے مطالبہ پر ابھی غور و خوض کر رہی تھیں، مولانا کا آزادی کا مل کا نظریہ طشت از بام ہو چکا تھا، مولانا کانگریس کو دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں اسی لئے زیادہ عزیز رکھتے تھے کہ اس نے کھل کر حضرت مولانا سجاد کے نظریہ آزادی کی حمایت کی تھی، حضرت سجاد کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ علی آبادی لکھتے ہیں:

”مولانا ہندوستان کو مکمل طور پر آزاد دیکھنا چاہتے تھے، تحریک آزادی کا مل کے محرک مولانا ہی تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ دوسری جماعتیں آزادی کا مل کے مطالبہ پر غور کر رہی تھیں۔“

گرفتاری کے لئے اپنے کو پیش کرنا مناسب نہیں

(۱۰) مولانا نے ملک کی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، سول نافرمانی کی تحریک میں بھی پیش پیش رہے، کبھی گرفتاریوں سے خوفزدہ نہیں ہوئے البتہ مولانا کا نظریہ تھا کہ خود سے گرفتاری کے لئے اپنے کو پیش کرنا مناسب نہیں، لیکن اگر گرفتار کر لیا جائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، شاہ محمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”مولانا کہتے تھے کہ اپنے کو گرفتاری کے لئے پیش کر دینا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔ حکومت کے خلاف کام کئے جاؤ، ڈرو نہیں، اگر گرفتار کر لیا جائے تو کوئی پروا نہیں کرنی چاہیے اور جیل خانے سے نہیں ڈرنا چاہئے، ہندوستان کی آزادی اور انگریزوں کو نکالنے کے جذبہ سے مولانا بھی اپنے ہم عصروں کی طرح سرشار تھے۔“

۱- محاسن سید ص ۲۷۱ تا ۲۷۵ مضمون: مولانا سید محبت اللہ عثمانی۔

۲- حیات سجاد ص ۶۷ مرتبہ مولانا عظمت اللہ علی آبادی

۳- نوائے ہونے ہمارے از شاہ محمد عثمانی ص ۱۰۲

یہ چند سیاسی نظریات تھے، اگر حضرت مولانا کی تمام سیاسی تحریرات اور فائلوں کا مطالعہ کیا جائے تو کچھ اور چیزیں بھی مل سکتی ہیں۔

حضرت مولانا سجاد کے ناخن تدبیر نے کئی سیاسی گتھیاں سلجھائیں

☆ حضرت مولانا سجاد نے بحیثیت سیاستدان بہت سے ملکی اور ملی مسئلے میں دلچسپی لی اور آپ کے ناخن تدبیر نے کئی پیچیدہ سیاسی گتھیوں کو سلجھایا، اس کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

جناب مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب (جو سیاسی امور میں مولانا کے شریک کار تھے) لکھتے ہیں:

حج کا قضیہ

(۱) جب حج کے متعلق قوانین نافذ ہونے لگے اور وائسرائے کی حکومت نے حج بل کے مسودات پیش کئے، حاجیوں کی واپسی، ٹکٹ، جہازوں کے تعین، حاجیوں کی خوراک، معلمین کے انسٹنس وغیرہ کے مسائل زیر بحث آ گئے اور درپردہ سیاسی قضیہ پیدا ہو گئے۔ یہ باب مولانا کی زندگی کا ایسا اہم ہے کہ مولانا کا سیرت نگار ابھی برسوں غور کرے گا کہ واقعات کی گتھیوں کو کیوں کر سلجھائے۔ یہی وہ عہد ہے جب کہ مولانا ہندوستان کی بعض عظیم شخصیتوں سے مقابل ہوئے اور محافل اسلام کے لئے آپ نے اعلائے کلمہ حق میں بے باکانہ جرأت سے کام لیا۔ مولانا نے امیر شکیب ارسلان کی کتاب 'حاضر العالم الاسلامی' اور دیگر خالص عربی ذرائع کے حوالہ سے وائسرائے کی اسمبلی کے تمام مسلمان ممبروں کو قانون حج کے اصل سیاسی مفہوم سے مطلع کیا اور مسودات پیش شدہ کی مخالفت کا مطالبہ کیا۔ حج کمیٹی کی کاروائیوں پر اعتراضات کئے اور تمام ہندوستان کا دورہ کر کے تمام مسلم اداروں کو آئندہ خطرہ سے مطلع کیا اور حج پر سیاسی اغراض سے جو قانونی پابندیاں ہونے والی تھیں ان کو بر ملا سمجھنا شروع کیا، اس دور میں مولانا نے ان قائدین سے مخالفت مول لی جو اب تک مسلمانوں کی اپنے اپنے حلقے میں بلا شرکت غیر نمایندگی کرتے تھے، ان ہی لیڈروں

- حاضر العالم الاسلامی میں امریکی مصنف Stoddard کی کتاب 'دی نیو ورلڈ آف اسلام' کا ترجمہ ہے۔ مترجم سید عیاض نوید ہیں۔ ایک روشناس عرب، بل قلم ہیں، محمد ہدیل، امیر شکیب ارسلان مدظلہ نے اس پر جانچاوشی (فٹ نوٹ) لکھے ہیں۔ لیکن امیر ایمان کا محمد اور نیانے اسلام کی سیاست لکھنے میں خواہی تو خود پر قبضہ پائے اور یہ خواہی بھی بڑھ گئے اصل کتاب سے، پہلا ایڈیشن عرصہ ہوا دو جلدوں میں چھاپا تھا، دوسرا ایڈیشن مزید اضافہ کے ساتھ چار جلدوں میں ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا ہے جس میں اصل مصنف کا ایک ریک سے زیادہ نام ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی بین الاقوامی سیاست پر دنیا کی کئی زبان میں ایسی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی۔

(مولانا مسعود عالم ندوی، مجلہ سن جوہر، ص ۸۶، حاشیہ)

میں شفیق داؤدی بھی ہیں، جن سے مولانا کے سیاسی اختلافات آئندہ الیکشنوں میں عجیب تکلیف دہ صورت اختیار کر گئے۔ غرض صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ قانون جج کے واقعات نے مولانا کو سیاسی پلیٹ فارم پر بہت جلد بٹالیا۔^۱

مسلم کانفرنس کے سیاسی اختلافات کا حل

(۲) ۱۹۳۰ء کی پہلی مسلم کانفرنس نے مولانا کے سیاسی تدبیر کا ایک اور نمونہ پیش کیا۔ مولوی شفیق داؤدی کی کوششوں سے بانگی پور پنشن کے محلہ مراد پور کی اشرف منزل میں مسلم کانفرنس کا پہلی بار انعقاد ہوا اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم جو فرانس (جرمنی) میں بغرض علاج مقیم تھے صدارت کے لئے براہ راست پنشن تشریف لائے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ مولانا محمد علی مرحوم کانگریس سے علاحدہ ہو چکے تھے اور ایک نئے سیاسی پلیٹ فارم کے بنانے میں مشغول تھے، ڈاکٹر انصاری مرحوم نیشنلسٹ کانگریسی مسلمانوں کے سردار تھے اور مولانا ابوالکلام آزاد اور حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کی ہمت افزا رفاقت ان کو حاصل تھی۔ عین کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر انصاری صاحب بھی پنشن پائے گئے اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے ان کی صدارت میں علاحدہ کانفرنس کرنا چاہا، ڈاکٹر انصاری صاحب سر علی امام کے مہمان تھے اور مولانا محمد علی مرحوم مسٹر عبدالعزیز کی کوٹھی ”دربار“ میں رونق افروز، اس پرانے شہر عظیم آباد کی نئی آبادی میں سخت ہنگامے کا خطرہ تھا، سر علی امام کی کوششوں سے ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی مرحوم میں منہاجت کی گفتگو ہوئی اور باآخر یہ طے پایا کہ مسلم کانفرنس کے کھلے اجلاس میں ڈاکٹر انصاری مرحوم صاحب کو بھی اپنی جماعت کا نقطہ خیال پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ راز اب کہہ دینے کے قابل ہے کہ ان تمام کوششوں میں حضرت مولانا مجاہد کا ہاتھ بھی پیش پیش تھا اور علمائے اسلام میں اس موقع پر بھی ہزاروں آنکھوں نے اس کی عالم کو ان سیاسی زعمائے ملت کے دوش بدوش ہی نہیں بلکہ اکثر مواقع پر بہترین مشیر اور رہبر دیکھا تو وہ مولانا مجاہد ہی کی ذات تھی۔^۲

مسلم اقلیت کے حقوق کا تعین

(۳) مسلم کانفرنس نے کچھ اصولی مطالبات حقوق کے متعلق بنائے لیکن یہ راز اب تک سر بست

۱- محسن سہ ماہی ص ۵۲۔ مضمون مولوی سید یحییٰ صاحب۔

۲- محسن سہ ماہی ص ۵۲۔ مضمون مولوی سید یحییٰ صاحب۔

ہے کہ حقوق مسلم کی تعریف کس نے بتائی، اس کی حد بندیاں کس نے کیں؟ اور کس طرح وہ مخصوص حقوق تجویز کی شکل میں فرد افراد اٹھار کر کے دنیا کے سامنے پیش کئے گئے؟۔ مسلم کانفرنس کی مجلس مضامین میں مولانا مرحوم نے وہ تجویز جو حقوق مسلمین کے حدود متعین کرتی ہے کافی بحث و تمحیص کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کی استدعاء پر قلمبند کر کے دی اور مؤخر الذکر بزرگ نے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔

یہ محدود تجویز مسلم کانفرنس کی طرف سے سائنمن کمیشن کے سامنے پیش کی گئی اور پھر کچھ دنوں بعد دوسری گول میز کانفرنس میں پیش کی گئی اور نئے قالب میں مسٹر محمد علی جناح کے ”چودہ پوائنٹ“ میں آگئی اس میں مولانا نے اقلیت کے مسائل خصوصاً مسلمانوں کے پرسنل لا کے متعلق قوانین سازی کے متعلق یہ اصول وضع کیا کہ جب تک مسلم نمائندگان کی اکثریت کسی بل پر متفق نہ ہو، وہ بل قانون نہ بن سکے۔ ہمارے مطالبات آج بھی اس حد سے آگے نہیں بڑھے۔^۱

خلع ایکٹ کی ترتیب اور اس کو قانونی حیثیت دلانے کی کوشش

(۴) جناب مولانا عظمت اللہ علیح آبادی صاحب رقمطراز ہیں:

”خلع ایکٹ کی ترتیب اور اس کو مستقل قانون بنانے میں مولانا نے ہر ممکن سعی کی جو اب کاظمی ایکٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ نمبر ۶ میں مسلم نامہ کی قید کو باقی نہ رکھا گیا۔ مولانا چاہتے تھے کہ دفعہ ۶ میں تبدیلی ہو جائے اور مسلم نامہ کی قید برہادی جائے۔ اس قانون ہی کو ختم کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے وائسرائے سے بھی خط و کتابت کی اور ایک فتویٰ مرتب کر کے ٹبرہ سے رائے لی۔ آزاد کانفرنس کے سوال نامہ کی ترتیب کے بعد مولانا اس کے جوابات میں مصروف تھے۔ مولانا اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس بات کے آرزو مند تھے کہ محکمہ قضا کا قیام اور کاظمی ایکٹ کی دفعہ ۶ کی تبدیلی اور آزاد کانفرنس کے سوال نامہ کے مطابق مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو جائے۔“^۲



۱- محسن سجاد ص ۵۷ مضمون مولوی سید محمد علی صاحب۔

۲- حیات سجاد ص ۶۷ مرتبہ مولانا عظمت اللہ علیح آبادی

فصل ششم

حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد اور کانگریس تعلقات اور مسائل

کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کا رشتہ

☆ حضرت مولانا سجاد کانگریسی نہیں تھے، اور نہ کانگریس میں ضم ہونے کے قائل تھے، بلکہ وہ مسلمانوں کو بحیثیت قوم اپنی انفرادیت قائم رکھنے کی تلقین کرتے تھے، البتہ کانگریس کے ساتھ ہمدردی اور کئی مسائل میں فکری اشتراک رکھتے تھے، خصوصاً ملک کی آزادی کے مسئلے میں وہ کانگریس کے حامی تھے۔ اور اس ضمن میں حسب موقعہ کبھی کانگریس کے باضابطہ ممبر بھی بن جایا کرتے تھے۔^۱

حضرت مولانا نے اپنے اس موقف کا بار بار اظہار فرمایا، اس سلسلے کی ایک اہم ترین تحریر جس کو مولانا عثمان غنی صاحب نے مرتب کیا تھا اور وہ حضرت مولانا کی حیات طیبہ میں سیاست حاضرہ اور ادارہ امارت شرعیہ کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع ہوئی، اس میں کانگریس کے تعلق سے امارت شرعیہ اور حضرت مولانا کے موقف پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ ”امارت شرعیہ کو کانگریس سے کوئی تعلق نہیں ہے، کانگریس کے ساتھ بعض ملی اور اجتماعی مفادات کے حصوں کے لئے محض اشتراک عمل کا رشتہ ہے، جو وقفہ وقفہ سے کانگریس کی سیاسی غلطیوں کی بنا پر ٹوٹتا رہتا ہے۔“

یہ بیس صفحات کا رسالہ دراصل جناب حاجی نور احمد خان صاحب ڈہری ضلع شاہ آباد کے ایک خط (مرقومہ شعبان ۱۳۵۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۸ء) کا جواب ہے جو مولانا عثمان غنی صاحب ناظم اول امارت شرعیہ کے قلم سے دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ حضرت مولانا سجاد کی ہدایات کی روشنی میں لکھا گیا ہوگا۔^۲

اشتراک عمل ہی کی بنیاد پر حضرت مولانا کانگریس کے پروگراموں میں شریک ہوتے تھے،

۱- محسن سجاد ص ۱۶۸ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

۲- بیست حاضرہ اور ادارہ امارت شرعیہ ص ۲۰ تا ۲۱ شائع کردہ حسب فرمانش مولوی حکیم محمد علی عالم صاحب صدیقی۔ برقی مشین پر لیس مراد پور باگ پور۔

لیکن کہیں کوئی غلطی نظر آتی تو بر ملا تنقید فرماتے تھے، آپ کی موجودگی کانگریس کے لئے بالخصوص مسلمانوں کے حقوق اور معاملات میں ایک آئینی حصار ثابت ہوتی تھی، مولانا نے کبھی کانگریس کی کسی غلط پالیسی پر مصالحانہ رویہ اختیار نہیں کیا، اور بڑی بات یہ تھی کہ کانگریس ان اصلاحات کو قبول کرتی تھی۔

☆ کانگریس کے ایک اجلاس (۱۹ جنوری ۱۹۳۹ء) میں حضرت مولانا کی شرکت اور جوابی تقریر کی رپورٹ نقیب (مورخہ ۲۰ رذی قعدہ ۱۳۵۷ھ) میں شائع ہوئی تھی، اس کا یہ اقتباس اس سلسلے میں کافی چشم کشا ہے:

”حضرت مولانا نے ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر یحییٰ محمود صاحب) کا بھی شکریہ ادا کیا کہ آپ نے مذہبی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کو اصولاً تسلیم کر لیا، امید ہے کہ وہ اس کی اہمیت کی بناء پر مسلمانوں کے لئے اس کو جلد ہی لازم بھی قرار دیں گے، دیہات سدھار سے گاندھی ازم کے اخراج پر بھی آپ نے شکریہ ادا فرمایا۔ اخیر میں آپ نے فرمایا کہ صحیح اعتراض سے ڈاکٹر صاحب کو گھبراتا نہیں چاہئے، بلکہ اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہئے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کانگریس یا اس کی حکومت پر صحیح اعتراض کانگریس کی حمایت کے منافی نہیں ہے، چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے خود مجھ سے فرمایا ہے، کہ کانگریس یا اس کی حکومت کی واقعی غلطیوں کو بتانا چاہئے، اس سے چشم پوشی ہرگز نہیں کرنی چاہئے، ان کی غلطیوں کا نہ بتانا، کانگریس اور ملک سے غداری ہے، ہر کانگریسی کو چاہئے کہ وہ غلطیوں کو بتایا کرے، میں اس وقت بھی کہتا ہوں کہ جب بھی حکومت کے طرز عمل کی غلطیوں کو دیکھ لوں گا یقیناً اعتراض کروں گا۔“

☆ سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ نے بھی اپنے مضمون میں حضرت مولانا سجادؒ کی ایک تقریر کا اقتباس نقل کیا ہے، جس سے کانگریس کے تعلق سے حضرت سجادؒ کا نقطہ نظر واضح ہوتا ہے:

”انہوں نے الہ آباد کی یونیورسٹی کانفرنس میں ڈاکٹر منجے کی ایک تقریر کا جواب دیتے ہوئے صاف کہا تھا کہ جہاں تک ملک کی آزادی کا سوال ہے، مسلمان کانگریس کے ساتھ شریک ہیں، اور پوری قوت کے ساتھ کانگریس کی حمایت کرنے کو آمادہ ہیں، لیکن جہاں تک مسلمانوں کی مذہبی اور شرعی زندگی ہے اور ان کے شوشل معاملات کا تعلق ہے، وہ ایک امیر کے ماتحت ہی رہ سکتے ہیں، اور ان کی شرعی زندگی بدون امیر کے نہیں رہ سکتی۔ یہی وہ بات تھی جو بار بار سمجھانے کے باوجود ڈاکٹر منجے کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔“

۱- اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات ص ۷۴، ۷۸ مرتبہ مولانا عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ، ۱۹۳۸ء۔ یہ کتابچہ بھی حضرت مولانا سجادؒ کی حیات میں شائع ہوا تھا، جو ظاہر ہے کہ آپ کے افادات اور ہدایات کا تحسّ جلیل ہے۔

۲- حیات سجاد ص ۱۰۸ مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک مضمون میں حضرت سجادؒ کے مواعظ و ملفوظات کے بعض اجزاء نقل کئے ہیں، جو انہوں نے چھپرہ میں اپنے عہد طالب علمی میں سنے تھے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے اس سے کانگریس کے بارے میں حضرت سجادؒ کے رجحان پر روشنی پڑتی ہے:

” (۱۹۳۸ء کی) صوبائی کانفرنس کے موقع پر شرکت کانگریس کی تجویز آئی تو ایک طرف زیادہ علماء اس کے قائل تھے کہ بغیر کسی شرط کے کانگریس میں مسلمانوں کو شریک ہونا چاہیے، تو دوسری طرف چند علماء اس کے قائل تھے کہ ایسا قطعاً درست نہ ہوگا۔ جب حضرت مولانا سجاد صاحبؒ سے کہا گیا کہ آپ فیصلہ فرمائیں تو مولانا نے فرمایا کہ تجویز میں میں کوئی کئے سے بدل دیا جائے یعنی کانگریس کے ساتھ ہو کر آزادی کی لڑائی انگریزوں سے لڑی جائے، آپ نے فرمایا کہ یقیناً چاہیے کہ جب آزادی کا وقت آئے گا، برادران وطن آپ کو دھکا دے کر آگے بڑھ جائیں گے اور آپ غیر منظم ہوں گے تو مسلمانوں کا قتل عام ہوگا، اس وقت کیا تجویز منظور ہوئی میں نہیں جانتا مگر ملک جب آزادی کے قریب پہنچا تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دوسارا منظر دیکھا، جس کی مولانا محمد سجاد صاحبؒ ہمیشہ گویا فرماتے تھے۔“

کانگریس کے ساتھ اتحاد و تعاون کی ایک منظم اسکیم

☆ حضرت سجادؒ کے ذہن میں کانگریس کے ساتھ اتحاد و تعاون کا ایک جداگانہ منصوبہ تھا، جس سے انہوں نے اپنے وقت کے بعض قائدین کو آگاہ کیا تھا، لیکن اس پر ان رہنماؤں نے سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں کی، اگر ایسا ہوتا تو آج ملکی سیاست میں مسلمانوں کا بھی ایک مقدم ہوتا، حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کو بھی حضرت سجادؒ نے اپنی اسکیم سے آگاہ کیا تھا اور اپنا منصوبہ تحریری صورت میں مطالعہ کے لئے عنایت فرمایا تھا، مولانا نعمانی سے ہی اس کی تفصیل سنئے:

”یہ کوئی چھپی حقیقت نہیں اور کم از کم جمعیۃ علماء سے تعلق رکھنے والوں میں تو سب ہی کو معلوم ہوگا۔ کانگریس کی مغربی قبول کر لینے کے بعد سے راقم اعروف کی ذاتی رائے شرکت کانگریس کے مسئلہ میں جماعت کے نامہ رجحان کے خلاف رہی، اسی زمانے میں حضرت مرحوم نے جو اس وقت اس مسئلہ میں بہ نسبت دوسرے اکابر کے مجھ سے قریب الخیال تھے، منظم شرکت کی ایک خاص شکل تجویز فرمائی اور اس نظام کے ماتحت جو شرکت ہوتی وہ یقیناً بہت وزن دار ہوتی،

مولانا مرحوم نے وہ اسکی مطالعہ کے لئے مجھے بھی عطا فرمائی، میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ اگر آپ اس کو جماعت سے منوالیں تو میں اس اصول پر شرکت کاسب سے بڑا حامی ہوں، اور اس نظام کو بروئے کار لانے کے لئے چھ مہینے کے لئے اپنی خدمات بھی پیش کر سکتا ہوں۔۔۔ لیکن بد قسمتی کہ اس وقت غالباً ہمارے تیز رو طبقہ کے اس سے متفق نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسکی پس یوں ہی رہ گئی اور بعد میں حالات بھی اس کے لئے سازگار نہیں رہے۔^۱

حرب سلمی (سول نافرمانی) کا آغاز مسلمانوں نے کیا

بعض لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ حضرت مولانا سجادؒ نے سول نافرمانی کی تحریک گاندھی جی سے لی تھی، اور اس کو اسلامی جامہ پہننے کی کوشش کرتے رہے اور اسی بنا پر بہت سے لیگی احباب نے اس کی حرمت کے فتوے بھی حاصل کئے تھے،^۲ لیکن یہ ایک خلاف واقعہ بات ہے، حضرت مولانا سجادؒ نے خود اپنے ایک مکتوب میں اس کا جواب دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”اس سلسلہ میں ہندوستان کا ایک تاریخی واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں میری یاد میں سب سے پہلے حرب سلمیٰ ۱۹۰۷ء میں ضلع چمپارن میں کاشتکاروں نے اختیار کیا جس کے لیڈر شیخ گلاب مرحوم اور شیخ عدالت تھے، چار چار، پانچ پانچ سواشخاص ایک ایک مرتبہ برامن طریقہ پر جیل گئے اور مسلسل یہ جنگ جاری رہی، اس کے بعد غالباً ۱۹۱۱ء میں گاندھی جی ان کی مدد میں چمپارن گئے، اس جنگ کی تجویز اور اہتہ مسلمانوں نے کی، جس میں غیر مسلم بھی شریک ہوئے۔ پھر ۱۹۰۹ء میں صرف مسلمانوں نے حکومت یوپی کے مقابلے میں بمقام ”مدح صحابہ“ کے قنصل میں اسی حرب سلمیٰ کا استعمال کیا، اور تقریباً ایک ہزار مسلمان برامن طریقہ پر قانون شکنی کرتے ہوئے جیل گئے، جس میں کوئی ہندو شریک نہیں تھا، اور نہ گاندھی سے ہندوستان واقف تھا، مگر بد قسمتی دیکھئے کہ جب اس حرب کو ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۰ء کی جنگ آزادی میں مسلمان اختیار کرتے ہیں، تو خود مسلمان اس کو ناجائز جانتے ہیں، اور یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ ”یہ گاندھی جی کی ایجاد ہے۔“^۳

بالآخر پھر ایک وقت وہ آیا کہ مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ (۲۳، ۲۵ دسمبر ۱۹۳۸ء) میں خود مسلم لیگ نے بھی سول نافرمانی کی تجویز قبول کر لی۔ (مکاتیب سجاد ص ۵۹، ۵۸)

۱- محسن سجاد ص ۵۹، ۵۸ مضمون مولانا منظور نعمانی۔

۲- مکاتیب سجاد ص ۵۹، ۵۸ مع حواشی مولانا عبدالمجید رحمانی بحوالہ ”بین عزیز ص ۱۱۔“

۳- مکاتیب سجاد ص ۶۰، ۶۱۔

کانگریسی پالیسیوں سے اختلافات و اصلاحات

متعدد مسائل میں آپ نے کانگریس سے اختلاف کیا اور اپنے اختلافات کا برملا اظہار بھی کیا، مثلاً:

گاندھی ازم پر کھلی تنقید

(۱) گاندھی جی پر مختلف مسائل میں جتنی کھلی تنقید حضرت مولانا سجاد نے کی، خاص طور پر گاندھی ازم کے فلسفہ پر، کہ شاید اس دور کے ہندوستان میں جب کہ گاندھی جی کی طوطی بولتی تھی کسی نے ایسی تنقیدوں کی جرأت نہیں کی، حضرت مولانا سجاد نے ایک مفصل مضمون 'گاندھی جی اور کانگریس' کے نام سے تحریر فرمایا جس میں آپ نے گاندھی جی کے فلسفہ کے (جس کو عام طور پر مذہبی رنگ میں پیش کیا جاتا تھا) تاروپود بکھیر کر رکھ دیئے، اور گاندھی جی کی اصل تصویر ان کے سامنے کر دی، کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کی ہمدردی و حمایت کی غرض اور معنویت بھی واضح کر دی، اور ان کو کسی قسم کی غلط فہمی میں نہ رہنے کی تلقین فرمائی۔^۱

بالآخر کانگریس کو بھی حضرت مولانا کے سامنے اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی اور دیہات اسکیم کے نام پر جس کھیل کا آغاز کیا گیا تھا، اس سے واپس آنا پڑا، خود کانگریسی وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود صاحب نے دیہات سدھارا اسکیم کی رسم افتتاح کے جلسہ میں اعلان کیا:

”دیہات سدھارا اسکیم پر بھی حضرت مولانا سجاد صاحب کو اعتراض ہے کہ اس کے ذریعہ گاندھی ازم کی اشاعت ہوگی، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گاندھی ازم کا ذکر دیہات سدھارا اسکیم میں غلطی سے آگیا تھا حضرت مولانا کے توجہ دلانے پر اس کو نکال دیا گیا، اور گاندھی ازم کی اشاعت ہرگز نہیں ہوگی۔“^۲

یہ وہ عظیم ارشاد حق تھا جس میں حضرت مولانا سجاد کا کوئی شریک نہیں تھا، اسی لئے حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی فرماتے تھے کہ:

’کانگریس نے جب بھی کوئی ایسی ٹھوک کھائی جس سے مسلمانوں کے کاؤ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مولانا نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا، اور بالآخر کانگریس حکومت کو اپنے مطالبہ حق کے سامنے

۱- مقالات سجاد ۶، ۵۰-۵۱۔

۲- اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات ص ۳۶ مرتبہ حضرت مولانا عثمان غنی صاحب، ۱۹۳۸ء۔

جھکا لیا۔^۱

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”جذبہ آزادی کی پوری قوت کے باوجود انہوں نے کانگریس یا کانگریسی حکومت کے غلط قدم

اٹھانے پر کبھی بزدلانہ یا صلح پسندانہ درگزر سے کام نہیں لیا۔“^۲

اور مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب رقمطراز ہیں:

”کانگریسی لیڈروں سے اور اس کے اداروں سے مولاناؒ کے تعلقات ہمیشہ بے لوث رہے اور

ایک مثال بھی ایسی نہیں مل سکتی جس میں مولانا کا دامن اغراض ذاتی سے وابستہ ہوا ہو، مخالفین

کے اعتراضات جن بدگمانیوں پر منحصر ہوں ان کی تحقیق کا تو موقع نہیں، مگر مخالفین خود بھی اپنی بد

گمانیوں کی کوئی بنیاد آج تک نہ بنا سکے۔ کانگریس کے ساتھ مصنیع اتحاد عمل مولاناؒ کا کھلا ہوا تدار

تھا، اور عملی طور پر جب اسلامی حقوق کی مخالفت کانگریس کی مخالفت کی داعی ہوتی، تو مولاناؒ

کانگریس کی مخالفت سے کبھی باز نہ آتے، یہی وہ اصول عمل تھا جس کی وجہ کران کی ذات گرامی

سے کانگریس مرعوب بھی تھی اور خائف بھی۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ مولاناؒ کانگریس یا ہندوؤں سے

مرعوب ہوتے تھے وہ ان حقائق پر غور کریں جو عارضی وزارت بنانے اور اس بیان کے شائع

کرنے میں پوشیدہ تھے، جو بت پرستی کو برداشت کرنے اور مسٹر کرپانی کے خط فلسفہ گاندھی ازم

کے جواب میں لکھا گیا۔“^۳

متحدہ قومیت کا نظریہ

(۲) گاندھی جی نے متحدہ قومیت کا نظریہ پیش کیا، اور اس کو پورے ملک کے لئے قابل قبول

بنانے کی کوشش کی تو سب سے پہلے حضرت مولانا سجاد کا قلم اس کے خلاف حرکت میں آیا، حضرت

مولانا منظور نعمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”۱۹۳۰ء کے شروع مہینوں میں ”واحد قومیت“ کے مسئلے پر گاندھی جی نے اپنے اخبار ہریجن

میں مسلسل مضامین لکھنے شروع کئے اور ان میں ”ایک قوم“ کے نظریے کو ایسے انداز میں انہوں

نے پیش کیا جس کو اسلام کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتا بلکہ اگر مسلمان اس کو قبول کر لیں تو یقیناً

۱- حیات سجاد ص ۱۵۳ مضمون مولانا حفظ الرحمن سید ہاروی۔

۲- محاسن سجاد ص ۳۶ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی۔

۳- محاسن سجاد ص ۹۳ مضمون مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب۔

ان کو دین کے بڑے حصہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا کانگریس سے تعلق رکھنے والے ذمہ دار حضرات میں حضرت مولانا مرحوم نے ہی سب سے پہلے پوری تفصیل کے ساتھ گاندھی جی کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا اور بتلایا کہ واحد قومیت کا جو تصور آپ رکھتے ہیں، وہ مسلمانوں کے سنے ناقابل قبول ہونے کے علاوہ واقعات کے لحاظ سے بھی محض غلط ہے اور ایسی متحدہ قومیت کا کوئی تصور اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک ہندوستان میں ایک مسلمان بھی باقی ہے۔ بلکہ گاندھی جی یا ان کے پیروں کا اس غلط مفروضہ پر اسرار ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کو بجائے آسان کرنے کے اور زیادہ مشکل کر دے گا۔“

۵ رشوال ۱۳۵۸ھ کے نقیب (ج ۷ شمارہ ۱۹، ۲۰) میں حضرت مولانا سجاد کا مسئلہ قومیت پر ایک نہایت مفصل اور مدلل مضمون شائع ہوا، جس کا عنوان تھا: 'اسلام اور مسلم قومیت کے کیا معنی ہیں؟ گاندھی جی غور کریں' جس میں اس نظریہ کی قباحت معقول بنیادوں پر ثابت کی گئی ہے، اب یہ مضمون مقالات سجاد کا حصہ ہے۔^۲

ابنسا (عدم تشدد) کا نظریہ

(۳) کانگریس حکومت نے بہار کے مکتبی انصاف میں گاندھی جی کے فلسفہ عدم تشدد (ابنسا) کو داخل کیا تو حضرت مولانا سجاد نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی، اور اس کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا، آپ نے اس وقت کے وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود کو خط لکھا، اور اس خطرہ کا اظہار فرمایا کہ:

”مسلمانوں میں بھائے اسلام ازم پھیلانے، گاندھی ازم و ہندو ازم پھیلانے کا تہیہ کیا جا رہا ہے، ممکن ہے آپ کی حکومت کا یہ ارادہ نہ ہو مگر اسکیم کا جو خاکہ ہے وہ میرے اس دعویٰ کی مستحکم دلیل ہے، اس لئے میں پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ نہ مسلمانوں کی دماغی تربیت کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور غلط رائے راہدین کی سوانح عمریاں دیکھنے اور انہما دھرم اور گاندھی جی کی ”سوشل حق“ کی سرگردانی مسلمان طلبہ پر مسلط کر کے غیر اسلامی تعلیم و تربیت نہ پھیلائیے۔“ (حضرت مولانا نے خط کے آخر میں یہ دھمکی بھی دی) اس خط کی بھی نقل مولانا ابوالکلام صاحب کے پاس بھیج رہا ہوں، اور ایک ہفتہ آپ کے جواب کے انتظار کے بعد اپنی قومی، مذہبی ذمہ داری کی بنا پر میں اس خط کو پبلک کی

۱- محسن سجاد ۶۰ مضمون مولانا منظور نعمانی۔

۲- مقالات سجاد ۳۱، ۳۲، ۳۳۔

واقفیت کے لئے پریس میں دے دوں گا۔^۱

حضرت مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں کہ:

”جب ایک مرتبہ گاندھی جی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسلام میں افہام کا تصور ہے، تو اپنے حلقہ میں مولانا جی نے پوری جرأت و عزیمت کے ساتھ سب سے پہلے اس کے خلاف قلم اٹھایا اور بتلایا کہ یہ سیاسی حیثیت سے بلند مرتبہ رکھنے کے باوجود گاندھی جی کی معلومات اسلام کے بارے میں ایک طفل مکتب سے زیادہ نہیں ہیں۔“^۲

اس موضوع پر حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے مقالہ اسلام اور مسلم قومیت کے کیا معنی ہیں؟ گاندھی جی غور کریں! میں مدلل بحث کی ہے، جو مقالات سجاد میں موجود ہے۔^۳

تجویز نمائندہ اسمبلی

(۴) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”نمائندہ اسمبلی والی تجویز جب پیش ہوئی تو مولاناؒ کے حکم سے پارٹی کی طرف سے دو ترمیمیں پیش کی گئیں:

(الف) نمائندہ اسمبلی کے نمائندے جداگانہ مذہبی حلقوں سے منتخب ہوں۔
(ب) نمائندہ اسمبلی میں کثرت رائے پر فیصلہ نہ ہو بلکہ باہمی رضامندی شرط قرار دی جائے۔ ان ترمیموں کی معقولیت ظاہر ہے لیکن پھر بھی ان ترمیموں پر کئی دنوں تک مباحثے ہوتے رہے۔

(کانگریسی) وزیراعظم نے اپنی جوابی تقریر میں اور ایوان سے باہر وزیر مالیات نے ہمیں بتایا کہ یہ تجویز کانگریس ورکنگ کمیٹی کی منظور شدہ ہے اس لئے کمی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔

میں نے مولاناؒ سے ساری روئیداد کہی اور اپنی ذاتی رائے ترمیمیں واپس لے لینے کے حق میں دی، لیکن مولاناؒ کو ان ترمیموں پر برابر اصرار رہا، اور وہ یہ کہتے رہے کہ یہ سارے بہانے ہیں، ورنہ اگر وزیراعظم چاہیں تو ابھی چند منٹوں کے اندر صدر کانگریس سے فون پر طے کر سکتے ہیں۔ مولاناؒ کے اس مضبوط رویہ نے بالآخر وزیراعظم کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ فون پر صدر کانگریس سے مشورہ

۱- مکاتیب سجاد ص ۸۴ ☆ حیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب

۲- محاسن سجاد ص ۶۰ مضمون مولانا منظور نعمانی۔

۳- مقالات سجاد ص ۳۵۲-۳۵۳۔

کریں، چنانچہ صدر کانگریس پنڈت جواہر لال کی مرضی سے یہ ترمیمیں بہار اسمبلی میں منظور ہوئیں۔ یہ تجویز تمام کانگریسی صوبوں میں پیش کی گئی، لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بہار کے علاوہ تمام صوبوں میں یہ تجویز من و عن منظور ہو گئی۔ صرف مدھ کے ہندو ممبران اپنے نقطہ نگاہ سے ایک ترمیم منظور کرا سکے۔^۱

زراعتی ٹیکس سے اوقاف کا استثناء

(۵) بہار اسمبلی میں کانگریس کی طرف سے زراعتی آمدنی پر ٹیکس کا مسودہ قانون پیش ہوا، مولانا کو شبہ ہوا کہ کہیں اس قانون کی زد اوقاف پر نہ پڑے، چنانچہ انہوں نے پورا مسودہ پڑھوا کر سنا، سننے پر مولانا کا خدشہ صحیح نکلا، آپ نے مسنم اوقاف کا بل بہار اسمبلی میں مسٹر محمد یونس صاحب سابق وزیر اعظم صوبہ بہار کے ذریعہ پیش فرمایا۔^۲ ابتداء مولانا کی یہ کوشش رہی کہ ارباب حکومت سے مل کر اس مسئلہ کو باہمی طور پر طے کر لیا جائے، لیکن جب وہ اس پر راضی نظر نہ آئے تو مولانا کو اخبارات میں بیانات اور پھر سول نا فرمانی کی دھمکی دینا پڑی، اسی دوران مولانا ابوالکلام صاحب مدظلہ مسئلہ کو سلجھانے کے لئے پٹنہ تشریف لائے، اور ان کے مشورہ سے حکومت بہار نے ترمیم منظور کر لی، اور بہار اسمبلی میں زراعتی آمدنی پر ٹیکس کے قانون سے اوقاف کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ لیکن بہار نسل سے ابھی وہ پاس نہیں ہو پایا تھا کہ کانگریس حکومت مستعفی ہو گئی۔^۳

اوقاف پر زرعی ٹیکس کے رد پر حضرت مولانا سجاد کا ایک علمی مضمون امارت شریعہ سے شائع شدہ قانونی مسودے میں موجود ہے، اپنے موضوع پر انتہائی مدلل اور مفصل تحریر ہے۔^۴

دیگر کئی بلوں کی منظوری

(۶) اکٹم ٹیکس کے قانون میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مولانا نے پارٹی کی طرف سے مسلم وقف بل، لوکل باڈیز (ڈسٹرکٹ بورڈوں سے متعلق) بل، اور میونسپلٹی کا ترمیمی مسودہ قانون مرتب کیا۔ جب حکومت کو ان مسودوں کی اطلاع ملی تو خود اس نے اپنے طور پر مسلم وقف بل، اور میونسپلٹی کا ترمیمی بل پیش کیا، سب سے پہلے مسنم وقف بل سامنے آیا، مجوزہ بل نہایت ناقص تھا،

۱- محاسن جلد ۲ ص ۵۱ تا ۵۲ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۲- حیات جلد ۳ ص ۱۲۴ مضمون مولانا محمد عثمان فی صاحب۔

۳- حیات جلد ۳ ص ۱۲۴ مضمون مولانا محمد عثمان فی صاحب جلد ۲ ص ۵۱ تا ۵۲ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۴- قانونی مسودے ص ۴۶ تا ۵۲ شائع کردہ: امارت شریعہ پبلواری شریف پٹنہ۔

چنانچہ اس پر غور کرنے کے لئے ایک منتخب کمیٹی بنی، کمیٹی نے اپنے جلسوں میں مولانا کو بھی طلب کیا، اور ان کی رائے سے بجز دو چار مقامات کے ہر جگہ اتفاق کیا، رائے شماری کے وقت پارٹی نے مجموعی طور پر بل کی حمایت کی البتہ ان مقامات پر جہاں اتفاق نہ ہوسکا، مخالفت کی، پھر بھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ صوبہ بہار کا وقف بل ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے وقف بلوں سے کئی درجہ بہتر ہے۔^۱

ڈاوری بل کی اصلاح

(۷) کچھ دنوں کے بعد ایک غیر سرکاری مسودہ قانون جہیز بل (ڈاوری بل) کے نام سے پیش ہوا، مولانا کی دور بین نگاہوں نے اس کے مضر اثرات کا فوراً اندازہ کر لیا، اور یہ مولانا ہی کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ اس بل سے مسلمان بری کر دیئے گئے۔^۲

مذہبی تعلیم کا حق

(۸) حضرت مولانا کی کوششوں سے ڈاکٹر سید محمود زیر تعلیم نے ابتدائی تعلیم میں مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کے حق کو تسلیم کیا۔^۳ انہوں نے کانگریس کے ایک اجلاس (۱۹ جنوری ۱۹۳۹ء) میں حضرت مولانا سجاد کی موجودگی میں یہ اعلان کیا:

”ہمارے مخدوم مولانا سجاد صاحب کو سخت اعتراض ہے کہ اس میں مذہبی تعلیم نہیں ہے، حضرت مولانا کے کہنے پر میں نے مذہبی تعلیم کی اجازت دے دی، اور اصولاً میں نے مذہبی تعلیم کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔“^۴

نہرو رپورٹ اور دیگر نام نہاد اصلاحی اسکیموں کی مخالفت

مولانا شاہ حسن آرزو صاحب لکھتے ہیں:

(۹) نہرو رپورٹ جب سامنے آئی تو مولانا نے اس سے اصولی اختلاف شروع کیا اور آخری وقت تک پوری قوت کے ساتھ اختلاف کرتے رہے۔ اسی طرح نئی اصلاحات ملکی سے انہوں نے

۱- حیات سجاد ص ۷۷ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

۲- حیات سجاد ص ۷۵ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

۳- حیات سجاد ص ۷۵ مضمون مولانا عثمان فنی صاحب۔

۴- اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات ص ۲۶ مرتبہ مولانا عثمان فنی صاحب۔

پوری طاقت کے ساتھ اختلاف کیا، وہ جدید نظام حکومت میں مسلم مفادات کا منت نقصان تصور کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اس سے تو بعض لحاظ سے نہرو رپورٹ ہی بہتر چیز تھی۔^۱

شاردھلیکٹ کی مخالفت

(۱۰) اسی طرح شاردھلیکٹ جب سامنے آئی تو چونکہ اس کا تعلق ہندوؤں کی طرح مسلمانوں سے بھی تھا اس لئے موانہ نے اس کی پوری کوشش کی، کہ مسلمان ہرحال میں اس قانون سے الگ کر دیئے جائیں، کیونکہ یہ قانون آئندہ شرعی قانون سے یقینی متصادم ہوگا۔^۲

کانگریسی حکومت کی غیر منصفانہ روش کے خلاف احتجاجی مکاتیب

مولانا عثمان غنی صاحب نے اس سلسلے کے دو اور اہم واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو ان کے خیال میں چند مخصوص حضرات کے سوا بہت کم لوگوں کو معلوم ہے:

(۱۱) ایک یہ کہ حضرت موانہ نے مسلمانوں کے معاملات میں کانگریسی حکومت کی غیر منصفانہ روش اور کانگریسی ورکنگ کمیٹی کی غلطیوں اور غلطیوں کے متعلق ایک تحریر مرتب فرمائی تھی جس کو مکتوب کی شکل میں گاندھی جی، بابو راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو بھیج دیا تھا۔

(۱۲) دوسرا مکتوب جنگ کے متعلق ہذا کسٹنس وائسرائے ہند کے نام بھیجا تھا جس میں موجودہ جنگ کے متعلق شرعی نقطہ نظر کی وضاحت فرمائی تھی۔ پہلی چیز بالکل پرائیوٹ تھی اس لئے وہ شائع نہیں کی گئی اور دوسری چیز ایسی ہے جو موجودہ آرمینسوں کی بنا پر شائع ہی نہیں ہو سکتی۔^۳

لیکن مختلف مسائل میں کانگریس سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود کانگریسی لیڈران آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور آپ کو ایک مختص، بے غرض اور محب قوم و وطن رہنما تصور کرتے تھے۔

مولانا سید شاہ حسن آرزو لکھتے ہیں:

”کہ مولانا آزادی ہند کی حیثیت سے کانگریس کے گرم جوشی سے مدد و معاون اور شریک کار

۱- دیات جلد ۱ ص ۹۸ مضمون سوزناشاہ حسن آرزو صاحب۔

۲- دیات جلد ۱ ص ۹۸ مضمون مولانا شاہ حسن آرزو صاحب۔

۳- دیات جلد ۱ ص ۱۰۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔

تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مفاد اسلامی کے خطرہ کے موقع پر وہ کانگریس کے سخت ترین دشمن و مخالف بھی تھے۔ ہمارے سوہنئی گزشتہ قومی حکومت سے اس لیے جنگ کر گئے کہ وہ جبر یہ تعلیم کی اسکیم میں خصوصیت کے ساتھ مذہبی تعلیم کو کوئی جگہ دینا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اس شدید مخالفت کے باوجود ذمہ داران کانگریس مولانا کو ایک بے غرض محب قوم و وطن سمجھتے ہوئے انتہائی عزت و احترام سے پیش آتے رہے۔“



فصل ہفتم

حضرت مولانا سجاد اور مسلم لیگ پارٹی - روابط اور مسائل

اس دور کی دوسری بڑی پارٹی مسلم لیگ تھی، بلکہ مسلمانوں کا عمومی رجحان اسی پارٹی کی طرف تھا، اس لئے کہ اس کی بنیادی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، جبکہ کانگریسی قیادت ہندوؤں کے پاس تھی، اور وہ اپنے کو سیکولر یعنی لامذہب جماعت قرار دیتی تھی، اس کی بنا پر عام مسلمانوں کا اس سے اجتناب قدرتی تھا، اس دور کی بعض تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداءً حضرت مولانا سجاد کا رجحان بھی مسلم لیگ کی طرف تھا، بلکہ اس کے کئی اصول و ضوابط کے واضحین میں آپ شامل تھے، آپ اس کے پروگراموں میں قائدانہ طور پر شریک ہوتے تھے، اور آپ کے زیر اثر جمعیۃ علماء ہند کی مذہبی سربراہی کو بھی اس نے دستوری طور پر تسلیم کیا تھا، اس کی مختصر روداد مسلم لیگی رہنما جناب راغب احسن صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

نہرو رپورٹ کی مخالفت اور مسٹر محمد علی جناح کی حمایت

☆ مولانا (محمد سجاد) عملی سیاست کا گہرا علم رکھتے تھے حقیقت میں مولانا دل سے لیگ کے موجودہ اصول و دعاوی اور مقاصد سے ہمدردی رکھتے تھے بلکہ ان کے وضع کرنے میں نمایاں حصہ لے چکے تھے۔

مولانا ان علماء کے لیڈر تھے جنہوں نے اس سو فسطائی پروپیگنڈا کا زبردست مقابلہ کیا تھا، جو ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کی دہری غلامی کو اینٹگو ہندو سامراج کی صورت میں مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لئے ہندو کانگریس کے سرمایہ سے جاری کیا گیا تھا، طبقہ علماء کے لئے اس کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ مولانا ابوالکلام اپنے سحر سامری سے جمعیۃ علماء کو مسحور کر کے اپنے ساتھ بہالے جائیں گے لیکن مولانا سجاد نے نہایت عقلمندی اور قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور محمد علی جناح کے اس جہاد کا ساتھ دیا جو انہوں نے نہرو رپورٹ کے خلاف جاری کیا تھا۔ مولانا جمعیۃ علماء کے لیڈروں کو لے کر آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اس اجلاس میں بھی شریک ہوئے، جو یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو بھارت ہربائی نس آغا خاں وہلی میں منعقد ہوا اور جس نے نہرو رپورٹ کے لئے وہ مطالبات وضع کئے

جنہیں مسٹر جناح نے مارچ ۱۹۲۹ء میں چودہ نکات کی صورت میں ترتیب دیا تھا۔^۱

جمعیت علماء ہند کے اجلاس دہلی میں محمد علی جناح کو دعوت

☆ جب ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے پاس ہونے کے بعد مسلم کانفرنس کا دور ختم ہوا اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کی دعوت پر مسٹر محمد علی جناح نے انگلستان سے ہندوستان واپس آ کر مسلم لیگ کو دوبارہ زندہ کرنے کی غرض سے مسلم لیگ کی لیڈری قبول کی تو مولانا سجاد ان علماء میں شریک تھے جنہوں نے مسٹر جناح کو جمعیت علماء کے جلسہ دہلی میں شرکت اور تقریر کرنے کی دعوت دی تھی اور ان کا خیر مقدم کیا تھا۔^۲

مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں مولانا سجاد کی شرکت

☆ جب آل انڈیا مسلم لیگ نے پارلیمنٹری بورڈ بنانا چاہا اور اس کے لئے مختلف صوبوں کے لیڈروں کو ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء کو دہلی میں جمع ہونے کی دعوت دی تو اس میں بھی مولانا سجاد شریک تھے۔^۳

مسلم لیگ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ میں مولانا سجاد ممبر نامزد

☆ جب مسٹر جناح نے سری نگر کشمیر سے آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے ممبروں کے نام کا اعلان کیا تو بہار کے ناموں میں مولانا سجاد کا نام سب سے اوپر تھا اور بہار کے باقی تین نمائندے خاص مولانا سجاد کی امارت شرعیہ کے لوگ تھے یعنی قاضی احمد حسین صاحب، شاہ مسعود احمد صاحب و سید عبدالحفیظ صاحب ایڈوکیٹ۔^۴

مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں مولانا سجاد کی شرکت

☆ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس دور جدید کا حقیقی آغاز اس تاریخی جلسے سے ہوتا ہے جو ۸ جون ۱۹۳۶ء کو بمقام لاہور بھارت مسٹر جناح منعقد ہوا، اس جلسے کے علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال روح رواں تھے، بلکہ انہی کی علامت کے خیال سے جلسہ خاص لاہور میں کیا گیا تھا۔ یہ آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا اولین جلسہ تھا، اس میں مولانا سجاد مرحوم، مولانا کفایت اللہ صدر

۱- محسن سجاد ص ۱۲۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

۲- محسن سجاد ص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

۳- محسن سجاد ص ۱۳۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

۴- محسن سجاد ص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

جمعیت علماء ہند، مولانا احمد سعید ناظم جمعیت علمائے ہند اور مولانا حسین احمد صاحب قائدانہ حصہ لے رہے تھے، اس اجلاس اول نے مسلم لیگ کے دور جدید کا آغاز کیا اور اس کا وہ پارلیمنٹری پروگرام وضع کیا جو آج تک اس کا پروگرام ہے، کیونکہ اس کی تفسیح کسی دوسرے ریزولیشن کے ذریعہ اب تک نہیں کی گئی ہے۔^۱

جمعیت علماء ہند کی مذہبی سربراہی کو دستوری حیثیت حاصل

یہ دفعہ مولانا سجاد نے بڑھائی

☆ لیگ کا یہ پارلیمنٹری پروگرام چودہ دفعات پر مشتمل تھا، جس کی دفعہ اول کا لفظی ترجمہ مطابق ذیل ہے:

”مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت کرنا، تمام ایسے معاملات میں جو خالص دینی نوعیت

کے ہیں، جمعیت علماء ہند اور مجتہدین کی راہوں کو واجباً وزن دیا جائے گا۔“^۲

مسلم لیگ کے پروگرام کی یہ دفعہ اول حقیقت میں حضرت مولانا سجاد کی تصنیف تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا سجاد نہ صرف یہ کہ مسلم لیگ کے جدید پروگرام کے خلاف نہ تھے بلکہ اس کے واضعین میں تھے۔ ساری جمعیت علماء کے اندر مولانا سجاد ہی مسلم لیگ سے سب سے زیادہ قریب تھے۔^۳

مسلم لیگ سے حضرت مولانا سجاد کی علیحدگی۔ اسباب و وجوہ

لیکن اس قدر قربت و تعلق کے باوجود حضرت مولانا اس سے الگ ہو گئے، کیوں؟

امارت شرعیہ یا اپنی سیاسی پارٹی کی وجہ سے؟

(۱) کیا امارت شرعیہ کی وجہ سے؟ جیسا کہ جناب راغب احسن صاحب کا خیال ہے:

”حقیقت اصلی یہ ہے کہ مولانا سجاد نے لیگ کو اپنی زندگی کی سب سے قیمتی اور اکلوتی اولاد امارت

کے لئے ترک کر دیا اور اسی کے لئے انہوں نے جنگ مول لی۔“^۴

لیکن یہ خیال اس لئے صحیح نہیں کہ امارت شرعیہ بہار ۱۹۲۱ء ہی میں قائم ہو گئی تھی، اور مسلم

۱- محاسن سجاد ص ۱۲۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۲۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

۳- محاسن سجاد ص ۱۲۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

۴- محاسن سجاد ص مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

نیگ سے مولانا سجاد کے تعلقات ۱۹۳۷ء کے بعد خراب ہوئے، اس سے پہلے خود جناب راغب صاحب کے بیان کے مطابق مولانا مسلم لیگ میں شریک تھے بلکہ اس کے اصول و قواعد کے واضعین میں بھی شامل تھے۔ راغب صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

”مسلم لیگ ۱۹۳۶ء میں جب کہ مولانا سجاد اور ان کی جمعیت اس کے حامی تھے، ایک کانڈی انجمن تھی، لیکن کمٹو کے تاریخی اجلاس اکتوبر ۱۹۳۷ء کے بعد ایک حقیقی طور سے جمہوری نمائندہ تنظیم ہو چکی تھی، جس کا غیر مقدم مولانا سجاد کو کرنا پڑے تھا۔“

اسی طرح حضرت مولانا کی سیاسی پارٹی ”بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی“ اس میں مدد نہیں بن سکتی تھی اس لئے کہ وہ صرف بہار تک محدود تھی، جب کہ مسلم لیگ آل انڈیا پارٹی تھی، ظاہر ہے کہ ایک ریاستی پارٹی کے لئے کل ہند پارٹی سے ترک تعلق کی حماقت کوئی نہیں کر سکتا۔

البتہ امارت شرعیہ جیسی مذہبی اور دینی ادارہ کی مسلم لیگ کی طرف سے جس طرح تخفیف کی گئی اور اس کی تجاویز کو جس انداز میں مسترد کیا گیا وہ حضرت مولانا سجاد کے لئے باعث تکلیف ضرور رہی ہوگی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امارت شرعیہ نے ۱۹۳۸ء میں جب نظارت امور شرعیہ کا مسودہ تیار کیا، اور ملک کے تمام اہل علم اور اصحاب دانش کو استصواب رائے کے لئے ارسال کیا، تو مسلم لیگ کے مرکزی لیڈر مسٹر جنات نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، البتہ صوبائی قائد جناب سید عبدالعزیز صاحب نے اس کا جواب عدم اتفاق سے دیا، جب کہ ملک کے تمام دیگر اداروں اور اہل علم نے اس مسودہ کی تصویب و تائید کی تھی، بات یہیں تک رہتی تو کوئی بات نہیں تھی، جناب سید عبدالعزیز صاحب نے جواب کا جواب اختیار کیا وہ بالکل جارحانہ بلکہ گستاخانہ تھا، انہوں نے جواب کی تمبیدی سطروں میں حضرت مولانا سجاد کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا:

”مسودے کے متعلق میں آپ کو بحیثیت نائب امیر شریعت جواب نہیں دے سکتا، بلکہ آپ کو ایک ذی علم مسلمان اور قومی معاملات سے دلچسپی رکھنے والے انسان کی حیثیت سے جواب دے سکتا ہوں۔ جس ادارے یا چند اشخاص کی جماعت کو آپ ”امارت شرعیہ“ کہتے ہیں۔ اس کو زیادہ سے زیادہ ایک انجمن کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ لیکن جہاں تک امیر شریعت اور نائب امیر شریعت کے مسئلہ کا تعلق ہے اس دعویٰ کو میں غیر شرعی اور نہایت مضحکہ خیز سمجھتا ہوں اس لئے میں آپ کو آپ کی ذاتی حیثیت سے ایک مختار مستی قرار دیتے ہوئے مخاطب کرتا ہوں۔ (اس تمبیہ کے بعد آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں) آپ سے اور مولوی محمد الدین صاحب سے

درخواست ہے کہ امارت کے دعویٰ سے باز آ جائیں۔^۱
جو چیز حضرت مولانا کے نزدیک واجب اور نصب العین کے درجہ میں تھی، اس کو غیر شرعی اور
مضر کہنا اور اس دعویٰ سے باز آنے کی تلقین کرنا دو متضاد راستے ہیں، ظاہر ہے کہ دو متضاد مفکر رکھنے
اشخاص بہت دیر تک ایک ساتھ سفر نہیں کر سکتے تھے۔

مسلم لیگ ہندوستانی آزادی کامل کے مطالبہ سے دستبردار ہوگئی تھی؟

(۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ مسلم لیگ نے اپنے منشور سے ملک کی آزادی کامل کے مطالبہ کی شق
خارج کر دی تھی۔ جبکہ حضرت مولانا سجاد آزادی کامل کے مطالبہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔
حالانکہ جناب راغب احسن صاحب کو اس سے انکار ہے کہ مسلم لیگ اس شق سے دستبردار ہوگئی تھی
لکھتے ہیں:

”مسلم لیگ ۱۹۳۶ء میں ڈومنین اسٹیشن کے کریڈ پر راضی تھی، لیکن لکھنؤ کے اجلاس کے بعد
آزادی کامل اور مسلم آزادی کی حائی تھی اور یہ چیز لیگ کو مولانا سجاد اور جمعیت سے بہت قریب
کرنے والی تھی، لیگ مذہبی معاملات میں جمعیت کی سیادت کو اپنے دستور اساسی کی رو سے
قبول کر چکی تھی، لہذا یہ کہنا کہ مسلم لیگ اپنے ۱۹۳۶ء کے اصول سے ہٹ گئی تھی، اس سے مولانا
سجاد اور جمعیت علماء و اہل حضرات اس سے الگ ہو گئے، قطعاً غلط اور بے بنیاد ہوگا۔“^۲

لیکن راغب صاحب کا یہ انکار واقعہ کے مطابق نہیں ہے، حضرت مولانا سجاد نے ۲۳ جنوری
۱۹۳۹ء کو مسٹر جناح صاحب کے نام جو تفصیلی خط (تقریباً ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے) تحریر فرمایا
ہے، اس میں حضرت مولانا نے اپنے بہت سے وجوہ اختلاف میں سے ایک بڑی وجہ آزادی کامل
سے دستبرداری کو قرار دیا ہے، مولانا کے مکتوب کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

”معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی رہنمائی جن ہاتھوں میں ہے ان کی اکثریت آج بھی انگریزوں
پر اعتماد رکھتی ہے، اور کم از کم مسلمانوں کے اصلی اور سب سے بڑے دکھ کے لئے جنگ کرنا
نہیں چاہتی ہے۔ اجلاس (پنڈت جس میں جناح صاحب خود بھی شریک تھے) کے دوران
۲۵ دسمبر کو آپ کے ایک دست راست اور زبردست مرکزی نیڈر ۲ دسمبر
۱۹۳۸ء والے خط کو بغور پڑھ کر کہا کہ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے
نکال دیا جائے۔ ان سے کہا گیا کہ ہاں مقصد تو یہی ہے، کیا آپ اور مسلم لیگ آزادی

۱- مکتبہ سچ دس ۵۳ مع حواشی۔

۲- محسن ۱۲۱ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

کامل کا نصب العین قبول کرنے کے بعد بھی یہ نہیں چاہتے؟ انہوں نے اس کے جواب میں بلا تکلف یہ فرمایا کہ پھر اس کا راستہ کانگریس ہے اس میں شریک ہو جائیے۔ ان سے کہا گیا کہ جو لوگ مسلم لیگ سے مایوس ہیں وہ تو اسی لئے اس میں آج بھی شریک ہیں مگر مسلم لیگ کے بانی کمانڈر توان کو صرف کافروں کی جماعت مجہد کر مسلمانوں کو اس سے ملحدہ رکھنے پر مصر ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے وہ اسلامی مقاصد، اسلامی سیاست اور اسلامی حقوق کی حفاظت کے لئے آگے بڑھے۔ جان و مال کی قربانی کی راہ اختیار کرے تمام مسلمان متحد بھی ہو جائیں گے اور کانگریس بھی آخر مسلم لیگ کی متابعت کرے گی۔ مگر وہ صاحب بار بار یہی فرماتے رہے کہ اس مقصد کی راہ کانگریس ہے۔

میں نہیں مجہد کہتا کہ مسلم لیگ کے تمام لیڈروں کا یہی خیال ہے، لیکن ایک بات اور بھی میرے سامنے ہے کہ مسلم لیگ کا جو لیڈر دائرہ اس لئے یا وزیر ہند سے مل کر اپنی جگہ پہنچتا ہے تو وہ مسلم لیگ کا داعی اور بہت بڑا داعی بن کر آتا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کیا راز ہے؟ ان باتوں کے علاوہ جب یہ غور کیا جاتا ہے کہ جب سے مسلم لیگ نے اپنا نصب العین کامل آزادی مقرر کیا ہے۔ اس وقت سے لے کر اجلاس پندرہ تک مسلم لیگ کے بٹنے تلے اور اجلاس ہوئے خواہ وہ آل انڈیا ہوں یا صوبہ جاتی کسی ایک کے خطبہ میں بھی اس نصب العین کا تذکرہ تک نہیں ہے، اور نہ اس مقصد کے لئے آج تک کوئی تجویز منظور ہوئی ہے۔“

خود بہار مسلم لیگ کے صدر جناب سید عبدالعزیز صاحب کے بعض ایسے بیانات شائع جن سے آزادی کا مل کے نصب العین کی حوصلہ شکنی ہوتی تھی، مثلاً:

”مکمل آزادی کا جنمیل بڑا ہے۔ نہ اس کے صرف اعلان سے کوئی شخص بڑا حوصلہ مند شمار کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اس سے بھی بڑے حوصلے اور ہمت کے جذبات بہت سے دلوں میں موجود ہوں گے۔ جیسے مسلمانوں کی یہ خواہش کہ ہندوستان غیروں کی حکومت سے نہ صرف آزاد ہو جائے بلکہ یہاں پھر مسلمانوں کی سلطنت قائم ہو جائے (بیان غویز) ایک دوسرے بیان میں کہا:

اول تو اتحاد نہیں، دوم پوری صلاحیت نہیں، سوم سامان حرب نہیں، اس پر مکمل آزادی حاصل کرنے کا حوصلہ یا دعویٰ کہاں تک دائمنہ کی کا شہوت دیتا ہے۔“

جمعیت علماء ہند سے کئے گئے وعدے پورے نہیں کئے گئے

(۳) حضرت مولانا سجاد اور علماء سے مسلم لیگ نے جو وعدے کئے تھے وہ پورے نہیں کئے، جمعیت علماء ہند کی مذہبی سربراہی کو دستوری طور پر تسلیم کیا گیا تھا، لیکن اس کو عملی طور پر برتا نہیں گیا، اور اسلام اور علماء اسلام کا نام لے کر اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا، جس سے مولانا سجاد اور ان کی جماعت کو مایوسی ہوئی۔

بالتیقین یہ بھی ایک بڑی وجہ تھی، اور صرف مفکر اسلام حضرت مولانا سجاد ہی نہیں، بلکہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور دیگر کئی مقتدر علماء اسی وعدہ خلافی اور مایوسی کی بنا پر مسلم لیگ سے علحدہ ہو گئے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی کی شہادت

اس کی پوری تفصیل حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے رسالہ ”مسٹر محمد علی جناح کا پراسرار معمہ اور اس کا حل“ میں موجود ہے، حضرت مدنی نے اس رسالہ میں مسلم لیگ سے اپنی اور اپنے رفقاء کی علحدگی کے اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اسی رسالہ سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

(الف) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح، مولانا شوکت علی، چودھری عبدالمستین، چودھری خلیق الزماں صاحب، نواب اسماعیل خاں صاحب وغیرہ حضرات مارچ ۳۶ء سے آئندہ الیکشن کے لیے بورڈ وغیرہ بنانے میں بے قرار نظر آتے تھے۔ جلسے اور اجتماعات اس کے لیے کیے جاتے تھے اور ان پر غور کیا جاتا تھا کہ کس طرح اس میں حسب فضا کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور جس طرح یونین بورڈ میں کوشش کر کے جمعیت علماء کو داخل کیا گیا تھا اور ان کی مختلف جماعتوں میں صلح کرائی گئی تھی اسی طرح آئندہ بورڈ کے لیے ان کی امداد و اعانت حاصل کرنے کی مساعی کی جاتی تھیں، جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مسلم عوام پر جمعیت کے اراکین کا اثر تھا۔

(ب) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے اراکین یونین بورڈ کو مشورہ دیا کہ وہ زیر قیادت مسلم لیگ مشترکہ بورڈ بنائیں جو کہ مسلم نیشنلسٹ پارٹی، جمعیت علماء، خلافت کمیٹی، احرار پارٹی وغیرہ سب کو حاوی ہو، اس کے لیے جلسے خصوصی کیے گئے اور اراکین جمعیت کو بار بار بلایا گیا۔

(د) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ دو یا تین اجتماع کے بعد قرار پایا کہ حسین احمد کو بلایا جائے اور اس کو

اس مفاہمت میں شریک کیا جائے اور باوجودیکہ چند رجعت پسندوں نے یہ کہا کہ ہم سمجھوں کہ ساتھ اشتراک عمل کر سکتے ہیں مگر حسین احمد کے ساتھ اشتراک عمل نہیں کر سکتے، تاہم مجھ کو تاروے کر ملتان سے (جب کہ میں وہاں بعض جلسوں میں شرکت کی غرض سے گیا ہوا تھا) بلایا گیا۔

(و) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صبح کو تقریباً آٹھ سے دس بجے تک تبادلہ خیالات اور گفت و شنید ہوتی رہی اور مسٹر جناح نے زور دیا کہ پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو کر آپ لوگوں کو الیکشن میں حصہ لینا اور عمدہ سے عمدہ آزاد خیال لوگوں کو امیدوار اور کامیاب بنانا چاہیے۔

(ی) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان اسامی میں اُن اراکین جمعیۃ اور احرار کا نام خود چن کر جب کہ وہ کشمیر میں تھے شائع کرایا اور پھر لاہور کے اجلاس میں دعوتی خطوط بھیج کر سب کو بلایا۔

(ک) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میری بلا خواہش اور اسی طرح بغیر خواہش صدر و ناظم جمعیۃ العلماء یہ نام چنے گئے اور پھر میرا نام بلا میری خواہش صوبہ یوپی کی مجالس میں بھی چنا گیا اور باوجود ہر قسم کی مشکلات اور اعذار کے مجھ پر ذرک (کام) کرنے اور ہر امیدوار کے حلقے میں جانے کا حکم دیا گیا جس کو میں نے بغیر کسی قسم کے لالچ اور نفع مالی کے انجام دیا۔

پیشک مسٹر محمد علی جناح نے نہایت زوردار الفاظ اور طریقوں سے ہم کو اطمینان دلایا کہ رجعت پسند طبقہ اور خود غرض لوگوں کو ہم آہستہ آہستہ لیگ سے نکالیں گے اور آزاد خیال قوم پرست مخلص لوگوں کی اکثریت کی کوشش کریں گے اور ایسے ہی لوگوں کے انتخاب کو عمل میں لائیں گے، ہم نے بعد بحث و مباحثہ اس پر اطمینان کیا اور تعاون پر آمادہ ہو گئے جس کی زوردار خواہش مسٹر محمد علی اور ان کے رفقاء کار کی اس وقت تھی۔

مولانا بشیر احمد صاحب کٹھوری ایک جلسے کی مفصل روداد بتاتے ہوئے اور مسٹر جناح سے بحث و گفتگو کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”اللہ اعلم کو تو یہ بتایا جائے کہ ہم یا آپ کسی طرح بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ پارلیمنٹری بورڈ آزاد خیال منتخب ہو تو پھر آپ کی پوزیشن کیا ہوگی؟ اس پر بہت جوش کے ساتھ سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر میں کسی طرح بھی اس پر قادر نہ ہوں تو مسلم لیگ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ آ جاؤں گا۔ اس پر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا گیا اور سب حضرات نے فرمایا کہ ہم بھی یہی چاہتے تھے اور پوری مسرت کے ساتھ جلسہ ختم ہو گیا۔

ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اب اس سے بڑھ کر اطمینان حاصل کرنے

اور وعدہ لینے کی دوسری اور کیا شکل جو کھتی تھی۔ مسٹر جناح کے اخباری بیان کا صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ حقیقت اور واضح ہو جائے گی۔ مسٹر جناح کا ایک "اسمبلی کرائیکل" میں جون ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا اس کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ کے ساتھ فروری ۱۹۳۷ء کو مدینہ اخبار میں شائع ہوا۔

- (۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایک ایسے نظام کا بروئے کار لانا ہے جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں۔
- (۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لیے جو سب کو پسند ہوگا کانگریس کا ساتھ دے گی اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی۔
- (۳) مسلم لیگ اس اصول کو برقرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو۔
- (۴) اسمبلی میں لیگ تمام قومی معاملات میں کانگریس سے تعاون کرے گی اور اس کے ساتھ رہے گی۔

- (۵) لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو بن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے اور انھیں عوام کے حقوق، ضروریات اور مفاد کی مطلق پروا نہیں، سیاسی میدان سے نکال دیا جائے۔

یہ تھے وہ تمام وعدے، معاہدے، شروط اور پیمان جن کی بنا پر جمعیت کے ارکان جن میں حضرت مولانا سجاد بھی تھے آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے اشتراک عمل پر تیار ہوئے تھے اور انھوں نے الیکشن، میں پوری پوری مدد دی تھی، لیکن الیکشن کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے اپنے تمام وعدے اور معاہدے بھلا دیئے۔ اور ایسے حالات پیدا کئے کہ علماء مسلم لیگ سے نکلنے پر مجبور ہو گئے، مولانا محمد اسماعیل سمیت اسمبلی ایم ایل اے بیان کرتے ہیں:

"۱۹۳۶ء میں اسمبلی الیکشن کے سلسلے میں جب کہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی تو ہر لوگ اس بورڈ میں صرف اس توقع پر داخل ہوئے تھے کہ یہ جماعت آزاد خیال افراد پر مشتمل ہوگی اور اس کی تمام تر سیاسی اور کوششیں آزادی وطن اور رجعت پسند طبقہ کو زیر کرنے کے لیے ہوں گی، چنانچہ صحافت اور واضح الفاظ میں مسٹر محمد علی جناح نے اس کا وعدہ کیا اور ہر طرح جماعت علماء کو اطمینان دلایا اور بڑی حد تک الیکشن کے زمانے میں اس وعدہ کی پابندی بھی کی گئی لیکن الیکشن سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ہی جناح صاحب نے (جو کہ اس بورڈ کے ذمہ دار مطلق تھے) یہ معلوم کن مٹھی وجود کی بنا پر اپنی روش بدل دی اور باوجود ہماری زبردست مخالفتوں کے انھوں نے اس رجعت پسند طبقہ کو شامل کرنا چاہا جس سے دوران الیکشن میں مقابلہ ہاتھ اور اس مسلم

لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو جو مسلم لیگ جمعیت علماء ہند، مجلس احرار اور کانگریس کے ممبران سے ترکیب دیا گیا۔ کانگریس کے مد مقابل بنانے کی انتہائی کوشش کی اور کانگریس کو خاص ہندوؤں کی جماعت قرار دینا شروع کیا۔ جب ہم نے اس معاملے میں احتجاج کیا اور جناح صاحب کو ان کے مواعید یاد دلانے اور بتایا کہ جماعت علماء اس بورڈ میں صرف اس بنا پر داخل ہوئی تھی کہ کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی وطن کے لیے کوشش کی جائے گی اور رجعت پسند طبقہ کو ایک ایک کر کے علاحدہ کر دیا جائے گا اور یہ صرف آزادی خیال لوگوں کی جماعت رہے گی۔ آج آپ رجعت پسندوں کو اس میں داخل کر رہے ہیں اور کانگریس کے ساتھ بجائے اشتراک عمل اور اتحاد عمل کے جو آپ کے مینوفیسٹو میں درج ہے مخالفت جارہے ہیں تب جناح صاحب نے اور بعض دوسرے لوگوں نے بورڈ کی میٹنگ میں ہتک آمیز رویہ اختیار کیا اور کہا کہ ہمارے سارے دندے ایک سیاست تھی۔ علماء سیاست سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگر جماعت علماء ہمارے اس طرز عمل کو نہ پسند کرے تو ہمیں مطلق اس کی پروا نہیں ہے۔"

مسلم لیگ نے مسلمانوں کی دینی توقعات پوری نہیں کیں

(۴) اور اسی کے ساتھ ایک بڑا محرک مسلم لیگ سے علیحدگی کا یہ تھا کہ مسلم لیگ نے اپنے بلند بانگ اسلامی دعوؤں کے باوجود وہ دینی توقعات پوری نہیں کیں جو ایک مسلم تنظیم کے ناطے مسلمانوں نے اس سے قائم کی تھیں، ملک میں انگریزی قانون نافذ تھا، جو کئی اہم مسائل میں اسلامی عقائد و نظریات اور شرعی قوانین سے متصادم تھا، مثلاً:

☆ کسی مومن کے لئے کسی نص قرآنی پر عمل نہ کرنے کا اختیار ہونا، جیسے مسلمان رہتے ہوئے اسلامی قانون وراثت کو نہ ماننا۔

☆ انگریزی حکومت کی طرف سے اسلامی دارالقضاء کی تفسیح، اور جمعیت علماء ہند کی طرف سے جب مسودہ فسخ نکاح (جس کو حضرت مولانا سجاد صاحب نے مرتب کیا تھا)، اسمبلی میں پیش کیا گیا تو اس میں مسلم حاکم کی دفعہ خارج کر دی گئی، جب کہ کمیٹی میں مسلم ممبران بھی موجود تھے، اسی طرح اس میں یہ دفعہ بغیر اجازت جمعیت علماء ہند و امارت شریعہ بڑھادی گئی کہ مسلمان عورت کا ارتداد خود بخود موجب فسخ نکاح نہیں ہے۔

☆ کرپشن میرج ایکٹ کے ذریعہ اسلامی قانون نکاح میں مداخلت کی گئی۔

۱۲۱۱ء آباد ہائی کورٹ کے ذریعہ مسلمان کے لئے جمع بین الاقوامی اجازت دی گئی، وغیرہ حضرت مولانا سجاد چاہتے تھے کہ ایسے قوانین کی مخالفت کی جائے، اور حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے قوانین میں ترمیم کرے، مسلم لیگ، اثر و رسوخ اور اہم عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود اس سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔

☆ علاوہ اور بھی کئی اہم قومی و ملی مسائل تھے جن میں مسلم لیگ سیاسی بصیرت رکھنے والے علماء سے انگ رائے رکھتی تھی، بلکہ وہ ان علماء کو مورد طعن بھی بناتی تھی۔

☆ نیز اسلامی تہذیب و تمدن مثلاً ڈاڑھی، لباس، پردہ، سلام و کلام اور دولت کا استعمال وغیرہ میں مسلم لیگ نے کبھی اسلامی غیرت اور حساسیت کا ثبوت نہیں دیا، حضرت مولانا سجاد نے مسٹر جناح کے نام اپنے اچھا دن صفحات کے مکتوب میں اپنے اختلافات کی مکمل اور مدلل تفصیل لکھی ہے، حضرت مولانا کی علیحدگی کی اس سے بہتر سند کوئی اور نہیں ہو سکتی، مکاتیب سجاد میں یہ پورا مکتوب شائع شدہ ہے۔^۱

بہر حال حضرت مولانا محمد سجاد آخری دنوں میں مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے تھے، اور جس طرح انہوں نے کانگریس سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا، مسلم لیگ سے بھی ان کے کئی اختلافات تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنے مکاتیب، مضامین اور بیانات میں کیا ہے۔

نظریہ پاکستان سے حضرت مولانا سجاد کے اختلاف کی وجہ

حضرت مولانا سجاد مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کے اس لئے خلاف نہیں تھے کہ مسلم لیگ دنیا کے نقشہ پر کسی نئی اسلامی ریاست قائم کرنے کی آرزو مند تھی، بلکہ اس لئے کہ اس نے اقلیتی حیثیت سے بسنے والے لاکھوں مسلمانوں کے تحفظ کا انتظام اور تیار کی گئے بغیر غلبت میں یہ خوشنما نظریہ پیش کر دیا تھا، اس لئے کہ اگر اکثریتی علاقوں کے مسلمان ایک نیا ملک بنا بھی لیں تو اقلیتی مسلمانوں کے ساتھ جو انتقامی رد عمل ہوگا اس کا حل کیا ہوگا؟ نیز ان کمزور مسلمانوں کی دینی و ملی اجتماعیت کی صورت کیا ہوگی؟ اس حقیقت کا اظہار حضرت مولانا سجاد نے بار بار اپنے مضامین اور مکاتیب کے ذریعہ کیا ہے، مثلاً حضرت مولانا سجاد کا ایک تفصیلی مضمون ۱۲/۱۲/۱۹۴۰ء کے فیصلہ میں شائع ہوا تھا، جس کا عنوان تھا: ”مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا کی اسکیم پر ایک اہم تبصرہ“ اس میں حضرت مولانا نے

اس مسئلہ کا انتہائی عمدہ تحلیل و تجزیہ پیش فرمایا ہے، جب کہ ابھی تک نظریہ پاکستان کی پوری تفصیل سامنے نہیں آئی تھی۔ اس میں تاریخی، جغرافیائی اور بعض واقعاتی پس منظر میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ نظریہ نہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے اور نہ اس ملک کے حق میں، خود اس فیڈریشن کے اجزائے ترکیبی پر بھی سوالات اٹھائے گئے ہیں، مولانا کے نزدیک یہ بغیر سوچا سمجھا پرفریب نعرہ تھا، جس کی آندھی میں اکثر لوگ بہہ گئے، حضرت مولانا کا یہ مضمون آج بھی جب کہ پاکستان بن چکا ہے تازہ اور قابل مطالعہ محسوس ہوتا ہے، اور مولانا کی روحانیت مسلمانوں سے مخاطب معلوم ہوتی ہے، یہ پورا مضمون مقالات سجاد میں شائع شدہ ہے۔^۱

اور اس کا اعتراف کسی نہ کسی درجہ میں خود جناب راجب احسن صاحب کو بھی تھا، لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا قمر الدین صاحب قرظ کے واسطے سے مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ مولانا سجاد صاحب اپنی پرائیوٹ مجلس میں یہ فرماتے تھے کہ: پاکستان ہی وہ نصب العین ہے جو مسلمانان ہند کا صحیح سیاسی نصب العین ہو سکتا ہے، البتہ ہمارا اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ قبل از وقت پیش کر دیا گیا ہے۔“^۲

اسی بات کو علامہ منظر احسن گیلانی نے اس طرح بیان فرمایا:

”اگر یہ مطلب ہے کہ وہ ایک ایسی حکومت کے قیام کے خواہاں تھے جو اسلامی قانون کی روشنی میں چلائی جائے تو بتایا جائے کہ مسلمانوں کی ایسی کون سی جماعت ہے جو اس مقصد کو غلط مقصد قرار دے سکتی ہے، بلکہ جہاں تک میں باقتضائوں پاکستان کے نام سے اسی نصب العین کو پیش کر کے مسلمانوں کی سیاست کی تنظیم کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ فرق اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یہی کہ مسلمانوں کی جن صوبوں میں اکثریت ہے ان ہی کی حد تک اس نظام کو محدود رکھا جائے، یا اکثریت والے صوبے ہوں یا اقلیت والے مسلمان جہاں کہیں ہوں۔ حتیٰ الوسع ان کے لیے اسلامی اصول کے تحت زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ جہاں تک میرا خیال ہے مولانا سجاد مر جو مر آفرانہ نظریہ کے نہ صرف قائل بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک عملاً اسی کی جدوجہد میں مصروف تھے اور اسی خیال کے زیر اثر انہوں نے ہمارے صوبہ میں امارت شریعہ کا نظام قائم کیا تھا، پھر کچھ میں نہیں آتا کہ دونوں مخالف پارٹیوں میں آخر نقطہ اختلاف کیا ہے؟ آخر یہ مولانا کا کیا تصور تھا کہ جس چیز کو لوگ اکثریت کے صوبوں میں قائم کرنا چاہتے ہیں مولانا علاوہ اکثریت کے اقلیت کے صوبوں میں اسی کو مردوج کرنا چاہتے تھے۔“^۳

۱۔ مقالات سجاد ص ۵۵ ۵۶۔

۲۔ محاسن ج ۱ میں مضمون جناب راجب احسن صاحب

۳۔ حقیقت سجاد مر جو مر آفرانہ، ج ۱، قادی، پیش خط علامہ منظر احسن گیلانی ص ۱۰۰۔

قیام پاکستان کے سلسلے میں حضرت مولانا سجاد کا ایک اور تاریخی قول خود راقم الحروف نے حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی سے سنا کہ:

”جن حالات میں یہ پاکستان تشکیل دیا جا رہا ہے، پاکستان بننے کے بعد مسلمانوں کو آپس میں لڑنے کے سوا کوئی کام نہ رہے گا، ان کو اسلام کی قطعی فکر ہوگی، جب کہ جو لوگ ہندوستان میں رہیں گے ان کو کفر کے مقابلے میں اپنے اسلام کی فکر ہوگی، اور اس بنیاد پر ان میں باہم اتحاد بھی قائم رہے گا۔“

یہ بات مجھے تحریری صورت میں کہیں نہیں ملی، لیکن میرے قیام دیوبند کے زمانے (۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۰ء) میں حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا سجاد کی یہ بات ایک سے زائد بار نقل فرمائی، اور آج پاکستان کا قومی اور سیاسی منظر نامہ اس قول حق پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔



فصل ہشتم

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی حضرت مولانا سجاد کے بعد

حضرت مولانا سجاد صاحب کے وصال کے بعد ”بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی“ کی صدارت پر جناب قاضی احمد حسین صاحب فائز ہوئے، ۲۱ جون ۱۹۴۲ء (۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ) کو پارٹی کی مجلس عاملہ کا جلسہ زیر صدارت نواب تجمل حسین صاحب بار ایٹ الاء پھلواری شریف میں منعقد ہوا، جس میں حسب ذیل حضرات نے شرکت کی:

- ۱- مولانا عبدالصمد رحمانی
- ۲- نواب تجمل حسین صاحب
- ۳- مسٹر یونس بیرنر
- ۴- مولانا سید منت اللہ صاحب
- ۵- مولانا خلیل احمد صاحب ایڈووکیٹ
- ۶- قاضی احمد حسین صاحب
- ۷- مولانا یسین صاحب
- ۸- عبدالباری فاطمی صاحب
- ۹- زکریا فاطمی صاحب

اسی مجلس میں جناب خلیل احمد بیرنر جج کی تجویز اور مولانا سید منت اللہ رحمانی کی تائید پر قاضی صاحب کو صدر منتخب کیا گیا۔^۱

اس طرح حضرت مولانا کے خالصین آپ کے بعد بھی کچھ دنوں تک اس سیاسی یادگار کو اپنے سینے سے لگائے رہے، پھر ملک میں حالات تبدیل ہوئے، ذہنوں میں انقلاب آیا اور غیر مسلم ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ عظیم سیاسی پیٹ فارم قصہ ماضی بن گیا۔ رہے نام بس اللہ کا۔



سیاسی و قومی خدمات

(۱۴)

چودھواں باب

حزب اللہ کا قیام

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد تاج صاحبؒ کی سیاسی خدمات کا ایک اہم باب
حزب اللہ کا قیام بھی ہے۔

پس منظر

ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں گو کہ آپ ماضی کے تلخ تجربات کی روشنی میں آئینی
جدوجہد پر یقین رکھتے تھے، اور اسی کو اس دور میں وہ مسلمانوں کے لئے سلامتی کا راستہ تصور فرماتے
تھے، چنانچہ آئین میں رہتے ہوئے امارت شرعیہ کا قیام، جمعیت علماء کا قیام اور مسلمہ سیاسی پارٹی کی
تاسیس آپ کے اسی نظریہ کے مظاہر ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے اندر سے جہاد
کی اسپرٹ ختم ہو گئی تھی، وہ اصلاً ایک انقلابی رہنما تھے، اور انقلاب میں جب جمعی ضرورت محسوس
کرتے وہ حکمت عملی اختیار فرماتے تھے، ہندوستان کی مکمل آزادی اور مسلمانوں کا تحفظ ان کی
سیاست کا بنیادی نصب العین تھا، اور اس سے وہ کسی لمحے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے، اور اس کے لئے
جس طرح آئینی سیاست کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح کبھی دفاعی سیاست کی بھی ضرورت ہوتی
ہے، اور دفاع کے لئے افرادی قوت اور حربی صلاحیت بھی ضروری ہے، ”حزب اللہ“ کا قیام
مولانا کی اسی دفاعی سیاست کا حصہ تھا، جس قوم کے پاس دفاعی صلاحیت نہیں ہوتی وہ کسی سے
مصالحات کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوتی، اکثر طاقت والے کمزوروں سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مغاجات

ملک میں ہونے والے مسلسل فسادات نے مولانا کی توجہ ادھر مبذول کرائی کہ مسلمانوں
کے تحفظ اور ان کی بنیادی خدمات کے لئے ملک میں رضا کاروں کی ایک جماعت ضروری ہے،
جس کی شاخیں ہر مسلم آبادی میں موجود ہوں، رضا کاروں کی اسی جماعت کا نام ”حزب اللہ“ تھا۔

تاسیس اور دستور سازی

آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے حزب اللہ کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی پوری تفصیل دستیاب

نہیں ہے، غالباً اس کا قیام ۹ ربیٰ القعدہ ۱۳۲۱ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۲۳ء کو ٹمل میں آیا، جناب محمد یونس صاحب کو حضرت مولاناؒ سے پہلی بار ملاقات کا شرف اسی حزب اللہ کے قیام کے سلسلے میں حاصل ہوا تھا، اور انہوں نے اس کا سن ۱۹۲۳ء لکھا ہے، حضرت مولاناؒ نے پھنوار، شریف میں اس کی میٹنگ بھی طلب فرمائی تھی، اور باقاعدہ اس کے اصول و دستور بھی مرتب فرمائے تھے۔

اغراض و اہداف

جناب یونس صاحب نے اپنے مضمون میں اس کے قیام، مقاصد اور پس منظر پر روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے قومی کاموں کے سلسلہ میں میری پہلی ملاقات ۱۹۲۳ء میں ’حزب اللہ‘ کے قیام کے سلسلہ میں ہوئی۔ مولانا کا یہ خیال تھا کہ ایسی حالت میں کہ ملک میں فتنہ انگیز نفوس کے ہاتھوں، فسادات رونما ہوتے رہتے ہیں جس سے مذہبی احکام و شعار کی بے حرمتی اور توہین ہوتی ہے۔ ملک میں بد امنی بھی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف مسلمان پریشان ہوتے ہیں تو دوسری طرف حکومت وقت، نیز امن پسند غیر مسلم بھی اس کے اثرات سے قدرتا محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ اور نہ رہ سکتے ہیں۔ اس لیے مقتضائے وقت اور ضرورت کی آواز سے کانوں میں انگلیاں ڈالنا اور اس کی طرف توجہ نہ کرنا خطرناک نتائج کا موجب ہوگا، ضرورت کے ماتحت ملک کے حالات کی بنا پر وقت کا یہ ضروری اور ناگزیر مسئلہ ہے کہ ایک جماعت رضا کاروں کی حزب اللہ کے نام سے ہر گاؤں اور تمام شہر و قصبہ میں موجود رہے۔ جو ہر قسم کے فتنہ و فساد کا انداد کرے۔ اور اس کے لیے وہ اپنی طرف سے ہر طرح کی خدمات کو انجام دے۔ اور ملک کے امن کو ہر ایثار و فدویت سے کام لے کر بحال و برقرار رکھے۔

ہم جانتے ہیں، آج جب کہ پانی سر سے اوجھا ہو رہا ہے۔ اس دور میں فقیر صفت بزرگ کے اس نظریہ کو آج چوٹی کے لوگ عملاً برتنے پر مجبور ہیں۔ اور مختلف نام سے اس کی بنیاد رکھ رہے ہیں، مولانا مرحوم نے اس سلسلہ میں اصول و دستور بھی حزب اللہ کے وضع کیے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ پوری تنظیم کے ساتھ بہار کے ہر گوشہ میں حزب اللہ کا قیام ہو جائے۔ جہاں تک مجھ کو یاد ہے کہ اس کا قیام بھی ہوا۔ اور اس سے اچھے نتائج بھی مرتب ہوئے۔ مگر مسلمانوں کے ہر کام کی طرح یہ بھی ادھورا رہا۔ جس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا مرحوم کی ذات ایک انار

۱- اسی کے ساتھ ابن کوشل کرلیں کہ صدر سہ عزیز، پروفیسر رشید کے استاذ مفتی عبداللہ خالد صاحب نے ہجری تاریخ ۹ ربیٰ القعدہ رقم کی ہے (حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد۔ حیات و خدمات) (مجموعہ مقالات سمینار ۱۹۹۹ء) ص ۶۵) ان کی اس تحریر کا سہاؤ کیا ہے، معلوم نہیں، لیکن اگر اس کو درست مان لیا جائے تو تاریخ قیام وہی لکھی گئی جو اوپر درج کی گئی، البتہ بن کلتے میں مفتی صاحب موصوف سے غالباً سہواً ہے، انہوں نے ۱۳۲۳ھ لکھا ہے، جو ۱۹۲۳ء کے مطابق نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

وسد بیمار کی مصداق تھی۔ وہ جس وقت تک ایک چیز کی تحقیق کر کے، اس کی ابتدائی مبادیات کو درست کر کے عملی ڈھانچہ میں لا کر کھڑا کرتے۔ زمانہ دوسری ضروری چیز ان کے سامنے اس طرح لا کر کھڑا کر دیتا کہ وہ اس کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ اور اس کی فکر میں لگ جاتے اور کوئی دوسرا ایسا صحیح کارکن نہیں ہوتا۔ جو صحیح طور پر مولانا مرحوم کے پہلے کام کو پھیلاتا۔ ”حزب اللہ“ کا بھی حشر یہی ہوا۔ ضرورت آج بھی اس کی داعی ہے کہ مولانا مرحوم کے وضع کردہ ”دستور و اصول“ کے ماتحت اس کی تمام تنظیم کی جائے۔“

بیعت جہاد اور مجاہدانہ بے قراری

حضرت ابوالحسنؒ کی یہ خدمت امارت شریعہ کے تابع نہیں تھی، بلکہ اس کی جڑیں قیام امارت کے قبل سے ملتی ہیں، مولاناؒ میں یہ خیالات عرصہ سے پرورش پا رہے تھے، اور غالباً اسی کا وہ حصہ ہے جس کو آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اپنے کئی خاص احباب سے بیعت جہاد لی تھی اور آپ کو ان حضرات نے اپنا امیر تسلیم کیا تھا، جب کہ ابھی امارت کی تحریک بھی شروع نہیں ہوئی تھی، نہ جمعیت کا کوئی تصور تھا، اور نہ تحریک خلافت کا وجود، قاضی احمد حسین صاحبؒ نے اس دور میں حضرت مولاناؒ کی بے قراری کا حال نقل کیا ہے کہ:

”ابتدائی سے مولاناؒ کی اسپرٹ مجاہدانہ تھی، امارت شریعہ کے قیام کا خیال تو مولانا مرحوم کو بہت پہلے سے تھا، لیکن حالات کی ناسازگاری نہ صرف مطلب کو زبان تک لانے کی اجازت دیتی تھی۔ نہ ماحول عمل کا متحمل تھا، پھر بھی مجاہدانہ جذبہ مولاناؒ کو بے قرار رکھتا تھا، چنانچہ جہاد کی بیعت بعض خاص لوگوں سے مولاناؒ نے قیام امارت سے پہلے لی تھی۔“

ان خواص میں خاندانہ سملہ کے حضرات بھی شامل تھے، خود خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت شاہ ابوطاہر فردوسی صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

”گیا میں جب مولاناؒ کا قیام رہا سملہ ہر عرس میں تشریف لایا کرتے۔ ایک موقع پر جب کہ آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں ارکان اسلام کے ساتھ جہاد پر بھی بیعت ہوتی ہے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیعت کے ساتھ اہتمام جہاد بھی کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کیا تو آپ ہی امیر بنیں، میں امیر تسلیم کرتا ہوں، اس گفتگو کے چند دن بعد میں چند احباب کے ساتھ گیارہ سملہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے تو امیر تسلیم ہی کر لیا ہے، ہمارے یہ مخلص احباب بیعت جہاد کے سنے حاضر ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے بیعت جہاد لی، ان میں سے بن لفظوں میں آپ نے بیعت

۱- حیات جہاد ص ۸۶ مضمون جناب محمد یونس صاحب۔

۲- حیات جہاد ص ۷۷ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔

لی ان کے ماثورہ الفاظ یہ ہیں: یا یعنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکروه وان لا انازع الامر اہله وان نقول بالحق حیث کنا ولا نخاف لومة لائم۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد امارت کی تحریک شروع ہوئی اور اللہ نے آپ کو

نائب امیر شریعت بنایا۔^۱

حربی سیاست کا رجحان

اس زمانہ میں حضرت مولانا پر حربی سیاست کے رجحان کا غلبہ تھا، اس کا اندازہ قاضی احمد حسین صاحب کے اس بیان سے ہوتا ہے:

”وہ اس سلسلہ میں خفیہ انقلاب پسند جماعتوں کی بھی تائید کو بازرکھتے تھے، جنگ عظیم کے زمانہ میں بنگال کی خفیہ موسائینوں کے غوطہ میں مجھ کو خفیہ موسائینی بنانے اور آتشیں اسلحہ کی فراہمی کا خیال پیدا ہوا۔ مولانا میرے اس خیال سے نہ صرف واقف تھے بلکہ معین و مشیر بھی تھے، چنانچہ مولانا کے ایک دورے نے جب ان کو بتلایا کہ وہ ریوالور بہم پہنچا سکتے ہیں تو مولانا نے مجھ کو ان سے ملا دیا۔ ان صاحب نے مجھ سے ڈیڑھ سو روپیہ لیا۔ ریوالور کیا دیتے روپیہ بھی ہضم کر گئے، بہر حال اس سے مولانا کے ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ خفیہ موسائینی کے سلسلہ میں میرے خیالات ابھی عربیت کی حد سے نکل کر عمل کی سرحد تک بھی نہ پہنچے تھے کہ تحریک خلافت شروع ہو گئی اور مولانا سجاد صاحب نے صوبہ بہار میں پہلی خلافت کمیٹی عیاض قائم کی اور میں اس کا سرکاری قلمدان۔“

مولانا سجاد کی مجاہدانہ اسپرٹ آخر تک برقرار رہی

بعد کے ادوار میں مولانا پر آئینی سیاست اور پرامن جدوجہد کا رجحان غالب ہو گیا لیکن کلیتاً یہ رجحان ختم نہیں ہوا تھا، بلکہ حسب ضرورت آپ کے نزدیک ہر دور میں اس کی گنجائش باقی رہی، شاہ ابوطاہر فرودوسی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:

”مولانا کے علمی و دینی سیاسی کارناموں میں صرف آئینی جدوجہد کو عموماً اہمیت دی جاتی ہے، مگر میری دانست میں صرف آئینی جدوجہد میں آپ کے کارناموں کا انحصار صحیح نہیں ہے، اس میں شک نہیں کہ اسلامی اقتدار کے حصول کے لئے حسب استطاعت آئینی جدوجہد کو اختیار فرمایا اور اس میں آپ کو بفضلہ تعالیٰ غلظ امید گوئے کامیابی بھی ہوئی مگر آپ اس کے بھی خواہشمند تھے کہ اگر موقع آئے اور دشمنان اسلام کا تہرہ اور ان کی سرکشی سدراو آئے تو جہاد بالیغ کو بھی کام

۱- حیات سجاد ص ۲۷ مضمون شاہ ابوطاہر فرودوسی۔

۲- حیات سجاد ص ۲۷ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔

لایا جائے، اور اس سے ان کے رفقاء کارِ نوا وقت نہیں میں، چنانچہ قاضی احمد حسین صاحب کے مقالہ میں جو غالباً ہلال میں شائع ہوا تھا اشارہ کیا گیا ہے، اور امارت کے ذریعہ سے مسلمانوں کو سپاہیانہ فنون کے کھلانے کا جو نظم کیا گیا تھا وہ بھی اس پر شاہد ہے۔^۱

قاضی احمد حسین صاحب بھی اس کی تائید کرتے ہیں، انہوں نے اس کے دو شواہد نقل کئے ہیں:

☆ ایک یہ کہ سرحد کے مجاہدین سے ان کی دلچسپی تاحیات قائم رہی اور وہ ان کی مالی مدد بھی فرماتے رہے۔

☆ دوسرے یہ کہ قیامِ امارت کے بعد وہ سرحد کی طرف ہجرت کر جانا چاہتے تھے، لیکن حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب امیر شریعت اول نے روک دیا، قاضی صاحب لکھتے ہیں:

”ہندوستان کی تنظیم کے ساتھ مولانا بیرون بند کے مسلمانوں کی فلاح سے بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے، خصوصاً سرحد کے آزاد علاقہ سے، میرے علم میں مولانا نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک معقول رقم صوبہ سرحد کے مجاہدین تک پہنچانے کو دی تھی، میرا یقین ہے کہ صوبہ سرحد کے مجاہدین کے ساتھ مولانا کی دلچسپی مرتے دن تک قائم رہی۔ مولانا کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے میں نے ایک دفعہ برٹنیل ہند کرہ مولانا سے کہا، اس صوبہ میں امارت شرعیہ قائم کر کے آپ نے اپنا وقت زندوں کے بجائے مردوں میں ضائع کیا، کاش کہ آپ صوبہ سرحد جا کر ایک چھوٹی سی نمود کی اسلامی حکومت قائم کئے ہوتے تاکہ دنیا دہ کھتی کہ اسلامی حکومت انسانیت کے لئے کیسی رحمت ہے، تو مولانا نے فرمایا کہ صوبہ سرحد سے کچھ لوگ میرے لینے کو آئے تھے اور میں بھی جانے کو تیار ہو گیا تھا، لیکن امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب نے جانے نہ دیا۔“^۲

یہ حالات بتاتے ہیں کہ آئینی سیاست نے آپ کی مجاہدانہ اسپرٹ ختم نہیں کی تھی، بلکہ وہ چنگاری آخر تک خاکستر میں موجود رہی، حضرت مولانا کا ادارہ حزب اللہ بھی اسی حرارتِ دروں کا ایک حصہ تھا۔ آپ کے جذبہ جہاد کو ہزاروں ہزار سلام۔



۱- حیاتِ سجدہ ص ۷۲ مضمون شاہ ابوطاہر فردوسی۔

۲- حیاتِ سجدہ ص ۷۲ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔

افکار و نظریات

(۱۵)

پندرہواں باب

موجودہ ملکی و عالمی حالات کے تناظر میں

حضرت مولانا سجادؒ کے افکار و نظریات کی معنویت

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اپنے عہد کے عظیم مفکر تھے، ان کے افکار و نظریات کی افادیت ان کے عہد ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کے کئی نظریات و افکار اپنے عصر کے بعد آج بھی زندہ ہیں، بلکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی معنویت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، مولانا کو اپنے خیالات و افکار قلمبند کرنے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا، لیکن جو کچھ بھی ان کی تحریرات اور تذکروں میں بکھرے ہوئے موجود ہیں، وہ علمی دنیا کے لئے نہایت قیمتی سرمایہ ہیں، ان میں سے بعض چیزیں سوانحی حالات کے ضمن میں آچکی ہیں، لیکن کئی باتیں اب بھی بخیر بیان ہیں، اس باب میں آپ کے چند وادکار و نظریات پیش کئے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے عہد پر گہرے اثرات ڈالے، اور تقریباً ایک صدی گزر جانے کے باوجود آج بھی زندہ و تابندہ ہیں، اور ان کی اہمیت و افادیت مصرحاً ضرر میں بھی محسوس کی جاتی ہے۔

(۱)

حضرت مولانا سجادؒ کا نظریہ تعلیم

بحیثیت عظیم مفکر تعلیم

حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت ایک مفکر تعلیم کی حیثیت سے بھی بے حد ممتاز ہے، درس و تدریس سے مسلسل اشتغال اور طویل تعلیمی تجربات کی بنا پر وہ تعلیم اور نظام تعلیم کے بارے میں کچھ مخصوص نظریات رکھتے تھے، جن میں سے بعض کے عملی تجربات بھی انہوں نے کئے تھے۔

اپنے نظریہ تعلیم پر کام کی مہلت نہیں ملی

لیکن افسوس وقت نے انہیں زیادہ مہلت نہ دی اور ان تجربات کا تسلسل قائم نہ رہ سکا، حضرت مولاناؒ پر افکار و اشغال کا اس قدر ہجوم تھا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ دیر تک اس سلسلہ کو جاری نہ رکھ سکے، کاش ان تجربات کا امتداد قائم رہتا تو بدلے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے ایک نیا نظام تعلیم روشناس ہوتا، اور ایک نئی تعلیمی تجربہ گاہ اور افراد سازی کی ایک نئی طاقت وجود میں آتی، جس سے قدیم و جدید دونوں طرح کے تعلیمی ادارے مستفید ہو سکتے تھے

قدیم نظام تعلیم کو مفید تر بنانے کا منصوبہ

حضرت مولاناؒ کے ذہن میں قدیم دینی مدارس کے نظام تعلیم کے لئے ایک مرتب اسکیم موجود تھی، اکثر جدید خیال کے حامین مدارس اسلامیہ کے نصاب و نظام پر صرف تنقیدیں کرتے ہیں اور ان کو فرسودہ قرار دینے کے لئے کیڑے نکالتے ہیں، لیکن ان کی روح اور بنیادی چیزوں کو برقرار رکھتے ہوئے نئے تجربات سے ان کو کس طرح ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے اس کا کوئی مرتب خاکہ ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا، قدیم مدارس پر تنقید کر کے اور ان کے نظام تعلیم کو بے معنی ثابت کر کے وہ اپنے خیال میں اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاتے ہیں، یا پھر ایسی جدید کاری کی

کوشش کرتے ہیں کہ مدارس کی روح ہی فنا ہونے لگتی ہے، جو اباب مدارس کے لئے ہرگز لائق قبول نہیں ہو سکتی، حضرت مولانا سجاد خود قدیم اداروں کے پروردہ تھے، وہ پرانے علوم و فنون کی اہمیت اور قدیم طرز تربیت کی افادیت پر یقین رکھتے تھے، لیکن موجودہ تقاضوں کے ساتھ ان کو کس طرح ہم آہنگ کیا جانے، اور ان کے فضلاء کی افادیت عصر جدید میں کس طرح دو چند ہو سکتی ہے، ان کے ذہن میں اس کا ایک خاص منصوبہ تھا۔

اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے خود اپنا ایک تجربہ لکھا ہے، مولانا اصلاحی صاحب کا شمار بھی انہی متجددین میں ہوتا ہے جو مدارس کے نظام پر تنقید کرنا اپنا منصبی فرض تصور کرتے تھے، لیکن خود ان کے ذہن میں کوئی مرتب اصلاحی اسکیم موجود نہیں تھی، اس کا مکمل خاکہ ان کو حضرت مولانا محمد سجاد کے پاس ملا، وہ لکھتے ہیں:

”چند سال ہوتے ہیں (سنچیک یاد نہیں) مظفر پور کے ایک عربی مدرسہ کے جبر تقسیم اسناد و دستار بندی میں شرکت کا اتفاق ہوا، خوش قسمتی سے مولانا صدر تھے، اور میں مقرر دستار بندی کی تقریب سے علماء کی دستاری کو میں نے عنوان تقریر قرار دیا اور اس کی گذشتہ عظمت کو یاد دلاتے ہوئے ان خطرات کی طرف تفصیل سے توجہ دلائی جن سے مستقبل میں اس دستار کو دو چار ہونا ہے۔ مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے کہ اس تقریر میں میں نے قدیم طرز تعلیم، قدیم نصاب اور علماء کی روش پر نہایت تندہی میں تنقید کی اور ان تمام تبدیلیوں کے لئے بے جھجک دعوت دی، جو عربی تعلیم اور خود علماء کی بقا کے لئے ناگزیر ہیں۔ جبر ختم ہونے پر (انہوں نے) میری قیام گاہ پر مجھے ملاقات کی عزت بخشی۔ وہ میری تقریر پر اظہار خیال کرتے کرتے عربی مدارس کی اصلاح سے متعلق خود اپنے خیالات ظاہر فرمانے لگے، اور تھوڑی دیر کے بعد جب انہوں نے گفتگو ختم فرمائی تو مجھے دفعۃً ایسا محسوس ہوا کہ خود میرے منتشر خیالات اب ایک مرتب و مہذب اسکیم کے قالب میں داخل گئے ہیں۔“

نئے نظام تعلیم کے لئے عملی کوششیں

حضرت مولانا سجاد صاحب نصاب تعلیم کی اصلاح کے لئے شروع سے فکر مند رہے اور اس باب میں ان کو خصوصیت و اولیت حاصل تھی، مدرسہ انوار العلوم گیا کے قیام کے پس منظر میں ایک نئے نظام تعلیم کے قیام کا جذبہ ہی اصلاً کارفرما تھا، آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی

تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا الزا باو چھوڑ کر گھیا (صوبہ بہار) کیوں تشریف لائے۔ اس کے اسباب سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ دراصل اس کا باعث ایک تو مولانا کا شخصی نظریہ تھا۔ دوسرے مدارس عربیہ کی زبوں حالی اور علمی کیفیت کی روز بروز انحطاط پذیری تھی، جو مولانا کو بے چین اور مضطرب رکھتی تھی۔ ان حملہ و جواب کے مابین ہماری طلبہ کے اندر کوڑا داخل تھا۔ جو ہمیشہ مولانا کو مراجعت گئے سے اجبار تے رہتے تھے، اور کہتے رہتے تھے کہ جب تک آپ معیاری حیثیت کی تعلیم گاہ کی بنیاد نہ کر جس میں کسی کا دخل نہ ہو، نمونہ قائم نہ کروں گے، اور برا راستہ بدو، جہد کو کام میں نہیں لائیں گے۔ مدارس عربیہ کے بوسیدہ نظام میں انقلاب نہیں پیدا ہو گا۔“

ایک انقلابی مفکر تعلیم

اس لئے یہ فکر مولانا سے کبھی جدا نہیں ہوئی، اور وہ انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر اس کے لئے برابر کوشاں رہے، وقتاً فوقتاً علماء اور ارباب مدارس کو اس جانب متوجہ فرماتے رہے، اور اس دور میں مولانا کے سوا کوئی دوسرا نام ایسا نہیں ملتا جس نے اس فکر کو اپنی مہم کا حصہ بنایا ہو، اور اس قدر محنتیں کی ہوں، مولانا اپنے عہد کے واحد انقلابی مفکر تعلیم تھے جنہوں نے الزا بادی بھری پری زندگی ترک کر کے رنج و محن والی زندگی کو گلے لگایا، پھولوں کا راستہ چھوڑ کر کانٹوں بھرا راستہ قبول کیا، اور اس فکر کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لئے متعدد تعلیم گاہیں قائم کیں، مدرسہ انوار العلوم گیارہ آپ کے مجوزہ نصاب تعلیم کا پہلا عملی شاہکار تھا، مولانا عبدالصمد رحمائی کے یہ الفاظ مبنی بر حقیقت ہیں کہ:

”بالآخر مولانا نے اس دعوت رنج و محن کو قبول کر لیا۔ اور گیارہ مراجعت گئے سے تیار ہو گئے۔ ران غیر معمولی حالات میں مولانا کو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اس رنج و محن کے ٹھنڈا پانی میں کبھی بھی مایوس ہوئے ہوں، یا یہ کہ ان کو کبھی خیال ہوا ہو کہ جیسے بٹھائے کیوں الزا بادی کی امانیت کی خوش نیش اور خوشگوار زندگی کو چھوڑ کر اس درد منہ کو فریاد مولانا ہمیشہ پر امید رہتے تھے، اور طلبہ کو پر امید رکھتے تھے، مشکلات سے گزرتے تھے، نہ کام کے مجموعہ سے پریشان ہوتے تھے۔“^۱

انقلابی تعلیمی تحریک کا آغاز

حضرت ابوالحسنؒ نے اس فکر کو عمل میں لانے اور دیگر مدارس کو بھی اس میں شریک کرنے کے

۱- حیات سجدہ ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳

میں نے ایک تعلیمی تحریک کا آغاز فرمایا، حضرت مولانا کے ذہن میں تعلیم و امتحان دونوں کے لئے ایک قومی بورڈ بنانے کا تخیل تھا جس سے بہار کے تمام مدارس منسلک ہوں اور سب میں ایک ہی نصاب تعلیم جاری ہو اور ان کے امتحانات بھی اسی بورڈ کے تحت کرائے جائیں، اس سے مدارس کا تعلیمی معیار بلند ہوگا، اور طلبہ میں مسابقت کا جذبہ بیدار ہوگا، البتہ مولانا مدارس کا سرکاری بورڈ بنائے جانے یا اس کے ساتھ مدارس کے الحاق کو مضر قرار دیتے تھے، اسی لئے بہار میں جب مدرسہ اکرامینیشن بورڈ شروع ہوا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند فرمایا، اور اس کو امت کی تعلیمی روحانیت اور دینی اصالت کے منافی قرار دیا ہے۔

ایک قومی تعلیمی بورڈ کا تصور اور قیام

حضرت مولانا کے ذہن میں قومی تعلیمی بورڈ کا ایک مکمل خاکہ موجود تھا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”مولانا چاہتے تھے:

- (۱) موجودہ نصاب بدل دیا جائے۔
- (۲) صوبہ بہار کے تمام مدارس میں ایک نصاب جاری کیا جائے۔
- (۳) مدارس عربیہ کے امتحان کے لیے لائق علماء کی ایک مجلس ممتحنہ ہو، جو امتحان کے سوالات مرتب کرے اور ان کے نتائج کو شائع کرے۔
- (۴) تمام مدارس میں جوہر مدرسہ ہو، اس کو جامعہ کلیہ قرار دیا جائے۔
- (۵) ہر قابل اعتناء مدرسہ کے ذمہ ایک محضو فن دے دیا جائے جس کی تعلیمی تعلیم وہاں ہو، اور ابتداء ہی سے غیر محضو طریقہ پڑاس کا وہاں سے برورہ میں لحاظ رکھا جائے مثلاً کسی مدرسہ کا خصوصی فن حدیث ہو، کسی کا فقہ ہو، کسی کا قرآن ہو وغیرہ۔“

بہار شریف میں تعلیمی کانفرنس اور قومی تعلیمی مرکز کا قیام

چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کانفرنس حضرت مولانا سجاد نے (جب آپ جمعیت علماء بہار کے ناظم تھے) جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۲ء میں مدرسہ عزیز یہ بہار شریف میں طلب فرمائی، جس میں جدید و قدیم اصحاب علم کے ہر طبقہ سے بہار کی انتہائی مقتدر شخصیات نے شرکت کی، ان میں خصوصیت کے ساتھ درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

- ☆ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب مہتمم مدرسہ امدادیہ درجہ (صدر نشین)
- ☆ حضرت مولانا ابوالنعیم محمد مبارک کریم صاحب (سپرٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز بہار)
- ☆ مولانا حکیم شرف الحق صاحب بہاری
- ☆ مولانا شاہ نور الحسن صاحب پھلواری
- ☆ مولانا عبدالشکور صاحب اوگانوال
- ☆ مولانا نور الدین صاحب مہولی
- ☆ مولانا شاہ قمر الدین صاحب پھلواری شریف
- ☆ مولانا سید عثمان غنی صاحب گینا
- ☆ مولانا شاہ ابوالخیرات صاحب سیوان
- ☆ مولانا حافظ محمد ثانی صاحب بتیا
- ☆ مولانا نعمت اللہ صاحب مظفر پور
- ☆ مولانا حکیم عبدالعزیز صاحب درجہ
- ☆ مولانا عبدالصمد صاحب مونگیر
- ☆ مولانا حکیم محمد یعقوب صاحب مونگیر
- ☆ مولانا سید ظہور الحسن صاحب بھاگلپور
- ☆ حضرت مولانا جمیل احمد (سیوان) بوجہ ضعف خود شریف ندائے الہیہ طریقہ تعلیم کی اصلاح پر اپنی ایک قیمتی تحریر ارسال فرمائی جسے شرکاء اجلاس نے بہت پسند کیا۔
- ☆ مولانا عز الدین ندوی نواسہ حضرت شاہ سلیمان پھلواری
- ☆ شاہ فیض احمد کاظمی ایف اے
- ☆ علاوہ اکثر بڑے مدارس کے مہتممین اور مدرسین شریک ہوئے۔

کانفرنس میں مدارس اسلامیہ کے گرتے ہوئے معیار اور اصلاح نصاب کی بات زیر بحث آئی اور حضرت مولانا سجاد نے اس کے لئے ایک ”قومی امتحانات بورڈ“ کی سفارش فرمائی، اور کئی اہم تجاویز منظور کی گئیں۔ مشہور عالم دین اور حضرت مولانا سجاد کے قریب ترین عزیز مولانا مسعود عالم ندوی ان دنوں مدرسہ عزیز یہ میں زیر تعلیم تھے، کانفرنس کی چشم دید رپورٹ ان کے قدم

سے ملاحظہ فرمائیے:

”مدرسہ کی تعلیم کے دو پائز سینے طے ہو چکے تھے کہ مدرسہ (مدرسہ عزیز یہ بہار شریف) ہی کے احاطہ میں اصلاح نصاب تعلیم کے متعلق علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، شوال کی ابتدائی تاریخیں تھیں، مدرسہ ۸ رثوال کو کھلتا تھا لیکن ہلکے کے شوق میں وقت سے پہلے بہار آگیا اور تمام نشستوں میں جانہ بہار اس وقت مجھے پہلی مرتبہ مولانا کی عظمت کا احساس ہوا، بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا، مولانا عبد الوہاب صاحب جتیم مدرسہ امدادیہ در بھنگہ مدہ نشیں تھے، حصہ لینے والوں میں مولانا ابو نعیم محمد مبارک کریم صاحب (سپرٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز بہار) اور مولانا حکیم شرف الحق صاحب بہاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن اجلاس کے روح رواں مولانا محمد سجاد علیہ ارحمۃ ہی تھے، مولانا چاہتے تھے کہ صوبہ بہار کے تمام عربی مدرسے ایک نظام کے ماتحت آجائیں اور ایک نصاب تعلیم پر ہر جگہ عمل درآمد ہو، اس تجویز کے ذریعہ درحقیقت وہ مدرسہ انٹرمینشن بورڈ کے نئے فتنہ کا سد باب کرنا چاہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ سرکاری امتحانات کے بدلے آزاد قومی امتحانات ہوں، تجویز یہ تھی کہ مدرسہ عزیز یہ کو اس نئے قومی تعلیمی نظام کا مرکز قرار دیا جائے، اور اپنی پاییدار مالی حیثیت کی وجہ سے وہ اس کا اہل بھی تھا، اجلاس تو کامیاب رہا اور ہم نا سمجھ تو بڑی امیدیں لے کر اٹھے تھے، لیکن کچھ ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ خود ہمارا مدرسہ سرکاری انٹرمینشن بورڈ سے منقطع کر دیا گیا، جب ٹریفیوں نے مجوزہ مرکزی کو توڑ لیا تو پھر کیا امید ہو سکتی تھی۔“

قومی تعلیمی بورڈ کا خاکہ

اس اجلاس کے موقع پر چند تجاویز پر مشتمل ایک تحریر بھی حضرت مولانا سجاد نے پیش فرمائی تھی، جس میں آچھ اضافہ اور کاروائی اجلاس وغیرہ شامل کر کے افادہ عام کی غرض سے ”اصلاح تعلیم و نظام مدارس عربیہ“ کے نام سے خود حضرت مولانا ہی نے اس کو شائع فرما دیا تھا، یہ مضمون اب مقالات سجاد کا حصہ ہے بطور نمونہ اس کے کچھ ضروری نکات پیش کئے جاتے ہیں:

”بچوں کے مدارس عربیہ اسلامیہ میں جو نصاب تعلیم رائج ہے اور جو طریق تعلیم و تربیت عموماً شائع ہے، وہ ایک حد تک موجودہ ضروریات کا عاثر رکھتے ہوئے کافی نہیں ہے، انہی وجوہ سے کثرت مدارس کے باوجود علمی کیفیت روز بروز انحطاط پذیر ہوتی جاتی ہے، اگرچہ علماء کی تعداد میں ہر سال ایک غیر معمولی اضافہ ہوتا رہتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سے حضرات کے دلوں سے

مدارس عربیہ اسلامیہ کی وقعت زائل ہو گئی ہے۔ اور انہی وجوہ سے ملک میں ایک عام بدولت پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے جمعیت علماء بہار کا یہ جلسہ (جس میں ارکان جمعیت علماء بہار کے علاوہ مدارس اسلامیہ صوبہ بہار کے مدرسین و تلمیذین و دیگر اہل انصاف شریک ہیں) متفقہ طور پر یہ تجویز کرتا ہے کہ اسلامی عربی تعلیم کو ترقی دینے اور اس کی عزت و وقار کے قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ عربی تعلیم کو زیادہ مفید و بااثر بنانے اور تمام مدارس اسلامیہ کی عظمت بڑھانے کے لئے حسب ذیل اصول اختیار کئے جائیں:

(الف) صوبہ بہار کے تمام مدارس عربیہ اسلامیہ میں ایک بنی نصاب رائج کیا جائے، اور موجودہ نصاب مروج میں جن امور کی ضرورت ہو اس کو لحاظ کرتے ہوئے کمی بیشی کر کے نصاب کی مزید تکمیل کی جائے۔

(ب) صوبہ بہار کے تمام مدارس اسلامیہ کے لئے ایک مجلس متحدہ قائم کی جائے جس کے اندر نہایت لائق و فائق مدرسین شریک ہوں، یہی مجلس تمام مدارس کے امتحان کے اصول و نوعیت باعتبار کتاب و درجات قائم کرے اور تمام مدارس کے نتائج کو باضابطہ شائع کیا جائے اور بغیر کامیابی طلبہ کو ترقی نہ دی جائے، لیکن جامعہ کلیہ (جو آئندہ قائم ہوگا) کے امتحانات میں اگر کسی خاص ایک مضمون میں ناکامیاب ہو جائے تو اس کا دوبارہ امتحان اسی مضمون خاص میں لیا جائے۔ اور بصورت کامیابی ترقی دی جائے، اور نیچے درجہ کے امتحانات میں ہر مدرسہ کے مدرس اعلیٰ ناکامیاب طلبہ کو ان کی استعداد کی بنیاد پر ترقی دے سکتے ہیں۔

(ج) تمام صوبہ کے اندر درجہ متوسط سے اعلیٰ تعلیم تک کے درجات میں جو لڑکے سب سے اعلیٰ کامیابی حاصل کریں ان کے لئے ایک سال تک انعامی و خیرہ مقرر کیا جائے۔

(د) صوبہ بہار کے جملہ مدارس اسلامیہ میں نہایت پابندی کے ساتھ یہ نظام قائم کیا جائے کہ جو لڑکا کسی مدرسہ سے نکل کر کسی اور مدرسہ میں داخل ہونا چاہے، تو جب تک وہ سابق مدرسہ کی سند پیش نہ کرے داخل نہ کیا جائے، اس صوبہ میں اس کی پابندی کے بعد بیرونی صوبہ کے مدارس سے بھی معاہدہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ طلبہ کی لاپرواہی کا سد باب ہو جائے اور تعلیم و تربیت کی نگرانی کامیاب ہو سکے، لیکن اگر کوئی لڑکا سند نہ پیش کرنے کی وجہ سابق مدرسین کی عدم توجہ یا مدرسین و تلمیذین کے دوسرے ناہانہ وجود کو بیان کرے تو ایسی صورت میں اہل مدرسہ کا فرض ہوگا کہ کامل تحقیقات کے بعد لڑکے کے بیان کردہ وجوہ کے ثابت ہونے کی صورت میں اس کو داخل مدرسہ کر لیں۔

(س) اور اگر کوئی طالب علم کسی معقول وجہ سے کسی دوسری تعلیم گاہ میں جانا چاہے اور اس کی

مذہبی مدرسہ سے غلبہ کرے تو اہل مدرسہ کافر نہیں ہو گا نہ اس کو دے دیں۔

(و) صوبہ بہار کے کسی ایک بڑے مدرسہ کو جامعہ کلیہ کا درجہ دیا جائے۔^۱

اسی موقع پر جمعیت علماء بہار کی مجلس منتظمہ کا بھی اجلاس ہوا، ان تجاویز کو اس مجلس نے بھی منظور کیا، کانفرنس کے اخراجات جناب سید شاہ محمد قاسم صاحب بیروٹر متولی صغریٰ وقف اسٹیٹ نے برداشت کئے۔^۲

مدرسہ شمس الہدیٰ بورڈ کے لئے ایک جامع نصاب تعلیم کی ترتیب

بہار میں ڈاکٹر سید محمود کی وزارت تعلیم کے زمانہ میں جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے حوالے سے نصاب تعلیم کی اصلاح کی آواز اٹھی تو ایک جامع نصاب تعلیم کی منظوری کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، تو حضرت مولانا سجاد اس کمیٹی کے رکن رکین مقرر ہوئے، اور اس کمیٹی نے آپ کی فکر و تجربات سے پورا استفادہ کیا، اور ایک جامع نصاب تعلیم مرتب کیا، علامہ مناظر احسن گیلانی کو امید تھی کہ اگر بہاران نے نصابی خطوط پر اپنا تعلیمی سفر جاری رکھتا تو ہندوستان کا کوئی صوبہ تعلیم کے میدان میں اس کی ہمسری نہ کر سکتا تھا مولانا مناظر احسن گیلانی کا بیان ہے کہ مولانا ایک روایتی قدیم نصاب تعلیم کے پروردہ تھے اور اکثر تعلیمی زندگی بھی اسی ماحول میں گذاری اس لئے شروع میں ہمیں مولانا کے بارے میں اندازہ نہیں تھا، بلکہ یلگو نہ خوف کا احساس تھا لیکن نصاب تعلیم کے تعلق سے مولانا کی وقت نظر، فکر مندی اور دور بینی دیکھ کر ہمیں اپنی جھوٹی روشن خیالی پر ندامت ہونے لگی، اس نصاب تعلیم کا ابتدائی مسودہ علامہ گیلانی اور علامہ سید سلیمان ندوی نے تیار کیا تھا، لیکن آخری شکل دینے والی کمیٹی میں مفکر تعلیم حضرت علامہ محمد سجاد کے تعلیمی نظریات نے اس نصاب کو ایک طاقتور تعلیمی نصاب میں تبدیل کر دیا، مولانا گیلانی تحریر فرماتے ہیں:

”ڈاکٹر محمود صاحب وزارت تعلیمات کے زمانہ میں میرے اور سید سلیمان صاحب کے ہمارے جوئے نصاب متعلقہ مدرسہ شمس الہدیٰ پر بعض جہات سے اعتراضات ہوئے، کئی نظر ثانی کے لئے بنی، مولانا بھی اس کمیٹی کے رکن تھے۔ مجھے کچھ اندیشہ تھا کہ شاید تعلیمی حیثیت سے مولانا کے قدیم نقطہ نظر میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے کہیں اعتراضات ان ہی کی طرف سے نہ ہوں، خوف زدہ تھا کہ ان کی گرفتوں کا جواب آسان نہ ہو گا، لیکن جو شکا صورتاً لیا۔۔۔ و منعاً بالکل ملاؤں

۱۔ مقالات سجاد، ۶۷، ۸۱، ۸۲

۲۔ مقالات سجاد، ۸۰، ۸۱، ۸۲

کے ہفتہ رنگ میں رنگین تھا، کبھی کے وقت ان کی دور رس نظر کو دیکھ کر اپنی جھوٹی روشن خیالی پر مجھے شرمندہ ہونا پڑا، ترمیم نصاب کے مسئلہ میں مولانا کا قدم ہم سے آگے تھا، نتیجہ یہی ہوا کہ تختانی کلاسوں کی چند جزئی ترمیمات کے سوا حقائق کی اس مطلوبہ کٹی کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، بحمدہ اللہ وہ نصاب اپنے موجودہ حال میں جاری ہے اور ان شاء اللہ پچیس تیس سال کے اندر اندر ہندوستان کو ماننا پڑے گا کہ اسلامی علوم کے سلسلہ میں بہار کا قدم تمام صوبوں سے آگے ہے، بشرطیکہ اس نصاب کو ان ہی شرائط کے ساتھ پڑھایا جائے جو تدریس کے لوازم ذاتی ہیں۔

مکاتب کا نصاب تعلیم

حضرت مولانا سجاد مدارس کے ساتھ مکاتب کے تعلیمی نظام کے لئے بھی بہت فکر مند تھے، اس لئے کہ مکاتب کا دائرہ مدارس سے زیادہ وسیع ہے، ہر مسلمان مدرسہ تک نہیں پہنچ سکتا، لیکن مکتبی تعلیم سے ہر شخص کو گذرنا پڑتا ہے، مولانا چاہتے تھے کہ مکاتب کے لئے بھی ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کر دیا جائے جو اس کو پڑھنے والے طالب علم کی پوری زندگی کے لئے مشعل راہ (گائیڈ لائن) ہو، اور اس کے بعد مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر نہ بھی ہوں تو انسان اپنے مذہب کی بنیادی چیزوں اور ضروری عقائد و مسائل سے بے بہرہ نہ رہے، اوپر مدرسہ عزیز یہ بہار شریف کی جس کانفرنس کا ذکر آیا ہے، اس میں مولانا نے مکاتب کے لئے بھی اپنے عزم کا اظہار فرمایا تھا، اور شرکاء سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنے ذوق کے مطابق نصاب کے اصولوں کی نشاندہی کریں اور اگر کوئی صاحب علم مسودہ کا خاکہ تیار کر سکیں تو تیار کر کے ارسال کر دیں تاکہ نصاب کی ترتیب میں آسانی ہو، اور آئندہ کسی نشست میں اس پر غور و خوض کیا جاسکے۔ خود حضرت مولانا سجاد کے مضمون میں اس کا ذکر موجود ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”ایک اور اہم مسئلہ رہ گیا ہے جو اس مسئلہ سے کم اہم نہیں ہے، اور وہ ابتدائی مکاتب کے نصاب کا مسئلہ ہے اس کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ حضرات کو تفلیت دی جائے گی، لیکن آپ حضرات اس پر آج ہی سے غور و خوض شروع کر دیں کہ وہ نصاب کن اصولوں پر بنایا جائے، اور کن حد تک رکھا جائے، اور جو حضرات اس کے متعلق کوئی مسودہ تیار کریں ہمارے نام روانہ فرمائیں، تاکہ ترتیب میں مجھے سہولت ہو، اور آئندہ آپ کو بھی آسانی ہو اسی سلسلہ میں ناظم (حضرت مولانا ابوالحسین محمد سجاد) نے یہ بھی بتایا کہ تختانی تعلیم اور مذہبی تعلیم و تعلم کلیۃً و عموماً فرض ہے اور یہ

فرضِ زبانی تعلیم سے پوری ہو سکتی ہے اس پر بھی غور کرنا چاہئے۔^۱

آج جامعات سے زیادہ مکاتب کی ضرورت ہے

حضرت مولانا سجاد مکتبی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، ان کے نزدیک آج کے دور میں بڑے مدارس اور جامعات کے بجائے چھوٹے چھوٹے مکاتب قائم کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، آج علماء کا بڑا مرض یہ ہے کہ وہ جامعہ، کلیہ اور دارالعلوم سے کم پر راضی نہیں ہوتے، حضرت مولانا سجاد اکثر لوگوں کو اس جانب متوجہ کرتے تھے، ایک مضمون میں انہوں نے اپنا یہ درد بیان کیا ہے تحریر فرماتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ جامعہ مدارس بھی جاری ہیں، مگر ان مدارس سے زیادہ فائدہ مند تصور نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں مدرسہ قائم ہوتا ہے، تو اس کے منتظمین اور مدرسین کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہر مدرسہ گویا ایک جامعہ کلیہ ہو، اور اقل درجہ یہ ہے کہ عربی کی تعلیم دی جائے، اور علماء پیدا کئے جائیں، بے شک خیال تو نہایت مبارک ہے مگر یہ عمل ناممکن ہے اور اعلیٰ مرض کا علاج نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت یہ ہے کہ دیہات و قصبات میں چھوٹے چھوٹے مکاتب ہوں۔ جہاں صرف کلام مجید اور پندرہ اردو و بنیات کی تعلیم دی جائے تاکہ معمولی لکھنا پڑھنا آجائے، اگر کوئی لڑکا اس سے زائد تعلیم حاصل کرنا چاہے تو پھر اس کے لئے صدر مقامات کے مدارس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے علماء کرام و زعمائے ملت ابتدائی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کرتے جو سب سے زیادہ قابلِ توجہ چیز ہے اکثر صحبتوں میں میں نے اپنے خیالات اس باب میں ظاہر کئے ہیں، اور ان شاء اللہ کسی فرصت میں اب اس مسئلہ پر مستقل مضمون لکھوں گا۔“^۲

مکاتب میں زبانی طریقہ تعلیم کو فروغ دینے کی ضرورت

مکاتب کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لئے حضرت مولانا کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ کتابی سے زیادہ زبانی طریقہ تعلیم کو فروغ دینا چاہئے، اس سے ہر عمر اور ہر صلاحیت کے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، بعد میں اس کو طلب ہوگی تو کتابی تعلیم بھی حاصل کر لے گا، خیر القرون کا طرزِ تعلیم یہی تھا، اس میں بڑی مصلحتیں اور فائدے پوشیدہ ہیں، اس کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے اپنے مضامین اور خطابات میں اس جانب لوگوں کی

۱- مقالاتِ سجاد ص ۹، ۸۰۰۔

۲- مقالاتِ سجاد ص ۸، ۱۰۹۔

توجہات مبذول فرمائی ہے:

مدرسہ عزیز یہ میں اصلاح نصاب کانفرنس (۱۹۲۴ء) کے موقع پر آپ نے جو فکر انگیز خطاب فرمایا، اس میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے:

”مکتبہ تعلیم اور مذہبی تعلیم و تعلم کلیہ و عموماً فرض ہے اور یہ فرض زبانی تعلیم سے پوری ہو سکتی ہے اس پر بھی غور کرن چاہئے۔“

اسی طرح آپ کے ایک مضمون کا یہ اقتباس بھی بہت اہم ہے:

”تعلیم دین جو فرض عین ہے اس کے معمول کا ذریعہ صرف مکتبہ تعلیم نہیں ہے۔ اور یہ فرض صرف مکتبہ تعلیم سے ادا بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سب سے اول زبانی تعلیم کی حاجت ہے۔ کیونکہ تعلیم کے عام ہونے کی یہی صورت ہے۔ اس کے بعد مکتبہ تعلیم ہونی چاہئے۔ اس لئے ابتداء بچوں کو بھی زبانی تعلیم دینی چاہئے۔ اور پانچ چھ ماہ زبانی تعلیم دینے کے بعد مکتبہ تعلیم شروع کی جائے۔ اور بڑے بوزمول کو تو عموماً صرف زبانی ہی تعلیم دینی ممکن ہے۔ جس قدر بھی وقت میسر آئے اس کے اندر ان کو عقائد، عبادات اور اخلاقی مسائل کی تعلیم دی جائے۔ مذہبی و قومی روایات یہ دکرائے جائیں۔ مگر بزرگوں نے تعلیم کے اصلی طریقوں کو اختیار نہیں کیا۔ حالانکہ خیر القرون کے زمانہ میں تعلیم کے یہی طریقے مروج تھے اس لئے اس عام جہالت کی ذمہ داری صرف عوام الناس پر نہیں ہے بلکہ سب سے زائد اس کی ذمہ داری ہماری قوم نے رہبروں، بالخصوص ہمارے علم و کرام پر ہے۔ ہمیں معاف کیا جائے تو ہم عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی زندگی کا مقصد زائد سے زائد یہ بنالیا ہے کہ کچھ لوگوں کو ہم عالم دین بنادیں مگر افسوس کہ ہم اس مقصد میں بھی اب حقیقتاً کام ہو رہے ہیں۔“

عربی مدارس میں صنعتی تعلیم

حضرت مولانا سجاد حسنینوں میں صنعتی تعلیم کے فروغ پر بھی بہت زور دیتے تھے، یہاں تک کہ عربی مدارس کے طلبہ کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ کوئی نہ کوئی صنعتی تعلیم ان کو بھی دی جائے تاکہ وہ معاشی حور پر کسی کے محتاج نہ رہیں اور ان کی غربت و افلاس کا استحصاں نہ کیا جاسکے، علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

”سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عربی مدارس میں کے طلبہ کی معاشی سہولتوں کے لئے یہ پرانی

تجویز کہ ہر مدرسہ میں کسی ایسی مقامی غیر مقابلاتی صنعت اور ہنر کی طلبہ کو تعلیم دی جائے، جس کے ذریعہ وہ اپنی روزی کے لئے مسلمانوں کے سینوں کے بوجھ یا غیر مسلموں کے مقاصد کے آلہ کار نہ بنیں۔ اس تجویز کا آغاز جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ اسی متولی کے ذریعہ سے بہ شکل خطائی و کاہنی نویسی مدرسہ عزیز یہ میں شروع ہوا جسے حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کی نگاہ انتخاب نے اس عہدہ تک پہنچایا تھا۔ پس سچ یہ ہے کہ وقت اسٹیٹ کے دور یونہی کے ڈھائی سال کے زمانہ کو اگر دور سجاد کی قرار دیا جائے تو یہ ایک واقعہ کا اظہار ہوگا۔^۲

صنعتی تعلیم کے لئے مستقل ادارہ کا قیام

حضرت مولانا سجادؒ نے مسلمانوں کی صنعتی تعلیم کے لئے دیدار گنج پٹنہ کی وسیع و عریض شاہی مسجد (جولب دریا واقع ہے) میں باقاعدہ ایک بڑی درس گاہ کی بنیاد بھی ڈالی تھی، اور اس کو بڑے پیمانہ پر لے جانا چاہتے تھے، آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے اس ادارہ کا ذکر کیا ہے،^۳ جس کا تفصیلی ذکر پیچھے آچکا ہے۔

حضرت مولانا چاہتے تھے کہ مسلمان سرکاری ملازمتوں پر انحصار نہ کریں، بلکہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، نیز اس صنعتی دور میں کوئی ملک صنعتی ترقیات کے بغیر ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا، آپ کی خواہش تھی کہ ہندوستان خود ہندوستانیوں کی بدولت آگے بڑھے۔

علاوہ آج کے دور میں سرکاری ملازمتوں کے لئے بالخصوص مسلمانوں کے لئے جو مشکلات ہیں ان کے تناظر میں حضرت مولانا سجادؒ کے اس نظریہ کی معنویت اور بھی دوچند ہو جاتی ہے۔

عصر حاضر میں مسلمان سائنس میں کمال پیدا کریں

حضرت مولانا مسلمانوں کے لئے عصری علوم میں انگریزی زبان کے ساتھ سائنسی علوم کو ترجیح دیتے تھے، مولانا چاہتے تھے کہ مسلم طلبہ سائنس میں کمال حاصل کریں اور اس کے ذریعہ اسلام کی خدمت کریں، اس لئے کہ آج کے دور میں سب سے زیادہ اسی راستے سے تشکیک پیدا کی

۱- غیر مقابلاتی سے مراد ایسی صنعتیں ہیں جن میں یورپ، امریکہ، جاپان وغیرہ کی میکانیکی صنعتوں سے مقابلہ ہو، مثلاً زرگری، آہن گری، نجاری، معماری، شیرنی سازی، طبائی، پلٹری (مرغبانی)، باغبانی، کاشت کاری وغیرہ کہ بہرحال ان چیزوں کے لئے ہندوستان کی دستکاری سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے، بخلاف پارچہ بانی وغیرہ میکانیکی صنعتوں کے کہ ہندوستانیوں کی دستکاریوں میں شمولیت کرنے والے ممالک کا مقابلہ نہیں کر سکتیں (علامہ مناظر احسن گیلانی حیات سجاد ص ۵۳ حاشیہ)

۲- حیات سجاد ص ۵۳ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانی۔

۳- حیات سجاد ص ۳۱ مضمون مولانا عبد الصمد رحمانی۔

جاری ہے، شاہ محمد عثمانی صاحب کا بیان ہے کہ:

”ایک بار اپنے ایک دوست کے ساتھ مولاناؒ سے ملا تھا وہ ایم اے میں فلسفہ کے طالب علم تھے۔ مولاناؒ نے کہا کہ انگریزی پڑھئے تو سائنس لیجئے جس میں مسلمان پیچھے ہیں، ادب اور فلسفہ کے میدان میں مسلمان پیچھے نہیں ہیں۔ مولاناؒ دراصل اسلام اور سائنس کے ربط کے حامی تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان ایک طرف اسلام سے واقف ہوں اور دوسری طرف جدید سائنس پر بھی ان کی نظر ہو۔ مولاناؒ کے عہد میں کم علماء ہوں گے جن کے اندر یہ حقیقت پرندہ ہوگی۔“



(۲)

ہندو مسلم اتحاد کا نظریہ

حضرت ابوالحسن کے سیاسی نظریات میں ہندو مسلم اتحاد کے نظریہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، وہ ہندوستان کے موجودہ پس منظر میں بہت سے سیاسی اور ملکی مسائل کے لئے اس اتحاد کو مفید تصور کرتے تھے، بالخصوص جنگ آزادی میں کامیابی کے لئے اس کو آخری کلید کے طور پر دیکھتے تھے۔

ہندو مسلم اتحاد کے اولین علمبردار

حضرت مولانا ہندوستان میں اس نظریہ کے اولین علمبرداروں میں تھے، بلکہ کہنا چاہئے کہ سب سے پہلے اس میدان میں حضرت مولانا نے ہی قدم آگے بڑھایا، اور آپ کی فکر سے متاثر ہو کر جمعیۃ علماء ہند اور دیگر جماعتوں نے بھی اسے قبول کیا، خود آپ نے اپنے خطبہٴ صدارت مراد آباد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

”میں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اتحادِ دما بین اقوام ہند پر زور دیا ہے اور آج پھر باوجود تلخ تجربات کے کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ اور بھی مصالحت اور موادعت کی کوشش کر لی جائے۔ اور غالباً اگر تمام ہندوستان میں نہیں تو کم از کم اپنے صوبہ کے علماء کے خدام میں پہلا شخص ہوں جس نے سنت نبویہ پر عمل کرنے کے لئے سب سے پہلے آگے قدم بڑھایا ہے کہ گھر کے غیر مسلم قوموں سے پہلے مصالحت و موادعت کی جائے۔ پھر بیرونی دشمنوں سے گھر کی حفاظت متحدہ اور مشترکہ طاقت سے کی جائے۔“

عزیمت و رخصت

حضرت مولانا اپنے مطامعات اور تاریخی تجربات کی روشنی میں اس اتحاد کو ملک و ملت کے

لئے مفید اور قومی مقاصد کے حصول میں معاون سمجھتے تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مولانا کے نزدیک ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ و بقا، یا ملک کی آزادی کا حصول اسی اتحاد پر موقوف تھا، بلکہ وہ مسلمانوں کی جداگانہ جدوجہد کو عزیمت اور ہندو مسلمانوں کی متحدہ کوششوں کو رخصت قرار دیتے تھے، فرماتے تھے کہ:

”میرا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اگر ہندو مسلمانوں سے متحد ہو کر کام نہ کریں یا ان سے مصالحانہ رویہ نہ رکھیں تو مسلمان ہندوستان میں زندہ نہیں رہ سکتے، یا انگریزوں کی غلامی سے نجات نہیں پاسکتے ہیں، اور یہ محض تخیل اور شاعری اور جذبہ کا اظہار نہیں ہے، بلکہ اپنی فراست اور بصیرت کے ساتھ نہایت ٹھنڈے طور پر غور کر کے عرض کرتا ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس صورت میں ہمارے لئے مشکلات زیادہ ہیں مگر اس کے بعد راحت بھی زیادہ ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر ہندو اور دیگر اقوام مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں اور مصالحانہ اور سالمانہ رویہ اختیار کر لیں تو یہ طریقہ نہایت اسلم اور نہایت سہل ہے اور تمام اقوام کے لئے یکساں مفید ہے، بشرطیکہ جن امور کا تقاضا اس سے اقرار کیا جائے عمل سے بھی اس کا ثبوت دیا جائے اس اسلوب کے اختیار کرنے میں زندگی پر سکون گذرے گی اور انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کی امید کی جاسکتی ہے۔“

اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک

اسلام بنیادی طور پر امن و سلامتی اور محبت و بھائی چارہ کا مذہب ہے، وہ خواہ مخواہ حرب و جنگ کا قائل نہیں ہے بالخصوص اپنے پڑوسیوں کے ساتھ انتہائی حسن سلوک اور ہمدردی کی تلقین کرتا ہے، خواہ پڑوسی مسلمان ہو یا غیر مسلم، مذہبی اختلاف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ باہمی تعلقات میں ناخوشگوار پیہا کی جائے، قرآن پاک میں اس طرح کی متعدد آیات موجود ہیں جن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور حدود پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک آیت اس سلسلے میں بہت ہی زیادہ واضح ہے۔

لَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (آئینہ: ۹، ۸)

ترجمہ: خدا تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے مذہب میں لڑائی نہیں کرتے، اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں، خدا انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر محارب کافر بھی صلح پر آمادگی کا اظہار کرے تو مسلمانوں کو خدا کے بھروسہ پر اس کی پیشکش بھی قبول کرنی چاہئے:

وَإِنْ جَنَّحُوا لِلْإِسْلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ - (الأنفال: ۶۱)
ترجمہ: اگر وہ لوگ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی صلح کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (یعنی اگر وہ تمہیں فریب دینا چاہیں گے تو بیشک تمہاری مدد کرنے کے لئے اللہ کافی ہے)

رواداری کا فائدہ

مسلمانوں کے اخلاق اور رواداری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دوریاں کم ہوتی ہیں، اور عداوت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے قرآن کریم نے اس نتیجہ کی طرف اشارہ کیا ہے:
عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ كَرِهْتُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ - (الممتحنہ: ۷)

ترجمہ: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کر دے اور اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

امن باہم کے بغیر فرض منصبی کی تکمیل ممکن نہیں

علاوہ تمام مخلوقات عالم کی خدمت مسلمانوں کے سپرد کی گئی ہے، اور یہ دوہری ذمہ داری اس کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی جب تک کہ سب کے ساتھ امن و محبت کے تعلقات استوار نہ کئے جائیں، خطبہ صدارت مراوا آباد میں حضرت مولانا سجاد صاحب ارشد فرماتے ہیں:
”حضرات! یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کسی سے جنگ کی جائے، وہ تو تمام دنیا کے لئے پیام امن لے کر آیا ہے، اور اللہ کی تمام مخلوقات کی خدمت مسلمانوں کے سپرد کی گئی ہیں،

كما قال الله تعالى كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ الْآيَةُ (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: جو امتیں لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کی گئی ہیں، ان سب میں تم بہتر امت ہو، کیونکہ تم دنیا میں امر بالمعروف یعنی ہر نیک اور بھلے کام کی اشاعت کرتے ہو اور نہی عن المنکر یعنی برے کاموں سے لوگوں کو منع کرتے ہو۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جن اقوام کی خدمت اسلام نے مسلمانوں کے سپرد کی ہو، ان سے

جنگ کرنے کی تعلیم دے ہاں البتہ خود انسانی مخلوق کی حفاظت کے بعض حالات میں جنگ کی اجازت ہے بلکہ فرض ہے۔^۱

اسلامی تعلیمات نہ خالص محاربانہ ہیں اور نہ خالص مسالمانہ

اسلامی تعلیمات نہ خالص محاربانہ ہیں اور نہ خالص مسالمانہ، بلکہ عادلانہ ہیں، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اپنے خطبہٴ صدارت مراد آباد میں تحریر فرماتے ہیں:

”نہیں اسلام کی تعلیمات کو محض محاربانہ کہنا اسی طرح نادانی ہے جس طرح اس کی تعلیم کو بہر حال مسالمانہ اور عاجزانہ کہنا غلط ہے، لیکن ان تعلیمات کا یہ منشا نہیں ہے کہ کسی دوسری قوم اور دوسری جماعت کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ امن کی زندگی کی تعلیم اسلام میں نہیں ہے اور مسلمان اس تعلیم کے خوگر نہیں ہیں، یہ کہنا ظلم اور سراسر ظلم ہے۔“^۲

ہندو مسلم اتحاد کا معتدل راستہ

مولانا کے نزدیک قیام اتحاد کی پہلی منزل بنیادی قدروں پر صلح و ہند نہ اور دوسری منزل مقررہ اہداف کے لئے تناصرو تعاون کا معاہدہ ہے، مولانا فرماتے تھے کہ اپنے حقوق و مراعات کی تفصیلات زیر بحث لانا اور مسلکی امتیازات سے تعرض کرنا اکثر اتحاد کے راستہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے، اپنے خطبہٴ صدارت مراد آباد میں فرماتے ہیں:

”میں سمجھتا ہوں جس قدر حقوق و مراعات کے قضیہ پر بحث ہوتی رہے گی، اسی قدر حالت بدتر ہوتی جائے گی، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعی قوم کے ذمہ دار اصحاب صحیح اصول پر کام کرنا چاہتے ہیں، اور باہمی جنگ اور فتنہ و فساد کو بند کرنا چاہتے ہیں، عام ازمیں کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ جنگ کریں یا نہ کریں تو سب سے پہلے اس مقصد کے لئے وہ پہلی منزل ہند اور صلح کی اختیار کریں۔ اور اس ہند اور صلح میں صرف ایک بات طے کریں کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم سے قومی اور مذہبی معاملات کی انجام دہی میں کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کرے اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ نہ کرے اور نہ ایک قوم دوسری قوم کے معتمد علیہ کی نسبت توہین آمیز الفاظ کہے؛ اس ہند کے بعد اور فضا صاف ہو جانے کے بعد دوسری منزل مودعت کی ہے، باہمی معاہدہ اور تعاون کی منزل تو اس وقت ہے جب کہ پہلے امن اور صلح ہو جائے اور جذبات کا ہیجان رفع

۱- خطبہٴ صدارت مراد آباد ۱۰۱، ۱۰۰-۱۰۱

۲- خطبہٴ صدارت مراد آباد ۱۰۱، ۱۰۲-۱۰۱

جو بائیں ۱

جادوۂ اعتدال برقرار نہ رہ سکا

لیکن اب تک کے تجربات میں اتحاد کے اس زریں اصول کو اکثر نظر انداز کیا گیا، مولانا کو ایک طرف کانگریس اور بالخصوص مسٹر گاندھی جی سے شکایت تھی کہ انہوں نے اتحاد کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ ۲

دوسری طرف مسلمانوں سے شکوہ تھا کہ وہ محبت و جنگ اور قربت و فاصلہ کے درمیان اعتدال قائم نہ رہ سکے، مدارات اور مدارست کا فرق باقی نہ رکھ سکے کسی قوم سے قریب ہوئے تو ایسا اندھا اعتماد کیا کہ اپنی ہستی کے تشخص کی فکر بھی نہ رہی، یہاں تک کہ اپنی تہذیب فنا کر کے غیروں کی نقالی شروع کر دی، جیسا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد سر سید احمد خان کی صبح جو یا نہ کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس طبقہ کے اکثر لوگ فنافی انصاری نظر آتے ہیں، اور پھر جب ہندوؤں سے اتحاد کر کے انگریزوں سے جنگ شروع ہوئی تو بہت سے مسلمان فنافی الہندو بن بیٹھے، اور بہت سی ہندوانہ رسم و روایات مسلم گھرانوں میں داخل ہونے لگیں (حضرت مولانا کے الفاظ میں) ”حالانکہ غیر مسلم قوم سے صلح یا موادعت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنے عقائد و اعمال اور اخلاق و تمدن اور معاشرت خصوصی کو مصالح و معاہدہ قوموں کے اثرات سے پیوست کر دیا جائے اور اپنی حیثیت کے اصل اصول سے بے اعتنائی برتی جائے مگر کیا یہ امر قابل تردید ہے کہ غلامی کا طوق گلے میں پڑنے کے بعد مسلمانوں کی روش ہمیشہ ہر دور میں اس کے خلاف رہی اور انہوں نے اپنے کو بے پندی کے لوٹنے کے مانند بنادیا۔“

انگریزوں سے ملے توان کی خوشامد اور سخاوتی میں رطب اللسان رہے کہ الامان والحمیظ۔ یہاں تک کہ قوم کے بچوں کے مادہ دلوں میں انصاری کی محبت ان کے آداب و اخلاق کی اعلیٰ سرایت کر گئی اور اسلامی روح پیدا ہو گئی۔ اسی طرح آج جب ہندوؤں سے صلح و آشتی کے لئے بڑھے تو پھر اس طرح جوش صلح میں حدود سے تجاوز کر گئے اور بد مذہورت وہ وہ کلمات استعمال کئے گئے اور وہ وہ اعمال اختیار کئے گئے جو اگرچہ ابھی تک کفر و شرک کی حد تک نہیں پہنچے ہیں، اور یقیناً مجھے معلوم ہے کہ بوسے والداراخ الایمان ہے مگر یقیناً کہتے ہیں یہ چیزیں رفتہ رفتہ عوام الناس کو مادہ لوح مسلمانوں کو ایک دن کفر تک پہنچا دیں گی۔ اگرچہ میں اس سے واقف ہوں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے مگر اس کے ساتھ یقیناً جلد حق الیقین ہے کہ ناممکن نہیں ہے

۱- خطبہ صدرت مراد آبادی ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷

۲- خطبہ صدرت مراد آبادی ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷

کیونکہ جس چیز کو محمد رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر برت کر مسلمانوں کو دکھلادیا اور اس کے لئے

۱۔ اس سے مراد وہ معاہدات ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد کے غیر مسلموں کے ساتھ کئے تھے، اس حقیر نے اپنے ایک مقالہ ”بین مذہبی مذاکرات - احکام و آداب“ میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

”ميثاق مدینہ میں یہود کی شمولیت: (۱) تاریخی طور پر اس سلسلے کا سب سے اہم اتحاد جس کو مذاکرات کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا وہ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کا اتحاد ہے، اور اس کے لئے جو دستور مرتب کیا گیا اس میں اکثر ان بنی دین کو جگہ دی گئی جن پر دونوں فریقوں کا اتفاق ممکن تھا، تاریخ اکمال، البدایہ والنہایہ، اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں یہ معاہدہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے، یہاں بطور مثال صرف چند مشترکہ بنیادوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر ميثاق کی اساس تھی۔ **بنی دین اور یہود بنی عوف امة مع اللومنین۔** یہود اور مسلمانوں کا ایک اتحاد ہوگا۔ **بنی دین وان بینہم النصر علی من حارب هذه الصحیفہ۔** جو شخص اس ميثاق کی مخالفت کرے گا اس کے خلاف دونوں مل کر کاروائی کریں گے۔ **بنی دین وان بینہم النصیح والنصیحة والبر دون الاثم۔** ان کے درمیان باہم ہمدردی اور خیر خواہی اور نیکی کا رشتہ ہوگا کسی ظلم و گناہ کا نہیں۔ **بنی دین وان النصر للمظلوم مظلوم کی مدد کی جائے گی۔ بنی دین وان بینہم النصر علی من دهم یثرب مدینہ منورہ پر جو حملہ کرے گا اس کے خلاف دونوں مل کر کاروائی کریں گے۔ بنی دین و اذا دعوا الی صلح یصلحونہ ویلبسونہ فانہم یصلحونہ ویلبسونہ وانہم اذا دعوا الی مثل ذلک فانہ لہم علی اللومنین الامن حارب فی الدین۔** اگر یہود کسی ایسے معاہدہ کی پیشکش کی جائے جس پر اتفاق ممکن ہو تو وہ اس پیشکش کو قبول کریں گے اور اس طرح کے معاہدات میں جو طے ہوگا وہ مسلمانوں پر بھی نافذ ہوگا۔ **اما یہ کہ خلاف دین کوئی چیز طے کر لی جائے (یعنی مشترکہ بنیاد کے بجائے کوئی امتیازی بنیاد اختیار کر لی جائے تو معاہدہ کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا)** وغیرہ تقریباً ۳ دفعات ہیں جن کا تذکرہ ميثاق مدینہ میں کیا گیا ہے۔ (الروض الأنف ج ۲ ص ۳۴۵ المؤلف: أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السہیل (اللتوفی: ۵۸۱ھ)، السیرۃ النبویۃ ج ۲ ص ۳۲۲ المؤلف: أبو الغداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی (اللتوفی: ۷۷۴ھ)، السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۵۰۳ المؤلف: أبو محمد عبد الملك بن هشام البصری (اللتوفی: ۲۱۳ھ)، عیون الاثر ج ۱ ص ۲۶۱ المؤلف: محمد بن عبد الله بن یحییٰ بن سید الناس (اللتوفی: ۷۳۴ھ)

البتہ اس اتحاد میں مسلمانوں کی حیثیت ایک با نادرست قوت کی تھی اور متعدد انتظامی معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیا گیا تھا، اس لئے کہ یہ اتحاد مدنی ذور میں قائم کیا گیا تھا اور مدنی ذور مسلمانوں کے غلبہ کا ذور ہے، لیکن فی الجملہ اس سے مشترکہ انسانی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر غیر مسلموں کے ساتھ مذاکرات اور اتحاد کا جواز ملتا ہے۔

حلف الفضول:۔ اسی قسم کا ایک بین القباہلی اتحاد (جس کو آج ہم بین الاقوامی یا بین المذاہبی اتحاد بھی کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ اس وقت ہر قبیلہ اپنے سیاسی اور اقتصادی معاملات میں خود مختار تھا اور ہر ایک کے مذہبی تصورات دوسرے سے مختلف تھے) کشت نبوی سے تقریباً بیس سال قبل جنگ فجار کے چار ماہ بعد مکہ معظمہ میں ہوا تھا، جب حضور ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی، آپ اس معاہدہ میں شعوری طور پر شریک تھے۔ اس کو حلف الفضول کہا جاتا ہے، ایک مخصوص واقعہ کے تناظر میں امن و برائی، انسانی ہمدردی، مظلوموں کی مدد، ظالموں کا مقابلہ اور اس جیسی بعض مشترکہ سماجی اور سیاسی مسائل پر خواہش، زہرہ، تیم بن مرہ، وغیرہ قبائل کے درمیان یہ اتحاد قائم ہوا، جو تاریخ اسلامی میں کافی معروف ہے، (تفصیل کے لئے دیکھ جائے البدایہ والنہایہ ج ۲، ص ۳۵۵، باب شہود النبی حلف الفضول، البدایہ والتاریخ ج ۱ ص ۲۲۶ المؤلف: للطہر بن طاهر اللدسمی (اللتوفی: نحو ۳۵۵ھ) الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۲۵۱ المؤلف: أبو الحسن علی بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد المعروف بابن الاثیر (اللتوفی: ۶۳۰ھ)، الاوائل ج ۱ ص ۱۳ المؤلف: أبو هلال الحسن بن عبد الله بن سهل بن سمید بن یحییٰ بن مہران العسكري (اللتوفی: نحو ۳۹۵ھ) ہمارے لئے زیر بحث مسئلہ میں اس اتحاد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اصل اہمیت رکھتا ہے، جو حضرت طلحہ بن عبد اللہ بن عوفؓ سے مروی ہے: **لقد شهدت فی دار عبد الله بن جده ان حلفا ما أحب أن لی بہ حر النعم ولو ادعی بہ فی الإسلام لأجبت**۔ «سنن البیہقی الکبریٰ ج ۶ ص ۳۶۷ حدیث نمبر: ۱۲۸۵۹ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البیہقی الناصر: مكتبة دار الباز - مكة المكرمة، ۱۹۹۱-۱۴۳۱ تحقیق: محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء: ۱۰ تہذیب الآثار (الجزء المفقود) ج ۱ ص ۱۷ أبو جعفر محمد بن جریر الطبری سنة الولادة ۲۲۴ھ / سنة الوفاة ۳۱۰ھ تحقیق: علي رضا بن عبد الله بن علي رضا الناشر دار المأمون للتراث سنة النشر ۱۴۱۶ھ - ۱۹۹۵م مکان النشر دمشق / سوریا عدد الأجزاء: ۱»

→ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں عبد اللہ بن عبد مناف کے مکان پر اس معاہدہ میں شریک تھا، یہ معاہدہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے، اگر مجھے آج عہد اسلامی میں بھی اس قسم کے کسی معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔ یہ عہد اسلامی سے قبل کا معاہدہ تھا اور ظاہر ہے کہ اس میں شریک قبائل مسلمان نہیں تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت نوعمری مگر مکمل شعور کا دور تھا، اس معاہدہ میں کسی معاہدہ فریق کی بار دہائی کا بھی سوال نہیں اٹھتا تھا، ایسے معاہدہ اور ایسے اتحاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس قسم کے اتحاد کی دعوت مجھے آج بھی دی جائے تو میں خوشی اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان فی شخصیات اور مفادات کے تحفظ کی شرط کے ساتھ قیام، امن، بقائے باہم اور بدگمانیوں کے خاتمہ وغیرہ نیک مقاصد کے لئے دیگر اہل مذاہب سے مشترکہ بنیادوں پر (جن میں کوئی بات خلاف شریعت نہ ہو) مذاکرات اور معاہدات کر سکتے ہیں بالخصوص اس وقت جب مسلمان حالت مغلوبی میں ہوں، اور اس طرح کے معاہدات سے ان کو قومی تحفظ اور دعوت دین وغیرہ کے مواقع زیادہ فراہم ہو سکتے ہوں۔

حلف خزاعہ کی تجدید :- اسی طرح کا ایک معاہدہ عہد جاہلیت میں بنو عہد المطلب اور خزاعہ کے درمیان ہوا تھا، جس کو صنف خزاعہ کے نام سے جانا جاتا ہے، تاریخ طبری اور بغدادی وغیرہ میں واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے، اس معاہدہ کی اساس بھی باہم نصرت و محبت اور امن و سلامتی پر تھی، اس کی یہ قدر بصورت خاص بہت اہم تھی۔

وَأَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ وَوَلَدَهُ وَمَنْ مَعَهُمْ وَرَجَالُ خِزَاعَةَ مُتَكَافِتُونَ مُتَظَاهِرُونَ مُتَعَاوِنُونَ، فَعَلَى عَبْدِ الْمُطَّلِبِ النَّصْرَةُ لَهُمْ بِمَنْ تَابَعَهُ عَلَى كُلِّ طَائِفٍ، وَعَلَى خِزَاعَةَ النَّصْرَةُ لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَوَلَدِهِ وَمَنْ مَعَهُمْ عَلَى جَمِيعِ الْعَرَبِ فِي شَرْقٍ أَوْ غَرْبٍ أَوْ حَزَنٍ أَوْ سَهْلٍ، وَجَعَلُوا اللَّهَ عَلَى ذَلِكَ كَفِيلًا، وَكَفَى بِاللَّهِ جَهِيلًا، الْمُنْعَقُ فِي أَحْبَارِ قُرَيْشٍ ج ۱ ص ۲۱ المؤلف: أبو جعفر محمد بن حبيب بن أمية البغدادي (المتوفى: 245 هـ)

ترجمہ: "عہد المطلب اور ان کی اولاد اور ان کے رفقاء اور قبیلہ خزاعہ کے لوگ باہم مساوی اور ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے، عہد المطلب پر ان کی مدد ہر اس شخص کے مقابلے میں لازم ہوگی جن کے لئے ان کو مدد کی ضرورت ہو اس طرح خزاعہ پر عہد المطلب اور ان کی اولاد اور رفقاء کی مدد لازم ہوگی پورے عرب کے مقابلے میں، خواہ وہ شرق و مغرب میں سخت زمین یا نرم زمین کہیں بھی ہوں، اور اس پر اللہ کفیل بناتے ہیں اور اس سے بہتر کوئی ضمانت نہیں۔"

اس معاہدہ کا ظہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، صلح حدیبیہ کے موقع پر قبیلہ خزاعہ کے لوگ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور معاہدہ نامہ کی ایک کاپی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، حضرت ابی بن کعبؓ نے اس کا مضمون پڑھ کر سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ معاہدہ برقرار رہے گا، اسلام عہد جاہلیت کے معاہدوں کو منسوخ نہیں کرتا، آپؐ نے اس معاہدہ کی تجدید فرمائی اور اس میں ایک دفعہ کا اضافہ فرمایا: اِنَّا لَا يَمِينُ ظَلَمًا وَانْهَائِمْ مَظْلُومًا کہ ظالم کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی بلکہ مدد صرف مظلوم کی جائے گی (تاریخ طبری: ص ۱۰۸۳، البیہقی: ج ۱، ص ۲۷۸، ۲۷۹، بخاری: الوفاق: سیاسیہ: ذکر محمد حمید اللہ حیدر: ج ۱: ص ۲۷۳-۲۷۶) اہمیت محض معاہدہ کی نہیں ہے، عہد جاہلیت میں اس صرحت کے قبائلی معاہدے ہوتے رہتے تھے، اہمیت اس کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک مقاصد پر مبنی اس معاہدہ کی توثیق فرمائی، آپؐ کی توثیق کے بعد یہ شریعت کا حصہ بن گیا۔

غیر مسلموں سے دفاعی اتحاد :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جنگی مواقع پر غیر مسلموں سے جو دفاعی اتحاد قائم فرمائے، مثلاً: بنو قریظہ کے مقابلے میں یہود بنو قریظہ سے فوجی مددنی، صفوان بن امیہؓ نے یمنی و طائف میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کی جبکہ دشمن تھا، اس کو بھی سیاسی مذاکرات کے لئے ایک نصیر بنایا جاسکتا ہے، اگرچہ کہ بعض مواقع پر آپؐ نے مشرکین سے فوجی مدد لینے سے انکار بھی فرمایا ہے (السنن الکبریٰ و فی ذیلہ الجوہر النقی: ج ۹ ص ۳۶ حدیث نمبر: ۱۸۳۳۳ المؤلف: أبو بکر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهري النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق: الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنات في الهند بلدة حيدرآباد الطبعة: الأولى - 1344 هـ عدد الأجزاء: ۱۰)

آپؐ کے ان دونوں طرح کے طرزِ نمٹنے سے جمہور فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کفار سے فوجی اتحاد و شروط طور پر قائم کیا جاسکتا ہے، جس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا فنی و قاری مجروح نہ ہو، تعلیمات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

(شرح البیہقی: ج ۳ ص ۱۸۶ رد المحتار: ج ۱ ص ۲۴۲، کتاب الرم: ج ۲ ص ۸۹-۹۰)

اس چیز کو دستور العمل بنا دیا وہ ناممکن ہے اور نہ ہو سکتا ہے مگر استقامت اور باتھ اور بے ہمتی
منزل پھولوں سے بھی ہوتی نہیں ہے، اس کی راہ میں محض کافر نہیں ہے بلکہ تمام نہایت
بڑے بڑے نوکمر اور کاسنے بچھے ہوئے ہیں۔“

اتحاد کا مطلب مدہانت فی الدین نہیں ہے

غرض حضرت مولانا غیر مسلم جماعتوں سے سیاسی اتحاد کے پر جوش حامی تھے لیکن جہاں
دینی معاملات میں کوئی چُک محسوس کرتے تو:

”پھر یہی شخص کی پرواہ کرتے اور نہ جماعت کی، نہ اپنوں کی پرواہ کرتے تھے اور نہ غیروں کی۔“^۲

ترک گاؤ کا مسئلہ

مولانا عبدالصمد رحمانی نے ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ بعض مسلم نیڈران
اتحاد کے جوش میں حدود سے تجاوز کرنے لگے، اور ان کی دینی حیثیت کمزور ہونے لگی، بعض لوگ
قتلہ تک لگے اور گائے کی قربانی مصلحتاً ترک کرنے کی بات کرنے لگے، یہاں تک کہ مسلم
نیک نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے اور باقاعدہ ترک گاؤ کی تجویز پاس کر دی جس کے الفاظ یہ تھے:

”آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ رائے ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اہل بنود نے جس نیک رویہ
کا اظہار کیا ہے، اس کے اعتراف اور بندہ دل اور بندہ وستان کے مسلمانوں کے درمیان رشتہ
اتحاد کو زیادہ مضبوط کرنے کی غرض سے بقر عید کے موقع پر جہاں تک ممکن ہو سکے، گائے کی
قربانی کے بجائے دوسرے جانوروں کی قربانی کی جائے۔“^۳

بلکہ بعض علمی اور دینی ہستیاں بھی اس فتنہ کے آگے ذہیر ہو گئیں اور انہوں نے اس باب
میں بہت نرم رویہ اختیار کر لیا اور اسی میں مصیحت و عافیت محسوس کرنے لگے۔ لیکن حضرت مولانا

— خط بہ سعادت مراد آباد ۱۹۱۹ء۔

۲۔ حیات مجاہد مضمون مورخ عبدالصمد رحمانی ص ۴۴۔ یہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کے الفاظ ہیں۔

۳۔ روئے آئین انڈیا، سمرلیک اجلاس امرتسر ۲۱، ۲۲ حیات مجاہد مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۴۲۔

۴۔ اس کی ایک مثال حضرت مولانا عبدالباری فرنگی مکی کی ذات کرامی ہے، خود آپ کے چھوٹے بھائی اور شاگرد شہید مولانا عینیت اللہ
فرنگی مکی بیان کرتے ہیں کہ:

”اس امر کی کوشش شروع ہوئی، کہ ہندو مسلموں میں پہلے اتفاق قائم ہو جائے، حضرت مولانا (عبدالباری صاحب) رحمۃ اللہ علیہ
اس تحریک کے قائد تھے، امیر شریف سے وابستگی پر آمیزہ سے سب سے پہلے حضرت مولانا نے کاندھلی بنی و تارویا، کہ میں گائے کی
قربانی خود نہ کروں گا اور کوشش کروں گا کہ دوسرے مسلمان بھی نہ کریں، اس کے بعد مولانا نے کوشش کی کہ کسی مقدم پر سربراہ اور
ہندو مسلمان حضرات کا ہندو ہواؤ کی مہمل پر انکرام سے کیا جائے۔“ (مسرد آفاق ہونہ مجمع لا شوق ص ۲۵)

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی مکی کی مہمیت کا نتیجہ تھا کہ کاندھلی بنی نے ترک گاؤ کے نکل بند تحریک چلانے کا پروگرام بنایا،
اور اس میں ان کے دست راست حضرت مولانا عبدالباری کے مرید مولانا محمد بنی بوجہ تھے۔

سجاد نے اپنے نور بصیرت سے سب سے پہلے اس فتنہ کے غلط اثرات کا ادراک فرمایا، اور کسی اومہ الام کی پرواہ کئے بغیر یہ اعلان کیا کہ:

”غیر مسلموں سے مصالحت و موادعت کا منشا کیا ہے۔ اس کا مذہب، شعار ملت، خصائص قومی کی حفاظت، اور اپنے مخصوص اخلاق حسہ کے ذریعہ سے ان قوموں میں تبلیغ و دعوت۔ اس سے اگر ضرورت ہو تو دنیا کی بہتر سے بہتر اور قیمتی سے قیمتی چیز غیر مسلموں کی مصالحت پر قربان کر دی جاسکتی ہے، ان کے دلوں میں گھر کرنے کے لئے اپنے گھر کی ماری دولت لٹادی جاسکتی ہے، مگر احکام اسلام، شعار ملت، حقوق و خصائص قومی میں سے چھوٹی چیز بھی نہیں چھوڑی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ دینت فی الدین ہے اور نہ غیر مسلموں کے مخصوص مراسم کو اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ شرک فی الاسلام اور فحشاء فی قومیت اور تقویت مقاصد اسلام ہے۔“

اسی کے ساتھ مولانا نے مذکورہ بالا بے اعتدالیوں سے متعلق ایک فتویٰ بھی مرتب فرمایا جس کو جمعیت علماء بہار کے اجلاس درجستہ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) میں متفقہ طور پر منظور کیا گیا (تفصیل پیچھے آچکی ہے)۔

بکسر میں مولانا کی گاندھی جی سے ملاقات

مولانا عبدالصمد رحمانی نے اس ضمن میں ایک اور اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ:

”اس سلسلہ میں مولانا کی زندگی کا ایک سادہ سنجی واقعہ بکسر کا ہے۔ اخباروں میں یہ اعلان ہوا کہ ترک ذبح کاؤ کے متعلق چاہے وہ قربانی کی شکل میں ذبح ہو، یا نام طور پر غذا میں کھانے کے لئے ذبح ہو، گاندھی جی، مولانا محمد علی اور دوسرے مسلمان لیڈروں کی معیت میں ملک کا دورہ کریں گے، اور اس کی تبلیغ کریں گے اور ترغیب دیں گے، کہ ہندوؤں کی خاطر مسلمان ذبح کاؤ ترک کر دیں، تو مولانا مضطرب ہو گئے اور نہ معلوم ان کے فکر و تدبیر کے عمیق سمندر میں چند منٹ کے اندر کیا تلاطم برپا ہوا کہ چہرہ تمنا انجھا، پیشانی پر مٹا پڑ گیا اور حسب عادت ہونٹوں کو دانتوں کے اندر دبایا اور بول اٹھے کہ یہ نہایت ہی خطرناک فتنہ ہے، جس کو پوری قوت سے پہلے ہی قدم پر دبا دینا چاہئے۔“

اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گئے اور پانچ منٹ کے بعد فرمایا کہ بہار کی سرحد پر داخل ہونے سے پہلے میں گاندھی جی سے مل کر قربانی کاؤ کے مسئلہ پر گفتگو کروں گا ان کی سمجھ میں بات آگئی تو خیر ورنہ میں ان کے ہلے کے مقابلہ میں ہر جگہ ہلے کروں گا اور مسلمانوں کو اس فتنہ میں

میتلائیں ہونے دوں گا۔ آخر مولاناؒ گاندھی جی سے ملے اور یہ بات طے پا گئی کہ بہار کے دورہ میں ترک ذبح گاؤں پر نہیں تقریر نہیں ہوگی، زیادہ سے زیادہ مسلمانوں سے رواداری کی درخواست کی جائے گی۔ اور اُس مولاناؒ وہاں سے کامیاب ہوئے، مگر اس فیصلہ کے باوجود بھی وہ گاندھی جی کے جلسوں کی نگرانی کرتے رہے۔“

اس باب میں حضرت مولاناؒ کی حساسیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جس کو مولانا عثمان غنی صاحبؒ نے نقل کیا ہے:

”متعدد دیہاتوں میں بقر عید کے موقع پر مسلمانوں کو قربانی سے دفعہ ۱۴۳ کے ذریعہ روکا گیا، جس جگہ کے مسلمانوں نے بروقت اطلاع دی ان کو یہ مشورہ دیا کہ قربانی کرو اور لکھ کر درخواست دے دو کہ ہم نے قربانی کی، چنانچہ جس جگہ مسلمانوں نے ایسا کیا وہاں چند سال کے بعد وہ اطمینان سے قربانی کرنے لگے ہیں۔“



۱- دیاتِ سجادِ مضمون مولانا عبد الحمید رحمانی ص ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵۔

۲- دیاتِ سجادِ مضمون مولانا عثمان غنی ص ۱۳۸۔

(۳)

متحدہ قومیت کا نظریہ

اسی اتحاد کے اصول پر حضرت مولاناؒ نے 'متحدہ قومیت' کی محدود حمایت کی، جس میں قومیت کی بنیاد وطنیت پر رکھی گئی تھی، لیکن متحدہ قومیت کے مروجہ مفہوم کو آپ نے قبول نہیں فرمایا، اس لئے کہ یہ اسلامی تصورات کے منافی ہے، اور ملک کے عام مفادات کے بھی خلاف ہے، حضرت مولاناؒ نے مسلم انڈیا پنڈنٹ پارٹی کے ایک اجلاس کا خطبہٴ صدارت پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”اور ان خصوصیات کو قطع نظر کر کے مغربی سیاست کے نظریہ کی اتباع کرتے ہوئے اس بڑے عظم میں اس قسم کی قومیت متحدہ کی تخلیق کی سعی کرنا جو یورپ کے کسی ملک میں ہے، محض بے سودی نہیں بلکہ ملک کے لئے تباہ کن بھی ہے۔ کیونکہ اس ملک کی دو بڑی جماعتیں مسلمان اور ہندو یکجہیت مضمون دو عدد و عدد ممتاز قومیت رکھتی ہیں مغربی تخیل کے مطابق ہندوستان میں متحدہ قومیت کا قیام ناممکن ہے۔“

متحدہ قومیت کا قابل قبول مفہوم

اسی خطبہ میں ”متحدہ قومیت“ کے قابل قبول اور ممکن العمل نظریہ کے خط و خال کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”مگر ان اصولوں کے ذکر سے پہلے ضرورت ہے کہ ایک دوسرا بنیادی مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اور وہ ہندوستانی قومیت متحدہ کی تخلیق کا مسئلہ ہے۔ بلاشبہ یہ امر واضح ہے کہ ہندوستان میں جتنے انسان آباد ہیں چاہے وہ کس نسل سے ہوں، کبھی مذہب کے پیرو ہوں یا سرے سے مذہب ہی کے معتقد نہ ہوں ہندوستانی باشندہ ہونے کی حیثیت سے وہ مذہب کے سب ایک قوم ہیں اور اس ایک حیثیت سے تمام باشندگان ملک کو ایک قوم کہنا صحیح و درست ہے۔ یعنی سب کے

سب ہندوستانی ہیں یعنی نہ وہ ایرانی و تورانی ہیں اور نہ چینی و جاپانی وغیرہ، اور بحالت موجودہ ہندوستانی، متحدہ قومیت کی خاص خصوصیت صرف اس قدر ہے کہ اس ملک کی قدرتی و مصنوعی پیداوار کے حصول میں سب کا اشتراک ہے اور اسی ملک کی آب و ہوا اور سامان خورد و نوش سے سب لوگوں کے جسموں کی تربیت ہوتی ہے اور ان خصوصیات کو قیاس نظر کر کے مغربی سیاستمداروں کے نظریے کا اتباع کرتے ہوئے اس براعظم میں اس قسم کی قومیت متحدہ کی تخلیق کی سعی کرنا جو یورپ کے کسی ملک میں ہے محض بے سود ہی نہیں بلکہ ملک کے لیے تباہ کن بھی ہے۔ کیوں کہ اس ملک کی دو بڑی جماعتیں مسلمان اور ہندو بحیثیت مجموعہ دو علاحدہ علاحدہ تمدن کے مالک ہیں اور ہر شخص بین طور سے ایک کے تمدن کو دوسرے کے تمدن سے ممتاز پاتا ہے اور یقین کرنا چاہیے کہ جب تک ان دونوں تمدن کا امتیاز باقی ہے مغربی تخیل کے مطابق ہندوستان میں متحدہ قومیت کی تخلیق ناممکن ہے اور اس حیثیت سے ہندوستانیت میں اتحاد و وحدت کے باوجود ان دونوں تمدنوں کے لحاظ سے ہندو اور مسلمان دونوں میں آج بھی میں اور گل بھی رہیں گے۔

اور جب مسلمانوں کی قومیت کا معیار و مدار اسلامیت ہو اور اسلامیت کی حقیقت وہ ہوئی جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے، تو اب ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کا معیار و مدار غیر مبتدل ہے اور کوئی مسلمان بحیثیت مسلمان اس کو ترک نہیں کر سکتا ہے۔“

قومیت کا مغربی تصور اسلامی اتحاد کو توڑنے کی کوشش

حضرت مولانا کے نزدیک قومیت و وطنیت کے بجائے عقائد و اقدار کی اساس پر استوار ہوتی ہے، خاص طور پر مسلمانوں کی اسلامی قومیت کی بنیاد تو صرف کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہے، قومیت کو وطنیت کے ساتھ وابستہ کرنا اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش ہے حضرت مولانا نے اپنے خطبہ صدارت مراد آباد میں پوری وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

”تیسرا نہایت مہلک مرض جو اب چند سالوں سے پیدا ہو رہا ہے وہ مسلمانوں کی وطنی فدویت ہے یعنی قومیت کی تعمیر اپنی وطنیت کی زمین پر کی جائے کیونکہ

حب الوطن از ملک یلماں خوشتر

حالانکہ اسلامی قومیت کی تعمیر صرف کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اصول اسلام کی تسلیم

اور انکی یاد پر ہے اور یہ اسلامی قومیت حدود جغرافیہ سے بالاتر ہے روحانیت کے جذبہ کائنات آخری یہی اثر و نتیجہ ہوگا کہ مختلف ممالک کے مسلمان ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر اس وطن پرستی میں مشغول ہو جائیں گے جو یقیناً اتحاد عالم اور اسلامی مرکزیت کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گا۔ اس کے بعد مغربی گروے ایک ایک کر کے ہر ایک کو نگلنا شروع کر دیں گے۔

اسلامی قومیت کے بارے میں گاندھی جی کا غلط تصور

مسلمانوں کی جداگانہ قومیت پر گاندھی جی کے خیالات کا رد کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں حضرت ابوالحسن نے تحریر فرمایا:

”گاندھی جی نے اس مضمون میں اسلامی قومیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو متحد و قوم سمجھنے کا مسئلہ بحث طلب ہے لیکن میں نے یہ کبھی دس لاکھ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں اتنی ہی قومیں ہیں، اگر معاملہ ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی شخص جب اپنا مذہب تبدیل کرے تو اس کی قومیت بھی بدل جائے، گاندھی جی مسلمانوں کی مستقل قومیت یا یوں کہیں نہ ایک ملحدہ مستقل ملت ہونے کو بحث طلب سمجھتے ہیں، اس کی بنیاد بھی اسلامیات پر عبور نہ ہونا ہے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم تمام دنیا کے انسانوں کو ایک ہی نسل کے افراد قرار دے کر باعتبار نسل ایک قوم (نیشن) قرار دیتا ہے حال تمام دنیا کے انسان نظام زندگی کی ایک وحدت سے منسلک ہو جائیں، وہ انسانوں کو اچھے بھلے اور شریف و رذیل نہ باعتبار نسل تقسیم کرتا ہے، اور نہ زمین اور جغرافیائی تقسیم سے انسانی وحدت کو پارہ پارہ کرنا خوش گوار سمجھتا ہے۔

انہوں کی تقسیم قلعہات ارضی جیسی بے روح اور بے محبت چیز سے نیوں کر وابستہ کی جاسکتی ہے، یہ تو حقیقت میں انسانیت کی تذلیل و توہین ہے، بلاشبہ انسانوں کی تقسیم کسی ایسی ہی چیز سے ہونی چاہئے جو شرف انسانیت کے مناسب ہو اور وہ انسانوں کا بلند ترین اور صحیح ترین آئینہ عمل اور عملی پروگرام، انسانی مذہب کے لئے وہی ہے جو دنیا کے سامنے قرآن کریم پیش کرتا ہے، پس جو لوگ اس آئینہ عمل کو اعتقاد و عمل قبول کریں گے وہ قدرتنا و طبعاً انسانوں کی ایک مستقل ملت اور مستقل گروپ اور مستقل قوم میں خود بخود مستقل ہو جائیں گے، اور جو لوگ اس آئینہ عمل سے انکار کریں گے وہ خود بخود انسانوں کا ایک دوسرا گروپ ہو جائیں گے۔

خواہ یہ لوگ اس میں بھی مختلف آئیڈیل رکھتے ہوں لیکن خدائی گروپ ان سب سے بہرہاں
قدرتا علیحدہ ہوگا۔“

بقول علامہ اقبال:

قوم اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گذر
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

آج کے دور میں جس طرح مسلمانوں کے تشخصات کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے،
اور عالم اسلامی خشک پتوں کی طرح بکھر رہا ہے، حضرت مولانا کے اس نظریہ کی معنویت اور بھی
زیادہ بڑھ جاتی ہے۔



(۴)

نظریہ جمہوریت

جمہوریت ایک ناقص نظام حکومت

حضرت مولانا کے نزدیک اسلامی حکومت ایک کامل نظام حکومت اور ہر زمان و مکان میں انسانیت کے لئے مفید ہے، اس کے مقابلے میں مغربی جمہوریت ایک ناقص اور ناکارہ نظام حکومت ہے، جس میں اجتماعی مسائل و مفادات کے حل کی پوری صلاحیت موجود نہیں ہے، اس لئے کہ انسان کا بنایا ہوا نظم قانون ایک تو ناقص قانون ہے، دوسرے تمام انسانوں کا اس سے اتفاق ممکن نہیں، بلکہ اکثریت کا اتفاق بھی مشکل ہے، تو جس قانون کے مخالفین کی بڑی تعداد معاشرہ میں موجود ہو اس کو کلیتہً نافذ کرنا ممکن نہیں ہے، حضرت مولانا جمہوریت کو عنصر حاضر کا طاعون قرار دیتے تھے۔ بقول علامہ اقبال:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیواستبداد اور جمہوری قیاس پائے کو ب

تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلیم پری

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق

صب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

اس مراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو

آہ اے نادان قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

جمہوریت کو اسلامی شورایت سے کوئی نسبت نہیں

حضرت مولانا کو اس بات سے بھی سخت اختلاف تھا کہ مروجہ جمہوریت کو اسلامی شورایت

کائناتس قرار دیا جائے، حالانکہ مروجہ جمہوریت اسلامی شوریٰ کے مقابلے میں ایک حد درجہ کمتر نظام ہے۔ آپ کے خطبہ صدارت مراد آباد میں ہے:

”دوسرا انتہایت سخت مرض جمہوریت فاسد و کافراغوان ہے، اس کا منشا بھی وہی ہے کہ اسلامی جمہوریت اور اسلامی شوریٰ کو مغربی ڈھانچے میں غواہوں کو ڈھانپا گیا اور یقین کیا گیا کہ اسلامی جمہوریت اور اسلامی شوریٰ کی وہی صورت و شکل ہے جس کو مغربی اقوام میں سب سے پہلے فرامیسیوں نے اختیار کیا اس کے بعد دیگر اقوام اس کے نقشہ قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہیں۔

حالانکہ موجودہ جمہوریت کے تجل کو اسلام سے کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ موجودہ اور مروجہ جمہوریت، اسلامی جمہوریت اور شوریٰ سے نہایت کمتر اور ناقص ہے۔ تم شوریٰ کو چند افراد میں محدود کر دیتے ہو، بہت ممکن ہے کہ بہت سے ایسے افراد ملک کے اندر ہوں جو عقل و فہم و فراست کے اعتبار سے ان افراد سے زیادہ ہوں جو تمہارے منتخب کر دیں۔

بخلاف اسلامی جمہوریت کے کہ اس صاحب شوریٰ معین اور محدود نہیں ہیں بلکہ ملک کا ہر اہل ابراہے و العہم صاحب شوریٰ ہے، اور ہر ایک کے مشورہ کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔“

جمہوریت ہمیشہ اکثریت کی نمائندہ نہیں ہوتی

جمہوریت کو اکثریتی نظام کہا جاتا ہے، یعنی اکثریت اقلیت پر حکومت کرتی ہے، لیکن حضرت مولاناؒ کے نزدیک یہ محض فرضی تخیل ہے، مولاناؒ نے اپنی کتاب ”حکومت الہی“ میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، بطور نمونہ اس کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں جس سے جمہوریت کی مفروضہ اکثریت کا پول کھل جاتا ہے:

”جس علاقے سے تین چار امیدوار کھڑے ہوتے ہیں، ان امیدواروں میں سے جس شخص کو سب سے زیادہ رائے ملتی ہیں تم اس کو اس حقہ کا جمہوری نمائندہ سمجھتے ہو، اور تمہارے وضعی قوانین کے ماتحت اسمبلی میں اس کی رائے گویا اس علاقہ کے تمام لوگوں کی رائے سمجھی جاتی ہے، مگر کیا عقل و بصیرت کے نزدیک یہ نتائج اور ثمرات کسی طرح درست ہیں؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ تمہارے اس جمہوری اصول کی بنا پر ایک علاقہ انتخاب سے اگر ایک شخص کو ایک چوتھائی رائے دینے والوں نے اس کے خلاف رائے دی ہو، جب بھی جمہوری اسمبلی کا نمائندہ منتخب ہو جائے گا، اور ایسے شخص کو بھی تم اس حقہ کا نمائندہ کہتے ہو باوجودیکہ اکثریت نے اس کے مخالف رائے دی ہے اور اس نے اس کو نمائندہ نہ ہونا چاہئے تھا، مثلاً ایک حقہ میں چار ہزار رائے دہندے ہائے ہیں، اور چار امیدوار کھڑے ہوئے، تین کو ۹۹۹ رائے ملیں اور ایک کو ۱۰۰۳ رائے ملیں آخری شخص کو اس

حلقہ کی جمہوریت کا نمائندہ کوئے اور اس شخص کی رائے کو پورے حلقہ کی رائے قرار دے؟ مگر کیا سچ مج اس حق کی رائے دینے والوں کی اکثریت کا اعتماد اس کو حاصل ہو گیا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے دوسرے امیدواروں کے حق میں اپنی رائے استعمال کی ہے، ان کی رائے اس کامیاب امیدوار کے خلاف ہے، اور جب خلاف ہے تو یہ کون سی عقل کی بات ہوئی، کہ جس شخص کے خلاف ۲۹۹۷ رائے ہوں اور صرف ۱۰۰۳ رائے موافق ہوں تو تم اس کو نمائندہ تسلیم کر لیتے ہو۔^۱

آج کے دور میں جس طرح امیدواروں کی فوج ظفر موج میدان انتخاب میں نزول کرتی ہے، اور تیس سے چالیس فی صد ووٹ لے کر کوئی سیاسی پارٹی حکومت بناتی ہے اس کے تناظر میں مولانا کا یہ نظریہ کس قدر مبنی بر حقیقت اور بالکل آج کا نظریہ معلوم ہوتا ہے۔

اس طرح حضرت مولانا پہلے آدمی ہیں جنہوں نے جمہوری طریقہ انتخاب کی خامیوں کو اس قدر شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا، آپ کے برسوں بعد یہی بات جے پرکاش نارائن نے لکھی، اور ر اور کیا اور جمشید پور کے مہیب فسادات کے بعد ڈاکٹر محمود صاحب نے بھی اس طرف اشارہ کیا اور لکھا کہ طریق انتخاب میں تبدیلی ہونی چاہیے۔^۲

حضرت مولانا نے اس کتاب (حکومت الہی) میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے، انسانی نظام حکومت کی ناکامیوں کے اسباب و نتائج پر بھی انتہائی بصیرت افروز گفتگو ہے، تفصیل کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا، حضرت مولانا کی یہ کتاب اسلام کے نظام حکومت اور اس کے فلسفہ و آثار پر ایک شاہکار کتاب اور فکری و فنی لحاظ سے اپنے موضوع پر پہلی منفرد کوشش ہے، جو افسوس کہ مکمل نہ ہو سکی، لیکن پھر بھی اسلامی سیاسیات سے متعلق بہت سے اصول و کلیات اس کتاب میں جمع ہوئے ہیں، جن سے اہل علم اور محققین فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور ان خطوط پر ایک مستقل کتاب سیاسیات کی تصنیف کی جاسکتی ہے۔



(۵)

اتحاد اسلامی کے لئے قیام خلافت ضروری ہے

حضرت مولانا اتحاد اسلامی کے بڑے علمبردار تھے، وہ چاہتے تھے تمام ممالک اسلامیہ کا ایک طاقتور بالاک بنے تاکہ مغربی تہذیب و فلسفہ کے بالذلیل اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء کیا جاسکے، اسی لئے وہ ساری زندگی خلافت کے تحفظ کے لئے بے چین رہے، وہ عالم اسلام کی ترقی و اتحاد اور اسلامی تمدن کی بقا کے لئے خلافت کو ضروری تصور کرتے تھے (جس کی تفصیل تحریک خلافت کی بحث میں آچکی ہے)



(۶)

جزیرۃ العرب میں نصاریٰ کو قیام کی اجازت نہ دی جائے

☆ اسی ضمن میں وہ یہ بات بھی بہت اہمیت کے ساتھ فرماتے تھے کہ جزیرۃ العرب میں نصاریٰ کو قیام کی اجازت نہ دی جائے تاکہ وہ مرکز اسلام میں کوئی سازش نہ کر سکیں، نیز عالم اسلامی کے اتحاد کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے، مدرسہ انوار العلوم گیارہ سالانہ جلسہ ہوتا تو اس میں یہ کتبے لگواتے تھے:

اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب۔ (حدیث)¹

۱- البحر الزخار۔ مسند الزوارج ۱ ص ۳۰۱ حدیث نمبر: ۲۳۵ المؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف باليزار (المتوفى: 292 هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث * أخبار مكة للفاكهي ج ۴ ص ۴۲۴ حدیث نمبر: ۱۶۸۷ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن العباس المكي الفاكهي (المتوفى: 272 هـ) * الأحاد والثاني لابن أبي عاصم ج ۱ ص ۲۳۶ حدیث نمبر: ۲۲۵ المؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو النبل أبو عاصم الضحاك الشيباني (المتوفى: 287 هـ)

زیادہ تر روایات میں اخرجوا المشركين کے الفاظ ہیں: اخرجوا للمشركين من جزيرة العرب (صحیح البخاری) [و الكتاب: الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۱۱۱ حدیث نمبر: ۲۸۸۸ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6* الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۵ ص ۷۵ حدیث نمبر: ۴۳۱۹ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجليل بيروت + دار الأفاق الجديدة - بيروت الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات]

لیکن المشركين میں یہود و نصاریٰ خصوصیت کے ساتھ داخل ہیں، اسی لئے بہت سے مستشرقین کتب حدیث نے اس مضمون کی روایات پر باب اخرج اليهود والنصارى کا عنوان نہ کیا ہے، (دیکھئے: باب اخرج اليهود والنصارى من جزيرة العرب - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۵ ص ۱۶۰ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجليل بيروت + دار الأفاق الجديدة - بيروت * سنن الترمذي [الكتاب: الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ ص ۱۵۵ المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: 15 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها * سنن أبي داود ج ۳ ص ۱۲۸ المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت عدد الأجزاء: 4 وغيره) نیز بعض روایات میں خود حضور ﷺ سے منقول ہے کہ میں جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ جبر و زکاؤں کا، اس سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے:

جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ لَا تُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَلَا أَتُوكَ فِيهَا إِلَّا مُنْطَلِقًا (سنن أبي داود ج ۳ ص ۱۲۹ حدیث نمبر: ۳۰۳۲ المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت عدد الأجزاء: ۴)

لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ - (اماکہ ۵: ۵۱)

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ - (البقرہ ۱۳۰: ۱)

نصاری مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک ہیں

مولانا کا خیال تھا کہ دوسری غیر مسلم قومیں بھی مسلمانوں کی دشمن ہیں، لیکن نصرانیوں کی عداوت عالمگیر اور دائمی ہے، ان کی معاندانہ سازشیں تمام عالم اسلامی میں پھیلی ہوئی ہیں، ایک صاحب نے حضرت مولانا کے سامنے وہ آیت پڑھی جس میں نصاریٰ کو یہود اور مشرکین سے بہتر بتایا گیا ہے^۱، مولانا نے جواب دیا کہ سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ تمام نصاریٰ کے لئے یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہے کہ یہ قرآن کی آیتیں سنتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس آج کے نصاریٰ میں کسی کی آنکھ سے آنسو جاری نہیں ہوتے، بلکہ یورپ میں انہوں نے اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان گنت کتابیں لکھی ہیں جن میں جھوٹے اتہامات لگائے گئے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ جلالین میں تفسیر مظہری میں اور بعض دوسری تفسیروں میں یہ وضاحت ہے کہ نصاریٰ کی یہ تعریف جو قرآن میں ہے، خاص نجاشی اور اس کے لوگوں کے لئے ہے، جو قرآن کی آیات سن کر متاثر ہوئے اور جنہوں نے اسلام کی تصدیق کی، وہاں پر یہود سے مراد یہود مدینہ اور مشرک سے مراد مشرکین مکہ ہیں کہ ان دونوں کے مقابلہ میں نجاشی نے اسلام کی حمایت کی^۲، نصاریٰ

۱- نوٹے ہوئے تاریخ از شاہ محمد عثمانی ص ۱۰۲

۲- وہ آیت کریمہ یہ ہے: لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَتَلُوا نَبِيَّيْنًا وَزُهِنَانَا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (المائدہ: ۷۷)

ترجمہ: آپ لوگوں میں مسلمانوں کا سب سے بدترین دشمن یہود و مشرکین کو پائیں گے، اور محبت کے لحاظ سے مسلمان سے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے نصاریٰ کہتے ہیں، اور اس (قرابت و ملامت) کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر علماء اور مشائخ موجود ہیں، اور وہ لوگ کبر و پسند نہیں کرتے۔

۳- جلالین میں ہے: "لَتَجِدَنَّ" یا محمد "أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا" مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ لِيَتَضَاعَفَ كُفْرُهُمْ وَجَهْلُهُمْ وَأَنَّهُمَا كُهُم فِي اتِّبَاعِ الْهَوَىٰ "وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَلِكَ" أَيُّ قُرْبٍ مَّوَدَّتَهُمُ لِلْمُؤْمِنِينَ "بِأَنَّهُمْ قَتَلُوا نَبِيَّيْنًا وَأَنَّهُمْ قَتَلُوا نَبِيَّيْنًا وَزُهِنَانَا عِبَادًا" وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ "عَنِ اتِّبَاعِ الْحَقِّ كَمَا يَسْتَكْبِرُ الْيَهُودُ وَأَهْلُ مَكَّةَ، نَزَلَتْ فِي وَفْدِ النَّجَاشِيِّ الْقَادِمِينَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَبَشَةِ قَرَأَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنُورَةَ يَسَ فَبَكَوْا وَأَسْلَمُوا وَقَالُوا أَمَا أَشَبَّهُ هَذَا بِمَا كَانَ يَنْزِلُ عَلَى عِيسَى (تفسیر الجلالین ج ۲ ص ۲۵۹ للزلف: جلال الدین محمد بن أحمد للحلی (للتوفی: ۸۶۴ھ) و جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی (للتوفی: ۹۱۱ھ)

چوتھیں ابن کثیر میں ہے: قال علی بن ابی طلحہ، عن ابن عباس: نزلت هذه الآيات في النجاشي وأصحابه الذين حين تلا عليهم جعفر بن أبي طالب بالحبيشة القرآن بكوا حتى أخضلوا لحاهم. وهذا القول فيه نظر؛ لأن هذه الآية مدنية، وقصة جعفر مع النجاشي قبل الهجرة۔

کی مودت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ (وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ) (یہ تم سے راضی نہ ہوں گے جب تک ان کا دین اختیار نہ کرلو۔ موائے نے کہا کہ آج جو مسلمانوں میں بے دینی پھیل رہی ہے وہ انہیں نصاریٰ کی حکومتوں کی بدولت ہے۔



→ وقال سعيد بن جبیر والشاذلي وغيرهما: نزلت في وفد بعثهم النجاشي إلى النبي صلى الله عليه وسلم لیسمعوا كلامه، ویروا صفاته، فلما قرأ عليهم النبي صلى الله عليه وسلم القرآن أسلموا وبكوا وحشعوا، ثم رجعوا إلى النجاشي فأخبروه، وقال ابن أبي حاتم: ذكره أبي، حدثنا يحيى بن عبد الحميد الحماني، حدثنا نصير بن زياد الطائي، حدثنا صلت الدهان، عن حامية بن رئاب قال: سمعت سلمان وسئل عن قوله: (ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَزُهَّانًا) قال: هم الرهبان الذين هم في الصوامع والخرب، فدعوهم فيها، قال سلمان: وقرأت (لا على النبي صلى الله عليه وسلم) (ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَزُهَّانًا) (10) فأقرأني: "ذلك بأن منهم صديقين ورهبانا" (تفسير القرآن العظيم ج ۳ ص ۱۶۶، ۱۶۷ المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: 774هـ))

المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ - 1999م عدد الأجزاء: ۸
تفسير ابن عباس: (وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ) (وَأَشَدُّ النَّاسِ عِدَاوَةً) وَأَقْبَحُ قَوْلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا {محمد وأصحابه} اليهود {يعني يهود بني قريظة والنضير وفدك وخيبر} والذين أشركوا {وأشد الذين أشركوا مشركو أهل مكة} وَلَتَجِدَنَّ {يا محمد} أَقْرَبَهُمْ قَوْمًا {صلة والين قولاً} لِلَّذِينَ آمَنُوا {محمد وأصحابه} الذين قالوا إِنَّا نَصَارَى {يعني النجاشي أصحابه وكانوا اثنين وثلاثين رجلاً ويقال أربعون رجلاً اثنان وثلاثون رجلاً من الحبشة وثمانية نفر من رهبان الشام بحير الراهب وأصحابه أبرهة وأشرف وإدريس وعيسى وتمام ودريد وأيمن} (ذلك) {وَأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ} متعبدین محقة أوساط رؤوسهم {وَزُهَّانًا} أصحاب الصوامع مع علماءهم {وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ} عن الإيمان بمحمد والقرآن {وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ إِلَى الرَّسُولِ مِنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ} تَرَى أَغْنَيْنَهُمْ تَغِيْضُ {تسلي} {مِنْ الدَّمْعِ} مَا عَزَفُوا مِنَ الْحَقِّ {مَنْ صَفَةَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعْتَهُ فِي كِتَابِهِمْ} يَقُولُونَ زَيْنًا {يا ربنا} {أَمَّا} بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرَسُولِكَ مُحَمَّدًا {فَاكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ} فاجعلنا من أمة محمد صلى الله عليه وسلم الذين آمنوا فلامهم قومهم بذلك فقالوا {وَمَا نُنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ} يقول وبما جاءنا من الحق من الكتاب والرسول {وَنُطْمَعُ أَنْ يَدْخِلَنَا رَبُّنَا} فِي الْآخِرَةِ الْجَنَّةِ {مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ} مع صالحی أمة محمد صلى الله عليه وسلم (تنوير المقياس من تفسير ابن عباس ج ۱ ص ۱۲۹ المؤلف: ينسب لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى: 68هـ)، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادي (المتوفى: 817هـ))

(۷)

علماء سیاست پر توجہ دیں

☆ حضرت مولانا اس بات پر بھی بہت زور دیتے تھے کہ علماء سیاست پر توجہ دیں، اس کے بغیر نہ صحیح اسلامی سیاست وجود میں آ سکتی ہے، اور نہ احیاء اسلامی کا عمل آسان ہو سکتا ہے، آپ کو اس بات کا بہت دکھ تھا کہ:

”جس طرح کتاب الطہارت، کتاب الصلاۃ اور نکاح و طلاق کے ابواب میں بال کی کھال نکالی گئی ہے نظام اسلام کے اصول و فروع میں اس تفصیل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔“

ان کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کا بڑا سبب یہ ہے کہ علماء دین نے ملکی سیاست سے اعراض و بے توجہی اختیار کر لی:

”سیاست مدن اور اجتماعی زندگی کے باب میں علمائے رہبانین اور فضلاء عظام اور ماہرین شریعت نے عملی حیثیت سے اتنا حصہ نہیں لیا جتنی کی ضرورت تھی، اگر یہ حضرات عملاً حصہ لیتے اور اپنے اوقات کا معتد بہ حصہ اس پر فارادادی میں گزارتے، تو امید یہ تھی کہ اتنے مفاد نہ پیدا ہوتے، اور شریعت اسلامیہ کے اصول و فروع کی اتنی بے حرمتی نہ ہوتی، اور مسلمانوں کی بے عزتی جو وقوع میں آئی ہے نہ ہوتی، جس کے تصور سے آج بدن ہر لرزہ آتا ہے، اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور دل کے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں۔“

وہ مزید وضاحت کرتے ہیں:

”میرا مقصد یہ نہیں کہ میدان سیاست میں ان حضرات نے کبھی قدم نہیں رکھا، اور اجتماعی زندگی کی فارادادادی میں انھوں نے کبھی بادیہ پیمانی نہیں کی، اگر خدا نخواستہ یہ حضرات ان ابواب میں کچھ بھی نہ کرتے تو مسلمان جس حالت میں اس وقت موجود ہیں غالباً یہ بھی نہ ہوتا، بلکہ میرا مقصد یہ

۱۔ خطبہ صدارت مراد آباد ص ۷۰۔ حضرت مولانا محمد سجاد، شائع کردہ: امارت شریعہ پٹنہ ۱۹۹۹ء۔

۲۔ خطبہ صدارت مراد آباد ص ۲۳، ۲۴۔ حضرت مولانا محمد سجاد، شائع کردہ: امارت شریعہ پٹنہ ۱۹۹۹ء۔

ہے کہ جس قدر کرنا چاہئے تھا، وہ قرون اولیٰ کے بعد نہ ہوا، اور ان میدانوں میں ہمیشہ علمائے ربانین کی کمی نمایاں طور پر محسوس ہوتی رہی، اگر علمائے کرام کی معتد بہ جماعت علمی و عملی حیثیت سے ان میدانوں میں پیش پیش رہتی تو غالباً معاملہ اس حد تک نہ پہنچتا۔

اگر حضرت مولانا کے اس مشورہ پر توجہ دی گئی ہوتی اور علماء نے سیاست کو شجرہ ممنوعہ سمجھ کر اس سے علیحدگی اختیار نہ کی ہوتی تو آج ملک میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم پارٹیوں کی طرف سے ووٹ بینک کی جو سیاست چل رہی ہے، مسلمانوں کا جس طرح سیاسی استحصال ہو رہا ہے، اور ان کے ووٹ کی طاقت کمزور کی جا رہی ہے شاید یہ دن ہمیں دیکھنا نہ پڑتا، لیکن قدر اللہ ماشاء۔ آج پھر اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنے کی ضرورت ہے۔



(۸)

سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اشتراک کی اسکیم 'نظام ملت'

☆ حضرت مولانا نے سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مضبوط اور باوقار اشتراک و تعاون کی ایک اسکیم 'نظام ملت' کے نام سے تیار کی تھی، اس کی تفصیل تو معلوم نہیں ہے البتہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب (جنہوں نے اس اسکیم کا مطالعہ کیا تھا) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اشتراک کی یہ سب سے وزن دار، باوقار اور موثر اسکیم تھی، لیکن تیز رو طبقہ نے اس اسکیم کو چلنے نہیں دیا، مولانا نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

”منظمہ شرکت کی ایک خاص شکل تجویز فرمائی اور 'نظام ملت' کے عنوان سے ایک مفصل اسکیم اس کے لئے مرتب فرمائی، فی الحقیقت شرکت کا یہ صحیح راستہ تھا، اور اس نظام کے ماتحت جو شرکت ہوتی وہ یقیناً بہت وزن دار ہوتی، مولانا مرحوم نے وہ اسکیم مطالعہ کے لئے مجھے بھی عطا فرمائی، میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ اگر آپ اس کو جماعت سے منوالیں تو میں اس اصول پر شرکت کا سب سے بڑا حامی ہوں، اور اس نظام کو بروئے کار لانے کے لئے چھ مہینے کے لئے اپنی خدمت بھی پیش کر سکتا ہوں، لیکن بد قسمتی کہ اس وقت غالباً ہمارے تیز رو طبقہ کے اس سے متفق نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسکیم بس یوں ہی رہ گئی اور بعد میں حالات بھی اس کے لئے سازگار نہیں رہے۔ آج بھی اس ملک میں مسلمانوں کے سیاسی استحکام کے لئے اسی قسم کے کسی منصوبہ کو دلیل راہ بنانے کی ضرورت ہے۔“



(۹)

مسلمانوں کے کسی مذہبی ادارہ کو آئینی حیثیت ملنی چاہئے

☆ حضرت مولانا کی مختلف تنظیمی اور جماعتی سرگرمیوں کے پیچھے ان کا اصل ہدف یہ تھا کہ ہندوستان کے آئین میں مسلمانوں کی کسی بڑی مذہبی جماعت مثلاً: جمعیت علماء ہند، امارت شرعیہ یا تحریک خلافت کو دستوری حیثیت سے شامل کیا جائے، جو آئندہ مسلم مسائل کے تحفظ اور مشکلات و موانع کے سد باب کے لئے مفید ثابت ہو، آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے آپ کے اس فکر و عزم کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت سبحان الہندؒ فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا محمد سجاد مرحوم کا یہ خیال تھا کہ جب تک ہندو مسلمانوں کی جدوجہد کامیاب ہو اور ہندوستان میں نیشنل گورنمنٹ قائم ہو اس وقت تک مسلمانوں کا اندرونی نظام اور ان کی شرعی تنظیم مکمل ہو جائے تاکہ نیشنل گورنمنٹ کے زمانے میں مسلمانوں کی معاشرت، ان کا کچھ، ان کی سوشل تہذیب، ان کے اوقات، ان کے نکاح اور طلاق وغیرہ ان کی زکوٰۃ اور ان کا عشریہ تمام باتیں ایک شرعی امیر کے ماتحت ہوں، اور ان تمام امور میں یہ ایک امیر کے ماتحت ہوں، اور اس شرعی تنظیم کو آئندہ ہندوستان کے دستور اساسی میں مسلمانوں کے ایک شرعی حق کی حیثیت سے تسلیم کرایا جائے، تاکہ مسلمانوں کے اندرونی اور اصلاحی معاملات حکومت کی مداخلت سے محفوظ ہو جائیں۔ یہ ان کی اس حکیم کا مختصر خلاصہ ہے جو میں نے عرض کیا، کاش اس مفید اور خالص مذہبی تحریک کو مسلمان سمجھتے۔“^۱

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کی یہ عبارت بھی حضرت مولانا سجادؒ کی اسی فکر کی عکاس ہے:

”ان کو پہچاننے والوں اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو معلوم ہو گا کہ ملت اسلامیہ ہند کے دو مسئلے اس آخری زمانے میں بلکہ ان کی سیاسی زندگی کے آغاز ہی سے ان کی توجہ کا خاص مرکز تھے اور خدا کی قسم اگر قدرت کی طرف سے آج بھی ان کو بولنے اور آواز ہم تک پہنچانے کا موقع مل جائے تو

مجھے یقین ہے کہ وقبر سے پھر گئے انہی دو چیزوں کے متعلق عہد حاضر کے مسلمانوں کو وصیت فرمائیں گے، ایک قیام نظام امارت اور نصب امیر فی البدیہہ دوسرے کہ اہل حق مسلمانوں کی عدالت نظام شرعی کو اپنی پوری وسعت کے ساتھ ہندوستان میں مستقل آئینی حیثیت حاصل ہو جائے۔^۱

افسوس مولانا آزادی سے بہت قبل وصال فرما گئے، اگر مولانا آزادی کے وقت زندہ ہوتے تو اپنے اس ہدف کے حصول میں کوئی کوتاہی نہ فرماتے، آج کے بدلے ہوئے حالات میں مسلمان اپنے قومی اور ملی مسائل میں بھی جس طرح خود کو غیر محفوظ تصور کر رہے ہیں مولانا کے اس منصوبہ کی معنویت زیادہ بہتر طور پر سمجھ میں آتی ہے۔



(۱۰)

مسلمانوں کی چھوٹی آبادیاں بڑی آبادیوں میں منتقل ہو جائیں

مولانا کا نظریہ تھا کہ آنے والے ہندوستان میں مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ نیز اسمبلیوں میں ان کی صحیح نمائندگی کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی چھوٹی آبادیاں بڑی آبادیوں میں منتقل ہو جائیں، انہوں نے بہت سے زمینداروں کو اس جانب توجہ بھی دلائی تھی، مگر:

کون سنتا ہے فغان درویش

قبر درویش بر جان درویش

حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین صاحب نقل فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۸ء میں ایک مجلس کے اندر سیاست حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”میں مسلمان زمین داروں سے کہتا ہوں کہ وہ ان کھمبے ہوئے مسلمانوں کو یکجا آباد کرنے کی سعی کریں جو چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں منتشر ہیں، اس سے خود ان زمینداروں کو بھی فائدہ ہوگا اور آکر بسنے والے مسلمانوں کو بھی، مگر میری یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔“

مولانا نے فرمایا کہ:

انگریزوں کو اس ملک سے ہانا ہے مگر ان کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد بڑا بڑا رک وقت آئے گا، یہاں بڑی کشمکش ہوگی، بڑے پیرانے پرٹوں ریزی بھی ہوگی، اس وقت مسلمان جہاں تھوڑی تعداد میں ہوں گے ان کا بچنا مشکل ہو جائے گا، اگر یہ اس وقت ایک جگہ جمع ہو کر بڑی بڑی آبادیاں بنالیں گے تو آئندہ یہ قلعہ کا کام دیں گے، خود یہ زمیندار گھرانے بھی محفوظ ہو جائیں گے، اور یہ کھمبے ہوئے غریب و مفلس مسلمان بھی، گوا بھی یہ بات ذہن نشین نہیں ہوتی، مگر انہیں دیرویر پچھتاہٹ سے کاٹو، پھر یہ موقع بھی میسر نہیں ہوگا، جو آج حاصل ہے، زمیندار مفت زمین دیتے ہوئے ٹھہراتے ہیں، اور عوام اپنی آبادی سے جدا ہونا برداشت نہیں

کرتے مگر نہ زمینداروں کی زمینداری رہے گی، اور نہ ان بکھرے ہوئے تھوڑے تھوڑے مسلمانوں کے جان و مال کی کوئی گارنٹی۔“

ان باتوں کو ۱۹۳۸ء میں اچھے اچھوں نے کوئی اہمیت نہیں دی، مگر ۱۹۴۶ء میں جب بہار میں فساد ہوا اور چھوٹی آبادیاں جلنے اور اجڑنے لگیں اور بہت سے زمیندار گھرانے برباد ہوئے، اسوقت اندازہ ہوا کہ مؤسس امارت شرعیہ نے کتنی دوراندیشی کا ثبوت دیا تھا۔^۱

علاوہ آج جس طرح مسلم دونوں کا استحصال ہو رہا ہے، اگر حضرت مولا انا سجاد کی اس اسکیم پر عمل کیا گیا ہوتا تو بڑی حد تک اس کا بھی سد باب ہو سکتا تھا۔

حضرت مولا نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب یہ چیز اپنے اختیار میں تھی، اب نہ مسلم زمیندار باقی رہے اور نہ نقل مکانی کی کوئی صورت باقی رہی، اور نہ اس جانب توجہ دلانے والا کوئی رہا۔

گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

مستافلہ حجاز میں کوئی حسین ہی نہیں

آج اس نظریہ کی معنویت و حیاتیات تسلیم کرنے کے باوجود کف افسوس ملنے کے سوا کوئی

چارہ نہیں، فالامرالی اللہ۔



۱- امارت شرعیہ دینی جدہ جہد کاروشن باب، ص ۲۲۶، ۲۲۷ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی صاحب۔

محاسن و کمالات

(۱۶)

سولہواں باب

محاسنِ اخلاق
کمالات و امتیازات



حضرت مولاناؒ کے بعض اخلاقی محسن کا ذکر آپ کے تصوف و تزکیہ کے ضمن میں آچکا ہے، ان کے علاوہ چند چیزیں اور یہاں بطور نمونہ پیش کی جا رہی ہیں جن سے مولاناؒ کی علمی، فکری اور اخلاقی عظمت و انفرادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ظاہری سراپا

سب سے پہلے ایک نظر آپ کے ظاہری سراپا پر ڈال لیتے ہیں:

”حضرت مولاناؒ کا قدمیادہ مگر نکلتا ہوا تھا۔ چھپونے چھفت سے کم نہ ہوگا۔ دبلے پتلے، رنگ گندی سانولامائل، چوڑا دہانہ، ہونٹ باریک، لمبی اور کچھ اونچی ناک، متوسط درہدی آنکھیں جو ہر وقت نشہ محبت سے معمور رہتی تھیں۔ چہرہ خفیف لمبا، کشادہ پیشانی، مونچھیں گھنی، اور ڈاڑھی ہلکی، رخساروں پر کم اور ٹھنڈی پر زیادہ تھی، سر کے بال بہت نرم، ہوا میں ریشم کی طرح اڑتے ہوئے، پیشانی کے اوپر کے بال غور و فکر کی نذر ہو چکے تھے۔ سر پر زلف تھا، اس کے اوپر تہائی پگڑی یعنی چون دی ہوئی پگڑی بندھی ہوتی تھی، یہ پگڑی عام طور پر عرب نماء کے سروں پر دیکھی گئی ہے، بخارا کے علماء بھی اسی طرح کی پگڑی پہنتے ہیں۔ کرتا بہت لمبا اور پانسجامہ اونچا، اوپر سے ایک سعدی جس کے دونوں طرف جیب ہوتے۔ ہندوستان کے قدیر علماء کی یہ عام وضع تھی۔“

ذکاوت و حاضر جوابی

آپ انتہائی درجہ کے ذکی و فہیم اور حاضر جواب تھے آپ کے علمی مناقشات کی تاب کسی میں نہیں تھی، ہر موقعہ ایسی صحیح بات فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ اس سے زیادہ درست بات اس موقعہ پر کہی نہیں جاسکتی تھی، شاہ محمد عثمانی صاحبؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

- حیات سجادہ ۱۹۱۸ء مضمون حضرت امیر شریعت ربیع مولانا سید منت العزیزی۔ ۱۱۰ حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادہ - حیات و خدمات (تیسری مجلس ۳۲) مضمون شاہ محمد عثمانی مکہ مکرمہ (باختصار)

”ایک دفعہ مولانا عبد الرؤف دانا پوریؒ کے یہاں مولاناؒ کی موجودگی میں ایک صاحب تشریف لائے جو کسی رسالہ کے ایڈیٹر تھے، انہوں نے مولاناؒ سے پوچھا کہ آپ نے کانگریس میں شرکت مشروط کی ہے یا غیر مشروط، مولاناؒ نے جواب دیا کہ مشروط، شرط یہ ہے کہ اسلام کے خلاف کوئی بات ہوگی تو نہیں مانیں گے اور اس کی مخالفت کریں گے انہوں نے پوچھا کہ شرط تحریری ہے یا تقریری، مولاناؒ نے کہا تحریری نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ اسلام کا حکم ہے کہ معمولی کام جیسے نکاح ہو تو بھی لکھ لو مولاناؒ نے جواباً کہا کہ آپ کے خیال میں جن لوگوں کا نکاح ہوتا ہے اور لکھا نہیں جاتا، ان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا؟ جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ ہنس پڑے، اور یہ صاحب خاموش ہو گئے، اصل میں بہار میں نکاح کی رجسٹری نہیں ہوتی، خاندان کا کوئی بڑا آدمی یا کوئی عالم دین فریقین سے زبانی اقرار لے لیتا ہے اور بس۔“

مولانا حکیم یوسف حسن خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

”اسی زمانہ (الذآباد) کا ایک لطیفہ ہے کہ ایک بہت بڑا آریہ مناصر مولاناؒ سے ملتے آیا اور کہنے لگا کہ مولانا اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان گائے کی قربانی ترک کر دیں اور ہندو مسلمانوں کو بکرا دے کر قربانی کا انتقام کر دیں، مولاناؒ نے فوراً برحسہ فرمایا کہ میاں ہم لوگوں کو جانور کے بالوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملتا ہے اتنا بال اور جانوروں میں کہاں؟ وہ لا جواب ہو گیا اور کچھ دیر خاموش ہو کر رخصت کی اجازت چاہی اور چلا گیا۔“^۱

وسیع النظری اور ہر دل عزیز

شاہ محمد عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

”مولاناؒ علماء میں تفریق کے قائل نہیں تھے، ہر مکتب فکر کے عالم دین سے ملتے اس کی عزت کرتے اور اس کا تعاون حاصل کرتے اور اس کو اپنی کارگزاری سناتے اور اپنے کاموں سے روشناس کراتے، اس لئے ہر طبقہ علماء میں وہ پسند کئے جاتے تھے۔

مجھ سے مولانا عبد الخیر امیر جماعت اہل حدیث بہار نے کہا کہ میں پٹنہ سے باہر کسی کے جنازے میں شرکت کے لئے جاتا ہوں تو اپنی ہی جماعت کے لوگوں کے جنازے میں، لیکن میں نے مولانا سجادؒ کے انتقال کی خبر سنی تو فوراً پھلواڑی شریف گیا تاکہ جنازے میں شرکت کروں، لیکن ان کا جنازہ اس قدر جلد دفن کیا گیا کہ اس کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح بریلوی

۱- تونے ہوئے تاریخ از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۲- محاسن سجاد ص ۳۲ مضمون حکیم قاری یوسف حسن خان صاحب۔

عالم مولانا تفر الدین صاحب سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدی کہتے تھے کہ مولانا سجاد اس طرح ملتے تھے اور بغیر الجھنے اور بغیر لڑائی کئے ہوئے محبت سے اس طرح مدعا سمجھاتے کہ اختلاف کی ہمت نہیں ہوتی تھی، یہی وجہ تھی کہ یہاں میں ہر مسلک کا عالم ان کا مداح اور ان کا حامی تھا۔ اختلافات سے بلند ہونا فکر و نظر کی بلندی اور قلب کی وسعت کی علامت ہے۔^۱

عثمانی صاحبؒ ہی کا بیان ہے کہ:

”میں اپنے سسرال جا رہا تھا، مولانا نے کہا کہ اسلام پور کے سجاد و نشین شاہ ابو البرکات صاحب کو میرا سلام کہنا، چنانچہ میں نے سلام پہنچا دیا۔ مولانا کو معلوم تھا کہ وہ مسلم لیگ سے متاثر ہو گئے ہیں لیکن مولانا کو اس سے غرض ہی کیا تھی، ان کے یہاں تو مسلمان ہونا اور مذہبی ہونا کافی تھا۔ وہ جانتے تھے کہ تعلقات رکھنے سے اصلاح ہو سکتی ہے۔ پھر یہ فکری اختلافات تو انسانی چیزیں ہیں، اصل چیز ہے انسان کا خدا سے تعلق اور اسی چیز کا نام دین ہے۔“^۲

تواضع و بے نفسی

بے پناہ علم و فضل کے باوجود حضرت مولانا کی زندگی بہت سادہ تھی، ان کے یہاں تکلف کا نام و نشان نہیں تھا، وہ واقلاً تکلفاً^۳ کی زندہ مثال تھے۔

شاہ محمد عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا کی سادگی اور بے نفسی مثالی تھی، علماء کے طبقہ میں کم لوگ اس معاملہ میں ان کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں۔ مولانا کھانا بھی معمولی کھاتے تھے مولانا کا انتقال ہوا تو مولانا کا سامان ایک بستر اور ایک جوڑا کپڑا تھا، ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے جس میں انتقال ہوا، یہی اس مرد مجاہد کی زندگی کا کل اثاثہ تھا، مولانا بڑے عالم دین تھے مولانا بڑے سیاسی لیڈر تھے مولانا جماعتوں کے بانی تھے لیکن مولانا کی زندگی سادہ تھی۔“^۴

علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

۱- نوٹے ہوئے تاریخ از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۲- نوٹے ہوئے تاریخ از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۳- جامع الأصول فی احادیث الرسول ج ۱ ص ۲۹۲ حدیث نمبر: ۸۰ للؤلؤف: مجد الدین ابو السعادات المیارک بن محمد الجزوی ابن الاثیر (المتوفی: ۶۰۲ھ) تحقیق: عبد القادر الأرئوط الناشر: مكتبة الحلواني - مطبعة الملاح - مكتبة دار البیان الطبعة: الأولى - أخرجه ابن عبد البر فی جامع بیان العلم وفضله ۹۷/۲

۴- نوٹے ہوئے تاریخ از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

”وہ بے حد خاکسار اور متواضع تھے، کبھی کوئی اچھا کپڑا انہوں نے نہیں پہنا، کبھی کوئی قیمتی چیز ان کے پاس نہیں دیکھی، کھدر کا صاف، کھدر کا لمبا کرتا، کھدر کی صدری، پاؤں میں معمولی دلیسی جوتے اور ہاتھ میں ایک لمبا عصا، یہ ان کی وضع تھی، مگر وہ اپنی سادہ اور معمولی وضع کے ساتھ بڑے بڑے جلسوں، اور بڑے بڑے مجموعوں میں بے تکلف جاتے تھے اور اپنا لوہا منواتے تھے، جو ہر بیچانے والے بھی تلوار کی کاٹ دیکھتے تھے غلاف کی خوبصورتی نہیں —

ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، غربت اور عسرت کی زندگی تھی، گھر کے خوشحال نہ تھے، امارت سے معاوضہ بہت قلیل لیتے تھے، سفر معمولی سواریوں اور معمولی درجوں میں کرتے تھے اور اسی حال میں پورب سے پچھم، اور پچھم سے پورب، اور اتر سے دکن اور دکن سے اتر دوڑتے رہتے تھے۔“

”ان کے ملنے والوں میں کون تھا جس کی عورت اپنی محبت سے وہ نہ بڑھاتے، ان کی تواضع میں بلندی، سادگی میں بناؤ اور خاموشی میں گویائی تھی، وہ اکیلے تھے لیکن لشکر تھے، پیادہ تھے مگر برق رفتار تھے، وہ قال نہ تھے سراپا نال تھے، کہتے کم کرتے زیادہ تھے۔“

بلند مقام و مرتبہ اور فضائل و کمالات کے حامل ہونے کے باوجود کسی معمولی سے معمولی کام کرنے میں عار محسوس نہیں فرماتے تھے، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب رقمطراز ہیں:

”ان سب باتوں کے باوجود عملاً وہ مل جل کر رہنے میں، استنہ خاکسار اور متواضع تھے، کہ وہ ان امور میں بھی شریک ہو جاتے تھے، جو تقسیم کار کے اصول پر ہم لوگ اپنے ذمہ لیتے تھے۔ اور یہ مولانا کی طبیعت ثانیہ تھی، وہ اس میں نہ اپنے لیے عار سمجھتے تھے اور نہ ان کی جھجک ہوتی تھی، پھر یہ انداز مرتے دم تک رہا اور مولانا کی زندگی کے ہر دور میں یہ خصوصیت نمایاں رہی۔“

خطبہ صدارت مراد آباد میں آپ کی یہ عبارت بھی آپ کی اسی فروتنی کی عکاس ہے:

”میں اپنی جمود طبیعت و خمود قریبہ اور پراگندگی طبع، و انتشار فکر کے باعث ایک نہایت مسلسل اور مرتب عنوان اور ثائتہ اور مذہب و مہذب بیان کے ساتھ عرض کرنے سے قاصر ہوں، بہت ممکن ہے کہ ہمارے بعد سے الفاظ اور غیر متناسق جملے آپ حضرات کے لئے باعث تکلیف ہوں، اور مضامین کے اندر بھی کوئی چیز آپ کے ذوق کے مناسب نہ ہو، اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات ان تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے ہماری قابل غفوَ خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔“

۱- محاسن مجاہد ص ۲۱ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی

۲- محاسن مجاہد ص ۳۶ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی

۳- حیات مجاہد ص ۳۸ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی

۴- خطبہ صدارت مراد آباد ص ۱۳، ۱۴۔

مصیبت میں لوگوں کے کام آنا

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”ہر شخص کی مصیبت میں ہر وقت کام آتے تھے، اور ہر ایک کی سفارش میں ہر وقت سینہ سپر ہو جاتے اللہ تعالیٰ نے ان کو جاہ و مرتبہ بھی عنایت فرمایا، انہوں نے خود اپنی پارٹی کی وزارت بھی بنائی اور بادشاہ گرنے سے تو دیر گزر رہی تھی، کانگریس حکومت کے زمانہ میں بھی ان کو اچھا اقتدار حاصل رہا، مگر خدا گواہ ہے کہ وہ اس اثر و اقتدار کو اپنی ذات کے لئے کبھی کام میں نہیں لائے، جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے لئے —

ان کا دن نہیں گذرتا تھا اور رات نہیں، مسلمانوں کی سلامتی اور تنگیم کی ایک دھن تھی کہ ان کو دن رات چکر میں رکھتی تھی، نہیں قربانی کا بھگوا ہو، مسلمانوں پر مقدمہ نہیں سیلاب آئے نہیں آگ لگے، نہیں ہندو مسلمان کا تنازعہ ہو، وہ ہر جگہ خود پہنچ جاتے تھے، معاملہ کا پتہ لگاتے تھے، مظلوموں کی مدد کرتے تھے، جہاں سے ہو سکتا وہ ان کو لا کر دیتے تھے اور خود غالی ہاتھ رہتے تھے۔“

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے چمپارن کا قصہ نقل کیا ہے کہ آپ غریبوں اور مزدوروں کا بھی ہاتھ بٹاتے تھے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے، جب کہ آپ اس وقت بہار و اڑیسہ کے نائب امیر شریعت تھے:

”زلزلہ کے موقع پر جب مولانا چمپارن کے دیہاتی علاقہ میں تشریف لے گئے اور غریب کسانوں کی حالت زار دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ یہ خانہ برباد تگدستی کے ہاتھوں اس قابل نہیں ہیں کہ مزدوری کی مزدوری ادا کر کے اپنے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے کوئی جھونپڑا ہی بنا سکیں تو مولانا نے تعاون باہمی کے اصول پر بعض جگہ اس طرح کام شروع کر دیا کہ گاؤں کی آبادی کو متعدد جماعتوں پر تقسیم کر دیا اور ہر جماعت کا فریضہ قرار دیا کہ وہ باہم مل کر اپنی جماعت کے ہر فرد کا نوبت بہ نوبت چھپر، ٹھکانہ، ٹٹی وغیرہ بنائیں، اور عملاً اس میں سرگرمی بھی پیدا کی، کہ خود بھی انکے ساتھ بیٹھ کر دن بھر مزدوری کی طرح ٹھاٹھ بناتے تھے اور ہاتھ میں رتی اور چاقو لیے ہوئے ٹھاٹھ کی بندھن باندھا کرتے تھے۔“

مدرسہ انوار العلوم گیا کی تعمیر کے موقعہ کا قصہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

”مولانا رات کو یہ کرتے کہ اتنی اینٹیں جو کل دن کے کام کے لیے کافی ہو جائیں، اینٹ کے بھٹ سے جو عمارت کے قریب ہی احاطہ باغ میں تیار کیا گیا تھا، طلبہ کو ساتھ لے کر ڈھوتے تھے، اور

بنیاد کے پاس لا کر جمع کر دیتے تھے، اس طرح روز روز کا کام بھی سہولت اور کفایت سے ہوتا تھا۔ اور طلبہ میں عمل کی گرم جوشی رہتی تھی، اور نہ کسی کا بوجھ ہوتا تھا اور نہ کسی میں تنگ دلی پیدا ہوتی تھی۔ ہر شخص مولانا کے ساتھ خوشی خوشی اس کام کو انجام دیتا تھا اور اپنے لیے سعادت سمجھتا تھا اور یہ سب مولانا کے اخلاص اور عملی زندگی کی برکت تھی۔“

بڑے تو بڑے مولانا اپنے شاگردوں کی بھی خدمت کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا کا سلوک طلباء کے ساتھ اس درجہ بہتر تھا کہ ان دنوں اس کا تصور مشکل ہے، کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے، اوڑھنے میں مولانا نے کبھی امتیاز روا نہ رکھا۔ یہ ناممکن تھا کہ مولانا کھائیں، اور طالب علم بھوکا رہ جائے۔ بیمار طلبہ کے علاج کا نظم خود مولانا کیا کرتے تھے۔ حکیم کے یہاں لے جانا، دوا لانا، دوا پلانا، تیمارداری کرنا۔ ان میں سے زیادہ کام مولانا خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ مولانا پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے، آج بھی مولانا کے جوشاگرد موجود ہیں، وہ اس وقت بھی مولانا کی شفقت اور مہربانیوں کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں اور انھیں اس کا اعتراف ہے کہ جتنی خدمت مولانا نے ہماری کی ہوگی، اتنی خدمت ہم مولانا کی نہیں کر سکے ہیں۔“

ایثار و مروت

آپ سراپا ایثار تھے، مشکل سے مشکل حالات میں بھی آپ کا دریائے جود و کرم رواں دواں رہتا تھا، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب کا بیان ہے کہ:

”میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی، جب میں یہ دیکھتا تھا کہ عین اس حالت میں کہ مولانا خود مقروض ہوتے تھے۔ ان کے خاص احباب جب ان سے قرض مانگتے تھے، تو خود داری اور مروت کا یہ عالم تھا کہ انکار نہیں فرماتے تھے بلکہ قرض لے کر ان کو قرض دیتے تھے۔ اور ایک لفظ ایسا زبان پر نہیں لاتے تھے، جس سے اس کا وہم بھی ہو کہ ان کو کسی طرح پریشانی لاحق ہے۔ مولانا کی طبیعت بہت حساس واقع ہوئی تھی۔ اس لیے ان کا پورا پورا خیال رکھتے تھے کہ اس کو میری حالت کا احساس نہ ہو۔ ورنہ اس کو ندامت ہوگی کہ پریشانی کی حالت میں مولانا کو کیوں پریشان کیا۔ اس معاملہ میں مولانا صحیح طور پر اس کے مصداق تھے کہ:

۱- حیات سجاد ص ۳۸ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۲- حیات سجاد ص ۱۱، ۱۲ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی۔

یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة

(وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگر پہہ اپنے اوپر فاقہ ہو۔)

پھر مرآت کے ساتھ تاملت کا یہ عالم تھا کہ احباب تو احباب و وہ بڑے بھی جن کو مولانا اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ جب مولانا کے حضور میں آتے تھے تو مولانا اس طرح پیش آتے تھے کہ گویا ان سے کوئی شکوہ ہی نہیں ہے اور نہ کوئی تکلیف ہی ان سے پہنچی ہے۔

اگر یہ احساس مجھ کو مانع نہ ہوتا کہ مولانا کی روح کو اذیت ہوگی کہ کیوں میں نے ان لوگوں کے ساتھ جال کا ہوا نہیں کیا تو میں ان کی نشان دہی کرتا اور اس سلسلہ میں مرآت و تاملت کے چند واقعات لکھتا ہوں کہ جن کو آج ہم نہیں لکھنا پسند کرتے ہیں مگر یہی واقعات مولانا کے سوانح نگار کی زبان قلم پر آجائیں۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم حکومت بہار کی شہادت ہے کہ:

”گذشتہ بیس برس سے جو اٹھک اور پرنسوں خدمت مسلمانوں کی اور ملک کی انہوں نے کی اس کا احساس تو مسلمانوں کو نہیں لیکن اس کا اجر خدا دے گا۔ ایسا جاننا مجاہد جس نے فائق کر کے قوم و ملک کی خدمت انجام دی جو جان کو جان اور مال کو مال نہ سمجھا جس نے اپنا گھر بار سب کچھ قوم کی راہ میں لٹا دیا جو اس سال ہونہار بیٹے کی خطرناک علالت اور پھر موت بھی جسے غم سے غافل نہ کر سکی جس نے اللہ کے راستے میں اپنوں کی گالیاں اور غیروں کے طعنے ہنسی خوشی برداشت کئے۔ ایسے جاننا مجاہد اور ممد تن سوز خادم ملت کی یاد جس قدر تازہ رکھی جائے غنیمت ہے اور اس کی یاد میں مذہبی عقیدت کے جس قدر پھول چڑھائے جائیں جتن تو یہ ہے کہ ان کی خدمات کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔“

جامعیت و کمال

وہ ہر شخص کی قائم مقامی کر سکتے تھے ان کی قائم مقامی کوئی نہیں کر سکتا تھا ان کی شخصیت مختلف صفات و کمالات کا مرقع تھی، عداامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

”ان کا وجود گو سارے ملک کے لئے پیامِ رحمت تھا مگر حقیقت یہ ہے صوبہ بہار کی جمہوریت وی تھے۔ اس صوبہ میں جو کچھ تعلیمی، سیاسی اور مذہبی تحریکات کی پہل پہل تھی وہ کل انہی کی

۱- حیات سجادہ ۱۰۰ مضمون حضرت مولانا عبد الصمد دہلوی

۲- محاسن جمہوریت ۵، ۶، ۷ مضمون ڈاکٹر سید محمود صاحب

ذات سے تھی، وہی ایک چراغ تھا جس سے سارا گھر روشن تھا، وہ وطن کی جان اور بہار کی روح تھے، وہ کیا مرے کہ بہار مر گیا، مرثیہ ہے ایک کا اور نو سو ساری قوم کا۔^۱

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے حضرت مولانا کی وفات پر ایک زوردار مضمون لکھا تھا، اس کا یہ اقتباس بطور خاص پڑھنے کے لائق ہے:

”مولانا ابوالحسن محمد اخلاق اور محاسن فضائل کے جامع تھے، فکر و نظر، علم و عمل، ثنّت و دیانت، ثقہ و تدبیر، ایثار و جفا کشی، خلوص و لہیت، ان سب اوصاف کے یک وقت جمع ہونے نے ان کی ذات کو ایسا گلدستہ خوبی بنا دیا تھا کہ وہ اسے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم کا مصداق بن گئے تھے، اور ان پر ”ابوالحسن“ کی کنیت واقعی طور پر صادق آتی تھی، ہندوستان میں کوئی قومی اور مذہبی تحریک ایسی نہیں ہے جس میں مولانا نے پورے جوش و خروش کے ساتھ حصہ نہ لیا ہو، اور اس میدان میں اپنے ساتھیوں سے پیش پیش نہ رہے ہوں، سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا دماغ نہایت دقیقہ رس اور معاملہ فہم تھا، وہ موضوع فکر کے ایک ایک پہلو پر بڑی سنجیدگی اور عالی ہمتی کے ساتھ غور و خوض کرتے تھے، اور اس میں ایسی باریکیاں پیدا کرتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے، وہ عملاً بڑے جری اور بہادر تھے، لیکن ان کا دماغ انتہائی جوش و خروش کے عام میں بھی کبھی مغلوب نہیں ہوتا تھا، جذبات کی گرمی کے ساتھ وہ ہر معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تھے، حق یہ ہے کہ جماعت علماء ہند میں وہ اپنی گول ناگوں خصوصیات کے لحاظ سے گھبریکتا تھے، بقول کسی کے تو ہر شخص کی قائم مقامی کر سکتے تھے لیکن ان کی قائم مقامی کوئی نہیں کر سکتا۔“^۲

صبر و حلم

مولانا سید شاہ حسن آرزو لکھتے ہیں:

”مولانا صبر و تحمل کے بھی ایک پہاڑ تھے۔ میں نے تقریباً پچیس سال کی مدت میں بھر ایک موقع کے کبھی کسی سخت گھوکا جواب سختی کے ساتھ دیتے نہ سنا، شریر اخبار نویس یا دوسرے خود غرضوں نے مولانا کو گندی اور غیظ گالیاں دیں۔ حالات و واقعات سے نا آشنا لوگوں نے مولانا پر اعتراض کے تیر بر سائے۔ ہر معاشوں نے اتہامات تراشے، بیجوئیں لگیں، لیکن مولانا خاموش۔

۱- محاسن سجادہ ۴۰ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ

۲- مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نظریات ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰

سب دیکھتے اور سنتے رہے۔ مولانا کے عقیدت مندوں میں کچھ صاحب قلم بھی تھے۔ مگر مولانا نے انہیں سختی کے ساتھ روک رکھا تھا۔^۱

جناب بیرسٹر محمد یونس صاحب لکھتے ہیں:

”ان خصوصیات کے ساتھ مولانا مرحوم کی بے نفسی اور تحمل، جماعتی اور قومی، دینی اور مذہبی مفاد کے لیے ہر جا اور ہر اعتراض کو سننا، اور درگزر کرنا، ایسی خصوصیت تھی کہ اس کی مثال مشکل سے ملے گی، ایسے واقعات ہماری آنکھوں نے دیکھے ہیں۔ اور ایسے دل آزار، اور بے محل الزامات میرے کانوں نے سنے ہیں، جس کا محض جماعتی مفاد کے لیے تحمل کر لینا نہیں بلکہ اس سے درگزر کر لینا اور محض درگزر کر لینا نہیں بلکہ اس طرح سننا کہ گویا سنا ہی نہیں۔ اور دل پر اس کا کوئی اثر ہی نہیں۔ حیرت ہوتی تھی جب وہی شخص دوسرے قومی کام کو لے کر مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا تو مولانا مرحوم اس سے اس طرح پورے تپاک اور اخلاص دلی کے ساتھ ملتے تھے۔ اور اس کی باتوں کو سنتے تھے۔ اور اس کے کام کو پوری دردمندی کے ساتھ انجام دیتے تھے کہ گویا آج کے پہلے دنوں میں اس سے کوئی ناگوار بات ظہور میں آئی ہی نہیں ہے۔ نہ اس کا اس سے کوئی ذکر کرتے تھے۔ نہ اس کے کام میں اس کا کوئی اثر پڑتا تھا۔ مولانا مرحوم کے ہر کام کا اصول یہ تھا کہ اس کے پہلے جو کچھ کیا تھا وہ بھی اللہ کے لیے تھا۔ اور آج بھی جو کچھ کر رہے ہیں وہ بھی اللہ کے لیے ہے۔ درمیانی وسائل کی ذاتیات ان کی نگاہ میں سمجھی نہیں جتنی تھی۔“^۲

غیوری و خودداری

ڈاکٹر سید محمود صاحب خود اپنا تجربہ لکھتے ہیں:

”میں عرصہ سے جانتا تھا کہ ان کی زندگی نہ درجہ عُسرت سے گذرتی ہے لیکن انتہائی گہرے تعلقات کے باوجود کبھی لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کی خودداری کچھ پوچھنے کا موقع نہ دیتی تھی ابھی چند مہینے ہوئے مجھے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ نہایت عُسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، بلکہ گھر میں فاقے تک کی نوبت آجاتی ہے، اس پر میرا دل تڑپ کر رہ گیا۔ مضبوط ہو اتو در یافت کیا، وہ مسکرا کر غم موش رہے، جاننا ز مجاہد ایسے ہوتے ہیں، مگر افسوس! ہماری قوم کو کیا قدر اور کیا پروا؟ اب جب نظر دوڑاتا ہوں تو صوبہ بہار کو ہر طرف غالی پاتا ہوں۔“^۳

۱- دیات سجاد ص ۹۹ مضمون مولانا شاہ حسن آرزو صاحب

۲- دیات سجاد ص ۸۸ مضمون بیرسٹر محمد یونس صاحب

۳- محاسن سجاد ص ۶۶ مضمون ڈاکٹر سید محمود صاحب۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا کی زندگی موجودہ حالت میں بالکل وجہ کفایت پر تھی۔ مگر اس حالت میں بھی وہ دوسروں کے لیے فیاض، اور اپنے احباب کے لیے مہمان نواز تھے، مجھ کو ذاتی طور پر اس کا علم ہے مولانا اس سلسلہ میں مقروض بھی ہو جاتے تھے، اور شاید ان کے خاص لوگوں میں سے بھی بہت کم لوگ ہیں، جن کو مولانا کی اس غمگین زندگی کی اطلاع ہو۔ اس پر بھی مولانا کی خودداری کا یہ حال تھا کہ کسی کا احسان مند ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ نواب خاں بہادر عبدالوہاب خاں صاحب مونگیر نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں نے تنہائی میں مولانا سے ایک دفعہ کہا کہ مجھ کو اس کا موقع دیجیے کہ میں آپ کی خدمت کر کے اپنے لیے سعادت حاصل کروں، تو مولانا نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو معاف رکھیے اس سے ہمارے اور اللہ کے درمیان میں توکل کا جو معاملہ ہے اس میں خلل واقع ہو جائے گا۔ نواب صاحب ممدوح نے مجھ سے کہا، اس کے بعد میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں ایک لفظ زبان پر لاؤں۔“

سادہ زندگی

آپ کی زندگی انتہائی سادہ اور تکلفات سے بالکل پاک تھی، عام انسان کی سطح سے بھی فروتر زندگی گزارتے تھے، لباس، رہن، بہن اور خور و نوش ہر جگہ یہی حیرت انگیز سادگی نمایاں تھی، جس کو ہر مٹنے والا محسوس کرتا تھا۔

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی فرماتے ہیں کہ:

”ان تمام خوبیوں کے باوجود ابوالحسن کے ”محسن“ کا لب لباب ہیں اس بزرگ ہستی کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ ایک نہایت سادہ اور مسکراہٹ والا انسان تھے۔ رقاعت کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے اور پہننے، غرض معاشرتی زندگی میں چند روپے روپیہ ماہانہ کی حیثیت کے انسان سے زیادہ گذران نہ رکھتے تھے، اخلاق کا پیکر تھے۔ انکسار فطرت بن گیا تھا۔“

شاہ محمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”مولانا کھانا بھی معمولی کھاتے تھے، چائے اور پان تمباکو کے مادی تھے۔“

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے حضرت مولانا کی سادہ زندگی کا نقشہ ان الفاظ

میں کھینچا ہے:

۱- حیات مجاہدین ۴۰ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۲- حیات مجاہدین ۱۵۴ مضمون حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی۔

۳- نولہ ہونے والے ۳۰ سالے شاہ محمد عثمانی ص ۱۰۲

”مولانا ہمیشہ بہت سادہ اور معمولی لباس پہنتے۔ پیر میں پرانی وضع کا معمولی جوتا جو اکثر پھنسا رہتا تھا۔ پرانے ہی وضع کا کھدر کا پانچجامہ کھدر کا لانا کرتا جس میں گریاں کے دونوں طرف بڑی جبین جو ہر وقت کاغذ سے بھری رہتی تھیں، اس کے اوپر ایک بندی۔ سر پہ کھدر کا ایک بڑا سا عمامہ جو خراب طریقہ سے بندھا رہتا تھا۔ یہ تو گرمی کا لباس ہوا۔ جاڑے میں عمامہ کے علاوہ یہی سب چیزیں موٹے اور معمولی اونٹنی کپڑے کی ہوا کرتی تھیں۔ داہنے ہاتھ میں ایک بھاری اور موٹی سی لکڑی جس کے نیچے وزنی لوہا لگا ہوا تھا، بائیں ہاتھ میں چھوٹی سی انچی جس میں کاغذ۔ روشنائی اور ضروری کاغذات بھرے رہتے تھے۔

مولانا کھانا بھی بہت سادہ اور معمولی کھاتے تھے۔ میرے علم میں اپنے اختیار سے مولانا نے کبھی بھی اپنے لیے اچھے کھانے کا نظم نہیں کیا۔ اگر حساب لگایا جائے تو مولانا نے برسوں ہوٹل کی خیریری روٹی اور گائے کا کباب کھایا ہے۔ ایک دفعہ مجھے مولانا کے یہاں کھانے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت مولانا پھلوری شریف میں کرایہ کا مکان لے کر اہل و عیال کے ساتھ مقیم تھے۔ دسترخوان پچھا گھر سے جو کھانا آیا اس کی فہرست یہ تھی: موٹے اور لال چاول کا پکا ہوا بھات، تیل میں بکھری ہوئی تھلی وال، اور آلو کا بھرتا جس میں پیاز پڑی تھی مگر بگسارا نہیں جھیا تھا۔ مولانا نے محض میری وجہ سے ہوٹل سے گوشت منگوایا تھا۔

۱۹۳۷ء میں جب مولانا نے وزارت قائم کی تھی تو میں پٹنہ آیا ہوا تھا۔ اور نواب عبدالوہاب خاں وزیر مالیات کا مہمان تھا۔ میں اور نواب صاحب کے بھائی مسز وحی احمد خاں وکیل مولانا سے ملنے پھلوری شریف گئے۔ کچھ عرصہ سے مولانا نے پھلوری ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مکان کرایہ کا تھا۔ مٹی کی دیواریں، اور کچر بل کی چھت، اندر کتنی وسعت تھی اس کو تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن باہر جس میں مولانا تشریف فرما تھے۔ وہ دو دروازوں کی ایک کوٹھری تھی، ایک باہر سے آنے کے لیے، اور ایک زنان خانہ میں جانے کے لیے۔ کوٹھری میں ایک طرف مٹی ہی کا اونچا چبوترہ تھا۔ اس پر ایک چار پائی پڑی ہوئی تھی جس کے سر ہانے مولانا کا بستر بندھا ہوا رکھا تھا۔ چار پائی کے نیچے کچور کی چٹائی بچھی تھی۔ اس پر قلم و دوات۔ کچھ کتابیں اور مولانا کی دی انچی رکھی تھی۔ ایک طرف موٹے ٹین کے دو کس تھے۔ ایک میں کتابیں، دوسرے میں کپڑے، چبوترے سے نیچے ایک کونے میں مٹی کا گھڑا، وہیں پر تانبے کا ایک بڑا لوہا، اور دوسرے کونے میں مولانا کی دی لکڑی کھڑی تھی، غرض یہ تھا سو یہ بہار میں حکومت قائم کرنے والے کے گھر کا منظر۔“

جرات و اولوالعزمی

حضرت مولانا عزم و ہمت کے پہاڑ تھے، کسی کام کا ارادہ فرمالیتے تو اس کو منزل تک

پہنچا کر ہی دم لیتے تھے، اور راستہ کی ہر دشواری کا مقابلہ کرتے تھے، حضرت مولانا احمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ میں جہاں بے شمار خداداد قابلیتیں موجود تھیں، ان تمام خوبیوں اور قابلیتوں میں ان کی پختہ کامی، عزم یا عزم، مستقل مزاجی، اور ہمت اور ارادے کی طاقت ضرب المثل ہے۔ وہ بڑی سے بڑی مشکل کا ان تمام قوتوں کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے، وہ کام کرنے سے تھکتے نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان تمام طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔“

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”جمعیتہ علمائے ہند کے جو طے گزشتہ چند سالوں کے اندر ہوئے ہیں، ان میں سے بعض میں مولاناؒ کی دعوت پر میں شریک ہوا، ان جلسوں کی مخالفت میں جو ہنگامے اٹھے ان کے تصور سے روٹنے لگے کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ تو مخالفین کی خوش تمیزیوں ایسی ہوں کہ شکل اختیار کر لیتی تھیں کہ آدمی کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ جائے یا دامن امید، اور ظاہر ہے کہ ان تمام یورشوں کا اصلی نشانہ کم از کم صوبہ بہار میں مولاناؒ ہی کی ذات تھی، مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولاناؒ ان ہنگاموں سے ایک لمحہ کے لئے بھی بے حوصلہ یا بے صبر ہوئے ہوں۔ ان کا دماغ ہمیشہ پرسکون اور دل بر حالت میں مطمئن رہتا تھا۔ ہم کو ایسی طرح معلوم ہے کہ اگر وہ پسند کرتے تو اپنے مخالفین کے اچھے ہتھیاروں کا مقابلہ اچھے ہتھیاروں سے کر کے ان کو زک دے سکتے تھے، مگر اپنے طرز عمل کی کامیابی کا یقین کسی حالت میں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اور ان کی اولو اعز می ہمیشہ اچھے ہتھیاروں کے استعمال سے ابا کرتی تھی مولاناؒ کی یہ عریضت اگر بے مثال نہیں تو کم از کم اپنی نوعیت میں غیر معمولی ضرور تھی۔

اس عریضت کے ساتھ وہ اتھک کام کرنے والے تھے، میں نے ان کو کبھی خالی الذہن یا غیر مشغول نہیں پایا، وہ سوچتے یا کام کرتے، سستاتے کبھی نہیں تھے، وہ ایک ایسی دریا کے مانند تھے جس میں موج و طغیانی کی سر جوشی تو نہ ہو لیکن روانی کا پورا جوش و خروش موجود ہو جو بغیر دم لئے ہر آن و ہر لمحہ چٹانوں سے ٹکراتا، پتھروں سے لڑتا، جھڑیوں سے الجھتا، درواں دواں، ان کے پبلک اشغال نہ فیشن کے طور پر تھے نہ حصول سروری و سعادت کی طمع میں، وہ جس مسئلہ کو اٹھاتے وہ زندگی اور موت کا سوال بن کر ان سے چٹ جاتا، اس لئے وہ کسی کام کو بے دلی (Disheartedly) کے ساتھ کر کے اپنے نفس کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے، بلکہ مجبور تھے کہ اس کے

لئے اپنے فکر و عمل کی تمام قوتیں میدان میں ڈال دیں، سوتے جاگتے بس وہی مسئلہ ان کے سامنے ہوتا اور ان کی ساری راحت و طمانیت اس کے انہماک کے اندر سمٹ آتی، وہ اپنے پہنک اشغال سے تھک کر نہ تو کوئی امن کا گوشہ تلاش کرتے، نہ دوسری غیر پہنک دلچسپیوں کو ان کے ساتھ شریک کر کے ان کی حرمت کو بگاڑتے، اس اعتبار سے ان کا مزاج ایک سیاسی لیڈر سے بالکل مختلف تھا، ان کی ذہن میں عاشق کی ذہن کی شان تھی اور چونکہ وہ ایک زبردست عالم تھے اس لئے یقیناً یہ چیزیں انہوں نے پیغمبران عظام کے اسوہ حسنہ سے اخذ کی تھیں، میں نے یہ چیز وقت کے بڑے سے بڑے لیڈروں میں بھی نہیں پائی۔“

مولانا سید شاہ حسن آرزو تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے پہلے ہی ملاقات میں اس دبلے پتلے نحیف و کمزور عالم دین سے مل کر یہ محسوس کیا کہ اس کے سینے کے اندر گوشت کا لوتھرا نہیں، ذہنی آگ کا شعلہ ہے۔ اس کی نظر کی گہرائی، اس کے دماغ کی بلندی اور فہم و فراست، ارتقائے ملک کے لیے صاف اور سیدھا نظام عمل اپنے اندر مخفی رکھے ہوئے ہے۔ وہ جس منزل کے متحسّس تھے، وہاں تک پہنچنے میں بھی کے پاؤں ٹھکتے تھے، لیکن سجاد اپنے مقصد میں ٹھکنا نہیں جانتے تھے وہ اپنی آخری ساعت تک سعی بیہم سے باز نہ آئے۔ سختیاں جھیلیں، مصیبتیں برداشت کیں، جھڑکیاں سہیں، غیروں سے انہیں اپنوں سے گالیاں کھائیں۔ دشنام سنے، مگر ارادہ اور مضبوط ارادہ کا یہ ہمالیہ ایک قدم بھی اپنے مقصد و مرکز سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوا۔“

صداقت و حق گوئی

مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کبھی جماعت کی پارٹی پالیٹکس سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، ان کے نزدیک جو بات حق ہوتی تھی، اس کو برملا کہتے تھے، وہ ہندوستان کی آئینی ترقی کے سلسلہ میں کانگریس کے پر جوش حامی تھے، مگر انہوں نے کبھی کانگریس کو اس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے میں تساہل نہیں کیا۔ وہ گاندھی جی کے عقیدہ عدم تشدد کے بھی بہت بڑے نقاد تھے۔“

۱- محاسن سجاد ص ۳۱، ۳۲ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی۔

۲- حیات سجاد ص ۹۲، ۹۳ مضمون سید شاہ حسن آرزو صاحب۔

۳- برہان دہلی ص ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵ دسمبر ۱۹۴۰ء۔

آزمائشیں

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں پر آزمائشیں بھی آتی ہیں، نیز کوئی بھی مقام بلند بہت آسانی سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، اور ان پر صبر کرنا پڑتا ہے:

وَلْتَبْلَوْنَكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ
وَالشَّمَرَاتِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ * الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ
رَاجِعُونَ * أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔^۱

حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ پاک کے یہاں جو جس قدر صاحب مقام ہوتا ہے اس کو اسی قدر آزمائشوں اور امتحانات سے دو چار ہونا پڑتا ہے،

أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل۔^۲

ترجمہ:- انسانوں میں سب سے زیادہ مصیبتیں انبیاء پر آئیں پھر درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں پر۔

حضرت مولانا کی زندگی بھی آزمائشوں اور تکلیفوں سے بھری ہوئی تھی، علامہ سید سلیمان ندوی بیان فرماتے ہیں:

”نمایہ یہ کم لوگوں کو علم ہو کہ مولانا کی خانگی زندگی غمگین تھی، ان کے بڑے بھائی مجذوب تھے۔ ان کی بیوی معذور و محتس تھیں، ان کا بڑا لڑکا جو بڑھ کچھ رفاصل اور گھر کا کام نبھانے کے قابل ہوا۔ عین اس وقت کہ اس کے نکاح میں چند روز باقی تھے، باپ نے دائمی جدائی کا داغ اٹھایا اور یہ سننے کے قابل ہے کہ وہ لڑکا مرض الموت میں تھا کہ مسلمانوں کی ایک ضرورت ایسی سامنے آئی کہ باپ بیمار بیٹے کو چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ واپس آیا تو جو ان دینا دم توڑ رہا تھا۔

ان کی اپنی زندگی بھی دین و ملت ہی کی نذر ہوئی۔ تربت کے دور افتادہ علاقہ میں جہاں کہ ملیں یا کئے ڈر سے ادھر کے لوگ ادھر جانا موت کے منہ میں جانا سمجھتے ہیں یہ مرد خدا اپنی جان کو تجسسی پر رکھ کر سال میں کئی کئی بار جاتا تھا اور کئی کئی دن وہاں رہتا تھا۔ آخری سفر بھی وہیں ہوا۔ اور

۱- البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷

۲- روح الباری فی ترجمہ ج ۱، ص ۸۱، احمد فی مستدرج ۶، ص ۶۹، حدیث نمبر: ۱۴۲۰-۲

وہیں سے ملیر یا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا اور اسی حال میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔^۱
جناب سید شاہ حسن آرزو لکھتے ہیں:

”مولانا کا زوال کا نہ اسے جنت نصیب کرے۔ دیوبند کا تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل تھا۔ ۱۹۳۰ء کے ریاستی ہنگامے، بول نہ فرمانی کے سلسلہ میں اسے بھی ۶ مہینوں کی جیل ہو گئی۔ مدت تمام کرنے کے بعد جب مکان آیا تو اس پر کچھ دنوں بعد ہی نمونیا کا حملہ پڑا۔ اور سخت حمہ۔ مولانا تبلیغی ضرورتوں کے سلسلہ میں چمپارن کا دورہ فرما رہے تھے۔ یہاں سے تار پرتا رہا لیکن مولانا اس وقت مکان پہنچے۔ گویا زکام چکا تھا۔ مولانا کے آنے کے دو تین بعد کے کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کے پاس کچھ زمین ایسی بھی تھی جس کا لگان دوسرے زمین دار کو دینا پڑتا تھا۔ اتفاقاً زمین داروں نے ڈگری گرا کر بعض زمین نیلام کرانی پانی لوگوں نے مولانا کو اطلاع دی۔ مولانا نے فیس کر فرمایا۔ جانے بھی دور اس کا بھی تعلق لگا ہی رہتا ہے۔ وہ بھی ختم ہو جائے تو اللہ کے بندوں کی خدمتوں میں پوری یکسوئی حاصل ہو رہی ہے:

جن کے رتبے میں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اللہ اکبر مولانا اپنے ایمان و صداقت کی راہ میں جتنا تجھوڑے گئے اور آزمائش میں ڈالے گئے اور بار بار ڈالے گئے، اتنے ہی کھرے ثابت ہوئے جس کی مثال اس دور میں کم بیا مل ہی نہیں سکتی ہے۔^۲



۱- محسن سہ ماہی ۲۳ مضمون علامہ سید علیہماں ندوی

۲- حیات سہ ماہی ۹۹، ۱۰۰ مضمون سید شاہ حسن آرزو صاحب

اولیات و خصوصیات

(۱۷)

ستر ہواں باب

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کی اولیات

حضرت مولانا محمد باہ صاحب فکر و عمل کے کئی میدانوں میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے، کئی محاذوں پر ان کے قدم سب سے پہلے اور سب سے آگے رہے ہیں، کہیں فکر کے لحاظ سے سابق اقدم ہیں تو کہیں فکر و عمل دونوں لحاظ سے، اس کتاب میں ان کی تفصیلات گزر چکی ہیں، یہاں بطور خلاصہ آپ کی مثالی زندگی کے چند بھی عنوانات کی فہرست دی جا رہی ہے جن کو پہلی مرتبہ آپ نے فکر و عمل نے وجود بخشا:

(۱)

انجمن علماء بہار کا قیام

ہندوستان میں جب ہر طرف انتشار ہی انتشار تھا، امت واحدہ کئی طبقات میں منقسم ہو چکی تھی، جس کی بنا پر ملک و ملت کے بہت سے اہم اجتماعی مسائل معطل ہو کر رہ گئے تھے، ایسے نازک وقت میں سب سے پہلے حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجادؒ کی دور رس نگاہ اس نقطہ پر پہنچی کہ امت کی شیرازہ بندی سے قبل علماء کی شیرازہ بندی ضروری ہے، جب تک علماء اپنی جنگ ختم نہ کریں گے، یہ امت لڑتی ہی رہے گی، بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کیا کہ یہ اس وقت کا سب سے صحیح اور دور رس فیصلہ تھا، حضرت مولانا سجادؒ کی یہ فکر عالمی تھی، مگر ان کے وسائل محدود تھے، لیکن انہوں نے اپنے صدق و خلوص کی بدولت ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیے، جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

علماء کو منظم کرنے کے لئے آپ نے ۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء کو مدرسہ انوار العلومؒ لایا میں ”انجمن علماء بہار“ قائم کی، جو بعد میں ”جمعیت علماء بہار“ کے نام سے تبدیل ہو گئی، یہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی جمعیت تھی۔

(۲)

خلافت کمیٹی کی بنیاد

حضرت مولانا محمد سجادؒ تحریک خلافت میں بھی پیش پیش رہے اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلّیؒ کے ساتھ مل کر ۱۹۱۸ء میں خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی، اور پھر بمبئی کی مرکزی خلافت کمیٹی قائم ہونے کے بعد اسی سال اس کی پہلی شاخ گیا میں قائم فرمائی۔

(۳)

جمعیت علماء ہند کی تحریک

جمعیت علماء بہار ہی کے بطن سے ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو ”جمعیت علماء ہند“ وجود میں آئی، جس کی تاسیس میں آپ اور آپ کے رفقاء اولین (مثلاً مولانا عبدالکلیم صاحب اوگانوئیؒ، اور مولانا

خدا بخش مظفر پوری وغیرہ) بھی ہر طرح شریک رہے۔ اور اس کا پیا ا اجاس امر تسمیں ۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ہوا۔

(۴)

نظامِ قضا کی بنیاد

حضرت مولانا سجاد پہلے آدمی ہیں جنہوں نے غیر مسلم ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی اور مئی مسائل کے حل کیلئے انجمنِ علماء بہار کے تحت ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ م ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء کو نئے قضا کی بنیاد ڈالی، جب کہ ابھی امارت شرعیہ کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔

(۵)

امارت شرعیہ بہار کی تاسیس

علماء کی شیرازہ بندی کے بعد حضرت مولانا سجاد نے ہندوستان میں ”امارت شرعیہ“ کے قیام کی جدوجہد شروع کی، ان کے نزدیک کسی غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کی وحدت و تنظیم کی اس سے بہتر کوئی اسس نہیں تھی، مولانا کے پیش نظر ایک طرف مسلم اقلیتی ممالک کے بارے میں فقہاء کی ہدایات و تصریحات تھیں تو دوسری طرف ہندوستان کا موجودہ سیاسی منظر نامہ، اس تناظر میں جب کہ ہندوستانی مسلمان سیاسی شوکت و اقتدار سے محروم ہو چکے تھے، ان کے مذہبی شعائر و آثار کی حفاظت اور ان کو کسی مضبوط اور مقدس رشتہ و احد میں جوڑنے کی اس کے ہوا کوئی صورت نہ تھی کہ مسلمان اپنے داخلی مسائل و معاملات کو منظم و مستحکم کرنے کی فکر کریں اور ایک امیر شریعت کی ماتحتی میں اپنی زندگی گزارنے کی نوبت ڈالیں، جہاں تک وہ نہیں پہنچ سکتے اس کے انتظار میں جہاں تک پہنچ سکتے ہیں اس کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، اور ناممکن کی تلاش میں ممکن کو نہ سو بیٹھیں، یہ ایک انتہائی مثبت اور دانشمندانہ سوچ تھی اس سے ایک طرف ان نصوص و روایات کی تعمیل ہوتی تھی، جن میں نصبِ امیر کی تاکید گئی ہے اور امارت سے آزاد موت و حیات کو جاہلیت کی موت و حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف فقہاء کی ہدایات کے مطابق وہ اہم ذمہ داری پوری ہوتی تھی، جو کسی غیر مسلم ملک میں مسلم اقلیت ہونے کی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ تیسری طرف اس بھری ہوئی زوال پذیر قوم کی تنظیم ہوتی تھی، جو برسوں کی غلامی و مظلومی کی وجہ سے مستعدانہ سوچ اور تعمیر کی کردار سے محروم ہوتی جا رہی تھی۔

’قیامِ امارت‘ کے تعلق سے حضرت مولانا سجاد کے دل میں جو خیال آیا، یہ شخص ان کے مطالعہ و تحقیق کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا، بلکہ یہ توفیقِ ربانی کا حصہ اور عطاءِ خداوندی کی ایک کڑی محسوس ہوتی ہے، جو اللہ کے خاص بندوں پر ہوتی ہے، کیوں کہ اس وقت ہندوستان میں نہ اربابِ علم کی کمی تھی اور نہ کتابوں کی، ایک پر ایک محقق اور دقیقہ رس علماء، فقہاء اور دانشور موجود تھے؛ لیکن اس کارِ عظیم کے لیے انتخابِ حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد کا کیا گیا۔

چنانچہ ۱۸، ۱۹ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۲۱ء کو محلہ پتھر کی مسجد پٹنہ میں ایک عظیم الشان اور تاریخ ساز اجلاس میں امارتِ شریعہ کا قیام عمل میں آیا، جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک ست راہ متعین کیا۔

(۶)

آئینی و سیاسی بصیرت میں کمال

اسی طرح آپ ہندوستان کے پہلے عالمِ دین تھے جو اسلامی قانون کے ساتھ ملکی آئین اور دنیا کے دیگر ملکوں کے قوانین پر بھی گہری اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔

(۷)

بہار مسلم انڈینڈنٹ پارٹی کی تشکیل

☆ آپ علماء ہند میں پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ۲۵ اگست ۱۹۳۵ء مطابق ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو ایک مستقل سیاسی پارٹی ”بہار مسلم انڈینڈنٹ پارٹی“ قائم کی، اور اس پارٹی نے امارت کے زیر نگرانی انتخابی سیاست میں حصہ لیا اور تاریخی کامیابی حاصل کرنے کے بعد یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو بہار میں حکومت کی تشکیل کی۔

(۸)

بہار میں اردو زبان کو دستوری درجہ عطا کیا

غیر مسلم ہندوستان میں پہلی بار (۱۹۳۷ء میں) صوبہ بہار میں اردو زبان کو دستوری زبان کا درجہ آپ کی حکومت نے دیا، بہار میں اردو زبان کا غلغلہ آپ کے اسی تاریخ ساز فیصلہ کی دین ہے۔

تخت شاہی پر فقری کی مثال قائم کی

☆ اسلامی ہند کے سقوط کے بعد آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شاہی میں فقری کی تاریخ دہرائی اور اپنی پارٹی کے عہد حکومت (۱۹۳۷ء) میں بھی مٹی کے کچے مکان میں رہے اور یہ مکان بھی اپنا نہیں بلکہ کرایہ کا تھا اور کرایہ حکومت نہیں خود اپنی جیب خاص سے ادا کرتے تھے اور اسی کچے مکان کے آستانے پر بڑے بڑے علماء و انعیان اور امراء و رؤساء اپنی حاضری میں شرف محسوس کرتے تھے، ایسے واقعات کچھلی تاریخوں میں بہت بار پڑھے گئے تھے، لیکن اس دور میں حضرت مولانا سجادان واقعات کی عملی تصویر اور ان اخلاقی و روحانی اقدار کا زندہ نمونہ تھے۔

ہندوستان کے نئے پس منظر میں ہندو مسلم اتحاد کی پہلی دعوت

☆ ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں جب محسوس ہونے لگا کہ تنہا مسلمانوں کی جدوجہد سے ملکی آزادی کا حصول اور اجتماعی مسائل کا حل بہت مشکل ہے، تو سب سے پہلے اور سب سے طاقتور انداز میں حضرت مولانا سجادان نے ہندو مسلم اتحاد کی دعوت دی، اور اس کے بعد ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بدلنے لگا، اور ہندو مسلم مشترکہ طاقت سے ملک کی آزادی اور دیگر مقاصد کے حصول کے لئے نئی جنگ کی شروعات ہوئی، اس اتحاد کا ایک بڑا مقصد فرقہ وارانہ فسادات پر بھی بندھ باندھنا تھا، جو انگریزوں کی سازش کے تحت پورے شمالی ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔

ناجائز مقدمات کے خلاف آئینی کاروائیوں کا آغاز

☆ جب ملک میں بد امنی پھیل گئی، اور فرقہ وارانہ فسادات (۱۹۳۷ء وغیرہ) کی آگ سے ہندوستان جلنے لگا، اور خاص طور پر مسلمان ان فسادات کا نشانہ بنے، پھر ستم بالائے ستم لگے انہی کو قصور وار قرار دے کر گرفتار کیا جانے لگا، تو سب سے پہلے اس کے خلاف حضرت مولانا سجادان نے آواز بلند کی، اور آئینی احتجاج کی طرف قدم بڑھایا اور مسلمانوں کی ناجائز گرفتاریوں کے خلاف

مقدمات دائر کئے، اور منصوبہ بند طور پر آئینی جہاد کا سلسلہ شروع کیا، کام کرنے والے افراد کی خود ہی آئینی تربیت کی اور مقدمات کی پیروی کے گریٹائے، بڑے بڑے وکلاء اور ماہرین قانون نے آپ کی آئینی صلاحیت کا لوہا مانا، مسلمان حربی جنگ ہار چکے تھے، حضرت مولانا سجاد نے آئینی جنگ کا آغاز کیا، اور ایک ایک گرفتار کو قید سے نجات دلائی، بلکہ نقصانات کا ہرجانہ بھی دلوا دیا، غیر مسلم ہندوستان میں یہ وسعت سجاد ہے جو آج بھی ملت اسلامیہ ہند یہ کیسے بہترین نمونہ عمل ہے۔

(۱۲)

غیر مسلم اقتدار میں اسلام کی سیاسی شناخت

حضرت مولانا سجاد نے جمعیۃ علماء بہار، جمعیۃ علماء ہند، نظام قضا، امارت شرعیہ اور سیاسی پارٹی وغیرہ اداروں اور جماعتوں کے قیام و تاسیس کے ذریعہ غیر اسلامی ملک میں اسلامی سیاست کو نئی شناخت عنایت فرمائی، مسلمان حالت مغلوبی میں اسلام کی سیاسی تعلیمات کے کن خطوط پر چل کر اپنے دین و ایمان اور اجتماعیت کی روح کو بچا سکتے ہیں، یہ تلقین حضرت مولانا سجاد کی تعلیمات اور عملی اقدامات میں ملتی ہے، مولانا سجاد نے غیر مسلم اقتدار میں نئی سیاسی قوت کو دریافت کیا اور اس کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کر کے امت کے سامنے پیش فرمایا، اس لحاظ سے مولانا سجاد اپنے وقت کے صرف عظیم مفکر ہی نہیں مجدد بھی معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۳)

بحیثیت مفکر تعلیم - ایک نئے نصاب و نظام تعلیم کی ترتیب و دعوت

حضرت مولانا سجاد کا ایک بڑا امتیاز یہ تھا کہ وہ مخصوص تعلیمی نظریات کے حامل تھے، ہندوستان سے اسلامی اقتدار کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں میں جو تعلیمی انحطاط پیدا ہوا، اور رفتہ رفتہ علماء عصری علوم و مسائل سے اور عصری تعلیم یافتہ حضرات علم دین سے دور ہوتے چلے گئے، اس تناظر میں حضرت مولانا سجاد نے علماء اور ماہرین تعلیم کو ایک نئے نصاب تعلیم اور نئے نظام تعلیم مرتب کرنے کی دعوت دی، اور اس کا تحریری خاکہ بھی پیش کیا، عملی طور پر اس کو مختلف مدارس میں جاری کرنے کی کوششیں کیں، اور کئی تعلیمی اداروں کی اس طرح کی سرگرمیوں کو قوت پہنچی۔

حضرت مفکر اسلام مولانا محمد سجاد کی سربراہی میں جو نصاب تعلیم تیار ہوا تھا، علامہ منظر احسن

گیلائی (جو اس کی تسوید میں شامل تھے) کو بڑی امیدیں تھیں کہ اگر یہ نظام کامیاب ہو جاتا تو ایک مثالی تعلیمی نظام وجود میں آتا اور ملک کا کوئی خطہ بہار کے تعلیمی معیار کا مقابلہ نہ کر سکتا۔

(۱۴)

مدارس اسلامیہ کے لئے ایک تعلیمی وفاق کا تصور اور آغاز

مدارس اسلامیہ کے تعلیمی نظام کو منضبط اور ترقی یافتہ بنانے کیسے بھی حضرت مولانا سجاد کے ذہن میں ایک خاکہ تھا، انہوں نے ایک جامع تعلیمی وفاق کا نقشہ مرتب کیا تھا، جس میں تمام مدارس بحیثیت رکن شریک ہوں اور کسی ایک بڑے مدرسہ کو جامعہ کلیہ کا درجہ دیا جائے اور مختلف مدارس کو مختلف علوم و فنون کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے، ایک مدرسہ ایک ہی فن پر محنت کرے اور اسی فن کے ماہرین پیدا کرے، اس طرح ہر فن کو الگ الگ مدرسوں پر بانٹ دیا جائے اور فن ہی کی بنیاد پر مدارس کی درجہ بندی کی جائے اور سب کا مشترکہ امتحان ہو اور جامعہ اس میں مرکزی کردار ادا کرے۔

حضرت مولانا سجاد نے مدرسہ عزیز یہ بہار شریف کو مرکز بنا کر ۱۹۲۴ء میں اس نظام کا عملی آغاز بھی کر دیا تھا، اس کے لئے بڑی تعلیمی کانفرنس بلائی، تجاویز منظور کیں، لیکن دوسری مصروفیات کے ہجوم میں اس پر پوری توجہ نہ دی جا سکی اور پھر عزیز نے بھی وفاندہ کی۔

حضرت مولانا سجاد کی یہ تعلیمی کوشش اپنے عہد کی اولین کوشش تھی، اس سے قبل اس طرح کی کسی جمعی کا ذکر کسی علاقے کی تاریخ میں نہیں ملتا۔

(۱۵)

ایک منفرد جامع تعلیمی ادارہ کا تصور اور آغاز

حضرت مولانا ایک منفرد انداز کے تعلیمی ادارہ کا تصور بھی اپنے دماغ میں رکھتے تھے، جہاں دین کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ علوم جدیدہ کی بھی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہو، مولانا موجودہ ہندوستان کو قدیم اسلامی تعلیم گاہوں سے علمی اور تاریخی طور پر مربوط کرنا چاہتے تھے، جہاں ایک ہی ادارہ سے محدثین اور فقہاء بھی تیار ہو کر نکلتے تھے اور ماہرین لسانیات و معاشیات، اطباء، انجینئرز اور معقولی علماء و مفکرین بھی — علامہ مناظر احسن گیلائی نے اپنی کتاب ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم

و تربیت میں جس نظام تعلیم کی ترجمانی کی ہے، اس کا بنیادی خاکہ حضرت مولانا سجادؒ کے یہاں موجود ہے، علامہ گیلانی بھی مولانا سجادؒ کے تعلیمی افکار و نظریات سے متاثر تھے، اور کئی تعلیمی مجالس میں آپ کے ساتھ شرکت کا بھی ان کو موقع ملا تھا، علامہ گیلانی کی یہ کتاب حضرت مولانا سجادؒ کے تعلیمی تصورات کا عکس جمیل محسوس ہوتی ہے۔

(۱۶)

مسلمانوں کے لئے صنعتی تعلیمی ادارہ کا تصور اور آغاز

حضرت مولانا سجادؒ مسلمانوں کے لئے (بشمول طلباء مدارس اسلامیہ) صنعتی (ٹیکنیکل) تعلیم کے بڑے حامی تھے، فرماتے تھے کہ ملک و قوم کی ترقی صنعتی ترقیات سے وابستہ ہے، جس ملک کی صنعت جتنی زیادہ مضبوط ہوگی وہ ملک اتنا ہی زیادہ ترقی یافتہ ہوگا، حضرت مولاناؒ نے دیدارِ گنج پٹنہ کی وسیع و عریض شاہی مسجد میں ایک جدید نوعیت کے تعلیمی ادارہ کی بنیاد ڈالی تھی، جس میں وہ مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ صنعتی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہتے تھے، لیکن عمرِ عزیز نے اس کا بھی موقعہ نہیں دیا، مولاناؒ کی مثال ”یک انار صد بیمار“ کی تھی، ایک کام پورا نہیں ہوتا کہ دوسرا اس سے اہم کام آپ کے سامنے آ جاتا تھا۔

بین الاقوامی نشانِ ملت

آج ضرورت ہے کہ حیاتِ سجادؒ کی خصوصیات و امتیازات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، ان کے افکار و نظریات کی اشاعت پر توجہ دی جائے، اور ان کو داستانِ ماضی کے طور پر نہیں، بلکہ بین الاقوامی نشانِ ملت، اور غیر مسلم اقتدار میں اسلام کی سیاسی علامت کے طور پر پیش کیا جائے، حضرت سے وابستہ تمام اداروں پر یہ ذمہ داری بطور خاص عائد ہوتی ہے۔



خاتمة الكتاب

(۱۸)

اٹھارہواں باب

وفات حسرت آیات

فصل اول

مرض الموت اور وفات

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجادؒ کے فکر و عمل کا سفر جس طرح نقطۂ ارتقاء کی طرف جاری تھا اس کے پیش نظر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ان کا سفر آخرت بھی اب قریب ہے، ابھی چند ماہ قبل جون ۱۹۴۰ء کے اجلاس جوئیور میں ان کو جمعیت علماء ہند کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا، اور عہدہ نظامت پر آپ کے فائز ہونے سے جمعیت علماء ہند کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا، آپ کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں، آنکھوں کی روشنی بھی متاثر تھی، لیکن اتنی جلد آپ رخصت ہو جائیں گے یہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا، بظاہر آپ صحت مند بھی نظر آتے تھے، اگرچہ بعض اہل نظر کو کئی ماہ قبل ہی سے آپ کی بعض کیفیات کو دیکھ کر خطرہ کا احساس ہونے لگا تھا۔ ان میں آپ کے برادر بزرگ صوفی احمد سجاد صاحبؒ اور آپ کے ہم وطن اور عقیدتمند حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

الوداعی آہٹ

خود علامہ گیلانی لکھتے ہیں:

”جس سال مولانا اس ناموتی جدوجہد سے اپنا تعلق توڑنے والے تھے، ٹھیک وفات سے چند مہینے پہلے مولانا ظفت اللہ سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ (مولکیر) خلف اکبر حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے اور سخت بیمار، علاج کے سے پٹنہ آئے، میں حیدرآباد سے گرمی کی تعطیلاتوں میں گھر جا رہا تھا، مولوی ظفت اللہ کی علالت کی خبر سن کر راستہ میں پٹنہ چلا آیا، یہ عجیب اتفاق تھا کہ انہیں دونوں میں حضرت مولانا محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ بھی مولانا ظفت اللہ کی عیادت کے سلسلہ میں پٹنہ آئے اور اللہ نے یوں ایک دور افتادہ مخلص کو حضرت کے قدموں میں چند دن گزارنے کا موقع دیا۔ ایک ہی کمرہ میں ہم دونوں کا قیام تھا، کھل کر کھلو کا موقع ملا، مولانا منت ان (فرزند خور) مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ) اپنے بھائی کی تیمارداری کر رہے تھے، ہم تینوں آدمیوں کا یہ اتفاق اجتماع تھا، بیسیوں مسائل پر خیالات کا تبادلہ عمل میں آتا تھا مگر انہیں دونوں مولانا کی بخت جو میرے خیال

میں ہر قسم کے موسمی تاثرات سے بالاتر تھی اور اکثر ان کی اس خصوصیت پر رشک بھی کرتا تھا، اپنی جگہ سے کھسکی نہ آئی، ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا، لیکن اس کا یقین نہ تھا کہ صحت کی یہ تبدیلی اتنا جلد رنگ لانے والی ہے۔ غرض چار پانچ دن یوں آخری دنوں میں حضرت کی تذبذب کی سعادت نصیب ہوئی اور خوب ہوئی۔ ان صحبتوں میں بھی اپنے عمل کے اصلی مقصد کو کبھی کبھی ظاہر فرما دیتے۔ یاد پڑتا ہے کہ ان ہی دنوں میں حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے بڑے بھائی احمد سجاد صاحب جن کا شمار سلسلہ فقراء کے طاقتہ مجاذیب و بہا لیل میں کیا جاتا ہے، ان کا قول نقل کرتے تھے کہ ان کو موجودہ مشاغل سے الگ ہو جانے کی تاکید فرماتے ہیں، شاید یہ اسی اضطرابی علامت کی طرف اشارہ تھا۔^۱

وفات سے تین ہفتہ قبل کی بات حافظ محمد ثانی صاحب نقل فرماتے ہیں کہ:

”مولانا وفات کے تین ہفتہ قبل یعنی رمضان شریف کے آخری ایام میں دفعۃً بتیا تشریف لائے، دو روز قیام فرمایا، ایڈیٹر البلال^۲ بھی ان کے ساتھ تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد ایک مختصر تقریر کی، روزہ کے فلسفہ کو بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اب میں بوڑھا ہوا، ممکن ہے وعظ و نصیحت کا موقع ملے نہ ملے، مجھے حیرت تھی کہ مولانا بلا کسی اہم ضرورت کے اس قدر جلدی ہی کیوں تشریف لائے مگر انتقال پر منزل کی خبر سن کر یہ راز فاش ہوا کہ مولانا اپنے مخصوص مقام پر اپنے خاص خادموں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے آئے تھے۔“^۳

مختصر علالت اور وفات

حضرت مولانا علاقہ ترہت کے دورہ سے واپس تشریف لائے تھے، جہاں ملیریا وبائی صورت میں پھیلا ہوا تھا، بظاہر کوئی بیماری نہیں تھی، بعض مبصرین کا خیال ہے کہ مولانا غیر محسوس طور پر ملیریا سے وہیں متاثر ہوئے^۴، لیکن ایام علالت میں آپ کے قریب رہنے والے لوگوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ آپ کے خصوصی تیماردار اور تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کے مطابق علالت کا آغاز پھلواری شریف میں ۹ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۴۰ء روز یکشنبہ

۱- حیات سجاد ص ۶۲، ۶۵ ارتسامات گیارہ مضمون علامہ مناظر حسن گیلانی

۲- غالب مولانا زکریا فاضل صاحب مراد میں۔

۳- حیات سجاد ص ۱۱۳ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب۔

۴- یہ بات حضرت کے ہم وطن علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھی ہے:

”ترہت کے دور افتادہ علاقہ میں جہاں کہ ملیریا کے ذر سے ادھر کے لوگ ادھر جانا سوت کے منہ میں جانا سمجھتے ہیں، یہ مرد خدا اپنی جان کو قحطی پر رکھ کر سال میں کئی کئی بار جاتا تھا اور کئی کئی دن وہاں رہتا تھا۔ آخری سفر بھی وہیں ہوا، اور وہیں سے ملیریا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا اور اس حال میں جات جات آخریں کے سپرد کی۔“ (محسن سجاد ص ۴۲، ۴۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی)

کو ہوا، اور نو (۹) دن کی مختصر علالت کے بعد ۷ ارشوال المکرم یوم دوشنبہ ۱۳۵۹ھ (مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء) کو پونے پانچ بجے شام میں وصال ہوا، ایام علالت کے چشم دید احوال بھی انہوں نے قلمبند کئے تھے، اکابر کے آخری لمحات کی تفصیل بھی بڑی سبق آموز ہوتی ہے، حضرت مولانا رحمانی کی وہ پوری روداد بے حداہم اور پڑھنے کے لائق ہے، انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت ۹ ارشوال یوم یکشنبہ ۱۳۵۹ھ سے نماز ہوئی۔ صبح کو حسب معمول دفتر امارت شرعیہ میں تشریف لائے۔ روزانہ کے خطوط سننے اور ہدایات دینے۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر یہ ارشاد فرما کر مکان تشریف لے گئے کہ طبیعت اچھی نہیں ہے، سردی معلوم ہوتی ہے، اور خفیف سی حرارت بھی ہے۔

مکان پہنچ کر کچھ دیر صوب میں لیٹے رہے، پسینہ آیا، اس سے کچھ طبیعت ہلکی معلوم ہوئی تو صحن سے اٹھ کر کوٹھری میں چلے گئے۔ اس دن زندہ کی گئی، کسی حبیب کی طرف رجوع کیا گیا۔ دوسرے دن ۱۰ ارشوال یوم دوشنبہ کو ہم لوگوں کے اصرار پر جناب حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب پھلوری شریف کو بخش دکھائی گئی۔ اور دوا استعمال کی گئی۔ دفتر امارت شرعیہ میں تشریف لانا موقوف ہو گیا۔ آج کی ڈاک کے ضروری خطوط لے کر میں مکان ہی پر حاضر ہوا، ان کو سنا کر اور ضروری ہدایات لے کر دفتر چل آیا۔

تیسرے دن ۱۱ ارشوال کو حکیم صاحب ممدوح ایک عزیز کی علالت کے سلسلہ میں موضع حسینا تشریف لے گئے تو پچو تھے دن ۱۲ ارشوال کو حکیم مولوی خاں محمد شرف الدین صاحب پھلوری شریف کی طرف رجوع کیا گیا۔

پانچویں دن تک طبیعت کے انداز اور بخار کے اتار چڑھاؤ میں کوئی غیر معمولی کیفیت نہیں پیدا ہوئی، مگر ضعف و نقاہت بہت زیادہ ہو گئی۔ اور ضرورت اس کی محسوس کی گئی کہ پوری نگرانی کے ساتھ تیمارداری کی جائے۔ خصوصاً رات کی نگرانی پورے انضباط کے ساتھ کی جائے۔ چنانچہ رات کے بارہ گھنٹے اس طرح تقسیم کر دیے گئے کہ ابتدائی شب کے تین گھنٹے اور انتہائی شب کے تین گھنٹے کی ذمہ داری میرے حصے میں رہی، اور وسط شب کے چھ گھنٹوں میں تین گھنٹے مختار سید محمد منظور صاحب (شرطی دفتر امارت شرعیہ) اور تین گھنٹے عبدالعزیز صاحب (شرطی دفتر بیت المال) کی ذمہ داری میں دی گئی۔ چھٹے دن بخار میں گیارہ بجے دن سے غیر معمولی اشتداد ہو گیا اور تکلیف زیادہ بڑھ گئی، سب سے زیادہ جو چیز پریشان کن ہوتی تھی، وہ ریاح کا صعود تھا۔ اس سے کرب و اضطراب اور بے چینی اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ تقریباً دن کے تین بجے تک کسی ایک کروٹ پر نہ قرار رہتا تھا، اور نہ کسی طرح کا سکون حاصل ہوتا تھا، چار بجے سے بخار کم ہو گیا اور

کرب و اضطراب جاتا رہا رات بھر بیت گزری، اور کوئی غیر معمولی بات پیش نہیں آئی۔
طبیعت جب کچھ بھی سکون میں رہتی تھی تو عام باتوں کے ساتھ اس حال میں بھی علی
باتیں فرمانے لگتے تھے۔

ایک دفعہ مجھ کو یاد ہے کہ فرمانے لگے کہ اس کی وجہ سمجھتے ہو کہ بیمار پری کے لیے حدیث
شریف میں ”عیادت“ کا لفظ کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی تعبیر میں لقاء مریض،
زیارت مریض، یا اس طرح کے اور دوسرے الفاظ کیوں نہیں ارشاد فرمائے۔ پھر فرمایا: کہ نکتہ یہ
ہے کہ اس تعبیر سے ذہن میں یہ بات ڈالنی ہے کہ مریض اس کا محتاج ہے کہ بار بار اس کی
خبر گیری کے لیے اس کے پاس پہنچا جائے۔ کیوں کہ عیادت کا ماذوٰ غود ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس وقت جب یہ فرما رہے تھے، تکلیف سے مضطرب تھے، ایک دو
جمنے فرماتے پھر خاموش ہو جاتے تھے۔ پھر ایک دو جملے فرماتے اور خاموش ہو جاتے تھے۔ اس
وقت میرے ساتھ عزیز محترم مولوی عبد اللہ صاحب سلمہ بازید پوری بھی تھے۔ جو عیادت کے خیال
سے دفتر سے میرے ساتھ ہو لیے تھے اور غالباً ان ہی کی عیادت لفظ عیادت کی تشریح کی تقریب
بن گئی تھی۔

عزیز ممدوح سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ خصوصی محبت رکھتے تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان
کے والد حضرت اتاذ مولانا حکیم محمد صدیق صاحب مدظلہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا گہرا مخلصانہ
رابطہ تھا کہ ایام عزالت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عزالت کی اطلاع کے لیے اور دعا کرنے
کے لیے صرف مولانا مدظلہ کا نام لیا تھا، اور خط لکھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ ساتویں دن جناب
مولانا حکیم محمد غیل صاحب دانا پور کی طرف رجوع کیا گیا اور حکیم حافظ شرف الدین صاحب اور مولانا
محمد کفیل صاحب کے مشورے سے علاج بدل دیا گیا، اور یہ سمجھا گیا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خراب قسم کا
ملیریا ہے۔ آج اور دنوں کے اعتبار سے طبیعت پر مرض کا زیادہ اثر تھا۔ کرب و اضطراب کے
ساتھ قلب زیادہ متاثر تھا۔ اور نبض کے نظام میں نمایاں ضعف محسوس ہوتا تھا۔ بخار آج بھی کل کی
طرح سے بڑھا، لیکن رات کے آخری حصہ میں بالکل اتر گیا۔

آخری دن صبح سے لے کر حسب معمول دس گیارہ بجے تک بخار معمولی درجہ میں رہا۔
اس کے بعد اس کا اشد ادب ہوا، اور پھر کرب و اضطراب میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ لیکن رات کے
دو بجے تک بخار کم ہو گیا اور ۹۶ درجہ گری تک اتر آیا، اس وقت سے صبح تک بخار بالکل نہیں
رہا۔ معمولی خشک باطنیان فرماتے رہے۔ خشکی کی حالت میں کبھی انار کے دانے، کبھی سنتر کا پتھر،
(شیرہ) دیتا رہا، اور مولانا اس کا بلا تکلف استعمال فرماتے رہے۔

صبح کی جب اذان ہوئی تو میں ایک بیچ پر جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مکروہ کے باہر بڑی ہوئی تھی۔ نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خود سے آخر کر چار پائی ہی پر حسب معمول بیٹھ کر نماز ادا کی اور لیٹ رہے۔ اور آہستہ آہستہ کسبج بڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

آج علالت کا نواں دن ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر مولانا کے پاس آ کر بیٹھ گیا ہاتھ پر ہاتھ رکھی، بعض کا نظام بالکل صحیح تھا۔ چہرہ پر سکون و طمانیت کے آثار تھے۔ اولاً مزاج پر سی کی۔ جواب میں نہ تو کسی غیر معمولی بات کا اظہار فرمایا گیا، نہ کوئی بے ربط بات فرمائی گئی۔

علالت کے پورے ایام میں اس وقت بھی جب کہ کرب و اضطراب سے آپ بے چین رہتے تھے، اور اس وقت بھی جب کہ بخار کو انتہائی اشتداد ہوتا تھا، کبھی بھی مولانا کا دماغ بے قابو نہیں ہوا۔ اور نہ کوئی بے ربط بات فرمائی۔ بجز اس کے کہ ایک دن آپ نے اضطراب کی حالت میں کروٹ بدلتے ہوئے یہ فرمایا کہ آدین کی یہ تو بین اور ایک دن انہی حالات میں گھبراہٹ کے لہجہ میں یہ فرمایا کہ کیا سہرہ پر بھی قبضہ ہو گیا، یا ہو جائے گا؟ (یعنی دم آفرینی دین اور امت فی فکر) اس کے سو اسی وقت کسی دن کوئی بے ربط بات زبان پر نہیں آئی۔ بس یہ چند جملے ہیں جو نہیں معلوم کہ عمیق فکر کے پیش نظر بے اختیار زبان پر آ گئے۔ یا بالارادہ گہری عمیق فکر کے نتیجہ میں فرمایا گیا۔ آنکھوں کی شام کو حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب 'حسینا' سے تشریف لے آئے تھے۔ نویں دن کی صبح کو میں حکیم صاحب کو مولانا کے دیکھنے کو لے آیا، حکیم صاحب تشریف لائے تو مولانا سے مزاج پوچھا، مولانا نے اپنا حال بیان فرمایا۔ حکیم صاحب نے دُعا میں بندھائی کہ بخار نہیں ہے، دل و دماغ سب کا فعل درست ہے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ پکا گویا دہنجے سے اشتداد ہوتا ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ آج بخار نہیں آئے گا۔ اس پر مولانا نے فرمایا، تو یہ آپ کی کرامت ہوگی۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے نسخہ دیکھا، جو دوا استعمال ہو رہی تھی، اسی کو باقی رکھا، تقویت قلب کے لیے خمیر و مرور یہ عنایت کیا، جو استعمال کرایا گیا۔

گیارہ بجے سے بخار میں اشتداد ہونا شروع ہوا، مگر زیادہ سے زیادہ ایک سو تک پہنچتا لیکن ریاضی بواہر کے اثر سے قلب کی طرف ریاح کا صعود اتنا ہوا کہ متاع قلب متحمل نہ ہو سکا اور کرب و اضطراب یک یک بہت زیادہ ہو گیا۔ اور بارہ بجنے کے بعد حواس قابو میں نہ رہا۔ حالت نے نازک صورت اختیار کر لی، بعض دوسبے لگی، اور سانس اکثر اکھڑ کر چلنے لگی۔

فقیر یہاں ایک سب سے قاضی سید احمد حسین صاحب ہانکی پور سے ڈاکٹر محمد عثمان صاحب کو لے کر آئے۔ ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالحلیم صاحب بھی تھے، ان کو مولانا سے خاص ارادت تھی، مولانا کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوری کوشش کی

کہ انجکشن کے ذریعہ حالت پہ قابو پایا جائے۔ مگر وقت پورا ہو چکا تھا، کامیابی نہیں ہو سکی۔
نبض کے ساتھ ہی ساتھ تمام شریانی رگیں بھی ڈوب چکی تھیں۔ یہاں تک کہ اب مانس
بے قابو ہو گئی، اور تھوڑی دیر کے بعد سکرات کی کیفیت طاری ہو گئی۔

حضور امیر شریعت مدظلہ کو اطلاع ہوئی۔ آپ تشریف لائے تو نائب امیر شریعت رحمۃ
اللہ علیہ نے چند منٹ کے بعد ہی، متابع جان، جان آفریں کو سپرد کردی، اور تقریباً پونے پانچ
بجے ۷ ارشوال یوم دوشنبہ ۱۳۵۹ھ (مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء) کو زندگی بھر کے تھکے ہارے
مسافر نے اپنی آنکھیں موند لیں اور اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ
رات کے دس بجے جنازہ کی نماز ہوئی، اور تقریباً ساڑھے دس بجے علم و عرفان کے خزانہ کو خاتماً
مجیبیہ کے قبرستان میں آغوشِ لحد کے سپرد کر دیا گیا۔^۱

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا



فصل دوم

ساختہ وفات پر علماء وقائدین امت اور ملی اداروں کے تعزیتی تاثرات اور قراردادیں

آپ کے حادثہ وفات کی خبر متعلقین پر ایک صاعقہ آسمانی بن کر گری، آٹا فانا یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی، اور ہر جاننے والے کو راگینی، غمی اور سیاسی دنیا میں ایک سناٹا چھا گیا، اس ناگہانی حادثہ نے ہر واقف کار شخص پر ایک سنگینی کیفیت طاری کر دی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”یہ کیسے بتاؤں کہ اس ناگہانی اور غیر متوقع غم سے مجھے کیوں چپ سی لگ گئی، ہر چند زبان خاموش تھی لیکن دلوں تک سوتے جاگتے مرحوم کی صورت آنکھوں میں پھرتی اور خواب میں نظر آتی رہی۔ ترمع العین وبحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک لمحزونون۔“

☆ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ:

”میں حیدرآباد آچکا تھا، مشہور مسنف پروفیسر الیاس برنی کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب تھی، اس مجلس سے باہر نکل رہا تھا کہ اچانک ایک منٹے والے نے خبر سنائی:

ہمارے مولانا سجاد کا انتقال ہو گیا

جوتے پہن رہا تھا، ہاتھ کا پیچنے لگے، پاؤں میں اغزش تھی، ڈبرائے پوچھا کیا کہتے ہو، پھر توشیح کی تقریب منعقد کرو، مسلمانان بہار کی ییمی کا نقشہ آنکھوں میں گھومنے لگا، بار بار زبان پر عربی کا یہ مشہور شعر جاری تھا:

وما کان قیس ہلکۃ ہلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تہد ما

عجیب حال میں گھر آیا، چند مصرعے بے ساختہ دماغ میں چکر کھانے لگے، روتا رہتا ہوا اور

لکھتا جاتا تھا: ۳۱

۱- محسن سجاد ص ۵۶ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی، یاد و فیثاں علامہ سید سلیمان ندوی ص ۲۳۹ طبع اول کراچی ۱۹۵۵ء

۲- محسن سجاد ص ۶۱، ۶۲ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانی

ﷺ حضرت مولانا دفظ الرحمن صد حسب کا بیان ہے کہ:

”میں ایک صبح کو راولپنڈی قیل میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا کہ انقلاب اور ملاپ میں جمعیت علمائے ہند کا ایک برقیہ نعر سے نڈرا جس میں یہ حسرت زدہ الفاظ درج تھے: نکل پھلوری شریف (پنڈ) میں حضرت مولانا ابو المحاسن سید محمد سجاد صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علمائے ہند کا چند روز قبل رو کر انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! بتا ہواں پھر کر تینہ جیو اور پھر دل کی بھر اس نکاسے کے لئے اپنے اکابر و اصحاب کے نام خدا جانے مثنیہ خوانی میں کیا کچھ لکھا گیا اور اس طرح دل کے بوجھ کو ہلکا کیا۔“

ﷺ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی فرماتے ہیں:

”سمان قوم کے سر پر سے ایک ایسے بزرگ کا سایہ اٹھ گیا جس کا بدل مستقبل قریب میں نعر نہیں آتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ۔“

ﷺ حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے ”بربان“ میں ان الفاظ کے ساتھ حضرت مولانا کی روح کو خراج عقیدت پیش کیا اور گویا اپنا دل نکال کر رکھ دیا:

”پچھلے دنوں ہندوستان نے اس خبر وحشت اثر کو نہایت رنج و اندوہ سے سنا کہ مولانا ابو المحاسن سید محمد سجاد بیاری چند روز کی حالت کے بعد اس دنیا کے فانی سے رحلت فرما گئے۔ غیر چوند بالکل غیر متوقع طور پر ملی تھی، اس لئے فرط مزون و الم نے حیرت کی صورت اختیار کر لی یعنی ہم یہ جانتے ہیں کہ ہماری بزم علم و عمل کا کوئی عمل شب چراغ ختم ہو گیا ہے لیکن اس احساس کے باوجود تجیر کی فراوانی ہم کو رخصت کر یہ اور فرست فو نہ بھی نہیں دیتی۔“

آج صد آدھ مسلمان ہند کی یہ متاع گرانمایہ ان سے ۷۷ ارشوال ۱۳۵۹ھ بروز دوشنبہ ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی، اچھا مرنے والے رخصت! تو باور اپنے ساتھ ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں کی حسرت نصیب آرزوؤں اور تمناؤں کو بھی لیتا جا، شاید ہندوستان کے آنکھوں کو مسلمانوں کی موجود و تباہ حالی تجھ سے برواشت نہ ہو سکی، تو یہاں سے گمراہی کی بارگاہ میں ان کی طرف سے فریاد کرنے جا رہا ہے لیکن تو نے ہم میں اسلامی حریت و آزادی اور عملی جدوجہد جو ہم پر روح پیدا کر دی ہے وہ ہم کو تیرے بعد بھی شعلہ سوزاں و تپاں کی طرح بے قرار نہ کرے گی، اور ہمارے کاروان غلب کا جب کبھی کوئی تدم منزل مقصود کی طرف بڑھے گا تیرے نقش پا کی یاد سے غالی نہ ہوگا، رب السماء والارض تجھے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، تو یہاں ہمیشہ مسلمانوں نے غم میں

پریشان حال رہا۔ خدا تجھے اپنے دامن رحمت میں ایک مقام عظیم و عظیم عنایت فرمائے کہ اس زندگی کو تو نے اعلا کلمۃ اللہ اور اعلان حق کے لئے ہی وقف رکھا۔ آمین۔ ۱

آپ کے سانحہ وفات کا سب سے زیادہ صدمہ جمعیت علماء ہند اور امارت شریعہ بہار میں محسوس کیا گیا، جو کہ ایک قدرتی بات ہے، آپ کی وفات پر ایک سے زائد مرتبہ تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں، کئی جلسوں میں خراج عقیدت پیش کی گئی:

جمعیت علماء ہندی مجلس عاملہ کا اجلاس دہلی میں ۵، ۶ جولائی ۱۹۴۱ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی صدارت میں منعقد ہوا، اور اس میں یہ تعزیتی قرارداد منظور کی گئی:

”جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ زعمیم الامۃ، مجاہد صمت، مفکر تلیل، عالم تلیل حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمعیت علماء ہند و نائب امیر شریعت صوبہ بہار کی وفات پر اپنے غمیخ رنج و اندوہ کا اظہار کرتا ہے اور اس سانحہ روح فرسا کو مسلمانان ہند کے لئے ناقابل تلافی نقصان سمجھتا ہے۔ مولانا کی ذات گرامی مذہب و ملت اور اسلامی سیاست کی ماہر و نبی تھی۔ ان کی مذہبی، قومی، وطنی خدمات و صفات ہمارے پر آب زر سے لکھی جائیں گی۔ اور مسلمانان ہند ان کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔“

حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد بہاری غیر معمولی علمی و فکری اور فکری صلاحیتوں کا مجموعہ تھے۔ اور جمعیت علماء ہند کا بیش قیمت سرمایہ تھے۔ ان کی کمی شدت سے محسوس کی گئی۔ یہ مجلس مولانا کی اہلیہ محترمہ اور — دیگر اعضاء کے ہاتھ اپنی ولی و مدد کی خواہر کرتی ہے۔ اور رب العزت بل ثناء کی بارگاہ میں دست پدم ہے کہ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور ان کی تربت کو اپنی رحمتوں کی بادش سے سیراب کرے۔ ۲

ایک اور تعزیتی قرارداد جمعیت علماء ہند کے اجلاس لاہور (منعقدہ: ۲ تا ۴ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۰ تا ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء زیر صدارت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی) میں منظور کی گئی:

”جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار و ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند کی وفات حسرت آیات پر ولی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا کی ذات گرامی مجمع الکملات تھی۔ جس میں ان کو علوم دینیہ میں اعلیٰ مہارت حاصل تھی۔ اسی طرح اسلامی سیاست

۱- بہار ملی بھیر ۱۹۴۰ء ص ۲۰۲ تا ۲۰۴، حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔

۲- جمعیت علماء ہند کے ۱۹۴۰ء سید محمد میاں دیوبندی ص ۲۵ صلیبہ دہلی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی سیاسی و فکری تاریخ ص ۱۵۳، ۱۵۴۔

میں بھی قدرت نے ان کو کامل دستگاہ عطا فرمائی تھی، خلق خدا کی خدمت اور مسلمانوں کی حفاظت ان کے نصب العین کے خاص اور اہم اجزاء تھے۔ علماء ہندوستان میں ان کی شخصیت ان کی خدمات جلیلہ کے لحاظ سے نمایاں تھی۔ ان کے اخلاص و ایثار کے موافق اور مخالفت یکساں معترف تھے۔ حق تعالیٰ ان کی تربیت کو اپنی رحمتوں سے سیراب کرے۔ اور جنت الفردوس میں ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔“

☆ پھر صدر اجلاس حضرت شیخ الاسلام مدنی نے اپنے خطبہ صدارت میں قلبی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”حضرات ارفقاء کار کے اس اجتماع میں ہم حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجاد صاحب کی عظیم اور برگزیدہ شخصیت کو فراموش نہیں کر سکتے، جنہوں نے گذشتہ تیس سال میں مسلمانان ہند کی زبردست خدمات انجام دی ہیں، اس عرصہ میں مسلمانان ہند کی تمام اہم مذہبی اور سیاسی تحریکات میں کوئی ایک تحریک بھی ایسی نہیں ہے، جس میں مرحوم نے پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ نمایاں حصہ لیا ہو، جمعیت علماء ہند میں ان کی شخصیت بہت اہم تھی، انہوں نے اپنی تمام زندگی جمعیت علماء کی خدمت اور اس کو ترقی دینے کے لئے وقف کر دی تھی، اپنی زندگی کے آخری دور میں مرحوم جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے ان کی وفات مسلمانوں کے لئے عموماً اور جمعیت علماء ہند کے لئے ایک ایسا قومی و ملی سانحہ عظیم ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔“

پورے ملک میں یوم سجاد منایا گیا

جمعیت علماء ہند نے حضرت مولانا کی یاد اور اعتراف خدمت میں کئی جلے منعقد کئے، دو جلے جامع مسجد دہلی میں ہوئے، پہلا جلسہ ۲۱ ر شوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۲۲ نومبر ۱۹۴۰ء) جامع مسجد دہلی میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی صدارت میں ہوا جس میں حضرت مولانا سجاد کی وفات حسرت آیات پر تقریریں ہوئیں، اسی اجلاس میں یہ طے کیا گیا کہ ایک ہفتہ کے بعد اسی جگہ ایک بڑا عام جلسہ تعزیت ہوگا، اور اسی دن پورے ملک میں ”یوم سجاد منایا جائے گا۔“

اس تجویز کے مطابق ۲۸ ر شوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۲۹ نومبر ۱۹۴۰ء) کو پورے ملک میں ”یوم سجاد منایا گیا، اور ظاہر ہے کہ اس مناسبت سے ملک کے مختلف حصوں میں متعدد جلے بھی ہوئے،

۱- جمعیت علماء کیا ہے؟ مولانا سید محمد میاں دیوبند کی س ۳۳۱ مطبوعہ دہلی

۲- شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی سیاسی و ادبی س ۳۳۱ مطبوعہ دہلی

ایک بڑا اجلاس عام جامع مسجد دہلی میں ہوا، جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی بھی تقریر ہوئی، ایک جلسہ تعزیت جو بلی باغ دہلی میں کیا گیا، ملک کے دوسرے حصوں میں کئے گئے جلسوں اور پروگراموں کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

۱۶ امارت شرعیہ تو آپ کا گھر ہی تھا، آپ کی وفات سے تو گویا گھر ہی اجڑ گیا، آپ ۱۸ اشوال المکرم ۱۳۳۹ھ (۲۵ جون ۱۹۲۱ء) کو نائب امیر شریعت منتخب ہوئے تھے، اور ٹھیک پورے بیس سال مکمل ہونے پر ۱۷ اشوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء) کو آپ کا وصال ہوا، یہاں کا پورا نظام دراصل آپ ہی کے ہاتھ میں تھا، آپ کی وفات سے پورے حلقہ امارت میں صفا ماتم بچھ گئی، بہار کی تو آپ جان تھے، آپ ہی ایک چراغ تھے جس سے سارا گھر روشن تھا، امارت شرعیہ کے لئے یہ بہت صبر آزما وقت تھا، حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین صاحب قادری پھلواریؒ اور دوسرے ذمہ داران اس حادثہ سے کتنے متاثر تھے اس کی شدت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد کی وفات پر پورے چار سال بیت گئے لیکن آپ کی جگہ (نائب امیر شریعت) پر کسی شخص کا انتخاب عمل میں نہ آ سکا، اس لئے کہ حضرت مولانا سجاد نے اس منصب کو اتنی بلندی عطا کر دی تھی کہ کوئی شخص اس جگہ پر بیٹھنے کے لائق نظر نہ آتا تھا، لیکن جگہ تو بہر حال پر کرنی تھی، چار سال کے بعد حضرت امیر شریعت ثانی نے اس جگہ پر آپ ہی کے تمیز رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کا انتخاب فرمایا، لیکن فرمان میں یہ صراحت کر دی کہ حضرت مولانا سجاد کا کوئی بدل ہندوستان میں موجود نہیں ہے، دیکھئے فرمان کی یہ عبارت:

”مولانا سجاد کے وصال کے بعد سے ادارہ امارت شرعیہ میں نائب امیر شریعت کی جگہ خالی تھی۔ عملاً اگرچہ مولانا عبدالصمد رحمانی ناظم امارت شرعیہ نیابت کے بعض امور کو انجام دیتے رہے تھے لیکن ضابطہ کے طور پر وہ اس منصب کے لئے مامور نہیں کئے گئے تھے۔

ان چار سال کے کام نہایت اطمینان بخش ہیں، اس وقت بجز اس کے کہ مولانا مرحوم کی مجمع الکمالات ذات سے ادارہ امارت شرعیہ محروم ہے اور جس کا بدلہ بظاہر ہندوستان میں نہیں ہے۔۔۔ آج ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ یوم جمعہ کو مولانا عبدالصمد رحمانی کا تقرر عہدہ نیابت امارت پر کر دیا گیا۔“ ۲

۱۔ تذکرہ ابوالحسن مرتبہ اختر امہ عادل قاسمی ص ۱۸۵ مضمون مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی بحوالہ اندراج روزنامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی۔

۲۔ امارت شرعیہ مدنی جلد چہمہ کار وشن باب ۱۱۳، ۱۱۵ مولانا حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب۔

حضرت امیر شریعت ثانی نے آپ کی وفات پر انتہائی اثر انگیز مضمون تحریر فرمایا جس کی سطر سطر سے محبت و عقیدت ٹپکتی ہے، مضمون کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے:

”مولانا ابوالحسن محمد سجاد غفر اللہ لہ و رحمہ کا حادثہ ارتحال بے حد جاں سوز اور انتہائی صبر آزمایہ ہے،

ایسی ذات جس نے دین و مذہب کی حمایت اور مسلمانوں کی صلاح میں جان لگا دی، عافیت و آرام سب کچھ لٹا دیا، خلوص مجسم تھے۔“^۱

ممتاز محقق مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب کا یہ احساس یعنی بر حقیقت ہے کہ:

”مولانا سجادؒ کی وفات کا صدمہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برسوں تک تازہ رہا، اور جب بھی کوئی بڑی ملی

ضرورت یا سانحہ پیش آتا اس وقت مولانا سجادؒ کی بصیرت، دانشمندانہ قیادت اور دوراندیشانہ رہنمائی کی یاد کی جاتی اور شاید لوگ زبان سے کہتے ہوں گے:

جب کوئی فتنہ زمانہ میں نیا اٹھتا ہے

لوگ اشارہ سے بتا دیتے ہیں تربت میری^۲



۱- حیات سجاد ص ۶۷۔

۲- تذکرہ ابوالحسن مرتبہ اختر امام عادل قاسمی ص ۱۸۵، ۱۸۶ مضمون مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی۔

منظوم تاثرات

آپ کی وفات کے بعد بہت سے اہل علم اور اصحاب قلم نے نثر کے علاوہ مختلف زبانوں میں منظوم مرثیے اور تعزیتی نظمیں بھی لکھی تھیں، ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ بھی کافی دراز رہا ہوگا، اور ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں اس قسم کے کلام شائع ہوئے ہونگے، لیکن ان کا بڑا حصہ آج ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے، حضرت مولانا مسعود عالم ندویؒ نے 'محاسن سجاد' میں اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے 'حیات سجاد' میں جو کچھ محفوظ کر دیا ہے بس وہی سرمایہ ہم تک پہنچ سکا، اس ذخیرہ میں سے کچھ منتخب کلام یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

☆ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا کلام انتہائی غم انگیز اور رقت آمیز ہے، علامہ کا خود بیان ہے کہ "روتے جاتے تھے اور لکھتے جاتے تھے۔"

بجھ گیا جو تھا دیا ایک اپنے مزار کا

قصہ ہی ختم ہو گیا دوستو سب بہار کا
روئے جا کے اب کہاں، حال کسے بتائیے
آج نہیں بہار میں ماتم نائب امیر
کس کی رہے گی اب نگاہ دشمنوں کی چال پر
کفر کی چیرہ دستیایاں ہوں گی جو بیکسوں پہ اب
کس سے کہیں کہ کیا ہوا آہ وہ ہم سے چھن گیا
کفر کی سر زمین میں اس نے کیا علم ہلند
روزوں سے ہوں جو دور دور جو ہوں نمازوں سے نفور
کس کے یہ بس کی بات ہے ہوتا ہے کیسے اب رفو

بجھ گیا جو بھٹا دیا ایک اپنے مزار کا
سینے دل فگار کا، دیدہ اشک بار کا
ماتم سخت بلکہ ہے ملت سو گوار کا
کون بنے گا اب سپر مسم خستہ زار کا
دے گا جواب کون ہائے ان کی ہر ایک پکار کا
تھانہ جواب ہند میں جس کے سیاسی وار کا
دین کے احترام کا، مسلم کے بھی و متار کا
آئے انہیں خیال کیوں دین کے ہر شعار کا
سینہ چاک چاک کا، دامن تار تار کا

تھا علماء کی جو چٹان گر چہ وہ اب اکھڑ گیا

پھر بھی مگر بھروسہ ہے حنالق کردگار کا

مجاہد جس کے نعروں سے لرز اٹھی زمین ہند

مولانا سید احمد عروج قادری الجھڑی

یہ کیا حالت ہے میری، آج میرا دل دھڑکتا ہے
مجھے کیوں آج نظم علم و دیں برہم نظر آیا
صف مردان آزادی پہ حسرت چھائی جاتی ہے
زمین تا آسمان مجھ کو عجب حالت نظر آئی
کہ مرد حریت سجاد نے اذن سفر پایا
سیاست دم بخود، صدق و صفا مرہون حیرانی
عمل کی آنکھ روئی، علم کے دل سے فغاں نکلی
وہ عامل عضو و کامل فرد و شمع ملت بیصفا
مجاہد جس نے ساری زندگی آرام تج ڈالا
ارادے کا دھنی، پیری میں بھی جوش جنونا نہ
مجاہد جس کے نعروں سے لرز اٹھی زمین ہند
مجاہد وہ جو فاقوں سے نہ شرمایا، نہ گھسرایا
مجاہد جس کے عزم آہنی پر آسمان حسیراں
حکومت عزم سے جس کے ہزاروں بار نکرائی
وہ عالم جس کی تحریروں میں حکمت پرورش پاتی
امارت کامرانی اور جمعیت اس کے ہاتھوں میں
تدبر، نکتہ دانی ختم تھی جس ذات عالی پر
جلگہ سے ہوک اٹھتی ہے، سمجھ میں کچھ نہیں آتا
یہ کیوں رہ رہ کہ سینے میں اک انگارہ بھڑکتا ہے
یہ کیوں ہر دیدہ حق آشنا پر نم نظر آیا
ہوا کیا ہے، وطن میں مردنی سی پائی جاتی ہے
تخیر تھا کہ اتنے میں یہ جاں فرسا خبر آئی
سفر وہ جس سے کوئی آج تک واپس نہیں آیا
تدبر برسر زانو، روئے مذہب پر پریشانی
تفقہ کے لبوں سے آہ بے تاب و تو اس نکلی
نڈر، بے باک، ہر تاپا مجاہد تھا، مجاہد بھٹا
مصیبت مول لے لی اور وقتار و نام تج ڈالا
سراپا علم، ہر تاپا عمل جاننا و مسرزا نہ
مجاہد جس کے سجدوں سے چمک اٹھی جبین ہند
جبین صاف پر جس کی مصائب میں نہ بل آیا
فرشتے دم بخود، جبریل چپ، کون و مکاں حیراں
ہوئی ہر بار رسوائی، ہوئی ہر بار پسپائی
صداقت پرورش پاتی، شجاعت پرورش پاتی
شریعت اسکے ہاتھوں میں سیاست اس کے ہاتھوں میں
نظر جاتی نہیں اندوہ سے اس جائے خالی پر
کلیجہ پھٹ رہا ہے، غم سے کچھ لکھا نہیں جاتا

ابھی ان کی قبر پاک پر رحمت کی بارش ہو

حلطف کی نظر ہو اور عنایت کی تراوش ہو

ہمنشیں کیسے بھلائیں حضرت سجاد کو

مولانا سید عروج احمد قادری

گرم آہوں نے جلا ڈالا دل ناشاد کو
ہائے وہ علم سراپا، ہائے وہ درد آشنا
ہم مسلمانوں کی خاطر جس نے سب کچھ تج دیا
شعلہ جوالہ تھی جس کی حیات کا میاب
جان دے دی جس نے احیائے شریعت کے لئے
آہ! وہ مرد خدا رشد و ہدایت کا چراغ
دفتر حسن عمل میں نام باقی ہے ابھی
تو نے پھونکی ہے وہ روح تازہ جسم مردہ میں
کیسے مٹ سکتی ہے تیری زندگی کی یادگار
منقلب کرنا ہے دنیا کو بانداز دیگر
انقلابی رو کو اسلامی بنانا ہے ہمیں

مطمئن رہ تیرا مقصد کھینچ لایا جائے گا

خار زار ہند کو گلشن بنایا جائے گا

وفات حضرت سجاد ایک پیغام ماتم ہے

مولانا محمد سلیمان آسی قاسمی مظفر پوری

ہوا اوجھل نگاہوں سے وہ چشم قوم کا تارا
بنی صبح بہاری شام کی ظلمت کا گہوارہ
وفات حضرت سجاد ایک پیغام ماتم ہے
زعیم قوم کا پی لینا ان جام شہادت کا
علم ہے سرنگوں کردار تحریک امامت کا
الہی ہو گیا کیا آہ! غم سے دل ہے سپارہ
ڈھلک کر مل گیا انوار سے وہ نور کا پارا
جہاں کا ذرہ ذرہ غم میں اس کے چشم پر نم ہے
یہ طوفانی زمانہ میں ہے اک طوفان آفت کا
پا ہے عالم امکاں میں ہنگامہ قیامت کا

جگر شق ہو نہ جائے صاحب احساس انساں کا
سیاست کی مسلمانوں کے گتھی کون سلجھائے
عمل کر کے شریعت کی حقیقت کون سمجھائے
گری آفت کی بجلی خرمن امید مسلم پر
غم جاد میں آتھی کا گھٹنا کام ہے گویا
مجھے اس سے محبت کا ملا انعام ہے گویا
ہر اک عالم کی قربانی کی ملت کو ضرورت ہے
سراپنا میں تری اسکیم پر ایسا رکرتا ہوں
تری اسکیم کے دہنے سے میں انکار کرتا ہوں
رگوں میں جب تلک ہے جوش اسلامی کا توں باقی
تری اسکیم پر جہاد! میں مرنے کو ہوں باقی

رفت از قوم مسلم مصلح اعظم

از جناب مولانا حکیم شاہ محمد شعیب نیر رضوی خانقاہ مجیبہ پھلواری شریف

جہاں پر شور و محشر زلزلہ، و خلقت خستہ و حیراں
فلک گریاں، زمیں نالاں، مکدر بر فلک اختر
خلش در سینہ ہا پیدا، خلش زیں غم بہر دلہا
گذشت از ما ہمہ سجاد جان علم و روح فن
امیر شرع را نائب زہے رایش ہمہ صاحب
بنال اے قوم مسلم زار کز تو گمشدایں گوہر
گوش اے نیر کھڑوں ز غم تا کے کنی نالہ
بسال رختش نیر شنید از ہا تنف غسیبی
بدرد قوم و مذہب مرد آہ آل مصلح قوم

تاریخ رحلت حضرت نائب امیر شریعتؒ

حضرت مولانا حکیم شاہ محمد شعیب نیر رضویؒ پھلواری شریف

در غم آں ہادی دیں مصلح ہمدرد قوم

خاک بر سر بیختم شد عالمے اندوہگین

سال ترحیلش چو جستم ہاتف غیبی بکفت

رخت چوں بر بست زین دنیا سوئے خلد بریں

إِنَّ مَوْتَ الْعَالَمِ وَاللَّهُ مَوْتُ الْعَالَمِ

۱۳۵۹ ہجری

کلک نیر زد رقم سال وفاتش ایں چنین

عربی مرثیہ

مولانا محمد امین صاحب استاذ جامعہ ذابھیل سورت گجرات نے حضرت مولانا کی وفات پر ایک مبسوط عربی مرثیہ لکھا تھا، جو ”حیات سجاد“ میں شائع ہوا، لیکن اس کے بعد شائع ہونے والے کسی مجموعہ میں دوبارہ اس کو جگہ نہیں دی گئی، حالانکہ اس کی علمی اور ادبی شان کے علاوہ ایک یادگاری حیثیت بھی ہے، وہ عربی مرثیہ پیش خدمت ہے:

فی رثاء زعیم الہند مولانا السید

ابی المحاسن محمد سجاد

ناظم الجمعية لعلماء الهند ونائب امیر الشرعیۃ فی بہار

رحمہ اللہ واثابہ دار رضاء

تھمی الجفون علی زعیم عباد داع الملة سید الابداد

شہم نبیل مفرد متوقد برابر الی المکارم ہاد

حبر خطیب مصقع متیقظ بطل نجید بارع نقاد

نحب خشوع صابر فیما دہت نوب الزمان علیہ صوب غوادی

مولى البرية غصرة لا مائل ولقد يجاء اليه فى استرشاد
 باغ لمرضاة الاله ولا ينى عن نصره فى يقظه ورقاد
 فاق الاكارم فى محاسن ذاته وصفاته والى النجاة ينادى
 طابت شمائله بمجد واضح يثنى عليه صديقه ومعادى
 يتلو الكتاب وكان يعمل بالذى فيه من الابلاغ والارشاد
 احبب الشريعة للنبي محمد لم يخش فيه نجدة الانجاد
 جم المناقب لا يزال مفكراً فيما يذب الناس عن الحاد
 ومحامياً لخمى الاله وناصرأ دين النبي وليس بالخياط
 رحب الفناء لكل ضيف طارق من رائج عجل الركوب وعاد
 تبكى عليه اماراة الشريعة من فقدوه ورفاقه فى الناد
 وادارة العلماء من جمعية وضعت لها الايدى على الاكباد
 كسعيد نائم الرئيس كفايت ال لاه من اشياخ اولى ارشاد
 قادوا النافى نهضة وطنية جمعاً كمثل الروح فى الاجساد
 نبكى على جبل العلوم وفضلها لابي المحاسن اذ مضى سجاد
 كم من رجال قداماً اذا مضوا حزن المائة مسرة الاعياد
 قد كان بين القوم نجماً ثاقباً تهدى به فى مظلم من وادى
 جلست رزيتنا فعز عزائنا من فقد حبر الملة المنقاد
 فسقى الاله ضريحه سحب الرضا من كل سارية همت وغواضى
 واثابه رضوانه بجنابه يوم الحساب ومجمع الاشهاد

ثم الصلوة على النبي محمد
 ما قام عبد صالح لرشاد



فصل سوم

آئینہ حیات

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجادؒ — عہد بہ عہد

- اسم گرامی: ابوالحسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ابن سید فرید الدینؒ
- والدہ ماجدہ: بی بی نصیرن (نصیر النساء)
- نانا بزرگوار: سید داؤد علیؒ
- نسب: جاجنیری سادات
- مقام ولادت: پٹنہ، بہار شریف نالندہ بہار
- ولادت: صفر ۱۲۹۹ھ / دسمبر ۱۸۸۱ء
- وفات والد ماجد: ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء
- آغاز تعلیم: ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء
- مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ: شوال ۱۳۱۰ھ / اپریل ۱۸۹۳ء
- روانگی کانپور اور دارالعلوم کانپور میں داخلہ: شوال المکرم ۱۳۱۴ھ / مارچ ۱۸۹۷ء
- دیوبند کا سفر اور دارالعلوم دیوبند میں داخلہ: شوال المکرم ۱۳۱۶ھ / مطابق فروری ۱۸۹۹ء
- دیوبند سے وطن واپسی اور نکاح: ربیع الاول ۱۳۱۷ھ / مطابق جولائی ۱۸۹۹ء
- مدرسہ سبحانیہ آباد میں داخلہ: غالباً شوال المکرم ۱۳۱۷ھ / مطابق فروری ۱۹۰۰ء
- مدرسہ سبحانیہ سے فراغت: شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ / مطابق نومبر ۱۹۰۲ء
- شادی اور رخصتی: ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء
- حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پوری نقشبندیؒ سے بیعت: ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء
- مدرسہ سبحانیہ میں دستار بندی بموقع اجلاس سالانہ: ۱۹۰۱ء / ربیع الاول ۱۳۲۲ھ / ۵۲۳ / جون ۱۹۰۴ء
- مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تقرر: ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء
- مدرسہ سبحانیہ آباد میں بحیثیت نائب صدر مدرس تقرر: یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ / ۱۳ / فروری ۱۹۰۷ء

- الہ آباد سے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف واپسی: _____ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ / جون ۱۹۰۷ء
- دوبارہ بہار شریف سے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد شریف آوری: ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ / اکتوبر ۱۹۰۸ء
- ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء
- سیاسی فکر کا آغاز: _____ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء
- الہ آباد سے گیا واپسی: _____ شعبان ۱۳۲۹ھ / اگست ۱۹۱۱ء
- مدرسہ انوار العلوم گیا کی تاسیس (نشاۃ ثانیہ): _____ شعبان ۱۳۲۹ھ / اگست ۱۹۱۱ء
- انجمن علماء بہار کی تاسیس: _____ ۳۰ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء
- انجمن علماء بہار کا پہلا اجلاس: _____ ۶، ۵ ر شوال ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۲، ۱۵ / جولائی ۱۹۱۸ء
- دوسرا نکاح: _____ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء
- تحریک خلافت کا آغاز: _____ ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء
- بمبئی میں دفتر خلافت کا قیام: _____ ۱۶ / جمادی الثانیہ ۱۳۳۷ھ / ۲۰ / رجب ۱۹۱۹ء
- گیا میں خلافت کمیٹی کا قیام: _____ رجب ۱۳۳۷ھ / اپریل ۱۹۱۹ء
- آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ میں شرکت اور قیادت: _____ ۲۱ / رزی الحجہ ۱۳۳۷ھ / ۱۸ / ستمبر ۱۹۱۹ء
- خلافت کمیٹی کے پہلے اجلاس دہلی میں شرکت: _____ ۲۸ / صفر المظفر ۱۳۳۸ھ / ۲۳ / نومبر ۱۹۱۹ء
- جمعیت علماء ہند کی تاسیس: _____ ۲۸ / صفر المظفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۳ / نومبر ۱۹۱۹ء
- خلافت کمیٹی کے دوسرے اجلاس امرتسر میں شرکت: _____ ۵ / ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸ / دسمبر ۱۹۱۹ء
- جمعیت علماء ہند کا پہلا اجلاس اور مجلس منظمہ کی باقاعدہ تشکیل: _____ ۵ / ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ
- مطابق ۲۸ / دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء
- جمعیت علماء بہار کا دوسرا اجلاس: _____ ۲۵ / شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ / مئی ۱۹۲۰ء
- جمعیت علماء بہار کے تحت دارالقضا کا قیام: _____ ۲۵ / شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ / مئی ۱۹۲۰ء
- جمعیت علماء ہند کے اجلاس خاص کلکتہ میں شرکت: _____ ۲۲ / رزی الحجہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۶ / ستمبر ۱۹۲۰ء
- جمعیت علماء ہند کا دوسرا اجلاس عام دہلی: _____ ۷ / ربیع الاول ۱۳۳۹ھ / ۱۹ / تا ۲۱ / نومبر ۱۹۲۰ء
- امارت شرعیہ کی تاسیس و بحیثیت نائب امیر شریعت انتخاب: _____ ۱۸ / ر شوال ۱۳۳۹ھ
- مطابق ۲۵، ۲۶ / جون ۱۹۲۱ء
- دفتر امارت شرعیہ کا قیام: _____ ۹ / رزی قعدہ ۱۳۳۹ھ / ۱۵ / جولائی ۱۹۲۱ء

- گلیا میں عظیم الشان جمعیت و خلافت کانفرنس: _____ رجب الثانی ۱۳۴۱ھ / دسمبر ۱۹۲۲ء
- حزب اللہ کا قیام: ۹ / ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ / ۲۳ / جون ۱۹۲۳ء
- قومی تعلیمی مرکز کا قیام: _____ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ / مطابق دسمبر ۱۹۲۴ء
- اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد کی صدارت: _____ ۱۵ / جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ / ۱۱ / جنوری ۱۹۲۵ء
- جمعیت علماء ہند کے ادارہ حربیہ کے سربراہ: _____ ۳۱ / مارچ تا یکم اپریل ۱۹۳۱ء (کئی سال تک)
- آزاد ہند کے دستور اساسی کی تسوید: _____ ۱۸ / رجب الاول ۱۳۵۰ھ / ۳ / اگست ۱۹۳۱ء
- جوان سال اکلوتے فرزند مولانا حسن سجاد (فاضل دیوبند) کا انتقال: _____ ۱۳ / ۵۳ھ / ۱۹۳۴ء
- یونٹی بورڈ لکھنؤ کے جلسہ میں شرکت اور تجاویز کی ترتیب: _____ ۱۳ / ۵۱ھ / ۱۹۳۲ء
- بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی تاسیس: _____ ۲۵ / اگست ۱۹۳۵ء / ۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ
- پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس اور عہدہ داران کا انتخاب: _____ ۱۲، ۱۳ / ستمبر ۱۹۳۶ء
- مطابق ۲۵، ۲۶ / جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ
- انڈی پنڈنٹ پارٹی کی حکومت سازی: _____ ۱۹ / محرم الحرام ۱۳۵۶ھ / یکم اپریل ۱۹۳۷ء
- مسنم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی حکومت کا خاتمہ: _____ ۱۹ / جولائی ۱۹۳۷ء / ۱۰ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ
- نظارت امور شرعیہ کا مسودہ: _____ ۱۳ / ۵۶ھ / مطابق ۱۹۳۷ء
- مدح صحابہ اجماعی ٹیشن لکھنؤ کی قیادت: _____ ۱۳ / ۵۷ھ / ۱۹۳۸ء
- بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند انتخاب: _____ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ / ۹ / جون ۱۹۴۰ء
- وفات حسرت آیات: _____ ۱۷ / شوال المکرم ۱۳۵۹ھ / ۱۸ / نومبر ۱۹۴۰ء / بروز سوموار
- مدفن: قبرستان خانقاہ مجیبہ پھلواری شریف پٹنہ
- کل مدت حیات: _____ ● بخاظن ہجری قریب انسٹھ برس دس ماہ ● اور بخاظن عیسوی قریب اٹھاون برس دس ماہ

تصنیفات

- فتاوی امارت شرعیہ جلد اول (محاسن الفتاویٰ) ● حکومت الہی ● مقالات سجاد ● قضایا سجاد
- مکاتیب سجاد ● قانونی مسودے ● خطبہ صدارت اجلاس مراد آباد ● امارت شرعیہ - شبہات و جوابات ● تذکرہ جمعیت علماء ہند ہندوستان دستور امارت شرعیہ ● متفقہ فتویٰ علماء ہند ہند وغیرہ۔





سنگ مزار حضرت مفکر اسلام ابوالحسن سید محمد سجادؒ



مرقد مبارک حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد سجادؒ (بمقام قبرستان خانقاہ مجیدیہ پھلواری شریف)

مصادر و مراجع کتاب

قرآن کریم و متعلقات

- (۱) قرآن کریم
- (۲) احسن البیان فی خواص القرآن از مولانا محمد احسن - تھانوی، مکتب احقاقیہ، اردو بازار کراچی
- (۳) الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، المؤلف: أبو الحسن علی بن أحمد بن محمد بن علی الواحدی، النیسابوری، الشافعی (المتوفی: ۴۶۸ھ)
- (۴) تفسیر اللباب فی علوم الکتاب، المؤلف: أبو حفص سراج الدین عمر بن علی بن عادل الحنبلی الدمشقی النعمانی (المتوفی: ۷۷۵ھ)۔
- (۵) لباب التأویل فی معانی التنزیل المؤلف: علاء الدین علی بن محمد بن إبراهیم بن عمر الشیخی أبو الحسن، المعروف بالحازن (المتوفی: ۷۴۱ھ)
- (۶) مختصر تفسیر البغوی المؤلف: عبد الله بن أحمد بن علی الزید الطبعة: الأولى الناشر: دار السلام للنشر والتوزیع - الرياض تاریخ النشر: ۱۴۱۶ھ عدد الصفحات: ۱۰۴۰ عدد الأجزاء: ۱
- (۷) معالم التنزیل المؤلف: محیی السنة، أبو محمد الحسین بن مسعود البغوی (المتوفی: ۵۱۰ھ) المحقق: حققه وخرج أحادیثه محمد عبد الله النمر - عثمان جمعة ضمیریة - سلیمان مسلم الحرش الناشر: دار طبیة للنشر والتوزیع الطبعة: الرابعة، ۱۴۱۷ھ - ۱۹۹۷م عدد الأجزاء: ۸۔
- (۸) تفسیر جوامع غلامہ طنطاوی مصری
- (۹) إرشاد العقل السلیم إلی مزايا الکتاب الکریم المؤلف: أبو السعود العمادی محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفی: ۹۸۲ھ) مصدر الکتاب: موقع التفاسیر
- (۱۰) تفسیر الجلالین المؤلف: جلال الدین محمد بن أحمد المحلی (المتوفی: ۸۶۴ھ) و جلال الدین عبد الرحمن بن أبي بکر السيوطي (المتوفی: ۹۱۱ھ)

- (١١) تفسير القرآن العظيم المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: 774هـ) المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر: دار طبية للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ - 1999م.
- (١٢) تنوير المقباس من تفسير ابن عباس المؤلف: ينسب لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى: 68هـ)، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادي (المتوفى: 817هـ)

حديث شريف ومتعلقات

- (١٣) الجامع الصحيح المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق: تعليق د. مصطفى ديب البغا
- (١٤) صحيح مسلم، المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري للمحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة - بيروت الطبعة: عدد الأجزاء
- (١٥) الجامع الصحيح سنن الترمذي المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها.
- (١٦) فيض الباري شرح صحيح البخاري، علامه انور شاه كشميري، دار الكتب العلمية بيروت ١٤٢٦هـ / ٢٠٠٥ء
- (١٧) كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، المؤلف: علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى: 975هـ) المحقق: بكري حياني - صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة 1401هـ / 1981م مصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية.
- (١٨) جامع الأحاديث المؤلف: الحافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (م ٩١١هـ)، دار الفكر بيروت، ١٩٩٣ء / ١٤١٣هـ.
- (١٩) سنن الدارمي المؤلف: عبد الله بن عبد الرحمن أبو محمد الدارمي الناشر: دار

- الكتاب العربي - بيروت الطبعة الأولى ، 1407 تحقيق : فواز أحمد زمرلي ،
خالد السبع العلمي الأحاديث مذيلة بأحكام حسين سليم أسد عليها .
- (٢٠) المستدرك على الصحيحين المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم
النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة الأولى ، - 1411
1990 تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا ، عدد الأجزاء : 4 مع الكتاب :
تعليقات الذهبي في التلخيص
- (٢١) مسند الإمام أحمد بن حنبل ، المؤلف : أبو عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل بن
هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241 هـ) الناشر : مؤسسة قرطبة - القاهرة
الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرناؤوط عليها
- (٢٢) سنن أبي داود المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار
الكتاب العربي - بيروت
- (٢٣) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد المؤلف : أبو عمرو يوسف بن عبدالله
بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى : 463 هـ) المحقق :
مصطفى بن أحمد العلوي ومحمد عبد الكبير البكري الناشر : مؤسسة القرطبة
- (٢٤) السنن الكبرى المؤلف : أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني ،
النسائي (المتوفى : 303 هـ) مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب
موافق للمطبوع]
- (٢٥) سنن البيهقي الكبرى ، المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر
البيهقي الناشر : مكتبة دارالباز - مكة المكرمة ، 1994 - 1414 تحقيق : محمد
عبد القادر عطا .
- (٢٦) السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ، المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن
علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي : علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير
بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند
ببلدة حيدرآباد انطبعة : الطبعة : الأولى - 1344 هـ
- (٢٧) فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل
العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة - بيروت ، 1379 تحقيق : أحمد بن علي

- بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي
- (٢٨) الجامع الصغير من حديث البشير النذير المؤلف : الإمام جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر بن محمد بن سابق الدين السيوطي
- (٢٩) منهاج السنة النبوية تأليف: أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني 728هـ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، المملكة العربية السعودية الأولى، 1406هـ/1986م-
- (٣٠) المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة المؤلف : شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي (المتوفى : 902هـ) المحقق : محمد عثمان الخشت الناشر : دار الكتاب العربي - بيروت الطبعة: الأولى، 1405هـ - 1985م
- (٣١) تذكرة الموضوعات المؤلف: محمد طاهر بن علي الفتني (المتوفى: 986هـ)
- (٣٢) سنن الدارقطني المؤلف: علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1966 - 1386 تحقيق: السيد عبد الله هاشم بياني المدني-
- (٣٣) البحر الزخار - مسند البزار المؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى: 292هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث
- (٣٤) الأحاد والمثاني لابن أبي عاصم المؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو النبيل أبو عاصم الضحاك الشيباني (المتوفى: 287هـ)
- (٣٥) أخبار مكة للفاكهي المؤلف: أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن العباس المكي الفاكهي (المتوفى: 272هـ)
- (٣٦) جامع الأصول في أحاديث الرسول المؤلف: مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري ابن الأثير (المتوفى: 606هـ) تحقيق: عبد القادر الأرناؤوط الناشر: مكتبة الحلواني - مطبعة الملاح - مكتبة دار البيان الطبعة: الأولى - أخرجه ابن عبد البر في جامع بيان العلم وفضله (2/97)

- (٣٧) حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ - 2000م. مكان النشر بيروت.
- (٣٨) الشرح الكبير، المؤلف: أبو البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير (المتوفى: 1201هـ)
- (٣٩) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، المؤلف: محمد بن أحمد الدسوقي (المتوفى: 1230هـ)
- (٤٠) منح الجليل شرح على مختصر سيد خليل. محمد عlish. الناشر دار الفكر سنة النشر 1409هـ - 1989م. مكان النشر بيروت.
- (٤١) حاشية الطحطاوي على الدر
- (٤٢) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان الطبعة الثانية 1406هـ - 1986م محمد عارف بالله القاسمي
- (٤٣) الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق: الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ - 1991م مكان النشر
- (٤٤) الاختيار لتعليل المختار المؤلف: عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان - 1426هـ - 2005م الطبعة: الثالثة تحقيق: عبد اللطيف محمد عبد الرحمن
- (٤٥) مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكلبي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرح آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ - 1998م مكان النشر لبنان/بيروت
- (٤٦) الفتاوى البزازية على هامش الهندية، المطبعة الكبرى الاميرية، بولاق مصر، ١٣١٠هـ
- (٤٧) الأحكام السلطانية للهاوردي

- (۴۸) تبصرة الحکام فی اصول الأقضية و مناهج الأحکام، المؤلف: إبراهیم بن علی بن محمد، ابن فرحون، برهان الدین الیعمری (المتوفی: ۷۹۹ھ)
- (۴۹) فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاضی، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلوارى شریف پٹنہ، ۱۹۹۸ء
- (۵۰) قضایا سجاد، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلوارى شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔
- (۵۱) آثار المحدثین فی ضروریات الدین مصنفہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری مطبوعہ مجلس علمی سملک و اجمیل تجربات طبع ثانی ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء
- (۵۲) قانونی مسودے، تالیف حضرت علامہ سید ابوالحسن محمد سجاد، ترتیب مولانا شامان اللہ ندیم، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلوارى شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء
- (۵۳) الحیاتیہ الناجزۃ، مطبوعہ مکتبہ رضی دیوبند، سن طباعت ۱۹۹۳ء
- (۵۴) مناقب سجاد، شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پٹنہ، سن اشاعت ۱۹۹۹ء
- (۵۵) حجة الله البالغة للإمام أحمد المعروف بشاه ولي الله ابن عبد الرحيم الدهلوي تحقيق سيد سابق الناشر دار الكتب الحديثة - مكتبة المثنى مكان النشر القاهرة - بغداد
- (۵۶) کتب الفسخ والتفريق مصنفہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی مع مقدمہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاضی، شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پھلوارى شریف پٹنہ، ۲۰۲۲ء مطابق ۲۰۰۰ء
- (۵۷) حکومت الہی، حضرت مولانا سجاد صاحب، طبع دوم از امارت شرعیہ ۱۹۹۹ء۔
- (۵۸) امارت شرعیہ شبہات و جوابات، مرتب کردہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاضی، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلوارى شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء
- (۵۹) متفقہ فتویٰ علماء ہند، ناشر منشی مشتاق احمد میرٹھ، مطبع ہاشمی میرٹھ
- (۶۰) کفایت المفتی مجموعہ فتاویٰ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، مرتب: مولانا حفیظ الرحمن واصف مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۱ء
- (۶۱) نظام قضاء کا قیام مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۶ء۔
- (۶۲) مجموعہ فتاویٰ عزیز، فارسی ایڈیشن مطبع مجتہبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔
- (۶۳) ہندوستان اور مسئلہ امارت، مصنفہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی، ناشر جمعیت علماء ہند، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء

- (٦٣) المبسوط للسرخسي تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل
السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة
والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ/2000م.
- (٦٥) شرح فتح القدير كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة/
سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت.
- (٦٦) البحر الرائق شرح كثر الدقائق زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة
926هـ/سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت.
- (٦٧) حاشية على مراقبي الفلاح شرح نور الإيضاح، أحمد بن محمد بن إسماعيل
الطحاوي الحنفي سنة الولادة/سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى
الأميرية ببولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر.
- (٦٨) السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية لابن تيمية رحمته الله، القسم الثاني
الحدود والحقوق الناشر دار ابن حزم 1424هـ/2003م.
- (٦٩) الأحكام السلطانية للإمام أبي الحسن الماوردي (متوفى ٤٥٠هـ) مطبعة السعادة مصر
- (٧٠) مسوده فرائض واختيارات امير الشريعة في المبدع مع مفصل نظام ثامه امير الشريعة مرتب كرده
سب كميث وحضرت مولانا محمد سجاد صاحب، شائع كرده: جمعية علماء هند، ١٣٢١هـ مطابق ١٩٢٣ء
- (٧١) اختلاف مسلک اور امارت شرعيه، شائع كرده مكتبه امارت شرعيه پهلوارى شريف پشته، ١٣٩٠هـ/١٩٤٠ء،
- (٧٢) معين الاحكام فيما يتردد بين الخصمين من الاحكام المؤلف: علي بن خليل
الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين (المتوفى: 844هـ، طبع مصطفى البابي
الخلبي مصر، ١٣٩٣ء.
- (٧٣) مقالات سجاد، جمع وترتيب: مولانا ضامن الله نديم، شائع كرده: امارت
شرعيه پهلوارى شريف پشته، ١٣١٩هـ/١٩٩٩ء
- (٧٤) المدونة الكبرى، المؤلف: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني
(المتوفى: 179هـ) المحقق: زكريا عميرات، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت
-لبنان.
- (٧٥) حاشية على مراقبي الفلاح شرح نور الإيضاح أحمد بن محمد بن إسماعيل
الطحاوي الحنفي سنة الولادة/سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى

- الأمیرية بیولاق سنة النشر 1318ھ مکان النشر مصر عدد الأجزاء۔
- (۷۶) المواقف فی عم الکلام، قاضی عبدالرحمن بن احمد الایوبی، طبع عالم الکتب بیروت
- (۷۷) جامع الفصولین، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی
- (۷۸) ہندوستان میں شرعی پنجائیت ہی کیوں دارالقضا کیوں نہیں؟ افادات: حضرت مفتی عبدالقدوس رومی، جامع: مفتی محمد القدوس خلیب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یو پی، ناشر مجمع الفقہین الحقنقی الہند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔
- (۷۹) إحياء علوم الدين المؤلف: محمد بن محمد أبو حامد الغزالي (المتوفى: 505ھ
- (۸۰) سیاست حاضرہ اور ادارہ امارت شرعیہ، شائع کردہ حسب فرمائش مولوی حکیم محمد ولی عالم صاحب صدیقی۔ برقی مشین پریس مراد پور بانکی پور، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
- (۸۱) اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات، مرتبہ مولانا عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ، ۱۹۳۸ء

سیر و سوانح

- (۸۲) حضرت مولانا ابوالحسن محمد مجاہد حیات و خدمات (مجموعہ مقالات سیمینار ۲۱، ۲۰ / اپریل ۱۹۹۹ء)
- مرتبہ: مولانا انیس الرحمن قاسمی، ۲۰۰۳ء
- (۸۳) حیات محی الممۃ والدین، مؤلفہ: حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری، شائع کردہ دارالاشاعت خانقاہ مجیدیہ پھلواری شریف پٹنہ۔
- (۸۴) نقوش سلیمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، ناشر: دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء
- (۸۵) سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، مؤلفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ
- (۸۶) آثار الکرام، مصنفہ مولانا آزاد بلگرامی، اردو ترجمہ شاہ محمد میاں فاخری، دار المصنفین کراچی ۱۹۸۳ء
- (۸۷) مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن سید محمد مجاہد، مرتبہ: مولانا طلحہ نعمت ندوی، ناشر جمعیت علماء ہند، ۲۰۱۸ء
- (۸۸) تذکرۃ ابوالحسن۔ مرتبہ: اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ: جمعیت علماء ہند، ۲۰۱۹ء
- (۸۹) تذکرۃ علماء و مشائخ پاکستان و ہند مؤلفہ محمد اقبال مجددی، مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور، ۲۰۱۳ء
- (۹۰) حیات گیلانی، بتانیف حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی، ناشر: مولانا یوسف اکیڈمی بنارس، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء
- (۹۱) حیات سلیمان از مولانا شاہ معین الدین ندوی، ناشر دار المصنفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء
- (۹۲) محاسن مجاہد، مرتبہ: مولانا مسعود عالم ندوی مطبوعہ کتب خانہ عزیز یار دو بازار دہلی، اپریل ۱۹۴۱ء

- (۹۳) حیات سجاد مرتبہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی، ناشر: مکتبہ امارت شریعہ پھلواری شریف پٹنہ، پرنٹر: برقی مشین پریس، مراد پور بانگی پور پٹنہ، اکتوبر ۱۹۴۱ء
- (۹۴) حیات سجاد مصنفہ: مولانا عظمت اللہ طبع آبادی، شائع کردہ: حسب ارشاد مولانا عبدالصمد رحمانی، ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند، مطبوعہ اندری برقی پریس دہلی
- (۹۵) حقیقت سجاد، مرتبہ: سید احمد عروج قادری، آستانہ مجتہد شریف ضلع گیا، ۱۹۴۱ء
- (۹۶) تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری، مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ مفتی ظفر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منورہ اشرف، ۲۰۱۸ء
- (۹۷) درس حیات، مرتبہ قاری فخر الدین بیرونی، مطبوعہ مدرسہ اسلامیہ قومیہ گیا طبع دوم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء
- (۹۸) الاعلام بمن فی تاریخ البند من الاعلام المسمی بزمیۃ الخواطر مصنفہ حضرت مولانا عبدالحی الحسنی لکھنؤی، دارالابن حزم بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء
- (۹۹) الاستاذ مسعود عالم ندوی فی ضوء حیاتہ وخدماتہ، تالیف: مولانا طلحہ نعمت ندوی ناشر: مجمع الاسلام بھٹکل
- (۱۰۰) حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نقوش و تاثرات، مرتبہ طلحہ نعمت ندوی، مضبوط علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی اتھناواں، بہار شریف، ۲۰۱۶ء
- (۱۰۱) تذکرہ علماء ہندوستان (مظہر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء)، تالیف مولانا سید محمد حسین بدایونی (متوفی ۱۹۱۸ء)، تحقیق تدوین، تہذیب، ذاکر خوشہ نورانی، شائع کردہ مکتبہ جامعہ نور، میاں محل، علی، ۱۹۱۸ء
- (۱۰۲) نور بدلی حیات خدمات نور الہدی بیرون شمس الہدی بانی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی، مطبوعہ برقی مشین بانگی پور پٹنہ، ۱۹۴۱ء
- (۱۰۳) حضرت امیر شریعت نقوش و تاثرات از مولانا عطاء الرحمن قاسمی
- (۱۰۴) سید محمود، مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمن
- (۱۰۵) تذکرہ مشاہیر ہندکاروان رفتہ از مولانا سیرادروی، ناشر: دارالعلوم حیدرآباد، ہفتہ شمس اشاعت: دارالمؤلفین دیوبند، ۱۳۱۵ھ/۱۹۹۴ء
- (۱۰۶) ٹوٹے ہوئے تارے، مصنفہ شاد محمد عثمانی، مطبوعہ دہلی
- (۱۰۷) تذکرہ مولانا ابوسمہ شفیع بہاری، مرتبہ مولانا رشید احمد فریدی شائع کردہ ادارہ ترجمہ و تالیف، سرسید احمد روڈ کھٹک، ۲۰۰۹ء
- (۱۰۸) تذکرہ علماء بہار مؤلفہ مولانا ابوالکلام شمسی سابق پرنسپس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ، ناشر:

- جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالاساتھ سیتا مہی، ۱۹۹۵ء
- (۱۰۹) تاریخ اطباء بہار، مؤلفہ: حکیم محمد اسرار الحق صاحب سابق پروفیسر گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ، ۱۹۸۰ء
- (۱۱۰) حسن حیات سوانح قاضی سید احمد حسین صاحب۔ مصنفہ: شاہ محمد عثمان، شائع کردہ مجلس علمی، ذاکر باغ اوکھلائی دہلی، ۱۹۹۱ء
- (۱۱۱) حسرة الآفاق بوفاة مجمع الاخلاق، مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محی، ناشر: اشاعت العلوم فرنگی محل، سن تصنیف: ۱۹۲۹ء
- (۱۱۲) یاد فرنگی، تصنیف علامہ سید سلیمان ندوی، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی، ۲۰۰۳ء
- (۱۱۳) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، مرتبہ مولانا مفتی محمد میاں صاحب
- (۱۱۴) تذکرہ نسوان ہند، مؤلفہ: فتح الدین بلخی، مطبوعہ شمسی پریس پٹنہ
- (۱۱۵) نقش حیات خودنوشت سوانح حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- (۱۱۶) عرس حضرت بانسہ، مؤلفہ معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباقی فرنگی محی، شائع کردہ: قادری بک ایجنسی نمبر ۸۱ وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
- (۱۱۷) تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی، مؤلفہ محمد رضا انصاری فرنگی محل لکھنؤ، ۱۹۸۶ء
- (۱۱۸) شیخ الہند مولانا محمود حسن ایک سیاسی مطالعہ، مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مطبوعہ فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء
- (۱۱۹) مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن ایک سیاسی مطالعہ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، ناشر فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء
- (۱۲۰) تذکرۃ الرشید مؤلفہ مولانا عاشق الہی میرٹھی
- (۱۲۱) سیرت سید احمد شہید، مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مطبوعہ لکھنؤ
- (۱۲۲) ذکرا زاد، مصنفہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر: مکتبہ جمال لاہور، ۲۰۱۰ء
- (۱۲۳) سیرت مولانا محمد علی مونگیری، مصنفہ مولانا محمد ثانی احسنی، ناشر مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۰ء
- (۱۲۴) اعیان وطن (آثارات پھلواڑی شریف، مصنفہ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب، طابع و ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبہ پھلواڑی شریف پٹنہ، ۱۹۴۷ء
- (۱۲۵) تحفۃ احسان (شعراے کشن گنج کی مختصر تاریخ) مرتبہ حکیم رکن الدین دانا، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو کشن گنج، ۱۹۴۰ء
- (۱۲۶) حیات مجاہد مرتبہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، طبع ۲۰۰۲ء، ۲۰۰۳ء حیدر آباد

(۱۲۷) مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد خفیر الدین مفتی مفتی دارالعلوم دیوبند ناشر دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء

(۱۲۸) التحبیر فی المعجم الكبير المؤلف: عبد الكريم بن محمد بن منصور التميمي السمعاني المروزي، أبو سعد (المتوفى: 562ھ) المحقق: منيرة ناجي سالم الناشر رئاسة ديوان الأوقاف - بغداد الطبعة: الأولى، 1395ھ - 1975م

(۱۲۹) الأعلام المؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396ھ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وتراجمه مضافة لخدمة التراجع (أكثر من 14000 ترجمة)]

(۱۳۰) پرانے چراغ، مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

(۱۳۱) ذکر یونس مرتبہ تقی رحیم صاحب، شائع کردہ: سیر محمد یونس میموریل کمیٹی، یونس کیمپس، ایس پی ورما روڈ پٹنہ، اشاعت دوم مئی ۲۰۱۲ء

(۱۳۲) مسٹر محمد یونس ہارایت (ایک تعارف از کامرید تقی رحیم)

(۱۳۳) صوبہ بہار کے پہلے وزیر اعظم سیر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس مرتبہ اصغر امام قدسی

تاریخ و جغرافیہ

(۱۳۴) تاریخ مگدھ مرتبہ موسیٰ فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی - ۱۹۴۴ء

(۱۳۵) تاریخ دعوت و عزیمت مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی

(۱۳۶) اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتداء ۲۰۰۰ء)، مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء، ملتان، ناشر ایجوکیشنل پبلیکیشن ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰ء

(۱۳۷) بزم تیموریہ، مؤلفہ سید عبا الدین عبدالرحمن امراے دارالمصنفین، مطبع معارف اعظم ٹرڈ، ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

(۱۳۸) تاریخ فرشتہ، مصنفہ محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ اردو: عبدالحی، مطبع نئی پرنٹنگ پریس لاہور نومبر ۱۹۶۲ء

(۱۳۹) شرقی و غری (تذکرہ صوفیہ بہار از سید قیام الدین نظامی قادری فردوسی، ناشر: نظامی اکیڈمی کراچی پاکستان، ۱۹۹۵ء/ ۱۳۱۶ھ

(۱۴۰) تاریخ بارہ گانواں و مضفات، از ڈاکٹر مجیب الرحمن، سس اشاعت مئی ۱۹۷۸ء

- (۱۲۱) علمائے بہار کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۰۲ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبہ علوم اسلامی معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء
- (۱۲۲) تاریخ مشائخ بہار، مؤلفہ ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی حجادہ نقشب، خانقاہ صوفیہ اسلام پورہ ہند بہار، شائع کردہ مکتبہ، خانقاہ صوفیہ ہندو، اپریل ۲۰۰۳ء
- (۱۲۳) شہزاد کاپور مرتبہ: ڈاکٹر سید سعید احمد، مطبوعہ سید اینڈ سید (پبلشرز) کراچی ۲۰۰۱ء۔ مقام اشاعت: شاہراہ سعدی، کلفٹن، بلاک ۲ کراچی پاکستان
- (۱۲۴) امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب، تالیف: حضرت مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی شائع کردہ مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ مطبوعہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء
- (۱۲۵) مدرسہ امدادیہ درجہ ترقی کے آئینے میں، مرتبہ غلام الرحمن رضوی، ناشر مدرسہ امدادیہ درجہ ترقی، ۲۰۰۵ء
- (۱۲۶) مدرسہ انوار العلوم کا تعارف، مرتبہ قاری غنیمت قاسمی، ۲۰۰۰ء
- (۱۲۷) تحریک خلافت، مرتبہ قاضی محمد عدیل عباسی، شائع کردہ: ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، ۱۹۷۸ء
- (۱۲۸) ترک نادان سے ترک دان تک، مرتبہ مفتی ابوالہ پشاہ منصور، ناشر: السعید پبلیکیشن کراچی
- (۱۲۹) خلافت اور ہندوستان، مرتبہ غلام سید سلیمان ندوی، مطبع معارف اعظم لاہور، ۱۳۴۰ھ
- (۱۳۰) أحسن التقاسیم فی معرفة الأقالیم المؤلف: شمس الدین أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبی بکر البناء المقدسی المعروف بالبشاری (المطوفی: نحو 380ھ
- (۱۳۱) واقعات دار الحکومت دہلی، مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی ایم، آر، اے، ایس، لندن، اول تعلقہ دار (کلکٹر) پشاور سرکار علی نظام، شمس مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان و محمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی، ۱۹۱۹ء
- (۱۳۲) جمعیت علماء ہند پر تاریخی تبصرہ، مؤلفہ مولانا حفیظ الرحمن واصف سابق مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی، سینٹرل بکڈ پوارڈ بازار، دہلی، ۱۹۶۹ء
- (۱۳۳) مختصر حالات انعقاد جمعیت علماء ہند، مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ناظم اول جمعیت علماء ہند، محبوب المطابع دہلی
- (۱۳۴) جمعیت علماء ہند کی دوسرا روداد بابت ۱۳۳۸ھ و ۱۳۳۹ھ، فضل المطابع پریس دہلی، نومبر ۱۹۲۱ء
- (۱۳۵) جمعیت علماء کیسے؟ مرتبہ: مولانا سید محمد میاں صاحب، مطبوعہ الجمعیت بکڈ پوارڈ۔
- (۱۳۶) تاریخ امارت، مصنفہ مولانا عبد الصمد رحمانی۔ طبع ثانی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔ ۱۳۶۷ھ
- (۱۳۷) جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد، ناشر: مکتبہ خدام القرآن لاہور، طبع ۱۳۰۳ء

- (۱۵۸) مجموعہ فرامین حصہ اول۔ حضرت امیر شریعت صوبہ بہار وائریسہ۔ مدظلہ العالی۔ مرتبہ مولانا ابوالبیان صاحب اعجاز گیلانی ناظر دار الامارۃ الشرعیۃ صوبہ بہار وائریسہ، مطبوعہ دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف۔ ۱۳۰۴ھ
- (۱۵۹) مقدمہ ابن خلدون۔ مطبوعہ الشرفیۃ
- (۱۶۰) تاریخ ابن خلدون، المؤلف: عبد الرحمن بن محمد، ابن خلدون (المتوفی: ۸۰۸ھ) دار احیاء التراث العربی بیروت۔ لبنان
- (۱۶۱) (المنقذ فی أخبار قریش المؤلف: أبو جعفر محمد بن حبیب بن أمیة البغدادی (المتوفی: ۲۴۵ھ))
- (۱۶۲) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ، مصنف: جناب تقی رحیم صاحب، شائع کردہ: خدا بخش اور نخل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۸ء
- (۱۶۳) یکہ و اطراف اور یہاں کی دو نامور شخصیات تالیف: موادنا منور سلطان ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، شائع کردہ: شفیق اردو لائبریری یکہ، ضلع مدھوبنی بہار، ۲۰۱۲ء
- (۱۶۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی سیاسی وائری، مرتبہ: ابوسلمان شاد جہان پوری، ناشر: فرید بک پبلی
- (۱۶۵) تاریخ جمعیۃ علماء ہند ص ۱۴ مرتبہ مولانا اسیر اوروی صاحب، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۱۳۰۳ھ

زبان و ادب

- (۱۶۶) بہار میں اردو نثر کا ارتقاء (۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک) مرتبہ: ڈاکٹر سید مظفر اقبال صدر شعبہ اردو بھانگلپوریونیورسٹی، ناشر: کتاب خانہ ترپولیا پٹنہ، ۱۹۸۰ء پبلیکیشن
- (۱۶۷) دیوان رواقی۔ مقدمہ تحریر کردہ جناب سید مطیع الرحمن صاحب، یہ دیوان جناب مولوی محمد حسن صاحب محسن بی اے ایڈمنسٹریشن ایسکول در بھنگہ، اور جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب بی اے وکیل کی فرمائش پر جناب سید مطیع الرحمن غوثی سیکریٹری دارالتصانیف والتالیف بھیروپٹی ڈاکخانہ چک بہاء الدین ضلع در بھنگہ کے زیر اہتمام مطبع ملکی بھیروپٹی در بھنگہ سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔
- (۱۶۸) برید فرنگ (مجموعہ خطوط علامہ سید سلیمان ندوی)۔ جو علامہ نے ۱۹۲۰ء میں یورپ سے ہندوستان کی مختلف شخصیتوں کے نام لکھے تھے۔ شائع کردہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۷ء

رسائل، جرائد اور خطبات و مواعظ و متعلقات

- (۱۶۹) خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند مراد آباد، ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۹۱۹ھ
- (۱۷۰) آئینہ ۳۰/۳/۲۰۱۶ء مضمون مولانا شاہ محمد طیب عثمانی ندوی
- (۱۷۱) الوقعہ کراچی شمارہ: ۶۷۶۶، ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ، ستمبر ۲۰۱۷ء
- (۱۷۲) زندگی نو، اپریل ۱۹۹۸ء
- (۱۷۳) ملفوظات محدث کشمیری، مرتبہ حضرت مولانا سید احمد رضا بکنوری، ناشر ادارہ نالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۳۱ھ
- (۱۷۴) خطبہ صدارت جمعیت علماء ہند گیا حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مطبع قاسمی دیوبند
- (۱۷۵) خطبہ صدارت جمعیت علماء ہند پشاور، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، جید برقی پرنس ملی ماران دہلی
- (۱۷۶) خطبہ استقبالیہ دوروزہ عظیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل ۲۰۰۶ء، پیش کردہ منظمہ کمیٹی مدرسہ انوار العلوم گیا
- (۱۷۷) خطبات آزاد، ناشر: ارشد بک سیلرز علامہ اقبال روڈ میرپور آزاد کشمیر
- (۱۷۸) خطبہ صدارت اجلاس عام جمعیت علماء ہند فکنت، علامہ سید سلیمان ندوی۔
- (۱۷۹) مکاتیب سجاد جمع و ترتیب مولانا محمد ضحان اللہ ندیم، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء
- (۱۸۰) دوسیاں دستاویز (حضرت مولانا محمد سجاد اور مسر عبد العزیز کے دو خطوط کا مجموعہ) شائع کردہ حسب فرمائش حضرت مولانا عثمان غنی صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۳۶ء

ویب سائٹ

- (۱۸۱) آزاد دائرۃ المعارف، ۱۸۲- ویکی پیڈیا، ۱۸۳- فیس بک





فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Ph : 011-23288788, 011-23288158, 011-23278954, 011-23278998

NASIR KHAN : +91-9250983868 Mob : +919568870828

E-mail : faridbookcorner@gmail.com Whatsapp : +91-9717968328

₹ 1000/-